بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾

فتاویٰ دارالعلوم زکریا

جلدِ ہفتم

”بقية كتاب الحظر والإباحة : أحكام اللباس والشعور ، أحكام السلام والمصافحه ،
أحكام الأسامي والألقاب، أحكام الألعاب و اللهو واللعب وما يتعلق بالأشياء المقدسة“

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

تہذیب وتحقیق

محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت

معین دارالافتاء دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

نام کتاب:...... **فتاویٰ دارالعلوم زکریا** جلدِ ہفتم (۷)۔

اشاعتِ اول:...... مارچ ۲۰۱۶ء ، ۱۴۳۷ھ زم زم پبلشرز کراچی۔

اشاعتِ دوم:...... مئی ۲۰۱۶ء ، بمبئی۔

اشاعتِ سوم:...... ۲۰۱۸ء مکتبہ اشرفیہ دیوبند۔

کتابت وکمپوزنگ:...... دارالافتاء، دارالعلوم زکریا۔

صفحات: ۸۶۳۔

Darul Iftaa Darul Uloom Zakariyya

Lenasia South Africa

Email:duziftaa@gmail.com

shaikhim99@gmail.com

Tel:0027118592694

0027839510492

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرستِ فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ہفتم (۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ عنوانات

فصل سوم

حجاب اور پردہ کے احکام کا بیان

باب......﴿۵﴾

ما یتعلق بأحکام الشعور والختان والخضاب وتقلیم الأظفار

فصل اول

ڈاڑھی، مونچھ کے احکام کا بیان

فصل پنجم

خضاب سے متعلق احکام کا بیان

باب ......﴿٦﴾

ما يتعلق بأحكام السلام والتقبيل والمصافحة والمعانقة

سلام، تقبیل، مصافحہ اور معانقہ کے احکام

باب ......﴿۷﴾

ما یتعلق بأحکام الأسامی والألقاب

نام اور القاب سے متعلق احکام کا بیان ۴۷۸

باب ......﴿۸﴾

ما يتعلق بآحكام الألعاب والهو واللعب

فصل اول

کھیل کود کے احکام کا بیان

فصل دوم

غنا، موسیقی اور آلاتِ مزامیر کے احکام کا بیان

فصل سوم

ریڈیو کے احکام کا بیان

فصل چہارم

آلاتِ جدیدہ سے تصویر کشی کے احکام:

باب ﴿۹﴾

ما یتعلق بالقرآن الکریم والذکر والتلاوۃ والأشیاء المقدسۃ

قرآن کریم سے متعلق احکام کا بیان

فصل چہارم

اشیائے مقدسہ کے احکام کا بیان

پیش لفظ

از حضرت مفتی رضاء الحق صاحب حفظہ اللہ ورعاہ

شیخ الحدیث وصدر مفتی دارالعلوم زکریا، لنیشیا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلدِ ہفتم آپ کے شوقِ مطالعہ کی منتظر ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے علمی مراکز سے دوراُفتادہ دارالعلوم زکریا کے فتاویٰ کو جو مقبولیت عنایت فرمائی یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان اوراکابر اساتذہ ومشائخ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے، خصوصاً ہمارے شیخ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم زکریا کے تمام شعبوں کی ترقی کے لیے ہمیشہ دعاگو رہتے تھے، ان کی سرپرستی اور بارآور دعاؤں کے نتیجہ میں چند طلبہ سے شروع ہونے والا مدرسہ اب جنوبی افریقہ کے چند بڑے اوراہم مدارس میں شمار ہوتا ہے۔

ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس بات کا بقدرِ ہمت اہتمام کیا ہے کہ وہ عام مسائل جواردو کے مطبوعہ فتاویٰ میں موجود ہیں ان کے لکھنے سے پہلوتہی کی جائے اورایسے سوالات کے جوابات کوفتاویٰ کا جز نہ بنایا جائے تاکہ بلاوجہ تطویل نہ ہو، بلکہ زیادہ تراہم اور تحقیق طلب مسائل کی تحقیق ودلائل پر توجہ دی جائے الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔

سابقہ جلدوں میں ہمارے خیال میں اور بعض احباب کے مشورہ پر جس مسئلہ میں نظر ثانی یااس سے رجوع کی ضرورت تھی ہم نے اس مسئلہ یااس کے دلائل پر نظر ثانی کا اہتمام اپنی استطاعت کے موافق کرلیا ہے اور موقع بموقع طبع بھی ہوچکے ہیں، البتہ دومسائل نئے ہیں جو تاہنوز طبع نہیں ہوئے تھے وہ اس مضمون کے آخر میں ہدیہ ناظرین کیے جائیں گے۔

جلد سابع میں مسلمانوں کے ناموں کا اچھا ذخیرہ آچکا ہے اور ناموں کے بارے میں احادیث کا مطلب اور تشریح بھی آگئی ہے، بعض حضرات کوتعجب ہوگا کہ اتنی کثرت سے ناموں کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت اور کیا وجوہات تھیں؟ تواس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سے بکثرت بچوں اور بچیوں کے ناموں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تھا اور ہم اکثر زبانی اور بعض مرتبہ کتابوں کی مراجعت کے بعد جواب دیتے رہے، اوراگر کوئی نام عبرانی ہوتا تو

سائل کے اطمینان کے لیے اور اکثر اس کے اصرار پر عربی لغت کی مناسبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جواب دیتے رہتے تھے، اس طرح ناموں کا کچھ ذخیرہ جمع ہوگیا پھر افادۂ عام کی خاطر ان کے ساتھ مزید ناموں کو شامل کیا گیا۔

اس جلد میں دارالافتاء کے جن طلبہ نے جوابات اور حوالوں میں تعاون فرمایا دارالافتاء ان کا ممنون ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو ان کے درخشندہ مستقبل کے لیے ترقی کا زینہ بنادے، ہم اربابِ اہتمام کے بھی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے دیارِ غیر میں ہمارے لیے علمی ماحول مہیا فرما کر اس علمی کام کو آسان بنایا، اللہ تعالیٰ سب معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس جلد کو سابقہ جلدوں کی طرح مقبول بنادے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرمادے، ہم اپنی سب تحریرات کے بارے میں یہ کہتے ہیں: **إن كان صواباً فمن الله تعالىٰ وإن كان خطأً فمنا ومن الشيطان .**

جلدِ اول کے ایک مسئلہ پر اشکالات اور اس کے جوابات:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتاویٰ دارالعلوم زکریا (۱/ ۴۶۷) میں کسی سائل کا سوال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کہنا: ”**امصص بظر اللات**“ آپ لات کی شرمگاہ کو چوس لیا کریں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کے خلاف ہے، نیز آیتِ کریمہ: ﴿ **ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغير علم** ﴾ کے خلاف ہے، نیز قادیانی مرزا کے مغلظات کو اس روایت سے سند جواز عطا کرتے ہیں اور شیعہ اس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بدزبانی کا مظہر قرار دیتے ہیں، اس کے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ **بظر** کے ایک معنی ہونٹ کے درمیان کا ابھرا ہوا حصہ ہے یا اوپر والا ہونٹ تو یہ معنی ہوں گے کہ آپ اپنے لات کے ہونٹ چوستے رہیں، اس کے بالمقابل ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب چوستے رہیں گے، یا ان کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور ان سے محبت کریں گے۔

اس جواب پر ایک مولانا صاحب نے ایک دارالعلوم کے موقر رسالہ میں تنقید فرمائی ہے، یہ تنقیدی مضمون مجھے کافی مدت کے بعد ایک صاحب نے دکھایا بندۂ عاجز نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان کے مناسب ایک توجیہ لکھی تھی، اس لیے اس مضمون کے جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بعض احباب کی فرمائش پر کچھ مزید گزارشات پیش کی جارہی ہیں، مضمون نگار نے تقریباً ۱۷ شروحات کے حوالے اپنے پسندیدہ معنی کی ترجیح کے لیے دئے ہیں، شروحات کی روشنی میں یہ معنی بندۂ عاجز کو پہلے سے معلوم ہیں لیکن بندہ نے اپنے خیال

میں اس سے زیادہ مناسب معنی لیا جولغت کی کتابوں کے بھی موافق ہے بندہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کلام کوسب شتم سے بچا کر دوسرے معنی پر محمول کرنے کی کوشش کی، مضمون نگار نے تحریر فرمایا ہے کہ حالتِ جنگ میں گالی دینا قتال باللسان کی ایک قسم ہے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر حالتِ جنگ تھی، اس لیے قتال باللسان اختیار کیا گیا، بہتر یہ ہے کہ ہم اختصار کے ساتھ جہاد کی اقسام کسی معروف ومشہور کتاب سے نقل کریں اور جہاد باللسان کی تشریح کر لیں، ہم حافظ ابن قیم کی زادالمعاد سے جہاد کی قسمیں نقل کرتے ہیں اور تطویل سے دامن بچاتے ہوئے عربی عبارات کو چھوڑ کر صرف ترجمہ بلکہ حاصل ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ جہاد کی چار قسمیں ہیں: (۱) بمقابلہ نفس۔ (۲) بمقابلہ شیطان۔ (۳) بمقابلہ معاند یعنی دین دشمن کفار ومنافقین۔ (۴) بمقابلہ فساق مومنین۔ پھر نفس کے مقابلہ میں جہاد کی چار شاخیں ہیں: جہاد بالعلم، جہاد بالعمل، جہاد بالدعوۃ، جہاد بالصبر۔ نفس کا مقابلہ کر کے علم حاصل کرنا پھر نفس کو دبا کر عمل کرنا اور دعوت دینا اور اس راہ میں آنے والی مشکلات اور آزمائشوں پر صبر کرنا۔

(۲) جہاد بمقابلہ شیطان کی دو قسمیں ہیں: شیطانی شبہات کو دفع کرنا اور شیطانی خواہشات کو دفع کرنا، یادرہے کہ نفسانی خواہشات اور ہیں اور شیطانی خواہشات الگ ہیں ہاں کبھی دونوں مل جاتی ہیں بدبودار شراب کو پینے میں نفس کا کونسا تقاضا شامل ہے ہاں شیطان نے اس میں خیالی سرور پیدا کر کے اس کو محبوب بنایا ہے۔

(۳) جہاد بمقابلہ اعداء دین کی علامہ ابن قیمؒ نے چار شاخیں بیان کی ہیں، ہم بجائے چار کے ان کی چھ قسمیں بنا سکتے ہیں: (۱) جہاد بالقلب (۲) جہاد بالمال (۳) جہاد بالروح والبدن (۴) جہاد بالقلم (۵) جہاد بالمنصب والجاہ (۶) جہاد باللسان۔

جہاد بالقلب تو دل سے ان کے کفریات کو برا سمجھنا، جہاد بالمال ظاہر ہے، جہاد بالبدن والروح باطل کے مقابلہ میں تن من لگانا، جہاد بالقلم باطل کے خلاف اپنا قلم وقف کرنا، جہاد بالجاہ اپنے مرتبہ ومنصب کے ذریعہ دین کو فائدہ پہونچانا اور اپنے ماتحتوں کو دین کی طرف لانا اور بلانا یہ جہاد مسلمانوں کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اور جہاد باللسان کا مطلب اپنی دعوتی زبان سے حق کو تقویت پہونچانا ہے۔

(۴) فساق وفجار مؤمنین کے مقابلہ میں جہاد کی تین قسمیں ہیں: جہاد بالید، جہاد باللسان جہاد بالقلب ان اقسام کی طرف مشہور حدیث میں اشارہ موجود ہے: **من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان**. (صحيح مسلم، رقم:٤٩، باب بيان

كون النهى عن المنكر من الايمان).

جہاد کی ان اقسام میں سے جہاد باللسان کا ذکر قارئین کے سامنے آگیا جہاد باللسان دین کی طرف دعوت ہے یا مناظرہ اور دلائل کے ساتھ مقابلہ ہے جہاد باللسان گالی گلوچ نہیں ہے۔

بندہ عاجز عرض گزار ہے کہ سب وشتم کسی مسلمان کے ساتھ مناسب نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا درجہ تو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے اونچا ہے حدیث میں آتا ہے: **ليس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش البذى.** (سنن ترمذی:۲/۱۸).

طعنہ بازی اور لعنت بھیجنا مسلمان کی شان نہیں ہے۔صحیح مسلم شریف میں ہے: **المستبان ماقالا فعلى البادى مالم يعتد المظلوم.** (صحیح مسلم:۲/۳۲۱) گالی گلوچ کرنے والوں میں ابتدا کرنے والے پر گناہ ہے جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **إن رجلاً شتم أبابكر والنبي صلى الله عليه وسلم جالس فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يعجب ويتبسم فلما أكثر رد عليه بعض قوله فغضب النبي صلى الله عليه وسلم وقام فلحقه أبوبكر رضی اللہ عنہ فقال: يا رسول الله! كان يشتمنى وأنت جالس فلما رددت عليه بعض قوله غضبت وقمت قال: إنه كان معه ملك يرده عنك فلما رددت عليه بعض قوله وقع الشيطان فلم أكن لأقعد مع الشيطان.** (مسنداحمد:۱۵/۳۹۰/۹۶۲۴) **قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: حسن لغيره،**

یعنی ایک آدمی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کر رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے جب اس آدمی نے بہت سب وشتم کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے اور چلے گئے ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے گئے اور کہا یا رسول اللہ جب وہ گالی دے رہا تھا تو آپ بیٹھے تھے جب میں نے جواب دیا تو آپ غصہ ہوئے، آپ نے فرمایا: جب آپ خاموش تھے تو فرشتہ آپ کی طرف سے جواب دے رہا تھا جب آپ نے سب شتم شروع کیا تو فرشتہ گیا اور شیطان آیا میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوابی سب وشتم سے کتنے ناراض ہوئے۔

مضمون نگار نے لکھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قتال کی حالت تھی اور قتال کی حالت میں سب وشتم جہاد باللسان کے زمرہ میں آتا ہے، صلح حدیبیہ میں قتال کی حالت نہیں تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی نیت سے آئے تھے اور احرام کے لباس میں ملبوس تھے اور قربانیاں ساتھ لیکر آئے تھے، اور عمرہ کی نیت فرما کر آئے تھے،

وأحرم بالعمرة ليأمن الناس من حربه و ليعلموا أنه إنما خرج زائراً للبيت ومعظماً له . (عمدة القاری ، باب الشروط فی الجهاد،والتمهيد لابن عبدالبر:۱۲/۱۴۹،ط: مؤسسة القرطبة).

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حمارِ وحشی کا شکار کیا تھا، وہ بغیر احرام کے آئے تھے تو شارحین حدیث نے اس کی متعدد تاویلات فرمائی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس موقع پر اسلام قبول کرنے کے لیے آیا ہو اور عمرہ کا ارادہ نہ ہو تو یہ الگ بات ہے، لیکن صحابہ کرام عمرہ کی نیت سے آئے تھے اور جب عمرہ نہیں ہوا تو آئندہ سب شرکاء عمرة القضاء کے لیے آ گئے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **انطلقنا مع النبي صلى الله عليه وسلم عام الحديبية فأحرم أصحابه ولم أحرم .** (صحيح البخاری: ۱/۲۴۵،باب اذارأى المحرمون صيداً).

صحابہ کرام قتال کے لیے نہیں آئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے قاصد بدیل سے فرمایا: **إنا لم نجئى لقتال أحد ولكناجئنا معتمرين .** اور جب بدیل مشرکین کے پاس واپس آیا تو اس نے کہا: **إنكم تعجبون على محمد إنه لم يأت للقتال إنما جاء زائراً لهذا البيت.** حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: **يا رسول الله! خرجت عامداً لهذا البيت لا تريد قتل أحد ولا حرباً فتوجه له فمن صدنا قاتلناه .** ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام قتال کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ اگر مشرکین کبھی حملہ کے لیے کوئی دستہ بھیجتے تھے تو پھر بھی مسلمان صبر کا دامن تھامتے تھے، اس لیے قتال کی کیفیت نہیں تھی بلکہ مسلمان صلح صفائی کے منتظر تھے، نیز جب مشرکین کا ایک مبعوث آیا اور صحابہ کرام نے تلبیہ پڑھنا شروع کیا اور قربانیوں کو اس کے سامنے کر دیا تو وہ کہنے لگا: **رأيت البدن قد قلدت وأشعرت فما أرى أن يصدوا عن البيت .** یہ عبارتیں صحیح بخاری باب الشروط فی الجهاد والمصالحہ مع اہل الحرب میں ملاحظہ کیجیے۔

اگر بالفرض صلح حدیبیہ کا میدان معرکہ قتال ہو تو پھر بھی گالی گلوچ جہاد نہیں ہے، جہاد لسانی دعوت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: **لأن يهدي الله رجلاً واحداً خير لك من أن يكون لك حمر النعم .** (رواه مسلم فی ابواب فضائل علی ، رقم: ۶۲۲۳). آپ کے ذریعہ ایک آدمی کی ہدایت آپ کے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

مولانا مفتی تقی صاحب تکملہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں: **فكان النبي صلى الله عليه وسلم في أول الأمر مأموراً أن يجاهد الكفار بلسانه، لابيده، فيدعوهم، ويعظهم، ويجادلهم بالتي هي أحسن .**

(تکملة فتح الملهم:۳/۸، کتاب الجهاد والسیر، ط: مکتبه دارالعلوم کراتشی).

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: **فالمرحلة الأولى: هي الصبر على أذى المشركين، مع الاستمرار في دعوتهم إلى دين الحق** . (تکملة:۳/۵، کتاب الجهاد والسیر، ط: مکتبه دارالعلوم کراتشی).

قرۃ العینین میں ہے: **قال أبوبكر ابن العربي : اتفق العلماء على أن معنى الآية لا تسبوا آلهة الكفار فيسبوا آلهتكم وكذلك هو فإن السب في غير الحجة فعل الأدنياء فمنع الله في كتابه أحداً أن يفعل فعلاً يؤدى إلى محظور**. (قرة العينين على الجلالين ،ص ۱۸۰، للدکتور محمد احمد کنعان).

پھر یہ کہنا کہ " **امصص بظر اللات**" میں سبِ آلہہ نہیں بلکہ سبِ مشرکین ہے یہ تو بہت ہی عجیب ہے، نیز حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہاں ام کی جگہ لات رکھا بظر تو لات کی ہوگی، مشرکین کی نہیں اور اگر مشرکین مراد ہو تو" **لا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدواً بغيرعلم**" میں مفسرین کے نزدیک مشرکین کو بھی گالیوں کی ممانعت شامل ہے۔ روح المعانی میں ہے: **والمراد من الموصول أما المشركون على معنى لا تسبوهم من حيث عبادتهم لآلهتهم كأن تقولوا تباً لكم ولآلهتكم** .

(روح المعانی:۷/۲۵۱).

دوسری جگہ لکھتے ہیں: **لا تخرجوا من دعوة الكفار ومحاجتهم إلى أن تسبوا مايعبدونه من دون الله** . (روح المعانی : ۷/۲۵۲) .

اسلام گالیوں کا دین نہیں، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: **عن عبد الرحمن بن عائذ كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا بعث بعثاً قال: تألفوا الناس وتأنوا بهم ولاتغيروا عليهم حتى تدعوهم فما على وجه الأرض من أهل بيت مدر ولا وبرإلا وأن تأتونى بهم مسلمين أحب إلي من أن تقتلوا رجالهم وتأتوني بنسائهم** . (المطالب العالية : ۲/۱۶۶،والاصابة :۳/۱۵۲).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کے لیے کوئی جماعت بھیجتے تو فرماتے: لوگوں کو مانوس بناؤ اور ان کے ساتھ نرمی کرو، اور دعوت سے پہلے ان پر حملہ مت کرو پس روئے زمین پر کچے گھر اور خیمے والوں کو تم مسلمان بنا کر لاؤ گے یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ تم ان کے مردوں کو قتل کرو اور ان کی عورتوں کو قیدی بنا کر لاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا: **إنك ستأتي قوماً أهل**

کتاب فإذا جئتهم فادعهم إلى أن يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله . (صحیح البخاری باب اخذالصدقة من الاغنیاء)۔ **معلوم ہوا کہ لسانی جہاد دعوت ہے گالی گلوچ جہاد نہیں، گالی گلوچ تو منافق کی علامت ہے:** **إذا خاصم فجر .** مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے فجر کے معنی سب وشتم لکھے ہیں۔(بخاری:۱/۱۰) مولانا فخر الدین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: کیونکہ فجور آپے سے باہر ہونے کی اور جھگڑے کے وقت گالیوں پر اُتر آنے کی تعبیر ہے۔(ایضاح البخاری:۴/۳۳۵) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے یوں ترجمہ کیا: جب کسی سے جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔(سراج القاری:۱/۱۷۷)۔

قرآنِ کریم میں بوقتِ ضرورت جدال حسن کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن .** (النحل : ۱۲۵). حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: موعظہ کا خلاصہ خیر خواہی کی بات کو اس طرح کہنا کہ مخاطب کا دل نرم ہو جائے اور بیان اور عنوان بھی ایسا جس سے قلب مطمئن ہو۔(خلاصہ معارف القرآن:۵/۴۰۹)۔تفسیر عثمانی میں ہے: حکمت کے معنی نہایت پختہ مضامین، موعظہ حسنہ موثر اور رقت انگیز نصیحتیں اور مناظرہ اور بحث کی نوبت آئے تو تہذیب اور شائستگی کے ساتھ بحث جس میں دلآزاری اور دلخراشی نہ ہو۔(تفسیر عثمانی، ص۳۷۲)۔اور تفسیر مظہری میں ہے: **وجادلهم ؛ المناظرة على وجه لا يتطرق إليه طغيان النفس ولا وسواس للشيطان .** (مظہری:۵/۳۹۰). اور **جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم .** (التوبة: ۷۳) کی تفسیر میں لکھا ہے جب عناد اختیار کیا تبوک میں اب سختی اور ترش روئی کیجئے۔تفسیر عثمانی۔ اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں: اخلاق کے دائرہ میں رہتے ہوئے سختی اور کسی قدر درشت کلامی بھی ضروری ہوتی ہے۔(آسان تفسیر، ص۵۹۲)۔

اور میرے خیال میں **واغلظ عليهم** کا مطلب مضبوط بات اور الزامی جواب دینا ہے دوسری جگہ غلاظ کے معنی سخت گیر آیا ہے حاصل یہ ہے کہ سب آلہہ اور سب مشرکین گالی گلوچ کے معنی میں نہیں ہونا چاہئے، ہاں اگر سب کے یہ معنی ہوں کہ آلہہ سے ان صفات کی نفی کریں جو صفات اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں تو یہ جائز بلکہ واقع ہے: **إن الذين تدعون من دون الله عباد أمثالكم ، والذين تدعون من دونه لايستطيعون نصركم ولا أنفسهم ينصرون** ۔یعنی ان کی عاجزی بیان کرنا جائز ہے۔(کذا فی تعليق زادالمعاد :۱۳، للشيخ شعيب الارنؤوط والشيخ عبدالقادرالارنؤوط) بعض دفعہ صحابہ کے بارے میں ایک دوسرے کو سب کرنے کا ذکر آتا ہے اس سے ملامت اور موقف کی مذمت مراد ہے، کمافی تکملة فتح الملہم فی فضائل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور معترض کا یہ کہنا کہ عروہ بن مسعود نے یہ کہا کہ اگر میں آپ کا احسان نہ اتارتا تو آپ کو جواب دیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گالی دی لیکن اس میں جواب کا ذکر ہے گالیوں کا ذکر نہیں جواب گالی کے ساتھ خاص نہیں مشرکین نے **اعل ھبل، اعل ھبل** کہا اس کے جواب میں **اللّٰہ أعلی و أجل ، اللّٰہ أعلی و أجل** کہا گیا یہ گالی نہیں، مشرکین نے **إن لنا العزی ولا عزی لکم** ، کہا اس کے جواب میں **اللّٰہ مولانا ولا مولی لکم** جواب ہے یہ گالی نہیں، مثلاً اگر عروہ جواب میں یہ کہتے کہ ہمیں اپنے اصنام سے محبت ہے وہ نعوذ باللہ ہمارے حاجت روا ہیں ہم اس کے لبوں کو چومتے ہیں تو جواب ہوتا جانبین سے گالی نہ ہوتی۔

اشکال: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کلام بندۂ عاجز کے خیال میں اس معنی پر محمول ہے کہ تم لات کے لبوں کو چوستے رہو جو تم کو فائدہ نہیں دے سکتا بلکہ یہ تمہارے بنائے ہوئے اصنام ہیں، ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مست اور مدہوش رہیں گے، تو پھر سب اکابر نے بظر سے شرمگاہ کے معنی کیسے لیے؟ یہ سب حضرات علم وعمل کے پہاڑ اور تقویٰ وطہارت کے علمبردار تھے، ہم انہیں کے علوم کے خوشہ چین اور زلہ ربا ہیں ہماری زندگی کا حاصل ان کی محبت وعقیدت ہے۔

اس اشکال کے دو جواب ہیں۔(۱) جب عروہ بن مسعود نے صحابہ کی شان میں نامناسب الفاظ استعمال کئے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگ جائیں گے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور غصہ کی حالت میں بے اختیار یہ الفاظ زبان سے نکلے اور سخت غصہ میں کبھی کبھی ایسے الفاظ بے اختیار زبان سے نکل سکتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ایسا تھپڑ مارا کہ ان کی آنکھ نکل گئی اس کی توجیہ اور تاویل کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: **إن موسی دفعه عن نفسه لما رکب فیه من الحدة** . (فتح الباری: ٦/٤٣٢).

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو اپنے آپ سے دفع کیا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت میں غصہ تھا یعنی غصہ سے مغلوب ہوکر ایسا کیا۔ فیض الباری میں مرقوم ہے: **وفی العینی: إنه کان في طبع موسی علیه السلام حدة** ، اس کی تعلیق میں مولانا بدر عالم صاحب تحریر فرماتے ہیں: **روی أنه کان إذا غضب اشتعلت قلنسوته** . (فیض الباری: ٢/٤٧٦).

یعنی شدتِ غضب کی وجہ سے آپ کی ٹوپی جل جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور سے تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو گمراہی میں مبتلا دیکھا تو شدتِ غضب سے تورات کی تختیاں ہاتھ سے گر گئیں،

اس کیفیت کوعلامہ آلوسیؒ نے یوں بیان فرمایا: **والصواب أن یقال إنه علیه السلام لفرط حمیته الدینیة و شدة غضبه للّٰہ تعالیٰ لم یتمالک ولم یتماسک أن وقعت الألواح من یده بدون اختیار فنزل ترک التحفظ منزلة الإلقاء الاختیاری فعبر به** . (روح المعانی:۹/۶۷).

یعنی شدتِ غضب کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کنٹرول میں نہیں رہے اور الواح گر گئیں۔

مفسرین نے ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کی بھی یہ تاویل وتشریح کی ہے، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر شیعہ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکار کیسے کیا یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے: **إنک میت وإنهم میتون** آیت تلاوت فرمائی، اس کے جواب میں علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے: **والجواب أن ذلک من شدة دهشته بموت قرة عینه وعیون المومنین** ، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے مدہوش سے ہوگئے اور پریشانی نے ان کو حواس باختہ کردیا اور یہ کلمات ان کی زبان سے نکلے، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص شدتِ غضب میں حواس باختہ اور مدہوش سا ہوکر طلاق دیدے تو اس کی طلاق بھی واقع نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۴/۲۱۳)۔ **بظر اللات** کو سَبّ پر محمول کرکے یہ توجیہ مناسب ہے اور اگر سب وشتم کو جہاد باللسان قرار دیں جیسا کہ معترض صاحب نے کہا ہے پھر مولانا صاحب کے مدرسہ کے طلبہ ومدرسین بجائے ختمِ خواجگان، غیر مسلموں کو سب وشتم کرلیا کریں اور اس کو نشر کرلیا کریں اور جہاد باللسان کا ثواب لوٹتے رہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۵/۳۴۰) پر فرمایا: **وحمله علی ذلک ما أغضبه من نسبة المسلمین** ، اور گزشتہ تفصیل کی طرف اشارہ فرمایا، اور حافظ عینیؒ نے بھی (۹/۶۴) پر مذکورہ بالا تفصیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

ہمارے اکابرؒ کے فتاویٰ میں ایک سوال وجواب مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی شیخ سے مرید ہے اور خواب میں اس کا نام لیکر یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں رسول اللہ، پھر بیدار ہونے کے بعد بے اختیار یہی الفاظ زبان پر جاری ہیں وہ شخص درود شریف پڑھنا چاہتا ہے لیکن بے اختیار فلاں رسول اللہ زبان پر آتا ہے، اس سوال کا مفصل جواب دیگر اکابرؒ کی طرح حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے اس کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بے اختیاری اور مجبوری میں یا شدید غصہ میں زبان بے قابو ہوجاتی ہے اور کچھ نامناسب الفاظ زبان پر آجاتے ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کفایت المفتی (۱/۶۳) پر تحریر فرماتے ہیں:

رہا دوسرا واقعہ جو حالتِ بیداری کا ہے، اس کے متعلق صاحبِ واقعہ کا بیان ہے کہ وہ اپنی حالت خواب کی غلطی سے نادم اور پریشان ہو کر چاہتا ہے کہ درود شریف پڑھ کر اس کا تدارک کرے، اور درود شریف پڑھتا ہے لیکن اس میں بھی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے زید کا نام اس کی زبان سے نکلتا ہے، اسے اس غلطی کا احساس تھا، مگر کہتا ہے کہ زبان پر قابو نہ تھا، بے اختیار تھا، مجبور تھا، اس واقعہ کے متعلق دو باتیں تنقیح طلب ہیں۔

اول یہ کہ آیا حالتِ بیداری میں ایسی بے اختیاری اور مجبوری کہ زبان قابو میں نہ رہے بغیر اس کے کہ نشہ ہو، جنون ہو، اکراہ ہو، عتہ ہو ممکن اور متصور ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان چیزوں میں سے کسی کا موجود ہونا سوال میں ذکر نہیں کیا گیا، تو ظاہر یہی ہے کہ ان اسباب میں سے کوئی سبب بے اختیاری پیدا کرنے والا نہ تھا۔ دوسرا یہ کہ اگر بے اختیاری اور مجبوری ممکن اور متصور ہو تو صاحبِ واقعہ کی تصدیق بھی کی جائے گی یا نہیں؟

امر اول کا جواب یہ ہے کہ بے اختیاری کے بہت سارے اسباب ہیں صرف سکر و جنون و اکراہ و عتہ میں منحصر نہیں۔ کتبِ اصولِ فقہ وفقہ میں ان اسباب کے ذکر پر اقتصار کرنا تحدید وحصر پر مبنی نہیں، بلکہ اکثری اسباب کے طور پر انہیں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ متعدد کتبِ فقہیہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ خواہ کسی وجہ سے عقل مغلوب ہو جائے وہ مغلوبیت موجب رفع قلم ہو جاتی ہے۔ **إلا فی بعض المواقع فیکون الزجر مقصوداً** ۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **من أصابه برسام أو أطعم شیئاً فذهب عقله فهذی فارتد لم یکن ذلک ارتداداً وکذا لو کان معتوهاً أو موسوساً أو مغلوباً علی عقله بوجه من الوجوه فهو علی هذا کذا فی السراج الوهاج** . (هندیه مطبوعه مصر صفحه ۲۸۲ ج ۲)۔ اس عبارت میں لفظ موسوس اور لفظ بوجہ من الوجوہ قابل غور ہے، لیکن واقعہ مسئولہ عنہا میں نہ تو زوالِ شعور و زوالِ عقل کی تصریح ہے اور نہ میں واقعاتِ مذکورہ کی بنا پر زوالِ شعور کا ہونا صحیح سمجھتا ہوں کیونکہ صاحبِ واقعہ بحالتِ تکلم اپنی غلطی کا ادراک ہونا بیان کرتا ہے اور عذر میں صرف بے اختیاری، مجبوری، زبان کا قابو میں نہ ہونا ذکر کرتا ہے۔ اس لیے میں صرف اسی بات کو ٹھیک سمجھتا ہوں وہ باوجود شعور و ادراک کے کلمہ کفریہ کہتا ہے، مگر بے اختیاری سے مجبوری سے اور عین تکلم کی حالت میں بھی اسے غلطی اور خلافِ عقیدہ سمجھتا ہے اور بعد الفراغ من التکلم بھی اس پر نادم ہوتا ہے، پریشان ہوتا ہے، روتا ہے، اسبابِ معلومہ (شرک، جنون، اکراہ، عتہ) کے علاوہ کبر سنی، مرض، مصیبت غلبہ

خوشی، غلبہ حزن، فرط محبت وغیرہ بھی زوالِ عقل یا زوالِ اختیار کے سبب بن سکتے ہیں، اور جہاں زوالِ عقل یا زوالِ اختیار ہو وہاں حکمِ ردت ثابت نہیں ہوسکتا۔...

(۲) صحیح مسلم کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ خداتعالیٰ اپنے گنہ گار بندے کے توبہ کرنے پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے کہ ایک مسافر کا جنگل میں سامان سے لدا ہوا اونٹ گم ہوجائے اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نا امید ہونے کے بعد مرنے پر تیار ہوکر بیٹھ جائے اور اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ جائے تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھلے دیکھے کہ اس کا اونٹ مع سامان اس کے پاس کھڑا ہے، اسی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس شخص کی زبان سے غایت خوشی میں بے ساختہ یہ الفاظ نکل جاتے ہیں، أنت عبدی و أناْ ربک ۔یعنی خداتعالیٰ کی جناب میں یوں بول اٹھا کہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خطا من شدة الفرح، یعنی شدتِ خوشی کی وجہ سے اس سے خطاً یہ الفاظ نکل گئے۔

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوگیا کہ شدتِ فرح بھی زوالِ اختیار کا سبب ہوجاتی ہے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ الفاظ کفریہ کا یہ تکلم جو خطاً ہوا تھا جب کفر اور مزیل ایمان تھا، اس لیے آپ کے سکوت سے معلوم ہوگیا کہ الفاظ کفر کا تلفظ جو خطا کے طور پر ہو مثبت ردت نہیں۔

(۳) صلح حدیبیہ کے قصے میں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے ذکر کیا گیا ہے کہ جب صلح مکمل ہوگئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ سر منڈا ڈالو اور قربانیاں ذبح کرو تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بوجہ فرط حزن وغم کہ اپنی تمنا و آرزو کے خلاف خانہ کعبہ تک نہ جاسکے، ایسے بے خود ہوئے کہ باوجود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکرر وسہ کرّر فرمانے کے کسی نے فرمانِ عالی کی تعمیل نہ کی، آپ غمگین ہوکر خیمے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے پریشانی کا سبب دریافت کیا اور عرض کیا کہ آپ باہر تشریف لے جاکر اپنا سر منڈا دیں اور کسی سے کچھ نہ فرمائیں، آپ باہر تشریف لائے اور حالق کو بلاکر اپنا سر منڈا دیا، جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھا تو ان کے ہوش وحواس بجا ہوئے اور ایک دم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے، اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرط حزن بھی موجب زوالِ اختیار ہوجاتا ہے، کیونکہ قصد واختیار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرنے کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جانب وہم بھی نہیں ہوسکتا۔...

(۵) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں عدل کی پوری رعایت کر کے فرماتے: **اللّٰهم هذه قسمتي فيما أملك فلا تأخذني فيما تملك ولا أملك .**

یعنی اے خداوند میں نے اختیاری امور میں تو برابر تقسیم کردی ، اب اگر فرطِ محبت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے میلانِ قلب بے اختیاری طور پر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف زیادہ ہوجائے تو اس میں مواخذہ نہ فرمانا کیونکہ وہ میرا اختیاری نہیں۔...

بخاری شریف کی وہ حدیث دیکھئے جس میں امم سابقہ میں سے ایک شخص کا یہ حال مذکور ہے کہ اس نے اپنے بیٹوں سے موت کے وقت کہا تھا کہ مجھے جلا کر میری خاک تیز ہوا میں اڑا دینا، **فهو اللّٰه لئن قدر الله علي الخ** . ان الفاظ کے (اس تقدیر پر کہ قدر کو قدرت سے مشتق مانا جائے) الفاظ کفریہ ہونے میں شبہ نہیں لیکن اس کا جواب رب خشیتک اسے کفر سے بچا کر مغفرتِ خداوندی ٹھہرا دیتا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوفِ خداوندی نے اس کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلوادیئے اور بے اختیاری کی وجہ سے وہ مؤاخذہ سے بچ گیا۔... (کفایت المفتی: ۱/۶۳۔۶۶، ط: دارالاشاعت، کراچی)۔

(۲) اکابر نے اس قول کو سبّ پر کیوں محمول کیا اس اشکال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی کبھی توریہ فرماتے تھے توریہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک معنی قریب ہو اور دوسرا بعید ہو تو متکلم معنی بعید مراد لے اور مخاطب معنی قریب لے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ ہجرت کی نیت سے جارہے تھے اور بنی قارہ قبیلہ کے سردار ابن دغنہ نے راستہ میں ان سے دریافت کیا آپ کہاں جارہے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **إني أريد أن أسيح في الأرض**. (صحيح البخاری: ۱/۵۵۲، باب هجرة النبی صلى الله عليه وسلم واصحابه) میں زمین میں گھومنا پھرنا چاہتا ہوں، اس کے معنی قریب تو چکر لگانا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد حبشہ جانا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مراد حبشہ کی طرف ہجرت تھی، لیکن اس کی صراحت نہیں کی ، اور جب ہجرت کے سفر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کوئی پوچھتا آپ کے ساتھ کون ہیں کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت تجارت کی وجہ سے جانی پہچانی تھی تو وہ فرماتے تھے **هذا الرجل يهديني السبيل أو الطريق** . (صحيح البخاری: ۱/۵۵۶، باب هجرة النبی صلى الله عليه وسلم واصحابه) اس کے قریبی معنی ظاہری راستہ بتانا اور معنی مقصود دین کا راستہ بتلانا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی " **إني سقيم** " اور " **هذه اختي** " اور " **بل فعله كبيرهم** " میں

توریہ فرمایا تھا مخاطبین سمجھے کہ ظاہری بیماری ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا مقصد قوم کے شرک کی وجہ سے طبیعت کی خرابی ناسازی اور بوجھ تھا اور ”هذه اختي“ میں مقصد دینی اخوت تھا اور ” **بل فعله كبيرهم** “ میں حاضرین میں بلند مرتبہ خود ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اسی طرح یہاں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذو معنی لفظ استعمال کیا مخاطب نے **بظر** سے شرمگاہ کے معنی لیے اور متکلم کا مقصد ہونٹ کا ابھرا ہوا حصہ تھا، اس تاویل سے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دامن نامناسب الفاظ کے دھبے سے پاک ہوجاتا ہے اور تنقید کنندہ نے جس معنی کی وکالت فرمائی اس کی رعایت بھی ہوجاتی ہے۔ **رَبَّنَا لا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا.**

جلد پنجم کے ایک مسئلہ کی تصحیح وتشریح:

جلدِ خامس میں ایک سوال کے جواب سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کافر غصب اور چوری کا مال جمع کرے اور وہ مقروض ہو تو اس سے مسلمان مقرض اپنا قرض لے سکتا ہے، یہ مسئلہ یوں سمجھنا چاہئے کہ غیر مسلم اگر چوری اور غصب سے مال جمع کریں اور چونکہ غیر مسلم ذمی یا کفار مامونین اور معاہدین کے حکم میں ہیں اس لیے جس کام کو وہ اپنے دین میں حرام سمجھتے ہوں اور اس کے ذریعہ سے مال حاصل کریں تو بعینہ وہ مال قرض میں لینا صحیح نہیں، ہاں اگر مال مخلوط ہو اور غالب حلال ہو یا شراب وغیرہ کی آمدنی ہو غصب، چوری نہ ہو تو مسلمان اس کو اپنے قرض میں وصول کرسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں مرقوم ہے:

پس جو عقد اہل ذمہ اپنے دین کے موافق کریں و شرائطِ معاہدہ کے بھی خلاف نہ ہو اس میں حکم صحت دیا جائیگا گو وہ شریعت کے خلاف ہو البتہ جو عقد ان کے دین کے بھی خلاف ہو یا شرائطِ معاہدہ کے خلاف ہو اس میں حکمِ فساد دیا جائیگا، **ولعل الحق لا يتجاوز عن ذلك ولعل الله يحدث بعد ذلك أمرا**۔ (امداد الاحکام: ۴/۳۹۰)۔

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں آیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے سفر میں اپنے مشرک ساتھیوں کو قتل کرکے ان کا مال چھینا اور مدینہ منورہ حاضر ہوکر مسلمان ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول ہے اور مال سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: **وأما المال فلست منه في شيء أي لا أتعرض له لكونه أخذه غدراً ويستفاد منه أنه لا يحل أخذ أموال الكفار في حال الأمن غدراً لأن الرفقة يصطحبون على الأمانة والأمانة تؤدى الى أهلها مسلماً كان أو كافراً وان أموال**

الکفار انما تحل بالمحاربة والمغالبة ولعل النبي صلى الله عليه وسلم ترک المال في يده لامكان أن يسلم قومه فيرد اليهم أموالهم . (فتح الباری: ۳٤۱/۵، باب الشروط فی الجهاد...).

حافظ عینیؒ فرماتے ہیں:

قال أى المغيرة لأبي بكر ﷺ : قتلتهم وجئت بأسلابهم الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ليخمس أوليرى فيها رأيه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما المال فلست منه في شيء يريد في حل لأنه علم أن أصله غصب وأموال المشركين وان كانت مغنومة عند القهر فلا يحل أخذها عند الأمن فاذا كان الانسان مصاحباً لهم فقد أمن كل واحد منهم صاحبه . (عمدة القاری : ٦٤۱/۹، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب).

اہل حرب نے تو احکامِ اسلام کا التزام بالکل نہیں کیا نہ اپنے معتقد کے موافق میں اور نہ مخالف میں لہذا وہ تو جس طرح بھی روپیہ کمائیں خواہ ربا خواہ غصب خواہ بیوعِ باطلہ وفاسدہ سے خواہ اپنے مذہب کے موافق خواہ مخالف طریق سے بہر صورت وہ روپیہ اس کی ملک میں داخل ہو جائیگا اور مسلمان کو تنخواہ میں لینا اس کا جائز ہے۔ (امدادالاحکام:۳۹۰/۴)۔

موجودہ دور میں اکثر ممالک کے غیر مسلم اہل ذمہ اور معاہدین کے حکم میں ہیں بنابریں وہ اپنے معتقد کے موافق میں جو اموال کمائیں فقط وہ ان کی ملک میں داخل ہیں:۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وجاز أخذ دين على كافر من ثمن خمر لصحة بيعه أى بيع الكافر الخمر لأنها مال متقوم في حقه فملک الثمن فيحل الأخذ منه. (فتاوی الشامی:۳۸۵/٦).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كان لمسلم على نصراني دين، فباع النصراني خمراً أخذ بثمنها وقضاه المسلم من دينه، جازله أخذه ، لأن بيعه له مباح. (الفتاوی الهندية:۳٦۷/۵، کتاب الکراهية،باب فی القرض والدين).

تکملة البحر الرائق میں ہے:

وكره لرب الدين أخذ ثمن خمر باعها مسلم لا كافر، يعني إذا كان لشخص مسلم

دین علی مسلم فباع الذي عليه الدين خمراً وأخذ ثمنها وقضى الدين لايحل للمدين أن يأخذ ذلک بدينه وإن كان البائع كافراً جاز له أن يأخذ والفرق أن البيع فى الوجه الأول باطل فلم يملک البائع الثمن وهو باقٍ على ملک المشتري فلا يحل له أن يأخذ مال الغير بغير رضاه والبيع فى الوجه الثاني صحيح فملک البائع الثمن لأن الخمرمال متقوم في حق الكافر فجاز له الأخذ بخلاف المسلم. (تکملة البحرالرائق:۸/۲۰۱،کوئٹه).

امدادالفتاویٰ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نومسلمہ کی حالتِ کفر میں زنا کی کمائی کے بارے میں فرمایا: یہ غیر طیب ہے، کیونکہ زنا کسی ملت میں حلال نہیں۔(امدادالفتاویٰ:۴/۱۴۴)۔

وللاستزادة انظر: (فتاوى الشامي:۶/۳۸۵،فصل فى البيع،سعيد.وتبيين الحقائق: ۷/۴۶۸، كتاب الكراهية) .

نیز مالِ مخلوط جس میں غالب حلال ہو اس پر بھی ملک ثابت ہوجاتی ہے بنابریں ایسے اموال کا قرض میں وصول کرنا بھی جائز اور درست ہے۔ ہاں اگر چوری ،غصب کا مال معلوم اور معین ہے تو پھر نہیں لینا چاہئے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں:۔الدرالمختار میں ہے:

و لو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه ويورث عنه ؛ لأن الخلط استهلاک اذا لم يمكن تمييزعند أبي حنيفةؒ، وقوله أرفق اذ قلما يخلو مال عن غصب. وفي رد المحتار: قوله لأن الخلط استهلاک ، أي بمنزلته من حيث أن حق الغير يتعلق بالذمة لا بالأعيان...لأنا نقول: انه لما خلطها ملكها وصار مثلها ديناً في ذمته لا عينها. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲/۲۹۰،۲۹۱،سعيد).

فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے:

ما يأخذه الأعونة من الأموال ظلماً و يخلطه بماله و بمال مظلوم آخر يصير ملكاً له وينقطع حق الأول فلا يكون أخذه عندنا حراماً محضاً. (الفتاوى البزازية بهامش الفتاوى الهندية: ۴/۸۳).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

اشترى بدراهم مغصوبة ، أو بدراهم اكتسبها من الحرام شيئاً ، فهذا على وجوه :

(١) إما أن دفع إلى البائع تلك الدراهم أو لا ، ثم اشترى منه بتلك الدراهم ، (٢) إذا اشترى قبل الدفع بتلك الدراهم ، ودفعها ، (٣) أو اشترى قبل الدفع بتلك الدراهم ، ودفع غير تلك الدراهم ، (۴) أو اشترى مطلقاً ، ودفع تلك الدراهم ، (۵) أو اشترى بدراهم آخر ، ودفع تلك الدراهم ، ففى الوجوه كلها لا يطيب له التناول قبل ضمان يعني قبل ضمان الدراهم ، وبعد الضمان يطيب له الربح ، هكذا ذكره فى الجامع الصغير قال أبو الحسن الكرخيؒ : هذا الجواب صحيح فى الوجه الأول والثاني ، أما فى الوجه الثالث والرابع والخامس يطيب له، واليوم قالوا : الفتوىٰ على قول أبى الحسن الكرخيؒ ، لكثرة الحرام دفعاً للحرج على الناس ، و على هذا تقرر رأى الصدر الشهيدؒ . (الفتاوى التاتارخانية : ١٦/ ٥١٠، ط : ديوبند).

وللمزيد راجع: (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۵/۲۳۵،سعيد، والدرالمختار: ١٨٩/٦، سعيد، وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ۴/١٠۵ ، كوئته).

مالِ مخلوط میں غالب کا اعتبار ہے جب کہ حرام مال معلوم ومعین نہ ہو۔ فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں:۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الباب الثاني عشر فى الهدايا والضيافات: أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال...لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب . (الفتاوى الهندية:٥/٣٤٢).

المحيط البرهانى میں ہے:

وفي عيون المسائل : رجل أهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذلك المال حلال استقرضه أو ورثه ، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل ما لم يتبين له أن ذلك من الحرام ؛ وهذا لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام و تخلو عن كثيره ، فيعتبر الغالب ويبنى الحكم عليه.

(المحيط البرهانى: ٦/ ١١٠، الفصل السابع عشر فى الهداياوالضيافات).

(وكذا في الموسوعة الفقهية الكويتية: ١٥/٧٨، والاشباه والنظائر: ١/٣٤٣، والمبسوط: ١٠/١٩٧).

جواہر الفتاویٰ میں ہے:

جس شخص کے ذرائع آمدنی حلال وحرام دونوں طرح کے ہیں تو اس میں تفصیل ہے، اگر حلال آمدنی اور حرام آمدنی اس کے پاس الگ الگ ہیں، اپنے اخراجات کھانے، پینے، لباس وغیرہ میں حلال آمدنی استعمال کرتا ہے اور اس کی بات پر اعتماد ہے تو اس کے یہاں کھانا، پینا جائز ہے اور حلال مال سے کہہ کر اگر ہدیہ تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا بھی جائز ہے۔ اور مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہو گا۔ (جواہر الفتاویٰ: ۳/۲۹۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رضاء الحق عفا اللہ عنہ

دارالافتاء دارالعلوم زکریا

جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۳/ ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱۷/ ستمبر ۲۰۱۵ء

﴿فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف وتبصرے﴾

تبصرہ از ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔ جن سے اربابِ علم وکمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ، فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصوری مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، حضرت مفتی صاحب ایک باکمال، جامع صفاتِ علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صوابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور ومعروف گاؤں شاہ منصور کے زہد وتقویٰ، علم وفضل کے پیکر خاندان سے ہے، اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔ اللہ پاک جزاء دے مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کر کے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔ فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد، کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والاثار، کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی تدقیق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا، جس کے لئے ہر مذہب کے علماء، محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے، بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے، اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص وعام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زیب ہے، کتاب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلو پیڈیا پایۂ تکمیل تک پہنچ کر شائع ہو جائے۔ (ماہنامہ ''الحق'' دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ''البینات'' جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ، امریکہ، کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطر خواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم وہنر ہندوپاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے اربابِ فضل وکمال اور اصحابِ علم وتحقیق کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرکے علم ومعرفت کے جام لنڈھاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف ممالک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ممالک میں دینی مدارس کا جال بچھانا شروع کردیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دارالعلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انہون نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادرِ علمی سے ایک بڑے استاذ ومفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر اربابِ جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار وقربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم وتدریس، علم وتحقیق اور فقہ وفتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کردیا۔

پیش نظر فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقۃ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کرکے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل واحکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق ومزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبدالباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنھوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدردانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہوکر متلاشیانِ علم وتحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ''بیّنات'' رجب المرجب ۱۴۲۹ھ، اگست ۲۰۰۸ء)۔

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

۞ ۱۹۸۱ء میں حضرت برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لاکر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۞ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبدالحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اوران کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبدالحمید صاحب رہے۔

۞ قاری عبدالحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظمِ مدرسہ مقرر ہوئے، اور تاہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات وشبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

۞ شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب رو بہ ترقی ہے۔ اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۱۷، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

۞ درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ وآلیہ سے تشنگی کی آگ بجھارہے ہیں۔ اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۴ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۴۴۲ ہے، مقامی ان میں سے ۳۲ فیصد، اور دیگر ۵۷ ممالک کے ۶۸ فیصد طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

۞ شعبۂ افتاء واستفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے

ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

۞ شعبۂ قراءت و تجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت وتجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

۞ شعبۂ ''النادی العربی'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق وشوق بڑھا اور تقریراً وتحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادی العربی'' کے نام سے شروع ہوا۔

۞ دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمٰن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۱۰۱ طلباء اور ۵، اساتذۂ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام و منتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

۞ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدومِ میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلرُبا بنتی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتیٔ دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ۔ حضرت حاجی فاروق صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوریؒ۔ حضرت قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ۔ بھائی پاڈیا صاحبؒ۔ حضرت مولانا عمر جی صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ۔ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ صاحبؒ۔ شیخ عبدالرحمٰن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمٰن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا

سیدرابع صاحب۔حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔حضرت مولانا سلمان صاحب۔ حضرت حکیم اختر صاحب۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی۔ حضرت مولانا یونس صاحب پوناؒ۔حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ۔حضرت مولانا سالم صاحب۔حضرت مولانا انظرشاہ کشمیریؒ۔حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔ حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی۔والشیخ محمد عوامہ ونجلہ الشیخ الدکتور محی الدین حفظہما اللہ تعالیٰ ورعاہما۔

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ گھلا،سورت عفی عنہ

معین دارالافتاء دارالعلوم زکریا،لینیشیا،جنوبی افریقہ

مؤرخہ:۱۶/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق:۶/ جولائی ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ :

﴿یبنی آدم قد أنزلنا علیکم لباساً یواری سوٰاتکم وریشاً،
ولباس التقویٰ، ذلک خیر،
ذلک من اٰیات اللہ لعلھم یذکرون﴾.

[سورۃ الاعراف]

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: کان أحب الثیاب
إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن یلبسھا الحبرۃ"

(متفق علیہ).

باب ......﴿٤﴾
أحکام اللباس

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:
"من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ إلیہ یوم القیٰمۃ"

(متفق علیہ).

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:
"ما أسفل من الکعبین من الإزار فی النار"

(رواہ البخاری).

فصل اول

لباس، پوشاک سے متعلق احکام کا بیان

قمیص کی تعریف اور اقرب الی السنہ قمیص کی وضاحت:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اور علمائے عظام درجِ ذیل ایک اہم مسئلہ کے بارے میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیثِ مبارکہ میں مرقوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قمیص زیب تن فرماتے تھے، بایں وجہ علماء نے لکھا ہے کہ مردوں کا مسنون لباس قمیص ہے، لیکن قمیص سے کونسی قمیص مراد ہے؟ اس لیے کہ موجودہ دور میں دو قسم کے کرتے پہنے جاتے ہیں: (۱) جس کے جانبین مشقوق ہوتے ہیں جو عام طور پر ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ایران اور افریقہ کے مختلف ممالک سوڈان، صومالیہ وغیرہ میں مروج ہے۔ (۲) مدور، جو عام طور پر عرب ممالک اور دیگر علاقوں میں بھی مستعمل ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں میں کونسا کرتہ اقرب الی السنہ ہے؟ حضرت والا سے عاجزانہ درخواست ہے کہ مفصل اور مدلل جواب عنایت فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے بارے میں کہیں صراحۃً احادیث میں یہ بات دستیاب نہیں ہوئی کہ قمیص کی کیا ہیئت تھی، مشقوق الجانبین تھی یا مدور، بنابریں حتمی طور پر کسی ایک جانب فیصلہ کر کے دوسری جانب کو رد کرنا درست نہیں ہے، دونوں کے استعمال کی گنجائش ہے۔

ہاں فقہاء اور اہل لغت کے کلام کی روشنی میں ہمارے نزدیک زائد ٹکڑے لگی ہوئی مشقوق الجانبین قمیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص سے زیادہ مشابہ اور اقرب الی السنہ ہے، اور ہر زمانے میں چوٹی کے علماء، صلحاء کا لباس رہا ہے، اس وجہ سے اس کا استعمال ہمارے نزدیک اقرب الی السنہ ہے، زائد ٹکڑا لگی ہوئی مشقوق الجانبین

قمیص کے اقرب الی السنہ ہونے کے چند دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

دلیل اول (۱) خاتمۃ المحققین اور فقہ حنفی کے ممتاز و مایہ ناز، نامور عالم علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والقميص من أصل العنق إلى القدمين بلا دخريص و كمين ، والدخريص : الشَّق الذى يفعل في قميص الحي ليتسع للمشي . (فتاوى الشامى:۲/۲۰۲، مطلب فى الكفن،سعيد).

كذا ذكره العلامة فخرالدين الزيلعيؒ (م۷٤۳هـ)**فى التبيين** (۱/۲۳۷،ط:امداديه)، **والعلامة السيد أحمد الطحطاوىؒ**(م۱۲۳۱هـ) **في حاشيته على الدر المختار** (۱/۳٦۹،ط:كوئته)، **والعلامة ابن نجيمؒ فى البحر الرائق** (۲/۱۷٥، ط:كوئته) ، **والعلامة عبد الحي اللكنوىؒ** (م۱۳۰٤هـ) **في عمدة الرعاية** (۱/۲۰٦) ، **والعلامة ظفر أحمد العثمانىؒ** (م۱۳۹٤هـ) **في إعلاء السنن** (۸/۲۳۹)، **والعلامة السيد عميم الإحسانؒ فى التعريفات الفقهية** (ص:۱۷۷،ط:بيروت) .

مذکورہ بالا تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ زندہ آدمی کی قمیص وہ ہے جس میں دخریص ہو، یعنی زائد ٹکڑے کے ساتھ شق اور شگاف ہو جس کی وجہ سے چلنے میں آسانی اور سہولت پیدا ہو جائے۔

ہمارے خیال میں دخریص کی تعریف میں لفظ " الشَّق " بفتح الشين ہونا چاہئے اگر شین کے کسرہ کے ساتھ ہوتا تو پھر آگے یوضع کا لفظ آتا یفعل نہیں آتا جب کہ یہاں "یفعل" آیا ہے۔

نیز دخریص کے دونوں ہی معنی قمیص میں موجود ہیں قمیص میں اضافی ٹکڑا بھی ہوتا ہے جس کو کلی کہتے ہیں اور کلی کے ساتھ شگاف اور پھٹن بھی ہوتی ہے۔

صاحبِ مغرب علامہ مطرزی (۵۳۸-۶۱۰ھ) دخریص کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دخريص القميص ما يوسع به من الشَّعب . (المغرب فى ترتيب المعرب : ۱/۲۸۳).

(و كذا فى التعريفات الفقهية ،ص:۹٤،ط: بيروت).

یعنی دخریص وہ ہے جس کے ذریعہ قمیص چاک اور شگاف سے کشادہ کی جاتی ہے۔

یادرہے " شَعب" شگاف اور پھٹن کو کہتے ہیں، اس کی وضاحت بخاری شریف کی روایت میں ملاحظہ فرمائیے:

أخرج البخاري عن أنس بن مالك ﷛ أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر فاتخذ مكان الشَّعب سلسلة من فضة . (بخارى شريف:۱/٤۳۸، باب ما ذكر من درع النبى صلى الله عليه وسلم، و ۲/۸٤۲، باب الشرب من قدح النبى صلى الله عليه وسلم ، وأيضاً رواه البيهقى فى سننه الكبرى : ۱/۲۹،باب

النهي عن الإناء المفضض ، والطبراني فى الأوسط:٩/٢٤/٨٠٤٦، والإمام الطحاوي في مشكل الآثار:٦/ ٢٩٤/ ٤٢٨٤، وابن ماجه ،٤٣٨).

حدیثِ بالا کی شرح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

الشَّعب : بفتح الشين المعجمة وسكون العين المهملة ، الصدع والشَّق . (عمدة القارى: ١٠/ ٤٤٠، ط:دارالحديث ، ملتان).

وفى النهاية: مكان الشَّعب أى مكان الصدع والشَّق الذى فيه. (النهاية فى غريب الاثر: ٢/١١٦٧).

قال الإمام الصنعاني في شرح بلوغ المرام : مكان الشَّعب، بفتح الشين...لفظ مشترك بين معان، والمراد منها هنا : الصدع والشَّق. (سبل السلام :١/٣٤).

وفي تاج العروس: مكان الشَّعب أى مكان الصدع والشَّق الذى فيه. (تاج العروس:٣/١٣٤). (وكذا فى لسان العرب : ١/٤٩٧).

القاموس الوحید میں ہے:

والشَّق: دُرز،تڑخن،شگاف،پھٹن۔(القاموس الوحید،ص:٨٧٨)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دخریص اس شگاف اور پھٹن کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ قمیص کشادہ کی جائے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ **الشُعَب** **شُعْبَة** کی جمع ہے اور **شُعْبَة** کہتے ہیں: **الفرقة من كل شيء** یعنی ٹکڑے کے معنی میں ہے اگر یہ معنی ہو تو پھر بھی اس کے ساتھ شق اور پھٹن ہوگی۔

دخریص کی مزید وضاحت ملاحظہ کیجئے:

معجم لغة الفقہاء میں ہے:

الدخريص:الشَّق في أسفل الثوب ليساعد لابسه على المشي.(معجم لغة الفقهاء،ص٢٠٧).

وفى التعريفات الفقهية : والدخريص: الشَّق الذى يفعل في قميص الحي ليتسع فى المشي. (التعريفات الفقهية ، ص:٤٣٥).

شَق بمعنى شگاف وپھٹن کی مزید وضاحت : **قال فى المنجد: الشَّق: بفتح الشين جمعه شقوق بمعنى الصدع والخرق والموضع المشقوق .** (المنجد،ص٣٩٦).

وفي لسان العرب : الشَق: الصدع البائن وقيل: غيرالبائن وقيل: هوالصدع عامة .

(لسان العرب: ۱۸۱/۱۰، بیروت).

وفی التعریفات الفقهیة : والجیب: الشَّق النازل علی الصدر. (ص:۱۷۷، ط: بیروت).

وفي مراقی الفلاح مع الطحطاوی: الجیب الشَّق النازل. (ص۵۷۷،ط: قدیمی).

(وکذا فی البحرالرائق: ۱۷۵/۲، وفتح القدیر:۱۱۵/۲، دارالفکر، وحواشی الشروانی :۱۲۱/۳، وتحفة المحتاج :۴۹۸/۱۰).

بعض حضرات دخریص کا ترجمہ زائد ٹکڑے اور کلی سے کرتے ہیں یہ بھی صحیح اور جائز ہے، کیونکہ قمیص میں شگاف کے ساتھ کلی بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو؛ تاج العروس میں ہے:

الدخریص من القمیص هو ما یوصل به البدن لیوسعه . (تاج العروس:۳۹۳/۴).

الدخریص من القمیص والدرع هو ما یوصل به البدن لیوسعه . (لسان العرب : ۳۵/۷).

فقہاء کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ زندہ اور مردہ کی قمیص کے درمیان فرق ہے مردہ کی قمیص میں دخریص، جیب، اور کمین نہیں ہوتیں، اور زندہ کی قمیص میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں۔ زندہ اور مردہ کی قمیص کا فرق درجِ ذیل روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

ولنا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم کفن في ثلاثة أثواب فیها قمیصه . ولباسه بعد موته معتبر بلباسه في حیاته إلا أن في حیاته کان یلبس السراویل حتی إذا مشی لم ینکشف عورته وذلک غیر محتاج إلیه بعد موته فالإزارقائم مقام السراویل ولکن في حال حیاته الإزار تحت القمیص لیتیسر المشی علیه وبعد الموت الإزار فوق القمیص من المنکب إلی القدم لأنه لا یحتاج إلی المشي . (المبسوط : ۶۰/۲، باب غسل المیت).

مذکورہ بالا حدیث اور علامہ سرخسیؒ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ قمیص میں شق ہوتا ہے اسی وجہ سے ستر یعنی رکبتین اور ران کے کھلنے کا امکان رہتا ہے، لہذا سراویل کا استعمال ستر کھلنے کے امکان کو دفع کرنے کے لیے ہوتا ہے اور میت میں یہ بات نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید زوار حسین صاحبؒ عمدۃ الفقہ میں فرماتے ہیں:

کرتہ میں گریبان اور کلی اور چاک اور آستین نہ لگاویں کیونکہ زندہ آدمی یہ چیزیں اس لیے کرتا ہے کہ چلنے وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے اور مردہ اس سے بے نیاز ہے۔ (عمدۃ الفقہ :۵۰۳/۲)۔

زندہ کی قمیص میں دخریص کا لفظ درجِ ذیل کتبِ فقہ ولغت میں ملاحظہ فرمائیے:

(دستور العلماء: ۳/ ۹۰، والتعریفات الفقهية، ص۱۷۷، واللباب فی شرح الکتاب: ١/٦٣، والمحيط البرهانی: ۸/ ۲۵۳، ورد المحتار علی الدرالمختار: ۲/ ۲۰۲، سعيد، ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ١/٢٦٦، ومراقی الفلاح، ص ۲۲۵، قدیمی، والبحرالرائق: ۲/ ۱۸۹، وتبیین الحقائق: ۱/ ۲۳۷، وحواشی الشروانی: ۳/ ۱۲۱، وشرح منتهى الارادات: ١/ ٣٥٦، وامدادالفتاح، ص ٦١٢، وشرح النقاية: ۲/ ۳۹، ط: بیروت).

(۲) دلیل دوم: شق والی قمیص میں ایک سے زائد دامن ہوتے ہیں، اس کی تائید صاحبِ لسان العرب ابن منظور کی عبارت سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال: الذيل واحد أذيال القميص وذيوله. (لسان العرب: ۱۱/ ۲٦۰، وکذا فی مختار الصحاح، ص: ٢٢٦، ط: بيروت، و الصحاح للجوهرى: ٤/ ١٣٩٢، داراحياء التراث العربی، بيروت).

تاج العروس میں ہے:

قال الزجاج: إذا زيد على الجزء (حرف) واحد وذلک الجزء مما لا يزاحف فاسمه المذال نحو متفاعلان أصله متفاعلن فزدت حرفاً فصار ذلک الحرف بمنزلة الذيل للقميص. (تاج العروس: ۷/ ۳۳۲).

حاصل یہ ہے کہ شق والی قمیص ہی کا ناحیہ مستقیمہ بنتا ہے الف کی طرح جب کہ مدور میں اس طرح کی کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔

تیسری دلیل: جن علاقوں میں صحابہ کرام کی مقدس ہستیوں کے قدم پڑے ہیں وہاں ان کی تہذیب وثقافت، اخلاق وکردار، عادات واطوارسب منتقل ہوئیں، چنانچہ سوڈان، صومالیہ وغیرہ افریقی ممالک نیز افغانستان وغیرہ کے علاقوں کا لباس بھی شق والا کرتہ اس بات کی کھلی گواہی دیتا ہے کہ یہی ان مقدس حضرات کا لباس تھا۔

البتہ فی زمانناجانبین کے شگاف رکبتین سے کچھ اوپر ہونے لگے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ نیچے شلوار یا ازار پہنی جاتی ہے اس میں ستر علی وجہ الکمال پایا جاتا ہے، ورنہ اصل قمیص نصف ساق تک ہونی چاہئے اور شگاف رکبتین سے ذرا نیچے ہوں، بغیر شلوار کے بھی اس میں ستر کھلنے کا امکان بہت کم ہے، جن صحابہ کرام نے صرف قمیص میں نماز پڑھی تھی وہ بھی اسی حالت پر محمول ہے۔

اشکالات اور جوابات:

بعض علماء مشقوق قمیص پر چند اشکالات کرتے ہیں، مختصراًان کے جوابات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

اشکال (۱) صحابہ کرام کی ایک جماعت نے ایک قمیص میں نماز پڑھی، متعدد احادیث سے ثابت ہے، نیز شراحِ حدیث، فقہاء وغیرہ نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ ایک قمیص میں نماز جائز اور درست ہے، اس لیے کہ اس میں سترعورت حاصل ہوجاتا ہے، اور یہ مدور میں ممکن ہے، شگاف والی قمیص میں ستر کھل جانے کا امکان ہے یا ستر عورت نہیں ہوتا ہے، لہٰذا شگاف والی قمیص مراد نہیں؟

الجواب: (الف) صحابہ کرام جن ممالک میں تشریف لے گئے تھے وہاں کے باشندوں کی قمیص شگاف والی ہے، ہاں یہ بات الگ ہے کہ ان حضرات کی قمیص میں شگاف رکبتین سے ذرا نیچے ہوتا ہے اور ہمارے ہاں پاکستان، ہندوستان میں شگاف رکبتین سے اوپر ہوتا ہے، لہٰذا فقہاء اور محدثین نے جو تحریر فرمایا ہے وہ اس قمیص کے بارے میں ہے جس کا شگاف رکبتین سے ذرا نیچے ہو اور نصف ساق تک لمبی ہو، اس میں سترعورت حاصل ہوجاتا ہے۔

الجواب: (ب) پھر قمیص واحد میں نماز پڑھنے سے کشفِ عورت کا احتمال صحابہ کرام کے دور میں بھی تھا بلکہ بعض مرتبہ ستر کھل جاتا تھا، اسی وجہ سے عورتوں کو تاکید کی گئی تھی کہ مردوں سے پہلے سجدہ سے سر نہ اٹھائیں۔

مطلب یہ ہے کہ کشفِ عورت کے احتمال کے ساتھ نماز جائز ہے اور صحابہ کرام نے اسی احتمال کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور متعدد کپڑوں میں بھی پڑھی۔ کشفِ عورت کے احتمال کی چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱) بوب الإمام الهمام البخاري في صحيحه (۱/۱۱۳)، **فقال: عقد الثياب وشدها ومن ضم إليه ثوبه إذا خاف أن تنكشف عورته، حدثنا محمد بن كثير أناسفيان عن أبي حازم بن سهل بن سعد قال: كان الناس يصلون مع النبي صلى الله عليه وسلم وهم عاقدوا أزرهم من الصغر على رقابهم فقيل للنساء: لاترفعن رؤوسكن حتى يستوى الرجال جلوساً.**

قال الإمام بدر الدين العينيؒ في شرح هذا الحديث: قوله جلوساً، أى جالسين كانت النساء متأخرات عن صف الرجال فنهين عن رفع رؤوسهن حتى يستوى الرجال جالسين، حتى لا يقع بصرهن على عوراتهم. وفيه الاحتياط في سترالعورة، والتوثق بحفظ السترة.

(عمدة القارى شرح صحيح البخارى:٤/٥٦١).

مذکورہ بالا روایت درجِ ذیل کتبِ حدیث میں ملاحظہ فرمائیے: (السنن الکبری للبیهقی :٢٤١/٢، والمعجم الکبیر:١٩١/٦، وسنن النسائی:٧٠/٢، شعب الایمان :٢٨٣/٧).

(٢) أخرج الإمام أبوداود في سننه (رقم:٨٥١)، **عن أسماء بنت أبي بكر قالت: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من كان منكن يومن باللّٰه واليوم الآخرفلا ترفع راسها حتى يرفع الرجال رؤوسهم كراهة أن يرين من عورات الرجال. إسناده صحيح. وأيضاً رواه البيهقى فى الكبرى**(٢٤١/٢)، **والطبراني فى الكبير** (٩٧/٢٤)، **وأحمد في مسنده** (رقم ٢٦٩٤٧) ، **وابن راهويه في مسنده** (١١٩/٥) ، **وعبد الرزاق فى مصنفه** (١٤٨/٣).

قال العلامة العينىؒ: إنما نهى عن رفع رؤوسهن قبل جلوس الرجال خشية أن يلمحن شيئاً من عورات الرجال عند الرفع منه . (عمدة القارى :١٩٣/٦).

بلکہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ خود فرماتی ہیں: **قالت: وذلک إن أزرهم كانت قصيرة مخافة أن تنكشف عوراتهم إذاسجدوا .**(مسند احمد رقم : ٢٦٩٥٠، والمعجم الکبیرللطبرانی، رقم:٢٦١).

طبرانی کی روایت میں اس طرح مذکور ہے:

قالت: لأنه كانت بينهم حادة فيلبسون ثياباً تقصر عنهم فتبدو عوراتهم. (المعجم الکبیر، رقم : ٢٦٣).

قال العلامة العينىؒ فى شرح سنن أبى داود: قوله كراهية أن يرين " انتصاب" أى لأجل كراهية أن ترى النساء من عورات الرجال إذا رفعن رؤوسهن قبلهم وذلک لأنهم كان عليهم أزرقصيرة فإذا سجدوا ربما ينكشف موضع من عوراتهم.(٤٣/٤، ط: مكتبة الرشد).

خلاصہ یہ ہے کہ شق والی قمیص کو اس لیے رد کرنا کہ صحابہ کرامؓ نے ایک قمیص میں نماز پڑھی اور ستر نہیں کھلا درست نہیں ہے، ستر کھلنے کا امکان اُس زمانہ میں بہت ہوتا تھا جیسا کہ روایات اور شروحات سے واضح ہوا، تو شق والی قمیص میں کشفِ عورت کے احتمال کے ساتھ بھی نماز درست ہے اور صحابہ کرامؓ نے پڑھی۔

(ج) علی فرض التسلیم شگاف والی قمیص میں سترعورت (رکبتین) نہیں ہوتا بلکہ رکبتین کھل جاتے ہیں اس کے باوجود نماز درست ہوسکتی ہے جیسا کہ بعض ائمہ کے نزدیک اس کی گنجائش ہے پھر کشفِ عورت مذہب احناف میں بھی ربع عضو سے کم معاف ہے اور نماز درست ہے، نیز بقدرِ رکن نہ ہوا یک رکن سے کم وقفہ میں کھلا

اورفوراً چھپالیا تب بھی نماز درست ہے۔

علاوہ ازیں دیگرامکانات ہیں لہذاعلی الاطلاق صحابہ کرامؓ کی نماز سے شگاف والی قمیص ردنہیں ہوتی۔

ملاحظہ ہو: **قال الحافظ الفقيه ابن رجب الحنبلي** (۷۳۶۔۷۹۵ھ) **في فتح الباری** (۱۵۸/۲): **وفيه (الحديث الذی مر آنفاً) أن من انكشف من عورته يسير في صلاة لم تبطل صلا ته وقد استدل بذلک طائفة من الفقهاء ... وإنما ذكر حديث عمرو بن سلمة الجرمی أنه كان يصلی بقومه في بردة له صغيرة فكان إذا سجد تقلصت عنه فيبدوبعض عورته حتى قالت عجوزمن وراءه : ألا تغطون عنا إست قارئكم ، وقد خرجه البخاری في موضع آخر من كتابه هذا .**

ومذهب أحمد أنه إذا انكشفت العورة كلها أوكثير منها ثم سترها فی زمن يسير لم تبطل الصلاة وكذلک إن انكشفت منها شيء يسير، وهوما لايستفحش فی النظر ولوطال زمنه وإن كان كثيراً وطالت مدة انكشافه بطلت الصلاة وكذا قال الثوریؒ لو انكشفت عورته فی صلاته لم يعد . ومراده إذا أعاد سترها فی الحال .

وعن أبي حنيفةؒ وأصحابه: إن انكشف من المغلظة دون قدرالدرهم فلا إعادة ومن المخففة إن انكشف دون ربعها فكذلک .

ولا فرق بين العمد والسهو في ذلک عند الأكثرين وقال إسحاق: إن لم يعلم بذلک إلا بعد انقضاء صلا ته لم يعد وهوالصحيح عند أصحاب مالکؒ .

نیز بہت سارے ائمہ کے نزدیک رکبتین ستر میں داخل نہیں ہے۔

قال الإمام النوویؒ : و عورة الرجل حراً كان أو عبداً ما بين السرة و الركبة على الصحيح . (روضة الطالبين : ۲۸۲/۱).

قال علاء الدين أبوالحسن الحنبلي (م۸۸۵)**:عورة الرجل والأمة ما بين السرة والركبة كذا فی الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف .** (۴۴۹/۱، داراحیاء التراث).

وقال فی المغنی: والصالح فی المذهب أنها من الرجل ما بين السرة والركبة نص عليه أحمد في رواية جماعة . (المغنی:۶۱۵/۱، ط: بیروت).

وقال الشيخ وهبة الزحيلي: مذهب الشافعية عورة الرجل ما بين سرته وركبته في الصلاة والطواف و أمام الرجال الأجانب والنساء المحارم ... فالسرة و الركبة ليستا من العورة على الصحيح . (الفقه الاسلامي وادلته : ۱/۵۸۸).

وفي حاشية الدسوقي: هي من رجل ما بين سرة وركبة وهو بيان لها بالنسبة للرؤية و كذا بالنسبة للصلاة . (۱/۳۳۷، فصل في ستر العورة).

قال ابن رشد القرطبي الأندلسي: حد العورة من الرجل؛ فذهب مالكؒ والشافعيؒ إلى أن حد العورة منه ما بين السرة إلى الركبة و كذلک قال أبوحنيفةؒ . و قال قوم : العورة هما السوأتان فقط من الرجل وسبب الخلاف في ذلک أثران متعارضان كلاهما ثابت أحدهما: حديث جرهد رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الفخذ عورة، والثاني:حديث أنس رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم حسر عن فخذه وهوجالس مع أصحابه قال البخاري: وحديث أنس رضي الله عنه أسند وحديث جرهد رضي الله عنه أحوط ، وقد قال بعضهم: العورة الدبر والفرج والفخذ . (بداية المجتهد:۱/۸۳، الباب الرابع).

وللاستزادة انظر: (الفقه الاسلامي وادلته، وكفاية الطالب الرباني :۴/۳۵۳، وعرف الجادي من جنان هدى الهادي ،ص۶۵، وفيه : [السرة والركبة ليستا من العورة باتفاق أهل الحديث وفي الفخذ للراكب إذا تعرى عليه سترة]. والفقه السنة للسيد سابق :۱/۸۰۶).

اشکال (۲): قمیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ پیراہن میں شمار ہوتی تھی اس وجہ سے کہ "أستر للعورة" ہے اس میں سترِ عورت اچھی طرح حاصل ہوتا تھا جب کہ موجودہ شق والی قمیص میں سترِ عورت ممکن نہیں ہے؟

الجواب: واضح ہو کہ "أستر" دو معانی کے لیے ہے (۱) أشد ستراً (۲) دوسرا أكمل ستراً ۔ پہلے معنی مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ قمیص میں سترِ عورت زیادہ ہے بنسبت ازار ورداء کے اس لیے کہ دونوں کے گر جانے کا احتمال ہے خصوصاً جو لوگ اچھی طرح باندھنا نہیں جانتے، كما روى البخاريؒ في باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره ...وقال حماد عن إبراهيم: إن كان عليهم إزار فسلم وإلا فلا تسلم. (صحيح البخاري:۱/۳۰).

علـم مـنه أن الإزار فی الحقیقة موضوع لستر العورة فلذلک لم یقل إن کان علیهم إزار أو قـمیـص فسـلـم وإلا فلا . وإن أمکن أن یکون ذکر الإزار للبسه عادة لکن المقصود فی القمیص الزینة ، ودفع الحر والبرد والستر والإزار للستر ،

یعنی ازار ستر عورت کے لیے مقرر ہے بخلاف قمیص کے اگر چھوٹی ہو تو ستر نہیں ہوگا یا مشکل ہوگا۔اور اگر دوسرا معنی مراد ہو تو قمیص باوجود شق وشگاف کے نصفِ اسفل رکبتین تک ساتر ہوتی ہے اور ازار میں فقط نصف اسفل کا ستر ہوتا ہے جب کہ قمیص میں نصفِ اسفل کے ساتھ نصفِ اعلیٰ کا ستر بھی ہو جاتا ہے اس وجہ سے **أشـمـل وأکـمـل ستراً** فرمایا۔اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے جہاں عام صحابہ کرامؓ والی قمیص پہنی جاتی ہے وہاں اس کے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

اشکال (۳): قمیص میں دخریص کا مطلب یہ ہے کہ دخریص وہ اضافی کپڑا ہے جس کے ذریعہ قمیص کشادہ کی جاتی ہے شگاف مراد نہیں۔ملاحظہ ہو:

الدخریص من القمیص هو ما یوصل به البدن لیوسعه . (تاج العروس :۳۹۳/٤).

ما یوسع به من الشعب . (المغرب ،ص۲۸۳).

الشعب جمع شعبة ، الفرقة من الشيء . (المعجم الوسیط).

بلکہ لغات،فقہ اور حدیث میں کہیں پر یہ نہیں ملا کہ دخریص شق اور شگاف پر بولا جاتا ہے۔

والشق من الشيء جزء ٥ . (المعجم الوسیط).

الجواب: ابتداء میں یہ بات وضاحت کے ساتھ گزری ہے کہ دخریص شق کو بھی کہتے ہیں تاہم اگر اضافی کپڑا مراد ہو تب بھی درست ہے کہ قمیص میں دونوں ہی ہوتے ہیں اضافی کپڑا بھی ہوتا ہے جس سے قمیص کشادہ ہوتی ہے اور شق وشگاف بھی ہوتا ہے ۔اس دخریص کو اردو میں کلی کہتے ہیں اور کرتے کی کلی برصغیر اور افریقہ، سوڈان، صومالیہ وافغانستان میں مشقوق اضافی کپڑا ہوتا ہے گویا دخریص کی خصوصیت یہ ہوگی کہ :

الدخریص: ما یوسع به من قطعة الثوب مع الشّق أو الشّق فقط ۔

دخریص،شق وشگاف کے معنی میں ہے اس کے مزید دلائل ملاحظہ ہوں:

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے: **الـدخـریـص الشّـق فـي أسـفـل الثوب لیساعد به علی المشي .**

(ص۲۰۷). (ومثله فی المغرب ،ص۲۸۳).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: الدخريص الشّق الذى يفعل في قميص الحي ليتسع للمشي .
(فتاوی الشامی:۲/۲۰۲،سعید). شامی میں القطعة التی توضع نہیں ہے۔
الشَّق بفتح الشين جمعه شقوق بمعنى الصدع والخرق والموضع المشقوق .
(المنجد،ص۳۹٦).

المعجم الوسيط میں ہے:
الشَق الصدع ، الخرق ، الشق الخيشومی : إحدى الفتحات التی على جانبي الرأس وتفتح فی الجيب الخيشومی والشق القيصر فی الولادة استخراج الجنين بشق البطن .
(المعجم الوسيط،ص:٤٨٩).

القاموس الوحید میں ہے: الشَّق ،شگاف،پھٹن،ج:شقوق۔(القاموس الوحید:۱/۸۷۸).
القاموس الوحید میں ہے:
الصدع:ٹھوس چیز میں دراڑ،شگاف،قرآن پاک میں ہے: والأرض ذات الصدع ،دراڑ،پھٹن ج: صدوع۔(ص۹۱٦).

معترض صاحب نے جوشق کامعنی حصہ اور جزء بیان کیا دراصل یہ الشِّق بالکسر ہے جب کہ دخریص کی تعریف میں الشَّق بالفتح بمعنی شگاف ہے۔جیسا کہ مذکورہ بالاعبارات سے واضح ہوا۔
الشِّق بالکسر کے بارے میں ملاحظہ ہوالمعجم الوسیط میں ہے: الشِق بالكسر شِق الشيء جزء ه ونصفه ، وجانبه ، والجهد والمشقة وفی التنزيل العزيز : وتحمل أثقالكم إلى بلد لم تكونوا بالغيه إلا بشِق الأنفس . (المعجم الوسیط،ص:٤٨٩).
لہذا دونوں کے درمیان واضح اور بین فرق ہے۔فافهم وتدبر۔

بعض حضرات نے دخریص کی تعریف میں لفظ ''الشَّعب'' کا اضافہ فرمایا ہے،اس سے اور زیادہ شگاف کی وضاحت ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو: المغرب میں ہے: دخريص القميص: ما يوسع به من الشَّعب .
(المغرب،ص:٢٨٣).

التعریفات الفقہیۃ میں ہے: دخريص القميص: ما يوسع به من الشَّعب . (التعريفات الفقهية،ص:٩٤).
بعض حضرات یہاں بھی شعب کو فرقة من الشيء سے تعبیر کرتے ہیں،لیکن الشَّعب اصل شگاف اور پھٹن اور

انفراج کو کہتے ہیں۔

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے: **الشَّعب: الانفراج بين جبلين** . (ص۲٦۳).

المعجم الوسيط میں ہے:

انفراج بين الجبلين والطريق ومجرى للماء تحت الأرض. (ص٤٨۳)، (وكذا فى التعريفات الفقهية ،ص۱۲۳).

اس معنی کی وضاحت کے لیے حدیث شریف ملاحظہ ہو:

أخرج البخاري عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر فاتخذ مكان الشَّعب سلسلة من فضة . (بخارى شريف : ٤۳۷/۱، باب ما ذكر من درع النبى صلى الله عليه وسلم، وأيضاً رواه البيهقي في سننه الكبرى:۲۹/۱، باب النهى عن الاناء المفضض، والطبراني فى الاوسط: ۲٤/۹/ ٤٦/ ٨٠، والامام الطحاوى فى مشكل الآثار:٦/ ٢٩٤/ ٤٢٨٤، وابن ماجه ،٤۳٨).

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تو پھٹن کی جگہ چاندی کا پترا لگایا۔

الشعب کی شرح میں شراحِ حدیث کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

حدیثِ بالا کی شرح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

الشَّعب: بفتح الشين المعجمة وسكون العين المهملة ، الصدع والشّق . (عمدة القارى: ٤٤٠/١٠).

وفى النهاية: مكان الشَّعب أى مكان الصدع والشَّق الذى فيه. (النهاية فى غريب الاثر:۱۱٦۷/۲).

قال الإمام الصنعاني في شرح بلوغ المرام : مكان الشَّعب، بفتح الشين...لفظ مشترك بين معان، والمراد منها هنا : الصدع والشَّق. (سبل السلام :۳٤/۱).

وفي تاج العروس: مكان الشَّعب أى مكان الصدع والشَّق الذى فيه. (تاج العروس:۱۳٤/۳). (وكذا فى لسان العرب : ٤۹۷/۱).

القاموس الوحید میں ہے:

والشَّق: دُرز، تڑخن، شگاف، پھٹن۔ (القاموس الوحید،ص:٨۷٨)۔

بعض روایت میں "انکسر" کی جگہ "**انصدع**" کا لفظ آیا ہے **كما فى رواية البيهقي** دونوں الفاظ

سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شگاف مراد ہے۔ ورنہ اگر **فرقة من الشيء** مراد ہوتو یہاں **قدح النبي صلى الله عليه وسلم** میں **فرقة من الشيء** کا کیا مطلب ہوگا؟

اشکال (۴): علامہ شامیؒ کی عبارت سے مشقوق قمیص تسلیم کرلیں تب بھی اتنی بات ثابت ہوگی کہ علامہ شامیؒ ۱۲۰۰ھ میں تھے لہذا یہ اس وقت موجود تھی، نہ کہ اس سے پہلے؟

الجواب: دخریص کی تعریف صرف علامہ شامیؒ نے بیان نہیں فرمائی بلکہ آپ سے پہلے بھی فقہاء نے بیان کی ہے۔ مثلاً صاحب المغرب الامام اللغوی ابوالفتح ناصرالدین المطرزی المولود ۵۳۸ھ والمتوفی ۶۱۰ھ مطابق ۱۱۴۴ء۔ ۱۲۱۳ء یعنی علامہ المطرزی چھٹی صدی ہجری کے عالم ہیں ان کی عبارت مذکور ہوئی۔

(۲) علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی المتوفی ۷۴۳ھ یعنی آٹھویں صدی ہجری کے فقیہ ہیں۔

(۳) علامہ ابن نجیم المصری نے بھی بیان کیا ہے۔ م ۹۷۰ھ دسویں صدی ہجری کے فقیہ ہیں۔ وغیرہ۔

لہذا یہ قول درست نہیں ہے کہ شق والا کرتا علامہ شامیؒ کے زمانہ میں ایجاد ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل چیز مشاہدہ اور عمل متوارث ہے جو ہر زمانہ میں علماء صلحاء کے جسم پر نظر آتا ہے اور قانون بھی ہے کہ ہر زمانہ میں اقرب الی السنہ وہی لباس کہلاتا ہے جو اُس زمانہ کے صلحاء واولیاء اللہ کا عمومی سطح پر ہو ممکن ہے کہ پرانے زمانہ میں بھی بعض حضرات غیر مشقوق کرتا استعمال کرتے ہوں۔

لیکن کتبِ فقہ اور لغات کی روشنی میں شق والا کرتا زیادہ مناسب ہے اور جہاں جہاں اسلام کی کرنیں قرنِ اول میں پہنچیں وہ لوگ شق والا کرتا استعمال کرتے تھے اور کرتے ہیں، ہاں بغیر چاک کے کرتا بھی صلحاء کا لباس ہے اور اس کا استعمال بھی بالکل درست ہے۔

اشکال (۵) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قمیص کی تعریف یوں کی گئی: **القميص ثوب مخيط غير مفرج يلبس تحت الثياب؟**

الجواب: (۱) ان حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ قمیص کے کنارے مشقوق نہیں ہوتے لہذا ایسی دلیل پیش کرنا چاہئے جس میں کناروں کے چاک کی نفی ہو جو اس تعریف میں نہیں ہے۔

(۲) اگر ''**غير مفرج**'' کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس میں بالکل مشقوق نہیں ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ قمیص میں گریبان تو ہوتا ہے جو مشقوق ہے، **كما في التعريفات الفقهية: والجيب: الشَّق النازل على الصدر**. (ص۱۷۷).

(۳)اس لیے ''غیــر مفـرج'' کا یا یہ مطلب ہے کہ اس میں پیچھے سے فروج کی طرح شق نہیں جوفروج میں ہوتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ قمیص سامنے سے کھلی نہیں ہوتی ہے بخلافِ جبہ اور قبا کے وہ آگے سے مشقوق ہوتا ہے۔ **الـجبة ثـوب سـائـغ واسـع الـكـمـيـن مشقوق المقدم يلبس فوق الثياب** . (المعجم الوسيط:١/١٠٤).

الـفـروج قبـاء فيـه شـق من خلفه وفي الحديث : صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم وعليه فروج من حرير. (لسان العرب:٢/٣٤٤). (وكذا في تاج العروس : ٢/٨٤،والمغرب :٢/١٢٨).

اشکال (٦): ہم نے تو اپنے اکابر اور اساتذہ سے سنا ہے کہ دخریص کے معنی کلی ہے چاک کے معنی تو ہم نے کبھی نہیں سنے بلکہ وہ زائد کپڑا مراد لیتے ہیں مشاہدہ اس پر دال ہے؟

الجواب: اکابر نے دخریص کے معنی کلی بیان کیے ہیں لیکن وہ زائد ٹکڑا چاک کے ساتھ ہوتا ہے بغیر چاک کے نہیں تھا، نیز لغت کی کتابوں اور شامی وغیرہ سے معلوم ہوا کہ صرف چاک میں بھی دخریص استعمال ہوتا ہے ہاں کپڑے کا زائد ٹکڑا بمعہ چاک بھی مستعمل ہے۔

حضرت مولانا سید زوار حسین صاحبؒ ہمارے اکابر علماء میں سے ہیں وہ عمدۃ الفقہ میں فرماتے ہیں:

کرتہ میں گریبان اور کلی اور چاک اور آستین نہ لگاویں کیونکہ زندہ آدمی یہ چیزیں اس لیے کرتا ہے کہ چلنے وغیرہ میں آسانی ہوتی ہے اور مردہ اس سے بے نیاز ہے۔(عمدۃ الفقہ :۲/۵۰۳)۔

پھر اگر دخریص کے معنی زائد ٹکڑا ہو جیسا کہ اس کی تعریف میں شق سے جزء اور حصہ لیتے ہیں تو پھر جیب کی تعریف میں شَق کا لفظ ہے اس میں کیسے جزء اور حصہ لیں گے، یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے، گریبان میں شَق ہونا اظہر من الشّمس ہے۔ ملاحظہ ہو التعریفات میں ہے:

الدخريص الشَّق الذى يفعل في قميص الحي ليتسع في المشي . (التعريفات ،ص١٧٧).

الجيب : الشَّق النازل على الصدر . (التعريفات ،ص١٧٧).

خلاصہ یہ ہے کہ دونوں جگہ الشَّق سے شگاف اور چاک مراد ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کرتا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کا حکم:

سوال: بعض لوگ اپنے کرتوں کو ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں، اور دلیل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کا حوالہ پیش کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ٹخنوں سے نیچے کرتا یا پاجامہ لٹکانا ناجائز ہے، اور اس کے بارے میں احادیث میں بہت زیادہ وعیدیں وارد ہوئی ہیں، نیز احادیث میں مطلق ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مطلق ممانعت والی چند روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار فى النار . (رواه البخاری، رقم : ٥٧٨٧).

عن أبي ذر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لايكلمهم الله يوم القيمة ولاينظر إليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم : المسبل ، والمنان ، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب . (مصنف ابن ابی شيبة ٨/ ٢٠٠، ومسلم، رقم : ١٧١).

عن أبي سعيد قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أزرة المؤمن إلى أنصاف ساقيه لا جناح عليه فيما بينه وبين الكعبين وأسفل من ذلک فى النار قلت: قال ذلک ثلاث مرات، ولا ينظر الله يوم القيٰمة إلى من جر إزاره بطراً . (رواه البيهقی فی شعب الايمان ، رقم ٦١٣٣، بيروت).

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإزار إلى نصف الساق فلما رأى شدة ذلک على المسلمين قال: إلى الكعبين لا خير فيما أسفل من ذلک . (رواه احمد فی مسنده ، رقم : ١٣٦٠٥، والبوصيری فی الزوائد، رقم : ٤٠٥٣).

عن عبد الله بن أبي هذيل، قال: سأل أبوبكر رضي الله عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم عن موضع الإزار؟ فقال: مُسْتَدَقُّ الساق، لا خير فيما أسفل من ذلک ، ولا خير فيما فوق ذلک . (رواه ابن ابی شيبة ،رقم: ٢٥٣١٤).

عن حذيفة رضي الله عنه قال: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بأسفل عضلة ساقي، أو ساقه ، فقال : هذا موضع الإزار، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت فلا حق للإزار فى الكعبين . (رواه ابن ابی شيبة ،رقم: ٢٥٣١٥).

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ما تحت الكعب من الإزار فى

النار . (رواه ابن ابی شيبة ،رقم ٢٥٣١٦).

عن عائشةؓ قالت: دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع عنه ثوبيه ثم لم يستتم أن قام ، إلى قوله ...أتاني جبريل عليه السلام فقال: هذه الليلة ليلة النصف من شعبان ولله فيها عتقاء من النار بعدد شعور غنم كلب ، لاينظر الله فيها إلى مشرك ولا إلى مشاحن ولا إلى قاطع رحم ولا إلى مسبل . (رواه البيهقى فى الشعب ،رقم : ٣٥٥٦،بيروت).

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ شرعی پوشاک وہ ہے جو ٹخنوں سے اوپر ہو، اور ایسی قمیص یا پاجامہ یا تہبند کا استعمال جو ٹخنوں سے نیچے چلا جائے سخت مکروہ اور شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے۔

فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ويكره للرجال السراويل التي تقع على ظهر القدمين ،عتابية . (فتاوى الشامى: ٣٥١/٦،سعيد،والبحرالرائق:٢١٦/٨،دارالمعرفة،والفتاوى الهندية:٥/ ٣٣٣).

وفى الفتاوى الهندية : تقصير الثياب سنة وإسبال الإزار والقميص بدعة ينبغي أن يكون الإزار فوق الكعبين إلى نصف الساق وهذا في حق الرجال . (الفتاوى الهندية : ٥/ ٣٣٣).

النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

والثالث :كل لباس يكون على خلاف السنة يكون لبسه مكروهاً وهو مثل أثواب الكفار وأثواب الفسق والفجور وأهل الأشر والبطر مثل القرطق وإسبال الإزار...الخ .

(النتف فى الفتاوىٰ ،ص١٦٢،بيروت).

فیض الباری میں ہے: **وجر الثوب ممنوع عندنا مطلقاً** . (فيض البارى : ٣٧٣/٤).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص (پاجامہ یا لنگی سے) ٹخنے ڈھانکے گا تو یہ حصہ دوزخ میں جلے گا، اس لیے مکروہِ تحریمی ہے اس طرح نماز بھی مکروہِ تحریمی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۲۷۱، جامعہ فاروقیہ)۔

بعض حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر تکبر کا قصد نہ ہو تو اسبالِ ازار مکروہ نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ملاحظہ ہو:

عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ **عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جر ثوبه خيلاء لم**

ینظر اللہ إلیه یوم القیٰمة قال أبوبکر رضی اللہ عنہ : یا رسول اللہ إن أحد شقي إزاری یسترخي إلا أن أتعاهد ذلک منه، فقال النبي صلی اللہ علیه وسلم لست ممن یصنعه خیلاء . (رواہ البخاری، رقم : ٥٧٨٤).

لیکن اس روایت سے استدلال بہ چند وجوہ صحیح اور درست نہیں ہے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمداً نہیں لٹکاتے تھے بلکہ بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی بے خبری میں ایسا ہوجاتا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ بہت ہی نحیف الجسم تھے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کے اندر تکبر نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

وسبب استرخاءه کون أبي بکر رضی اللہ عنہ رجلاً أحنی نحیفاً لایستمسک ، فإزاره یسترخي عن حقویه...وفیه أنه لا حرج علی من یجر إزاره بغیر قصد . (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:١٥/٥،ملتان، وکذا فی ارشاد الساری للعلامة القسطلانی).

فتح الباری میں حافظ صاحب فرماتے ہیں:

وکان سبب استرخاءه نحافة جسم أبي بکر رضی اللہ عنہ ، قوله : إلا أن أتعاهد ذلک منه أی یسترخي إذا غفلت عنه ووقع في روایة معمر عن زید بن أسلم عند أحمد أن إزاري یسترخي أحیاناً فکأن شده ینحل إذا تحرک بمشی أو غیره بغیر اختیاره فإذا کان محافظاً علیه لایسترخي لأنه کلما کاد یسترخي شده . (فتح الباری : ١٠/٢٥٥).

فیض الباری میں ہے:

وأما قوله صلی اللہ علیه وسلم لأبي بکر رضی اللہ عنہ : إنک لست ممن یجر إزاره خیلاء ففیه تعلیل بأمر مناسب ، وإن لم یکن مناطاً، فعلة الإباحة فیه عدم الاستمساک إلا بالتعهد.

(فیض الباری : ٤/٣٧٣).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

رہا قصہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، میرے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ "**إنک لست تفعله بالاختیار والقصد**" چنانچہ "**إلا أتعاهد**" اس کی دلیل ہے کہ بلاقصد ایسا ہوجاتا تھا اور اسی

کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۴/۱۲۲)۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کا سوال کرنا ہی دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام نے اس حدیث کو مطلق سمجھا تھا، کیونکہ اگر یہ وعید خاص متکبرین کے لیے ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سوال نہ کرتے اولاً تو وہ خود عمداً نہیں کرتے تھے، اور اگر عدمِ احتیاط سے نیچے ہو بھی جاتا تو اوپر کر لیتے تھے تکبر تو بہت دور کی بات ہے چہ جائیکہ تکبر کا شائبہ بھی ہو۔

شاہ صاحب فیض الباری میں فرماتے ہیں:

وسوال أبي بكر رضي الله عنه أيضاً يؤيد ما قلنا، فإنه يدل على أنه حمل النهي على العموم ولو كان عنده قيد الخيلاء مناطاً للنهي لما كان لسواله معنى. (فيض البارى : ٤/٣٧٤).

خلاصہ یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا ازار لٹکانا یہ سنت اور تعلیماتِ نبوی کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اگر قصداً تکبر کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو مکروہِ تحریمی ہے اور اگر تکبر نہیں بلکہ ویسے ہی پسند کرتا ہے تب بھی مکروہ ہے بعض روایات کے اطلاق کی وجہ سے، حتیٰ کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نفس اسبال ہی تکبر ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن أبي جُرَيٍّ جابر بن سليم قال: رأيت رجلاً يصدر الناس عن رأيه لا يقول شيئاً إلا صدروا عنه قلت: من هذا قالوا: هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت: عليك السلام يارسول الله مرتين، قال: لاتقل عليك السلام، فإن عليك السلام تحية الميت قل السلام عليك ... قال: ولاتحقرن شيئاً من المعروف ...وإياك وإسبال الإزار، فإنها من المخيلة وإن الله لا يحب المخيلة . (رواه ابوداود،رقم: ٤٠٨٦،وابن حبان فى صحيحه ،رقم:٥٢٢،والبيهقى فى الكبرى :٢١٦٢٣). **قال الشيخ شعيب** (فى تعليقاته على مسند احمد رقم: ١٦٦١٦): **حديث صحيح.**

مولانا بدر عالم میرٹھی فیض الباری کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

قلت: ويخطر ببالي أن الشرع جعل نفس الجر مخيلة ، فإن الذين يجرون ثيابهم لايجرون إلا تكبراً وفخراً ، وكذلك جربنا في زماننا أيضاً ، وإن لم يكن في زماننا كذلك فإنه قدكان فى العرب ، وقدكان ، وإذن هو من باب إقامة السبب مقام المسبب، كالنوم، فإنه ليس بحدث ، ولكنه سبب لاسترخاء المفاصل، وأنه لايخلو عن خروج شيء منه غالباً،

فأقيم النوم الذي هو سبب مقام الحدث ، و كالسفر ، فإنه أيضاً ، أنيب مناب المشقة، وكالمباشرة الفاحشة ، فإنها سبب لخروج شيء عادة ، فأدير الحكم على المباشرة ، فهكذا جر الثوب ، فإن سببه المخيلة ، وهي أمر خفي يتعسر إدراكها، كالمشقة في باب السفر ، والحدث فى النوم ، وخروج شيء فى المباشرة الفاحشة ، فأدير الحكم على جر الثوب ، على أن قد جربنا أن للظاهر تأثيراً فى الباطن ، ومن هذا الباب تحسين الأسماء ، فمن جر ثوبه لا يأمن أن يسرى الكبر إلى باطنه ، ألا ترى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: اجعلوا أزركم على أنصاف سيقانكم، فإن أبيتم فلا حق لكم فى الكعبين، بالمعنى، فدل على أن الحديث من أحكام اللباس، وأنه لا حق لنا فيما دون الكعبين ، وهذا التعبير يشعر بنفي التخصيص بالمخيلة وغيرها. (الدرالسارى الى فيض البارى : ٤/ ٣٧٤).

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ پاجامہ یا کرتا وغیرہ ٹخنوں سے اوپر پہنا جائے، ٹخنوں سے نیچے لٹکانا درست نہیں ہے، ہاں عذر یا غفلت کی وجہ سے ہوجائے تو کوئی حرج نہیں، تاہم اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بطورِ فیشن ازار لٹکانے کا حکم:

سوال: ایک شخص ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تکبر کی وجہ سے نہیں لٹکاتا ہوں، یہ تو فیشن ہے، اس وجہ سے لٹکاتا ہوں، اب آپ شریعت کا حکم بیان کیجئے کہ بطورِ فیشن ازار لٹکانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس بارے میں روایات میں مطلقاً ممانعت وارد ہوئی ہے لہذا دونوں میں کراہت ہے البتہ کراہت میں تخفیف ہوگی، یعنی اگر بہ نیتِ تکبر ہے تو مکروہِ تحریمی ہے اور بطورِ فیشن لٹکانے میں کراہت ذرا کم ہوگی۔ ملاحظہ ہو ابن ماجہ شریف کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

قال الشيخ عبد الغنى المجددي رحمه الله: وهذا التطويل والتوسيع الذي تعارف في بعض ديار العرب من الحجاز و مصر مخالف للسنة و إسراف موجب لإضاعة المال فما كان منهما بطريق الخيلاء فهو حرام وما كان بطريق العرف والعادة وصار شعار القوم لا يحرم وإن كان الإسراف فيه لا يخلو عن كراهة . (حاشية سنن ابن ماجه،ص:٢٥٥،ط:قديمى).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی تقیید پر رہتا ہے اور دونوں پر عمل واجب ہوتا ہے کما ہو مصرح فی الاصول۔ (امداد الفتاویٰ:۴/۱۲۳)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

یہ لباس متکبرین اور فساق کا ہے، اگر اس نیت سے ہو کہ ان کے ساتھ تشبہ اختیار کیا جاوے یا تکبر کی نیت سے ہو تو حرام، ورنہ مکروہ ہے: **ولایجوز الإسبال تحت الكعبين إن كان للخيلاء ؛ إذ قد نص عليه الشافعيّ، وبغير الخيلاء ، منع للتنزيه لا للتحريم ، مرقاة .** [۸/۱۲۹] آج کل عام طور پر یہ لباس انہیں لوگوں کا ہے جن پر مغربیت کا بھوت سوار ہے جو اپنی قدیم وضع اور طرزِ معاشرت کو برا سمجھتے ہیں اور مغربی تہذیب پر فخر کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی مشابہت بھی مذموم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۲۷۲، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (تقریر ترمذی:۲/۳۳۹۔۳۴۱، وتکملۃ فتح الملہم:۴/۱۲۱،۱۲۳)۔

احادیث وغیرہ تفصیلات ماقبل میں ملاحظہ کر لی جائیں، تکرار موجبِ طوالت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اسکول یونیفارم کا شرعی حکم:

سوال: ہماری اسکول نے یونیفارم (uniform) بنانے کا ارادہ کیا ہے، اس سے متعلق ہمیں کچھ ہدایات چاہئے کہ: کتنا لمبا ہو، اس کی ہیئت کیسی ہو وغیرہ، اس بارے میں چار نقشے پیش خدمت ہیں، کیا یہ سب لباس شریعت کے اصول کے مطابق ہے یا شریعت کے مخالف، اگر اس میں کوئی خلافِ شریعت لباس ہو تو تنبیہ فرمایئے؟

پہلا نقشہ: لڑکوں کا یونیفارم ہے، گرمی کے موسم کے لیے۔ دوسرا نقشہ: یہ بھی لڑکوں کے لیے ہے موسمِ سرما کے لیے۔ اور کھیلنے کے لیے۔ تیسرا نقشہ: یہ لڑکیوں کا یونیفارم ہے موسمِ گرما کے لیے۔ چوتھا نقشہ: یہ بھی لڑکیوں کے لیے ہے موسمِ سرما کے لیے۔ اور لڑکیوں کے بنیان (ٹی، شرٹ) کے بارے میں بھی رہبری مطلوب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے لباس کے بارے میں کوئی خاص وضع قطع متعین نہیں فرمائی، بلکہ اس بارے میں شریعت کی تعلیمات بڑی معتدل ہیں، ہر علاقہ و ہر خطہ والوں کو ہر موسم میں آب وہوا کے لحاظ سے مختلف لباس کے انتخاب کی آزادی دے رکھی ہے، البتہ چند بنیادی اصول متعین کر دیے ہیں، جن کو ملحوظ رکھنا

ضروری ہے:

(۱) لباس ساتر ہو لہٰذا عورتوں کو ایسا لباس پہننا جس میں ان کے اعضائے مستورہ نظر آئیں یا ٹانگیں وغیرہ نظر آئیں جائز نہیں۔

(۲) مردوں کے لیے خالص ریشم کا کپڑا اور سرخ شوخ رنگ کا کپڑا نہ ہو۔

(۳) ذی روح کی تصویر والا کپڑا نہ ہو۔

(۴) ٹخنوں سے نیچے نہ ہو کہ شرعاً اس کی ممانعت ہے۔

(۵) کفار کے ساتھ مشابہت والا کپڑا نہ ہو پھر مشابہت کے درجات ہیں: مثلاً ایک شخص کوٹ پتلون ٹائی انگریزی بال، ہیٹ پہن لے۔تو خالص عیسائی معلوم ہوگا، ایسا لباس نہیں پہننا چاہئے اور اگر پتلون پہن لی مگر اوپر کرتہ پہن لیا تو اس میں مشابہت ختم ہوگئی۔ (تشبہ بالکفار سے متعلق مزید تفصیل آگے آرہی ہے)۔

(۶) نیچے پتلون اور اوپر شرٹ پہن لیا تو یہ لباس ناجائز تو نہیں، لیکن صلحاء کا لباس نہ ہونے کی وجہ سے خلافِ اولیٰ ہے اور اگر اس میں اعضائے مستورہ کی بناوٹ ظاہر ہوتی ہے تو مزید کراہت پیدا ہو جائے گی۔

(۷) جس لباس سے فخر وتکبر، شہرت ونمائش، اسراف وتنعم مترشح ہوتا ہو ایسے لباس سے بھی اجتناب کرنا چاہئے۔

(۸) مردوں کے لیے زنانہ لباس اور عورتوں کے لیے مردانہ لباس ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

فأما الألبسة فعلى ثلاثة أوجه: أحدها الحرام والثاني مكروه والثالث المستحب، أما اللباس الحرام فإنه على ثلاثة أوجه: أحدها الحرير، والثاني الديباج، والثالث الميتة ... وأما اللباس المكروه فعلى ثلاثة أوجه: أحدها جلود السباع كلها. والثاني لباس الرقاق الذي يبين منه البدن لأنه لباس أهل التكبر والخيلاء والأشر، ومن لا اهتمام له بأمر الآخرة، ... والثالث: كل لباس يكون على خلاف السنة يكون لبسه مكروهاً وهومثل أثواب الكفار وأثواب الفسق والفجور ...وإسبال الإزار. (النتف في الفتاوی، ص ۱٦۱، ۱٦۲، بیروت).

تكملة فتح الملهم میں ہے:

أن اللباس يجب أن يكون ساتراً لعورة الإنسان ، فالإسلام يلزم الرجل أن يلبس ما

يستر ما بين سرته وركبتيه، ويلزم المرأة أن تستر كل جسدها ما عدا وجهها وكفيها وقدميها... فستر العورة من أعظم مقاصد اللباس، وإن اللباس الذي يخل بهذا المقصد يهمل ما خلق لأجله، فيحرم على الإنسان استعماله، فكل لباس ينكشف معه جزء من عورة الرجل و المرأة، لا تقره الشريعة الإسلامية، مهما كان جميلاً أو موافقاً لدور الازياء، و كذلك اللباس الرقيق أو اللاصق بالجسم الذي يحكى للناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره...وما يقصد به الخيلاء والكبر أو الأشر والبطر أو الرياء، فهو حرام ... وأن اللباس الذى يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة، لا يجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلك التشبه بهم ... وأن لبس الحرير حرام للرجال دون النساء، وكذلك إسبال الإزار إلى الكعبين لايجوز للرجال ويجوز للنساء . (تكملة فتح الملهم: ٤/ ٨٨، ٨٩، كتاب اللباس والزينة).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید معاملات کے شرعی احکام: جلدِ سوم، ص۴۴-۵۰، دارالاشاعت، کراچی، وکتاب الفتاویٰ: ٦/ ٩٥، وتکملۃ فتح الملہم: ۴/ ۸۷-۸۹، وفتاوی ہندیہ: ۵/ ۳۳۳)۔

مذکورہ بالا تفاصیل سے بخوبی واضح ہو چکا کہ کونسا شرعی لباس ہے اور کونسا خلافِ شریعت ہے، تاہم نقشہ نمبر۳ اور۴، طالبات کے یونیفارم کے بارے میں ہدایت یہ ہے کہ اسے اور زیادہ لمبا کردیا جائے تاکہ گھٹنوں کے نیچے تک ہوجائے تو یہ بہتر ہوگا۔ نیز طالبات کی ٹی شرٹ کے بارے میں ہدایت یہ ہے کہ اگر وہ ایسی چست ہے کہ بدن کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے تو یہ ناجائز ہے۔

طالبات کے لباس کے بارے میں مزید ہدایت یہ ہے کہ ان کے لیے عبایا تجویز کیا جائے جو آج کل بہت عام ہے اور ساتر بدن ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی لباس کہلاتا ہے۔

(نوٹ: طوالت کی وجہ سے اور ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے نقشوں کو حذف کردیا گیا ہے ورنہ اصل استفتاء میں نقشے موجود تھے)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیاہ رنگ کے کپڑے پہننے کا حکم:

سوال: کیا کالے رنگ کے کپڑے پہننا جائز اور درست ہے؟ نیز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ کپڑے پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوسفید رنگ کے کپڑے سب سے زیادہ پسند تھے تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ رنگ کی چادراستعمال کرنا بھی ثابت ہے،لہذا سیاہ رنگ کا کپڑا پہننا جائزاوردرست ہے،البتہ اگرکسی علاقہ یاکسی مخصوص وقت میں فساق وفجارکا شعارہوتواس وقت اس سے بچناچاہئے،جیسے محرم میں روافض کاشعارہے۔

ملاحظہ ہوحدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه قال: لما ولدت أم سليمؓ قالت لي: يا أنس انظر هذا الغلام فلا يصيبن شيئاً حتى تغدوا به إلى النبي صلى الله عليه وسلم يحنكه فغدوت به فإذا هو في حائط وعليه خميصة حريثية وهو يسم الظهر الذى قدم عليه فى الفتح. (رواه البخارى، باب الخميصة السوداء،رقم:٥٨٢٤).

قال في الفتح بعد ذكر الاختلاف فى ضبط لفظ حريثية: قلت: والذى يطابق من جميع هذه الروايات الجونية فإن الأشهر فيه أنه الأسود. (فتح البارى:١٠/٢٨١،بيروت).

عن عائشةؓ قالت: صنعت لرسول الله صلى الله عليه وسلم بردة سوداء فلبسها. (رواه ابوداود،رقم: ٤٠٧٦).

وفى لفظ الحاكم: جبة من صوف سوداء فلبسها. (رقم: ٧٣٩٣).

روى مسلم والترمذى عن عائشةؓ قالت: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات غداة، وعليه مرط من شعر أسود.

وروى الإمام أحمد (١٦٤٧٣) **وأبو دواد** (١١٦٤) **والنسائي** (١٥٠٧) **عن عبد الله بن زيد المازني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استسقى وعليه خميصة له سوداء، فأراد أن يأخذ بأسفلها فيجعله أعلاها فقلبها عليه، الأيمن على الأيسر، والأيسر على الأيمن.**

زادالمعاد میں ہے:

ولبس الخميصة المعلمة والساذجة ولبس ثوباً أسود. (زاد المعاد: ١/١٣٩، مؤسسة الرسالة).

طحطاوی علی الدرمیں ہے:**ولا بأس بسائر الألوان من الأبيض والأزرق والأشقر.** (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/١٨٠). (وكذا فى الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٥٨،سعيد).

وقال في المحيط البرهاني: ذكر محمدؒ في السير في باب العمائم حديثاً يدل على أن لبس السواد مستحب . (المحيط البرهاني: ٦/ ٧٤، فصل في اللبس ، مايكره من ذلك ، ومالايكره).

وفي الفتاوى البزازية: وقص الشارب إمارة أهل السنة والجماعة وتركه إمارة الرفض وكذا لبس السواد . (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ٦/ ٣١١).

کفایت المفتی میں ہے:

اور ماتمی علامت اور نشان مقصود نہ ہو تو سیاہ رنگ مثل دوسرے کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ (کفایت المفتی :۹/ ۱۵۹، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کالا کپڑا پہننا درست ہے مگر جب کسی جماعت فساق یا کفار کا شعار ہو جیسا کہ محرم میں روافض کا شعار ہے تو اس سے بچنا چاہئے ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۲۶۶، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: سنا ہے مردوں اور عورتوں کو کالے کپڑے نہیں پہننے چاہئیں، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کملی کالی تھی، اس لیے سیاہ لباس پہننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی ہے؟

الجواب: یہ خیال صحیح نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے، سفید رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، خیالِ مذکور کی بنا پر تو ہر رنگ کا لباس ممنوع اور خلافِ ادب ہو جائے گا، لہٰذا ممنوع رنگوں کے سوا ہر رنگ کا لباس جائز ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جذبہ اتباع کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی اسے اختیار کیا جائے ،...اس زمانہ میں شعار شیعہ ہونے کی وجہ سے اس سے احتراز لازم ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۸/ ۶۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (کتاب الفتاویٰ:۶/ ۹۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ لباس سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ ترکِ تکلف کی تھی یعنی جو میسر ہوتا زیب تن فرماتے ،کوئی خاص لباس مقرر نہیں ہوتا تھا، مختلف اوقات میں مختلف رنگوں کا لباس استعمال فرمایا ہے، لیکن سفید لباس زیادہ پسندیدہ تھا، تاہم کسی مخصوص لباس کی خواہش نہ فرماتے اور نہ بالکل ادنی اور حقیر کا تکلف فرماتے بلکہ جو میسر ہوتا استعمال فرماتے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن قیم زادالمعاد میں فرماتے ہیں:

والصواب أن أفضل الطرق طريق رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم التي سنها وأمر بها ورغب فيها وداوم عليها وهي أن هديه فى اللباس أن يلبس ما تيسر من اللباس . (زاد المعاد: ١٤٣/١). (وکذا فی اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ص۱۳۶، ط: دارالاشاعت کراچی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شلوار پہننے کا ثبوت:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شلوار کا پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ نیز شلوار بہتر ہے یا ازار؟

الجواب: بعض ضعیف روایات سے شلوار پہننے کا ثبوت ملتا ہے، البتہ شلوار خریدنا اور اس کو پسند کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے، نیز شلوار کا پہننا بہتر ہے اس لیے کہ یہ استر ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: دخلت مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم السوق فقعد إلى البزازين فاشترى سراويل بأربعة دراهم...قلت: يارسول اللّٰه ! إنک لتلبس السراويل قال: نعم ، بالليل والنهار وفى السفر والحضر ، فإني أمرت بالتستر فلم أجد ثوباً بأستر من السراويل . (رواه البيهقي في شعب الايمان، رقم ٥٨٣٠، والطبراني في الاوسط ، رقم : ٦٥٩٤، وابويعلى فى مسنده ، رقم : ٦١٦٢، **وقال محشيه : إسناده ضعيف جداً**).

قال الهيثمي في المجمع (١٢٢/٥،دارالفکر): **رواه ابويعلى والطبرانى فى الأوسط وفيه يوسف بن زياد البصري وهو ضعيف .**

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دن بازار گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑا فروش کے پاس تشریف فرما ہوئے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار درہم میں ایک پاجامہ خریدا...(حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں) میں نے آپ سے پوچھا کیا آپ پاجامہ پہنتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! رات میں بھی دن میں بھی، سفر میں بھی حضر میں بھی، مجھے ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے، اور شلوار سے زیادہ ستر پوش کسی اور کپڑے کو نہیں پاتا۔

وعن علي رضي الله عنه قال: كنت قاعداً عند النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عند البقيع يعني بقيع

الغرقد في يوم مطر فمرت امرأة على حمار ومعها مكار فمرت في وهدة (أى منخفض من الأرض) من الأرض فسقطت فأعرض عنها بوجهه فقالوا : يارسول الله أنها متسرولة فقال: اللّٰهم اغفر للمتسرولات من أمتي ، رواه البزاز وفيه إبراهيم بن زكريا المعلم وهو ضعيف جداً . (مجمع الزوائد: ٥/ ١٢٢، دارالفكر).

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار پہننے والیوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔

شلوار خریدنے کی صحیح روایت ملاحظہ ہو:

عن سويد بن قيس قال: جلبت أنا ومخرفة العبدى بزاً من هجر فأتانا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ونحن بمنى ووزان يزن بالأجر فاشترى منا سراويل فقال للوزان: زن وأرجح . (رواه النسائى فى سننه، رقم: ٤٦٠٦، والحاكم فى المستدرك ، رقم: ٢٢٣٠و٧٤٠٧، **وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه**).

ازار کے بارے میں روایات ملاحظہ ہوں:

عن أنس رضی اللہ عنہ عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الإزار إلى نصف الساق أو إلى الكعبين لا خير في أسفل من ذلک. رواه أحمد والطبراني فى الأوسط ورجال أحمد رجال الصحيح . وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يرى عضلة ساقه من تحت إزاره إذا ائتزر. رواه أحمد وفيه صالح بن نبهان مولى التوأمة وقد اختلط وبقية رجاله رجال الصحيح . وعن سلمة بن الأكوع أن عثمان كان يتزرعلى نصف الساق وقال: هكذا أزرة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم . رواه البزار وفيه موسى بن عبيدة وهوضعيف. (مجمع الزوائد : ١٢٢/٥،باب فى الازار وموضعه ،دارالفكر).

شمائل کبریٰ میں ہے:

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے پاجامہ پہنا ہے اور حضراتِ صحابہ آپ کے حکم سے پاجامہ پہنتے تھے گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو مگر پہننے کے ارادے سے خریدنا تو ثابت ہے۔

البتہ یہ محقق ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پاجامہ موجود تھا،حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ وصال کے بعد ترکہ میں بھی تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے پاجامہ پہنا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، اسی پاجامہ کی وجہ سے ان کو قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنایا جائیگا۔

پاجامہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پسند کیا ہے اور سنتِ ابراہیمی کی اتباع محمود اور امت سے مطلوب ہے۔منیٰ کے میدان میں خریدنا صحاح سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ یہ پہننے ہی کے لیے تھا۔(زادالمعاد) علامہ عینیؒ نے پاجامہ پہننا مستحب قرار دیا ہے۔(شمائل کبریٰ:۱/۱۷۵)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

ازار لنگی کو کہتے ہیں، لنگی اور شلوار دونوں سنن عادیہ میں سے ہیں، چونکہ اس زمانے میں لنگی ہی کا عام دستور تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام معمول لنگی باندھنے کا تھا، مگر شلوار کو بھی آپ نے پسند فرمایا اور خریدا، جس سے پہننے کا ثبوت ملتا ہے اور بعض روایات میں پہننے کی تصریح بھی ہے اور بعض سے اس کی فضیلت ثابت ہے، علاوہ ازیں شریعت میں تستر کی بہت اہمیت ہے اور ظاہر ہے کہ تستر شلوار میں زیادہ ہے اس لیے شلوار پہننا افضل ہے۔(احسن الفتاویٰ:۹/۴۰)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

پاجامہ خریدنا اور پسند فرمانا تو ثابت ہے، ایک روایت میں پہننا بھی منقول ہے، اس کی کیفیت کا علم نہیں، زیادہ تر لنگی ہی استعمال فرماتے تھے،...(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۲۷۵، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتح الباری:۱۰/۲۷۲، وعمدۃ القاری:۱۵/۲۱، دارالحدیث ملتان، وشمائل کبریٰ:۱/۱۷۳-۱۷۶، وفتاویٰ شیخ الاسلام،ص۱۱۲، وفتاویٰ محمودیہ مع التعلیقات:۱۹/۲۷۵)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آستین کی لمبائی کی مقدار:

سوال: آستین کو گٹے سے زیادہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ آستین گٹوں تک ہو، ہاں انگلیوں کے اطراف تک کی بھی گنجائش ہے لیکن اس سے زیادہ طویل رکھنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے البتہ اگر کوئی عذر ہو تو اجازت ہوگی۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن مجاهد عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قميصاً

قصير اليدين والطول . (رواه ابن ماجه،ص٢٥٦، قديمی).

وفي إنجاح الحاجة : قصير اليدين أى قصير الكمين وكان إلى الرسغين كما جاء فى الرواية الأخرى والمراد من الطول القامة . (انجاح الحاجة على سنن ابن ماجه،ص٢٥٦).

وفى الزوائد : في إسناده مسلم بن كيسان الكوفي وهو متفق على تضعيفه ، ومدار السند عليه ، والحديث رواه البزارمن حديث أنس رضي الله عنه وله شاهد من حديث أسماء بنت السكن رواه الترمذى وقال: حديث حسن . (تعليقات محمد فؤاد عبد الباقى على سنن ابن ماجه: ٣٥٧٧/١١٨٤/٢، داراحياء الكتب العربية).

وعن أسماء بنت يزيد الأنصارية رض، قالت: كان كم قميص رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الرسغ، رواه أبوداود (٤٠٢٧) **والترمذى** (١٧٦٥، وفى الشمائل ،٥٧) **وقال: حديث حسن .**

وفي جمع الوسائل في شرح الشمائل: قال الجزرى:فيه دليل على أن السنة أن لايتجاوز كم القميص الرسغ وأما غير القميص فقالوا : السنة فيه لايتجاوز رؤوس الأصابع من جبة وغيرها، ونقل في شرح السنة : أن أبا الشيخ ابن حبان أخرج بهذا الإسناد بلفظ كان يد قميص رسول الله صلى الله عليه وسلم أسفل من الرسغ ، (وكذا رواه أبو الشيخ في أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم، (رقم:٢٣٤)، **وأخرج ابن حبان أيضاً من طريق مسلم بن يسار عن مجاهد عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قميصاً فوق الكعبين مستوى الكمين بأطراف أصابعه...ففيه أنه يجوز أن يتجاوز بكم القميص إلى رؤوس الأصابع ويجمع بين هذا وبين حديث الباب، إما بالحمل على تعدد القميص أو بحمل رواية الكتاب على التقريب والتخمين** . (جمع الوسائل:١/١١٠،اداره تاليفاتِ اشرفيه).

وفي حاشية جمع الوسائل للشيخ عبد الرؤوف المناوي رح: قال الإمام السيوطي ... وجمع بعضهم بين هذا وبين الحديث الأول بأن هذا كان يلبسه فى الحضر وذاک فى السفر وأخرج سعيد بن منصور والبيهقى عن على رضي الله عنه أنه كان يلبس القميص ثم يمد الكم حتى إذا بلغ الأصابع قطع مافضل ويقول: لا فضل للكمين على الأصابع وأخرج البيهقي عن

علي رضی اللہ عنہ أنه ابتاع قميصاً فجاء به الخياط فمدكم القميص وأمره أن يقطع ماخلف أصابعه .

تنبيه : قال جدنا الأعلى من قبل الأم الحافظ زين الدين العراقي فلو أطال أكمام قميصه حتى خرجت عن المعتاد كما يفعله بعض المتكبرين فلا شك في حرمة ما مس الأرض منها بقصد الخيلاء قال: ولو قيل بتحريم مازاد على المعتاد لم يبعد استدلالاً بهذا الحديث لكن قد حدث للناس اصطلاح بتطويلها فإن كان على طريق التجدد من غير قصد للخيلاء بوجه من الوجوه فالظاهر عدم التحريم مالم يصل إلى حد الذيل المحرم . (حاشية جمع الوسائل :۱/۱۰۹،اداره تاليفات اشرفيه).

قال الشيخ المناویؒ : وحكمة الاقتصار على أنه متى جاوز اليد شق على لابسه ومنعه سرعة الحركة والبطش ومتى قصر عن الرسغ تأذى الساعد ببروزه للحر والبرد فكان جعله إلى الرسغ وسطاً وخير الأمور أوساطها فينبغي لنا التأسی به وتحری ذلک في أكمامنا وثيابنا . (حاشية جمع الوسائل:۱/۱۰۹).

وللمزيد راجع : (دليل الفالحين :۴/۳۷۵،رقم : ۲۸،وفتاویٰ محموديه:۱۹/۲۶۹،جامعه فاروقيه).

وفى النتف فی الفتاوی: وأما اللباس المكروه فعلى ثلاثه أوجه:...الثالث،كل لباس يكون على خلاف السنة يكون لبسه مكروهاً وهو مثل أثواب الكفار وأثواب الفسق والفجور وأهل الأشر والبطر مثل...تطويل الكم وتوسيعه...(النتف فی الفتاوی ،ص۱۶۲،ط: بيروت).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے شرح شمائل کی عبارت ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کرتہ کی آستین گٹے تک ہونی چاہئے اور چونکہ غایت اکثر مغیہ سے خارج ہوتی ہے اس لیے گٹے کا کھلا رہنا بہتر ہے اور ہاتھ کی انگلیوں سے آستین کا بڑھا ہونا خلافِ سنت ہے، واللہ اعلم۔

(امداد الاحکام:۴/۳۲۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مردوں کے لیے ریشمی لباس کا حکم:

سوال: مردوں کے لیے ملاوٹ والا ریشمی لباس پہننا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ آج کل تانا بانا کا پتا

نہیں چلتا۔ بینوا ترجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ کا اصل حکم یہ ہے کہ مردوں کے لیے ریشمی لباس پہننا ناجائز ہے البتہ جس میں ملاوٹ ہو یعنی تانا ریشم سے بنا ہے اور بانا غیر ریشم کا ہے تو جائز ہے، لیکن چونکہ آج کل تانے بانے کا پتا لگانا بہت مشکل ہے، اس لیے غالب کا اعتبار ہوگا اگر غالب ریشم ہو تو ناجائز ورنہ جائز ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن لبس الحرير إلا هكذا ورفع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أصبعيه الوسطى والسبابة وضمهما . (متفق عليه) **وفي رواية لمسلم أنه خطب بالجابية فقال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن لبس الحرير إلا موضع أصبعين أو ثلث أو أربع .** (مشكاة المصابيح :۲/۳۷٤، قديمى).

روى الإمام البخارى رحمہ اللہ في كتابه المفرد فى القراء ة خلف الإمام، حدثنا مسدد ثنا أبوعوانة عن قتادة عن زرارة قال: رأيت عمران بن الحصين يلبس الخز. (نصب الراية :٤/۲۲۷).

ہدایہ میں ہے:

قال : ولا بأس بلبس ما سداه حرير ولحمته غير حرير كالقطن ، والخز فى الحرب وغيره لأن الصحابة ، كانوا يلبسون الخز والخز مسدى بالحرير ولأن الثوب إنما يصير ثوباً بالنسج والنسج باللحمة فكانت هى المعتبرة دون السدى . (الهداية :٤/٤٥٦، ملتان).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

أما ما كان سداه حريراً ولحمته غير حرير فلا بأس بلبسه بلا خلاف بين العلماء وهو الصحيح وعليه عامة المشايخ ، ذكر شيخ الإسلام في شرح السير الثوب إذا كانت لحمته من قطن و كان سداه من إبريسم فإن كان الإبريسم يرى كره للرجال لبسه وإن كان لايرى لايكره لهم لبسه هذا هوالكلام في غير حالة الحرب . (الفتاوى الهندية:٥/۳۳۱).

مزید ملاحظہ کیجئے: (بدائع الصنائع:۵/۱۳۱،سعید، والمحیط البرہانی:۶/۷۷)۔

کفایت المفتی میں ہے:

سلک جوسن یا نباتاتی اجزا سے بنا ہو اس کا پہننا بلاشبہ جائز ہے البتہ جو سلک کیڑے کا بنا ہوا ہو وہ ریشم ہے

اور مردوں کے لیے بشرائط معتبرہ فی الحریر جائز یا ناجائز ہوگا، یعنی خالص یا جس کا بانا ریشم ہونا جائز اور جس کا تانا ریشم ہو وہ جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۱۶۰، ط: دارالاشاعت، وامداد الفتاویٰ: ۴/ ۱۲۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصنوعی ریشم کے کپڑے پہننے کا حکم:

سوال: ریشمی کپڑے پہننے کا کیا حکم ہے کیونکہ آج کل ریشم نقلی ہوتا ہے؟

الجواب: مصنوعی ریشم کے کپڑے پہننا جائز ہے ہاں اصلی ریشم پہننا مردوں کے لیے ناجائز ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔

قال الإمام النووی رحمہ اللہ: أما المختلط من حریر وغیرہ فلا یحرم إلا أن یکون الحریر أکثر وزناً، واللہ أعلم. (الشرح الکامل: ۲/ ۱۸۹، کتاب اللباس والزینة، ط: قدیمی).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے، اس کا استعمال جائز ہے، اگرچہ عرف میں اس کو ریشم کہتے ہیں، ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا تحقیق سے ثابت ہوجائے تو اس کا استعمال مردوں کے لیے جائز نہ ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۶۶)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ریشم اصلی تو وہی ہے جو کیڑے سے بنتا ہے، لیکن نقلی ریشم بھی ولایت سے آتا ہے جو کسی اور چیز سے بنتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۳۲۷، جامعہ فاروقیہ)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

مصنوعی ریشم کے جو کپڑے تیار ہوتے ہیں، یہ ریشم نہیں اس لیے اس کا پہننا اور استعمال کرنا جائز ہے، البتہ اگر اصل ریشم کا کپڑا ہو تو اس کو پہننا درست نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۳۶۷، اضافہ شدہ)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل سلک کے مختلف ایسے کپڑے ایجاد ہوگئے ہیں جن میں خاصی چمک پائی جاتی ہے، لیکن غالباً ریشم کے بجائے کوئی اور چیز ان کپڑوں میں استعمال کی جاتی ہے، اگر یہ صحیح ہے اور کسی دوسری طرح اس میں چمک پیدا کی جاتی ہو تو پہننے میں حرج نہیں۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۴۶)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مصنوعی اور بناوٹی ریشم جائز ہے، نیز جس کپڑے کا تانا ریشم کا ہو وہ بھی جائز ہے، البتہ جس کپڑے کا بانا ریشم کا ہو وہ مردوں کے لیے ناجائز ہے، اسی طرح جس کپڑے پر چار انگل سے زائد ریشم کا نقش ونگار ہو وہ بھی جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خالص سرخ اور گلابی رنگ کے کپڑے کا حکم:

سوال: کیا مردوں کے لیے خالص سرخ اور گلابی رنگ کے کپڑے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسم اور زعفرانی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے ان کے علاوہ تمام الوان کے کپڑے پہننا جائز اور درست ہے۔ البتہ علامہ رافعیؒ نے بحوالہ علامہ حمویؒ سبز رنگ کے کپڑے پہننے کو بھی مکروہ لکھا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سبز رنگ عورتوں کے کپڑوں کے مشابہ ہو تو ممنوع ہے ورنہ ممنوع نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال: رأى رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم علي ثوبين معصفرين فقال: إن هذه من ثياب الكفار فلا تلبسها. وعنه قال: رأى رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه و سلم علي ثوبين معصفرين فقال: أأمک أمرتک بهذا؟ قلت: أغسلهما قال: بل أحرقهما. (رواهما مسلم:۲/۱۹۳، رقم:۲۰۷۷و۲۰۷۸، باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر، ط:قديمی).

وفی الدرالمختار: وكره لبس المعصفر والمزعفر الأحمر والأصفر للرجال، مفاده: أنه لايكره للنساء، ولا بأس بسائر الألوان وفی المجتبى والقهستانی وشرح النقاية لأبی المكارم: لابأس بلبس الثوب الأحمر، ومفاده: أن الكراهة تنزيهية لكن صرح فی التحفة بالحرمة فأفاد أنها تحريمية وهی الحمل عند الإطلاق، قاله المصنف.

وفي رد المحتار: قوله فأفاد أنها تحريمية، هذا مسلم لو لم يعارضه تصريح غيره بخلافه ففي جامع الفتاویٰ قال أبوحنيفةؒ والشافعيؒ ومالكؒ: يجوز لبس المعصفر وقال جماعة من العلماء: مكروه بكراهة التنزيه وفي منتخب الفتاوی: قال صاحب الروضة يجوز للرجال والنساء لبس الثوب الأحمر والأخضر بلا كراهة، وفی الحاوی الزاهدی: يكره للرجال لبس المعصفر والمزعفر والمورس والمحمر أی الأحمر حريراً كان أوغيره

إذا كـان فـي صبغـه دم وإلا فـلا ، ونـقله عن عدة كتب ، وفي مجمع الفتاوى: لبس الأحمر مـكـروه وعند البعض لايكره ، وقيل: يكره إذا صبغ بالأحمر القاني لأنه خلط بالنجس وفي الـواقعـات مثلـه ولو صبغ بالشجر البقم لايكره ولو صبغ بقشر الجوز عسلياً لايكره لبسه إجـمـاعـاً ، فهـذه الـنقول مع ما ذكره عن المجتبى والقهستاني وشرح أبي المكارم تعارض الـقـول بـكراهة التحريم إن لم يدع التوفيق بحمل التحريم على المصبوغ بالنجس أو نحو ذلك .

قـوله وللشرنبلالي فيه رسالة سماها تحفة الأكمل والهمام المصدر لبيان جواز لبس الأحـمـر وقـد ذكـر فيهـا كثيـراً مـن النقول منها ما قدمناه وقال: لم نجد نصاً قطعياً لإثبات الـحـرمة و وجدنا النهي عن لبسه لعلة قامت بالفاعل من تشبه بالنساء أو بالأعاجم أو التكبر وبانتفاء العلة تزول الكراهة بإخلاص النية لإظهار نعمة الله تعالىٰ وعروض الكراهة للصبغ بـالنجس تزول بغسله ، ووجدنا نص الإمام الأعظم على الجواز ودليلاً قطعياً على الإباحة ، وهـو إطلاق الأمر بأخذ الزينة و وجدنا في الصحيحين موجبه ، وبه تنتفي الحرمة والكراهة بل يثبت الاستحباب اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم ، ومن أراد الزيادة على ذلك فعليه بهـا، أقـول: ولـكـن جـل الـكـتـب عـلـى الـكراهة كالسراج والمحيط والاختيار والمنتقى والذخيرة وغيرها وبه أفتى العلامة قاسم . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٣٥٨/٦،سعيد).

وللمزيد راجع : (التحرير المختار: ٣٠٦/٦،سعيد).

کفایت المفتی میں ہے:

سرخ رنگ کا کپڑا (جب کہ وہ زعفرانی اور کسم کا رنگ نہ ہو) پہننا مباح ہے : وعـن أبـي حـنيفةؒ: لا بـأس بـالـصبـغ الأحمر والأسود كذا في الملتقط (فتاوی عالمگیری) وكـره لبـس المعصفر والـمزعفر للرجل ... یعنی کسم اور زعفران کا رنگا ہوا کپڑا مردوں کے لیے مکروہ ہے باقی تمام رنگ مباح ہیں، قـال صـاحـب الـروضة يـجـوز لـلـرجـال والـنساء لبس الثوب الأحمر والأخضر بلاكراهة (ردالمحتار) یعنی مردوں اور عورتوں کو سرخ اور سبز رنگ کے کپڑے پہننا بلا کراہت جائز ہے اور شمائل ترمذی میں ہے: عـن أبـي جحيفة قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وعليه حلة حمراء ، الخ . (شمائل

ترمذی) یعنی ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ سرخ حلہ زیب بدن فرمائے ہوئے تھے۔(کفایت المفتی:۹/۱۶۳، دارالاشاعت)۔

قطب الاقطاب حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

سرخ معصفر بالاتفاق حرام ہے اور سوا معصفر کے علماء کا اختلاف ہے دونوں جانب محققین ہیں، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت ابی بکرؓ دونوں جواز کے قائل ہیں، صاحب درمختار کی رائے بھی جواز کی طرف ہے اور مولانا مولوی شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے بھی اپنے رسالہ میں جائز لکھا ہے، لہذا التقویٰ ترک میں ہے، اگر کوئی اس کا استعمال کرے تو جائز ہے اور دونوں قول قوی ہیں۔(فتاویٰ رشیدیہ ص۶۲۳، ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

ہر سرخ رنگ حرام نہیں ہے بلکہ معصفر حرام ہے۔(مجموعۃ الفتاویٰ: جلدِ دوم، ص۳۸۳، کتاب اللبس والزینۃ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر: ۱۹۲/۴، ط: بیروت، والاختیار لتعلیل المختار: ۱۹۰/۴، وتحفة الملوک، ص۲۷۷، وحاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۸۰/۴، وآداب الشرعية: ۲۲۰/۴، وغذاء الالباب فی شرح منظومة الآداب: ۱۳۵/۲، وامداد الاحکام: ۳۶۱/۴، واحسن الفتاویٰ: ۶۲/۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ عصفر اور زعفرانی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے پہننا ناجائز ہے اس کے علاوہ سرخ رنگ کے کپڑے جو عورتوں کے کپڑوں کے مشابہ نہ ہوں جائز اور درست ہیں۔ہاں احتیاط ترک میں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گریبان میں بٹن کھولنے کا حکم:

سوال: گریبان میں بٹن کھولنا بہتر ہے یا بند کرنا، اگر بند کرنا بہتر ہو تو حضرت معاویہ بن قرہؒ کیوں بٹن کھلے رکھتے تھے، جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے تھے؟

الجواب: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ بیشتر اوقات اپنے گریبان میں بٹن لگانے کی تھی، ہاں گاہے گاہے کھلا رکھنا بھی ثابت ہے، اسی حالت میں حضرت معاویہ بن قرہؒ کے والد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے سمجھا کہ یہی عادتِ مستمرہ ہے اس لیے عشق نبی وحبِ نبی میں بٹن کھلا رکھنا شروع کیا۔روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن معاوية بن قرةؒ قال: حدثني أبي قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في

رهـط مـن مـزيـنة فبـايـعناه وإن قميصه لمطلق الأزرارقال: فبايعته ثم أدخلت يدي في جيب قـميـصه فمسست الخاتم، قال عروة : فما رأيت معاويةؓ ولا ابنه قط إلا مطلقي أزرارهما في شتاء ولا حر ولا يزرران أزرارهما أبداً . (رواہ ابوداود، رقم:٤٠٨٤).

وأخـرجـه أيضاً البيهقي في شعب الإيمان، (رقم : ٥٨٢٧)، وأبـو الشيخ في أخلاق النبي صـلى الله عليه وسلم ، (رقم: ٢٤٠)، والتـرمذي فى الشمائل ، (رقم :٥٨)، وابـن ماجه فى سننه (رقم: ٣٥٧٨).

بذل المجهود میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

فيـه تـمثيـل الـصـحـابة والتـابـعيـن، فـمـن بـعـدهم من السلف الصالح باتباع السنة والمداومة عليها مهما استطاعوا ، جعلنا الله تعالىٰ من أهل الاتباع وجنبنا الابتداع .

وكتـب مـولانـا محمد يحيى المرحوم من تقريرشيخه : قوله : فمارأيت معاوية ، إلى آخـره ، وهـذا وإن كـان اختياراً لما هو خلاف الأولى خصوصاً فى الصلوات ، لكنهما أحبا أن يـكـونـا على ما رأيا النبي صلى الله عليه وسلم، وإن كان إطلاقه أزراره إذ ذاك لعارض، ولـم يـكـن هـذا مـن عامة أحواله صلى الله عليه وسلم، وذلك لما فيه من قلة المبالاة بأمر الـصـلاة ، إلا أن الكراهة لعلها لا تبقى في حق معاويةؓ و ابنه لكون الباعث لهما حب النبي صلى الله عليه وسلم واتباعه فيما رأياه من الكيفية . (بذل المجهود فی حل سنن ابی داود : ١٢/ ١٠٩، دارالبشائر الاسلامية).

شرح رياض الصالحين میں ہے:

فظن معاويةؓ أن هذا من السنة ، و هو ليس من السنن المطلقة ، لكن من السنة إذا كان فيه تخفيف على البدن ، لأن كل ما يخفف عن البدن فهو خير ...لأنه لو كان من السنة لكان وضـع الأزرار عبثـاً لا فـائـدة منه ؛ والدين الإسلامي ليس فيه شيء عبث ، فكله جد . (شرح رياض الصالحين للشيخ العثيمين :١٠٩١/٢).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: کرتہ کی گھنڈی یا بٹن کھلا رکھنا جس سے سینہ بھی کھلا رہے سنت ہے یا نہیں؟

الجواب: درست ہے احیاناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے رکھے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۶۲۶)۔
شمائل کبریٰ میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کرتا بنوایا تھا جو تکمہ دار گھنڈی والا تھا۔ (جمع، ص ۱۱۱) فائدہ: یعنی کرتے کے گریبان میں گھنڈی (بٹن) لگوائی تھی۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گھنڈی لگاؤ خواہ کانٹے سے ہی سہی۔ (احمد، کنز العمال: ۱۹/ ۲۱۹) فائدہ: یعنی سینہ کو بٹن لگا کر مستور رکھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا گریبان دونوں حال میں ہوتا، کبھی لگا ہوا کبھی کھلا ہوا۔

زید بن اسلمؒ نے ذکر کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تکمہ کھلا ہوا دیکھا، میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح (کھلا بٹن) نماز پڑھتے دیکھا ہے (بزار)۔

معاویہ بن قرہؒ نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ قبیلہ مزینہ کے لوگوں کے ساتھ میں نے بیعت کی تو آپ کے کرتے کے بٹن کو کھلا ہوا دیکھا، محدث بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ اس کے راوی عروہؒ نے کہا کہ میں نے معاویہؒ کو ہمیشہ گھنڈی نہ لگی قمیص میں پایا، خواہ گرمی ہو یا جاڑا۔ (آدابِ بیہقی، ص ۳۵۲)۔

یہ محبت اور کمالِ اتباع کی بات تھی کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اسی حال میں اپنے آپ کو رکھنا پسند کیا اور جاڑے کی تکلیف کی از راہِ محبت پرواہ نہ کی۔ (شمائلِ کبریٰ: ۱/ ۱۵۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خوبصورت مزین برقعے کا حکم:

سوال: آج کل بعض عورتیں خوبصورت ڈزائن والے برقعے اور عبایا پہنتی ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: معاشرے کو پاکیزہ رکھنے، فتنہ وفساد کے سدِ باب اور عورتوں کی عزت، آبرو اور ناموس کی حفاظت کی خاطر شریعتِ مطہرہ نے خواتین کو باپردہ گھر سے باہر نکلنے کی تعلیم دی ہے، پردہ ہی کی وجہ سے عورتوں کی شرم وحیا تابندہ رہتی ہے اور فساق وفجار کی مسموم نگاہوں سے خلاصی نصیب ہوتی ہے، اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ پردہ اور برقعہ میں درجِ ذیل باتیں موجود ہوں:

(۱) پورے جسم کو ساتر اور چھپانے والا ہو، بوقتِ خروج چہرہ اور ہاتھوں کو بھی چھپائے۔

(۲) اتنا موٹا اور ڈھیلا ہو کہ جسم کے اعضائے مستورہ یا اس کی ساخت نمایاں نہ ہو۔

(۳) ایسے خوبصورت نقش ونگار والا اور پرکشش نہ ہو جو مردوں کو اپنی طرف مائل کردے۔ کیونکہ برقعہ سے مردوں کی توجہ ہٹانا مقصود ہے اور یہ تو توجہات کا مرکز بن گیا۔

جو عورتیں مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں ان کے متعلق حدیث شریف میں وعید آئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا و كذا . (رواه مسلم ،رقم : ٢١٢٨،باب النساء الكاسيات عاريات).

مذکورہ بالا حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت میں دو گروہ جہنمی ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک ان عورتوں کو قرار دیا جو لباس پہنی ہوئی بھی ہوں اور بے لباس بھی ہوں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کاسیات وعاریات کی ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ قسم کے خوبصورت لباس میں ملبوس ہوکر بازاروں میں گشت کریں۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے ابوداود کی شرح میں لکھا ہے:

ومنها: مشيهن في الأسواق في ثياب فاخرة ، وأنواع طيب فاتحة، مكشوفات الوجوه ، مائلات : متبخترات . (شرح ابی داود:٣/٥٤،ط: الرياض).

روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے بھی مزین ومنقش برقعہ کو ممنوع قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو:۱۸/۱۴۶).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

امام جصاصؒ نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز تک کو قرآن نے اظہارِ زینت میں داخل قرار دے کر ممنوع کیا ہے تو مزین رنگوں کے کامدار برقعے پہن کر نکلنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ (معارف القرآن:۶/۴۰۶)۔

مولانا عاشق الٰہیؒ اپنی کتاب ’’شرعی پردہ‘‘ میں رقمطراز ہیں:

آج کل بہت سی عورتیں طرح طرح سے غیر مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی بہت ساری تدبیریں کرتی ہیں، مثلاً برقعہ پہن کر باہر نکلیں اور ہاتھوں کو باہر نکال دیا، یا برقعہ کا نقاب اتنا چھوٹا رکھا کہ دونوں طرف کے

رخسار صاف نظر آسکیں یا ایسا باریک نقاب برقع میں لگایا جو خدوخال اور حسن و جمال کو اور بھی نمایاں کردے، اور خود برقع ہی بجائے پردہ کے کشش کا سامان بن گیا، برقع پر پھولوں کا بنانا، چمکدار یا باریک کپڑے کا برقعہ ہونا بد نفس لوگوں کو برقعہ والی کی طرف متوجہ کردیتا ہے، برقعے کیا ہوئے پردہ کے بجائے نظروں کو کھینچنے کا سامان بن گئے اور وہی مثل ہوگئی کہ جو نہ دیکھے وہ بھی دیکھے، العیاذ باللہ۔ (فصل الخطاب فی مسئلۃ الحجاب، ص۱۰۹، ط: ادارۃ المعارف)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ساڑھی پہننے کا حکم:

سوال: کیا ساؤتھ افریقہ میں مسلم خواتین کے لیے ساڑھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟ جو کہ ہندو قوم کا لباس ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: ساڑھی کے بارے میں علمائے کرام اور اکابرؒ کی آراء مختلف ہیں، ماحصل یہ ہے کہ جس معاشرے میں یہ لباس عام ہو وہاں اس کی گنجائش ہے جب کہ پورے جسم کو اچھی طرح چھپائے، اور جس معاشرے میں عام نہ ہو فقط ہندوؤں کا لباس سمجھا جاتا ہو وہاں نہیں پہننا چاہئے، اور ساؤتھ افریقہ میں یہ لباس عام نہیں بلکہ ہندوؤں کے ساتھ خاص ہے اس وجہ سے ایسے لباس سے بچنا چاہئے جب کہ اس میں اچھی طرح تستر بھی نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا . (رواه مسلم، رقم: ۲۱۲۸، باب النساء الكاسيات عاريات).

ابن عبدالبر التمہید میں فرماتے ہیں:

وأما معنى قوله"كاسيات عاريات"فإنه أراد اللواتي يلبسن من الثياب الشيء الخفيف الذى يصف ولايستر فهن كاسيات بالاسم عاريات فى الحقيقة . (التمهيد: ۲۰٤/۱۳).

قال الإمام النوويؒ: وقيل معناه: تستر بعض بدنها وتكشف بعضه إظهاراً للزينة لجمالها ونحوه . (شرح صحيح مسلم:).

قال الإمام البغویؒ في شرح السنة: وقيل: هن اللائى يسدلن الخمر من ورائهن ،

فتنکشف صدورهن ، فهن كاسيات بمنزلة العاريات إذا كان لايستر لباسهن جميع أجسامهن . (شرح السنة : ۲۷۲/۱۰).

ملاعلی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

وقيل: يسترن بعض بدنهن ويكشفن بعضه إظهاراً لجمالهن وإبرازاً لكمالهن وقيل: يلبسن ثوباً رقيقاً يصف بدنهن وإن كن كاسيات للثياب عاريات فى الحقيقة ...قال الطيبیؒ: أثبت لهن الكسوة ثم نفاها لأن الحقيقة الاكتساء ستر العورة فإذا لم يتحقق الستر فكأنه لا اكتساء . (مرقاة المفاتيح : ۹۵/۱۱).

ابن الجوزیؒ کشف المشکل میں فرماتے ہیں:

والثاني : أنهن يكشفن بعض أجسامهن فهن عاريات أى بعضهن منكشف . (كشف المشكل من حديث الصحيحين: ۱۰۳۱/۱،ط: الرياض).

مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ حدیثِ مذکور کے تحت فرماتے ہیں:

بدن پر کپڑا ہونے اور اس کے باوجود ننگا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بدن پر صرف تھوڑا سا کپڑا ہو اور بدن کا بیشتر حصہ اور خصوصاً وہ اعضاء کھلے رہیں جن کو باحیا عورتیں غیر مردوں سے چھپاتی ہیں، جیسا کہ یورپ (اور ایشیا کے بعض شہروں مثلاً بمبئی، کلکتہ، رنگون، سنگاپور وغیرہ) میں ایسا لباس پہننے کا رواج ہے کہ گھٹنوں تک قمیص یا فراک ہوتا ہے آستین یا تو ہوتی نہیں یا اس قدر کوتاہ ہوتی ہے کہ مونڈھے سے صرف دو چار انچ ہی بڑھی ہوئی ہوتی ہے،...اور گلا آگے اور پیچھے سے اس قدر فراخ اور چوڑا ہوتا ہے کہ نصف کمر اور نصف سینہ نظر آتا ہے۔ (فصل الخطاب فی مسئلۃ الحجاب، ص۱۰۷، ط: ادارۃ المعاف)۔

شراحِ حدیث کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کاسیات اور عاریات کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ بعض جسم کھلا ہوگا اور جسم کا بعض حصہ مستور ہوگا جس کی وجہ سے سترِ عورت مکمل حاصل نہیں ہوگا۔ اور یہ معنی ساڑھی میں موجود ہے کہ جسم کا اکثر حصہ مستور ہوتا ہے اور بعض حصہ (مثلاً سینہ، پیٹ، پیٹھ اور کلائیاں) کھلا ہوا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

اگر ساڑھی اس طرح سے پہنی جائے کہ اس سے پورا جسم چھپ جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن آج کل ہزار میں سے بمشکل ایک عورت ہی اس طرح پورا جسم ڈھانپ کر ساڑھی پہنتی ہے، چونکہ ساڑھی پہن کر شرعی پردہ

نہیں ہوسکتا، اس لیے صرف ساڑھی پہن کر عورت کے لیے باہر نکلنا جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۶۶ طبع جدید۔ وکفایت المفتی: ۹/۱۶۰، دارالاشاعت)۔

مولانا خالد سیف اللہ فرماتے ہیں:

ساڑھی چونکہ اب غیر مسلموں کا مخصوص لباس باقی نہ رہا، بلکہ ہندوستان کے مشرقی اور جنوبی علاقوں میں عام طور پر مسلم خواتین بھی ساڑھی پہنتی ہیں، لہذا مسلم خواتین ساڑھی پہن سکتی ہیں، لیکن ایسا بلاؤز استعمال کرنا کہ پیٹھ اور پیٹ کا حصہ کھلا رہے، بہت ہی گناہ کی بات ہے غیرت وحیاء کے بھی خلاف ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶/۹۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ تشبہ نہ ہو اور جسم بھی مکمل مستور رہے تو گنجائش ہوگی ورنہ نہیں۔ لیکن حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسی عورت ہزار میں بمشکل ایک ہوگی۔ پھر عام طور پر ہمارے عرف میں یہ ہندؤں کا لباس سمجھا جاتا ہے۔ لہذا مسلمان خواتین کو ایسے لباس سے بچنا چاہئے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عورتوں کے سامنے چست لباس پہننے کا حکم:

سوال: مسلمان عورت کا دوسری مسلمان عورت کے سامنے تنگ وچست لباس پہننا جس میں بدن کی ساخت ظاہر ہوتی ہو، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مسلمان عورت کے لیے ایسا چست لباس زیب تن کرنا جس میں اعضاء کی ساخت ظاہر ہو، جائز اور درست نہیں ہے۔

لباس کا مقصد یہ ہے کہ اعضاء مستورہ کی ساخت اور بناوٹ کو چھپادے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لباساً یواری سوآتکم﴾ (سورۂ اعراف: ۲۶)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

ان اعضائے انسانی کو سوءۃ کہا جاتا ہے جن کے کھلنے کو انسان فطرۃً برا اور قابل شرم سمجھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہاری صلاح وفلاح کے لیے ایک ایسا لباس اتارا ہے، جس سے تم اپنے قابل شرم اعضاء کو چھپا سکو۔ (معارف القرآن: ۳/۵۳۳)۔

لہذا جو لباس جسم کے قابل شرم اور مستور اعضاء کو نہ چھپائے یا چست ہونے کی وجہ سے ان کی ساخت نظر

آئے وہ لباس ناجائز ہوگا۔

حدیث شریف میں ایسی عورتوں پر وعید وارد ہوئی ہے۔حدیث شریف اوراس کی ضروری تشریح ماقبل میں مذکور ہوئی، وہاں مراجعت کرلی جائے۔

نیز مسلمان خاتون کے لیے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی عورت کے سامنے ایسا لباس زیب تن کرے جوجسم کی بناوٹ کوظاہر کردے۔چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

لا يحل للمسلمة أن تنكشف بين يدى يهودية أو نصرانية أو مشركة إلا أن تكون أمة لها كما فى السراج ، ونصاب الاحتساب ، ولاتنبغى للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال ، فلا تضع جلبابها و لا خمارها كما فى السراج . (فتاوى الشامى: ٦/ ٣٧١،سعيد).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

عورتوں کوایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس میں سے اندر کا بدن نظر آتا ہو، حدیث شریف میں ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہیں گی۔(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۳۶۸)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیر مسلم خادمہ کے سامنے سر کھولنے کا حکم:

سوال: کیا مسلمان عورت غیر مسلم خادمہ کے سامنے کھلے سر اور بازو چل پھر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ مسلمان دیندار خاتون کے لیے درست نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم فاسقہ فاجرہ کے سامنے اپنا سر یا اپنے بازو وغیرہ کھلے رکھ کر پھرے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ولا تنبغى للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال، فلا تضع جلبابها ولاخمارها كما فى السراج . (فتاوى الشامى:٦/ ٣٧١،سعيد، وكذا فى الفتاوى الهندية: ٣٢٧/٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بطورِ فیشن سر کو اونچا کرنے کا حکم:

سوال: آج کل ایک فیشن رائج ہے کہ عورتیں اپنے بالوں کے نیچے گلدستہ کی شکل کی ایک چیز رکھتی ہیں، جس سے سر بہت اونچا معلوم ہوتا ہے، فی زماننا یہ فیشن مسلمان عورتوں میں بکثرت رائج ہے، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسلمان خواتین کو اس قسم کے فیشن سے اجتناب کرنا چاہئے ،ایک حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

...رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا . (رواه مسلم ، رقم : ۲۱۲۸،باب النساء الكاسيات عاريات).

قال الإمام النوویؒ: **روؤ سهن كاسنمة البخت، فمعناه: يعظمن روؤسهن بالخمر والعمائم وغيرها مما يلف على الرأس، حتى تشبه أسنمة الإبل البخت ، هذا هو المشهور في تفسيره ...واختار القاضي أن المائلات تمشطن المشطة الميلاء ، قال: وهى ضفر الغدائر وشدها إلى فوق وجمعها في وسط الرأس فتصير كأسنمة البخت .** (شرح النووی علی صحيح مسلم : ۲/۳۸۳، باب جهنم اعاذنا الله منها،ط: قديمی).

حدیث شریف اور اس کی شرح کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمان خواتین کو ایسے فیشن سے بچنا چاہئے ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لیے مختصر قمیص پہننے کا حکم:

سوال: ہمارے عرف میں عام طور پر یہ رواج ہے کہ عورتیں بوقتِ نوم بہت مختصر لباس پہنتی ہیں، اور دن میں بھی استعمال کرتی ہیں، تو کیا مسلمان عورت کے لیے گھر میں اس قسم کا لباس استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: گھر میں عورت کے لباس سے متعلق چند ضروری اصول حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) گھر میں شوہر کے سامنے بیوی کے لیے اپنے جسم کے کسی حصہ کا چھپانا واجب نہیں ہے، شوہر کے سامنے رات اور دن میں جو لباس پہننا چاہے پہن سکتی ہے۔ لیکن پھر بھی بے حیائی والا لباس پہننا مناسب نہیں۔

(۲) عورت کا اپنے محارم کے سامنے مواضع زینت: چہرہ، ہاتھ وغیرہ کا کھلا رکھنا درست ہے۔ نیز جسم کا

اتنا حصہ کھول سکتی ہے جتنا گھر کے کام کاج اور نقل وحرکت کرتے وقت کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

(۳) اپنے رشتہ دار غیر محرم کے سامنے جو ایک گھر میں رہتے ہیں اور بار بار آنے جانے کی وجہ سے ہر وقت چہرہ کا پردہ مشکل ہو تو چہرہ کھلا رکھنا درست ہے۔ باقی پورا جسم مستور ہونا چاہئے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن ام ہانی کا فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا اور بات چیت کرنا ثابت ہے اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ام ہانی نے چہرہ کا پردہ کیا تھا۔ ہاں فتنہ کا خوف ہو تو چہرہ کا پردہ بھی ضروری ہے نیز غیر محرم اقارب کے ساتھ خلوت اور اختلاط ممنوع ہے۔

(۴) اجنبیوں کے سامنے پورے جسم کو چھپانا لازم اور ضروری ہے، حتی کہ بلاضرورت چہرہ کھلا رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

امام ابوبکر الجصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

قوله تعالیٰ: ﴿ولا يبدين زينتهن إلا لبعولتهن﴾ الآية، قال أبوبكر: ظاهره يقتضي إباحة ابداء الزينة للزوج ولمن ذكر معه من الآباء وغيرهم ومعلوم أن المراد موضع الزينة وهو الوجه واليد والذراع لأن فيها السوار والقلب والعضد وهو موضع الدملج والنحر والصدر موضع القلادة والساق موضع الخلخال فاقتضى ذلك إباحة النظر للمذكورين فی الآية إلى هذه المواضع وهي مواضع الزينة الباطنة لأنه خص في أول الآية إباحة الزينة الظاهرة للأجنبيين وأباح للزوج وذوی المحارم النظر إلى الزينة الباطنة. (احكام القرآن: ۳/۳۱٦، ط: سهيل).

درمختار میں ہے:

(وينظر الرجل)...(ومن عرسه وأمته) ...(إلى فرجها) بشهوة وغيرها والأولى تركه لأنه يورث النسيان (ومن محرمه) هی من لايحل له نكاحها أبداً بنسب أوسبب ولو بزنا (الی الرأس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته) وشهوتها أيضاً ...وإلا لا، لا إلی الظهر والبطن ...وينظر من الأجنبية ولو كافرة إلی وجهها وكفيها فقط للضرورة. وفي رد المحتار: قوله ومن عرسه وأمته، فينظر الرجل منهما وبالعكس إلى جميع البدن من الفرق إلى القدم ولو عن شهوة لأن النظر دون الوطء الحلال. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٣٦٦، سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ہاتھ کا کہنی تک یا اوپر تک اپنے محرم باپ، بھائی وغیرہ کے سامنے کھل جائے تو اس پر پکڑ نہیں لیکن نامحرم سے پردہ مکمل لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۲/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

اگر ماں باپ کے گھر رہتی ہیں اور وہاں کوئی نامحرم نہیں ہے، تو آدھی آستین کا کرتا پہننا صحیح ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۷۱/۸)۔

نیز عورتوں کو مختلف موسم کے لحاظ سے مختلف قسم کا لباس استعمال کرنے کی اجازت ہے، شریعتِ مطہرہ نے کسی خاص لباس اور وضع کی پابندی عائد نہیں کی ہے۔ ہاں شریعت نے عام حالات میں خواتین کے لباس کی کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز کرنا درست نہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) لباس اتنا چست اور باریک نہ ہو کہ جسم کی بناوٹ اور ساخت ظاہر ہو جائے۔

(۲) غیر مسلموں اور فاسقوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(۳) مردوں کے لباس کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

(۴) فخر وغرور اور شہرت ونمائش مقصود نہ ہو۔

(۵) اسراف اور تبذیر نہ ہو۔ ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۶۹/۸، طبع جدید)۔

خلاصہ یہ ہے عورت اپنے گھر میں شوہر کے سامنے مختصر لباس پہن سکتی ہے، ہاں جب باہر نکلے تو پورے جسم کو چھپانا ضروری ہوگا۔ تاہم مسلمان نیک خاتون کے لیے مناسب بلکہ واجب ہے کہ پوری شرم وحیا اور عفت و پاکدامنی کی زندگی گزارے اور کافرات، فاسقات کے ساتھ تشبہ سے اجتناب کرے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

شیر اور سانپ کی کھال کی ٹوپی اور جیکٹ پہننے کا حکم:

سوال: کیا سانپ یا شیر کی کھال کی ٹوپی یا جیکٹ پہننا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ غیر ماکول اللحم جانوروں کی کھال دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہے اور اس کا استعمال جائز ہو جاتا ہے، لیکن سانپ کی کھال کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ چونکہ متحمل دباغت نہیں ہے اس وجہ سے پاک نہ ہوگی اور اس کا استعمال بھی جائز نہ ہوگا لیکن چونکہ فی زماننا کیمیکل

کے ذریعہ دباغت دی جاتی ہے لہذا اس کا استعمال بھی جائز ہے، چنانچہ ان کھالوں سے بنی ہوئی اشیاء کا استعمال جائز اور درست ہوگا، تاہم بہتر یہ ہے کہ ایسی ٹوپیوں اور کوٹ، جیکٹ سے احتراز کیا جائے جو درندوں کی کھالوں سے بنے ہوں۔

دباغت دینے سے کھال پاک ہوجاتی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں حدیث شریف میں ہے: ”**كل اهاب دبغ فقدطهر**“.

البحرالرائق میں ہے:

وقوله كل إهاب يتناول كل جلد يحتمل الدباغة. (البحرالرائق: ۱/۹۹، کوئٹه).

فتح القدیر میں ہے:

وكل إهاب دبغ فقد طهر يتناول كل جلد يحتمل الدباغة لا مالا يحتمله. (فتح القدير: ۱/۹۲، دارالفکر).

فتاوی الشامی میں ہے:

والحاصل أن ذكاة الحيوان مطهرة لجلده ولحمه إن كان الحيوان مأكولاً ، وإلا فإن كان نجس العين فلا تطهر شيئاً منه، وإلا فإن كان جلده لايحتمل الدباغة فكذلك ، لأن جلده حينئذٍ يكون بمنزلة اللحم، وإلا فيطهرجلده فقط ، والآدمي كالخنزير فيما ذكر تعظيماً له . (فتاوى الشامی: ۱/۲۰۵، مطلب فی احکام الدباغة، سعید).

وفى الدرالمختار: وكل إهاب دبغ ولو بشمس وهو يحتملها طهر فيصلى به ويتوضأ منه وما لايحتملها فلا وعليه فلا يطهر جلد حية صغيرة ذكره الزيلعى. وفي رد المحتار: قوله جلدحية صغيرة أى لها دم . أما ما لا دم لها فهي طاهرة، لما تقدم أنها لووقعت فى الماء لاتفسده . (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/۲۰۳، مطلب فی أحكام الدباغة، سعید).

عالمگیری میں ہے:

عن أبي حنيفةؒ لا بأس بلبس قلنسوة الثعالب كذا فى المبسوط، وعن أبي حنيفةؒ أنه قال: لا بأس بالفرو من السباع كلها وغير ذلك من الميتة المدبوغة والمذكاة وقال ذكاتها دباغها كذا فى المحيط ، ولا بأس بجلود النمر والسباع كلها إذا دبغت أن يجعل

منها مصلى أو ميثرة السرج كذا في الملتقط . (الفتاوى الهندية: ٣٣٣/٥).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوائے خنزیر کے کہ وہ نجس العین ہے اور سوائے انسان کے کہ وہ مکرم ومحترم ہے اور سب جانوروں کا چرم دباغت سے پاک ہوجاتا ہے اگر چہ وہ جانور مردار ہو۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/ ۱۰۹، مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے: مردار جانوروں کی کھال سوائے آدمی وخنزیر کے دباغت سے پاک ہوجاتی ہے اس کا استعمال جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/ ۱۰۹)۔

قاموس الفقہ میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

حنفیہ نے عام طور پر سانپ اور چوہے وغیرہ کے چمڑے کو بھی ناقابل انتفاع قرار دیا ہے کیونکہ ان کی دباغت ممکن نہیں، مگر موجودہ زمانہ میں چوں کہ حشرات الارض کے چمڑوں کو بھی دباغت دینا ممکن ہوگیا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ وہ بھی دباغت کے بعد قابل انتفاع ہوں گے، چنانچہ امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر مردار بکری کے مثانہ کو دباغت دے کر قابل استعمال بنایا جاسکے تو وہ بھی پاک ہوجائیگا۔ (قاموس الفقہ :۳/ ۴۰۵).

لیکن چونکہ یہ جانور سباع البہائم میں سے ہیں اس لیے اجتناب بہتر ہے۔ چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں:

لأن طبيعة هذه الأشياء مذمومة شرعاً فيخشى أن يتولد من لحمها شيء من طباعها فيحرم إكراماً لبني آدم . (البحر الرائق: ١٧١/٨، كوئته).

حدیث میں ہے:

عن معاوية ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتركبوا الخز ولا النمار.

(رواه ابو داود:٢/ ٥٧٠، ط: فيصل).

وفي رواية له : أنه صلى الله عليه وسلم نهى عن لبس جلود السباع والركوب عليها.

(ابو داود:٢/ ٥٧٠، فيصل).

اس حدیث پر محشی لکھتے ہیں:

وإنما نهى عن استعمال جلده لما فيه من الزينة والخيلاء ...وإن قيل بطهارته فالنهى لكونها من دأب الجبابرة وعمل المسترفهين . (حاشية ابى داود، رقم ٢-٣). **واللہ ﷻ اعلم۔**

تسبیح میں ریشم کے دھاگے کا حکم:

سوال: تسبیح میں ریشم کا دھاگا استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ مرد کے لیے ریشم کے کپڑے ناجائز ہے؟

الجواب: تسبیح میں ریشم کا دھاگا استعمال کرنا جائز اور درست ہے، کیونکہ ریشمی لباس مردوں کے لیے ممنوع ہے اور یہ دھاگا لباس میں شامل نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

لو صلى على سجادة من الإبريسم لم يكره فإن الحرام هو اللبس أما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام . (مجمع الانهر:٤/١٩٤،ط: دارالكتب العلمية).

فتاوی الشامی میں ہے:

وفي الدر المنتقى: ولاتكره الصلاة على سجادة من الإبريسم لأن الحرام هو اللبس أما الانتفاع بسائر الوجوه فليس بحرام كما في صلاة الجواهر وأقره القهستاني وغيره. قلت: ومنه يعلم حكم ما كثر السوال عنه من بند السبحة فليحفظ.(فتاوى الشامى : ٦/٣٥٤، سعيد).

قال الإمام الطحطاوي: وهذا ظاهر إذا كانت من حرير لأنه ليس من اللبس. (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ٤/١٧٨).

امدادالاحکام میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تسبیح کے ڈورے میں ریشم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے: **لأن الحرمة فى لبس الحرير وهذا ليس من اللبس فى شيء** ۔(امدادالاحکام:۴/ ۳۴۰)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ریشم کی قالین پر بیٹھنے کا حکم:

سوال: میرے پاس ریشم کی قالین ہے۔(اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ مرد کے لیے ریشم کا لباس پہننا جائز نہیں ہے)اب میرے سولات یہ ہیں:

مذہب احناف میں ریشم کی قالین پر چلنا کیسا ہے؟
ریشم کی قالین پر بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟
اس قالین کے اوپر دستر خوان رکھ کر کھانا کیسا ہے؟
اس قالین کے اوپر عبادت کرنا (نماز، ذکر و تلاوت وغیرہ) کیسا ہے؟
حدیث کی روشنی میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: امام اعظمؒ کے نزدیک ریشم کی قالین پر چلنا، بیٹھنا، دستر خوان رکھ کر کھانا اور اس پر نماز وغیرہ عبادت کرنا جائز اور درست ہے۔ البتہ صاحبینؒ کے نزدیک ریشم کی قالین کا استعمال مکروہ ہے۔ متون میں امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے، لیکن اکثر مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، اور یہی اعدل اور احوط ہے۔ لہذا ریشم کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویحل توسده وافتراشه والنوم عليه، وقالا والشافعي ومالک حرام وهو الصحيح كما في المواهب، قلت: فليحفظ هذا لكنه خلاف المشهور.

اس پر علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **قوله ويحل توسده .الوسادة المخدة منح، وتسمى مرفقة، إنما حل لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم جلس على مرفقة حرير وكان على بساط ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفقة حرير وروي أن أنساً رضی اللہ عنہ حضر وليمة فجلس على وسادة حرير ولأن الجلوس على الحرير استخفاف وليس بتعظيم فجرى مجرى الجلوس على بساط فيه تصاوير. قوله وقالا، قيل أبويوسفؒ مع أبي حنيفةؒ وقيل مع محمدؒ، قوله كما في المواهب ومثله في متن درر البحار قال القهستاني، وبه أخذ أكثر المشايخ كما في الكرماني ونقل مثله ابن الكمال، قوله لكنه خلاف المشهور، قال في الشرنبلالية: قلت: هذا الصحيح خلاف ما عليه المتون المعتبرة المشهورة والشروح.** (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۶/۳۵۵،سعید).

شرح تحفۃ الملوک میں ہے:

ويحل توسده أي توسد الحرير، يعني: جعله تحت رأسه، والنوم عليه لهما؛أي: للرجال والنساء عند أبي حنيفةؒ، خلافاً لمحمد. ذكر القدوري، والقاضي أبوعاصم قول أبي يوسفؒ مع محمدؒ، وذكره الفقيه أبوالليث مع أبي حنيفةؒ. لمحمدؒ: ما روي من عموم

النهي والتحذير ولأن التنعم بالجلوس ، والنوم عليه كالتنعم باللبس، وذلك عادة الأكاسرة والتشبه بهم حرام؛ قال عمر رضی اللہ عنہ: إياكم وزي الأعاجم . ولأبي حنيفة رحمہ اللہ : ما روى عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أنه كان على بساطه مرفقة حرير، وعن أنس رضی اللہ عنہ أنه حضر وليمة ، وجلس على وسادة من حرير عليها طيور. والنص العام ورد فى اللبس ، والنوم دونه ، فلايلحق به . (شرح تحفة الملوك لابن ملك : ۲/ ۱۸۱۱۔۱۸۱٤).

علامہ عینیؒ البنایہ شرح الہدایہ میں تفصیلی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

وفى الحقائق : وأكثر مشايخنا رحمہم اللہ أخذوا بقولهما لأن مآله للتخير ، ونقل فخر الإسلام عن نوادر هشام عن محمد رحمہ اللہ أنه قال: أكره ما يكره الديباج والإبريسم . (البناية فى شرح الهداية : ۱۱/ ۱۱٦،مكتبة رشيديه).

ملاعلی قاریؒ شرح نقایہ میں صاحبینؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وبقولهما قال مالك رحمہ اللہ والشافعي رحمہ اللہ ، وهوالصحيح لما في صحيح البخارى عن ابن أبي ليلىٰ عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال: نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نشرب فى آنية الذهب والفضة ، وأن نأكل فيها، وعن لبس الحرير والديباج ، وأن نجلس عليهما. (شرح النقاية : ٤/ ۳۱، ط: بيروت).

شرح النقایہ للقہستانی میں ہے: ويكره عندهما وبه أخذ أكثر المشايخ كما فى الكرمانى.
(جامع الرموز،آخرين : ۳۰۳،ط: ايران).

وللمزيد راجع : (البناية فى شرح الهداية: ۱۱/ ۱۱۴، والفقه الحنفى فى ثوبه الجديد: ۵/ ۳۵۱۔۳۵۳، والمحيط البرهانى : ٦/ ۷۹۔۸۰، الفصل العاشر من كتاب الاستحسان، ط: مكتبه رشيديه، وشرح النقاية للملاعلى القارى :۴/ ۳۱، بيروت، وغنية ذوى الاحكام للعلامة الشرنبلالى: ۱/ ۳۱۲، وتبيين الحقائق: ٦/ ۱۴ ،ط:امداديه، ملتان، وبدائع الصنائع:۵/ ۱۳۱ ، سعيد).

امام صاحبؒ کے چند دلائل احادیث کی روشنی میں:

(۱) روى أن النبى صلى الله عليه وسلم جلس على مرفقة حرير .

قال الإمام المحدث جمال الدين الزيلعى فى نصب الراية (٤/ ۲۲۷): قلت: غريب

جداً ، ويشكل على المذهب حديث حذيفة رضي الله عنه،قال: نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نشرب فى آنية الذهب والفضة ، وأن نأكل فيها ، وعن لبس الحرير والديباج ،وأن نجلس عليه ، انتهى . أخرجه البخارى.

قال العلامة العينى فى البناية فى شرح الهداية : هذا لم يثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم أصلاً ولا ذكره أحد من أرباب النقل لا بسند صحيح ولا بسند ضعيف...حديث حذيفة الذى ذكرناه حديث صحيح . (البناية :١١/ ١١٥،مكتبة رشيديه).

(٢) أخرج ابن سعد فى الطبقات الكبرى (١/ ١٩٦/ ١١٢،مكتبة الصديق) قال أخبرنا عبد الوهاب بن عطاء ، قال:حدثنا عمروبن أبى المقدام، عن مؤذن بنى وادعة ، قال:دخلت على عبد الله بن عباس رضي الله عنه وهو متكئ على مرفقة من حرير وسعيد بن جبير عند رجليه وهو يقول: انظر كيف تحدث عني فإنك قد حفظت عني حديثاً كثيراً.

قال المحقق محمد بن صامل السلمي: إسناده ضعيف، عبدالوهاب بن عطاء العجلى صدوق ربما أخطأ، وعمرو بن ثابت بن أبى المقدام الكوفى، ضعيف، رمي بالرفض، ومؤذن بنى وادعة ، لم أقف على من سماه .

وفي رواية له قال: أخبرنا الفضل بن دكين ، قال حدثنا مسعر، عن راشد مولى لبنى عامر، قال: رأيت على فراش ابن عباس رضي الله عنه أومجلس ابن عباس رضي الله عنه مرفقة من حرير، (ابن سعد، رقم: ١٠٦).

قال المحقق محمد بن صامل: رجاله ثقات ما عدا راشد لم نجد له ترجمة...وإذا ثبت هذا فلعل المرفقة من الخز فقدكان بعض الصحابة يترخص فيه ، قال أبوداود: (٤/ ٤١٩)، كتاب اللباس، باب ماجاء فى الخز، عشرون نفساً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أو أكثر لبسوا الخز منهم أنس والبراء بن عازب، وروى ابن أبي شيبة أن ابن عباس رضي الله عنه كان يلبس المطرف من الخز. (المصنف :٨/ ١٥٣،وسيأتى رقم ١١٠،واسناده حسن). (الخز: ثياب تنسج من صوف وإبريسم وهى مباحة).

(٣) وعن أنس رضي الله عنه أنه حضر وليمة ، و جلس على وسادة من حريرعليها طيور. (لم اقف عليه).

صاحبینؒ کے چند دلائل احادیث کی روشنی میں:

(۱) ما روی من عموم النهی والتحذير .

(۲) قال عمر رضی اللہ عنہ **: إياكم وزي الأعاجم. رواه ابن حبان** (رقم:٥٤٥٤، قال الشيخ شعيب : اسناده صحيح على شرط مسلم) **ومسلم**، (رقم:٢٠٦٩). **وينظر:** (نصب الراية : ٢٢٦/٤، والبناية :١١٤/١١، وتعليقات الشيخ عبد المجيد بن عبد الرحمن الدرويش على شرح تحفة الملوك لابن ملك :١٨١٣/٢-١٨١٤).

(۳) أخرج الإمام الطحاوي في "شرح معانی الآثار" (٣٧٩/٢،باب لبس الحرير)، **والحاكم فی المستدرک وصححه ووافقه الذهبی** (رقم:٣٦٩٧) **عن سعد بن أبي وقاص** رضی اللہ عنہ **أنه قال: واللّٰه لأن أضطجع على جمر الغضا أحب إلي من أن أضطجع عليها**(أی مرافق من حرير) .

(۴) أخرج مسلم (٢٠٧٨) **والنسائي** (رقم: ٥٣٧٦) **عن علي** رضی اللہ عنہ **قال : قال لي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:قل اللّٰهم سددني واهدني ونهاني عن الجلوس على المياثر. والمياثر قسي كانت تصنعه النساء لبعولتهن على الرحل كالقطائف من الأرجوان . الميثرة : مركب للعجم كان يتخذ من الحرير والديباج .** (المعجم الوسيط،ص١٠١١).

(۵) أخرج البيهقي فی" السنن الكبرى" (رقم:٦٢٨٧) **عن علي بن أبي طالب** رضی اللہ عنہ **أنه أتي بدابة عليها سرج ديباج فأبى أن يركبها.**

(٦) حديث حذيفة رضی اللہ عنہ**،قال: نهانا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن نشرب فی آنية الذهب والفضة ، وأن نأكل فيها ، وعن لبس الحرير والديباج ، وأن نجلس عليه ، انتهى . أخرجه البخاری.** (رواه البخاری ، فی اللباس ، باب افتراش الحرير،رقم : ٥٨٣٧).

اس روایت کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ روایت متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے لیکن کسی کی روایت میں" **و أن نجلس عليه**" کا لفظ نہیں ہے فقط حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے چند حضرات ہیں ان میں بھی صرف جریر بن حازم کے طریق میں ہے۔

طرق کی تفصیل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

☆ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

☆ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (ان سے مختلف حضرات روایت کرتے ہیں)۔

۱۔یزید بن ابی زیاد۔(اخرجه احمد بسندضعيف ، رقم:٢٣٤٦٤وابن ابى شيبه ،٢٤٦١٥ ولم يذكرفيه النهى عن الجلوس).

۲۔حکم بن عتیبہ۔ (اخرجه احمد بسندصحيح،فى خمسة مواضع، لم يذكرفيه النهى عن الجلوس).

۳۔مجاہد۔ان سے درجِ ذیل حضرات روایت کرتے ہیں:

منصور،سیف بن ابی سفیان ،ابن عون اورابن ابی نجیح اورابن ابی نجیح سے نقل کرنے والے دوحضرات ہیں: (۱)سفیان۔(۲)جریر بن حازم۔ان تمام میں سے فقط جریر بن حازم **النهى عن الجلوس** نقل کرتے ہیں۔

نیز حضرت حذیفہؓ سے ابووائل بھی روایت کرتے ہیں، **أخرجه البزار ولم يذكر النهى عن الجلوس** .

روایت کی تخریج اوراس کا نقشہ

اعلاءالسنن میں مذکور ہے:

والجواب عنه أنه روى النهى عن لبس الحريرعن عدة من الصحابة كأنس بن مالك رضی اللہ عنہ **وعمر بن الخطاب** رضی اللہ عنہ **وابن عمر** رضی اللہ عنہ **وأبي هريرة** رضی اللہ عنہ **وغيرهم، وليس فى شيء منها النهى عن الجلوس عليه** . (اعلاء السنن :١٧/٣٤٥). علامہ ظفراحمد عثمانیؒ نے اعلاءالسنن میں تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جریر بن حازم اس میں متفرد ہے اورمحدثین نے ان پرکلام کیا ہے۔لیکن دکتور بشارعواد نے دفاع کرتے ہوئے ہرجزء کا جواب دیا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تحريرتقريب التهذيب : ٢١٢/١، و تهذيب الكمال مع التعليقات:٤/٥٢٤۔٥٣٠،وتقريب التهذيب ،ص٥٤،ومقدمة الفتح). پھردوسری بات یہ ہے کہ قتادہ سے ان کی روایت کوضعیف کہاہے اوریہ روایت ابن ابی نجیح سے ہے نہ کہ قتادہ سے۔بہرحال ان سب کے باوجوداگرروایت کوضعیف تسلیم کرلے پھربھی احناف ضعیف روایت سے استدلال کرتے ہیں اس اعتبارسے بھی ریشم کی قالین پربیٹھنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

چنانچہ فقہاءاحناف میں سے بھی بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

نصب الرایہ میں علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: **ولو استدل على ذلك بحديث حذيفة** رضی اللہ عنہ **لكان أولىٰ، أخرجه البخارى...**(نصب الراية:٤/٢٢٦).

علامہ عینیؒ البنایہ میں فرماتے ہیں:

ولو استدل المصنفؒ منها بحديث حذيفة رضي الله عنه لكان أولىٰ، وهوما أخرجه البخارى عن ابن أبي ليلى...وهذا صريح في تحريم الجلوس عليه ، فإذا كان الجلوس عليه حرام فالتوسد مثله . (البناية فى شرح الهداية: ١١/١١٤،مكتبه رشيديه).

ملاعلی قاریؒ نے بھی شرح النقایہ میں صاحبینؒ کے مذہب کی تصحیح کرتے ہوئے بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا ہے،عبارت گزر چکی۔ نیز علامہ فخر الدین زیلعیؒ نے بھی تبیین الحقائق (۶/۱۴) میں استدلال کیا ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بخاری کی روایت پر بحث کرنے کے بعد صاحبینؒ کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو: **ولكن المتأخرين من المشايخ قد صححوا مذهب صاحبيه ، والجمهور في هذا الباب نظراً إلى قوة الدليل، ولايخفى على من له مسكة أن مذهب الصاحبين والجمهور أقوى وأحوط ، فالأخذ به أعدل وأضبط .**

وأما قول بعض الأحباب: إن ابن عباس رضي الله عنه أفقه من سعد رضي الله عنه، وقبول زيادة الثقة ليس أمراً كلياً، وزيادة " أن نجلس عليه" منكرة ، وتصحيح البخارى أمر اجتهادى، فكل ذلك تمشية للمذهب لايخلوعن تعسف، وكفانا لدفع الطعن عن الإمام أن قد وافق قوله فعل ابن عباس رضي الله عنه وابن عامر رضي الله عنه من الصحابة ، وأما المعول عليه فهوقول صاحبيه والجمهور، وبه نأخذ كما أخذ به أكثر المشايخ ، وصرح فى" المواهب"بتصحيحه ، فهوالقول المنصور، والله أعلم بما فى الصدور، ظ. (اعلاء السنن : ١٧/٣٤٧،ادارة القرآن). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

چارپائی پر ریشم کی چادر ڈالنے کا حکم:

سوال: اپنی چارپائی پر ریشم کی چادر ڈالنا اوراس پر بیٹھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے البتہ صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے،اس لیے اجتناب کرنا چاہئے۔ اس مسئلہ کے دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

مزید ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع : ٥/١٣١،سعيد،وفتاوى الشامى: ٦/٣٥٥،سعيد،والبحرالرائق : ٨/ ١٨٩،والجوهرة النيرة : ٢/٣٨٢، والاختيارلتعليل المختار: ٤/١٥٨). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کیا لباس اور کھانے پینے کی سنتیں عادات میں شمار ہیں یا عبادات میں؟ اور دونوں میں کیا فرق ہے؟

سوال: سنن عادیہ اور سنن تعبدیہ میں کیا فرق ہے؟ سنن عادیہ مستحب کے درجہ میں ہیں یا سنتِ مؤکدہ کے درجہ میں؟ اور لباس کی سنتیں سنن عادیہ میں شمار ہوتی ہیں یا سنن تعبدیہ میں؟ اگر کسی لباس میں کفار کے ساتھ تشبہ نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر مکمل تشبہ ہو تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب: عام طور پر فقہائے کرام نے سنن کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: سنن ہدیٰ: جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر کیا ہو، جیسے نماز باجماعت، اذان، اقامت، سنن رواتب وغیرہ، شریعت میں ان کو کرنے کی تاکید آئی ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ ان کا چھوڑنا گمراہی اور قابل ملامت ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عبادت نہ کیا ہو بلکہ اپنی عادتِ مبارکہ کے طور پر آپ کے جسم اطہر سے صادر ہوئی ہو وہ ''سنتِ عادیہ'' ہے اور اسے ''سنتِ زائدہ'' بھی کہا جاتا ہے جیسے اونٹ پر سواری کرنا، تہبند باندھنا، منقش یمنی شال استعمال فرمانا، مخصوص وضع کا لباس زیب تن فرمانا، عمامہ باندھنا، نشست و برخواست کا مخصوص انداز، وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں سننِ عادیہ میں سے ہیں، جسے شرعی اصطلاح میں سننِ زوائد بھی کہا جاتا ہے، یہ مستحب کے درجہ میں ہیں، ان کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں کوئی ملامت اور عتاب نہیں ہے، ہاں ان کا بجالانا اولیٰ اور افضل ہے اور محبت کی علامت ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ جن سنتوں کا تعلق عبادات جیسے نماز، روزہ، اذان، اقامت سے ہوں وہ سنن ہدی ہیں، اور جن کا تعلق مباحات چلنے پھرنے کھانے پینے پہننے سے ہے وہ سنن عادیہ ہیں۔

فقہائے کرام کی درجِ ذیل عبارات کی روشنی میں سنن عادیہ اور سنن تعبدیہ کے مابین فرق اور ان کا حکم ملاحظہ کیجئے:

نور الانوار میں ملا جیون صاحبؒ فرماتے ہیں:

وهي نوعان: الأول: سنة الهدى وتاركها يستوجب إساءة، والثاني: الزوائد وتاركها لايستوجب إساءة كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه و قعوده و قيامه فإن هؤلاء كلها لاتصدر منه عليه الصلاة والسلام على وجه العبادة وقصد القربة بل على سبيل العادة

فإنه عليه السلام كان يلبس جبة حمراء وخضراء وبيضاء طويل الكمين وربما يلبس عمامة سوداء وحمراء وكان مقدارها سبعة أذرع أو اثنى عشر ذراعاً أو أقل أو أكثر وكان يقعد محتباً تارة ومربعاً للعذر وعلى هيئة التشهد أكثر فهذا كلها من سنن الزوائد يثاب المرأ على فعلها ولا يعاقب على تركها وهوفي معنى المستحب إلا أن المستحب ما أحبه العلماء وهذا ما اعتاده النبي صلى الله عليه وسلم. (نورالانوار،ص١٦٧، ط: سعيد).

ملاجیون کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو افعال واعمال عبادت اور قربت کے قبیل سے صادر نہ ہوئے ہوں بلکہ آپ نے عادۃً ان کو کیا ہوں ایسے اعمال وافعال سنن عادیہ وزوائد کہلاتے ہیں اور یہ مستحب کے درجہ میں ہیں ان کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر کوئی عتاب نہیں ہوگا۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

السنة سنتان: سنة أخذها هدى وتركها ضلالة، وسنة أخذها حسن وتركها لا بأس به ... والثاني: نحو ما نقل من طريقة رسول الله صلى الله عليه وسلم في قيامه وقعوده ولباسه وركوبه. (اصول السرخسی:١/١٢٨،فصل فی بیان المشروعات من العبادات واحکامها،قدیمی).

یعنی سنتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ ہے جس پر عمل کرنا مطلوب اور ترک کرنا ضلالت وگمراہی ہے اور دوسری جس پر عمل پیرا ہونا اچھا ہے اور اس کا ترک کرنا قابل ملامت نہیں ہے...دوسری قسم کی مثال جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نشست وبرخواست اور لباس وسواری وغیرہ۔

اصولِ فقہ کی عام کتابوں میں تقریباً یہی مضمون موجود ہے، مزید چند عبارات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قال فی کشف الأسرار على أصول فخر الإسلام البزدوى: قوله سنة الهدى يعنى سنة أخذها من تكميل الهدى أى الدين وهي التي تعلق بتركها كراهية أو إساءة، والإساءة دون الكراهة وهي مثل الأذان والإقامة والجماعة والسنن الرواتب...والزوائد أى والنوع الثاني: الزوائد وهي التي لا يتعلق بتركها كراهة ولا إساءة...وأفعاله خارج الصلاة من المشي واللبس والأكل فإن العبد لا يطالب بإقامتها ولا يأثم بتركها و لا يصير مسيئاً والأفضل أن يأتي بها كذا فى بعض مصنفات الشيخ. (کشف الاسرار: ٢/٣١٠،ط: الصدف ببلشرز، کراتشی، باکستان).

قال الإمام أكمل الدين البابرتي: ثم السنن نوعان: سنة الهدى، أى سنة أخذها من تكميل الهدى ، أى الدين، وهي التي يتعلق بتركها كراهية إساء ة وهي دون الكراهية، وهي كالأذان ، والإقامة ، والجماعة ، والسنن الراتبة ...وسنن تاركها لا يستوجب إساء ة ولا كراهية وهي الزوائد كسير النبي صلى الله عليه وسلم في لباسه وقيامه وقعوده وكتطويل القراء ة فى الصلاة ، تطويل الركوع و السجود و سائر أفعاله التي يأتى بها ، فى حال القيام والركوع والسجود ، وأفعاله خارج الصلاة من المشي والركوب واللبس والأكل ، فإن الأفضل أن يأتي بها، ولا يصير بتركها مسيئاً . (التقريرلاصول فخرالاسلام البزدوی :٣/٤٩٩،وزارة الاوقاف ، الكويت).

قال الشيخ عز الدين عبد اللطيف ابن الملَک في شرح المنار: قوله سنن الهدى و هي، ماكانت إقامتها لتكميل الهدى أى الدين وحكم هذه السنة أن تاركها يستوجب إساء ة وكراهة والإساء ة دون الكراهة قال الحلواني: الكراهة فحش من الإساء ة هذا إن لم يصر على الترک فإن أصر كان ضالاً وفي بعض كتب الأصول وتركها إضلال ولعله أراد به الإصرار على الترک وإلا يلزم أن يكون مرتبة السنة فوق مرتبة الواجب...وزوائد وهي التي أخذها حسن ، وتاركها لايستوجب إساء ة وكراهة...لأنها عليه الصلاة والسلام فعلها على مقتضى الطبعية البشرية بطريق الاتفاق لا بطريق قصد العبادة ولكن الأولى الاتباع .

(شرح المنار: ١/٥٨٧،٥٨٨).

قال العلامة عبد الحيى اللكنویؒ: والذي يظهر بالنظر الدقيق هو أن الفرق بين العبادة و العادة يعرف بالعرف فما يكون فى الملبس و المسكن و المشرب و المشي و القيام و القعود و أمثالها مما يتكرر فى الإنسان بالطبع وإن لم يرد الشرع يعد من العادات وإن نوى الإنسان فيها جهة من جهات القربة وكل ما ليس كذلک بل يعرف حسنه بالشرع يعد من العبادات فاندفع الإشكال وزال الإعضال. (السعاية في كشف ما في شرح الوقاية :١/١٧٣، ط: سهيل اكيدمی).

وللاستزادة : انظر: (دستورالعلماء اوجامع العلوم فى اصطلاحات الفنون للقاضى عبد رب النبى

الاحمدنکری: ۲/۱۳۴، ط: دارالکتب العلمیة بیروت،وموسوعة کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم: ۱/۹۸۱. ۹۸۳ وتحفة الاخیار باحیاء سنة الابرار للعلامة عبد الحی اللکنوی، ص۶۸. ۸۶).

فقہ حنفی کے اصول وضوابط میں مذکور ہے:

سنتِ مطلقہ وہ ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عبادت کیا ہے ورنہ سنن زوائد سے ہوگا، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال رکھنا بطورِ عادت کے ہے نہ کہ بطورِ عبادت کے اس لیے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں مگر اس کو خلافِ سنت نہ کہیں گے۔ (فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص۱۲۳،اقسام سنت)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے: ایک صاحب نے استفسار کیا کہ کیا بکریاں پالنا سنت ہے؟ فرمایا جی ہاں سنت ہے۔ لیکن سنتِ عادیہ ہے سنتِ عبادت نہیں اور اصل مقصود سنتِ عبادت ہے۔ البتہ سنتِ عادیہ میں اگر منشا اس کا محبت ہے تو اس میں ثواب اور برکت ہے، اس میں غلو یعنی سنتِ عبادت کا سا اہتمام اور معاملہ نہ کیا جائے۔ بعض لوگ اس کی تحقیق میں رات دن رہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصا مبارک کتنا بڑا تھا اور عمامہ شریف کتنا بڑا تھا، یوں کوئی عاشق ان باتوں کی تحقیق کرے وہ اور بات ہے، اس کا منشا تو محبت ہے، باقی ان کے پیچھے پڑ کر اکثر لوگ ضروریاتِ دین سے بے پرواہ ہوجاتے ہیں اور اسی کو کافی سمجھنے لگتے ہیں، سو اس میں ایسا غلو ہو تو دین سے بیکار ہوجائے گا، ہر شئ اپنی حد پر رہنا چاہئے۔

سنتِ عبادت ''یعنی مستحب'' میں یہ قانون ہے کہ اگر اس میں عوام کے لیے کسی مفسدہ کا احتمال غالب ہو تو مستحب کو چھوڑ دینا بھی واجب ہے۔

...میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بجائے گیہوں کے) جو عادۃً کھایا ہے یا عبادۃً؟ ظاہر ہے کہ عبادۃً نہیں کھایا، پھر عادتِ نبویہ کا اتباع شریعت میں واجب نہیں، نہ ان کے ترک میں کوئی گناہ ہے۔

عادات میں مزاج وغیرہ کے لحاظ کرنے کا اختیار ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض عادات ایسی ہیں جن کو ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ اس لیے شریعت نے عادتِ نبویہ کا اتباع واجب نہیں کیا، ہاں اگر کسی کو ہمت ہو اور عادت پر عمل کرنا نصیب ہوجائے تو اس کی فضیلت میں شک نہیں مگر اس کو دوسروں پر طعن کرنے کا بھی حق نہیں۔ (فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص۱۳۳،۱۳۴)۔

مزید ملاحظہ فرمائیے: (جدید معاملات کے شرعی احکام:۳/۵۹،دارالاشاعت،وشمائل کبریٰ)۔

شرعی لباس کے اصول وضوابط:

قرآن وحدیث کی رو سے شرعی لباس وہ کہلائے گا جس میں شرعی اصول وضوابط کی رعایت کی گئی ہو۔ ہر مسلمان کے لیے شرعی لباس کا اختیار کرنا بے حد ضروری ہے اور کفار وفساق کے لباس سے بچنا چاہئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ شریعتِ مطہرہ نے لباس کے متعلق کسی خاص وضع قطع کی پابندی نہیں لگائی ہے البتہ اس کی کچھ حدود وقیود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز جائز نہیں، پس جو لباس ان حدود وقیود کے دائرہ میں رہتے ہوئے اختیار کیا جائیگا وہ شرعی لباس کہلائیگا ورنہ خلافِ شرع ہوگا۔ کچھ حدود واصول درجِ ذیل ہیں:

(۱) لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ وہ اعضائے مستورہ کی ساخت کو واضح کردے۔

(۲) لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور تشبہ اختیار نہ کریں۔

(۳) لباس میں بڑائی وتکبر اور فخر ونمائش اور بے جا تکلفات سے اجتناب کریں۔

(۴) مرد شلوار، تہبند، جبہ اور پاجامہ وغیرہ اتنا لمبا نہ پہنیں کہ ٹخنے چھپ جائیں۔

(۵) مردوں کے لیے اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔

(۶) مرد زنانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس اختیار نہ کریں۔

لہذا فی زمانناعورتوں کے لیے کوٹ، پتلون، شرٹ، پینٹ، وغیرہ کا استعمال جائز نہیں، اسی طرح مردوں کو سونے، چاندی کی زنجیر پہننا، عورتوں کی طرح بال رکھنا، لبوں پر سرخی لگانا، ہاتھ، پیر میں مہندی لگانا وغیرہ جائز نہیں۔

(۷) مردوں کے لیے خالص سرخ لباس پہننا مکروہ ہے، ہاں خالص سرخ نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

(۸) اپنی مالی استطاعت سے بہت زیادہ قیمت کے لباس کا اہتمام نہ کریں۔

(۹) مال دار شخص اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے مفلس سمجھیں۔

(۱۰) لباس صاف ستھرا ہونا چاہئے، مردوں کے لیے سفید لباس زیادہ پسندیدہ ہے۔

ہاں لباس میں ہر علاقہ کے اہل صلاح وتقویٰ کے لباس کا اتباع زیادہ بہتر اور مستحب ہے کیونکہ یہ اقرب الی السنہ ہونے کی علامت ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

جو لباس سنت سے ثابت ہو وہ یقیناً شرعی ہے اور جس لباس کا سنت میں ذکر نہ ہو اور اس کو صلحاء نے اختیار کیا ہو، کفار اور فساق کا شعار نہ ہو، وہ بھی شرعی لباس ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۲۵۵، جامعہ فاروقیہ)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

إن الإسلام دين تشمل أحكامه جميع شعب الحياة ، فإنه لم يدع باب اللباس هملاً ، بل وضع له مبادئ وأحكاماً لايجوز لمسلم أن يخالفها. وقد يزعم الإنسان المعاصر أن اللباس والزينة من الأمور العادية البسيطة التي تخضع للتقاليد الرائجة في كل عصر ومصر ، ولا علاقة لها بأحكام الحلال والحرام ، فإنها ليست من الأمور الجذرية التي تقوم على أساسها الحياة ، ولكن هذا الزعم إنما نشأ من قلة التدبر... ولكن الإسلام لا يسلك في شأن من شؤون الحياة إلا طريقاً يتفق مع الفطرة السليمة ، ويتجارب مع مقتضيات الطبيعة وبما أن الإنسان جبل على حب التنوع في أنواع اللباس والطعام ، فإن الإسلام لم يقصره على نوع دون نوع ، ولم يقرر للإنسان نوعاً خاصاً ، أو هيئة خاصة من اللباس ، ولا أسلوباً خاصاً للمعيشة وإنما وضع مجموعة من المبادى والقواعد الأساسية يجب على المسلم أن يتحفظ بها في أمر لباسه ، ثم تركه حراً في اختيار ما يراه من أنواع الملابس ، و ليس هناك ما يمنع التطور في أنواع اللباس ، ما دام الإنسان يتحفظ بهذه المبادى ، ويفي بشروطها الواجبة .

فمن مقدمة هذه المبادئ (۱) أن اللباس يجب أن يكون ساتراً لعورة الإنسان ... و ستر العورة من أعظم مقاصد اللباس ، وأن اللباس الذي يخل بهذا المقصد يهمل ما خلق اللباس لأجله ، فيحرم على الإنسان استعماله...وكذلك اللباس الرقيق أواللاصق بالجسم الذي يحكي للناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره ، فهو في حكم ماسبق في الحرمة و عدم الجواز .

(۲) أن اللباس إنما يقصد به الستر و التجمل ... وأما ما يقصد به الخيلاء والكبر أو الأشر و البطر أو الرياء ، فهو حرام .

(۳) أن اللباس الذي يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة ، لا يجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلك التشبه بهم .

(۴) أن لبس الحرير حرام للرجال دون النساء ، وكذلك إسبال الإزار إلى الكعبين لايجوز للرجال و يجوز للنساء .

(۵) الثوب المصبوغ بلون مطرب يحصل به الفخر والمرآة، فنهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن المعصفر والمزعفر .

... ولا اختلاف بين قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: إن البذاذة من الإيمان...وبين قوله صلى اللّٰه عليه وسلم : إن اللّٰه يحب أن يرى أثر نعمته على عبده...لأن هناك شيئين مختلفين فى الحقيقة ، قد يشتبهان بادى الرأى ، أحدهما مطلوب والآخر مذموم ، فالمطلوب ترك الشح ، ويختلف باختلاف طبقات الناس، فالذي هو فى الملوك شح ربما يكون إسرافاً في حق الفقير، وترك عادات البدو واللاحقين بالبهائم واختيار النظافة ومحاسن العادات ، والمذموم الإمعان فى التكلف والمرآة والتفاخر بالثياب ، وكسر قلوب الفقراء ، و نحو ذلك و في ألفاظ الحديث إشارات إلى هذه المعانى كما لا يخفى على المتأمل. (تكملة فتح الملهم: ٤/٨٧-٨٩).

مزید ملاحظہ فرمائیے: (کتاب الفتاویٰ:٦/٩٥،ونوادر الفقہ :٢/٣٦٥،وجدید معاملات کے شرعی احکام:٣/٥٤)۔

لباس وغیرہ میں تشبہ بالکفار کی وضاحت اور اس کا حکم:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : ”من تشبه بقوم ، فهو منهم . (اخرجه ابوداود ،رقم٤٠٣١،وابن حبان فى صحيحه ، وابن ابى شيبة، رقم:١٩٤٠١، والبيهقى فى شعب الايمان:١١٩٩).

قال العراقي: أبوداود من حديث ابن عمر بسند صحيح. (٨٥١). وقال ابن حجر: إسناده حسن . (فتح البارى:١٠/٢٧١). وأورده السيوطى فى الجامع الصغير(٨٥٩٣) ورمزله بالحسن، وضعفه السخاوى والزركشي وغيرهما ، ولكن له شواهد .

قلت: إسناده حسن . فيه: عبد الرحمن بن ثابت بن ثوبان ، قال ابن حجر: صدوق. وقال يحيى بن معين: ليس به بأس. قال أبوحاتم: ثقة. يشوبه شيء من القدر، وهو مستقيم الحديث. قال أبوداود: كان فيه سلامة ، وكان مجاب الدعوة ، وليس به بأس . قال النسائي: ضعيف. قال أحمد بن حنبل: لم يكن بالقوى فى الحديث. قال الهيثمي: قد وثقه غير واحد ، وضعفه غيرهم.

راجع : (تهذيب الكمال للمزى:١٧/ ١٤، وتقريب التهذيب، وتهذيب التهذيب ٦ /١٣٧، ومجمع الزوائد).

وحديث حذيفة أخرجه الطبراني فى الأوسط، (٨٣٢٧)، **والبزار** (٢٩٦٦) ، **وقال الهيثمي: فيه على بن غراب وقد وثقه غير واحد وضعفه بعضهم وبقية رجاله ثقات .**

وللمزيد راجع : (كشف الخفاء، رقم:٢٤٣٦،والمقاصد الحسنة،رقم:١١٠١،ونصب الراية :٤/٣٤٧).

ملاعلی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

أى من شبه نفسه بالكفار مثلاً فى اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار فهو منهم أى فى الإثم والخير، قال الطيبي: هذا عام فى الخَلق والخُلق والشعار ولما كان الشعار أظهر فى الشبه ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير فإن الخلق الصورى لا يتصور فيه التشبه والخلق المعنوى لا يقال فيه التشبه بل هو التخلق. (مرقاة المفاتيح:٨/٢٥٥،امداديه ،ملتان).

علامہ مناوی فیض القدیر میں فرماتے ہیں:

”من تشبه بقوم“ أى تزياً في ظاهره بزيهم وفي تعرفه بفعلهم وفي تخلقه بخلقهم وسار بسيرتهم وهديهم في ملبسهم وبعض أفعالهم...” فهومنهم“ وقيل المعنى من تشبه بالصالحين وهو من اتباعهم يكرم كما يكرمون ومن تشبه بالفساق يهان ويخذل كهم، ... وقال ابن تيمية : هذا الحديث أقل أحواله أن يقتضى تحريم التشبه بأهل الكتاب وإن كان ظاهره يقتضي كفر المتشبه بهم ...الخ. (فيض القدير:٦/١٠٤).

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں: یہ مسئلہ خود نص قرآنی میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ **ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار** ﴾ ترجمہ: یعنی مت مائل ہوان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا کبھی تم کو بھی آگ پہنچ جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کی طرف میلان حرام ہے اوراس کے ساتھ ایک قاعدہ بھی ملایا جائے کہ تشبہ بدون رکون اور میلان قلبی کے نہیں ہوتا۔...قلب میں اولاً اس کی عظمت ہوتی ہے اوراس کے استحسان کا درجہ پیدا ہوتا ہے اوراس کی طرف میلان ہوتا ہے، پس جب رکون اور میلان حرام ہے تو تشبہ بھی حرام ہے۔(الافاضات:۸/۳۲۶،بحوالہ فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص۱۴۸)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

تشبہ کی تعریف اوررفع تشبہ کی پہچان: اس کا معیار یہ ہے کہ جہاں کوئی بات کسی کی وضع ہواور یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ بات کفار میں ہے اور کفار کی خصوصیت کی طرف ذہن جاتا ہوتو تشبہ ہوگا ورنہ نہیں۔(حسن العزیز:۳/۲۱۳، بحوالہ فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص۱۵۰)۔

پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کے دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں ایک کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلانے کی ہے،مگر جب تک یہ خصوصیت ہے اس وقت تک منع کیا جائیگا۔(حیات المسلمین،ص۲۲۴،بحوالہ فقہ حنفی کے اصول وضوابط، ص:۱۵۰)۔

تشبہ کے اقسام اوراس کے احکام:

(۱)تشبہ بالکفار اعتقادات وعبادات میں کفر ہے اور مذہبی رسومات میں حرام ہے۔

(۲)معاشرت اور عبادات اور قومی شعائر میں تشبہ مکروہِ تحریمی ہے۔

جو چیزیں دوسری قوموں کی نہ قومی وضع ہیں نہ مذہبی وضع ہیں گو ان کی ایجاد ہوں اور عام ضرورت کی چیزیں جیسے دیاسلائی یا گھڑی یا نئے ہتھیار یا نئی ورزشیں جن کا بدل ہماری قوم میں نہ ہواس کا برتنا جائز ہے۔ ایجادات وانتظامات اور اسلحہ اور سامانِ جنگ میں غیر قوموں کے طریقے لے لینا جائز ہے۔ہاں جس کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود ہوتو اس میں تشبہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(۴)مسلمانوں میں جو فاسق یا بدعتی ہیں ان کی وضع اختیار کرنا بھی گناہ ہے۔

(حیات المسلمین،وانفاس عیسیٰ،بحوالہ فقہ حنفی کے اصول وضوابط،ص۱۵۱)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”**من تشبه بقوم فهو منهم**“ سے مراد یہ ہے کہ کسی قوم کی ایسی چیز میں مشابہت اختیار کی جائے جو اس قوم کے ساتھ مخصوص ہو یا اس کا خاص شعار ہو تو ایسی مشابہت ناجائز ہے۔(کفایت المفتی:۹/۱۶۹،دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

جہاں مسلمان عورتوں کے اپنے لباس میں ساڑی داخل ہو وہاں جائز ہے،اور جہاں مسلمانوں میں ساڑی مروج نہ ہو صرف غیر مسلم عورتوں کے لباس میں داخل ہو وہاں مکروہ ہے۔(کفایت المفتی:۹/۱۶۰،دارالاشاعت)۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

انگریزی بال،ہیٹ،کوٹ پتلون میں سے ہر چیز تشبہ کے لیے کافی ہے مگر تشبہ کا حکم اسی صورت میں ہوتا

ہے کہ دیکھنے والا اسے دیکھ کر اس شبہ میں پڑ جائے کہ یہ شخص اس قوم کا فرد ہے، مثلاً ہیٹ لگانے والے کو کرسٹان سمجھا جائے۔ تو جو چیزیں کہ غیر لوگوں میں بھی عام طور پر استعمال ہونے لگی ہوں مثلاً بوٹ، پتلون، کوٹ تو ان میں تشبہ کی جہت کمزور اور خفیف رہ جاتی ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/۱۶۴، دارالاشاعت)۔

کوٹ، پتلون سے متعلق حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

اب اس میں اتنا تشدد نہیں، اتنا ضرور ہے کہ ان اطراف میں یہ صلحاء کا لباس نہیں، اس سے بچنا چاہئے، کراہت کا درجہ ہے۔

تعلیق میں مرقوم ہے:

آج کل پینٹ شرٹ (کوٹ پتلون) اور انگریزی بال کا گرچہ مسلمانوں میں عام رواج ہوگیا ہے، مگر اس کے باوجود اسے انگریزی لباس ہی سمجھا جاتا ہے۔ الغرض تشبہ بالکفار نہ بھی ہو تشبہ بالفساق میں تو کوئی شبہ نہیں، لہذا ایسے لباس سے احتراز ضروری ہے۔ پتلون کے متعلق یہ تفصیل اس وقت ہے جب اس سے واجب الستر اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر نہ آتا ہو، اگر پتلون اتنی چست اور تنگ ہو کہ اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہو، جیسا کہ آج کل ایسی پتلون کا کثرت سے رواج ہوگیا ہے، تو اس کو پہننا اور لوگوں کو دکھانا اور دیکھنا سب ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ مع التعلیقات: ۱۹/۲۸۰، جامعہ فاروقیہ)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

جس علاقہ میں یہ کفار و فساق کا شعار ہو، وہاں اس سے پرہیز کیا جائے اور جہاں شعار نہ ہو، سبھی استعمال کرتے ہوں وہاں کا یہ حکم نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۲۸۱، جامعہ فاروقیہ)۔

قاموس الفقہ میں ہے:

مسلمانوں کو ایسا لباس اختیار کرنا کہ غیر مسلموں سے مماثلت پیدا ہو جائے مکروہ ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگو! راہبوں کے لباس سے بچو، جس نے رہبانیت اور تشبہ اختیار کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جس نے کسی قوم سے تشبہ اختیار کیا وہ ان ہی میں سے ہے۔

ظاہر ہے کہ تشبہ کے مختلف درجات ہیں، غیر مسلموں کے مذہبی شعائر میں تشبہ سخت گناہ ہوگا، یہاں تک کہ بعض فقہاء نے زنار وغیرہ باندھنے پر کفر کا حکم لگایا ہے۔ گو محققین کے نزدیک اس کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جائے گی،

لیکن فقہاء کے اس رویہ سے اس تشبہ کا حرام اور شدت کے ساتھ ممنوع ہونا ظاہر ہے، البتہ جو لباس مذہبی افکار وتصورات سے متعلق نہ ہو، اگر اس لباس کا اتنا عموم ہو جائے کہ کسی شخص کو اس لباس میں دیکھ کر یہ خیال نہ ہوتا ہو کہ یہ شخص فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے، تو پھر اس میں تشبیہ خفیف ہو جاتی ہے۔

...ایسا لباس جو جغرافیائی ضرورت کے لیے استعمال کیا جاتا ہو، اور مذہبی شعائر سے متعلق نہ ہو گو کسی خاص قوم کی ایجاد ہو، ان کے استعمال میں تشبہ نہیں ہے۔ (قاموس الفقہ :۴/ ۵۷۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل:۱/۳۴۴)۔

پس اگر کوئی غیر مسلم ملک میں ملازمت کی ضرورت یا بار بار تلاشی کی مشقت یا کسی اور خاص مصلحت کی وجہ سے کوٹ پتلون نما لباس پہن لے تو اس کی وضع قطع کو ذرا مختلف بنا دے مثلاً کوٹ یا شرٹ اتنا لمبا ہو کہ اس میں سرین چھپ جائے اور پتلون نما شلوار ٹخنوں سے اوپر ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسلمان کے لیے کفار کا لباس تیار کرنے کا حکم:

سوال: ایک مسلمان درزی کے پاس غیر مسلم کپڑوں کے ڈزائن تیار کرانے کے لیے آتے ہیں تو کیا مسلمان غیر مسلموں کے لیے کپڑے تیار کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مسلمان درزی کو غیر مسلموں کے لباس کی ڈزائن وغیرہ نہیں بنانی چاہئے، خصوصاً جس میں ذی روح کی تصویریں ہوں اور نصاریٰ کے ہاتھ زنار اور مجوسی کے ہاتھ خاص قلنسوہ کی بیع کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ ان دونوں میں ان کی تذلیل ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ولو أن إسكافياً أمره إنسان أن يتخذ له خفاً على زي المجوس أو الفسقة أو خياطاً أمره إنسان أن يخيط له قميصاً على زي الفساق يكره له أن يفعل ذلک كذا في المحيط.

(البحر الرائق:۸/ ۲۳۰،دارالمعرفة). (وكذا في المحيط البرهاني : ۵/ ۲۱٤الفصل الرابع عشر في الكسب، وتبيين الحقائق:٦/ ۲۹، وفتاوى الشامي:٦/ ۳۹۲، سعيد، ومجمع الأنهر:٤/ ۱۸۸).

وقال في نصاب الاحتساب: إسكاف أمره إنسان أن يتخذ له خفاً مشهوراً على زي المجوس أو الفسقة و زاد في الآجر قيل: لا ينبغي أن يفعل ذلک وكذا الخياط إذا أمره أن

يخيط ثوباً على زى الفساق . (نصاب الاحتساب،ص۲۷۹).

وفـى الـفتـاوى الهـنـدية: بيـع الـزنار من النصارى والقلنسوة من المجوس لايكره .

(الفتاوى الهندية: ۳/ ۲۱۰).

مزید دلائل کے لیے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد پنجم ،ص۱۴۳، ملاحظہ کیجئے۔

نیز کفار دنیا میں مخاطب بالفروع نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

تـحـقيق أن الكفار مخاطبون بالفروع أم لا؛ الكفارمخاطبون بالإيمان إجماعاً ، وكذا بـالـمشـروع من العقوبات والمعاملات ، وكذا بالفروع وعامة الشرائع فى حكم المؤاخذة فـى الآخـرة بلا خلاف، و ذكره فى المنار وغيره، وأما في وجوب الأداء فى أحكام الدنيا فالصحيح أنهم غير مخاطبين به ...الخ. (احكام القرآن: ۱/ ۱۱،ط: ادارة القرآن). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**
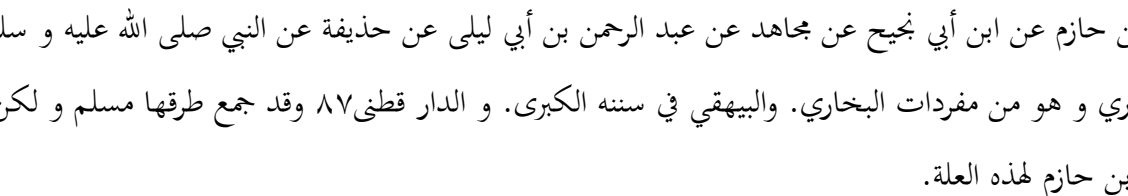
جرير بن حازم تفرد به وهو و إن كان ثقة لكن له اوهام وحديثه عن قتادة ضعيف.

ن حازم عن ابن أبي نجيح عن مجاهد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن حذيفة عن النبي صلى الله عليه و سل

ري و هو من مفردات البخاري. والبيهقي في سننه الكبرى. و الدار قطنى٨٧ وقد جمع طرقها مسلم و لكن

بن حازم لهذه العلة.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿بلی إن تصبروا وتتقوا ویأتوکم من فورهم هذا یمددکم ربکم بخمسة آلاف من الملائكة مسومین﴾

(سورة آل عمران).

مسومین یعنی معلمین بالصوف الأبیض فی نواصی الخیل، وفی أذنابها، علیهم البیاض، قد أرخوا أطراف العمائم بین أکتافهم. (تفسیر السمرقندی).

فصل دوم

عمامہ اور ٹوپی کے احکام کا بیان

عن جابر بن عبد اللّٰه الأنصاری رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم دخل مکة وقال قتیبة: دخل یوم فتح مکة وعلیه عمامة سوداء بغیر إحرام.

(رواہ مسلم).

فصل دوم
عمامہ اورٹوپی کے احکام کا بیان

عمامہ کا حکم اوراس کے سنن عادیہ میں سے ہونے کی وضاحت:

سوال: عمامہ کا کیا حکم ہے؟ سنت ہے یا مستحب؟ نیز سنن عادیہ میں سے ہے یا سنن ہدیٰ میں ہے؟ دونوں کی وضاحت کیجئے؟ اور سنن عادیہ کا کیا مطلب ہے؟ نیز اکثر اوقات عمامہ ثابت ہے یا ٹوپی؟ مفصل مدلل جواب تحریر فرمایئے۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے، اور جو شخص بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو اپنی زندگی میں اپنائیگا، وہ اللہ تعالیٰ شانہ کے قریب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے محبوب بندوں میں شامل فرمالیں گے، تمام جہاں میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی ہر ادا محفوظ ہے، اب ہمارے لیے باعثِ سعادت ہے کہ آپ کی ہر ادا کو اپنائیں خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا عاداتِ یومیہ مثلاً نشست وبرخواست، طعام وشراب، لباس وپوشاک کردار وگفتار وغیرہ سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے پاک ارشاد: ﴿**قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم**﴾ (آل عمران: ۳۱) کا بھی یہی تقاضا ہے۔

تاہم فقہاء نے سنت کو دوخانوں میں تقسیم کیا ہے (۱) سنن ہدیٰ (۲) سنن زوائد۔

سنن ہدیٰ وہ سنتیں ہیں جن پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بطورِ عبادت مواظبت فرمائی ہو، اور یہ مکملاتِ دین میں سے ہوتی ہیں، اور یہ سنن مؤکدہ قریب بہ واجب ہیں، ان کا تارک

عاصی ہے، جیسے اذان اقامت، جماعت، اعتکاف، اسی طرح سنن صلاۃ وصیام وحج وغیرہ۔

اور سنن کی ایک قسم غیر مؤکدہ ہے جس پر موظبت ثابت نہ ہو اس کا تارک عاصی نہیں ہے۔ ہاں عامل ماجور ہے۔ جیسا کہ عصر کی سنتِ قبلیہ۔

(۲) سنن زوائد وہ سنتیں ہیں جو آپ کے اخلاق عادات سے متعلق ہوں، جیسے لباس ونوم، طعام وشراب وغیرہ کی سنن، چونکہ یہ مکملاتِ دین اور شعائر دین میں سے نہیں اس لیے ان کا بجالانے والا تو مثاب ہوگا لیکن تارک مستحق کراہت یا عقاب نہ ہوگا۔ ان کو سنن عادیہ بھی کہتے ہیں اور اس کا مطلب یہ کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کو اتنا کیا کہ یہ امور عادت بن گئے۔

تنبیہ: زوائد کے لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ان امور کا بجالانا عبادت میں شامل نہیں، ایسا ہرگز نہیں! یہ بھی عبادت میں داخل ہیں، کیونکہ فی نفسہٖ سنت کا مفہوم ہی عبادت ہے۔ **إن السنة هی الطریقة المسلوکة فی الدین فهي في نفسها عبادة** ۔(فتاوی الشامی: ۱/۱۰۳، سعید)۔ (ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عبادت انجام نہیں دیا)۔

ان امورِ عادیہ میں بھی جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت فرمائی ہے ان کا ترک مذموم ہوگا جیسے طعام میں ہمیشہ داہنا ہاتھ استعمال فرمانا، جوتا ہمیشہ پہلے داہنے پیر میں پہننا وغیرہ۔ ہاں جن پر مداومت نہیں فرمائی ان کا ترک مذموم اور قابل ملامت نہ ہوگا مثلاً: ثرید کھانا، عجوہ کھانا وغیرہ، ہاں ان امور کو بجالانے والا ثواب پائیگا اور عامل سنت ہوگا۔ ملاحظہ ہو علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

والسنة نوعان سنة هدی کالأذان والإقامة وترکها یوجب الإساءة، وسنة زائدة وترکها لایوجبها کسنة النبي صلی الله علیه وسلم في قعوده وقیامه ولبسه وأکله وشربه ونحو ذلک کما فی السراج ولکن الأولی فعلها لقوله تعالیٰ: ﴿لقد کان لکم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (الأحزاب: ۳۳). (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۱۹۴، باب الاذان، ط: قدیمی).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والسنة نوعان: سنة الهدی، وترکها یوجب إساءةً وکراهیةً کالجماعة، والأذان والإقامة ونحوها، وسنة الزوائد، وترکها لایوجب ذلک کسیر النبي صلی الله علیه وسلم في لباسه وقیامه وقعوده... قد مثلوا لسنة الزوائد أیضاً بتطویله علیه الصلاة والسلام القراءة

والرکوع والسجود ، ولا شک في کون ذلک عبادة ، وحینئذٍ فمعنی کون سنة الزوائد عادةً أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم واظب علیھا حتی صارت عادةً له ولم یترکھا إلا أحیاناً ؛ لأن السنة هي الطریقة المسلوکة فی الدین ، فهي في نفسها عبادة وسمیت عادةً لما ذکرنا، ولما لم تکن من مکملات الدین وشعائره سمیت سنة الزوائد ، بخلاف سنة الهدی، وهي السنن المؤکدة القریبة من الواجب التي یضلل تارکها ؛ لأن ترکها استخفاف بالدین ... فاغتنم تحقیق هذا المحل فإنک لاتجده في غیر هذا الکتاب ، واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب.

(فتاوی الشامی: ۱۰۳/۱،مطلب فی السنة وتعریفها ،سعید). مزید تفصیل ماقبل میں گزرچکی ہے وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لباس وغیرہ امورِ عادیہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سنت ہے اور خیروبرکت کا باعث ہے۔اورعمامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر وبیشتر اوقات کامعمول تھالہذا سنت ہے۔ اورسنت کی دوسری قسم زوائد میں داخل ہے۔

عمامہ سے متعلق چنداحادیث ملاحظہ ہوں:

عن جابر بن عبد اللّٰہ الأنصاري رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دخل مکة وقال قتیبة : دخل یوم فتح مکة وعلیه عمامة سوداء بغیر إحرام . (رواہ مسلم ،رقم: ۱۳۵۸).

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمبارک پرسیاہ عمامہ تھا۔

وفي روایة له عن جعفر بن عمرو بن حریث عن أبیه رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خطب الناس وعلیه عمامة سوداء . (رواہ مسلم ، رقم: ۱۳۵۹).

ترجمہ: حضرت عمروبن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کوخطبہ دیاتو آپ کے سرمبارک پرسیاہ عمامہ تھا۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم توضأ وعلیه عمامة قطریة ، فأدخل یده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه ولم ینقض العمامة . (رواہ ابوداود ، رقم: ۱۴۷، وابن ماجه ،رقم: ۵۶۴).

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کووضوفرماتے ہوئے

دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قطری عمامہ تھا آپ نے عمامہ کے نیچے اپنا ہاتھ داخل فرمایا اور سر کے اگلے حصہ کا مسح فرمایا اور عمامہ کو نہیں کھولا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم خطب الناس وعلیه عمامة دسماء . (رواہ الترمذی فی الشمائل، ص۲۳۳، رقم: ۱۱۸، بتحقیق الشیخ محمد عوامة، والبخاری: ۱/۵۳۶).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور آپ پر سیاہ عمامہ تھا۔

عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن اللّٰہ وملائکته یصلون علی أصحاب العمائم یوم الجمعة. رواہ الطبراني فی الکبیر وفیه أیوب بن مدرک قال ابن معین : إنه کذاب . (مجمع الزوائد: ۵/۱۲۱، باب اللباس للجمعة، دارالفکر).

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں پر دعا رحمت کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ باندھنے کا حکم فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

عن عبادة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: علیکم بالعمائم فإنها سیماء الملائکة وأرخوها خلف ظهورکم. (رواہ البیهقی فی شعب الایمان، رقم: ۵۸۵۱، و فیه عیسی بن یونس قال الدارقطنی: مجهول).

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمامہ باندھو یہ حضراتِ ملائکہ کی خاص نشانی ہے اور اس کے کنارے کو پشت پر ڈال دو۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اعتموا تزدادو حلماً . رواہ البزار والطبراني، وفیه عبید اللہ بن أبي حمید وهو متروک. وفي إسناد الطبراني عمران بن تمام وضعفه ابوحاتم بحدیث غیر هذا وبقیة رجاله ثقات . (مجمع الزوائد: ۵/۱۱۹، دارالفکر).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمامہ باندھا کرو، اس سے حلم وبردباری میں اضافہ ہوگا۔

وعن أبی الملیح بن أسامة عن أبیه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: اعتموا تزدادوا حلماً. رواہ الطبراني وفیه عبید اللّٰہ بن أبي حمید وهو متروک. (مجمع الزوائد:

۱۱۹/۵، دارالفکر).

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: عليكم بالعمائم فإنها سيماء الملائكة وأرخو لها خلف ظهوركم . رواه الطبراني وفيه عيسى بن يونس قال الدارقطني: مجهول . (مجمع الزوائد:۵/۱۲۰،دارالفکر).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: تم عمامہ لازم پکڑو اس لیے کہ یہ فرشتوں کی نشانی ہے اوراس کے شملہ کو پیچھے لٹکاؤ۔

عن عبد الأعلىٰ بن عدي أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم دعا علي بن أبي طالب رضي الله عنه يوم غدير خم فعممه وأرخى عذبة العمامة من خلفه ثم قال: هكذا فاعتموا فإن العمائم سيماء الإسلام وهي حاجز بين المسلمين والمشركين. (اخرجه ابونعيم فى معرفة الصحابة:۴/۳۱۳،ط:بيروت، وذكره المقدسى فى ذخيرة الحفاظ:۳/۱۳۳۶).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیرخم کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایااورعمامہ باندھا اوراس کا شملہ پیچھے چھوڑ دیا اورفرمایا کہ اس طرح عمامہ باندھوعمامہ خاص اسلام کی نشانی ہے، یہ مسلمان اورکافروں کے درمیان باعثِ امتیاز ہے۔

عمدۃ القاری میں ہے:

وفي كتاب الجهاد لابن أبي عاصم حدثنا أبوموسى حدثنا عثمان بن عمر عن الزبير ابن جوان عن رجل من الأنصار قال : جاء رجل إلى ابن عمر رضي الله عنه فقال: يا أبا عبد الرحمن العمامة سنة ؟ فقال: نعم . (عمدة القارى :۱۵/۲۲،ملتان).

وفي" الشمائل المحمدية " للباجورى (ص۲۲۷)**: والعمامة سنة لا سيما للصلاة وبقصد التجمل لأخبار كثيرة فيها .** (وكذا فى شرح الشمائل للمناوى ،ص۱۶۵).

وفي فيض القدير: ذكره ابن العربي قال: والعمامة سنة المرسلين وعادة الأنبياء و السادة وقد صح عن المصطفى صلى الله عليه وسلم أنه قال: لايلبس المحرم القميص ولا العمامة فدل على أنها كانت عادة أمر باجتنابها حال الإحرام وشرع كشف الرأس إجلالاً لذى الجلال . (فيض القدير: ۴/ ۵۶۴،دارالكتب العلمية).

خصائل نبوی میں ہے:

عمامہ کا باندھنا سنتِ مستمرہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے۔

(خصائل نبوی، ص ۸۸)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

پگڑی باندھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے... باندھے تو ثواب ہے نہ باندھے تو گناہ نہیں۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۳۵۴)۔

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: عمامہ سنت ہے یا عادتِ نبوی؟ جواب: عمامہ سنت ہے۔ (کفایت المفتی: ۹/۱۵۹، دارالاشاعت)۔

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

بدانکہ پوشیدنِ عمامہ سنت است واحادیث بسیار درفضل آں واردشدہ...(اشعۃ اللمعات: ۳/۵۴۵، ط: کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۲۹۴، جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۸۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سیاہ عمامہ کا ثبوت اوراس کا حکم:

سوال: سیاہ عمامہ مستحب ہے یا مباح، بعض حضرات سیاہ عمامہ پہنتے ہیں اوراس کو جائز یا افضل بتاتے ہیں، کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ پہنا ہے؟ اگر پہنا ہو تو ایک موقعہ پر یا کئی مواقع پر؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بہت ساری روایات میں سیاہ عمامہ مذکور ہے ہاں بعض احادیث میں سفید بھی آیا ہے، لہٰذا سیاہ وسفید دونوں سے مستحب کا عمل پورا ہوجائیگا۔ سیاہ عمامہ سے متعلق چند روایات ملاحظہ ہوں:

عن جابر بن عبد اللّٰه الأنصاري رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دخل مكة وقال قتيبة: دخل يوم فتح مكة وعليه عمامة سوداء بغير إحرام. (رواه مسلم، رقم: ١٣٥٨).

(وأيضاً أخرجه أبوداود: ٢/٢٠٧، والترمذي: ١/٣٠٤، والنسائي: ٢/٢٩٩، وابن ماجه، ص: ٢٠٢، وغيره).

أخرج ابن أبي شيبة عن ابن عمر رضي الله عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم دخل مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء. (مصنف ابن ابی شيبة: ١٢/٥٤٠).

أخرج مسلم عن جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس وعليه عمامة سوداء . (رواه مسلم ، رقم: ١٣٥٩).

وفي رواية له عنه قال: كأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وعليه عمامة سوداء قد أرخى طرفيها بين كتفيه . (رواه مسلم : ١/٤٤٠، وابوداود:٢/٢٠٧،والنسائی: ٢/٢٩٩، وابن ماجه ،ص٢٠٢،والترمذی فی الشمائل ،ص٨).

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں:

عن أبي جعفر الأنصارى قال: رأيت على علي رضي الله عنه عمامة سوداء يوم قتل عثمان. (رقم: ٢٥٤٥١).

وعن أبى العنبس عمر و بن مروان ، عن أبيه قال: رأيت على علي رضي الله عنه عمامة سوداء قد أرخى طرفها من خلفه . (رقم:٢٥٤٥٣).

وعن الحسن قال: كانت عمامة النبي صلى الله عليه وسلم سوداء . (رقم:٢٥٤٥٤).

وعن سلمة بن وردان قال: رأيت على أنس رضي الله عنه عمامة سوداء على غير قلنسوة ، وقد أرخاها من خلفه . (رقم:٢٥٤٥٥).

وعن عاصم بن محمدعن أبيه قال: رأيت ابن الزبير رضي الله عنه اعتم بعمامة سوداء قد أرخاها من خلفه نحواً من ذراع .(رقم:٢٥٤٥٦).

عن عثمان بن أبى هند قال: رأيت على أبي عبيدة رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٥٧).

وعن ملحان بن ثروان قال: رأيت على عمار رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٥٨).

وعن دينار أبوعمر قال: رأيت على الحسن رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٥٩).

وعن أبي صخرة قال: رأيت على عبدالرحمن بن يزيد عصابة سوداء . (رقم:٢٥٤٦١).

وعن سعيد بن جبيرقال: كانت عمامة جبريل يوم غرق فرعون سوداء.(رقم:٢٥٤٦٢).

وعن زياد قال قدم شيخ يقال له: سالم قال: رأيت على أبى الدرداء رضي الله عنه عمامة سوداء. (رقم:٢٥٤٦٤).

وعن حزن الخثعمى قال: رأيت على البراء رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٦٧).

وعن عطاء قال: رأيت على عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٦٨).

وعن حسين بن يونس قال: رأيت على واثلة رضي الله عنه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٧٦٩).

وعن أبي رزين قال: خطبنا الحسن بن علي رضي الله عنه يوم الجمعة وعليه عمامة سوداء . (رقم:٢٥٤٧٠). مزید ملاحظہ ہو: (السنن الكبرى للبيهقي : ٢٤٦/٣).

وعن عبد الله بن بسر رضي الله عنه قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم علي بن أبي طالب رضي الله عنه إلى خيبر فعممه بعمامة سوداء ثم أرسلها من ورائه أوقال على كتفه اليسرى ... رواه الطبراني عن شيخه بكربن سهل الدمياطي قال الذهبي: وهومقارب الحديث وقال النسائي:ضعيف، وبقية رجاله رجال الصحيح إلا أني لم أجد لأبي عبيدة بن سليم من عبد الله بن بسر سماعاً . (مجمع الزوائد: ٢٦٧/٥،باب ماجاء في القسي والرماح والسيوف،دارالفكر).

ذخیرۃ الحفاظ میں ہے:

حديث : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه وكان قد بعثه على جيش فرأى عليه عمامة قدلفها فنقضها، ثم عممه بيده بعمامة سوداء . رواه يزيد بن سنان أبوفروة عن قيس ، عن أبى مرثد، عن عطاء ، عن ابن عمر رضي الله عنه ، وهذا بهذا الإسناد غير محفوظ ، ويزيد متروك الحديث . (ذخيرة الحفاظ : ٧٨٠/٢،ط: دارالسلف).

مرقات میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

ونقل السيوطيؒ لبس العمامة السوداء عن كثير من الصحابة والتابعين منهم : أنس بن مالكؓ وعماربن ياسرؓ ومعاويهؓ وأبوالدرداءؓ والبراءؓ،وعبد الرحمن بن عوفؓ، وواثلةؓ، وسعيد بن المسيبؒ، والحسن البصريؒ، وسعيد بن جبيرؒ، وغيرهم. (مرقاة المفاتيح: ٢٦٨/٣).

خلاصہ یہ ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند مواقع پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے سیاہ عمامہ کا پہننا ثابت ہے لہذا سیاہ عمامہ بہتر اور افضل ہے ہاں سفید بھی افضل ہے، ملاعلی قاریؒ اور امام نوویؒ نے سفید کو بہتر فرمایا ہے۔امام نوویؒ فرماتے ہیں:

قوله وعليه عمامة سوداء، فيه جوازلباس الثياب السود وفى الرواية الأخرى خطب الناس وعليه عمامة سوداء فيه جواز لباس الأسود فى الخطبة وإن كان الأبيض أفضل منه

كما ثبت في الحديث الصحيح خير ثيابكم البياض وأما لباس الخطباء السواد في حال الخطبة فجائز ولكن الأفضل البياض كما ذكرنا وإنما لبس العمامة السوداء في هذا الحديث بياناً للجواز . (شرح صحيح مسلم للامام النووی:۱/ ۴۳۸،وفتح الملهم :۶/ ۲۶۸،دارالقلم دمشق).

مرقات میں ہے:

وفي الجملة جاز لبس السواد في العمامة وغيرها وأن الأفضل البياض نظراً إلى أكثر أحواله عليه الصلاة والسلام فعلاً وأمراً . (مرقاة المفاتيح : ٦/ ٨،ط: امداديه ،ملتان).

علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

سفید یا سیاہ عمامہ پہن سکتے ہیں، البتہ شیعوں کے ساتھ مشابہت ہو تو سیاہ نہ پہنا جائے۔(آپ کے مسائل اوران کاحل:۸/ ۳۵۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (الحاوی للفتاوی:۱/ ۸۷۔۹۰،ط: فاروقی کتب خانہ، ملتان، واحسن الفتاویٰ:۹/ ۲۶۵۔۲۶۷). **واللہ ﷻ اعلم۔**

سفید عمامہ کا ثبوت اوراس کا حکم:

سوال: کیا حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفید عمامہ ثابت ہے یانہیں؟ نیز اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بعض روایات میں آتا ہے کہ سفر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ سفید ہوتا تھا اور گھر پر سیاہ زیب تن فرماتے تھے، نیز عمومی روایات سے بھی سفید لباس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، بنابریں سفید وسیاہ دونوں ہی مستحب اور افضل ہوں گے۔

قال المناوي في فيض القدير: وقد كان المصطفى صلى الله عليه وسلم يلبس ما وجد فلبس الكتان والصوف والقطن وما الهدى إلا هديه وما الأفضل إلا ما سنه ...ولبس عمامة بيضاء تارة وسوداء أخرى ...(فيض القدير: ١/ ٢٤٥).

قال المناوي : ولغيره نقلاً عن عائشةؓ كانت عمامته صلى الله عليه وسلم في السفر بيضاء وفي الحضر سوداء من صوف وقيل عكسه . (فيض القدير: ٥/ ٢٧٢).

لیکن اس روایت کے بارے میں علامہ سیوطی نے " **الشمائل الشريفة** " (ص۳۰۳) میں اورعلامہ مناوی نے " **فيض القدير** "(تحت رقم: ٧٠٢٤) میں " **لا أصل له** "فرمایا ہے۔

قال أبو أسامة في تعليق " المقالة العَذْبَة فی العمامة والعَذَبَة " (ص٦٢) قال السخاوي فی ((فتاويه)) عن هذا الخبر: هذا شيء ما علمناه . كذا فی غذاء الألباب. (٢/٢٤٥).

الطبقات الکبریٰ میں ہے:

عن عائشةؓ قالت: وثب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وثبة شديدة فنظرت فإذا معه رجل واقف على برذون وعليه عمامة بيضاء قد سدل طرفها بين كتفيه و رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم واضع يده على معرفة برذونه فقلت يارسول اللّٰه لقد راعتني وثبتك من هذا ؟ قال: ورأيته ؟ قلت: نعم قال: ومن رأيت ؟ قلت: دحية الكلبی قال: ذاك جبرائيل عليه السلام . (الطبقات الكبرى :٤/ ٢٥٠،ط:دارصادر،بيروت).

أخرج ابن عساكر (٤٢/ ٤٦٠) عن ابن عباس رضي الله عنه قال:عقم النساء أن يأتين بمثل أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه والله ما رأيت ولا سمعت رئيساً يوزن به لرأيته يوم صفين و على رأسه عمامة بيضاء قد أرخى طرفها ...الخ. (كذا فی جامع الاحاديث، رقم: ٣٣٦٦٩).

مصنف ابن ابی شیبه میں ہے:

عن سليمان بن أبي عبد اللّٰه قال: أدركت المهاجرين الأولين يعتمون بعمائم كرابيس سود وبيض وحمر وخضر وصفر يضع أحدهم العمامة على رأسه ويضع القلنسوة فوقها ثم يدير العمامة هكذا، يعني على كوره ، لايخرجها من تحت ذقنه . رواه ابن أبي شيبة (رقم:٢٥٤٨٩) وإسناده حسن .

أخرج الحاكم فی المستدرك وصححه ووافقه الذهبي(٤/٦٥٣،رقم: ٨٦٢٣) : عن عطاء بن أبي رباح قال: كنت مع عبد اللّٰه بن عمر رضي الله عنه فأتاه فتى يسأله عن إسدال العمامة فقال ابن عمر رضي الله عنه: سأخبرك عن ذلك بعلم إن شاء اللّٰه تعالیٰ...إلى قوله: ثم أمر عبد الرحمن بن عوف يتجهز لسرية بعثه عليها، وأصبح عبد الرحمن قد اعتم بعمامة من كرابيس سوداء ، فأدناه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ثم نقضه وعممه بعمامة بيضاء وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلك، وقال: هكذا يا ابن عوف اعتم فإنه أعرب وأحسن ...الخ .

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاہ عمامہ نکالنے کی ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ غالبًا کھدر میں چونکہ کالا رنگ اچھا نہیں لگتا، اس لیے سیاہ کی جگہ سفید عمامہ باندھا۔

یاد رہے سیاہ عمامہ متعدد روایات سے ثابت ہے اس لیے اس روایت کی روشنی میں سیاہ عمامہ کو خلافِ اولیٰ نہیں کہنا چاہئے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن الحسن بن صالح عن أبيه قال: رأيت على الشعبي عمامة بيضاء قد أرخى طرفها ولم يرسله . وفيه : أبوصالح ، وهو ضعيف . (رقم:٢٥٤٧٢).

وعن إسماعيل بن عبد الملك قال: رأيت على سعيد بن جبيرعمامة بيضاء . (رقم: ٢٥٤٧٣).

الطبقات الكبرى میں ہے:

عن خالد بن أبي بكر قال: رأيت على القاسم بن محمد عمامة بيضاء وقد سدل خلفه منها أكثر من شبر . (الطبقات الكبرى :١٩٢/٥،ط:دارصادر،وسيراعلام النبلاء :٦٠/٥).

وفي رواية له عنه قال: رأيت على سالم قلنسوة بيضاء ورأيت عليه عمامة بيضاء يسدل خلفه منها أكثر من شبر . (الطبقات الكبرى:١٩٧/٥،دارصادر).

وفي تاريخ بغداد: وقال عبد الحميد رأيت عكرمة أبيض اللحية عليه عمامة بيضاء طرفها بين كتفيه تحت ذقنه . (تاريخ بغداد:٥٨/١١،دارالكتب العلمية،وتاريخ دمشق :٨١/٤١،وسيراعلام النبلاء :١٥/٥).

وفي سير أعلام النبلاء : عن يعلى بن عبيد : حدثنا أبوبكر المدني، قال: كان جابر ؓ لايبلغ إزاره كعبه ، وعليه عمامة بيضاء ، رأيته قد أرسلها من ورائه . (سيراعلاء النبلاء :١٩٤/٣، مؤسسة الرسالة).

وفي تاريخ الرسل والملوك : قال: فجلس الحسين على المنبر وعليه عمامة بيضاء. (تاريخ الرسل والملوك للطبرى: ٤٩٠/٤).

امام نوویؒ اور ملا علی قاریؒ نے بھی سفید عمامہ کو مستحب قرار دیا ہے۔ عبارات پیچھے گزر چکی ہیں۔

ونقل العینی فی عمدة القاری(۱۷/۷۷): أن الملائكة قد اعتموا بها يوم بدر...فقال: قال ابن اسحاق : حدثني من لا أتهم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كانت سيماء الملائكة يوم بدر عمائم بيض.

ہاں عام لباس میں سفید افضل ہونے کی صحیح روایات کتبِ احادیث میں مسطور ہیں۔ملاحظہ کیجئے:

(المستدرك للحاكم: ٤/٢٢٤-٢٢٥، والترمذی ، وابوداود، والنسائی ، وابن ماجه).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سیاہ رنگ کی پگڑی کا استعمال اگر چہ فی نفسہ ثابت اور جائز ہے ،مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید لباس اور عمامہ زیادہ پسند تھا،اور عام حالات میں سفید رنگ ہی کا لباس اور عمامہ استعمال فرماتے تھے،اس لیے سفید رنگ کا عمامہ افضل ہے۔(احسن الفتاویٰ:۹/۵۲،وص۲۷۲)۔

علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس کو پسند فرماتے تھے،اس لیے سفید عمامہ بھی پسندیدہ ہے،اور سفر کے دوران سیاہ عمامہ بھی استعمال فرمایا۔(آپ کے مسائل اوران کاحل:۸/۳۵۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سبز عمامہ کا ثبوت اوراس کا حکم:

سوال: سبز عمامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یانہیں؟ نیز اگر صحابہ کرام سے ثابت ہو تو وہ بھی تحریر کیجئے ؟ کیونکہ بعض حضرات بہت اہتمام کے ساتھ سبز عمامہ پہنتے ہیں۔بینوا توجروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز عمامہ زیب تن فرمایا ہو ہمیں کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں دستیاب نہیں ہوا،ہاں بعض آثار میں صحابہ کرام سے مختلف الوان کے عمائم ثابت ہیں اس میں سبز بھی مذکور ہے علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رنگ کے کپڑے زیب تن فرمائے ہیں اور جنتیوں کا لباس بھی سبز ہوگا اس اعتبار سے سبز پسندیدہ رنگ ہے،البتہ آج کل یہ بریلویوں کا شعار بن چکا ہے لہذا اس کے علاوہ سیاہ یا سفید عمامہ استعمال کرنا اولیٰ ہے۔

صحابہ کرام کے مختلف رنگ کے عمامے مصنف ابن ابی شیبہ کی درجِ ذیل روایت میں مذکور ہے:

عن سليمان بن أبي عبد اللّٰه قال: أدركت المهاجرين الأولين يعتمون بعمائم

کرابیس سود وبیض وحمر وخضر وصفر يضع أحدهم العمامة على رأسه ويضع القلنسوة فوقها ثم يدير العمامة هكذا، يعني على كوره ، لايخرجها من تحت ذقنه . (رواه ابن ابی شيبة ، رقم : ۲۵٤۸۹). **وإسناده حسن، ورجاله رجال الشيخين ، خلا سليمان بن أبي عبد اللّٰه، قال في ''التقريب'' مقبول من الثالثة .**

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حدیث میں آتا ہے:

ثم تهبط عيسى إلى الأرض وهو متعمم بعمامة خضراء متقلد بسيف راكب على فرسه ...(فيض القدير: ۵۳۷/۳).

وفي كتاب موسوعة الدفاع عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: صفة عمامته قال ابن القيمؒ: لم تكن عمامته صلى اللّٰه عليه وسلم كبيرة تؤذى الرأس حملها ولاصغيرة تقصر عن وقاية الرأس بل كان متوسطاً بين ذلك وخير الأمور أوسطها ، وكان الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم يعتم بعمامة بيضاء وأحياناً خضراء أو غير ذلك . (موسوعة الدفاع ،قدم لها ورتبها على بن نايف الشحود :۲۵۲/۲).

لیکن علامہ ابن قیمؒ کی متداول کتابوں میں یہ حوالہ نہیں ملتا۔ بنابریں یہ حوالہ مشکوک ہے۔

وعن ابن مسعود رضي الله عنه كانت سيماء الملائكة يوم بدر عمائم قد أرخوها بين أكتافهم خضراً وصفراً وحمراً . (سبل الهدى والرشاد: ٤٤/٤).

وفي آداب الشريعة : وقال ابن عبدالبر: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يحب من الألوان الخضرة ويكره الحمرة ويقول:هي زينة للشيطان. وقال مالك الاشتر لعلي بن أبي طالب: أى الألوان أحسن؟ قال: الخضرة لأنها ثياب أهل الجنة . (آداب الشريعة : ۳٤۵/۲).

وعن أبي رمثة رفاعة: قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليه ثوبان أخضران . رواه أبوداود ، والترمذى بإسناد صحيح . (رياض الصالحين ،۲۷٤).

وأخرج البزار والطبراني والبيهقى عن أنس رضي الله عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يحب أو قال:كان أحب الألوان إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الخضرة .

(اخرج البيقهى فى شعب الايمان ، رقم ٦۳۲۸، والطبرانى فى الاوسط ، رقم : ۸۰۲۷، والبزار، رقم: ۷۲۳٤).

قال ابن بطالؒ في شرح ” الجامع الصحيح “ ما نصه: الثياب الخضر من لباس أهل الجنة قال تعالىٰ: ويلبسون ثياباً خضراً من سندس وإستبرق . (شرح صحيح البخارى : ۹/ ۱۰۲).

وأخرج الإمام أحمد في مسنده (رقم:۱۵۷۸۳) بسنده عن كعب بن مالك رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يبعث الناس يوم القيمة فأكون أنا وأمتي على تلٍّ ويكسوني ربي تبارك وتعالىٰ حلة خضراء ثم يؤذن لي فأقول ما شاء اللّٰه أن أقول فذاك المقام المحمود. قال الشيخ شعيب: إسناده صحيح على شرط مسلم رجاله ثقات رجال الشيخين غير يزيد بن عبد ربه وهو الزبيدى الحمصى فمن رجال مسلم .

”شآبيب الغمامه فى تحقيق مسئلة العمامه“ میں مذکور ہے:

وما وقفت على حديث صحيح أوضعيف يدل على أنه صلى اللّٰه عليه وسلم لبس العمامة الخضراء .قال الكتاني في ما نصه: ووقع السوال كثيراً عن العمامة الخضراء ، هل لبسها صلى اللّٰه عليه وسلم أم لا؟

والجواب أنه ذكر الشهاب يعنى الخفاجى في شرح الشفاء ما يفيد أنه لم يلبسها .

قال الإمام السيوطيؒ فى ” الحاوى للفتاوى“ عند ما يبحث عن أولاد زينب بنت فاطمة بنت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مانصه: هل يلبسون يعنى الأشراف من أهل البيت ، العلامة الخضراء ؟ والجواب أن هذه العلامة ليس لها أصل فى الشرع، ولا فى السنة ولا كانت فى الزمن القديم ، إنما حدثت في سنه ثلاث وسبعين وسبعمائة بأمر الملك الأشرف يعنى بن حسين ، وقال في ذلک جماعة من الشعراء ما يطول ذكره ، من ذلک قول أبي عبد اللّٰه بن جابر الأندلسى الأعمى صاحب شرح الألفية المشهور بالأعمى والبصير :

جعلوا لابناء الرسول علامة ☆ ان العلامة شأن من لم يشهر

نور النبوة فى وسيم وجوههم ☆ يغنى الشريف عن الطراز الاخضر

وللشيخ العلامة أبى الفيض المردسى الفاسى في ذلک :

نور النبوة في مرآة و جههم ☆ يغنى عن العمة الخضراء والعلم

فقل لمن يطلب التباسه بهم ☆ الورد يمتاز بالسيماء من السلم

وذكر الشيخ ابن حجر الهيتمي في" الفتاوى الحديثية " وأما العلامة الخضراء فلا أصل لها، وإنما حدثت سنة ثلاث وسبعين وسبعمائة بأمر الملك شعبان بن حسين .

قلت: وثبت مما أسلفنا من الأقوال أنه صلى الله عليه وسلم لم يلبس العمامة الخضراء ؛ فهل لبس أحد من الصحابة أم لا ؟

وما وقفت في ذلك على دليل إلا بهذا الأثر: أخرج ابن أبي شيبة في المصنف ... الخ . قد سبق ذكره .

...قال الإمام السيوطيؒ: وحظ الفقيه في ذلك إذا سئل أن يقول :

هذه العلامة بدعة مباحة ، ولا يمنع منها من أرادها من شريف وغيره ، ولا يؤمر بها من تركها من شريف وغيره، والمنع منها لأحد من الناس كائناً من كان ليس أمراً شرعياً لأن الناس مضبوطون بأنسابهم الثابتة وليس لبس العلامة مما ورد به شرع فيتبع إباحة ومنعاً .

قلت: ولا شك أن لبس العمامة الخضراء بدون أن تفضل على غيرها من الألوان جائز، ثابت لبسها بعض من الصحابة والتابعين في بعض الأحيان ،كما سبق آنفاً من أثر ابن أبي شيبة ، نعم لو اتخذت شعاراً وخصيصة لقوم لايجيزون غيرها وينكرون على ما سواها كما يفعل بعض أهل البلاد في زماننا هذا فليس بجائز بل هي بدعة مخترعة ومنكرة .

(شآبيب الغمامة فى تحقيق العمامة ، ص٥٦-٥٩، فصل فى ذكر اللون الاخضر، للشيخ ابى عبد الله عبد البصيرالخراسانى).

شمائل کبریٰ میں ہے: ذخیرۂ حدیث میں عمامہ تین رنگ کا ملتا ہے، سیاہ، سفید، زرد، سبز عمامہ کی روایت نہیں ملی۔ (شمائل کبریٰ:۱/۱۸۰). واللہ ﷻ اعلم۔

زرد رنگ کے عمامہ کا ثبوت اور اس کا حکم:

سوال: کیا پیلے رنگ کا عمامہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور شرعاً اس کے پہننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام اور فرشتوں سے زرد اور ہلکا زعفرانی رنگ کا

عمامہ پہننا ثابت ہے۔اورشرعاً بھی اس کے استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ہاں مزعفراور معصفر رنگ جو گہرا زرد اورخوشبودار ہواس کا استعمال مردوں کے لیے ممنوع ہے۔

(۱) أخرج الحارث في مسنده (رقم: ٥٦٦) **بسنده عن عمران بن بشير الحضرمی قال: رأيت عبد اللّٰه بن بسر المزني صاحب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليه عمامة صفراء أورداء أصفر . وإسناده ليس به بأس .**

(۲) أخرج الطبراني فی الكبير (رقم: ٥١٨) **بسنده عن أبی المليح عن أبيه قال: نزلت الملائكة يوم بدر عليها العمائم وكانت على الزبير رضی اللہ عنہ يومئذٍ عمامة صفراء .**
إسناده ضعيف ، فيه : الصلت بن دينار وهو متروك ، ويوسف بن خالد كذاب .

وفي رواية للحاكم فی المستدرك (٥٥٥٤) **عن هشام بن عروة عن عباد بن عبد اللّٰه بن الزبيرقال: كانت على الزبير بن العوام رضی اللہ عنہ يوم بدر عمامة صفراء معتجربها فنزلت الملائكة عليهم عمائم صفر.**

وفي رواية لأبي نعيم الأصبهانی التي رواها في فضائل الخلفاء الراشدين (رقم: ١١٣) **بسنده عن عباد بن عبد اللّٰه بن الزبير، أنه بلغه أن الملائكة ، نزلت يوم بدر وهم طير بيض عليهم عمائم صفر، وكان على رأس الزبير يومئذٍ عمامة صفراء بين الناس فقال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: نزلت الملائكة على سيما أبي عبد اللّٰه، وجاء النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وعليه عمامة صفراء .** (وكذا في شرح مذهب أهل السنة لابن شاهين : ١٦٢/٢٥٣/١).

قلت: إسناده مرسل ضعيف، فيه عامر بن صالح متروك . وعلى بن صالح مستور. واختلف نقاد الحديث في قبول رواية المستور، وانظر للتفصيل: (شرح شرح النخبة ، ص٥١٨،ودراسات فی اصول الحديث ،ص١٨٥).

وأخرج ابن عساكر في تاريخه (٣٨١٤) **عن أبي هريرة قال: خرج علينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعليه قميص أصفر و رداء أصفر وعليه عمامة صفراء. وفيه سليمان بن أرقم وهو متروك .**

وأخرج الحافظ الضياء المقدسي فی" الأحاديث المختارة " (١٢٧) **عن إسماعيل بن**

عبد اللّٰہ بن جعفرعن أبیه رضی اللہ عنہ قال: رأیت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰه علیه وسلم ثوبین مصبوغین بزعفران رداء وعمامة. وأیضاً أخرجه الحاکم فی المستدرک (٦٤١٥) وأبونعیم في معرفة الصحابة (٣٥٨٦) وابن عساکر فی التاریخ (٢٠٢/٤،ط:بیروت) وقال الهیثمي فی المجمع: رواه الطبراني فی الأوسط والصغیر وأبویعلی بنحوه وفیه عبد اللّٰه بن مصعب وهو ضعیف. (مجمع الزوائد:،باب ماجاء فی الخلوق).

وفی الطبقات الکبری لابن سعد: عن یحیی بن عبد اللّٰه بن مالک قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰه علیه وسلم یصبغ ثیابه بالزعفران قمیصه وردائه وعمامته. وفي روایة له عن زید بن أسلم قال: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصبغ ثیابه کلها بالزعفران حتی العمامة. (الطبقات الکبری: ٤٥٢/١،دارصادر).

وکذا رواه ابن أبي شیبة (٢٥٢٤٣) قال الشیخ محمد عوامة: إسناد المصنف حسن لکنه معضل. قلت: فیه: هشام بن سعد المدني قال ابن حجرفی التقریب: صدوق له أوهام ورمي بالتشیع، وقال بشار عواد: بل ضعیف یعتبربه فی المتابعات والشواهد، فقد ضعفه یحیی بن سعید القطان وأحمد بن حنبل وابن معین والنسائی وابن سعد ...قال العجلی: جائز الحدیث، حسن الحدیث. (تحریرتقریب التهذیب:٣٩/٤).

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ بعض روایات میں زرداورزعفرانی رنگ کے کپڑے پہننے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ملاحظہ ہو:

أخرج النسائي (٥١٨١) بسنده عن علي رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن المعصفر والثیاب القسیة وعن أن یقرأ وهو راکع. وأیضاً أخرجه الإمام أبوعوانة فی مسنده (١٨٢٨)،والإمام أحمد في مسنده (١٠٩٨). وقال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده حسن.

وأخرج الإمام أحمد في مسنده (١٢٩٤٢) بسنده عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰه علیه وسلم الرجال عن المزعفر. قال الشیخ شعیب: إسناده صحیح علی شرط الشیخین.

نیز فقہاء نے بھی مکروہ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال في البحر الرائق: وفي المنتقى عن الإمام يكره للرجال أن يلبسوا الثوب المصبوغ بالعصفر أو الورس أو الزعفران. (البحر الرائق: ۱۹۰/۸، ط: کوئٹه، والفتاوى الهندية: ۳۳۲/۵، وفتاوى الشامي: ۳۵۸/٦، سعيد).

لیکن فقہاء نے اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس کی خوشبو زائل ہو جائے تو ٹھیک ہے، ہاں خوشبودار زعفرانی پیلا ہو تو مکروہ ہے۔ چنانچہ علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں:

قوله (المزعفر الأحمر والأصفر) يعني أن المزعفر بقسميه مكروه وأما الأصفر من غير المزعفر فلا كراهة فيه ولا بأس بسائر الألوان... (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱۸۰/٤، ط: كوئته).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاوى الشامي: ۳۵۸/٦، ط: سعيد، وتقريرات الرافعي: ۳۰/٦).

امداد الاحکام میں ہے:

سرخ رنگ صرف معصفر مردوں کو حرام ہے یعنی کسم کا رنگ ہوا اور زرد صرف مزعفر حرام ہے جو زعفران سے رنگا گیا ہو اس کے سوا زرد سب بلا کراہت جائز ہے۔ (امداد الاحکام: ۳۵۹/۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ عمامہ سیاہ اور سفید افضل اور بہتر ہے ہاں زرد رنگ کا عمامہ بھی ثابت ہے اس وجہ سے زرد رنگ کا عمامہ پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عربی مربع رومال لپیٹنے سے سنتِ عمامہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مربع عربی رومال سر پر لپیٹ لیا تو یہ سنت عمامہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ اور شرعاً عمامہ کی کوئی حد ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی نے مربع عربی رومال سر پر باندھ لیا تو امید ہے کہ عمامہ باندھنے کا ثواب مل جائے گا، لیکن عرف میں جس کو عمامہ کہتے ہیں وہ رومال نہیں ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ عرفی عمامہ باندھنے کا معمول بنایا جائے، ہاں کبھی کبھی رومال باندھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

عمامہ کی تعریف ملاحظہ ہو:

ما تلف علی الرأس تکویراً. (شآبیب الغمامة فی تحقیق مسئلة العمامة ،ص٥،و کذا فی المعجم الوسیط ، ص٦٢٩، والمنجد فی اللغة ،ص٥٢٨).

و للمزید راجع : (معجم لغة الفقهاء ،ص ٣٢١، والتعریفات الفقهیة ،ص٣٨٩،والشمائل المحمدیة، ص٢٢٧، وارشادالساری،ص٤٢٧).

علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سر پر عمامہ نہ ہونے کی صورت میں کوئی رومال یا کپڑا بھی لپیٹ لیتے تھے۔ چنانچہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں رقمطراز ہیں:

وربما لم تکن العمامة فیشد العصابة علی رأسه وعلی جبهته ، أخرجه من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ صعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم المنبر وقد عصب رأسه بعصابة دسماء الحدیث. (احیاء علوم الدین:٢/٣٧٥، والحاوی للفتاوی: ١/٨٣).

شمائل کبریٰ میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے علاوہ (عمامہ نہ ہونے پر) کپڑے کے ٹکڑے (مانند رومال وغیرہ) بھی لپیٹ لیتے تھے۔(عمدۃ:۱/۳۰۹)۔ صاحب سیرت الشامی نے بیان کیا ہے کہ اگر عمامہ نہ ہوتا تھا تو آپ کپڑے کے ٹکڑے کو سر اور پیشانی پر باندھ لیتے تھے۔(سبل الہدیٰ:۷/۴۳۰)۔ اس سے معلوم ہوا کہ رومال کو بھی سر پر باندھ لینا کندھے پر ڈال لینے سے بہتر ہے کہ مثل عمامہ کے باندھے۔(شمائل کبریٰ:۱/۱۸۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ محققین کے نزدیک عمامہ کی کوئی خاص مقدار حدیث سے ثابت نہیں ہے اس بنا پر لوگ جس کو عمامہ سمجھتے ہو اس سے عمامہ کا ثواب مل جائے گا۔ ہاں سنتِ عمامہ ادا نہ ہوگی۔

حضرت فقیہ الامت تحریر فرماتے ہیں:

اور ٹوپی پر رومال وغیرہ باندھنے سے عمامہ کی فضیلت حاصل نہ ہوگی جب تک سنت کے موافق عمامہ نہ ہو، اس کی مقدار سات ہاتھ ہے اور بعض اوقات بارہ ہاتھ عمامہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

کان له صلی اللّٰہ علیه وسلم عمامة طویلة ، وأن القصیرة کانت سبعة أذرع والطویلة کانت اثنی عشرة ذراعاً ، انتهی، وظاهر کلام المدخل أن عمامته کانت سبعة أذرع مطلقاً من غیر قید بالقصیر والطویل، واللّٰہ أعلم. (جمع الوسائل شرح شمائل: ١/٢٠٧، وکذا فی عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة ،باب مایفسدالصلاة ، ومایکره فیها:١/١٦٩،سعید). (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۵، جامعہ فاروقیہ)۔

تنبیہ: عمامہ کی مقداروالی روایت سے محدثین نے لاعلمی ظاہرفرمائی ہے لہذا محققین کے نزدیک عمامہ کی مقدارکسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

حضرت مولانامفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبندمیں اس کے خلاف تحریرفرمایاہے:

تولیہ اوررومال ٹوپی پرباندھنامکروہ نہیں ہے،یعنی عمامہ کے طورپرباندھنااورنمازاس سے مکروہ نہ ہوگی، بلکہ اطلاق عمامہ کااس پرآوے گااورباندھنے والامستحق ثواب ہوگا۔

یہ اعتجارمکروہ نہیں ہے،عصابہ بمعنی عمامہ بھی آتاہے اورپٹی جوسرپرباندھی جاوے اس کوبھی عصابہ کہتے ہیں۔ **العصابة تأتي بمعنى العمامة كما فى القاموس وشرح شمائل للقاریؒ۔**

عمامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت منقول ہے کہ آپ کے پاس دوعمامے تھے ایک سات ذراع کا اورایک بارہ ذراع کا،لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں کوئی تحدیدشرعاًنہیں ہے۔بقدرِضرورت ہوکافی ہے۔

جمع الوسائل شرح الشمائل لعلی القاری میں ہے: **وقال الشيخ الجزري فى تصحيح المصابيح قد تتبعت الكتب وتطلبت من السير والتواريخ لأقف على قدر عمامة النبي صلى الله صلى الله عليه وسلم فلم أقف حتى أخبرني من أثق به أنه وقف على شيء من كلام النوویؒ ذكر فيه أنه كان له صلى الله عليه وسلم عمامة قصيرة وعمامة طويلة وأن القصيرة كانت سبعة أذرع مطلقاً من غير تقييد بالقصير والطويل، الخ.** فقط۔(عزیزالفتاویٰ،حصہ اول دوم،ص۹۳،امدادیہ، دیوبند)۔

لیکن پہلے یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی حدیث میں عمامہ کی مقدارواردنہیں ہوئی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عمامہ کی مقدارکاحکم:

سوال: احادیث کی روشنی میں عمامہ کی مقدارکیاہے؟ کیاشرعاًعمامہ کی کوئی حدہے یانہیں؟

الجواب: شرعاًعمامہ کی کوئی معین مقدارواردنہیں ہوئی ہے ہاں جومقدارشراحِ حدیث اورفقہاء لکھتے ہیں وہ امام نوویؒ کے کلام سے ماخوذہے،البتہ بعض حضرات نے عمامہ کی مقدارمیں ایک حدیث نقل کی ہے لیکن محدثین نے فرمایاکہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ملاحظہ ہوغذاءالالباب میں ہے:

وقال الحافظ السخاوي في فتاويه: رأيت من نسب لعائشةؓ أن عمامة رسول الله

صلى الله عليه وسلم كانت فى السفر بيضاء ، وفى الحضر سوداء وكل منهما سبعة أذرع، وقال: هذا شيء ما علمناه. وقال ابن الحاج فى كتابه المدخل وردت السنة بالرداء والعمامة والعذبة ...والعمامة سبعة أذرع أو نحوها ...على ما نقله الطبرى فى كتابه. (غذاء الالباب شرح منظومة الآداب :۲/۲٤٥،بيروت).

فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

ففى الحديث: أن عمامته صلى الله عليه وسلم كانت في صلاته سبعة أذرع. (فيض البارى: ۲/۸، باب وجوب الصلاة فى الثياب،وكذا فى عرف الشذى على الترمذى:۱/۳۰٤).

قال الملا على القارى فى المرقاة : وقد قال الجزرى فى تصحيح المصابيح: قد تتبعت الكتب وتطلبت من السير والتواريخ لأقف على قدرعمامة النبي صلى الله عليه وسلم فلم أقف على شيء حتى أخبرني من أثق به أنه وقف على شيء من كلام النووىؒ ... (مرقاة المفاتيح:۸/۲٥۰،ملتان).

وقال الإمام السيوطيؒ: وأما مقدارالعمامة الشريفة فلم يثبت فى حديث. (الحاوى للفتاوى:۱/۸٤،فاروقى كتب خانه).

قال ابن حجرالهيتمى المكى: أما طول عمامة النبي صلى الله عليه وسلم وعرضها فلم يثبت فيها شيء . (الفتاوى الحديثية:۳).

وقال فى تحفة الأحوذي: لا بد لمن يدعى أن مقدارعمامته صلى الله عليه وسلم كان كذا وكذا من الذراع أن يثبته بدليل صحيح وأما الادعاء المحض فليس بشيء . (تحفة الاحوذى: ٥/٤١٤).

وقال الإمام السخاوىؒ: وما ورد من أن طولها سبعة أذرع في عرض ذراع ، لا أصل له. (الفجرالساطع : ۸/۱۰۲).

وقال الشيخ المناوى : لم يتحرركما قال بعض الحفاظ في طول عمامته صلى الله عليه وسلم وعرضها شيء ، وما وقع للطبرى أنها سبعة أذرع، ولغيره نقلاً عن عائشةؓ ...فلا أصل له . (فيض القدير: ٥/۲۱۳).

وقال الملا علی القاری فی " المقالة العَذْبَة فی العمامة والعَذَبَة، بعد أن أورد نقولاً : فقد علم أنه لم يرد في طولها وعرضها شيء يعتمد عليه ، فليقتصر الإنسان على ما يليق به، باعتبار عادة غالب أمثاله في محل الساكن فيه من البلاد. (المقالة العَذْبَة فی العمامة والعَذَبَة ص: ٦٤).

وللمزيد راجع : (شآبيب الغمامة فی تحقيق مسئلة العمامة ،ص٣٩، وسبل الهدى والرشاد فی سيرة خيرالعباد :٢٧٦/٧،ط: بيروت،والمقالة العذبة فی العمامة والعذبة،ص٣٦-٦٥،ط:بيروت).

حضرت شیخؒ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے، طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آئی ہے، بیجوریؒ نے ابن حجرؒ سے اس حدیث کا بے اصل ہونا ذکر کیا ہے، علامہ جزریؒ کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی۔ (خصائل نبوی، ص۸۸، دارالاشاعت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عمامہ کے شملہ کا حکم:

سوال: عمامہ کا شملہ پیچھے کی طرف ہونا چاہئے یا دائیں جانب بھی رکھنا درست ہے؟ اور ایک شملہ ہونا چاہئے یا دو؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عمامہ باندھنے کا افضل اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ عمامہ کے دونوں جانب کے سروں کو پیچھے کی جانب لٹکایا جائے، معتبر روایات میں یہی طریقہ منقول ہے اور اس کے علاوہ ایک شملہ لٹکانا بھی جائز ہے بلکہ علماء نے بغیر شملہ کے عمامہ کو بھی درست بتلایا ہے۔ نیز دائیں جانب لٹکانا بھی درست ہے۔

إرخاء العذبة بين الكتفين .

عن عمرو بن حريث رضی اللہ عنہ قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم على المنبر وعليه عمامة سوداء، قد أرخى طرفيها بين كتفيه. (اخرجه مسلم ، رقم :١٣٥٩، وابوداود، رقم: ٤٠٧٩، وابن ماجه ، رقم : ٢٨٢١، وابن ابی شيبة ، رقم: ٢٥٤٨١، والنسائی ، رقم: ٥٣٤٦).

قال الإمام النوويؒ: هكذا هو في جميع نسخ بلادنا وغيرها طرفيها بالتثنية وكذا هو فی الجمع بين الصحيحين للحميدی، وذكر القاضی عياض أن الصواب المعروف طرفها بالإفراد وأن بعضهم رواه طرفيها بالتثنية ، والله أعلم .

قلت: بل الصواب أن غالبهم رواها كذلك ؛ فقد روى هذا الحديث عن مساور: أبوأسامة ووكيع عن مساور . وعامة من رواها عن أبي أسامة ثناها، ولم يفردها ــ في حدود بحثي ــ سوى محمد بن أبان البلخي؛ عند: النسائي (رقم:٥٣٤٦).

ولا مانع من تصحيح اللفظين ، وإن كان الأول أصح ؛ إذ الآثار ناطقة بالتعبيرين كليهما. والله أعلم. (التعليقات لابى اسامة الجزائرى على المقالة العذبة للشيخ الملاعلى القارى ، ص٧٤،ط:لبنان).

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا اعتم سدل عمامته بين كتفيه قال نافع: وكان ابن عمر رضي الله عنه يسدل عمامته بين كتفيه، قال عبيد الله: ورأيت القاسم وسالماً يفعلان ذلك . (رواه الترمذى :١/٣٠٤،ط: فيصل).

و ورد من عدة طرق أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما عمم عبد الرحمن بن عوف أرسل العذبة من خلفه .

وعن أبي عبد السلام قال: قلت لابن عمر رضي الله عنه : كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعتم ؟ قال: كان يدير كور العمامة على رأسه ، ويغرزها من ورائه ويرسلها بين كتفيه .

(رواه الطبرانى فى الكبير ، و **أبوعبد السلام قال ابن حبان : هوشيخ يروى عن ابن عمر مالايشبه حديث الاثبات ، لايجوز الاحتجاج به**).

وعن أبي موسى رضي الله عنه أن جبريل عليه السلام نزل على النبي صلى الله عليه وسلم، وعمامته سوداء قد أرخى ذوابتيه من ورائه. رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه عبد الله بن عامر وهو ضعيف . (المقالة العذبة).

وعن السائب بن يزيد قال: رأيت عمربن الخطاب رضي الله عنه قد أرخى عمامته من خلفه . إسناده ضعيف . (المقالة العذبة). **وللمزيد راجع:** (مصنف ابن ابى شيبة : ٨/٢٣٥).

(٢) إرسالها من بين يديه ومن خلفه :

عن عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه قال: عممني رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسدلها بين يدي ومن خلفى .

ضعيف . رواه أبوداود (٤٠٧٩)، وأبـويعلى (٨٥٠)، وابن عدى (١٧٢/٥)، والبيهـقى فى الشعب (٦٢٥٣) مـن طـريق: عثمان بن عثمان الغطفاني: ثنا سليمان بن خربوذ: حدثنى شيخ من أهل المدينة قال: سمعت عبد الرحمن بن عوف؛ فذكره .

قـلـت: من بين عثمان وعبد الرحمن مجهولان . وقد ضعف هذا الخبر غير واحد من الـنقاد . تنبيه : وقع عند أبي يعلى، وابن عدى: الزبير بن خربوذ ، وهو وهم جزم به المزى في تهذيب الكمال. (١١/ ٤٠٠). (التعليقات على المقالة العذبة، ص٧٤).

وروى الطبراني بسند ضعيف عن ثوبان رضي الله عنه أن رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا اعتـم أرخـى عـمـامته بين يديه ومن خلفه. قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الأوسط وفيه الحجاج بن رشدين وهو ضعيف . (مجمع الزوائد: ١٢٠/٥،دارالفكر).

وروى أبـومـوسـى المدنى بسند ضعيف عن الحسن بن صالح ، قال أخبرني من رأى عمامة علي بن أبي طالب رضي الله عنه، قد أرخاها من بين يديه ومن خلفه . (سبل الهدى : ٢٧٨/٧،وكذا فى مصنف عبدالرزاق:١٧٨/٥/٢٤٩٥٩).

وروى أبـوموسى المدنى عن محمد بن قيس قال: رأيت ابن عمر رضي الله عنه يعتم بعمامة قد أرسلها بين يديه ومن خلفه فلا يدرى أيهما أطول . (سبل الهدى : ٢٧٨/٧).

إرخائها من الجانب الأيمن:

روى الـطبـرانى فى الكبير بسند ضعيف عن أبي أمامة رضي الله عنه قـال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰـه عليه وسلم لا يولي والياً حتى يعممه بعمامة، ويرخى لها عذبة من الجانب الأيمن نحو الأذن . قال الهيثمي: فيه جميع بن ثوب، وهو متروك . (مجمع الزوائد: ١٢٠/٥).

قـال في شآبيب الغمامة: هذه الأحاديث تدل على سنية إرخاء طرف العمامة فالإتيان بـكـل واحد من تلك الأمور سنة ولا تعارض بين الروايات، لأن السنة تحصل بالكل، لكن الأفضل كونه بين الكتفين لما مر من حديث عمرو بن حريث عن أبيه رضي الله عنه .(ص٢٧).

وقـال فـى سبل الهدى: إرسالها خلف ظهره بين كتفيه، وهو الأكثر الأشهر الصحيح ... وقولهم : بين كتفيه : المراد به إرسالها من خلف لا من قدام . (٢٧٩/٧).

وفی الشامي: أن المستحب إرسال ذنب العمامة بين الكتفين . (فتاوی الشامی: ۶/۷۵۵،سعید، والبحرالرائق: ۸/۴۸۷،وتبیین الحقائق : ۶/۲۲۹،والفتاوی الهندیة: ۵/۳۳۰،والمحیط البرهانی : ۵/۱۸۶، وداراحیاء التراث).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (شآبیب الغمامة فی تحقیق مسئلة العمامة،وسبل الهدی والرشاد ، جلد۷ ، والمقالة العذبة،وشمائل کبریٰ: ۱/۱۷۷،والموسوعة الفقهیة الکویتیة: ۲۱/۱۶۹، کیفیة ارخاء الذؤابة ، وخصائل نبوی، ص ۹۰، ط:دارالاشاعت).

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

وعذبہ آں حضرت اغلب پس پشت بودے واحیاناً برجانبِ راست وگاہے دوعذبہ بودے میانِ دوکتف... وصواب آنست کہ ارسالِ عذبہ مستحب است وازسنن زوائدست مقابل سنن ہدیٰ وورترکِ آں اثمے واساءتے نیست اگرچہ درفعل آں ثوابے وفضیلتے باشدوقول بہ بودنِ اوسنتِ مؤکدہ خلافِ تحقیق ست ودرکنز گفتہ: وندب لبس السواد وإرسال ذنب العمامة بين كتفيه وهكذا في غيره من كتب الحنفية، والله أعلم. (اشعۃ اللمعات: ۳/۵۴۵، ط: کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بغیر شملہ کے عمامہ کا حکم:

سوال: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغیر شملہ کے عمامہ پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی حوالہ ذکر کریں۔

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول دونوں طرح کا تھا ہاں اکثر وبیشتر اوقات شملہ لٹکانے کا تھا لیکن کبھی کبھی بلاشملہ کے عمامہ پہننا بھی ثابت ہے،لہذا دونوں طرح درست ہے،البتہ شملہ لٹکانا سنت وافضل اور بہتر ہے۔

قال الشيخ الملا علی القاریؒ فی المقالة العذبة: عن ثوبان رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمم عبد الرحمن بن عوف، فأرسل من خلفه أربع أصابع ونحوها، ثم قال: فاعتم ؛ فإنه أعرب وأحسن ، رواه الطبراني فی الأوسط وإسناده حسن (بل ضعیف ، فیه الحجاج بن راشد، وهوضعیف). **وفيه إشعار بأن العمامة مع العذبة أحسن ، فيدل على حسن العمامة**

بـدون العذبة ؛ فيكون فيه رد على من قال بالكراهة . (المقالة العذبة ،ص ،وكذا فى جمع الوسائل فى شرح الشمائل :۱/۱٦۸،ومرقاة المفاتيح).

وأخرجه الحاكم فى المستدرك (رقم: ۸٦۲۳) **بسنده عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ، **وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، ووافقه الذهبى .**

قال ابن القيم في زاد المعاد: وفي حديث جابر رضی اللہ عنہ **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل مكة ، وعليه عمامة سوداء ، ولم يذكر في حديثه الذؤابة ، فدل على أن العذبة لم يكن يرخيها دائماً بين كتفيه .** (زادالمعاد:۱/،فصل فى ملابسه صلى الله عليه وسلم).

قال الإمام النوویؒ **: يجوز لبس العمامة بإرسال طرفها وبغير إرساله ، ولا كراهة فى واحد منهما، ولم يصح فى النهى عن ترك إرسالها شيء . وقد استدل على جواز ترك العذبة ابن القيم فى الهدى بحديث جابر** رضی اللہ عنہ **عند مسلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل مكة وعليه عمامة سوداء بدون ذكر الذؤابة ، قال فدل على أن الذؤابة لم يكن يرخيها دائماً بين كتفيه .** (الموسوعة الفقهية الكويتية:۲۱/۱٦۹).

حاشیہ شمائل ترمذی میں ہے:

أن النبي صلى الله عليه وسلم سدل عمامته في معظم الأوقات وتركه أحياناً . (حاشية شمائل الترمذى ،ص۸،وكذا حاشية جامع الترمذى :۱/۳۰٤).

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

وبدانکہ گذاشتنِ عذبہ مرعمامہ راافضل ست ولیکن دائمی نیست وآں حضرت گاہے عمامہ راعذبہ فروگذاشتے وگاہے بے عذبہ پوشیدے وگاہے تحت الحنق برزدے وگاہے می خلانیدے یکطرف دستاررا دردستارومی گذاشت طرف دیگررا۔(اشعۃ اللمعات:۳/۵۴۵،ط:کتب خانہ مجیدیہ،ملتان،وخصائل نبوی،ص۹۰)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مدارس میں دستار بندی کی شرعی حیثیت:

سوال: مدارس میں دستار بندی کے جلسہ کا رواج ہے، کہ درس نظامی سے فراغت پر عمامہ پہنایا جاتا ہے، کیا شریعتِ مطہرہ میں اس کی کوئی نظیر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کوئی عہدہ سپرد فرما کر روانہ فرماتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھتے تھے، اس کو دستار بندی کہتے ہیں جو آج کل ہمارے مدارسِ عربیہ میں رائج ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آپ نے عمامہ باندھ کر روانہ فرمایا۔

ملاحظہ ہو:

عن عطاء بن أبي رباح قال: كنت مع ابن عمر رضي الله عنه،فأتاه فتى يسأله عن إسدال العمامة، فقال ابن عمر رضي الله عنه: سأخبرک ذلک بعلم إن شاء الله تعالىٰ، قال:كنت عاشرعشرة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم أبوبكر وعمر وعثمان وعلى وابن مسعود ومعاذ وحذيفة وعبد الرحمن بن عوف وأبوسعيد الخدري فجاء فتى من الأنصارفسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جلس...ثم أمر عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه يتجهز لسرية بعثه عليها، وأصبح عبد الرحمن قد اعتم بعمامة من كرابيس سوداء، فأدناه النبي صلى الله عليه وسلم ثم نقضه وعممه بعمامة بيضاء وأرسل من خلفه أربع أصابع أو نحو ذلک، وقال هكذا يابن عوف اعتم فإنه أعرب وأحسن ... (أخرجه الحاكم فى المستدرك :٤/٦٥٣/٨٦٢٣، وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، ووافقه الذهبى، ورواه الطبرانى فى الاوسط :٥/٦٢/٤٦٧١، وقال الهيثمي: إسناده حسن ، مجمع الزوائد:٥/١٢٠، والبيهقي في شعب الإيمان: ٥/١٧٤/٦٢٥٤، وفي إسناده : عثمان بن عطاء الخراساني وهوضعيف، والبزار:٢/٢٦٧/٦١٧٥، ورجاله ثقات، وابن عساكرفى تاريخه :٣٥/٢٦١، وابونعيم فى معرفة الصحابة ، رقم: ٤٨٢).

سیاہ عمامہ نکال کر سفید عمامہ پہنانے کی وضاحت:

اس حدیث میں دو باتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجتے وقت عمامہ پہنایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ غالباً کھدر میں چونکہ کالا رنگ اچھا نہیں لگتا، اس لیے سیاہ کی جگہ سفید عمامہ باندھا۔ یاد رہے سیاہ عمامہ متعدد روایات سے ثابت ہے اس لیے اس روایت کی روشنی میں سیاہ عمامہ کو خلافِ اولیٰ نہیں کہنا چاہیئے۔

قال ابن حجرؒ فى الإصابة : عبد الله بن بشر الحمصي ذكره البغوى في معجم الصحابة وأورد له من طريق يحيى بن حمزة عن أبي عبيدة الحمصي قال: بعث رسول الله

صلى الله عليه وسلم علي بن أبي طالب رضي الله عنه على بعث فعممه بعمامة سوداء ثم أرسلها من ورائه أوقال: على كتفه . (الاصابة: ٤/٢٥).

رواه الطبراني فى الكبير، والضياء فى المختارة، وإسناده ضعيف. انظر: (حاشية المقالة العذبة ، ص٧٧، ومجمع الزوائد:٥/٢٦٧).

وقال ابن الأثير في أسد الغابة (١/٥٧٨،فى ترجمة عبدالاعلى بن عدى) : روى عبد الرحمن بن عدى البهراني عن أخيه عبد الأعلى بن عدي: أن النبي صلى الله عليه وسلم دعا علي بن أبي طالب رضي الله عنه يوم غدير خم فعممه وأرخى عذبة العمامة من خلفه ثم قال: هكذا فاعتموا فإن العمائم سيماء الإسلام وهي حاجز بين المسلمين والمشركين . (وأيضاً أخرجه أبونعيم، رقم: ٤٧٣٧، وابن عساكرفى تاريخه : ٦٣/٢٥٥). وانظر للمزيد : (حاشية المقالة العذبة،ص٧٩).

وعن أبي أمامة رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يولي والياً حتى يعممه ويرخى له عذبة من جانب الأيمن نحو الأذن . رواه الطبراني فى الكبير، (رقم ٧٦٤١)، وقال الهيثمي فى المجمع(٥/١٢٠)،رواه الطبرانى فى الأوسط وفيه جميع بن ثوب وهومتروك.

ورواه أيضاً الدولابي فى الكنى والأسماء ، (رقم ٨٠٤)، وتمام في فوائده، (رقم: ١٥٦٩)، وذكره السيوطي فى الجامع الصغير (رقم: ٦٩٢٦)، ورمز له بالضعف .

صحیح بخاری شریف کی روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قدیم زمانہ میں عہدہ سپرد کرتے وقت عمامہ باندھنے کا رواج تھا۔

قال سعد بن عبادة رضي الله عنه اعف عنه (أى عبد الله بن أبي بن سلول) يا رسول الله واصفح فوالله لقد أعطاك الله الذي أعطاك ولقد اصطلح أهل هذه البحرة على أن يتوجوه فيعصبونه بالعصابة ...الحديث . (صحيح البخارى : ٢/٦٥٦،كتاب التفسير).

قال العلامة العيني: أى فيعمموه بعمامة الملوك...قال الكرمانى: أى يجعلونه رئيساً لهم ويسودوه عليهم...وقيل: بل كان الرؤساء يعصبون رؤوسهم بعصابة يعرفون بها. (عمدة القارى :١٢/٥١١،ط:امداديه).

قال ابن حجرؒ: لأنهم يعصبون رؤوسهم بعصابة لاتنبغي لغيرهم يمتازون بها. (فتح

الباری: ۸/۲۳۲).

فتاویٰ فریدیہ میں ہے: سوال: مدارسِ دینیہ میں دستار بندی کی جو رسم جاری ہے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: دورۂ حدیث کے طلباء کی دستار بندی تبرک اور اظہارِ اعتماد کے لیے کی جاتی ہے اس کے لیے اصل موجود ہے، **أما التعميم للتبرك فيدل عليه مارواه أبو داود عن عبد الرحمن بن عوف وفي إسناده شيخ مجهول وكذا يدل عليه ما رواه أبونعيم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمم علي بن أبي طالب** رضی اللہ عنہ **في غدير خم، وما رواه عن عمار بن ياسر** رضی اللہ عنہ **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عمم علياً حين بعثه إلى خيبر، وكذا التعميم لإظهار الاعتماد جائز أيضاً يدل عليه ما رواه البخاري أن النبي صلى الله عليه وسلم عند أول الهجرة لم ينكر على تعميمهم عبد الله بن أبي، والتفصيل في منهاج السنن للترمذی** (۲۱۲/۵) **وهو الموفق.** (فتاویٰ فریدیہ: ۵۱۳/۴)۔

اشرف الاحکام میں ہے:

فرمایا ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کی دستار بندی کی جائے اس سے بھی فارغین کو مسرت ہوتی ہے جو سبب سے تعلیم قرآن کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے اور تعلیم کا سبب بن جانا یہ بھی تعلیم کا ایک مصداق ہے۔ پس یہ عمل خلافِ سنت نہیں ہے کیونکہ اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے، اور یہ بھی اسبابِ رغبت میں سے ہے پس صراحۃً تو نہیں مگر دلالۃً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔ (اشرف الاحکام، ص۵۱)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بلاعمامہ نماز پڑھنے اور امامت کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بلا عمامہ صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھتا ہے اور امامت بھی کرتا ہے، اس کی نماز یا امامت مکروہ ہے یا نہیں؟ کسی فقیہ نے کراہت کی تصریح کی ہے یا نہیں؟ ایک صاحب بلا عمامہ امامت کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، کیا ان کا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے، اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ خلافِ مستحب مکروہ نہیں ہے، کراہت کے لیے خارجی دلیل درکار ہے، اور وہ نایاب ہے، اس کی آسان مثال

فقہاء بیان کرتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے دن اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنا مستحب ہے اوراحادیث میں وارد ہے لیکن اگرکوئی شخص اس پرعمل نہ کرے تواس کومرتکبِ مکروہ نہیں کہاجائیگا۔ بایں وجہ بلاعمامہ صرف ٹوپی پہن کرنماز پڑھنایاامامت کرنامکروہ نہیں ہے۔

فقہاء کی تحریرات ملاحظہ فرمایئے:

قال فی البحرالرائق: والمستحب أن يصلی في ثلاثة أثواب: قميص وإزار وعمامة.

(البحرالرائق: ۲۸۳/۱،دارالمعرفة).

وأيضاً قال: أما لو صلی في ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنه كإزار الميت تجوز صلاته من غير كراهة ...وفسر فی الذخيرة : التوشيح : أن يكون الثوب طويلاً يتوشح به فيجعل بعضه علی رأسه وبعضه علی منكبيه وعلی كل موضع من بدنه .

(البحرالرائق:۲۷/۲،دارالمعرفة). (وكذافی الفتاوی الهندية:۵۹/۱،والمحيط البرهانی:۵۷/۲،ط:داراحياء التراث).

بدائع الصنائع میں ملک العلماء علامہ ابوبکرالکاسانیؒ فرماتے ہیں:

ولا بأس أن يصلي في ثوب واحد متوشحاً به أو قميص واحد والجملة فيه أن اللبس فی الصلاة ثلاثة أنواع لبس مستحب و لبس جائز من غير كراهة و لبس مكروه ، أما المستحب فهو أن يصلی في ثلاثة أثواب: قميص وإزار و رداء و عمامة ،كذا ذكر الفقيه أبوجعفر الهندواني في غريب الرواية عن أصحابنا ، وقال محمد : إن المستحب للرجل أن يصلي في ثوبين إزار و رداء لأن به يحصل ستر العورة والزينة معاً .

وأما اللبس الجائز بلا كراهة فهو أن يصلي في ثوب واحد متوشحاً به أوقميص واحد لأنه حصل به ستر العورة وأصل الزينة إلا أنه لم تتم الزينة، وأصله ماروي عن عليؓ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم سئل عن الصلاة في ثوب واحد فقال: أوكلكم يجد ثوبين أشار إلى الجواز ونبه على الحكمة وهي أن كل واحد لا يجد ثوبين وهذاكله إذاكان الثوب صفيقاً لا يصف ما تحته ...

وأما اللبس المكروه فهو أن يصلی في إزار واحد أو سراويل واحد لما روي عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم أنه نهی أن يصلی الرجل في ثوب واحد ليس علی عاتقه منه شيء،

ولأن ستر العورة إن حصل فلم تحصل الزينة، وقد قال اللّٰه تعالىٰ:﴿ يابنيّ آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ وروي أن رجلاً سأل ابن عمر ﷺ عن الصلاة في ثوب وقال: أرأيت لو أرسلتک في حاجة أكنت منطلقاً في ثوب واحد فقال: لا، فقال: اللّٰه أحق أن تتزين له. (١) وروى الحسن عن أبي حنيفةؒ أن الصلاة في إزار واحد فعل أهل الجفاء وفي ثوب متوشحاً به أبعد من الجفاء وفي إزار و رداء من أخلاق الكرام . (بدائع الصنائع : ٢١٩/١،سعيد).

وقال في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: والأفضل أن يصلي في ثوبين حتى يحصل الستر التام وبعض الفقهاء قالوا: المستحب أن يصلي في ثلاثة أثواب قميص وإزار وعمامة . (مجمع الانهر:١٢١/١،دارالکتب العلمية).

نیز فقہاء کے زمانہ میں عمامہ لوگوں میں معتاد تھا اس وجہ سے عمامہ میں نماز کو مستحب لکھا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کا اثر بھی اس کا مؤید ہے کما مر۔ نیز علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: **والرجل في حياته يخرج في ثلاثة أثواب عادة قميص وسراويل وعمامة .** (المبسوط : ١٢٩/٢،ط: بيروت).

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ جس علاقہ میں عمامہ مروج ہو اور اس کے بغیر لوگ عام مجمع میں جانا پسند نہ کرتے ہوتو پھر بلا عمامہ نماز مکروہ ہوگی ورنہ نہیں۔ مزید وضاحت علامہ لکھنویؒ کی عبارت میں ملاحظہ کیجئے:

وقد سئلت غير مرة عن الصلاة بغير عمامة ، هل تكره كما هو المشهور بين العوام، فتجسسته في كتب الفقه، فلم أجد سوى قولهم: المستحب أن يصلى في ثلاثة أثواب: إزار وقميص، وعمامة وهو لايدل على كراهة الصلاة بدونها ،كما حرره بعض علماء عصرنا، ظاناً أن ترک المستحب مكروه ، وذلک لأنه قد صرح فى البحر الرائق وغيره : إن ترک المستحب لاتلزم منه الكراهة ما لم يقم دليل خارجي عليه.

وفرع عليه : إن الأكل يوم النحر قبل صلاة العيد ليس بمكروه على المختار، مع تصريحهم بأن المستحب أن لا يأكل قبل الصلاة...وأفاد الوالد العلام في بعض تحريراته: تكره الصلاة بدونها فى البلاد التي عاده سكانها أنهم لايذهبون إلى الكبراء بدون العمامة ، بل ولا يخرجون من بيوتهم إلا معتعممين . وأما فى البلاد التي لايعتادون فيها ذلک ، فلا .

وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين فصلاتهم

مکروهة، وهذا أيضاً زخرف من القول لا دليل عليه ، فاحفظ . (فتاوى اللكنوى ،المسماة بـ نفع المفتى والسائل بجمع متفرقات المسائل، ص۲۹۸،بيروت).

نیز عمدۃ الرعایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة ، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلک ، وكذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان متعمماً بعمامة والإمام مكتفياً على قلنسوة يكره . (عمدة الرعاية على شرح الوقاية: ۱۶۹/۱ ، رقم الحاشية،۲،كتاب الصلاة، ط: المطبع المجيدى).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا مستحب ہے لیکن بلاعمامہ کے بھی بلاکراہت درست ہے ،البتہ جس جگہ عمامہ کا اتنا رواج ہو کہ بغیر عمامہ کسی معزز مجلس میں نہ جاتے ہوں بلکہ اپنے گھر سے بھی نہ نکلتے ہوں تو ایسی جگہ بلاعمامہ نماز پڑھانا اور پڑھنا مکروہ ہے، کذا فی نفع المفتی والسائل ۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۲/۶، جامعہ فاروقیہ)۔

ترکِ مستحب کراہت کی دلیل نہیں ہے۔اس کے مزید حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے:(البحرالرائق: ۱۷۶/۲ ،دارالمعرفة، وفتاوى الشامى:۱۲٤/۱ ، سعيد، وكذا فى ۶۵۳/۱ ، سعيد، ۱۷۷/۲ ، ومجمع الانهر:۱۸۸/۱ ،دارالكتب العلمية).

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر کے اثر کی تخریج ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام ابن خزيمة في صحيحه (۷۶۶/۳۹۷/۱،ط: المكتب الاسلامى) **بسنده عن أيوب عن نافع قال: رآنى ابن عمر ﷺ وأناْ أصلي في ثوب واحد فقال: ألم أكسک ثوبين ؟ قال: قلت: بلى قال: أرأيت لو أرسلتک في حاجة أكنت منطلقاً في ثوب واحد ؟ قلت: لا ، قال : فاللّٰه أحق أن تزين له ...الخ . قال الأعظمي: إسناده ضعيف . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔**

عمامہ میں اسبال کا حکم:

سوال: عمامہ میں اسبال کہاں سے شروع ہوتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ہر چیز میں اسبال اس کے اعتبار سے ہوتا ہے چنانچہ ازار وقمیص میں اسبال یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے ہو اور عمامہ میں اسبال یہ ہے کہ اس کا شملہ عادت سے زائد لٹکا دے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن سالم بن عبد اللّٰہ عن أبيه عن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: الإسبال فی الإزار والقميص والعمامة من جر منها شيئاً خيلاء لم ينظر اللّٰہ إليه يوم القيامة. (رواہ ابوداود ،رقم: ٤٠٩٦ ،والنسائی،رقم:٥٣٣٤،وابن ماجه ،رقم: ٣٥٧٦).

ابن ماجہ کی شرح میں مذکور ہے:

قوله: الإسبال فی الإزار والقميص والعمامة ؛ أی الإسبال يتحقق في جميع هذه الأشياء قيل: الإسبال فی العمامة يكون بإرسال العذبات زيادة على العادة عدداً وطولاً و غايتها إلى نصف الظهر والزيادة عليه بدعة كذا ذكروا. (حاشية السندی علی سنن ابن ماجه: ٣٥٦٦/٤٩٦/٦، طول القميص كم هو).

قال الشيخ عبد الغنی المجددیؒ: وهذا التطويل والتوسيع الذي تعارف في بعض ديارالعرب من الحجاز ومصر مخالف للسنة وإسراف موجب لإضاعة المال فما كان منهما بطريق الخيلاء فهو حرام وما كان بطريق العرف والعادة وصار شعار القوم لا يحرم وإن كان الإسراف فيه لا يخلو عن كراهة . (حاشية سنن ابن ماجه،ص:٢٥٥،ط:قديمی).

قال الإمام النووي: الإسبال فی العمامة هو إرسال طرفها إرسالاً فاحشاً كإسبال الثوب . (المجموع :٤٥٧/٤).

قال في فتح البارى: وفي تصوير جر العمامة نظر إلا أن يكون المراد ما جرت به عادة العرب من إرخاء العذبات فمهما زاد على العادة في ذلک كان من الإسبال . (فتح البارى : ٢٦٢/١٠).

شملہ کی مقدار میں بھی مختلف اقوال ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے چار انگشت کی مقدار منقول ہے۔

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: عمم رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم عبد الرحمن بن عوف بعمامة سوداء كرابيس ، وأرخاها من خلفه قدر أربع أصابع ، وقال : هكذا فاعتم، فإنه أعرف ، وأجمل... الخ. (علل الحديث لابن ابی حاتم ،رقم:١٤٥٨،ومختصرتاريخ مدينة دمشق : ٣٥٥/٤،وعمدة القارى:٣٠٧/٢١،وتحفة الاحوذی:٣٣٧/٥).

۲۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بالشت کی مقدار ثابت ہے۔

روي أن سيدنا علياً رضى الله تعالىٰ عنه اعتم بعمامة سوداء وأرخاها من خلفه شبراً . (غذاء الالباب : ۲/ ۲٤٤).

وقال مصعب وقال ابن عيينة كان عامر بن عبد الله بن الزبير يرخى عمامته يسدلها من خلفه شبراً . (التمهيد: ۹۲/۲۰،ط:مؤسسة القرطبة).

۳۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک ذراع کی مقدار ثابت ہے۔

وفي الآداب: إن ابن الزبير رضي الله عنه أرخاها خلفه قدر ذراع . (غذاء الالباب : ۲/ ۲٤٤).

۴۔نصف ظہر اور موضع الجلوس تک کی مقدار بھی مروی ہے۔

ويرسل الذيل بين الكتفين إلى قدر الشبر أو موضع القعود أو نصف الظهر وهو متوسط مرضى . (شرح عين العلم : ۱/ ۳۰۵).

نیز فقہاء نے بھی مختلف اقوال ذکر فرمائے ہیں۔ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ندب لبس السواد وإرسال ذنب العمامة بين الكتفين إلى وسط الظهر كذا فى الكنز، واختلفوا في مقدار ما ينبغي من ذنب العمامة منهم من قدر بشبر ومنهم من قال إلى وسط الظهر ومنهم من قال إلى موضع الجلوس كذا فى الذخيرة . (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۳۰، الباب التاسع فى اللبس). وكذا فى المحيط البرهانى : ۵/ ۳٤۰،الفصل العاشرفى اللبس،والبحرالرائق: ۸/ ۵۵۵،دارالمعرفة،وتبيين الحقائق: ٦/ ۲۲۹،والدرالمختارمع ردالمحتار:٦/ ۷۵۵،سعيد،وتحفة الملوك ،ص۲۷۸،ومجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر:٤/ ۱۹۲،كتاب الكراهية).

خلاصہ یہ ہے کہ عادت سے زائد لٹکانے پر اسبال کا اطلاق ہوگا ورنہ نہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ٹوپی پہننے کا ثبوت،اور ٹوپی کی کیفیت:

سوال: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوپی پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو کونسی ٹوپی سنت ہوگی؟اس کی کیا کیفیت تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوپی پہننا ثابت ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین

ٹوپیاں تھیں۔ سفید نگندے ڈالی ہوئی ٹوپی، سبز دھاری دارٹوپی، ذرابڑی اوراونچی ٹوپی جسے سفر میں استعمال فرماتے تھے۔ ہاں اکثر وپیشتر احوال میں آپ عمامہ زیب تن فرماتے تھے۔ روایات حسبِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

ابوالشیخ ابن حیان الاصبہانیؒ (۲۷۴-۳۶۹ھ) نے اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں چندروایات نقل فرمائی ہیں:

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قلنسوة بيضاء .

(اخلاق النبی ، رقم : ۳۰۱).

رواه الطبراني وفيه عبد الله بن خراش وثقه ابن حبان وقال ربما أخطأ، وضعفه جمهور الائمة، وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد:۵/۱۲۱،دارالفکر).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی پہنتے تھے۔

(۲) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه قلنسوة بيضاء شامية . (اخلاق النبی ، رقم:۳۰۲).

وفي إسناده : الضحاك بن حجوة كان يضع الحديث، وشيخه عبد الله بن واقد وهو متروك .

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ (کے سرمبارک) پر سفید شامی ٹوپی تھی۔

(۳) عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يلبس من القلانس فى السفر ذوات الآذان وفى الحضر المشمرة يعنى الشامية . (اخلاق النبی، رقم:۳۰۳).

وفي إسناده المفضل بن فضالة وهو ضعيف، والباغندى فيه كلام . قال الحافظ العراقى فى شرح الترمذى : هذا أجود إسناد فى القلانس .

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اونچی ٹوپی پہنتے تھے اورگھر پر شامی ٹوپی پہنتے تھے۔

(۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث قلانس، قلنسوة بيضاء مضربة ، وقلنسوة برد حبرة، وقلنسوة ذات آذان يلبسها فى السفر، و ربما وضعها بين يديه إذا صلى . (اخلاق النبی ، رقم:۳۰۴).

وإسناده ضعيف جداً ، في إسناده: محمد بن عبيد الله بن أبي سليمان، وهو متروك وسلم بن سالم ضعيف .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین ٹوپیاں تھیں، سفید نگندے ڈالی ہوئی ٹوپی، سبز دھاری دار ٹوپی اوراونچی ٹوپی جسے سفر میں استعمال فرماتے تھے اور کبھی نماز میں سترہ کا کام لیتے تھے۔

(تنبیہ: ٹوپی کوسترہ بنانے والی روایت ضعیف ہے، اور مدۃ العمر کھلے سر نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے: مقالاتِ کوثری)۔

(۵) عن عبد الله بن بسر رضی اللہ عنہ قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وله قلنسوة طويلة لها أذنان وقلنسوة لاطية . (اخلاق النبی صلی الله علیه وسلم، رقم: ۳۰۵).

إسناده ضعيف، في إسناده بقية ، وهو مدلس وقد عنعن، ويحيى بن حميد وعثمان بن عبد الله لم أعرفهما .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کے پاس لمبی اونچی ٹوپی تھی اور چپکی ہوئی ٹوپی تھی۔

(۶) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: رأيت على رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنسوة خماسية طويلة. تفرد به الضحاک. وهوضعيف . (مسند ابی حنیفہؒ روایۃ ابی نعیم: ۱/۱۳۷، باب العين، مكتبة الكوثر، الرياض).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لمبی پنج گوشہ ٹوپی دیکھی۔

(۷) عن عمربن الخطاب رضی اللہ عنہ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:ثم الشهداء أربعة رجل مؤمن جيد الإيمان...هكذا ورفع رأسه حتى وقعت قلنسوته قال: ما أدري أقلنسوة عمر أراد أم قلنسوة النبي صلى الله عليه وسلم . (رواه الترمذی: ۱/۲۹۴، دیوبند).

قال الشيخ شعيب : إسناده ضعيف لجهالة أبي زيد الخولاني، وعبد الله بن لهيعة: هو عبد الله بن لهيعة بن عقبة الحضرمی المصری، وهو وإن كان سيء الحفظ ، رواه عنه غير واحد من العبادلة وهم: عبد الله بن المبارک وعبد الله بن وهب وعبد الله بن يزيد

المقرى وعبد الله بن مسلمة القعنبي ورواية هؤلاء عنه صالحة ، لكن تبقى علة الحديث في جهالة أبى زيد الخولاني . قال الترمذى حسن غريب . (تعليقات الشيخ شعيب على مسند الامام احمد رقم : ١٤٦).

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شہداء چار ہیں ،مومن مرد جس کا ایمان عمدہ ہو...اس طرح اور سر کو اٹھایا حتی کہ ٹوپی گر گئی راوی کہتے ہیں کہ معلوم نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی مراد لی یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

(٨) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس كمة (أى قلنسوة) بيضاء . [رواه الطبراني فى الأوسط ، عن شيخه محمد بن حنيفة الواسطى وهو ضعيف ليس بالقوى]. (مجمع الزوائد:٥/١٢١،دارالفكر).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید گول ٹوپی پہنتے تھے۔

(٩) عن أبي سليط رضی اللہ عنہ أنه رأى على رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنسوة أسماط لها آذان . (الآحادوالمثانى لابن أبى عاصم:٣/٣٠٣، دارالراية).

ترجمہ: ابوسلیط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اونی اونچی ٹوپی دیکھی۔

(١٠) عن مرقد رضی اللہ عنہ قال: أكلت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ورأيت عليه قلنسوة بيضاء في وسط رأسه . (رواه السكن فى المعرفة عن محمد بن سلام عن الحسن وذكره الشامى فى سبل الهدى :٧/٢٨٤، والحافظ فى الاصابة :٥/٢٠٧).

ترجمہ: حضرت فرقد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا آپ کے سر مبارک پر سفید ٹوپی تھی۔

(١١) عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلاة رفع يديه حيال أذنيه قال: ثم أتيتهم فرأيتهم يرفعون أيديهم إلى صدورهم في افتتاح الصلاة وعليهم برانس وأكسية . (رواه ابوداود،رقم: ٧٢٨،كتاب الصلاة ، باب رفع اليدين فى الصلاة).

قلت: هذا إسناد رجاله ثقات إلا شريكاً ، وهو ابن عبد الله القاضي، قال الشيخ بشار عواد: صدوق حسن الحديث عند المتابعة...وخلاصة القول فيه إنه يتعين تتبع ما توبع عليه

فإنـه يـخـاف أن يـكـون ضـعيفاً عند التفرد لسوء حفظه وغلطه ، ولم يحتج به مسلم، وإنما أخـرج لـه فـى الـمتـابـعـات. قـال ابـن عـدى: والـغـالب على حديثه الصحة والاستواء ... (تحريرالتقريب : ۱۱٤/۲) **قـلـت: لكنه لم يتفرد به بل تابعه غيره كما سيأتى فالحديث صحيح وهذا إسناد حسن .**

وفـي رواية البيهـقـي: قـال وائـل: ثـم أتيتهـم فـى الشتـاء فـرأيتهم يرفعون أيديهم فى البرانس . (رواه البيهـقى فى الكبرى:۲۱۳۸/۲٤/۲، وابن خزيمة فى صحيحه، رقم: ٤٥٧، **قال الاعظمى: اسناده صحيح**، والنسائى فى المجتبى، رقم:۱۱٥۹، والحميدى فى مسنده ، رقم:۸۸٥).

وفـي روايـة الـطبراني: عن وائل بن حجر رضي الله عنه قـال: رأيـت الـنبي صلى اللّٰه عليه وسلم وأصـحـابـه فـى الشتـاء فـرأيتهـم فى البرانـس والأكسية وأيديهم فيها. (اخـرجـه الـطبـرانى فى الكبير:۹۸/٤٠/۲۲). قال الهيثمى:ورجاله موثقون۔(مجمع الزوائد:۲۲۲٦/۱۸٤/۲).

(وكـذا أخـرجـه ابـن الـمـنذر فى أوسطه، رقم: ۱۲۱۰، وتمام الرازى فى فوائده،٥٦٦، وابوالشيخ فى طبقات الـمحدثين، رقم: ۱۰۳۲، والطحاوى فى شرح معانى الآثار،رقم: ۱۰۷۲،باب رفع اليدين فى افتتاح الصلاة، **ولفظه:ثم أتيتـه مـن الـعـام الـمقبل ، وعليهم الأكسية والبرانس فكانوا يرفعون أيديهم فيها**، وابـن قـانع فى معجم الصحابة : ۱۳۷۲/۳۳۰/۲،باب الفاء).

البرانس: جمع برنس وهو كل ثوب رأسه منه ملتزق به ، وقيل: القلنسوة الطويلة .

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جس وقت آپ نے نماز شروع فرمائی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا۔اور فرماتے ہیں: پھر جب دوسری مرتبہ میں حاضر خدمت ہوا تو میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ نماز شروع کرتے وقت (سردی کی وجہ سے) اپنے ہاتھ سینوں تک اٹھاتے تھے،اور ان کے سروں پر اس وقت لمبی ٹوپیاں تھیں اور انہوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔

فائدہ: ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نماز میں ٹوپیاں پہنا کرتے تھے۔اور برنس سر سے چپکی ہوئی ٹوپی یا لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں۔

(۱۲) أخـرج ابـن عسـاكر في ”تاريخ مدينة دمشق“ (۱۹۳/٤،ط: دارالـفكر) **بسنده عن**

عـائشة رضـي الـلّٰـه تـعـالـیٰ عنها قالت: کان لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قلنسوة بیضاء لاطئة یلبسها .

وأورده السیوطی فی الجامع الصغیر (٧١٦٧) **و رمزله بالضعف .**

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سفید سر کے ساتھ چپکی ہوئی ٹوپی تھی جسے آپ پہنا کرتے تھے۔

(۱۳) عـن ابن عباس رضی اللہ عنہ قـال: کـان یـلبـس الـقـلانـس تحت العمامة و بغیر العمائم، ویـلبـس العمائم بغیر القلانس وکان یلبس القلانس الیمانیة وهن البیض المضربة ، ویلبس ذوات الأذان فی الـحـرب ، وکـان ربـمـا نزع قلنسوته فجعلها سترة بین یدیه ، وهویصلی، وکـان من خُلقه یُسَمِّی سلاحه ، ودوابه ، ومتاعه . (اورده الامام السیوطی فی الجامع الصغیر وعزاه الی الرویانی وابن عساکر و رمزله بالضعف، رقم: ٧١٦٨، ومختصرتاریخ مدینة دمشق : ١/٢٨٥).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کے نیچے ٹوپیاں پہنا کرتے تھے، اور بغیر عمامہ کے فقط ٹوپی بھی پہنا کرتے تھے، اور عمامہ بلا ٹوپی بھی پہنتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یمنی ٹوپیاں پہنا کرتے تھے، اور وہ ٹوپیاں سفید نگندے ڈالی ہوئی ہوتی تھیں، اور جنگ میں کانوں والی ٹوپیاں پہنتے تھے، اور کبھی (بیانِ جواز کے لیے) نماز پڑھتے وقت ٹوپی نکال کر سامنے سترہ بنا دیتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ اپنے ہتھیار، سواری اور سامان کو نام سے موسوم فرمایا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قسم کی ٹوپیاں استعمال فرمائی ہیں، کوئی خاص ہیئت کی ٹوپی متعین نہیں تھی، اگرچہ مذکورہ بالا روایات میں سے اکثر روایات ضعیف ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ٹوپی پہننے کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) أخـرج الطبراني فی الکبیر (٢٥٢٠) **بسـنـده عـن عزة بنت عیاض قالت: سمعت أباقرصافة قال: کساني رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم برنساً، وقال: البسه .**

قال الهیثمي: وفیه جماعة لم أعرفهم . (مجمع الزوائد:٥/٢٢٣/٨٥٤٦). وقال ابن حجر: اسناده فیه من لایعرف (فتح الباری : ١٠/٢٧٢).

ترجمہ: ابوقرصافہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبی ٹوپی پہنائی اور فرمایا: اسے پہن لیجئے۔

(۲) قال الإمام البخاری: باب السجود علی الثوب فی شدة الحر وقال الحسن: کان القوم یسجدون علی العمامة والقلنسوة ویداه في کمه. (صحیح البخاری: ۱/۸۶، کتاب الصلاة).

وأخرجه موصولاً البیهقی فی الکبری (۲/۱۰۶)، **وابن أبي شیبة** (۱/۲۶۶)، **وعبد الرزاق فی المصنف** (۱/۴۰۰)، **وإسناده صحیح**.

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمامہ اورٹوپی پرسجدہ کرتے تھے۔یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت گرمی کے موسم میں گرمی سے بچنے کے لیے عمامہ اورٹوپی پرسجدہ کیا کرتے تھے۔

(۳) وقال النخعي فی البرانس والطیالسة رأیتهم یصلون فیها ولایخرجون أیدیهم.
(الاوسط لابن المنذر:۳/۱۸۱). **وکذا أخرجه البیهقی فی الکبری**، (رقم: ۲۷۸۱)، **وعبد الرزاق فی مصنفه**، (رقم:۱۵۷۱)، **وابن ابی شیبة** (۱/۴۰۱/۱۵۷۱).

ترجمہ: جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کولمبی ٹوپیوں اور چادروں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے،اوروہ اپنے ہاتھ چادروں سے باہرنہیں نکالتے تھے۔

(۴) عن أبي کبشة الأنماري رضی اللہ عنہ قال: کانت کمام أصحاب النبي صلی اللّٰه علیه وسلم بطحاً. (رواه الترمذی،رقم:۱۷۸۲، واسناده ضعیف، والعقیلی فی الضعفاء الکبیر،رقم: ۸۷۴،وابوالشیخ الاصبهانی فی اخلاق النبی، رقم:۲۴۸).

وفی روایة أکمة، وهما جمع کثرة وقلة. الکمة : القلنسوة ، یعنی أنها کانت منبطحة غیر منتصبة. (تاج العروس:۱/۷۸۸۳).

ترجمہ: حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضراتِ صحابہ کرام کی گول ٹوپیاں سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں۔کمہ یعنی سر سے چپکی ہوئی تھی اٹھی ہوئی نہیں تھی۔

(۵،۶،۷) عن إبراهیم بن أبي عبلة قال: رأیت من أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عبد اللّٰه بن عمرو، وعبد اللّٰه بن أم حرام وواثلة بن الأسقع رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم وغیرهم یلبسون البرانس. (اخرجه ابن عساکرفی تاریخ دمشق :۶/۴۳۳،والامام البخاری فی التاریخ الکبیر:۶/۳۰۶/۲۴۸۱،والخطیب البغدادی فی تاریخه:۳/۳۹۸/۱۵۲۴).

ترجمہ: حضرت ابراہیم بن ابی عبلہ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن عمرواور

عبداللہ بن ام حرام اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت کی وہ لمبی ٹوپیاں پہنتے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۸) أخرج ابن أبي حاتم في الجرح التعديل(۹/۱۱۹/۵۰۰)**عن هناد بن سلمان القرشي روى عن أبيه أنه رأى على عثمان بن عفان رضي الله عنه قلنسوة بيضاء مُضَرَّبَةً مبطنة ليس فيها حشو ولها زر في حلقه .** [مُضَرَّبَة: أى : قلنسوة ذات طاقين جُعلا على بعضهما وخِيْطا كذلک].

ترجمہ: سلمان قرشیؒ فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے سر پر سفید نگندے ڈالی ہوئی تنگ ٹوپی دیکھی جس کے اندر کچھ روئی وغیرہ بھری ہوئی نہیں تھی، اوراس میں گھنڈی نما کوئی چیز تھی۔

امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۹) حدثنا كيسان أبو عمر، قال: حدثني مولاى يزيدبن بلال قال: رأيت علياً رضي الله عنه يتوضأ فخلل لحيته قال: ورأيت عليه قلنسوة بيضاء مضرَّبة . (اخرجه ابو بشرالدولابی فی الکنی والاسماء، رقم:۲/۷۶۹/ ۱۳۲۸، دارابن حزم).

قلت: إسناده ضعيف لضعف كيسان و يزيد بن بلال. (انظر: تهذيب الكمال، وتحرير التقريب، وتقريب التهذيب).

ترجمہ: یزید بن بلال کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے ڈاڑھی کا خلال فرمایا، اور میں نے آپ کے سر پر سفید نگندے ڈالی ہوئی ٹوپی دیکھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۰) عن أبي البختري قال: أخبر رجل عبد الله بن مسعود رضي الله عنه أن قوماً يجلسون في المسجد بعد المغرب فيهم رجل يقول: كبروا الله كذا و كذا سبحوا الله كذا و كذا واحمدوا الله كذا و كذا قال عبد الله: فيقولون قال: نعم، قال: فإذا رأيتهم فعلوا ذلک فأتني فأخبرني بمجلسهم فأتاهم وعليه برنس له فجلس ...الخ. (اخرجه ابو نعيم فى الحلية : ۴/ ۳۸۱).

فائدہ: اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسجد میں تشریف لائے تو آپ کے سر پر لمبی ٹوپی تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۱) عن عباد بن أبی سلمان قال: رأیت علی أنس بن مالک قلنسوة بیضاء.

(اخرجه ابن سعد فی الطبقات الکبری:۷/ ۱۸،تسمية من نزل البصرة، دارصادر).

قال الإمام البخاري: باب البرانس وقال لي مسدد حدثنا معتمر سمعت أبي قال: رأيت على أنس رضی اللہ عنہ برنساً أصفر من خز. (صحیح البخاری، کتاب اللباس:۲/۸۶۳،ط؛ فیصل).

وفي" سداسيات الرازى" من طريق أم نهار قالت: كان أنس رضی اللہ عنہ يمر بنا كل جمعة وعليه قلنسوة لاطئة. و معنى لاطئة: أى لاصقة بالرأس، إشارة إلى قصرها، وإنما حدثت القلانس الطوال في أيام الخليفة المنصور في سنة ثلاث وخمسين ومائة أو نحوها. (تعلیقات الشیخ لطیف الرحمن القاسمی علی مسندالامام الاعظم ابی حنیفۃؒ: ۱/ ۱۲۸).

لیکن مسند ابی حنیفہؒ کی بعض ضعیف مرفوع روایات میں لمبی ٹوپی کا ذکر آیا ہے۔

ترجمہ: عباد بن ابی سلمان کہتے ہیں کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے سر پر سفید ٹوپی دیکھی۔

فائدہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص تھے دس سال آپ کی خدمت میں رہے چنانچہ ٹوپی آپ کے اتباع ہی میں پہنی ہوگی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سر سے چپکی ہوئی ٹوپی پہنتے تھے۔

امام بخاریؒ تعلیقاً روایت کرتے ہیں کہ سلمان تیمیؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سر پر زرد رنگ کی اونی لمبی ٹوپی دیکھی۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن سعيد بن عبد الله بن ضرار قال: رأيت أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أتى الخلاء ثم خرج وعليه قلنسوة بيضاء مزرورة ...الخ. (مصنف عبدالرزاق:۱/ ۱۹۰/۷۴۵).

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہنے کا ثبوت:

(۱۲) أخرج الإمام أحمد فی العلل ومعرفة الرجال(۶۹) قال: حدثنا أبوبكر بن عياش عن عبد الملك بن عمير قال: رأيت على أبي موسى الأشعرى رضی اللہ عنہ برنساً.

ترجمہ: عبدالملک بن عمیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے سر پر لمبی ٹوپی دیکھی۔

أخـرج ابـن أبي شيبة في مصنفه (٢٥٣٥٦) عـن أشـعث عن أبيه أن أبا موسى خرج من الخلاء ، وعليه قلنسوة ، فمسح عليها .

یعنی حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے،اور آپ نے ایک ٹوپی پہن رکھی تھی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(١٣) أخـرج الإمام أبويعلى الموصلى التميمى في مسنده (٧١٨٣) قال: حدثنا سريج بـن يـونـس أبـوالـحـارث حدثنا هشيم عن عبد الحميد بن جعفر عن أبيه قال: قال خالد بن الوليد : اعتمرنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في عمرة اعتمرها فحلق شعره فاستبق الناس إلـى شـعـره فسبقت إلى الناصية فأخذتها فاتخذت قلنسوة فجعلتها في مقدمة القلنسوة فما وجهت في وجه إلا فتح لي . قال حسين سليم أسد : رجاله ثقات غير أنه منقطع .

وأيـضـاً أخـرجـه الـطـبـرانـي فـى الـكـبـيـر (٣٨٠٤)، والـحـاكـم فـى الـمـسـتـدرك (٥٢٩٩/٢٩٩/٣)، وقـال الـذهـبـي فى التلخيص: منقطع. وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق (٢٤٦/١٦،ط:دارالفكر).

قـال الهيثمي: رواه الطبراني وأبويعلى بنحوه ورجالهما رجال الصحيح وجعفر سمع من جماعة من الصحابة فلا أدري سمع من خالد أم لا. (مجمع الزوائد:٥٨٢/٩/١٥٨٨٢).

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کیا،اس عمرہ میں آپ نے بھی بنفس نفیس عمرہ ادا فرمایا،عمرہ سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک کا حلق فرمایا،تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طرف سبقت کرنے لگے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشانی کے بالوں کو حاصل کرلیا،اور اپنی ٹوپی کے اگلے حصہ میں بالوں کو رکھدیا، پھر جب بھی مجھے کسی محاذ پر بھیجا گیا تو مجھے ان بالوں کی برکت سے فتح دی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(١٤) أخـرج الإمـام البيهقي فى الكبرى (٢٨٨) بسـنـده عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان إذا مسح رأسه رفع القلنسوة ومسح مقدم رأسه .

وأيضاً أخرجه الدارقطني في سننه (٥٥) .

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وضو فرماتے تو سر کے مسح کے وقت ٹوپی اتار کر سر کے اگلے حصہ کا مسح فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

(۱۵) أخرج الإمام أبوبكر بن أبي شيبة في مصنفه (۲۵۳۵۳) **قال: حدثنا أبومعاوية، عن هشام، قال: رأيت على ابن الزبير رضي الله عنه قلنسوة لها رف، كان يستظل بها إذا طاف بالبيت.**

وفي رواية له عنه قال: رأيت على ابن الزبير رضي الله عنه قلنسوة لها رف يعنى بُرْطُلَة [المظلة الصيفية]. (مصنف ابن ابی شیبة:۲۵۴۹۳/۵۴۵/۱۲).

وأيضاً أخرجه ابن الجعد في مسنده (۲۲۲۶) **، والفاكهي في أخبارمكة**(۵۶۱) **، والضياء المقدسي في الأحاديث المختارة** (۳۱۰/۴۸۸/۳).

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر ایسی ٹوپی دیکھی جس پر بال تھے جب آپ بیت اللہ کا طواف کرتے تو اس ٹوپی سے سایہ کیا کرتے تھے۔ دوسری روایت میں راوی رف کی تفسیر برطلہ سے کرتے ہیں یعنی موسمِ گرما کی چھوٹی چھتری۔ جس سے گرمی سے بچنے کے لیے سایہ کرتے تھے۔

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا ثبوت:

(۱۶) أخرج الإمام أبوداود في سننه (۹۴۹) **بسنده عن هلال بن يساف قال: قدمت الرقة فقال لي بعض أصحابي: هل لک في رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: قلت: غنيمة، فدفعنا إلى وابصة قلت لصاحبي: نبدأ فننظر إلى دله فإذا عليه قلنسوة لاطئة ذات أذنين و برنس خز أغبر وإذا هو معتمد على عصا في صلاته ...الخ.**

وأيضاً أخرجه البيهقي فى الكبرى (۳۷۱۴)، **والحاكم في مستدركه** (۹۷۵/۳۹۷/۱) **وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين غير أنهما لم يخرجا لوابصة بن معبد لفساد الطريق إليه.**

ترجمہ: ہلال بن یساف کہتے ہیں کہ جب میں رقہ شہر میں آیا تو میرے بعض ساتھیوں نے کہا کیا آپ صحابیِ رسول سے ملاقات کا شوق رکھتے ہیں، میں نے کہا بہت اچھا موقع ہے، پھر ہم حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے اپنے ساتھی سے عرض کیا سب سے پہلے ہم ان کی سیرت کو دیکھتے ہیں، جب

ہم نے دیکھا تو وہ اپنے سر پر چپکی ہوئی کانوں والی اور مٹیالے رنگ کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، اور لاٹھی کے سہارے نماز پڑھ رہے تھے۔

تابعین اور فقہاء سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں:

(۱) عن عبد الله بن سعيد قال: رأيت على علي بن الحسين قلنسوة بيضاء مضربة .

یعنی عبداللہ بن سعید کہتے ہیں کہ میں علی بن حسین زین العابدینؒ کے سر پر سفید نگندے ڈالی ہوئی ٹوپی دیکھی۔

(۲) عن يزيد قال: رأيت على إبراهيم قلنسوة مكفوفة بثعالب أو سَمُّور.

ترجمہ: یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعیؒ کے سر پر لومڑی یا سمور جانور کے بال سے بنی ہوئی ٹوپی دیکھی۔

(۳) عن الأجلح قال: رأيت على الضحاك قلنسوة ثعالب .

ترجمہ: اجلح کہتے ہیں کہ میں نے ضحاک کے سر پر لومڑی کی کھال سے بُنی ہوئی ٹوپی دیکھی۔

(۴) عن إسماعيل قال: رأيت على شريح برنساً . (مسندابن الجعد،رقم:۱٦٧).

ترجمہ: اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے قاضی شریحؒ کے سر پر لمبی ٹوپی دیکھی۔

(۵) عن أبي شهاب قال: رأيت على سعيد بن جبيرؒ برنساً . (مصنف ابن ابی شيبة:۱۲/۵۱۰_۵٤٦،رقم الحديث : ۲۵۳۵۲_ ۲۵۳۵۵، ط: المجلس العلمی).

ترجمہ: ابوشہاب کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؒ کے سر پر لمبی ٹوپی دیکھی۔

(٦) وضع أبوإسحاق قلنسوته فی الصلاة ورفعها . (رواه البخاری تعليقاً ، باب استعانة اليد فی الصلاة:۱/۱۵۹، فيصل).

ترجمہ: ابواسحاق سبیعیؒ نے نماز میں اپنی ٹوپی اتار کر رکھ دی اور پھر پہن لی۔

(۷) عن محمد بن أحمد بن حسين بن ربيع يقول: رأيت ابن المبارک يقاتل في أرض في يوم شديد الحر وقد وقع قلنسوته عن رأسه . (أخرجه البيهقی فی شعب الايمان:۳/۱٦۷/۲۹٦۵).

(۸) عن عبد الرحمن بن عمارة بن عقبة بن أبي معيط قال: كنت فيمن حضر الأحنف بن قيس ومات بالكوفة، فلما وضعناه في قبره وسوينا عليه سقط قلنسوتي فأهويت لأخذها وإذا هو في فسح في قبره مد بصره. (اخرجه ابو الشیخ فی طبقات المحدثین: ۱/۱۰۶/۷۴، الطبقة الثانية).

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عمارہ کہتے ہیں کہ میں حضرت احنف بن قیس کے جنازہ میں شریک تھا جن کا کوفہ میں انتقال ہوا تھا، جب ہم نے ان کو قبر میں اتارا اور مٹی ڈالی تو میری ٹوپی گر گئی، تو میں اپنی ٹوپی لینے کے لیے قبر میں جھکا تو کیا دیکھتا ہوں ان کی قبر منتہیٰ بصر وسیع اور کشادہ ہے۔

(۹) وقال معاذ بن معاذ: رأيت على ابن عون برنساً من صوف رقيقاً حسناً، قال: هذا اشتريته من تركة أنس بن سيرين كان لابن عمر رضي الله عنه فكساه إياه. (تاريخ الاسلام للامام الذهبی: ۹/۴۶۲، دار الكتاب العربی).

وأيضاً أخرجه ابن سعد فی الطبقات الكبرى (۷/۲۶۷، دار صادر، بيروت)، **وسير أعلام النبلاء** (۶/۳۷۰، مؤسسة الرسالة).

ترجمہ: معاذ بن معاذ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابن عون کو ایک عمدہ باریک اونی ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا، ابن عون نے کہا یہ ٹوپی میں نے انس بن سیرینؒ کے ترکہ سے خریدی ہے، یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ٹوپی تھی انہوں نے انس بن سیرینؒ کو پہنایا تھا۔

(۱۰، ۱۱) أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه (۲۷۵۲) **بسنده عن أبي إسحاق، قال: كان علقمةؒ، ومسروقؒ يصلون في برانسهم ومستقاتهم، ولايخرجون أيديهم.**

ترجمہ: ابواسحاق کہتے ہیں کہ علقمہؒ اور مسروقؒ اپنی ٹوپیوں اور جبوں میں نماز پڑھتے تھے، ہاتھوں کو باہر نہیں نکالتے تھے۔

(۱۲، ۱۳) عن الحسن بن عبيد الله، قال: رأيت الأسود يصلي فی برنس طيالسه يسجد فيه، ورأيت عبد الرحمن يعني ابن يزيد، يصلي في برنس شامي يسجد فيه. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۷۴۷).

ترجمہ: حسن بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اسود کو دیکھا اپنی چادر والی ٹوپی میں نماز پڑھتے تھے اور سجدہ بھی اسی میں کرتے تھے، اور عبدالرحمٰن بن یزید کو بھی دیکھا اپنی شامی ٹوپی میں سجدہ کر رہے تھے۔

(۱۴، ۱۵) **عن عتبة بن المنذر قال: رأيت أبا أمامة رضي الله عنه صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم شيخ قصير...ورأيت على أبي أمامة وأبي رهم، وعمر بن عبد العزيز قلانس بيض صغاراً**. (الآحاد والمثاني لابن ابی عاصم: ۲/۴۲۳/۱۲۳۵).

ترجمہ: عتبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ، ابورہم اور عمر بن عبدالعزیز کے سروں پر سفید چھوٹی ٹوپیاں دیکھیں۔

(۱۶) **وقال روح: عن ابن عون قال: رأيت على الشعبي قلنسوة خز خضراء**. (تاريخ الاسلام للامام الذهبی: ۷/۱۳۰، ط: دارالکتاب العربی، والطبقات الکبری: ۶/۲۵۳).

ترجمہ: ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے امام شعبی کے سر پر سبز رنگ کی اونی ٹوپی دیکھی۔

(۱۷) **عن سلمان بن حرب حدثنا وهيب قال: سمعت أيوب وذكر القاسم بن محمد قال: رأيت عليه قلنسوة خز وما رأيت رجلاً أفضل منه**. (اخرجه ابن عساكر فی تاریخ دمشق: ۴۹/۱۶۷).

ترجمہ: ایوب نے قاسم بن محمد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ان کے سر پر اونی ٹوپی دیکھی اور ان سے بہتر شخص کسی کو نہیں دیکھا۔

(۱۸) **قال القعنبي: رأيت على مالك قلنسوة خز خضراء**. (اخرجه البيهقی فی شعب الايمان: ۵/۱۶۵/۵۷۹۶).

ترجمہ: قعنبی نے کہا کہ میں نے امام مالک کے سر پر سبز رنگ کی اونی ٹوپی دیکھی۔

(۱۹) **عن عفان بن مسلم قال: كان حماد بن زيد يلبس قلنسوة بيضاء طويلة لطيفة.**

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۷/۲۸۶، الطبقة السادسة).

ترجمہ: عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ حماد بن زید سفید لمبی ہلکی ٹوپی پہنتے تھے۔

(۲۰) **وقال عبد الرحمن بن محمد بن المغيرة: رأيت أباحنيفة شيخاً يفتي الناس بمسجد الكوفة، عليه قلنسوة سوداء طويلة**. (تاريخ الإسلام للذهبی ۹/۳۰۸، وسير اعلام النبلاء: ۶/۳۹۹).

ترجمہ: عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو بوڑھاپے میں دیکھا کوفہ کی مسجد میں لوگوں کو فتویٰ

دیتے تھے اور آپ پر سیاہ لمبی ٹوپی تھی۔

(۲۱) **عن عفان بن مسلم قال: كان أبوعوانة يلبس قلنسوة .** (الطبقات الكبرى : ۲۸۷/۷، دار صادر).

ترجمہ: عفان بن مسلم کہتے ہیں کہ ابوعوانہؒ ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

(۲۲) **عن أبي نعيم قال: رأيت داود الطائي، وكان من أفصح الناس، وأعلمهم بالعربية يلبس قلنسوة طويلة سوداء .** (تاریخ اسلام للامام الذھبی: ۱۷۹/۱۰، وسیراعلام النبلاء: ۴۲۴/۷).

ترجمہ: ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے داود طائی کو دیکھا، سب سے زیادہ فصیح اللسان تھے، اور لوگوں میں سب سے زیادہ علم عربی پر عبور رکھتے تھے، وہ سیاہ لمبی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

(۲۳) **عن عبدان قال: حدثنا أبويسار قال: رأيت الحسنؒ أبيض الرأس واللحية ، ورأيت عليه كمة بيضاء .** (اتحاف الخيرة المهرة: ٤٠٢٥/٥٠٣/٤، والمطالب العالية: ٢٣٠٠/٤٨١/٦).

ترجمہ: ابویسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ کو دیکھا سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے، اور آپ کے سر پر سفید ٹوپی تھی۔

فقہائے کرام کی عبارات سے ٹوپی پہننے کا ثبوت:

ملاحظہ ہو علامہ فخر الدین الزیلعیؒ فرماتے ہیں:

ولا بأس بلبس القلانس لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم كان له قلانس يلبسها، وقد صح ذكره فى الذخيرة . (تبيين الحقائق :٢٢٨/٦، مسائل شتى ، امداديه).

(وكذا ذكره ابن نجيم المصريؒ فى البحر الرائق: ۵۵۵/۸، ط: بيروت، والعلامة الحصكفى فى الدرالمختار: ۷۵۵/۶، سعيد، والعلامة ابن عابدين الشامى فى رد المحتار: ۳۵۴/۶، ط: سعيد، وكذا فى الفتاوى الهندية: ۳۳۰/۵، ومجمع الأنهرفي شرح ملتقى الأبحر: ۴۹۱/۴، مسائل شتىٰ، ط: بيروت).

علامہ سلیمان الجمل الشافعی فرماتے ہیں:

ولا بأس بلبس القلنسوة اللاطئة بالرأس والمرتفعة المُضَرَّبَة وغيرها تحت العمامة وبلا عمامة لأن كل ذلک جاء عنه صلى الله عليه وسلم وبقول الراوي وبلا عمامة قد يتأيد

بعض ما اعتاده بعض النواحي من ترك العمامة من أصلها وتمييز علمائهم بطيلسان على قلنسوة بيضاء لاصقة بالرأس، لكن بتسليم ذلك الأفضل ما عليه ما عدا هؤلاء من الناس من لبس العمامة لعذبتها و رعاية قدرها و كيفيتها السابقين. (حاشية الجمل على المنهج :۳/ ۴۸۷،ط: دارالفكر).

(وكذا في حواشي الشرواني والعبادي : ۳۶/۳،وتحفة المحتاج في شرح المنهاج : ۱۰/۱۱۱،وحاشية الرملي:۳۱۹/۲).

نماز وغیر نماز میں ٹوپی پہننا سنتِ متوارثہ ہے اور ننگے سر رہنا خلافِ مروت ہے:

علماء کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

سئل مالكؒ عن القلانس، هل كانت قديمة ومن أول من أحدثها؟ قال: كانت في زمان النبي صلى الله عليه وسلم، وقبل ذلك فيما روى. (البيان والتحصيل لابن رشد القرطبي المالكي: ۱۹/۱۷، دارالغرب الاسلامي، بيروت،لبنان).

قال الشيخ عبد الرؤف المناويؒ في فيض القدير: قال ابن العربيؒ: القلنسوة من لباس الأنبياء والصالحين والسالكين تصون الرأس وتمكن العمامة وهي من السنة وحكمها أن تكون لاطئة لامقبية الا أن يفتقر الرجل إلى أن يحفظ رأسه عما يخرج منه من الأبخرة فيقيها ويثقب فيها فيكون ذلك تطيباً. (فيض القدير: ۳۱۴/۵،دارالكتب العلمية، وكذا في الفجرالساطع على الصحيح الجامع لمحمد الفضل الشبيهي:۱۰۳/۸، والشمائل الشريفة ،للامام السيوطي ،ص۳۷۱،ط: دار طائر العلم).

قال أبوالفرج عبد الرحمن الجوزي (م۵۹۷ھ)**: ولايخفى على عاقل أن كشف الرأس مستقبح وفيه إسقاط مروءة وترك أدب وإنما يقع في المناسك تعبداً وذلاً له.** (تلبيس ابليس ،ص۲۳۲،الباب العاشرفي ذكرتلبيسه على الصوفية،ط:دارالفكر).

علامہ محمد زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں:

أما صلاة المصلي و هو حاسر الرأس من غير عذر فصحيحة إذا كانت مستجمعة للشروط والأركان، لكنها خلاف السنة المتوارثة والعمل المتوارث في كل بقعة من بقاع المسلمين على توالى القرون وتشبه بأهل الكتاب فإنهم يصلون وهم حسر الرؤوس كما

هو مشهود، ونبذ للزينة التي أمر المسلمون بأخذها عند كل مسجد وصلاة ...ولا شك أن المرأ لا يخرج إلى من يحترمه وهو حاسر الرأس في عادة المسلمين خلفاً عن سلف فتكره صلاته وهو حاسر الرأس...ولا شك أن لفظ الزينة يتناول غطاء الرؤوس تناولاً أولياً فيكون مأموراً به في الآية ...وقد استقصى المحدث السيد محمد بن جعفر الكتانيؒ في "الدعامة" ذكر الأحاديث الدالة على مبلغ مواظبته صلى الله عليه وسلم على لبس القلانس بعمامة وبدون عمامة، وأقوال أهل العلم في ذلك ، فليراجع...وزد على ذلك أن كشف الرأس في الصلاة أصبح شعاراً لطائفة من مبتدعة اليوم فينبذ نبذاً بعداً عن التشبه بهم و الحاصل أنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه صلى حاسر الرأس من غير عذر حتى نقتدي به صلى الله عليه وسلم في كشف الرأس في الصلاة . (مقالات الامام الكوثری، ص ۱۷۰ ۔ ۱۷۲،ط: دارشمسی للنشر ، کراتشی). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سر پر عربی رومال ڈالنے کا حکم:

سوال: یہ عرب حضرات جورومال استعمال کرتے ہیں وہ کہاں سے ثابت ہے؟ اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ مع حوالہ مفصل ومدلل فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمادے۔

الجواب: احادیث میں آتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرۂ انور اور سر مبارک پر کپڑا ڈالا ہے، متعدد واقعات اس پر شاہد ہیں، البتہ شراحِ حدیث نے اس کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں، بعض نے کہا کہ تیل سے بچاؤ کی وجہ سے استعمال کیا، بعض نے کہا گرمی، سردی سے حفاظت کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ دشمن سے چہرہ چھپانے کی غرض سے سر اور چہرہ پر کپڑا ڈالا تھا۔ روایات ملاحظہ فرمایئے:

(۱) **روى البخاري في صحيحه** (۲/ ۵۵۳ ، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم ، فيصل) **عن عروة بن الزبير أن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت : لم أعقل أبوي قط إلا وهما يدينان الدين ولم يمر علينا يوم إلا يأتينا فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم طرفي النهار بكرة وعشية...قال عروة: قالت عائشةؓ: فبينما نحن يوماً جلوس في بيت أبي بكرؓ في نحر الظهيرة قال قائل لأبي بكر: هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم**

متقنعاً في ساعة لم يكن يأتينا فيها...الخ .

(۲)**أخرج الترمذی فی " الشمائل"**(ص۳، باب ماجاء فی ترجل رسول الله صلی الله علیه وسلم ،و ص ۸، باب ماجاء فی تقنع رسول الله صلی الله علیه وسلم،فیصل) **عن أنس بن مالک** رضی اللہ عنہ **قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یکثر دهن رأسه وتسریح لحیته ویکثر القناع حتی کأن ثوبه ثوب زیات .**

(۳)**أخرج الإمام أحمد في "مسنده"** (۲۶۲۹) **عن عکرمة عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم متقنعاً في ثوب، فقال: أیها الناس إن الناس لیکثرون وإن الأنصار یقلون ، فمن ولی منکم أمراً ینفع فیه أحداً فلیقبل من محسنهم ویتجاوز عن مسیئهم. قال شعیب إسناده جید .**

(۴)**أخرج ابن أبي یعلی في مسنده** (۳۶۹۰) **عن أنس بن مالک** رضی اللہ عنہ **قال: خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات یوم وهو غضبان ونحن نری أن معه جبریل علیه السلام حتی صعد المنبر فما رأیت یوماً کان أکثر باکیاً متقنعاً ...الخ .**

(۵)**روی الطبراني فی الکبیر** (۸۶۲۹) **عن قیس بن أبي حازم قال: ذکر لابن مسعود** رضی اللہ عنہ **قاص یجلس باللیل ویقول للناس قولوا کذا ، فقال: إذا رأیتموه فأخبرونی فجاء عبد اللّٰہ متقنعاً ...الخ .**

(۶)**ذکر الحکیم الترمذی في نوادر الأصول** (۳۵۱/۲، بیروت) **عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه قال: الالتفاع لبسة أهل الإیمان ، الالتفاع الالتحاف بالثوب متقنعاً و هو أستر وکان صلی اللّٰہ علیه وسلم یکثرالتقنع وذلک للحیاء من اللّٰہ تعالیٰ لأن الحیاء فی العین والفم وهو من عمل الروح وسلطانه فی الرأس ثم هو متفش فی جمیع الجسد وروی أن من أخلاق النبیین التقنع وهذا من آداب الأنبیاء والأولیاء علیهم السلام .**

شراحِ حدیث کی توجیہات ملاحظہ فرمائیے:

مقنعاً بثوبه والظاهر أنه کان متغشیاً به فوق العمامة لاتحتها لأنه کان مستخفیاً من

أهل مكة متوجهاً إلى المدينة. (جمع الوسائل فی شرح الشمائل : ۱/۱۷۷،اداره تالیفات).

وبهامشه قال: قال أبوزرعة : التقنع معروف وهو تغطية الرأس وأكثرالوجه برداء ونحوه وقال بعضهم التقنع إلقاء القناع أى الخرقة على الرأس لتقى نحو العمامة عما بها من دهن ، انتهى، وظاهر القاموس أنه أعم من أن يكون لدهن أوغيره كان وقاية من حر أو برد فوق العمامة أو تحتها لكن يؤيد كونها فوقها أن المصطفى صلى الله عليه وسلم أتى بيت الصديق في قصة الهجرة فى القائلة متقنعاً بثوبه لئلا يعرفه أحد والظاهر أنه كان متغشياً به فوق العمامة لا تحتها. (حاشية جمع الوسائل للشيخ عبد الرؤوف المناوى:۱/۱۷۷).

عمدۃ القاری میں ہے:

التقنع وهو: تغطية الرأس، وأكثر الوجه برداء أو غيره ... وفى التوضيح : والتقنع للرجل عند الحاجة مباح ، وقال ابن وهب: سألت مالكاً عن التقنع بالثوب، فقال: أما الرجل الذى يجد الحر والبرد أو الأمر الذى له فيه عذر فلا بأس به ، وأما لغير ذلك فلا.

(عمدة القارى : ۲۳/۱۵،باب التقنع ،ط: دارالحديث).

عون المعبود میں ہے:

متقنعاً أى مغطياً رأسه بالقناع أى بطرف ردائه على ما هو عادة العرب لحرالظهيرة ويمكن أنه أراد به التستر لكيلا يعرفه كل أحد...وفيه دلالة على مشروعية التقنع . (عون المعبود:۱۱/۹۲،بيروت).

جمع الوسائل کے حاشیہ شیخ مناوی فرماتے ہیں:

تتمة : كثر كلام الناس فى الطيلسان والحاصل أنه قسمان محنك وهو ثوب طويل عريض قريب من الرداء مربع يجعل فوق العمامة يغطى أكثر الوجه ثم يدار طرفه والأولى اليمين من تحت الحنك إلى أن يحيط بالرقبة جميعها ثم يلقى طرفاه على المنكبين ومقور وهو ما عدا ذلك فيشمل المدور والمثلث والمربع والمسدول وهو ما يرخى طرفاه من غير ضمهما أو إحداهما...والأول مندوب اتفاقاً ويتأكد لصلاة وحضورجمعة وعيد ومجمع ، والثاني بأنواعه مكروه...وصح عن ابن مسعود ﷺ وله حكم المرفوع التقنع من

أخلاق الأنبياء ...وفي خبر لايتقنع إلا من استكمل الحكمة ...ينبغي أن يكون للعلماء شعار مختص بهم ليعرفوا ليسئلوا . (حاشية جمع الوسائل في شرح الشمائل: ۱۷۷).

شمائل کبریٰ میں ہے:

ویسے آپ گرمی سے بچنے کے لیے سر مبارک پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے۔(شمائل کبریٰ:۱/ ۱۶۵)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

کبھی آپ ٹوپی اور عمامہ کے اوپر بھی رومال کے مانند کوئی کپڑا ڈال لیتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے باب التقنع میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے،عموماً دھوپ سے بچاؤ کے لیے ہوتا تھا۔ چنانچہ حدیث ہجرت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے پاس دوپہر کو تشریف لائے اور سر کو کپڑے سے ڈھانکے ہوئے تھے۔

یہی سنت متوارث اہل علم میں چلی آرہی ہے کہ رومال وغیرہ سر پر رکھتے ہیں۔(شمائل کبریٰ:۱/۱۷۳)۔

مذکورہ بالا احادیث اور شروحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احوال میں چادر یا کپڑا سر مبارک پر رکھا تھا نیز بعض روایات میں آتا ہے کہ تیل سے حفاظت کے لیے بھی کپڑا رکھتے تھے، لیکن اس کی وجہ سے عرب کا معتاد رومال ثابت نہیں ہوتا، ہاں چادر کا اثبات ضرور ہوتا ہے، جو سر اور کندھوں پر ہو۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں گرمی سردی سے بچاؤ کے لیے استعمال کیا گیا ہو بعد میں رواج بن گیا ہو۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ :

﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم
ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم
إن اللّٰه خبير بما يصنعون .
وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن
ويحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن
إلا ماظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ (سورة النور).

فصل سوم
حجاب اور پردہ کے احکام کا بیان

عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : إياكم والدخول على النساء ـ (متفق عليه).

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : على كل نفس من ابن آدم كتب حظ من الزنا أدرك ذلك لا محالة فالعين زناها النظر والرجل زناها المشي والأذن زناها السماع واليد زناها البطش واللسان زناه الكلام والقلب يتمنى ويشتهي ويصدق ذلك أو يكذبه الفرج .

(أخرجه الحاكم فى المستدرك).

فصل سوم

حجاب اور پردہ کے احکام کا بیان

عورت کے چہرہ کے پردہ کا حکم:

سوال: عورت کے لیے اپنے چہرہ کا پردہ کہاں سے ثابت ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ عورت کے چہرہ کا پردہ ضروری نہیں ہے؟ آپ قرآن، حدیث کی روشنی میں مسئلہ سمجھا دیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم، احادیث اور فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں عورت کے چہرے کا پردہ ثابت ہوتا ہے۔ دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وإذا سألتموهن متاعاً فاسئلوهن من ورآء حجاب، ذلكم أطهر لقلوبكم وقلوبهن﴾ (سورة الاحزاب:۵۳).

هذه هي آية الحجاب، نزلت في ذى القعدة سنة خمس من الهجرة، وهي تعم بإطلاقها حجاب جميع الأعضاء بما فيها الوجه والكفان، لا تستثنى عضواً من عضو. (ادلة الحجاب، ص ۲۵۱، للدكتورمحمد احمداسماعيل المقدم،ط:دارالايمان).

اگر چہرہ کا پردہ ضروری نہ ہوتا تو پھر "**من وراء حجاب**" کی کیا ضرورت تھی، پھر سامنے آنے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔

(۲) قال تعالیٰ: ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن، ذلك أدنى أن يعرفن فلا يؤذين، وكان اللّٰه غفوراً رحيماً﴾ (سورة الاحزاب: ۵۹).

"الجلابيب" جمع جلباب وهو على ما روي عن ابن عباس رضي الله عنه الذي من فوق على أسفل

وفی الکشاف: ومعنی"یدنین علیهن من جلابیبهن"... یقال: إذا زل الثوب عن وجه المرأة: أدنی ثوبک علی وجهک. والظاهر أن المراد بـ علیهن علی جمیع أجسادهن و قیل: علی رؤوسهن أو علی وجوههن، لأن الذي کان یبدومنهن فی الجاهلیة هوالوجه، انتهی.

قال ابن کثیرؒ: "والجلباب" هو الرداء فوق الخمار قاله ابن مسعودؓ وعبیدةؒ و قتادةؒ و الحسن البصریؒ و سعید بن جبیرؒ و إبراهیم النخعيؒ وعطاء الخراسانيؒ وغیر واحد ... إلی قوله: قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباسؓ: أمر اللّٰه نساء المؤمنین إذا خرجن من بیوتهن في حاجة أن یغطین وجوههن من فوق رؤوسهن بالجلابیب ویبدین عیناً واحدة.

(تفسیرابن کثیر: ۵٦۹/۳،ط:مکتبة دارالسلام).

روح المعانی میں ہے:

وقال محمد بن سیرین: سألت عبیدة السلمانيؒ عن هذه الآیة فرفع ملحفة کانت علیه فتقنع بها وغطی رأسه کله حتی بلغ الحاجبین وغطی وجهه وأخرج عینه الیسری من شق وجهه الأیسر... و قال ابن عباسؓ و قتادةؒ: تلوی الجلباب فوق الجبین و تشده ثم تعطفه علی الأنف وإن ظهرت عیناها لکن تستر الصدر ومعظم الوجه. و في روایة أخری عن ابن عباسؓ رواها ابن جریر، وابن أبي حاتم، وابن مردویه: تغطی وجهها من فوق رأسها بالجلباب وتبدی عیناً واحدة. (روح المعانی: ۸۹/۲۲).

وفي قصة الإفک عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها وفیه أنها نامت بعد ذهاب القوم وجاء صفوان السلمي قالت: فرأی سواد إنسان نائم فأتاني فعرفني فاستیقظت باسترجاعه قالت: فخمرت وجهي بجلبابي، لأن ذلک کان بعد نزول آیة الحجاب. (احکام القرآن: ۴۵۱/۳، نقلاً عن السیرة الحلبیة: ۸۲/۲).

وقال الإمام أبوبکر الجصاص في تفسیر قوله تعالیٰ: یدنین علیهن من جلابیبهن: في هذه الآیة دلالة علی أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنبیین، وإظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا یطمع أهل الریب فیهن. (احکام القرآن: ۳۷۲/۳، ط:سهیل).

(۳) قوله تعالیٰ:﴿ وقرن في بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الأولیٰ...الخ ﴾.

(الأحزاب:۳۲ ـ ۳۳).

قال الإمام أبوبکر الجصاص: یعنی إذا خرجتن من بیوتکن . (احکام القرآن: ۳/ ۳٦٠،ط: سھیل).

قال الإمام القرطبي: فإن مست الحاجة إلى الخروج فلیکن على تبذل وتستر تام .

(الجامع لاحکام القرآن:١٤/ ١٨٠).

لا یقال: إن ھذا قد یکون حکماً خاصاً بزوجات الرسول علیه الصلاة والسلام لأن الفرق بین زوجات النبي صلى اللّٰه علیه وسلم وسائر نساء المسلمات فیما یتعلق بالحجاب إنما ھو فارق زمني فقط، ذلک أن مشروعیة الحجاب تمت في حق نسائه علیه الصلاة والسلام أولاً ، ثم إنها عمت سائر النساء بعد حین. (حاشیة ادلة الحجاب،ص٣٤٥).

(۴) قال اللّٰه تعالیٰ : ﴿قل للمؤمنین یغضوا من أبصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک أزکى لھم إن اللّٰه خبیر بما یصنعون. وقل للمؤمنات یغضضن من أبصارھن ویحفظن فروجھن ولایبدین زینتھن إلا ماظھر منھا﴾ (سورة النور).

وذکر الإمام ابن الجوزیؒ في تفسیر قوله تعالیٰ : ﴿ إلا ما ظھر منھا﴾ سبعة أقوال ، والقول الأشبه فیھا إنھا الثیاب . راجع : (زاد المسیر:٦/ ٣١، و أدلة الحجاب،ص٢٨٣ ـ ٣١٠).

(۵) قوله تعالیٰ : ﴿ ولیضربن بخمرھن على جیوبھن﴾ (النور:٣١).

وھذا یتضمن أمر النساء بتغطیة وجوھھن ورقابھن . (أدلة الحجاب،ص ٣١٠).

(٦) قوله تعالیٰ : ﴿ولا یضربن بأرجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن ﴾ (النور:٣١).

إن دلالة الآیة على الحجاب الکامل أظھر وأقوى من الآیات السابقة ، وذلک لأن إثارة الفتنة بسماع صوت الخلخال فى الرجل إذا ضربت المرأة برجلھا وھي تمشي أقل بکثیر من فتنة النظر إلى وجھھا وسماع حدیثھا، فإذا حرم اللّٰه تعالیٰ بھذه الآیة على المرأة أن تضرب الأرض برجلھا خشیة أن یسمع صوت حلیھا فیفتن به سامعه کان تحریم النظر إلى وجھھا ـ وھو محط محاسنھا ـ أولیٰ وأشد حرمة . (ادلة الحجاب،ص٣١٦).

(١) أخرج النسائي بسنده عن عبد الملک بن مروان بن الحارث بن أبي ذباب قال: أخبرني أبوعبد اللّٰه سالم سبلان قال: وکانت عائشةؓ تستعجب بأمانته وتستأجره ...قال

سالم : كنت آتيها مكاتباً ما تختفي مني فتجلس بين يدي وتتحدث معي حتى جئتها ذات يوم فقلت: ادعي لي بالبركة يا أم المؤمنين، قالت: وما ذاك ، قلت: أعتقني الله، قالت: بارك الله لك وأرخت الحجاب دوني فلم أرها بعد ذلك اليوم . (رقم: ١٠٠،باب مسح المرأة رأسها، ط: مكتب المطبوعات الاسلامية ،حلب).

(٢) عن أم سنان الأسلمية قالت: لما نزلنا المدينة لم ندخل منازلنا حتى دخلنا مع صفيةؓ منزلها، وسمع بها نساء المهاجرين والأنصار، فدخلن عليها متنكرات، فرأيت أربعاً من أزواج النبي صلى الله عليه وسلم متنقبات: زينب بنت جحشؓ، وحفصةؓ، وعائشةؓ، وجويريةؓ... الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد:١٢٦/٨، ط: دار صادر بيروت).

(٣)عن أنس بن مالك ﷺ أن أم سليمؓ صنعت حيساً ، وأرسلت به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بمناسبة زواجه من زينب بنت جحشؓ، فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم أصحابه وجلسوا يأكلون ويتحدثون، و رسول الله صلى الله عليه وسلم جالس، وزوجته مولية بوجهها إلى الحائط إلى أن خرجوا. (رواه مسلم ، ١٤٢٨).

(٤) عن عائشةؓ قالت: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يسترني بردائه ، وأناْ أنظر إلى الحبشة يلعبون فى المسجد، حتى أكون أناْ التى أسأم ، فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو. (أخرجه البخارى (٧٨٨/٢، باب نظر المرأة الى الحبش) ، ومسلم (٢٢/٣)، النسائى (٢٣٦/١)، والبيهقى (٩٢/٧)، واحمد (٨٤/٦-٨٥).

(٥) عن نبهان مولى أم سلمةؓ أنه حدثه أن أم سلمة حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، و عندها ميمونةؓ، فأقبل ابن أم مكتومؓ ، وذلك بعد أن أمرنا بالحجاب ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم:" احتجبا منه" فقلنا: يا رسول الله أليس أعمى لايبصرنا ولا يعرفنا؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: " أفعمياوان أنتما ؟ ألستما تبصرانه"؟

(رواه الترمذى فى الادب، رقم:٢٧٧٩، وقال: حديث حسن صحيح ، وأبوداود وأحمد).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف ،نبهان مولى أم سلمة: لم يوثقه غير المؤلف ، ولم يرو عنه غير الزهري ومحمد بن عبد الرحمن، وقال أحمد: نبهان روى حديثين عجيبين يعنى هذا

الحديث وحديث :" إذا كان لإحداكن مكاتب فليحتجب منه " ونقل صاحب المبدع (١١/٧) تضعيفه عن أحمد ، وقال ابن عبد البر: نبهان مجهول لايعرف إلا برواية الزهرى عنه، وقال ابن حزم فيما نقله الذهبي عنه فى المغنى (٦٩٤/٢): مجهول ، وفى التقريب: مقبول يعنى حيث يتابع وإلا فهو لين الحديث، ومتن الحديث معارض بأحاديث صحاح كما سيأتى...الخ. (صحيح ابن حبان:رقم: ٥٥٧٥)، قال حسين أسلم أسد : إسناده جيد. (مسند ابى يعلى ، رقم: ٦٩٢٢)، قال عبد الغفور البلوشي: إسناده قوى. (مسند اسحاق بن راهويه).

(٦) عن أنس رضي الله عنه في قصة زواج رسول اللّه صلى اللّٰه عليه وسلم من صفيةؓ ، فقال المسلمون : إحدى أمهات المؤمنين ، أو مما ملكت يمينه ؟ فقالوا: إن حجبها فهي من أمهات المؤمنين ، وإن لم يحجبها فهي مما ملك يمينه، فلما ارتحل وطأ لها خلفه، ومد الحجاب بينها و بين الناس. (رواه البخارى فى عدة مواضع ، ومسلم فى النكاح وفى المغازى).

قال الشيخ عبد العزيز بن خلف حفظه اللّٰه : وهذا الحديث من أدلة الوجوب أيضاً، لأنه من فعله صلى اللّٰه عليه وسلم بيده الكريمة فهوعمل كامل، حيث أنه صلى اللّٰه عليه وسلم ستر جسمه كله ، وهذا هوالحق الذي يجب اتباعه، فهو القدوة الحسنة ، ولو لم يكن دليل من النصوص الشرعية على وجوب سترالمسلمة وجهها وجميع بدنها ومقاطع لحمها إلا هذا الحديث الصحيح ، لكفى به موجباً وموجها إلى أكمل الصفات. (نظرات فى كتاب حجاب المرأة المسلمة للشيخ عبد العزيز بن خلف ، ص٩٧).

(٧) وأخرج ابن مردويه عن عائشةؓ قالت: رحم اللّٰه نساء الأنصار، لما نزلت ﴿ يا أيها النبي قل لأزواجك ﴾ الآية ، شققن مروطهن فاعتجرن بها، وصلين خلف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كأنما على رؤوسهن الغربان . (فتح القديرللشوكانى:٤٣٥/٤).

ولايتأتى تشبيههن بالغربان إلا مع سترهن وجوههن بفضول أكسيتهن .

والاعتجار : هوالاختمار، قال الحافظ : قوله فاختمرن ، أى: غطين وجوههن .

(٨) وعن أم المؤمنين عائشةؓ قالت: كان الركبان يمرون بنا ونحن مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم محرمات ، فإذا حاذوا بنا أسدلت إحدانا جلبابها من رأسها على

وجهها، فإذا جاوزونا كشفناه . (اخرجه الامام أحمد، رقم:۲٤٠۲۱، وابوداود، وابن ماجه).

وهذان الحديثان صريحان في شمول الحجاب للوجوه ، بل يفيدان أن تغطية الوجوه كان هو المقصود بأمر الحجاب ، والحديث الأخير حكمه عام لجميع نساء المؤمنين ، فإن المراد بضمائر جمع المتكلم ليست أمهات المؤمنين فحسب كما يزعمه الزاعمون، والدليل على ذلک أن عائشةؓ هي التي روت هذا الحديث، وهي التي كانت تفتي: بأن المرأة المحرمة تسدل جلبابها من فوق رأسها على وجهها . (ادلة الحجاب ، ص ۳۵۰ ، للدكتور محمد احمد اسماعيل المقدم ،ط:دارالايمان،اسكندريه).

دکتور محمد احمد اسماعیل نے ادلۃ الحجاب میں تین قسم کی احادیث بیان فرمائی ہیں:(۱)وہ احادیث جن سے علماء نے عام مسلمان عورتوں پر حجابِ شرعی کا وجوب مستنبط کیا ہے۔(۲)وہ احادیث جن سے ازواجِ مطہرات کے حجاب پر روشنی پڑتی ہے اور علماء نے ان سے عمومی طور پر حجاب مستنبط کیا ہے۔(۳)وہ احادیث جو بغیر کسی تخصیص کے امت کی تمام مسلمان خواتین پر کامل طور پر حجابِ شرعی کو واجب کرتی ہیں،اور اجنبی مردوں کو غیر محرم عورت کی طرف دیکھنے سے روکتی ہیں۔پھر تینوں اقسام کو بالترتیب بیان فرمایا ہے۔طوالت کی وجہ سے ہم فقط حوالہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (أدلة الحجاب للدكتور محمد أحمد إسماعيل المقدم ، ص:۳۲۹۔۳٦۳، ونظرات فی كتاب حجاب المرأة المسلمة، للشيخ عبد العزيز بن خلف، ورسالة الحجاب فی الكتاب والسنة ، للشيخ عبد القادر بن حبيب الله السندی، واحكام القرآن للشيخ التهانویؒ :۳/٤٥٤۔ ٤۸۲، حد الحجاب الشرعی ودرجاته وتفصيل احكامه ، ادارة القرآن كراتشی ، و آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸، طبع جديد).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

وفی الدر المختار : وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة. وفی الشامي: والمعنى تمنع من الكشف لخوف أن يرى الرجال وجهها فتقع الفتنة لأنه مع الكشف قد يقع النظر إليها بشهوة . (الدرالمختارمع فتاوى الشامی:۱/٤٠٦،باب شروط الصلاة ،سعيد).

وفی البحر الرائق: قال مشايخنا: تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال

في زماننا للفتنة . (البحرالرائق: ۱/ ۲۷۰،ط: کوئته).

وفي مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: وفى المنتقى: تمنع الشابة عن كشف وجهها لئلا يؤدي إلى الفتنة وفي زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد وعن عائشةؓ جميع بدن الحرة عورة إلا إحدى عينيها فحسب لاندفاع الضرورة . (مجمع الانهر: ۱/ ۱۲۲،ط: دارالکتب العلمية).

وقال شمس الأئمة السرخسيؒ: ...فدل أنه لا يباح النظر إلى شيء من بدنها ولأن حرمة النظر لخوف الفتنة وعامة محاسنها في وجهها، فخوف الفتنة فى النظر إلى وجهها أكثر منه إلى سائر الأعضاء . (المبسوط : ۱۰/ ۱۵۲).

وللاستزادة انظر: (بدائع الصنائع : ۵/ ۱۲۳،ط:سعید، وتبیین الحقائق : ٦/ ۱۷،ط:امدادیه).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

عورت کو کسی مجبوری کے بغیر چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۹۶)۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

روایات میں ہے کہ اس آیتِ مذکورہ (**یدنین علیهن من جلابیبهن**) کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ کھلی رہتی تھی اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیئے۔ (فوائد عثمانی ص ۵٦۸، سورۂ احزاب)۔

احکام القرآن میں ہے:

وبالجملة فاتفقت مذاهب الفقهاء وجمهور الأئمة على أنه لا يجوز للنساء الشواب كشف الوجوه والأكف بين الأجانب . (احکام القرآن للتهانویؒ: ۳/ ٤٧١،ط:ادارة القرآن، کراتشی).

احیاء العلوم میں ہے: **والنساء يخرجن متنقبات** ۔ یعنی عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں چہروں پر نقاب ڈال کر باہر نکلتی تھیں یعنی پردہ نشین تھیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴/ از ۹۴ تا ۱۰۹، طبع قدیم)۔

کفایت المفتی میں ہے:

عورت کا چہرہ نماز میں پردے کا حکم نہیں رکھتا، مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے، کیونکہ چہرہ ہی اصل شئی ہے جو جاذبِ نظر اور مہیج جزبات ہے۔ (کفایت المفتی: ۵/ ۳۵۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حجاب کا مطلب اور اس کا حکم:

سوال: میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور میرا تعلق مسلمان گھرانہ سے ہے، پہلے میں پردہ نہیں کرتی تھی تو میں ہرجگہ آزادی سے جاتی آتی تھی، اب جب سے میں پردہ کرنے لگی تو لوگ میری طرف اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ایئرپورٹ وغیرہ میں بھی میری تلاشی لیتے ہیں جب کہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا، تو اب سوال یہ ہے کہ پردے میں کونسی چیزیں کھلی رکھ سکتی ہیں اور گریبان اور سینہ پردے میں داخل ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ بعض سہیلیوں سے سنا ہے کہ فقط چہرہ چھپانا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حجاب کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چادر یا کپڑا جو ازسرتاپا عورت کے پورے جسم کو چھپائے بدن کی کوئی چیز نظر نہ آئے، لہٰذا سینہ اور گریبان بدرجہ اولیٰ ستر میں داخل ہے اور ان کا چھپانا بھی لازم اور ضروری ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یدنین علیهن من جلابیبهن﴾ وذکر ابن حجر في تحدید المقصود من الجلباب سبعة أقوال: المقنعة، والخمار، أو أعرض منه، والثوب الواسع یکون دون الرداء، والإزار، والملحفة، والملاء ة، والقمیص . وکذا في لسان العرب لابن منظور: (فتح الباری: ۱/۵۰۵).

وأرجحها ما ذهب إلیه کثیر من المحققین، وهو أن الجلباب في لغة العرب التي خاطبنا بها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم هو ما غطی جمیع الجسم لا بعضه،ذکره ابن حزم فی المحلی(۳/۲۱۷) **وصححه القرطبي في تفسیره** .(۱۴/۲۴۳).

وقال الشیخ أنور الکشمیری : والجلباب رداء ساتر من القرن إلی القدم . (فیض الباری:۱/۳۸۸).

والجلابیب: جمع جلباب وهو ما روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ الذي یستر من فوق إلی أسفل . (روح المعانی: ۲۲/۸۸).

وقال الشیخ ابراهیم الشوری، والشیخ محمد الشیباوی: والصحیح أنه الثوب الذی یستر جمیع البدن ، وکل امرأة أعرف بما یستر جسمها، ولا یحتاج إلی تعلیم في ذلک.

(تیسیر التفسیر،ص:۴۶، از ادلة الحجاب ،ص :۹-۲۳۸). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حجاب کا حکم:

پورے جسم کو چھپائے بغیر عورت کا باہر نکلنا ناجائز ہے۔ چہرہ مکمل مستور ہو راستہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے بہتر یہ ہے کہ اس پر بھی جالی لگادی جائے۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں: احادیث میں آتا ہے کہ جب آیتِ حجاب نازل ہوئی تو مسلمان عورتیں اس طرح نکلتی تھیں کہ راستہ دیکھنے کے لیے صرف ایک آنکھ کھلی رہتی تھی۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۴۶، طبع جدید)۔

روى الشيخان وغيرهما عن أم عطيةؓ قالت: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نخرجهن في الفطر والأضحى: العواتق، والحيض، وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلاة، ويشهدن الخير ودعوة المسلمين، قلت: يا رسول الله! إحدانا لايكون لها جلباب؟ قال: لتلبسها أختها من جلبابها. واللفظ لمسلم. (رقم: ۸۹۰).

قال الحافظ ابن حجر: وفيه امتناع خروج المرأة بغير جلباب. (فتح الباری: ۱/۴۲٤).

وقال بدرالدين العيني: ومنها أى من فوائد الحديث امتناع خروج النساء بدون الجلابيب. (عمدة القاری: ۳/۱٦٦، دارالحديث، ملتان).

قال في روح المعاني: فى تفسيرقوله تعالىٰ: ﴿وليضربن بخمرهن على جيوبهن﴾ والخمر جمع خمار... وهو المقنعة التي تلقيها المرأة على رأسها من الخمر وهو الستر، والجيوب جمع جيب وهو فتح في أعلى القميص يبدو منه بعض الجسد...والمراد من الآية كما روى ابن أبي حاتم عن ابن جبير أمرهن بستر نحورهن وصدورهن بخمرهن لئلا يرى منها شيء وكان النساء يغطين رؤوسهن بالخمر ويسدلنها كعادة الجاهلية من وراء الظهر فيبدو نحورهن وبعض صدورهن، وصح أنه لما نزلت هذه الآية سارع نساء المهاجرين إلى امتثال ما فيها فشققن مروطهن فاختمرن بها تصديقاً وإيماناً بما أنزل الله تعالىٰ من كتابه.

(روح المعانی: ۱۸/ ۱٤۲).

معارف القرآن میں ہے:

وليضربن بخمرهن على جيوبهن، یعنی آنچل مارلیا کریں اپنے دوپٹوں کا اپنے سینوں پر، خمر: خمار

کی جمع اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے، جیوب جیب کی جمع جس کے معنی ہیں گریبان، چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے کا معمول ہے اس لیے جیوب کے چھپانے سے مراد سینہ کا چھپانا ہے شروع آیت میں اظہارِ زینت کی ممانعت تھی اس جملہ میں اخفاءِ زینت کی تاکید اور اس کی ایک صورت کا بیان ہے جس کی اصل وجہ ایک رسم جاہلیت کا مٹانا ہے، زمانہ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے اس لیے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ دوپٹے کے دونوں پلے ایک دوسرے پر اُلٹ لیں تاکہ یہ سب اعضاء چھپ جائیں۔ (معارف القرآن: ۶/۴۰۲)۔

حلال وحرام میں ہے:

عام فقہاء کے نزدیک اجنبی کے سامنے بلاضرورت چہرہ اور ہاتھوں کا کھولنا بھی جائز نہیں،... اگر شہوت اور فتنہ کا اندیشہ ہو جیسا کہ فی زمانہ اس کا مشاہدہ ہے تو پھر اجنبی سے مکمل پردہ ضروری ہے، خود قرآن مجید کی جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿**یدنین علیھن من جلابیبھن**﴾ تو بقولِ حضرت ام سلمہؓ انصاری خواتین نے ایسے سیاہ کپڑے پہن لیے کہ گویا ان کے سروں پر کوے ہوں اس لیے کہ جلباب ایسے کپڑے کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھک دے۔ (حلال وحرام، ص ۱۸۷)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

بہتر ہے کہ ایسا نقاب استعمال کیا جائے کہ آنکھ کے حصہ پر بھی جالی لگی ہو، تاہم فقہاء کی تصریحات کے مطابق آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے تاکہ چلنے میں سہولت ہو، اصل مسئلہ خود نقاب کی ہیئت کا ہے، نقاب معمولی طور پر موٹے کپڑے کا ہونا چاہئے جس میں جاذبیت نہ ہو، آج کل نئے نئے ڈیزائن کے جاذبِ نگاہ نقاب بنائے جاتے ہیں یہ نقاب کے مقصد ومنشا کو مجروح کر دیتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶/۸۳)۔

قرآن واحادیث سے حجاب کے مزید دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے، تکرار موجبِ طوالت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حجاب کے حکم میں عمر کی تعیین کا حکم:

سوال: لڑکی کو کس عمر سے حجاب پہننا چاہئے؟

الجواب: لڑکی جب قریب البلوغ ہوجائے اوراس عمر میں اس کی طرف مرد کی خواہش ہونے لگے اورمشتہاۃ ہوجائے ایسی عمر میں حجاب کاحکم دیاجائے گا، عام طور پرفقہاء ۹ سال کی عمر لکھتے ہیں۔

البحرالرائق میں ہے:

وقال الفقيه أبو الليثؒ: ما دون تسع سنين لا تكون مشتهاة وعليه الفتوىٰ. فأفاد أنه لافرق بين أن تكون سمينة أو لا ولذا قال في المعراج: بنت خمس لاتكون مشتهاة اتفاقاً وبنت تسع فصاعداً مشتهاة اتفاقاً وفيما بين الخمس والتسع اختلاف الرواية والمشايخ والأصح أنها لا تثبت الحرمة . (البحرالرائق: ۱۰٦/۳ ،دارالمعرفة،بيروت).

(وكذا في الجوهرة النيرة : ۴۸۹/۳، كتاب النكاح ،والفتاوى الهندية: ۲۷۵/۱ ،والمحيط البرهاني: ۱٦۸/۳، دار احياء التراث العربي، وفتاوى الشامي: ۳۷/۳،ط:سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جب لڑکی سیانی ہوجائے کہ اس کے اندرایسامادہ پیدا ہوجائے کہ خود اس کو مرد کی خواہش ہونے لگے یامرد کواس کی خواہش ہونے لگے تو وہ پردہ کے قابل ہوگی پھر ساری عمر پردہ کرے گی، کسی وقت بھی اس کو آزادی نہیں کہ بے پردہ ہوکر مردوں میں گھومتی پھرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۹/ ۱۶۹، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

احکامِ حجاب سے مقصود مردوں اورعورتوں کو بدنظری اور برے خیالات کے گناہ سے محفوظ رکھنا ہے، سو جس عمر سے بچوں میں اس گناہ میں مبتلا ہونے کا احتمال ہوگا وہ اس عمر سے احکامِ حجاب کے مکلّف ہوں گے اور پردہ کے سلسلہ میں ایسے بچوں کا وہی حکم ہوگا جو بالغ مردوں عورتوں کا ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۸/ ۳۷)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

جولڑکے عورتوں کے پردے سے واقف ہوں، ان سے پردہ کرنا چاہئے۔ (آپ کے مسائل اوران کاحل: ۸/ ۱۱۴، طبع جدید)۔

قال الله تعالىٰ : ﴿ أو الطفل الذي لم يظهروا على عورات النساء ﴾.

روح المعانی میں ہے:

أي الأطفال الذين لم يعرفوا ما العورة ولم يميزوا بينها وبين غيرها على أن (لم

يظهروا) من قولهم ظهر على الشيء إذا اطلع عليه فجعل كناية عن ذلك أو الذين لم يبلغوا حد الشهوة والقدرة على الجماع على أنه من ظهر على فلان إذا قوى عليه ومنه قوله تعالىٰ: ﴿فأصبحوا ظاهرين﴾ [الصف:١٤] **ويشمل الطفل الموصوف بالصفة المذكورة بهذا المعنى المراهق الذي لم يظهر منه تشوق للنساء... ويشمل أيضاً من دون المراهق لكنه بحيث يحكى مايراه على وجهه، وذكروا في غير المراهق أنه إن كان بهذه الحيثية فكالمحرم وإلا فكالعدم فيباح بحضوره ما يباح فى الخلوة فلا تغفل.** (روح المعانی: ١٨/١٤٥).

معارف القرآن میں ہے:

أو الطفل الذين، اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں، اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اس سے پردہ واجب ہے، (ابن کثیر) امام جصاصؒ نے فرمایا یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ کرتے ہوں۔ (معارف القرآن: ۶/۴۰۵)۔

خلاصہ یہ ہے تقریباً نو سال کی لڑکی اور دس سال کا لڑکا حد شہوت تک پہنچ جاتے ہیں لہذا اس عمر میں پردہ کرنا ضروری ہوگا اور وہ خود اہتمام نہ کریں تو ان کے سرپرستوں کو چاہئے کہ ان سے اہتمام کروائیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حجاب کا ازواجِ مطہرات کے ساتھ خصوصیت کا شبہ:

سوال: بعض عورتیں یہ کہتی ہیں کہ قرآن کریم میں حجاب کی آیات ہیں ان کی مخاطب ہم ہیں یا نہیں؟ کیونکہ قرآن کے ترجمہ کو پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ حجاب کی مخاطب فقط ازواجِ مطہرات ہیں، ہم نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اصولیین کے یہاں قاعدہ ہے کہ خطاب اگرچہ خاص ہو لیکن حکم اس کا عام ہوتا ہے "**العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب**" اگرچہ قرآن کریم کی اولین مخاطب ازواجِ مطہرات تھیں لیکن اس کا حکم جمیع امت کی خواتین کو عام ہے، اس حکم میں قیامت تک آنے والی مسلمان خاتون شامل ہے۔ ملاحظہ ہو امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

وهـذا الـحـكم وإن نزل خاصاً فى النبي صلى الله عليه وسلم وأزواجه ، فالمعنى عام فيه وفي غيره، إذكنا مأمورين باتباعه والاقتداء به، إلا ما خصه الله به دون أمته. (احكام القرآن : ۳/ ۳۷۰، ط: سهيل).

علامہ شیخ شنقیطیؒ فرماتے ہیں:

ومـن الأدلة على أن حكم آية الحجاب عام ، هو ما تقرر فى الأصول من أن خطاب الـواحد يعم حكمه جميع الأمة ، ولا يختص الحكم بذلک الواحد المخاطب؛ لأن خطاب الـنبـي صـلـى الـلّه عليه وسلم لواحد من أمته يعم حكمه جميع الأمة ، لاستوائهم في أحكام التـكـليف، إلا بدليل خاص يجب الرجوع إليه...وذلک بالنص والقياس...والنص كقوله صـلى الله عليه وسلم: إني لا أصافح النساء ، وما قولي لامرأة واحدة إلا كقولي لمائة امرأة، وبهـذا القاعدة الأصولية التي ذكرنا تعلم أن حكم آية الحجاب عام ، وإن كان لفظها خاصاً بأزواجه صلى الله عليه وسلم . (ادلة الحجاب ،ص ۲۵۷).

ادلۃ الحجاب میں فرماتے ہیں:

فـإن قال قائل: إن هذه الآية خاصة بأمهات المؤمنين وقد نزلت بحقهن، قلت: إنها وإن كـانـت خـاصة بـنسـاء الـنبي صلى الله عليه وسلم من جهة السبب، فهي عامة من جهة الأحـكـام ، لأن العبرة بعموم اللفظ لابخصوص السبب، وأكثر آيات القرآن ذوات أسباب فـي نـزولهـا بـلا خـلاف بين العلماء ، فإذا حصرنا احكامها ضمن دائرة أسبابها فما هوحظنا مـنهـا إذن ؟ وبذلک نكون قد عطلناآيات الله ، وأبطلنا أحكامها جملة وتفصيلاً ...فادعاء أنها خاصة بنساء النبي صلى الله عليه وسلم إضافة إلى ما ذكرته لاينهض حجة ...

ومـمـا يدفع دعوى الاختصاص: إشراک الله عز وجل أزواج النبي صلى الله عليه وسـلـم وبـناته ونساء المؤمنين في حكم واحد في قوله تعالىٰ:﴿ يا أيها النبي قل لأزواجک وبـنـاتک ونسـاء الـمـؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ﴾ فبطلت دعوى التخصيص. وإذا كـان الأمـر كـذلک ، فـكل ما ثبت لنسائه صلى الله عليه وسلم ثبت لغيرهن، وكل ما ثبت لـغيـرهـن ثبـت لهـن ، ولـقـد فهم الصحابة رضوان الله عليهم أن الأمر يقتضى العموم، وأن

سياق الآية يفيده ويقتضيه .

...فقوله تعالىٰ:﴿ يٰنساء النبي لستن كأحد من النساء إن اتقيتن...الخ﴾ إنها وصايا ربانية وأوامر الٰهية، فأي منها لايتصل بعامة النساء المسلمات؟ وهل النساء المسلمات لايجب عليهن أن يتقين اللّٰه تعالىٰ، أو قد أبيح لهن أن يخضعن بالقول، ويكلمن الرجال كلاماً يغريهم ويشوقهم ؟ أو يجوز لهن أن يتبرجن تبرج الجاهلية ؟ ثم هل ينبغي لهن أن يتركن الصلاة ويمنعن الزكاة، ويعرضن عن طاعة اللّٰه ورسوله ؟ وهل يريد اللّٰه أن يتركهن فی الرجس ؟

فإذا كانت هذه الأوامر والإرشادات عامة لجميع المسلمات فما المبرر لتخصيص ما رود في سياق مخاطبة أمهات المؤمنين من قرار فی البيوت وملازمة للحجاب وعدم مخالطة الأجانب بهن خاصة ؟ إن التوجيه الرباني، والتربية الإلٰهية لكل النساء عامة بشخص أمهات المؤمنين من باب " إياک أعني واسمعي يا جارة ". (ادلة الحجاب، ص۲۵۹ـ ۲٦۲).

قال الشيخ عبد القادر بن حبيب اللّٰه السندي في" رسالة الحجاب فی الكتاب والسنة": وأما ما قاله ابن بطال ونقل الحافظ فی الفتح عن شرحه ذاک بأن فرض الحجاب كان على أمهات المؤمنين خاصاً دون نساء المؤمنين .

قلت: إن هذه الدعوى مجردة عن الدليل ولا هناک دليل خاص يخص أمهات المؤمنين بالحجاب دون غيرهن ، بل الأمر قد يكون بالعكس لأن أمهات المؤمنين ممن حرم على المؤمنين نكاحهن البتة ومع ذلک قد شدد القرآن الكريم عليهن بما شدد به من عدم تبرجهن بتبرج الجاهلية...وإذا كان الأمر في حقهن كهذا الأمر الشديد المغلظ فغيرهن من نساء المؤمنين من باب أولى لأنه لم يحرم نكاحهن بعد موت الأزواج وهذا المعنى واضح جلي يدركه كل من أعطى أدنى فهم وبصيرة ومع ذلک لقد نص القرآن الكريم على هذا المعنى نصاً صريحاً وما دونه منه بكثير ...الخ. (رسالة حجاب المرأة المسلمة فی الكتاب والسنة ،ص۴۳ـ۴٤،ط: مكتبة دارالمنار).

قال الشيخ المفتی محمد تقي العثماني في" تكملة فتح الملهم": والظاهر أن هذا الأمر ليس مختصاً بالأزواج المطهرات لأن الأحكام السابقة واللاحقة في هذه الآية لايختص شيء منها بأمهات المؤمنين بالإجماع. (تكملة فتح الملهم: ٤/ ٢٦١).

مزید ملاحظہ ہو: (ادلة الحجاب للدكتور محمد احمد اسماعيل المقدم، ص ٢٦٣_٢٦٥). **واللہ ﷻ اعلم۔**

غیر محرم کو دیکھنا اور مصافحہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک غیر محرم مرد کا غیر محرم عورت کے ساتھ مس کرنا، مصافحہ کرنا، معانقہ کرنا اور ایک دوسرے کو دیکھنا شرعاً کیسا ہے؟ ایسے لوگوں کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں اجنبی مرد اور عورت کے لیے ایک دوسرے کو کسی شدید مجبوری کے بغیر قصداً بنظر شہوت دیکھنا بھی ناجائز ہے۔ اور مصافحہ و معانقہ تو بدرجہ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

(۴) **قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم إن اللّٰه خبير بما يصنعون﴾** (سورة النور: ٣٠).

اے حبیب آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

نیز عورتوں کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے:

﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولايبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾ (سورة النور: ٣١).

اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں...الخ۔

تفسیر عثمانی میں ہے:

بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے، اس لیے قرآنِ کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لیے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا

کہ وہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔(فوائد عثمانی،ص۴۷۱)۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہوں کی حفاظت پر خاص زور دیا ہے، چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں مذکور ہے:

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إياكم والدخول على النساء . (متفق عليه).

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عورتوں کے پاس آنے جانے سے بچو۔ اس حدیث میں نامحرم عورتوں سے خلط واختلاط اور آمدورفت سے منع فرمایا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تلجوا على المغيبات فإن الشيطان يجري من أحدكم مجرى الدم...الخ . (رواه الترمذى ، رقم: ١١٧٢).

والمغيبة المرأة التي يكون زوجها غائباً .

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف، لضعف مجالد وقد جمع في هذا المتن ثلاثة أحاديث وهي صحيحة. (مسند الإمام أحمد مع التعليقات، رقم: ١٤٣٢٤).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسی عورتوں کے پاس مت جاؤ جن کے شوہر موجود نہیں ہیں، کیونکہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کے ساتھ چلتا ہے۔

اس روایت میں خلوت بالاجنبیہ کی ممانعت موجود ہے اور جو حکم مرد کے لیے ہے وہی حکم عورت کے لیے بھی ہے کہ کسی اجنبی مرد کے پاس تنہائی اور خلوت میں عورت نہ جائے ، نیز اس روایت سے اجنبی مرد کے ساتھ بے تکلفی کی بات چیت اور ملنا جلنا، خلوت اختیار کرنا، ایک ساتھ میز پر آمنے سامنے بیٹھنا، ایک کمرہ میں بیٹھنا سب ممنوع اور حرام ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نامحرم مرد یا عورت کو دیکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے: **عن الحسن قال: بلغني أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لعن اللّٰه الناظر والمنظور إليه . هذا مرسل ضعيف .** (رواه البيهقي في شعب الإيمان، رقم: ٧٣٩٩ ، **وقال محشيه: إسناده ضعيف ☆ عبد الرحمن بن سلمان هو الحجرى الرعينى، المصرى، قال ابوحاتم: مضطرب الحديث .**

وقال البخاری فیه نظر ، وقال النسائی وغیره : لیس بالقوی . ☆ الحسن هو البصری . والحدیث رواه المؤلف فی سننه (٩٩/٧) بنفس الاسناد هنا. (تعلیقات الشیخمختار احمد الندوی علی شعب الایمان:١٠/٢١٤/٧٣٩٩).

وحديث: لعن الله الناظر إلى عورة المؤمن والمنظور إليه. رواه إسحاق بن نجيح الملطي: عن عباد بن راشد المنقری، عن الحسن ،عن عمران . وهذا الحديث موضوع ، وإسحاق كذاب . (ذخيرة الحفاظ:٤/١٩٤٢/٤٤٥٧، والكامل:١/٣٢٥، والفردوس بماثورالخطاب:٣/٤٦٥/٥٤٤١).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ دیکھنے والے اور جس کودیکھا جائے ان دونوں پر لعنت کرے،اس حدیث میں ہرنظرحرام کوسبب لعنت قرار دیا گیا ہے۔اگرچہ حدیث ضعیف ہے۔

اسی طرح اجنبی مرداورعورت کامس کرنا،مصافحہ کرنااورمعانقہ کرنا ناجائزاورحرام ہےاور بدترین گناہ ہے۔ایک حدیث میں اس کوزنا قرار دیا گیا ہے۔ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : على كل نفس من ابن آدم كتب حظ من الزنا أدرك ذلك لا محالة فالعين زناها النظر والرجل زناها المشي والأذن زناها السماع واليد زناها البطش واللسان زناه الكلام والقلب يتمنى ويشتهي ويصدق ذلك أو يكذبه الفرج . أخرجه الحاكم وصححه ووافقه الذهبي. (المستدرك للحاكم:٢/٥٨٨، رقم: ٣٧٥٢، كتاب التفسير).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ہرانسان کے لیےزنا کاوبال لکھاہواہےجس کووہ یقیناً حاصل کرکے رہتا ہے، پس آنکھوں کازنادیکھناہےاورپیروں کازنا چل کرجاناہےاورکان کازناسنناہےاور ہاتھ کازنا پکڑناہےاورزبان کازنابات کرناہےاوردل آرزواورخواہش کرتاہےاورشرمگاہ اس کی تصدیق یاتکذیب کرتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نامحرم سے بلاضرورتِ شرعیہ ہاتھ ملانااورمصافحہ کرنا ہاتھوں کازناہے اور معانقہ کرناتوپورےجسم کاملاناہے،توپورےجسم کازناہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو بیعت کرنے میں فقط کلام سے بیعت فرماتے تھے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کومس نہیں فرمایا۔

روى الإمام البخاري عن عائشةؓ في حديث طويل، قالت:عائشةؓ فمن أقر بهذا الشرط من المؤمنات فقد أقر بالمحنة فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أقررن بذلك من

قولهن قال لهن رسول الله صلى الله عليه وسلم: انطلقن فقد بايعتكن لا والله ما مست يد رسول الله صلى الله عليه وسلم يد امرأة قط غير أنه بايعهن بالكلام...الخ. (رواه البخاري، رقم: ٥٢٨٨، ومسلم، رقم: ١٨٦٦).

ایک روایت میں ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

روى ابن حبان في صحيحه (رقم: ٤٥٥٣) **عن أميمة بنت رقيقة رضي أنها قالت: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في نسوة يبايعنه... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إني لا أصافح النساء إنما قولي لمئة امرأة كقولي لامرأة واحدة أو مثل قولي لامرأة واحدة. قال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين.**

ایک روایت میں ہے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کے سر میں سوئی چبھودی جائے یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔

قال يزيد بن عبد الله بن الشخير سمعت معقل بن يسار رضي الله عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لأن يطعن في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له. (رواه الطبراني باسناد حسن، رقم: ٤٨٦).

مذکورہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نامحرم اجنبی مرد عورت کا بلا ضرورت شدیدہ ایک دوسرے سے ملنا بات چیت کرنا اور مصافحہ ومعانقہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ اگر ایسے لوگ توبہ واستغفار نہیں کرتے اور اپنے ان ناجائز امور سے باز نہیں آتے تو شرعی پنچایت وشرعی عدالت بطورِ تعزیر مناسب سزا جاری کرسکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر محرم رشتہ دار سے پردہ کا حکم:

سوال: اگر فتنہ کا اندیشہ نہیں اور خلط واختلاط کی کثرت نہیں تو دیور یا چچازاد یا چچا کی بیوی اور ماموں زاد یا ماموں کی بیوی وغیرہ سے چہرہ کا پردہ نہ کرنے اور کبھی سلام وضروری کلام کرنے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ بینوا بالدلیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: دیور، چچازاد بھائی، چچا کی بیوی، ماموں زاد بھائی، ممانی وغیرہ سب غیر محارم ہیں، اگر خوفِ فتنہ ہو تو شرعاً ان سے پردہ لازم اور ضروری ہے، بے تکلفی، ہنسی مذاق، اوران کے ساتھ خلوت اور تنہائی میں بیٹھنا ناجائز ہے۔

ہاں اگر ایک مکان میں سب ساتھ رہتے ہیں اور مکان تنگ ہے اور آپس میں بے تکلفی ہنسی مذاق، خلوت، تنہائی وغیرہ نہیں، تو گھر والوں کے ساتھ جن میں بڑے بوڑھے حضرات بھی ہوں چہرہ کا سخت پردہ ہر وقت ضروری نہیں، اس میں حرج اور مشقت ہے اور کام کاج میں مشغول ہونے کی وجہ سے ہر وقت چہرہ پر پردہ لٹکانا مشکل بھی ہے لہذا اتنی اجازت ہے۔ اور احناف کا اصل مذہب بھی یہی ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو چہرہ کا پردہ لازم نہیں ہے البتہ احتیاط اسی میں ہے چہرہ بھی چھپایا جائے۔

بندۂ عاجز کہتا ہے ترپیل خاء نہ ہو یعنی خلوت، خوفِ فتنہ اور خلط واختلاط تو چہرے کا پردہ لازم نہیں، ہاں عورتوں کا کھلے چہرے کے ساتھ باہر گھومنا بالکل ناجائز ہے۔

لأن الشيطان يجري من الإنسان مجرى الدم ۔

دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

المشهور من مذهب الحنفية جواز النظر إليها بشرط الأمن من الفتنة والشهوة، كما ذكره الزمخشري ومثله في استحسان البدائع (١٢٢/٥، سعيد) **حيث قال: فلا يحل النظر للأجنبي من الأجنبية الحرة إلى سائر بدنها إلا الوجه والكفين ومثله في شرح المنية الكبير.**

(احكام القرآن للتهانویؒ: ٤٦١/٣-٤٦٧).

وفى الدر المختار: وينظر من الأجنبية ولو كافرة إلى وجهها وكفيها فقط للضرورة قيل: والقدم والذراع إذا أجرت نفسها للخبز تاترخانية...فإن خاف الشهوة أو شك امتنع نظره إلى وجهها فحل النظر مقيد بعدم الشهوة وإلا فحرام وهذا في زمانهم وأما في زماننا فمنع من الشابة قهستاني وغيره وفى الشامي: لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة كما قدمه في شروط الصلاة. (الدرالمختار مع فتاوى الشامي: ٣٧٠/٦، ٣٧٣، سعيد).

وفى الهداية: ولا يجوز أن ينظر الرجل إلى الأجنبية إلا وجهها وكفيها لقوله تعالىٰ: ﴿ولايبدين زينتهن إلاما ظهرمنها﴾ قال علي رضي الله عنه وابن عباس رضي الله عنه منها ظهر منه الكحل

والخاتم والمراد موضعهما وهو الوجه والكف كما أن المراد بالزينة المذكورة موضعها ولأن في إبداء الوجه والكف ضرورة لحاجتها إلى المعاملة مع الرجال أخذاً وإعطاء وغير ذلك...قال: فإن كان لا يأمن الشهوة لا ينظر إلى وجهها إلا لحاجة لقوله عليه الصلاة والسلام: من نظر إلى محاسن امرأة أجنبية عن شهوة صب في عينيه الآنک يوم القيامة، فإن خاف الشهوة لم ينظر من غير حاجة تحرزاً عن المحرم وقوله: لا يأمن يدل على أنه لا يباح إذا شك في الاشتهاء كما إذا علم أو كان أكبر رأيه ذلک. (الهداية: ٤/٤٥٨، كتاب الكراهية).

وللاستزادة انظر: (الفتاوى الهندية: ٣٢٩/٥، والفتاوى السراجية على هامش قاضيخان: ١٨/٢، والمبسوط للامام السرخسي: ١٥٢/١٠، وشرح تحفة الملوك، ص،).

احکام القرآن میں ہے:

فالحاصل أن الحنفية حكموا بجواز النظر إلى وجه الأجنبية مشروطاً باليقين على عدم الشهوة والميلان إلى قربها ويحرم عند عدمه سواء علم الشهوة أو ظن أو شک فدار الحكم على حقيقة الفتنة ولم تكن حراماً حتماً فحيث خيفت الفتنة لايجوز وحيث يقع الأمن يجوز .

ومن هنا وقع الخلاف في صوت المرأة أنه من العورة فلا يجوز أن تتكلم بحيث يسمعها الأجانب أوليس بعورة فيرخص لها في التكلم، والحق الحقيق عند أرباب التحقيق هو أن صوت المرأة ليس بعورة في نفسه إلا أنه قد يكون سبباً للفتنة، فدار حكمه على الفتنة وعدمها فحيث خيف الفتنة حرام إبدائه وحيث لا فلا. (احکام القرآن: ٣/٤٥٤-٤٨٢).

مذکورہ بالا نقولِ فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو بقدرِ ضرورت سلام کلام کرنے اور چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے بشرطیکہ خلوت نہ ہو کیونکہ چہرہ کا پردہ بعلتِ خوفِ فتنہ لازم کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ رشدیہ میں ہے:

سوال: اگر حجابِ شرعی موجبِ بدگمانی وشر فساد کے نہ ہو سکے تو ان اجنبیوں سے جو اس کے چچا، تایا زاد بھائی یا دیور، جیٹھ یا بہنوئی ہیں یا بہنوئی یا جیٹھ، دیور زاد بھتیجے وعلی ہذا القیاس اور رشتہ دار ہوں تو ان سے فقط ستر پر کفایت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حجابِ شرعی کا ترک کرنا ہرحال میں موجبِ گناہ ہے شر وفساد کے اندیشہ سے ترک کرنا حجاب کا جائزنہیں ہوسکتا البتہ چہرہ کا ڈھکنا اگر بوجہ اندیشہ شر ترک کردیا جائے بشرطیکہ ترک میں فتنہ نہ ہوتو کچھ حرج نہیں کیونکہ یہ حجاب بوجہ مصلحت وقوع فتنہ ہے اور وہ اعضاء جن کا ستر واجب ہے ان کا کھولنا کسی حال میں جائزنہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ (فتاویٰ رشیدیہ،ص۶۳۲، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اپنے ایک مرید کے استفسار پر فرماتے ہیں:

حال: گھر میں شرعی پردہ نہیں گاؤں کے رواج کے مطابق پردہ ہوتا ہے، جونہ ہونے کے درجہ میں ہے ایک مکان ہے اسی میں سب رہتے ہیں اس لیے احتیاط نہیں ہو پاتی، اگر بندہ اہلیہ کو پردہ کی تاکید کرتا ہے تو مکان کا عذر کرتی ہے بندہ بھی خاموش ہوجاتا ہے ارشاد فرمائیں کیا کروں؟

تحقیق: پردہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ نامحرم سے تنہائی میں ملنا نہ ہو بے تکلف ہنسی مذاق دل لگی نہ ہو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات چیت نہ ہو۔ (تربیت الطالبین،ص۲۲۷، ط: جامعہ محمودیہ یوپی)۔

اشکال: لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیور کو موت قرار دیا ہے یعنی اس سے بہت سخت پردہ ہونا چاہئے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس روایت میں خلوت اور تنہائی سے منع کیا ہے، اس حدیث کے سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے اور خلوت بالاجنبیہ تو کسی حالت میں جائزنہیں۔ حدیث ملاحظہ ہو:

عن عقبة بن عامر رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إياكم والدخول على النساء فقال رجل من الأنصار: يا رسول اللّٰه أفرأيت الحمو، قال: الحمو الموت . (رواه البخاري، رقم ۵۲۳۲، ومسلم، رقم:۲۱۷۲)، **وفي رواية لمسلم عن ابن وهب قال: وسمعت الليث بن سعد يقول: الحمو أخ الزوج وما أشبهه من أقارب الزوج بن العم و نحوه .**

قال الفقيه تقى الدين بن دقيق العيد في شرح العمدة : والحديث دليل على تحريم الخلوة بالأجانب ، وقوله:" إياكم والدخول على النساء" مخصوص بغير المحارم، وعام بالنسبة إلى غيرهن ، ولا بد من اعتبار أمر آخر، وهو أن يكون الدخول مقتضياً للخلوة ، أما إذا لم يقتض ذلك فلا يمتنع . (احكام الاحكام ،ص۵۰۱، رقم الحديث: ۳۱۴،كتاب النكاح، ط: دارالفكر).

مفتی تقی صاحب تکملہ میں فرماتے ہیں:

ویبدو أن ما قاله ابن دقیق العیدؒ هو الأوجه بالنظر إلی سیاق الحدیث . (تکملة فتح الملهم: ٤/ ٢٧١).

نیز امام بخاریؒ نے اس حدیث پر خلوت بالاجنبیہ کی ممانعت کا باب قائم کیا ہے " **باب لا یخلون رجل إلا ذو محرم والدخول علی المغیبة** " اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلوت بالاجنبیہ ناجائز ہے۔

نیز امام مسلمؒ نے اس حدیث کے بعد ایک حدیث بیان فرمائی ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے خلوت اور تنہائی ممنوع ہے۔ **روی مسلم عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص أن نفراً من بني هاشم دخلوا علی أسماء بنت عمیس فدخل أبوبکر الصدیق، وهي تحته یومئذٍ فرآهم، فکره ذلک، فذکر ذلک لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وقال: لم أر إلا خیراً ، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن اللّٰه قد برأها من ذلک ، ثم قام رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی المنبر فقال: لایدخلن رجل، بعد یومي هذا ، علی مغیبة ، إلا ومعه رجل أو اثنان** . (رقم: ٢١٧٣).

قال في فتح الملهم: قال القرطبي: قوله: إلا ومعه رجل أو اثنان ، سداً لذریعة التهمة ، فإنهم إذا کانوا جماعة ارتفعت. وهذا في ذلک الزمان العامة والخاصة ، وأما فی الأزمنة الفاسدة ، فلا تخلو مع الواحد ، ولا مع الکثیر لخوف الظنة ، إلا أن تکثر الجماعة أو یکون فیهم صالحون فتزول الظنة . (تکملة فتح الملهم: ٤/ ٢٧٣).

اور عام طور پر گھروں میں بڑے حضرات موجود ہوتے ہیں تو فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

عن أسماء بنت أبي بکر رضی اللہ عنہا قالت: تزوجنی الزبیر رضی اللہ عنہ وما له فی الأرض من مال ولامملوک ولا شيء غیر فرسه قالت: فکنت أعلف فرسه وأکفیه مؤنته...قالت: فجئت یوماً والنوی علی رأسي فلقیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ومعه نفر من أصحابه فدعاني ثم قال: إخ إخ لیحملني خلفه...الخ. (رواه مسلم ،رقم: ٢١٨٢).

اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان فتنہ کا احتمال کم ہے۔

امام بخاریؒ نے ایک باب قائم فرمایا " **باب ما یجوز أن یخلو الرجل بالمرأة عند الناس** " اور درجِ ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے:

عن هشام قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه قال: جاء ت امرأة من الأنصار إلى النبي صلى الله عليه وسلم فخلا بها فقال: والله إنكن لأحب الناس إلي. (رقم: ٥٢٣٤).

علامہ عینیؒ اس باب کے تحت فرماتے ہیں:

أى هذا باب في بيان ما يجوز أن يخلو الرجل بالمرأة حاصله أن الرجل الأمين ليس عليه بأس إذا خلا بامرأة في ناحية من الناس لما تسأله عن بواطن أمرها في دينها وغير ذلك من أمورها وليس المراد من قوله أن يخلو الرجل أن يغيب عن أبصار الناس فلذلك قيده بقوله عند الناس وإنما يخلو بها حيث لا يسمع الذي بالحضرة كلامها ولاشكواها إليه ... وفيه أن مفاوضة المرأة الأجنبية سراً لايقدح فى الدين عند أمن الفتنة...وفيه تعليم الأمة وكيفية الخلوة بالمرأة. (عمدة القارى: ٢٠٩/١٤،دارالحديث ، ملتان).

سئل شيخ الإسلام ابن تيميةؒ: عن رجل يدخل على امرأة أخيه وبنات عمه وبنات خاله هل يجوز له ذلك أم لا؟

فأجاب: لا يجوز له أن يخلو بهن ولكن إذا دخل مع غيره من غير خلوة ولا ريبة جاز له ذلك، والله أعلم. (مسئولية المرأة المسلمة لعبدالله بن جاره بن ابراهيم جارالله ، ص٦٦).

مذکورہ بالاعبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلوت بالاجنبیہ ممنوع ہے لیکن لوگوں کے سامنے خصوصاً گھر والوں کے سامنے خلوت نہیں ہے اور نہ فتنہ کا اندیشہ ہے۔لہذا سخت پردہ ضروری نہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ دیور سے موت کی طرح ڈرنا چاہئے،اس سے بے تکلفی کی بات نہ کی جائے،تنہائی میں اس کے پاس نہ بیٹھا جائے وغیرہ۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۹۵/۸،طبع جدید)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: عورت پر چہرے کا ڈھانپنا گھر میں واجب نہیں،البتہ غیرمحرم سے پردہ کرنا واجب ہے، ہاں!اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہوتو عورت چہرہ کھول سکتی ہے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۶۷/۸،طبع جدید)۔

اشکال (۲): ترمذی شریف کی درجِ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خوفِ فتنہ کے بغیر بھی دیکھنا بالکل ممنوع ہے ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ اور میمونہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ آگئے یہ واقعہ حجاب کے نزول کے بعد تھا۔

فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: احتجبا منه فقلت: يارسول اللّٰه ! أليس هو أعمى لايبصرنا ولا يعرفنا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أفعمياوان أنتما ألستما تبصرانه، یعنی اگر وہ اندھے ہیں تو تم تو اندھی نہیں ہو۔

الجواب: یہ حدیث مسند احمد، ترمذی، ابوداود، سنن النسائی الکبریٰ، شرح معانی الآثار، طبرانی المعجم الکبیر، بیہقی وغیرہ میں ہے۔ امام ترمذیؒ نے یہ حدیث باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال کے تحت ذکر فرمائی ہے اور اس کو حسن صحیح فرمایا ہے۔

لیکن اس کی سند میں نبہان مولیٰ ام سلمہؓ مجہول ہیں، شیخ بشار عواد نے ترمذی کی تعلیقات میں امام ترمذی کے قول " حسن صحیح " پر یوں تبصرہ کیا: **هكذا اجتهد رحمه اللّٰه تعالیٰ ككثير من صنيعه في تصحيح أحاديث بعض المجاهيل ونبهان مولى أم سلمةؓ مجهول كما حررناه في تحرير أحكام التقريب ، قال الإمام أحمد نبهان روى حديثين عجيبين يعني هذا الحديث وحديث إذا كان لإحداكن مكاتب فليحتجب منه .** (تعليقات ترمذی : ٤/٤٨٢).

وللمزيد من البحث راجع : (تعليقات الشيخ شعيب على مسند الامام احمد:٤٤/١٥٩ـ١٦٠).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا حبشیوں کے کھیل کی طرف دیکھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے اور یہ ضعیف ہے۔

نیز یہاں عبداللہ بن ام مکتوم قریب تھے اور حبشیوں کے جہادی کرتب کا منظر دور تھا۔

نیز اگر یہ روایت صحیح ہو تو پھر احتیاط پر مبنی ہے اور احتیاط سے کون انکار کرسکتا ہے، خصوصاً اس فتنہ وفساد کے زمانہ میں احتیاط ہی پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ ہر طرف فتنہ وفساد پھیلا ہوا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کے لیے باریک دوپٹہ کا حکم:

سوال: (۱) الف: کیا عورت کے لیے باریک دوپٹہ جس میں سے بال نظر آتے ہوں، پہننا جائز ہے یا نہیں؟ ب: اگر ایسے باریک دوپٹے کے ساتھ نماز پڑھی ہو تو اس کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟ ج: دوپٹوں کے باریک ہونے کا حکم کیسے متعین کیا جائے گا؟ یعنی کتنے فاصلے سے نظر آنے سے حکم لگایا جائے گا؟ کیونکہ بعض باریک دوپٹے ایسے ہوتے ہیں کہ دور سے آر پار نظر نہیں آتا لیکن قریب سے سر کی مانگ وغیرہ بھی نظر آتی ہے۔

(۲) اگر باریک برقع میں کئی سالوں تک نماز ادا کی گئی ہو تو کیا ان نمازوں کی قضا لازم ہے؟ اگر کسی عالم

کے قول پر عمل کیا ہو تو حکم میں فرق ہوگا، یعنی کسی عالم نے یہ بتایا ہو کہ ایسے باریک برقع میں نماز ہو جاتی ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: (ا) الف: کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی نامحرم کے سامنے اس طرح باریک دوپٹہ پہنے جس میں سر کے بال وغیرہ صاف نظر آتے ہوں۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں مرقوم ہے:

وإن كان ثوبها رقيقاً يصف ما تحته ويشف أو كان صفيقاً لكنه يلتزق ببدنها حتى يستبين له جسدها فلا يحل له النظر لأنه إذا استبان جسدها كانت كاسية صورة عارية حقيقة وقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: لعن الله الكاسيات والعاريات . وروي عن سيدتنا عائشةؓ أنها قالت: دخلت علي أختي السيدة أسماءؓ وعليها ثياب شامية رقاق وهي اليوم عندكم صفاق، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : هذه ثياب تمجها سورة النور فأمر بها فأخرجت...الخ. (بدائع الصنائع: ٥/١٢٣، كتاب الاستحسان ،ط: سعيد).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

ويشترط في الساتر أن لايكون رقيقاً يصف ما تحته بل يكون كثيفاً لايرى منه لون البشرة و يشترط كذلك أن لا يكون مهلهلاً ترى منه أجزاء الجسم لأن مقصود الستر لا يحصل بذلك . (الموسوعة الفقهية الكويتية: ٢٤/ ١٧٤ ،وزارة الاوقاف، الكويت).

ب: باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوگی اس لیے کہ عورت کے لیے سر اور بالوں کا چھپانا نماز کے شرائط میں سے ہے۔ ملاحظہ ہو مبسوط الامام السرخسیؒ میں مذکور ہے:

وإن كان رقيقاً يصف ما تحته لا يحصل به ستر العورة فلا تجوز صلاته . (المبسوط : ١/٣٤، مطلب في صفة التوشح وحكمه، ط:ادارة القرآن).

امداد الفتاح میں ہے:

ويشترط ستر العورة و كان سترها فرضاً للإجماع عليه في الصلاة ، ولو كان في بيت مظلم، ولحديث عائشةؓ : ولا يقبل الله صلاة حائض إلا بخمار، وصححه الحاكم، والساتر هو الذي لايرى ما تحته فالثوب الرقيق الذي يصف ما تحته لايكون ساتراً ، وفي التجنيس:

امرأة صلت ، و عليها ثوب رقيق يصف ما تحته ، لا يجوز صلاتها لأنها بمنزلة العارية ، قال عليه الصلاة و السلام: " لعن اللّٰه الكاسيات العاريات " أراد ما ذكرنا. (امدادالفتاح ، ص: ۲۲۸، ط:بیروت). (و كذا في البحر الرائق: ۱/۲٦۹،وخلاصة الفتاوى: ۱/۷۳،الفصل السادس في سترالعورة من كتاب الصلاة، وفتاوى الشامي: ۱/٤۱۰، باب شروط الصلاة ، سعيد، و شرح منية المصلي ،ص ۲۱٤،ط:سهيل).

ج: مذکورہ بالافقہاء کی عبارات کی روشنی میں اس کا حکم خود بخود واضح ہوجاتا ہے کہ ایسا باریک دوپٹہ جس میں کھال کا رنگ نظر آئے تو اس میں نماز نہیں ہوتی ، اور کھال کا رنگ تو قریب سے نظر آتا ہے، بنابریں اگر قریب سے نظر آتا ہے اور دور سے نظر نہیں آتا تب بھی باریک کپڑوں میں شمار ہوگا۔

(۲) باریک دوپٹہ پہن کر جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان تمام کا اعادہ واجب ہے۔ کیونکہ شرائط نماز میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو امدادالفتاح میں ہے:

وإذا أمهم زماناً ثم قال: إنه كافر ومع نجاسة مانعة أو بلا طهارة ليس عليهم إعادة لأن خبره غير مقبول في الديانات لفسقه باعترافه بخلاف ما إذا صلى فتبين له فساد صلاته بنجاسة أوعدم طهارة ...(امدادالفتاح ،ص ۳۳۱). (و كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح ،ص۱۹۲،ط: بولاق).

اس عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شرائطِ نماز میں کوتاہی کی وجہ سے اعادہ لازم ہے اگر چہ کئی سال اس طرح کیا ہو۔

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

زنانہ کے لیے باریک دوپٹہ میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے اور دوبارہ باقاعدہ واجب الاعادہ ہے۔ (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۱۸، باب شروط الصلاۃ)۔

اگر کسی عالم کے بتانے کی وجہ سے پڑھی گئی تھی تب بھی قضا لازم ہے، البتہ اس مصلیہ پر گناہ نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے: " **من أفتى بغير علم كان إثمه على من أفتاه** ". (رواه أبوداود: ۲/۱۵۹، باب التوقي في الفتيا). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورتوں کے لیے سر اور بالوں کے پردے کا حکم:

سوال: (۱) عورتوں کے لیے بال ڈھانکنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) عورت کے لیے عورتوں کے درمیان بال ڈھانک کر رکھنا لازم ہے یا نہیں؟

(۳) اگر گھر میں عورت تنہا ہو تو عورت ننگے سر رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) کیا کسی کتاب میں ایسا مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کے گھر تشریف لے گئے وہ موجود نہیں تھے آپ واپس ہوگئے جب وہ صحابی اپنے گھر پہنچے تو ان کی بیوی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے تم نہیں تھے تو واپس تشریف لے گئے وہ صحابی فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے گھر کھانے کی دعوت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں چلونگا اس لیے کہ جب میں تمہارے گھر گیا تھا تو تمہاری بیوی ننگے سر تھی اور آٹا گوندرہی تھی شیطان نے اس کے سر پر پیشاب کیا اور پیشاب کے چھینٹے آٹے میں پڑے اس آٹے کو جا کر پھینک دو۔

(۵) عورت کے لیے اپنے محارمِ ابدیہ کے سامنے سر کھولنے یا ڈھانکنے کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: (۱) عورت گھر کی زینت ہے اور عورت کے لیے بال زینت ہے، عورت کو اپنے گھر میں اپنی زینت ظاہر کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ کوئی غیر محرم اس گھر میں موجود نہ ہو۔

(۲) عورتوں کے لیے عورتوں کے درمیان بالوں کو ڈھانک کر رکھنا افضل اور بہتر ہے، لیکن لازم نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

نظر المرأة إلى المرأة كنظر الرجل إلى الرجل حتى يجوز للمرأة أن تنظر منها إلى ما يجوز للرجل أن ينظر إليه من الرجل إذا أمنت الشهوة والفتن لأن ما ليس بعورة لايختلف فيه الرجال والنساء فكان لها أن تنظر منه ما ليس بعورة وإن كان في قلبها شهوة أو أكبر رأيها أنها تشتهي أو شكت في ذلک يستحب لها أن تغض بصرها. (البحر الرائق: ۱۹۳/۸، ط: کوئٹہ).

مزید براں غلط قسم کی عورتوں سے فتنہ کا اندیشہ بھی رہتا ہے چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ولا تنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال، فلا تضع جلبابها ولا خمارها كما فى السراج. (فتاوى الشامی: ۳۷۱/۶، سعید).

(۳) عورت اپنے گھر میں تنہا ہو تو بال کھول سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

یرخص للمرأة کشف الراس في منزلها وحدها فأولی لها لبس خمار رقیق یصف ما تحته عند محارمها. (فتاوی الشامی: ۱/ ٤٠٤، مطلب فی سترالعورة، سعید).

(وکذا فی الفتاوی الهندیة: ٥/ ٣٣٣).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ آپ کے مسائل میں فرماتے ہیں:

اچھا تو یہی ہے کہ عورت سرننگا نہ کرے، تاہم اگر گھر پر کوئی نامحرم نہ ہو تو سرننگا کرنا جائز ہے، نامحرم کے لیے جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۶۴، ط: طبع جدید)۔

(۴) تتبع کثیر اور تفتیش بسیار کے باوجود کسی حدیث کی کتاب میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔

(۵) بنگاہِ شریعت عورت کا اپنے محارمِ ابدیہ کے سامنے سر کھولنا جائز اور درست ہے۔ تاہم شرم وحیا کی خاطر سر پر باریک دوپٹہ پہننا سر کھولنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فرمایا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وینظر الرجل من ذوات محارمه إلی الوجه والرأس والصدر والساقین والعضدین ولاینظر إلی ظهرها وبطنها وفخذها. والأصل فیه قوله تعالیٰ: ﴿ولایبدین زینتهن إلا لبعولتهن ...الآیة﴾ والمراد والله أعلم مواضع الزینة...ولأن البعض یدخل علی البعض من غیر استیذان و احتشام و المرأة في بیتها في ثیاب مهنتها عادة فلو حرم النظر إلی هذه المواضع أدی إلی الحرج وکذا الرغبة تقل للحرمة الموبدة فقل ما تشتهی. (الهدایة: ٤/ ٤٦١، ط: مکتبة شرکة علمیة).

آپ کے مسائل میں ہے:

گھٹنے سے نیچے کا حصہ اور سینہ سے اوپر کا حصہ، سر، چہرہ، بازو، محرم کے سامنے کھولنا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۸۲، طبع جدید)۔

خواتین کے فقہی مسائل میں ہے:

عورت اپنے محرم رشتہ دار جیسا کہ باپ، بھائی، لڑکے وغیرہ کے سامنے اپنے جسم کا صرف اتنا حصہ کھول سکتی ہے، جتنا گھر کے کام کاج اور نقل وحرکت کرتے ہوئے کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ (خواتین کے فقہی مسائل، ص۲۰۳)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

...اگر گھر میں صرف شوہر اور محرم رشتہ دار ہوں تو سر کھلا رکھنے کی گنجائش ہے...لیکن احتیاط بہرحال گھر کے اندر بھی سر ڈھک کر رکھنے میں ہے کیونکہ اگر کھلے سر رہنے کی عادت بن گئی تو پھر بے خیالی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور محرم اور غیر محرم کا فرق بھی رخصت ہو جاتا ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۶/ ۹۹)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کا عورت کے سامنے سینہ کھولنے کا حکم:

سوال: بعض عورتیں دوسری عورتوں کے سامنے بے تکلف سینہ اور پستان کھولتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ عورت کے حق میں ستر نہیں ہے کیا ایسا کرنا درست ہے یا مکروہ ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر سینہ کھولنے میں شہوت اور فتنہ یا لذت ہو تو نہیں کھولنا چاہئے، ہاں کبھی کبھی کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے تو بقدرِ ضرورت کھولنے کی اجازت ہے، اور بلا ضرورت نہیں کھولنا چاہئے، فی زماننا فتنہ وفساد کے غلبہ کی وجہ سے کسی عورت کے سامنے سینہ کھولکر بے حیائی کا مظاہرہ بالکل نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ ابوبکر کاسانیؒ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

وأما الثالث وهو بيان ما يحل من ذلك وما يحرم للمرأة من المرأة...فتنظر المرأة من المرأة إلى سائر جسدها إلا ما بين السرة والركبة لأنه ليس في نظر المرأة إلى المرأة خوف الشهوة والوقوع فى الفتنة...حتى لو خافت ذلك تجتنب عن النظر. (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۲۴، سعيد).

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ خوفِ فتنہ کی وجہ سے اجتناب کرنا چاہئے، اور آج کل فتنہ فساد کا غلبہ ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ فرماتے ہیں:

وتنظر المرأة من المرأة إلى ما يجوز للرجل أن ينظر إليه من الرجل لوجود المجانسة وانعدام الشهوة غالباً ... وكذا الضرورة قد تحققت إلى الانكشاف فيما بينهن. (الهداية: ۴/ ۴۶۱). (وكذا فى البحرالرائق:۸/ ۲۱۹،ط: بيروت،وتبيين الحقائق: ۶/ ۱۸،ط:امداديه ملتان).

صاحبِ ہدایہ کی عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کے درمیان سینہ وغیرہ کھولنے کی ضرورت ہے اور فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں ہے ہاں اگر ضرورت نہیں ہے اور خوفِ فتنہ بھی ہو تو نہیں کھولنا چاہئے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فوج میں ملازمت کے لیے اندرونی معائنہ کا حکم:

سوال: اگر کسی ملک کی فوج میں ملازمت کے لیے یہ شرط ہو کہ اس کا اندرونی معائنہ کیا جائیگا جس میں کشفِ عورت لازم آئیگا تو ایسی ملازمت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فوج کی تیاری اور اس کا اہتمام ملک کا ایک اہم شعبہ ہے خصوصاً موجودہ دور میں، اور فوج میں داخلہ کے لیے تحقیق وتفتیش کی جاتی ہے تا کہ ملک کی فوج بہتر سے بہتر طریقہ پر مقرر ہو، نیز فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ بلاضرورتِ شدیدہ کشفِ عورت جائز نہیں ہے تو اگر یہ معائنہ ضرورت کے درجہ میں ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

مطلب: المواضع التي يحل فيها النظر إلى عورة الأجنبي. (قوله لاباحته لتحمل الشهادة) و مثله نظر القابلة والخافضة والختان والطبيب وزاد فی الخلاصة من مواضع حل النظر للعورة عند الحاجة الاحتقان والبكارة فی العنة والرد بالعيب فتح ، قلت : وكذا لو ادعى الزاني بكارتها. ونظمتها بقولي :

ولا تنظر لعورة أجنبي ☆ بلا عذر كقابلة طبيب

وختان وخافضة وحقن ☆ شهود زنا بلا قصد مريب

وعلم بكارة في عنة أو ☆ زنا أو حين رد للمعيب

(فتاوی الشامی: ٤/٣٦، كتاب الحدود، سعيد).

وفي شرح فتح القدير: والنظر إلى العورة عند الحاجة لا يوجب فسقاً كنظر القابلة ...الخ.

(فتح القدير: ٥/٢٩٨، باب الشهادة على الزنا، دارالفكر، و كذا فی المبسوط للامام السرخسیؒ: ٩/١٣١، دارالفکر).

لیکن فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے اس ضرورت کو شرعاً غیر معتبر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

سوال: آج کل جو پولیس میں بھرتی کے وقت یا کالجوں میں داخلہ کے وقت آدمی کو ننگا کر کے اس کا ڈاکٹری معائنہ کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے کیونکہ کشفِ عورت تو حرام ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: کشفِ عورت کے لیے یہ ضرورت شرعاً معتبر نہیں، کیونکہ نہ اس پر مدارِ صحت ہے نہ زندگی، کوئی اور بھی شرعی ضرورت اس پر موقوف نہیں... پولیس کی ملازمت میں بہت سے مواقع پر قانوناً خلافِ

شرع کرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے، نیز اس پر کچھ معیشت کا بھی مدار نہیں، بغیر اس کے بڑی مخلوق آسائش کے ساتھ موافقِ شرع زندگی بسر کرتی ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں ارتکابِ حرام کی ہرگز گنجائش نہیں، بلکہ اجتناب واجب فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۲۴۵، جامعہ فاروقیہ)۔و (کفایت المفتی:۱۲/ ۲۸۰، ط: جامعہ فاروقیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی ملازمت اختیار کرنے کے لیے اندرونی معائنہ کرانا جو کہ شرعاً حرام کے زمرہ میں آتا ہے بظاہر نہ تو اس کو ضرورتِ شرعی کہہ سکتے ہیں اور کوئی ضرورتِ معاش کہہ سکتے ہیں لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کیونکہ ذرائع معاش اس کے علاوہ اور بہت ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مخلوط تقریبات میں شرکت کا حکم:

سوال: کیا عورتوں کے لیے شادی، ولیمہ اور دیگر تقریبات میں شرکت کی اجازت ہے یا نہیں؟ اگر اجازت ہو تو کس طرح جائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر شادی، ولیمہ یا اور کوئی خاندانی تقریب ہو اور عورتوں کے لیے الگ کمرہ ہو جس میں مردوں سے خلط اختلاط کا اندیشہ نہ ہو، پردہ کا اہتمام ہو تو ایسی تقریب میں شرکت کی اجازت ہے، اور گھر سے نکلتے وقت مکمل پردہ کی رعایت کے ساتھ نکلے، یعنی پورا جسم مع چہرہ مستور ہو ہاں راستہ دیکھنے کے لیے آنکھیں کھلی رکھنا درست ہے۔ نیز شوہر کی اجازت ضروری ہے یا شوہر یا اور کوئی محرم ساتھ ہو۔

البتہ آج کل کی مخلوط مجلسیں جن میں پردہ وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، خلط واختلاط مع الاجانب بھی ہوتا ہے، ایسی مجلسوں میں شرکت کی بالکل اجازت نہیں۔ شوہر کی اجازت ہو یا شوہر ساتھ ہو پھر بھی جائز نہیں۔

قال في مسئولية المرأة المسلمة: الاختلاط: هو اجتماع الرجل والمرأة التي ليست بمحرم، أو هو: اجتماع الرجال والنساء غير المحارم في مكان واحد يمكنهم فيه الاتصال فيما بينهم بالنظر أو الإشارة أو الكلام، فخلوة الرجل بالمرأة الأجنبية التي ليست من محارمه على أى حال من الأحوال تعتبر من الاختلاط، وهو محرم وهو من أخطر الأمور التي حذر الله منها المسلمين، فإن الاختلاط بين الجنسين الذكر والأنثى من أكبر أسباب الميسرة للفاحشة، وأخطر من ذلک الخلوة بالمرأة غير المحارم فإن ذلک مدخلاً للشيطان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان

ثالثهما. رواه أحمد والترمذی والحاكم وصححه . (ص٢٢).

وفي مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: وفی المنتقى: تمنع الشابة عن كشف وجهها لئلا يؤدي إلى الفتنة وفي زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد وعن عائشةؓ جميع بدن الحرة عورة إلا إحدى عينيها فحسب لاندفاع الضرورة . (مجمع الانهر: ١٢٢/١،ط: دارالكتب العلمية) .

وقال شمس الأئمة السرخسيؒ:...فدل أنه لا يباح النظر إلى شيء من بدنها ولأن حرمة النظر لخوف الفتنة وعامة محاسنها في وجهها، فخوف الفتنة فی النظر إلى وجهها أكثر منه إلى سائر الأعضاء . (المبسوط : ١٥٢/١٠).

وللاستزادة انظر: (بدائع الصنائع : ١٢٣/٥،ط:سعيد، وتبيين الحقائق : ١٧/٦،ط:امداديه).

خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے لیے ولیمہ میں شرکت کرنا جائز ہے جب کہ مندرجہ ذیل چند شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔

دعوتِ ولیمہ میں شرکت کی اجازت کا ثبوت:

امام بخاری نے بخاری شریف میں باب قائم کیا ہے "**باب ذهاب النساء والصبيان إلى العرس**" اوراس باب کے تحت درجِ ذیل حدیث کی تخریج فرمائی ہے:

عن أنس بن مالك ؓ قال: أبصر النبي صلى الله عليه وسلم نساء وصبياناً مقبلين من عرس فقام ممتناً فقال: اللّٰهم أنتم من أحب الناس إلي . (بخاری شريف،رقم : ٥١٨٠).

قال العلامة بدرالدين العينيؒ: هذا باب في بيان جواز ذهاب النساء والصبيان إلى وليمة العرس وعقد هذه الترجمة لئلا يتخيل عدم جواز ذلک . (عمدة القاری: ١٣٦/١٤،ط: دارالحديث ، ملتان).

قال الحافظ ابن حجرؒ: كأنه ترجم بهذا لئلا يتخيل أحد كراهة ذلک فأراد أنه مشروع بغير كراهة . (فتح الباری : ٢٤٨/٩).

قال فی الهداية : ومن دعي إلى وليمة أو طعام...وهذا لأن إجابة الدعوة سنة . (الهداية : ٨٠/٤).

شرکت کے شرائط حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

(۱) شوہر یا ولی اور سرپرست کی اجازت ضروری ہے۔ **كما هو مرقوم في عامة كتب الفقه۔**

(۲) نقاب پہن کر نکلے، اور سادہ برقعہ پہن کر نکلے نقش ونگار والے برقعہ سے اجتناب کرے۔

(۳) کوئی خوشبو، پاؤڈر وغیرہ نہ لگائے، یعنی بناؤ سنگار نہ کرے۔

(۴) سفر شرعی میں شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا۔

(۵) اختلاط مع الاجانب نہ ہو۔

(۶) آلاتِ موسیقی وغیرہ نہ ہوں۔ اگر لہو ولعب کا بازار گرم ہو تو ایسی حالت میں مردوں کو بھی شرکت کی اجازت نہیں۔ **قال في الدر المختار: وإن علم أولاً باللعب لايحضر أصلاً .**

وفي الشامي: وساق بعد هذا في التبيين ما رواه ابن ماجة أن علياً رضي الله عنه قال: صنعت طعاماً فدعوته رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء فرأى في البيت تصاوير فرجع .قلت: مفاد الحديث أنه يرجع ولو بعد الحضور وأنه لايلزم الإجابة مع المنكر أصلاً ، تأمل. (فتاوى الشامي: ٦/ ٣٤٨، سعيد).

حاصل یہ ہے کہ دعوتِ ولیمہ میں شرکت شرائطِ مذکورہ بالا کی رعایت کے ساتھ جائز ہے۔

اشکال: بہشتی زیور (ص ۴۶۴، ط: دارالاشاعت، کراچی) میں حضرت تھانویؒ نے شادی اور ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے، اس کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب: فی زماننا عموماً اس قسم کی دعوتوں میں جو مفاسد اور خرابیاں ہوتی ہیں ان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرتؒ نے منع فرمانے کے بعد تقریباً اس کی ۳۲ خرابیاں بیان فرمائی ہیں، (ملاحظہ ہو: بہشتی زیور، ص ۴۶۴۔۴۶۷) جن میں سے اکثر پائی جاتی ہیں الا ماشاء اللہ کوئی محفل مستثنیٰ ہو۔ بنابریں ان خرابیوں، اور مفاسد کی موجودگی میں کون شرکت کی اجازت دے سکتا ہے؟

اسی طرح علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

شوہر عورت اجنبیوں کی زیارت اور ان کی عیادت سے اور ان کے ہاں دعوتِ ولیمہ میں جانے سے روکے اور اگر شوہر اجازت دے گا تو دونوں گنہگار رہوں گے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ: ۲/ ۸۷، آرام باغ، کراچی)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بوڑھیا کے لیے سر کے بالوں کا حکم:

سوال: کسی دوست نے مجھ سے کہا کہ جب ایک عورت آئسہ بن جاتی ہے تو اس کے لیے سر کے بال

ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: ننگے سر پھرنا فی زمانناغیر مسلم اور آوارہ عورتوں کا شعار ہے اس لیے مسلمان عورتوں کو ننگے سر پھرنا ہرگز درست نہیں اگر چہ بوڑھی ہو۔

ملاحظہ ہو احکام القرآن میں ہے:

قال أبو بكر : لاخلاف في أن شعر العجوز عورة لا يجوز للأجنبى النظر إليه كشعر الشابة وأنها إن صلت مكشوفة الرأس كانت كالشابة في فساد صلاتها فغير جائز أن يكون المراد وضع الخمار بحضرة الأجنبي، فإن قيل: إنما أباح اللّٰه تعالىٰ لها بهذه الآية أن تضع خمارها فى الخلوة بحيث لايراها أحد. قيل له فإذا لا معنى لتخصيص القواعد بذلك إذ كان للشابة أن تفعل ذلك في خلوة وفي ذلك دليل على أنه إنما أباح للعجوز وضع ردائها بين يدى الرجال بعد أن تكون مغطاة الرأس، وأباح لها بذلك كشف وجهها ويدها لأنها لاتشتهي وقال تعالىٰ : ﴿ وأن يستعففن خير لهن ﴾ فأباح لها وضع الجلباب وأخبر أن الاستعفاف بأن لاتضع ثيابها بين يدى الرجال خير لها. (احکام القرآن:۳/۳۳٤، ط: سهيل).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

عورت کے شخصی حال کے اعتبار سے یہ کیا گیا کہ جو عورت بڑی بوڑھی ایسی ہو جائے کہ نہ اس کی طرف کسی کو رغبت ہو اور نہ وہ نکاح کے قابل ہو تو اس کے لیے پردہ کے احکام میں یہ سہولت دیدی گئی ہے کہ اجانب بھی اس کے حق میں مثل محارم کے ہو جاتے ہیں، جن اعضاء کا چھپانا اپنے محرموں سے ضروری نہیں ہے، اس بوڑھی عورت کے لیے غیر مردوں غیر محرموں سے بھی ان کا چھپانا ضروری نہیں، مگر ایسی بڑی بوڑھی عورت کے لیے بھی ایک قید تو یہ ہے ....بن سنور کر زینت کر کے نہ بیٹھے، ...غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔(معارف القرآن:٦/ ۴۴۷)۔

موجودہ دور میں ساٹھ، ستر سال کی بوڑھی عورت اس طرح بناؤ سنگار کرتی ہے کہ اس کو بوڑھی کہنا بھی مشکل ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کے لیے خارج البیت کام کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی پردہ میں رہ کر گھر سے باہر کام کرنے کے لیے نکلے تو کیا ﴿ **وقرن في بيوتكن** ﴾

کے منافی ہے یا نہیں؟ اور کام کرنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا ہے، اوراس کے جسم کی ساخت بھی مرد سے مختلف ہے اس پر خارجی عمل کا بار ڈالنا ناانصافی اور ظلم ہے، اس کے چند اسباب ہیں:

(۱) حیض، اس زمانہ میں عورت کی طبیعت پر ایک قسم کا بوجھ ہوتا ہے۔

(۲) الحمل، حمل کی تکالیف کے ساتھ باہر کام کرنا انتہائی مشکل ہے۔

(۳) ولادت ونفاس۔ان ایام میں عورت کو مکمل آرام وراحت کی بے حد ضرورت ہے۔

(۴) رضاعت وحضانت، بچے کو دودھ پلانا اوراس کی پرورش اوراچھی طرح دیکھ بھال، وغیرہ۔

(۵) ترکیب جسمانی، ان اسباب کے ماتحت عورت کے لیے نہ وقت ہے اور نہ اس کی طاقت ہے۔

خارج البیت عمل کے عدمِ جواز کی وجوہ واسباب:

(۱) عورت کے لیے گھر سے باہر نکلتے وقت مکمل از سرتا پا پردہ پوشی لازم اور واجب ہے۔

(۲) فتنہ انگیز سفر عورت کے لیے ممنوع ہے، اور یہ آج کل خارج البیت عمل کے لوازمات میں سے ہے۔

(۳) اجانب کے ساتھ خلط واختلاط نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں ناجائز ہے اور خارج البیت عمل میں اس سے اجتناب انتہائی مشکل ہے۔

(۴) بے پردگی اور مواضعِ زینت ومحاسنِ جسم کے اظہار میں اکثر عورتیں ملوث ہیں۔

(۵) امورِ خانہ داری کے حسن انتظام سے فرصت کہاں؟

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں: جولوگ مرد کا بوجھ عورت کے نحیف کندھوں پر ڈالتے ہیں وہ عورت پر ظلم کرتے ہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/۵۵)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

عورت کمپنی میں ملازمت کرے گی تو کئی ممنوعات کا ارتکاب ہوگا، بے پردگی ہوگی، نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط اور بعض موقعوں پر خلوت اور تنہائی کا موقعہ بھی آسکتا ہے، ان کے ساتھ بے تکلفانہ بات چیت اور نامحرم مردوں کے ساتھ آمد ورفت ہوگی وغیرہ وغیرہ، اس لیے شرعاً ایسی ملازمت کی اجازت نہیں ہوسکتی۔عورت پریشان حال ہو تو گزر بسر کے لیے اور کوئی جائز تدبیر اختیار کی جائے، سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ مناسب جگہ نکاح ثانی کرلے، جب تک یہ صورت نہ ہو یا کسی وجہ سے عورت نکاحِ ثانی کے لیے آمادہ نہ ہو تو گھر میں چھوٹے

بچے بچیوں کو پڑھانا شروع کردے یا کوئی گھریلو ہنر اختیار کرے اور اس سے اخراجات کا انتظام کرے، اگر ایسی کوئی صورت نہ ہوسکے اور عورت اور بچیوں کے پاس مال نہ ہو فاقہ کی نوبت آتی ہو تو عورت اور بچیوں کے اعزاء و اقرباء پر ان کے نان، نفقہ کا انتظام کرنا لازم ہوگا، اگر وہ انتظام نہ کریں تو اہل محلّہ و جماعتِ مسلمین پر یہ فریضہ عائد ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۵۸، مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔

ہاں اگر کوئی انتظام نہ اور بدرجہ مجبوری عورت کو نکلنا پڑے تو درجِ ذیل شرائط کی رعایت کے ساتھ نکل سکتی ہے:

(۱) شوہر یا ولی اور سرپرست کی اجازت ضروری ہے۔ **كما هو مرقوم في عامة كتب الفقه ۔**

(۲) نقاب پہن کر نکلے، اور سادہ برقعہ پہن کر نکلے نقش ونگار والے برقعہ سے اجتناب کرے۔

(۳) کوئی خوشبو، پاؤڈر وغیرہ نہ لگائے، یعنی بناؤ سنگار نہ کرے۔

(۴) سفر شرعی میں شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا۔

(۵) اختلاط مع الاجانب نہ ہو اور خوفِ فتنہ نہ ہو۔

(۶) ہر وہ ملازمت ناجائز اور ممنوع ہے جس میں مرد کے ساتھ خلوت اور تنہائی لازم آتی ہے۔

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنه قالت: تزوجني الزبير رضي الله عنه وما له في الأرض من مال ولا مملوك ولا شيء غير فرسه قالت: فكنت أعلف فرسه وأكفيه مؤنته وأسوسه وأدق النوى لناضحه وأعلفه وأستقي الماء وأخرز غربه وأعجن ولم أكن أحسن أخبز وكان يخبز لي جارات من الأنصار وكن نسوة صدق وكنت أنقل النوى من أرض الزبير التي أقطعه رسول الله صلى الله عليه وسلم على رأسي وهي على ثلثي فرسخ ، قالت: فجئت يوماً والنوى على رأسي فلقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه نفر من أصحابه فدعاني ثم قال: إخ إخ ليحملني خلفه...الخ. (رواه مسلم ، رقم: ٢١٨٢).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تكملة فتح الملهم: ٤/ ٢٦١، ومسئولية المرأة المسلمة، ص ٧٦ ـ ٨١، وفتاویٰ رحیمیه: ٥/ ٢٣٥، مکتبة الاحسان، دیوبند، وآپ کے مسائل اوران کا حل: ٨/ ٥٥، طبع جدید).

اور بوقتِ ضرورت وحاجت گھر سے نکلنا ﴿ **وقرن في بيوتكن** ﴾ کے خلاف نہیں ہے۔ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے مواقع ضرورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو: (روح المعانی: ۲۲/ ۹)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نظرِ استحسان اور نظرِ شہوت کے درمیان فرق:

سوال: کسی عورت کی طرف دیکھنے میں نظرِ استحسان، نظرِ لذت ونظرِ شہوت میں کیا فرق ہے اور کیا حکم ہے؟

الجواب: نظرِ استحسان: جس میں اچھائی برائی پر غالب ہو یعنی شہوت، لذت وغیرہ نہ ہو یہ خلافِ اولیٰ ہے۔ اور نظرِ لذت: جس میں تکرارِ نظر میں لطف حاصل کرنا مقصود ہو۔ اور نظرِ شہوت: جس میں عورت کے ساتھ بغل گیر اور صحبت کا ارادہ ہو۔ آخر الذکر دونوں حرام ہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

أقول: حاصله أن مجرد النظر واستحسانه لذلک الوجه الجميل وتفضيله على الوجه القبيح كاستحسان المتاع الجزيل لا بأس به، فإنه لايخلو عنه الطبع الإنساني بل يوجد في الصغار، فالصغير المميز يألف صاحب الصورة الحسنة أكثر من صاحب الصورة القبيحة ويرغب فيه ويحبه أكثر بل قد يوجد ذلک في البهائم فقد أخبرني من رأى جملاً يميل إلى امرأة حسناء و يضع رأسه عليها كلما رآها دون غيرها من الناس فليس هذا نظر شهوة و إنما الشهوة ميله بعد هذا ميل لذة إلى القرب منه أو المس له زائداً على ميله إلى المتاع الجزيل أو الملتحي لأن ميله إليه مجرد استحسان ليس معه لذة وتحرک قلب إليه كما في ميله إلى ابنه أو أخيه الصبيح وفوق ذلک الميل إلى التقبيل أو المعانقة أو المباشرة أو المضاجعة ...ولا يخفى أن الأحوط عدم النظر مطلقاً. (فتاوى الشامي: ٦/٣٦٥، سعيد).

واللہ ﷻ اعلم۔

لفٹ میں خلوت بالاجنبیہ کا حکم:

سوال: حدیث شریف میں آتا ہے: "**لايخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان**" تو اگر کوئی شخص کسی اجنبیہ کے ساتھ لفٹ میں نیچے سے بیسویں منزل تک جائے تو کیا یہ ممنوع خلوت ہے یا نہیں؟

(۲) اگر زوجین لفٹ سے بیسویں منزل تک جائے تو یہ خلوتِ صحیحہ ہے یا نہیں؟

الجواب: خلوت بالاجنبیہ کا مطلب یہ ہے عورت کے ساتھ تنہائی میں ہو اور لوگوں کی آنکھوں سے

غائب ہو، عام طور پر لفٹ جب چلتی ہے تو عمارت کے بعض حصوں میں لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوتی ہے، اور بالکل مختصر چھوٹا سا کمرہ ہوتا ہے جس میں خوفِ فتنہ ہے، لہذا یہ ممنوع ہے۔ہاں اگر دوسرے لوگ بھی موجود ہوں اور عورت مکمل پردہ میں ہو تو درست ہے۔

وحقيقة الخلوة أن ينفرد رجل بامرأة في غيبة عن أعين الناس وذلك يحدث اليوم كثير في بيوت المسلمين...وهو من أخطر الأمور التي حذر الله منها المسلمين ...فإن في ذلك مدخلاً للشيطان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما، رواه أحمد والترمذي والحاكم وصححه . (مسئولية المرأة المسلمة، ص٢٤،٢٣و٢٢).

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: أفرأيت الحمو قال : الحمو: الموت. (متفق عليه).

وقال رسول اللّه صلى الله عليه وسلم: لايخلون أحدكم بامرأة إلا مع ذي محرم. (متفق عليه).

ہاں لوگوں کے سامنے ہو تو خلوت میں شمار نہیں۔امام بخاریؒ نے ایک باب قائم فرمایا" **باب ما يجوز أن يخلو الرجل بالمرأة عند الناس**" اوردرجِ ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے:

عن هشام قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه قال: جاء ت امرأة من الأنصار إلى النبي صلى الله عليه وسلم فخلا بها فقال: والله إنكن لأحب الناس إلي . (رقم: ٥٢٣٤).

علامہ عینیؒ اس باب کے تحت فرماتے ہیں:

أي هذا باب في بيان ما يجوز أن يخلو الرجل بالمرأة حاصله أن الرجل الأمين ليس عليه بأس إذا خلا بامرأة في ناحية من الناس لما تسأله عن بواطن أمرها في دينها وغير ذلك من أمورها وليس المراد من قوله أن يخلو الرجل أن يغيب عن أبصار الناس فلذلك قيده بقوله عند الناس ... (عمدة القارى: ٢٠٩/١٤، دارالحديث، ملتان).

قال الإمام النوويؒ: قوله خلا معها في بعض الطرق...ولم يكن ذلك من الخلوة بالأجنبية فإن هذا كان في ممر الناس ومشاهدتهم إياه وإياها. (شرح النووى لصحيح

مسلم:۲/ ۲٥٦،ط:قديمى).

خلاصہ یہ ہے کہ اجنبی مرد کے ساتھ لفٹ میں اکیلے بلا محرم اوپر چڑھنا نا جائز ہے۔

(۲) خلوتِ صحیحہ وہ ہے جس میں صحبت سے شرعی اور حسی وطبعی رکاوٹ مانع نہ ہو۔

قال في الدرالمختار: والخلوة بلا مانع كمرض لأحدهما يمنع الوطء، وطبعي كوجود ثالث عاقل ذكره ابن الكمال وجعله في الأسرار من الحسي ...وشرعي كإحرام لفرض أو نفل ...(الدرالمختار: ۳/ ۱۱٤،سعيد).

خلاصہ یہ ہے کہ لفٹ میں مانع کا پایا جانا ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی بھی منزل پر بٹن دبا کر لفٹ کو روکدے، اس وجہ سے خلوتِ صحیحہ متحقق نہ ہوگی، ہاں اگر اپنی ذاتی عمارت ہے اور کوئی دوسرا نہیں ہے اور کسی کے روکنے کا بھی اندیشہ نہیں ہے تو خلوتِ صحیحہ متحقق ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم عورت کا مسلمان عورت کو مالش کرنے کا حکم:

سوال: کیا غیر مسلم عورت مسلمان عورت کو مالش اور مساج (massage) کرسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ اس میں کشفِ عورت ہوتا ہے۔ اور یہ مالش کسی خاص بیماری کا علاج ہے جس میں غیر مسلم عورت ماہر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ علاج ومعالجات میں ایک قسم کی ضرورت ہے اور ماہر طبیب سے علاج حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، لہذا غیر مسلم عورت سے مالش کرانے اور علاج حاصل کرنے میں چنداں حرج نہیں بلکہ جائز اور درست ہے۔ ہاں عورت کے ہوتے ہوئے مرد ڈاکٹر سے علاج کرانا درست نہیں۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ نظر الجنس الی الجنس اخف ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

والطبيب إنما يجوز له ذلك إذا لم يوجد امرأة طبيبة فلو وجدت فلا يجوز له أن ينظر لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف، وينبغي للطبيب أن يعلم امرأة إن أمكن وإن لم يمكن ستر كل عضو منها سوى موضع الوجع ثم ينظر ويغض بصره عن غير ذلك الموضع إن استطاع لأن ما ثبت للضرورة يتقدر بقدرها...ويمس ما يحل له النظر إليه يعني يجوز أن يمس ما حل له النظر إليه من محارمه ومن الرجل لا من الأجنبية لتحقق الحاجة إلى ذلك

من المسافرة والمخالطة . (البحرالرائق: ۱۹۲/۸۔۱۹٤،ط:کوئٹه).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی: ۳٦/٤، كتاب الحدود، سعيد، وفتح القدير: ۲۹۸/٥، باب الشهادة على الزنا، دارالفكر، و كذا في المبسوط للامام السرخسیؒ: ۱۳۱/۹، دارالفكر، والهداية: ٤٥۹/٤).

المجمع الفقہی اس موضوع پر مجمع الفقہ الاسلامی تابع اسلامک ارگنائزیشن کانفرنس کے فیصلہ نمبر ۸۵/۱۲/۸۵ مؤرخہ: ۱/۷/۱۴۱۴ھ کی تائید کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: اصل یہ ہے کہ جب مسلم اکسپرٹ خاتون ڈاکٹر موجود ہو تو وہی خاتون مریضہ کا ستر دیکھ سکتی ہے، اگر ایسی ڈاکٹر موجود نہ ہو تو غیر مسلم خاتون ڈاکٹر اس کام کو انجام دے گی،... (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص۲۷٦)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

چھپی ہوئی ران کو مالش کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کی ران کپڑوں میں چھپی ہوئی ہے تو اس کا دبانا اور مالش کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مستور ران دبانا اور مالش کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب کہ خوفِ فتنہ اور اندیشہ شہوت نہ ہو ورنہ ناجائز ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

قال الفقيه أبو جعفر سمعت الشيخ الإمام أبابكر يقول: لا بأس بأن يغمز الرجل إلى الساق ويكره أن يغمز الفخذ ويمسه من وراء الثوب وكان الإمام أبوبكر يقول: لا بأس بأن يغمز الرجل رجل والديه ولا يغمز فخذ والديه . (البحرالرائق: ۱۹٦/۸،ط: كوئٹه).

وفي الفتاوى الهندية: والفقيه أبوجعفرؒ يبيح أن يغمز الفخذ ويمسها وراء الثوب وغيرها. (الفتاوى الهندية:٥/۳۲۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اجنبی مرد کے ساتھ ایک مکان میں رہنے کا حکم:

سوال: کیا ایک مسلمان عورت شادی شدہ یا غیر شادی شدہ یا مطلقہ کسی اجنبی مرد کے ساتھ چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم ایک مکان میں الگ کمرہ میں رہ سکتی ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا مسلم ٹرسٹ اس عورت کی امداد کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: عرفِ عام میں ایک مکان کے مختلف کمرے ایک ہی گھر شمار ہوتے ہیں، پھر مطبخ ، بیت الخلاء، حمام وغیرہ مشترک ہوتا ہے لہذا خلوت بالاجنبیہ ہے اور یہ ممنوع اور ناجائز ہے، اگر کوئی عورت اس طرح اجنبی مرد کے ساتھ رہتی ہو تو اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو الگ ٹھہرا کر اس کی شادی کا انتظام کردے۔

وفي مسئولية المرأة المسلمة : وحقيقة الخلوة أن ينفرد رجل بامرأة في غيبة عن أعين الناس وذلک يحدث اليوم كثيراً في بيوت المسلمين الذين اتخذوا الخادمات الأجنبيات عن الأسرة و البيت و المجتمع يوتى بهن من بلاد بعيدة بدون محارم ، و من المتوقع بل من المؤكد أن رب البيت أو أحد أبنائه أو أحد رجال الأسرة يخلو بهذه الخادمة كثيراً حينما تخرج الأسرة و حينئذٍ يأتي دور الشيطان و هو دور محقق الخطر حيث أخبر الرسول صلى الله عليه وسلم بذلک فى الحديث المتقدم (أى: لايخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما، رواه أحمد والترمذى والحاكم وصححه) وهو يعم جميع الرجال ولوكانوا صالحين أو كبار السن كما يعم جميع النساء ولوكن صالحات أوعجائز . (مسئولية المرأة المسلمة،ص ٢٤).

بوب الإمام البخارىؒ في صحيحه باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم والدخول على المغبية ، وخرج فيه عن ابن عباسؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لايخلون رجل بامرأة إلا مع ذى محرم فقام رجل فقال : يا رسول الله ! امرأتي خرجت حاجة و اكتتبت في غزوة كذا و كذا قال : ارجع فحج مع امرأتک . (رواه البخارى ، رقم: ۵۲۳۳، كتاب النكاح). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

محرم کے لیے عمر کی تعیین:

سوال: کس عمر سے بچہ ماں کے لیے محرم بننے کے قابل ہوجاتا ہے؟ سرکاری قانون کے اعتبار سے کوئی عمر متعین ہے عمرہ کی ویزا حاصل کرنے کے لیے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: اس میں اختلاف ہے کہ سفر کے معاملہ میں قریب البلوغ بالغ کی طرح ہے یا نہیں، تاہم ایک قول یہ ہے کہ وہ بالغ کی طرح ہے، آج کل سفر کی کثرت اور ضرورت کی وجہ سے اس قول کو اختیار کیا جاسکتا

ہے۔ ملاحظہ ہو فقہاء فرماتے ہیں کہ مراہق بالغ کی طرح ہے۔

قال فی الدرالمختار: ومع زوج أو محرم...بالغ قید لهما کما فی النهر بحثاً عاقل والمراهق کبالغ جوهرة . (الدرالمختار: ۲/٤٦٤،کتاب الحج،سعید). و کذا فی الفتاوی الهندیة:۱/۲۱۹).

قال في تقریرات الرافعي: قول المصنف (والمراهق کبالغ) جعله الرحمتي کصبي لأنه محتاج إلی من یدفع عنه ولذا کان للأب منعه عن حجة الإسلام فکیف یصلح لحمایتها وفی المحیطین والبدائع الذي لم یحتلم لا عبرة له لکن ما فی الجوهرة موافق لما فی الخلاصة والبزازیة ، سندي . (التحریرالمختارعلی الدرالمختار:۲/۱۵۷،سعید).

علامہ سید احمد طحطاویؒ حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

قوله بالغ ، المراهق کالبالغ . (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص۷۲۸،قدیمی ، و کذا فی غمز عیون البصائر شرح الاشباه والنظائر: ۱/٤٧٦، ط: ادارة القرآن).

عمدۃ الفقہ میں حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب فرماتے ہیں:

مراہق (قریب البلوغ) لڑکے کا حکم بالغ کی مانند ہے جیسا کہ جوہرہ میں ہے، (پس اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اور رحمتیؒ نے اس کو نابالغ لڑکے کے حکم میں کہا ہے کیونکہ وہ ایسے شخص کا محتاج ہے جو اس کی طرف سے مدافعت کرے اور اسی لیے اس کے باپ کو حق حاصل ہے کہ اس کو فرض حج سے روک دے پس وہ عورت کی حفاظت کی صلاحیت کیسے رکھتا ہے اور دونوں محیطوں میں اور بدائع میں ہے کہ جس لڑکے کو ابھی احتلام نہیں ہوا یعنی بالغ نہیں ہوا اس کے ساتھ سفر کرنا معتبر نہیں ہے لیکن جو کچھ جوہرہ میں ہے وہ خلاصہ اور بزازیہ کے موافق ہے (پس فتویٰ کے لیے یہی مختار ہے کہ وہ بالغ کے حکم میں ہے اور اس کے ساتھ سفر جائز ہے، مؤلف)۔ (عمدۃ الفقہ: ۴/۵۳، کتاب الحج)۔

(۲) مراہق لڑکا ہو تو وہ محرم بن سکتا ہے اور شریعت کی طرف سے اجازت ہے ہاں ویزا کے قانون کے خلاف نہ ہو تو حج، عمرہ کے لیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ قانون کی مخالفت حکومت کا جرم ہے جس کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور انسان کو اپنی عزت آبرو کی حفاظت کرنا انتہائی ضروری ہے۔

بعض مفتی حضرات نے مراہق کے لیے عمر کی تعیین ۱۲ سال سے کی ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۸/۳۰)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کافر محرم کے ساتھ سفر کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت اپنے کافر محرم کے ساتھ سفر کرتی ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ یعنی محرم کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: محرم کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں کافر غیر مجوسی بھی مسلمان عورت کا محرم بن سکتا ہے، ہاں فاسق فاجر ہو نہ، ورنہ ایسے شخص کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں، اور علامہ حموی کی رائے یہ ہے کہ کتابی کے ساتھ سفر نہیں کرنا چاہئے، ورنہ وہ مسلمان عورت کو اسلام سے برگشتہ کر دیگا، اور مجوسی محرم نہیں بن سکتا کیونکہ ان کے یہاں بیوی، بہن کی تفریق نہیں۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قال فی الدر: ومع زوج أو محرم ولو عبداً أو ذمياً أو برضاع...غير مجوسي ولا فاسق لعدم حفظهما . (الدرالمختار:۲/٤٦٤،سعید).

وفی البدائع : وسواء كان المحرم حراً أو عبداً ، لأن الرق لا ينافي المحرمية ، وسواء كان مسلماً أو ذمياً أو مشركاً ، لأن الذمي والمشرك يحفظان محارمهما ، إلا أن يكون مجوسياً لأنه يعتقد إباحة نكاحها، فلا تسافر معه لأنه لايؤمن عليها كالأجنبي . (بدائع الصنائع: ۲/۱۲٤،سعید).

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/٦، امدادیه ملتان،و حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص۷۲۸).

علامہ حمویؒ کی رائے ملاحظہ ہو:

أقول: إذا لم يكن الفاسق محرماً للخشية عليها من فسقه ، فأحرى أن لا يكون الكتابي محرماً لها خشية أن يفتنها عن دين الإسلام إذا خلا بها ، فليتأمل . (غمزعیون البصائر علی الاشباه والنظائر: ۱/٤٧٦).

وكذا نقل عنه العلامة الرافعي في التحرير المختار وزاد بقوله : وأقره هبة الله وأبو السعود . (التحریرالمختار:۲/۱۵۷،سعید). **واللہ ﷻ اعلم۔**

متبنیٰ سے پردہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت کسی بچے کو لے کر پالے اور اس کو لے پالک بنادے، اور وہ بڑا ہو جائے تو وہ

اجنبی کیطرح ہوگا یا اپنے بچے کی طرح ہوگا؟ یعنی اس سے پردہ کا اہتمام کرنا ضروری ہوگا؟ یا اس میں تخفیف ہوگی؟

الجواب: کسی بچے کو لے کر پالنے سے وہ حقیقت میں اپنی اولاد کی طرح نہیں ہوجاتا بلکہ وہ اجنبی ہی رہتا ہے اور جملہ مسائلِ نکاح، وراثت، پردہ میں وہ اجنبیوں کے حکم میں ہوتا ہے، چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:

﴿ **وما جعل أدعياء كم أبناء كم ذلكم قولكم بأفوهكم** ﴾ (سورة الاحزاب،الآية:٤).

ترجمہ: اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے۔ یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں تمام مفسرین اور فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ لے پالک کا حکم حقیقی بیٹوں اور حقیقی اولاد والا نہیں ہے بلکہ وہ اجنبیوں کی طرح ہے لہذا نکاح، وراثت اور پردہ وغیرہ کے احکام میں وہ اجنبیوں کی طرح ہے۔علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

أي ليس ذلک إلا مجرد قول بالأفواه ولا تأثير له ، فلا تصير المرأة به أمّاً ولا ابن الغير به ابناً ، ولا يترتب على ذلک شيء من أحكام الأمومة والبنوة . (فتح القدير:٤/٢٦١).

اور یہی مسلک تمام فقہاء اور مفسرین کا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:

متبنیٰ بنانا تو درست ہے لیکن متبنی بنانے سے حقیقی اولاد کے احکام ثابت نہیں ہوتے، اور نہ متبنیٰ کو وراثت کا حق حاصل ہوتا ہے۔(کفایت المفتی:۵/۲۷۶، ط:دارالاشاعت)۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

متبنیٰ بیٹے کو حقیقی بیٹے کے احکامِ شرعیہ نکاح، وراثت پردہ وغیرہ میں شریک نہ سمجھا جائے۔ (کفایت المفتی: ۵/۲۷۶، دارالاشاعت)۔

ہاں اگر بچپن میں اس کو دودھ پلا دیا جائے تو اس سے رضاعت ثابت ہوجائے گی پھر وہ اجنبی کے حکم میں نہ ہوگا۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صبی ممیّز کے ساتھ سفر کرنے کا حکم:

سوال: کیا صبی ممیّز عورت کے لیے محرم بن سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہوگا یا

نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ صبی ممیّز جو کہ مراہق اور ہوشیار نہ ہو عورت کے لیے محرم نہیں بن سکتا لہذا اس کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ مراہق اور ہوشیار ہے یعنی تقریباً ۱۲ سال کی عمر کا ہے تو محرم بن سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو جوہرہ میں ہے:

والصبي والمجنون ليسا بمحرم والمراهق كالبالغ . (الجوهرة النيرة: ١/ ١٨٤، ط: امداديه).

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ١/ ٤٨٤، وفتاوى الشامي: ٢/ ٤٦٤، سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بارہ سال سے کم عمر کے بچے کے ساتھ سفر بالاتفاق جائز نہیں بارہ سال کے بعد جواز میں اختلاف ہے، لہذا بارہ سال کا بچہ اگر ہوشیار ہو، جسمانی اور عقلی لحاظ سے بالغ جیسا معلوم ہوتا ہو تو اس کے ساتھ سفر کی گنجائش ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۳۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کی آواز سننے کا حکم:

سوال: کیا چینل اسلام سننے کی ترغیب دینا چاہئے یا نہیں؟ کیا عورت کی آواز ستر میں داخل ہے یا نہیں؟ کیا عورت کسی اجنبی شخص کے ساتھ بات کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کی آواز کا دار و مدار خوفِ فتنہ پر ہے اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو محض آواز سننے میں چنداں حرج نہیں ہے جب کہ آواز میں لچک نہ ہو، عام لہجہ میں بات کرے، ہاں اگر فتنہ کا اندیشہ ہے تو سننا جائز نہیں ہے، البتہ چونکہ فی زماننا فتنہ فساد لوگوں پر غالب ہے اس لیے بلاضرورت اجنبیہ کی آواز سننے سے احتراز کرنا چاہئے۔ اگرچہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں ہے۔ ہاں ضروری بات چیت کی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

قوله وصوتها يعنى أنه ليس بعورة قوله على الراجح عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه وفى النهر هو الذى ينبغي اعتماده ومقابله ما فى النوازل نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة أحب قال عليه الصلاة والسلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفى الكافي: ولا تلبي جهراً لأن صوتها عورة ومشى عليه فى المحيط فى

باب الأذان ، بحر ، قال فی الفتح وعلی هذا لو قیل: إذا جهرت بالقراء ة فی الصلاة فسدت کان متجهاً ولهذا منعها علیه الصلاة والسلام من التسبیح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلی التصفیق .

أقره البرهان الحلبي في شرح المنیة الکبیر وکذا فی الإمداد ثم نقل عن خط العلامة المقدسي ذکر الإمام أبوالعباس القرطبي في کتابه فی السماع ولا یظن من لا فطنة عنده إنا إذا قلنا صوت المرأة عورة إنا نرید بذلک کلامها لأن ذلک لیس بصحیح فإنا نجیز الکلام من النساء للأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلی ذلک ولا نجیز لهن رفع أصواتهن ولاتمطیطها ولا تلیینها وتقطیعها لما في ذلک من استمالة الرجال إلیهن وتحریک الشهوات منهم ومن هذا لم یجز أن تؤذن المرأة ، قلت: و یشیر إلی هذا تعبیر النوازل بالنغمة . (فتاوی الشامی: ۱/ ٤۰٦، مطلب فی سترالعورة، سعید). **وینظر** : (فتاوی الشامی:٦/ ۳٦۹،سعید).

احکام القرآن میں حضرت مولانا ظفراحمد تھانویؒ فرماتے ہیں:

حکم صوت المرأة : وقع الخلاف في صوت المرأة ، أنه من العورة فلا یجوز أن تتکلم بحیث یسمعها الأجانب ، أو لیس بعورة فیرخص لها فی التکلم ، والحق الحقیق عند أرباب التحقیق ، و هو أن صوت المرأة لیس بعورة في نفسه إلا أنه قد یکون سبباً للفتنة ، فکان من القسم الثاني من سد الذرائع ، فدار حکمه علی الفتنة وعدمها فحیث خیفت الفتنة حرام إبدائه وحیث لا ، فلا ، کیف وقد حرم اللّٰه سبحانه وتعالیٰ إظهار صوت الخلخال وأمثاله فقال: ولایضربن بأرجلهن ، لمظنة الفتنة فکیف یجوز إظهار صوت نفسها مطلقاً ؟

(احکام القرآن : ۳/ ٤۸۲،ط: ادارة القرآن).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

نامحرم سے بات کرنے کی اگرضرورت پیش آئے تو عورت کو چاہئے کہ ایسے انداز سے بات کرے کہ نامحرم کواس کی طرف کشش نہ ہو، زبان میں لوچ نہ ہو بلکہ ایک طرح کا اکھڑ پن اور درشتی ہو۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/ ٦۸،طبع جدید)۔

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

کیا عورت کی آواز فی نفسہ ستر میں داخل ہے اور غیر محرم کو آواز سنانا جائز ہے؟ اس معاملہ میں حضراتِ ائمہ کا اختلاف ہے، امام شافعیؒ کی کتب میں عورت کی آواز کو ستر میں داخل نہیں کیا گیا، حنفیہ کے نزدیک بھی مختلف اقوال ہیں، ابن ہمامؒ نے نوازل کی روایت کی بنا پر ستر میں داخل قرار دیا ہے، اسی لیے حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ازواجِ مطہرات نزولِ حجاب کے بعد بھی پس پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونیکا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہو جائز ہے (جصاص) اوراحتیاط اسی میں ہے کہ بلاضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن: ۶/ ۴۰۶، و۷/ ۱۲۳، ادارۃ المعارف)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کا مجمع میں تقریر کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورت پردہ کی رعایت کے ساتھ مردوں کے مجمع میں تقریر کرسکتی ہے؟

الجواب: مذکورہ بالا تفصیلی فتوی میں یہ بات وضاحت کے ساتھ مذکور ہوئی کہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں ہے لیکن خوفِ فتنہ ہو تو اظہار سے روکا جائے گا، چونکہ مردوں کے مجمع میں فتنہ کا اندیشہ ہے لہذا مردوں کے مجمع میں تقریر نہیں کرنی چاہئے، ہاں خاص عورتوں کا مجمع ہو تو وعظ ونصیحت کی اجازت ہے۔

قال في مجمع الأنهر: إن المرأة إن رفعت صوتها فقد باشرت منكراً ؛ لأن صوتها عورة...أقول: وفيه كلام ؛ لأن صوتها مطلقاً ليس بعورة ، وإلا يستلزم أن يكره تكلمها مع الأجنبي وليس كذلك ، بل يكره رفع صوتها. (مجمع الانهر، باب الاذان).

قال فی حاشية البحرالرائق: إنا إذا قلنا صوت المرأة عورة انا نريد بذلك كلامها؛ لأن ذلك ليس بصحيح فإنا نجيز الكلام مع النساء الأجانب ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك ولا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها ولا تليينها وتقطيعها لما في ذلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم ومن هذا لم يجز أن تؤذن المرأة. (منحة الخالق: ۱/ ۲۷۰، باب شروط الصلاة، كوئته). **وينظر:** (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص۲۴۲، و۵۴۰، ط: قديمى، والبحرالرائق: ۱/ ۲۷۰، ط: كوئته).

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے مردوں کے مجمع میں بھی تقریر کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

شریعتِ مقدسہ اسلامیہ عورتوں کو کسی اسلامی خدمات سے جوان کے لائق ہو منع نہیں کرتی پردہ کی محافظت کے ساتھ عورت مردوں کے مجمع میں تقریر کرسکتی ہے۔(کفایت المفتی:۲/ ۶۹،ط:دارالاشاعت،کراچی)۔

لیکن حضرت مفتی صاحبؒ کے زمانہ میں شرم وحیا غالب ہوگی، فی زماننا لوگ جانتے ہی نہیں کہ شرم وحیا کیا چیز ہے۔ بلکہ عریانی اور فحاشی کا سیلاب موجزن ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

نامحرموں کے سامنے بے پردہ تقریر کرنا جائز نہیں، حرام ہے، اور بوقتِ ضرورت پردے کے ساتھ گفتگو جائز ہے، مگر لب و لہجے میں سختی و درشتی ہونی چاہئے، جس سے دوسرے آدمی کو عورت کی طرف کشش پیدا نہ ہو۔ آج کل جلسوں میں خواتین وحضرات کا مشترکہ خطاب ہوتا ہے، یہ جاہلیتِ جدیدہ کی بدعتِ سیئہ ہے۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۸/۹۲،طبع جدید)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: اگر مقرر عورت برقع اوڑھ کر مردوں کے مجمع میں تقریر کرے تو کیسا ہے؟

الجواب: عورت کا مردوں کے ساتھ مسجد میں جا کر نماز پڑھنا بھی علمائے کرام نے ممنوع لکھا ہے، خواہ برقع اوڑھ کر جائے یا بلا برقع اوڑھے، کیونکہ اس میں بہت مفاسد اور فتن ہیں، لہذا عورت کا مردوں کے مجمع میں جا کر تقریر کرنا بھی (بلا شدید ضرورت) منع ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۱۹۴، جامعہ فاروقیہ)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

اگر صرف مستورات کا مجمع ہو اور آواز نامحرموں تک نہ پہونچے تو عورت کا وعظ کہنا اور اپنی بات بتانا درست ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۱۹۶، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

اجنبی کے ساتھ گاڑی میں سوار ہونے کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت ضرورت کی وجہ سے کسی اجنبی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ خلوت میں شمار ہے یا نہیں؟ مثلاً کبھی عورت کا شوہر باہر رہتا ہے اور وہ بیمار ہو جائے یا کہیں اس کو جانا

ہے تو اگر کسی غیر محرم رشتہ دار کے ساتھ بس میں یا گاڑی میں چلی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورت کے لیے اجنبی مرد کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جانا درست نہیں ہے اس میں خلوتِ بالاجنبیہ ہے اور احادیث میں اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے، اس معاملہ میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے اور عورتوں کی اکثر ضرورتیں، ضرورت کے زمرہ میں نہیں آتیں۔

قال في مسئولية المرأة المسلمة : وهناک نوع آخر من الاختلاط ابتلى به بعض المسلمين وخطره لا يقل عما سبق وهو اتخاذ الخدم الرجال السائقين الأجانب الذين نراهم يغدون ويروحون بأسرهم وينفردون بنسائهم بدون محارم .

و بعض المسلمين بدأ يرسل ابنته إلى المدرسة مع السائق أو يرسل أحد محارمه إلى السوق مع هؤلاء منفردات مع السائق ولربما يكون غير المسلم أو منحرفاً في دينه أو سلوكه أو زيه ، بل وعلى فرض أنه رجل تقي صالح فذلک حرام لا يجوز بدليل الحديث السابق : " لايخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما ". والشر متوقع والمسلم العاقل لايقبل ذلک في أهله ولا يجوز له أن يفرط بالأمانة ويسلم أغلى ما يمكنه وهو محارمه إلى الخطر الكبير . (مسئولية المرأة المسلمة ،ص٢٤-٢٥).

ہاں اگر بس یا بڑی گاڑی ہے جس میں زیادہ عورتیں ہیں اور دوسرے لوگ بھی بس میں موجود ہیں تو شرعی مسافت سے کم مقدار میں جانے کی اجازت ہوگی۔ جب کہ خوفِ فتنہ، خلوت اور خلط واختلاط نہ ہو۔

بخاری شریف کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں سوار ہونے کی اجازت ہے، اس میں فتنہ نہیں ہے۔

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنه قالت: تزوجني الزبير رضي الله عنه وما له في الأرض من مال ولامملوک ولا شيء غير فرسه قالت: فكنت أعلف فرسه وأكفيه مؤنته وأسوسه وأدق النوى لناضحه وأعلفه وأستقي الماء وأخرز غربه ... قالت: فجئت يوماً والنوى على رأسي فلقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه نفر من أصحابه فدعاني ثم قال: إخ إخ ليحملني خلفه...الخ. (رواه البخاري : ٧٨٦/٢،ومسلم ، رقم: ٢١٨٢).

قال الحافظ ابن حجرؒ في فتح الباري: وفيه جواز ارتداف المرأة خلف الرجل في

موكب الرجال . (فتح الباري :۳۲٤/۹).

دوسری روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں خلوت نہیں ہے۔

عن هشام قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه قال: جاء ت امرأة من الأنصار إلى النبي صلى الله عليه وسلم فخلا بها فقال: والله إنكن لأحب الناس إلي . (رواه البخاري ، رقم: ٥٢٣٤).

علامہ عینیؒ اس باب کے تحت فرماتے ہیں:

... وليس المراد من قوله أن يخلو الرجل أن يغيب عن أبصار الناس فلذلك قيده بقوله عند الناس وإنما يخلو بها حيث لا يسمع الذي بالحضرة كلامها ولاشكواها إليه ... وفيه أن مفاوضة المرأة الأجنبية سراً لايقدح في الدين عند أمن الفتنة... (عمدة القاري: ١٤/ ٢٠٩، دارالحديث ، ملتان).

البتہ سفرِ شرعی کی مقدار بلا محرم سفر کرنا بالکل جائز اور درست نہیں ہے، اگر چہ دوسری عورتیں موجود ہوں۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً فوق ثلاثة أيام فصاعداً إلا ومعها أبوها أو أخوها أو زوجها أو ابنها أو ذومحرم منها. (رواه ابوداود ، رقم : ١٧٢٨).

وعن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثاً إلا ومعها ذو محرم . (رواه مسلم، رقم: ١٣٣٨).

علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

ولا يكفي في السفر جمع النساء و تحرم الخلوة بالأجنبية وإن كان معها غيرها من النساء . (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ٤٨٤/١، ط: كوئته). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

استانی کا طلبہ کے ہمراہ سیر و سیاحت کے لیے جانے کا حکم:

سوال: آج کل ہمیں ایک مسئلہ پیش آیا ہے کہ ہمارے ادارے سے طلبہ تعلیمی سیر کے لیے جاتے ہیں اور اتنی مسافت وہ طے کرتے ہیں کہ وہ مسافر ہو جاتے ہیں تو کیا استانی ان طلبہ کے ساتھ بغیر محرم کے جا سکتی ہے

یا نہیں؟ یہ بھی یاد رہے ایک دن سے کم میں واپس آجاتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سفرشرعی یعنی تقریباً ۸۲ کیلومیٹر یا اس سے بعید سفر کے ارادہ سے نکلنے سے سفر کے احکام جاری ہوجاتے ہیں مثلاً نماز میں قصر، عورت کے لیے شوہر یا محرم کا رفیق سفر ہونا، اگرچہ یہ سفر چند گھنٹوں میں طے ہوجاتا ہو چاہے وہ سفر حج کا ہو یا تجارت کا ہو یا سیر وتفریح کا۔ عورت کے لیے بلا محرم شرعی ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي سعيد رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً فوق ثلاثة أيام فصاعداً إلا ومعها أبوها أو أخوها أو زوجها أو ابنها أو ذومحرم منها. (رواه ابوداود، رقم: ۱۷۲۸).

قال في مسئولية المرأة المسلمة: ومن أنواع الاختلاط المحرم سفر المرأة من غير محرم قال صلى الله عليه وسلم: " لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم " متفق عليه، لأن ذلک من وسائل الفتنة والفساد، والمحرم هو زوجها أو من تحرم عليه على التأبيد بنسب كأخ مسلم أو سبب كأخ رضاع. (ص۲۵).

لہذا اس سلسلہ میں بہتر یہ ہے کہ کوئی مرد استاذ طلبہ کے ساتھ جائے یا استانی کے ساتھ کوئی محرم چلا جائے۔ آخر شریعت کے مسئلہ پر عمل کرنے کے لیے ہم اتنی قربانی دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو پھر جنت کا مفت میں ملنا تو مشکل ہے جب کہ سیر وسیاحت کا سفر ضروری بھی نہیں، اغیار کی تابعداری میں صرف ایک رسم چلی ہے، بغیر محرم کے سفر کی خرابیاں کسی ذی ہوش پر مخفی نہیں، اور اگر ہمیں کوئی خرابی نظر نہ آئے تب بھی شریعت کا مسئلہ بغیر چوں وچرا کے تسلیم کرلینا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خسر کے والد کے ساتھ سفر کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کے لیے اس کے خسر کے والد محرم ہے یا نہیں یعنی ان کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کے لیے اس کے خسر کے والد محرم ہے اور ان کے ساتھ حج، عمرہ وغیرہ کا سفر کرنا جائز اور درست ہے جب کہ خوفِ فتنہ نہ ہو۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

وتحرم موطوء ات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح وموطوء ات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح . (فتاوی الشامی: ۲۸/۳،سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وحليلة ابن الابن وابن البنت وإن سفل تحرم بالإجماع أو بما ذكرنا من المعنى لا بعين النص لأن ابن الابن يسمى ابناً مجازاً لا حقيقة فإذا صارت الحقيقة مرادة لم يبق المجاز مراداً لنا . (بدائع الصنائع: ۲۶۰/۲،سعید). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بیٹے کی منکوحہ کے ساتھ سفر کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کے شوہر کا انتقال نکاح کے بعد رخصتی سے قبل ہوگیا، کیا وہ عورت اس شوہر کے والد کے ساتھ سفر کرسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی وہ محرم ہے یا غیر محرم؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر نکاحِ صحیح کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا چاہے رخصتی ہوئی ہو یا نہیں، شوہر کا باپ بیٹے کی منکوحہ کے لیے شرعی محرم ہے، فتنہ وغیرہ کا خوف نہ ہو تو اس کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وحلائل ابنائكم الذين من أصلابكم﴾... سواء كان دخل بها الابن أو لم يدخل بها لأن النص مطلق عن شرط الدخول والمعنى لا يوجب الفصل أيضاً على ما ذكرنا ولأن العقد سبب إلى الدخول والسبب يقام مقام المسبب في موضع الاحتياط على ما مر . (بدائع الصنائع : ۲۶۰/۲،سعید).

قال في الدر المختار: و زوجة أصله وفرعه مطلقاً ولوبعيداً دخل بها أو لا. وفي رد المحتار: قوله ولو بعيداً ، الخ . بيان للإطلاق أى ولو كان الأصل أو الفرع بعيداً كالجد وإن علا وابن الابن وإن سفل وتحرم زوجة الأصل والفرع بمجرد العقد دخل بها أو لا.

(الدرالمختارمع ردالمحتار۳۱/۳، سعید).

قال في رد المحتار: قوله بمجرد العقد الصحيح ، يفسره قوله وإن لم تؤطأ قوله

الصحيح احتراز عن النكاح الفاسد فإنه لايوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطء أو ما يقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة لأن الإضافة لا تثبت إلا بالعقد الصحيح . (فتاوی الشامی: ۳/ ۳۰،سعید). **واللہ سبحانہ اعلم۔**

بلامحرم مسافتِ شرعی سے کم سفر کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت سوکیلومیٹر سفر کرنا چاہتی ہے اور فی الحال محرم اس کے ساتھ نہیں، ستر کیلومیٹر کے بعد محرم ساتھ ہوگا، تو کیا ستر کیلومیٹر تنہا سفر کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ مسلمان خاتون کو بلامحرم مسافتِ سفر طے کرنے کی اجازت نہیں دیتی، احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اور سفرِ شرعی کی مقدار تقریباً ۸۲ کیلومیٹر ہے، بنابریں اس مسافت سے کم مقدار مثلاً: ستر کیلومیٹر تنہا سفر کرنے کی اجازت ہوگی جب کہ خوفِ فتنہ نہ ہو، تاہم موجودہ پرازفتن دور میں عورت کو تنہا سفر نہیں کرنا چاہئے، امام صاحبؒ کی ایک روایت کے مطابق مکروہِ تحریمی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمة . (رواه البخاری، رقم: ۱۰۸۸).

وفي رواية لمسلم عنه عن النبي صل الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر تسافرمسيرة يوم إلا مع ذي محرم. (رواه مسلم، رقم: ۱۳۳۹،باب سفرالمرأة مع محرم).

قال في شرح النقاية : إن كان بينها وبين مكة مسيرة سفر، وهي ثلاثة أيام بلياليها، ويباح فيما دونها...وروي عن أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ كراهة خروجها مسيرة يوم بلا محرم، لما فى الصحيحين عن سعد بن أبي سعيد، عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعاً ...وفي لفظ لأبي داود: بريداً، وهو عن ابن حبان في صحيحه، والحاكم وقال: صحيح على شرط مسلم، وللطبراني في معجمه : ثلاثة أميال، فقيل له : إن الناس يقولون: ثلاثة أيام، فقال: وهِموا . قال المنذري في حواشيه : ليس في هذه الروايات تباين، فإنه يحتمل أنه صلى الله عليه وسلم قالها في مواطن مختلفة بحسب الأسئلة، ويحتمل أن يكون ذلک كله تمثيلاً

لأقل الأعداد ...الخ. (شرح النقایة للملاعلی القاری: ۲/۲۰۵،ط: بیروت).

فتاوی الشامی میں ہے:

قوله في سفر، هو ثلاثة أيام ولياليها فيباح لها الخروج إلى ما دونه لحاجة بغير محرم وروي عن أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ كراهة خروجها وحدها مسيرة يوم واحد وينبغي أن يكون الفتوىٰ عليه لفساد الزمان ، شرح اللباب ، و يؤيده حديث الصحيحين...الخ. (فتاوی الشامی: ۲/۴۶۴،سعید). (وکذا فی البحرالرائق: ۲/۳۳۹، دارالمعرفة، والفتاوی الهندية: ۱/۲۱۹، و ۵/۳۶۶، وبدائع الصنائع: ۲/۱۲۴، سعید). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کے لیے ڈرائیونگ کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورت اپنی ضروریات کے لیے ڈرائیونگ کرسکتی ہیں؟ جب کہ شوہر دوسری ضروریات میں مشغول ہوتا ہے۔کیا صحابیات سے گھوڑے چلانا ثابت ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی مدلل بیان کیجئے۔

الجواب: مکمل پردہ کی رعایت کے ساتھ ڈرائیونگ کی اجازت ہے،مختلف صحابیات سے گھوڑے کی سواری ثابت ہے، کیونکہ بعض مرتبہ عورتوں کو گاڑی چلانے کی ضرورت پیش آتی ہے،اسی طرح گاڑی سیکھنے کی بھی اجازت ہے جب کہ سکھانے والا محرم ہو، یا عورت ہو، ہاں حدودِ شریعت سے تجاوز جائز نہیں ہے، نیز مفاسد سے بچنا بھی ضروری ہے۔

ازواجِ مطہرات اور مختلف صحابیات کی سواری سے متعلق احادیث درجِ ذیل ملاحظہ فرمایئے:

(۱) عن عائشةؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم إذا كان بالليل سار مع عائشةؓ يتحدث فقالت حفصة : ألا تركبين الليلة بعيري وأركب بعيرك تنظرين وأنظر فقالت: بلى فركبت فجاء النبي صلى الله عليه وسلم إلى جمل عائشةؓ وعليه حفصةؓ فسلم عليها ثم سار حتى نزلوا ...الخ. (رواه البخاری، رقم: ۵۲۱۱، کتاب النکاح، ومسلم ، رقم: ۲۴۴۵).

(۲) عن أبي هريرةرضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:خير نساء ركبن الإبل نساء قريش أحناه على ولد في صغره وأرعاه على زوج في ذات يده . (رواه البخاری ، رقم: ۵۳۶۵، و۳۴۳۴، و۵۰۸۲، باب الی من ینکح ، و مسلم ، رقم: ۲۵۲۷).

(۳) **عن عبد اللّٰه بن عبد الرحمن الأنصاري قال: سمعت أنساً رضي الله عنه يقول: دخل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على ابنة ملحان فاتكأ عندها ثم ضحك فقالت: لم تضحك يا رسول اللّٰه فقال: ناس من أمتي يركبون البحر الأخضر في سبيل اللّٰه ...قال أنس رضي الله عنه : فتزوجت عبادة بن الصامت فركبت البحر مع بنت قرظة فلما قفلت ركبت دابتها فوقصت بها فسقطت عنها فماتت** . (رواه البخاری ، رقم: ۲۸۷۷، باب غزوة فی البحر).

(۴) **عن عائشة رضي الله عنها في حديث طويل، فقالت: ما كلمني كلمة ولا سمعت منه كلمة غير استرجاعه حتى أناخ راحلته فوطئ على يديها فركبتها فانطلق يقود بى الراحلة حتى أتينا الجيش بعد ما نزلوا...** (رواه البخاری، رقم: ٤٧٥٠، باب ولولا اذ سمعتموه قلتم).

(۵) **عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال: كانت ثقيف حلفاء لبنى عقيل ...إلى قوله : وأسرت امرأة من الأنصار وأصيبت العضباء فكانت المرأة فى الوثاق وكان القوم يريحون نعمهم بين يدى بيوتهم فانفلتت ذات ليلة من الوثاق فأتت الإبل فجعلت إذا دنت من البعير رغا فتتركه حتى تنتهي إلى العضباء فلم ترغ قال: وناقة منوقة فقعدت فى عجزها ثم زجرتها فانطلقت...الخ**. (رواه مسلم ، رقم: ١٦٤١، باب لاوفاء لنذر فى معصية الله).

عورتوں کو بعض مرتبہ ڈرائیونگ کی اجازت نہ ہونے یا نہ سیکھنے کی وجہ سے بعض لڑکیاں نوجوان ڈرائیور کے ساتھ تنہائی میں جاتی ہیں، یہ فتنہ خود ڈرائیونگ کے فتنہ سے بھی زیادہ ہے۔

اشکال: بعض حضرات عورتوں کو ڈرائیونگ کرنے سے روکتے ہیں اور درجِ ذیل احادیث استدلال میں پیش کرتے ہیں: " **لعن اللّٰه الفروج على السروج** " اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: (۱) یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے یہاں تک کہ بعض نے اس کو بے بنیاد کہا ہے۔لہذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **لا أصل له** . (الاسرار المرفوعة ، رقم: ۷۱۵).

اور نصب الرایہ میں علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں: **غريب جداً**. (نصب الراية :۳/۲۲۸). حافظ ابن حجرؒ نے " **لم أجده** " فرمایا ہے۔ (الدراية : ٥٦٩).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **نقل المدني عن أبى الطيب أنه لا أصل له** . (فتاوى الشامى:٦/٤٢٣، سعيد) .

دوسری جگہ فرماتے ہیں: **قال فى الفتح : إنه حديث غريب جداً**. (فتاوى الشامى: ۳/۲۵٦، سعيد).

(۲) مذکورہ بالا صحیحین کی احادیث کے مقابلہ میں یہ روایت ضعیف اور مرجوح ہے۔

(۳) بالفرض اگر حدیث قابل استدلال تسلیم کرلیں تو فقہاء نے اس کی توجیہ یہ ذکرفرمائی ہے کہ اپنے آپ کو بنا سنوار کر مردوں پر پیش کرنے کے لیے سوار ہونا منع ہے، ورنہ کسی حاجت کے لیے سوار ہونا حدودِ شریعت کی رعایت کے ساتھ جائز ہے مثلاً جہاد، حج وغیرہ۔

(۴) یا بلاضرورت صرف لہو ولعب کے طور پر سواری کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

قال في البحر الرائق: ولا تركب امرأة مسلمة على السرج لقوله عليه الصلاة والسلام: لعن الله الفروج على السروج، هذا إذا ركبت متلهية أم متزينة لتعرض نفسها على الرجال فإن ركبت لحاجة كالجهاد والحج فلا بأس به. (البحرالرائق: ۸/۲۱۵،دارالمعرفة).

وقال في المحيط البرهاني: والمعنى في النهي من وجهين: أحدهما: أن هذا تشبه بالرجال، وقد نهين عن ذلک، والثاني: أن فيه إعلان الفتن وإظهارها للرجال، وقد أمرن بالستر، قالوا: وهذا إذا كانت شابة، فأما إذا كانت عجوزاً أوكانت شابة إلا أنها ركبت مع زوجها بعذر بأن ركبت للجهاد، وقد وقعت الحاجة إليهن للجهاد أو للحج أو للعمرة فلا بأس بأن كانت مستترة، فقد صح أن نساء المهاجرين كن يركبن الأفراس، و يخرجن للجهاد، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يراهن ولا ينهاهن، وكذلک بنات خالد بن الوليد كن يركبن، ويخرجن للجهاد. (المحيط البرهاني: ۶/۱۳۴،ط: كوئته).

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی اور ایک روایت مروی ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج ابن عدي في الكامل (۱۳۴۳)، **قال: حدثنا زيد بن عبد الله الفارض ثنا كثير بن عبيد ثنا بقية عن علي عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ذوات الفروج أن يركبن السروج. قال ابن عدى: علي بن أبي على القرشي يحدث عنه بقية مجهول و منكر الحديث.** (۵/۱۸۳،دارالفكر). (وكذا في ميزان الاعتدال: ۴/۶۷، رقم: ۵۸۹۶، ولسان الميزان، رقم:۶۴۴۶).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بھی علی القرشی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی ہے۔ ملاحظہ ہو:

وروی القاضی أبوالفرج المعافی بن زکریا (ثقة، م ۳۹۰) **بسنده عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **قال: لما حج النبي صلى الله عليه وسلم حجة الوَداع أخذ بحلقتي باب الكعبة ثم أقبل بوجهه على الناس فقال: أيها الناس... إن من أشراط القيامة إماتة الصلوات، واتباع الشهوات، إلى قوله: يا سلمان عند ذلك يكتفي الرجال بالرجال، والنساء بالنساء، وتركب ذوات الفروج السروج فعليهن من أمتي لعنة الله...الحديث.** (الجليس الصالح الكافی والانيس الناصح الشافی: ۱/۴۴۴-۴۴۷، المجلس الحادی والستون، حديث طويل فی اشراط الساعة، ط:دارالكتب العلمية).

قلت: إسناده ضعيف؛ وفي بعض سياقه نكارة. فيه: سليم بن مسلم الخشاب؛ قال أحمد: ضعيف الحديث، منكر الحديث. قال أبوزرعة: ليس بقوي. قال النسائي: متروك الحديث. قال يحيى بن معين: جهمي خبيث. راجع: (الجرح والتعديل: ۴/۳۱۴، والمغنی فی الضعفاء: ۱/۲۸۵).

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور صحیح روایات کے مقابلہ میں قابل حجت نہیں ہے۔

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی ایک روایت مروی ہے۔ ملاحظہ ہو المعجم الاوسط میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ **عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: والذي بعثني بالحق لا تنقضي الدنيا حتى يقع بهم الخسف والمسخ والقذف قالوا: ومتى ذاك يا نبي الله قال: إذا رأيت النساء ركبن السروج وكثرت القينات...الخ.** (اخرجه الطبرانی فی الاوسط، رقم: ۵۰۶۱).

وقال الهيثمي (مجمع الزوائد: ۸/۱۰، دارالفكر): **فيه سليمان بن داود اليمامي، وهو متروك. وأخرجه أيضاً: الحاكم: ۸۳۴۹، والبزار: ۸۶۳۶، وابن عدى، ترجمة: ۷۴۸، والبيهقي في شعب الإيمان: ۵۴۶۶، وقال: تفرد به سليمان بن داود وهو ضعيف.**

وينظر: (لسان الميزان: ۳/۸۳). خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بھی ضعیف ہے اور قابل استدلال نہیں۔

(۵) ایک اور روایت ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو کشف الخفاء میں ہے:

ومن الأباطيل أيضاً ما وضعه إسحاق بن نجيح الملطي منها: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تضع الفرج على السرج. (كشف الخفاء: ۲/۴۰۸). **وإسحاق بن نجيح كذاب كما مر.** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لڑکیوں کے لیے قراءت، نعت پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا بالغ لڑکیاں مرد اور عورتوں کے مخلوط مجمع میں قراءت، نعت وغیرہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: بالغ لڑکیاں اور عورتیں خوش آوازی کے ساتھ مردوں کو سنانے کے لیے تلاوت، نعت وغیرہ نہ پڑھیں، اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، ہاں مخلوط اجتماع کے بغیر صرف عورتوں کے مجمع میں سادہ طریقہ پر تلاوت کریں اور خوش آوازی کا مظاہرہ نہ کریں تو شرعاً اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ فتنہ نہ ہو۔

دلائل ماقبل میں تفصیل سے مذکور ہوئے حاصل یہ ہے کہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں ہے تاہم فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے روکا جائیگا، اور مردوں کے مجمع میں پڑھنا فتنہ سے خالی نہیں، لہذا اجتناب کرنا چاہئے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

شادی نکاح کے موقع پر دف بجانا جائز ہے اور عورتوں کو عورتوں میں گیت گانا دو شرطوں سے جائز ہے ایک شرط یہ ہے کہ غیر محرم مردوں کے کان میں ان کی آواز نہ پہنچے دوسری شرط یہ کہ گیت میں فحش مضمون اور ناجائز کلام نہ ہو۔ (کفایت المفتی: ۹/۲۰۰، دارالاشاعت)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

اصل مقصد فتنہ کے دروازوں کو بند کرنا ہے، جہاں غیر محرم تک آواز پہنچنے اور پہنچانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں اس سے احتیاط کرنا واجب ہے، جیسے کسی غیر محرم کو نعت یا حمد سنانا... الخ۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶/ ۹۹)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بوڑھی عورت سے تیراکی سیکھنے کا حکم:

سوال: ایک لڑکا تیرنا سیکھنا چاہتا ہے اور ایک بوڑھی عورت جس کی طرف نہ کوئی رغبت ہے اور نہ شہوت ہے وہ سکھانا جانتی ہے، کیا ایسی عورت سے سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح مرد ایسی بوڑھی عورت سے ڈرائیونگ سیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شناوری سیکھنا کوئی واجب اور لازم نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ممنوع کام کا ارتکاب کیا جائے، اور سکھانے والی عورت اگرچہ عمر رسیدہ ہے لیکن لڑکے کے اوپر والے کپڑے اس کے بدن پر نہیں ہوں گے اور بدن کا کافی سارا حصہ برہنہ ہوگا اس حال میں شہوت کے ابھرنے کا قوی امکان ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی (۶/۳۶۴،سعید) میں ہے:

قوله ولو عجوزاً أى لإطلاق النصوص، قال الشاعر :

لكل ساقطة فى الحى لاقطة ☆ وكل كاسدة يوماً لها سوق

قال في مسئولية المرأة المسلمة : فخلوة الرجل بالمرأة الأجنبية التي ليست من محارمه على أى حال من الأحوال تعتبر من الاختلاط وهو من أخطر الأمور التي حذر الله منها المسلمين ، فإن الاختلاط بين الجنسين الذكر والأنثى من أكبر الأسباب الميسرة للفاحشة ، وأخطر من ذلك الخلوة بالمرأة غير المحرم فإن ذلك مدخلاً للشيطان، قال صلى الله عليه وسلم لا يخلون رجل بامرأة إلا كان الشيطان ثالثهما ، رواه أحمد والترمذي والحاكم وصححه...وهو يعم جميع الرجال ولوكانوا صالحين أوكبار السن كما يعم جميع النساء ولوكن صالحات أو عجائز ، وهذا شيء مشاهد من الطبيعة البشرية ميل الرجال إلى النساء بالفطرة . (ص ٢٢-٢٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اجنبی عورت سے ڈرائیونگ سیکھنے کا حکم:

اسی طرح مرد کے لیے کسی اجنبی عورت سے اگرچہ بوڑھی ہو ڈرائیونگ بھی سیکھنا جائز اور درست نہیں، اس میں بھی خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاضرورتِ شرعی ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحبؒ فرماتے ہیں:

...نامحرم سے سیکھنا اس کے پہلو میں بیٹھنا اور اس سے بات چیت کرنے کا موقع یقیناً آئیگا، بے پردگی گویا لازمی ہے، اور اس کے علاوہ بہت سے مفاسد ہیں...الخ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۴۲۵، مکتبہ رحیمیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿من حليهم عجلاً جسداً له خوار﴾

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

”حرم لباس الحرير والذهب

على ذكور أمتي وأحل لإناثهم“ (ترمذی شریف)

فصل چہارم

سونے، چاندی اور زیورات کے احکام کا بیان

عن حذيفة رضي الله عنه قال: نهانا النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن نشرب في آنية الذهب والفضة، وأن نأكل فيها.

(رواہ البخاری)

فصل چہارم

سونے، چاندی اور زیورات کے احکام کا بیان

لوہے کی انگشتری پہننے کا حکم:

سوال: عورت کے لیے لوہے، پیتل کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟ سونے چاندی کی انگوٹھی تو جائز ہے، لیکن لوہے یا دوسری دھات کے متعلق حکم دریافت کرنا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء فرماتے ہیں کہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی انگوٹھی عورتوں کے لیے بھی مکروہ ہے۔ اور مردوں کے لیے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی مکروہ ہے۔

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں:

امام محمد الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں: ولا يتختم إلا بالفضة . (الجامع الصغير،ص٤٧٧،باب فى الكراية فى اللبس).

قال فى الجوهرة : التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء ، لأنه زي أهل النار . (الجوهرة النيرة :٣٨٣/٢،كتاب الحظر والاباحة،امداديه ،ملتان).

(وكذا فى الفتاوى الهندية: ٣٣٥/٥، و فتاوى قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية: ٤١٣/٣).

وقال فى المحيط البرهاني: فأما التختم بالحديد والرصاص والصفر والشبة فهو حرام على النساء والرجال جميعاً ، والأصل فيه ما روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى على رجل خاتم صفر، فقال: مالي أجد منك ريح الاصنام، ورأى رسول الله صلى الله عليه وسلم على رجل خاتماً من حديد ، فقال: ما لي أرى عليك حلية أهل النار . (المحيط

البرهانی: ٦/٨٥، الفصل الحادی عشرفی استعمال الذهب والفضة من کتاب الاستحسان والکراهیة).

و فی الفتاوی السراجية: التختم بالحديد والصفر والرصاص حرام. (ص٣٢٨، باب اللبس). وکذا فی فتاوی الشامی:٦/٣٦٠، سعید).

اورروایات اس بارے میں مختلف ہیں بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بلا کراہت جائز ہونی چاہئے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(١) عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: أتت النبي صلى الله عليه وسلم امرأة فقالت: إنها قد وهبت نفسها لله ولرسوله صلى الله عليه وسلم فقال:ما لي فى النساء من حاجة فقال رجل: زوجنيها قال: أعطها ثوباً قال: لا أجد قال: أعطها ولوخاتماً من حديد ...الخ. (رواه البخاری، رقم: ٥٠٢٩، کتاب فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن).

لیکن اس روایت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ واقعہ لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت سے پہلے کا ہے، **فلاحجة فيه**۔

بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں خاتمِ حدید سے مبالغہ مقصود ہے۔ **كما قال سيدنا أبوبكر الصديق: ولو منعوني بعقال**۔ قطع نظر اس سے کہ عقال زکوۃ میں لے سکتے ہیں یا نہیں۔ اسی طرح یہاں بھی مہر میں مال کی طلب اورادائیگی مقصود ہے، قطع نظر اس سے کہ انگوٹھی پہن سکتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ بیچ کر انتفاع تو جائز ہے۔

قال الملا على القاري فى المرقاة: ويحتمل أن يكون النكير عن التختم بخاتم الحديد بعد قوله في حديث سهل رضی اللہ عنہ: التمس ولو خاتماً من حديد، لأن حديث سهل رضی اللہ عنہ كان قبل استقرار السنن واستحكام الشرائع وحديث بريدة رضی اللہ عنہ بعد ذلك. (مرقاة المفاتیح:٨/٢٧٧، باب الخاتم ،ط:امدادیه، ملتان).

قال ابن حجرؒ في فتح البارى: فيه اذهب فالتمس ولوخاتماً من حديد، استدل به على جواز لبس خاتم الحديد ولا حجة فيه لأنه لا يلزم من جواز الاتخاذ جواز اللبس فيحتمل أنه أراد وجوده لتنتفع المرأة بقيمته. (فتح البارى: ١٠/٣٢٣).

قال في إعلاء السنن: قوله : اطلب ولو خاتماً من حديد، على ما قبل النهى، مع أن الحديث الثاني لا يراد به الحقيقة بل المبالغة فى الطلب، على أنه لا يلزم من وجوده لبسه.

(اعلاء السنن : ۱۷/ ۳۲۸،ادارة القرآن). (و كذا فى اشعة اللمعات : ۳ / ٦٠٢، ط: المكتبة الرشيدية).

(۲) عن أبي سعيد الخدري ﷺ قال: أقبل رجل من البحرين إلى النبي صلى الله عليه وسلم فسلم فلم يرد عليه وكان في يده خاتم من ذهب وجبة حرير فألقاهما ثم سلم فرد عليه السلام ثم قال: يا رسول الله أتيتك آنفاً فأعرضت عني فقال: إنه كان في يدك جمرة من نار ... قال : فماذا أتختم قال: حلقة من حديد أو ورق أو صفر. (رواه النسائى، رقم: ٥٢٠٦).

رجاله ثقات ؛ فيه على بن محمد بن على المصيصى ؛ قال فى التهذيب(۳۲۱/۷) **: ثقة.**

وداود بن منصور من أهل ثغر قال النسائى: ثقة .

وليث بن سعد ؛ قال أحمد: ثقة ثبت. (تهذيب التهذيب:٨/ ٤٠٢).

عمروبن الحارث ؛ قال الساجى : صدوق ، ثقة . (التهذيب٨/ ١٥).

بكربن سوادة ؛ قال ابن معين : ثقة . (التهذيب:١/ ٤٤٢).

أبوالبخترى ؛ سعيد بن فيروز ؛ قال ابن معين : ثقة . (التهذيب:٤/ ٦٦).

نسائی شریف کے حاشیہ میں شیخ محمد محدثِ تھانویؒ نے اس روایت کا درجِ ذیل جواب دیا ہے:

قوله: حلقة من حديد لعل الإجازة بخاتم الحديد والصفرة كان قبل النهى عنهما أو كانت الإجازة على سبيل ترك الأولى وجعل النهى نهياً تنزيهاً لأن ترك الخاتم المصوغ منها خلاف الأولى و وجه النهى عن استعمال الصفر ورد فى الحديث لريح الصفر كريح الأصنام لأن بعض الأصنام كانت من الصفر ووجه النهى عن الحديد ورد فى الحديث أنه حلية أهل النار معاذ الله منهما فأما استعمال الصفر فقد ثبت من النبي صلى الله عليه وسلم كان له تور منه لكن استعمال الحديد ليس كذلك ، والله أعلم بالصواب. (حاشية سنن النسائى المجتبىٰ :۲/ ۲۸۹،قديمى).

بعض روایات سے مطلقاً ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(ا) عن عبد الله بن بريدة عن أبيه أن رجلاً جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من شبه فقال له: ما لي أجد منك ريح الأصنام، فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد

فقال: ما لي أرى عليك حلية أهل النار، فطرحه فقال: يا رسول اللّٰه من أى شيء اتخذه قال: اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالاً . (رواه ابوداود،رقم : ٤٢٢٥،والترمذی ،رقم: ١٧٨٥،والنسائی ،رقم: ٥١٩٥،وابن حبان فی صحیحه، رقم: ٥٤٨٨،والبیهقی فی شعب الایمان ،رقم:٥٩٣٥).

وفيه عبد اللّٰه بن مسلم أبوطيبة السلمى المروزى وهو مختلف فيه ، مقبول فى المتابعات والشواهد . یہ روایت ضعیف ہے،البتہ بعض حضرات نے حسن قرار دیا ہے، **كما سيأتى ـ**
مسند احمد میں صحیح روایت موجود ہے۔ملاحظہ ہو:

(۲) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رأى على بعض أصحابه خاتماً من ذهب فأعرض عنه فألقاه واتخذ خاتماً من حديد فقال: هذا شر هذا حلية أهل النار فألقاه فاتخذ خاتماً من ورق فسكت عنه .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: صحيح وهذا إسناد حسن .

وأخرجه البخارى فى "الأدب المفرد" (١٠٢١) **والطحاوي في" شرح معانى الآثار"** ٢٦١/٤، **من طريقين عن ابن عجلان بهذا الإسناد . وأورده الهيثمي فى" المجمع "**١٥١/٥، **و قال: رواه أحمد والطبراني ، وأحد إسنادي أحمد ثقات. قلنا يشير إلى هذا الإسناد...وله شاهد من حديث أبي هريرة** رضی اللہ عنہ **عند البخاري** (٥٨٦٤) **ومسلم** (٢٠٨٩)، **وآخر من حديث عمربن الخطاب** رضی اللہ عنہ ، **سلف** (١٣٢). (مسند الإمام أحمد مع تعليقات الشيخ شعيب:٦٥١٨/٦٩/١١، و٢٦٤/١١).

(۳) عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ**: أنه لبس خاتماً من ذهب، فنظر إليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، كأنه كرهه ، فطرحه ، ثم لبس خاتماً من حديد ، فقال: هذا أخبث وأخبث، فطرحه ، ثم لبس خاتماً من ورق ، فسكت عنه .**

قال الشيخ شعيب: صحيح لغيره ، عبد اللّٰه بن المؤمل ضعفوه ، وباقي رجاله ثقات رجال الصحيح . (مسند الامام احمد:٦٩٧٧/٥٥٩/١١).

مذکورہ بالا روایات سے لوہے کی انگوٹھی کے استعمال کی مطلقاً ممانعت معلوم ہوتی ہے،دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ خالص لوہے کی انگوٹھی ممنوع ہے ہاں لوہے پر چاندی کا خول چڑھایا گیا ہو یا چاندی

کا گلٹ چڑھایا ہوتو وہ ممنوع نہیں خلافِ اولیٰ کے قبیل سے ہے اوراس کی تائید درجِ ذیل روایت سے ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

عن إياس بن الحارث بن المعيقيب عن جده أنه قال: كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديد ملوى عليه فضة قال: و ربما كان في يدي . (رواه النسائي :٨/٥٥٦).

قال السندي: قيل: هذا أجود إسناداً مما قبله...ويحمل المنع على ما كان حديداً صرفاً وههنا بالفضة التي لويت عليه ترتفع الكراهة ، والله أعلم . (حاشية نسائي شريف : ٨/٥٥٦، ط: دارالمعرفة ، بيروت).

وأخرجه أبوداود، رقم: ٤٢٢٤، قال الشيخ شعيب: حسن لغيره ، وهذا إسناد ضعيف لجهالة إياس بن الحارث بن المعيقيب ، وله شواهد مرسلة في طبقات ابن سعد ، وقال في تعليقات المسند للإمام أحمد: وإسناده صحيح ، ١١/٧٠ ، والطبراني في الكبير، رقم: ٨٣١، قال محشيه: وسنده صحيح ، والبيهقي في شعب الإيمان، رقم: ٥٩٣٦، وفي الآداب ، رقم: ٥٤٣، وقال: وكرهه من الحديد لريحه ...والفضة التي لويت عليه تمنع وجود الرائحة منه .

قلت: فيه إياس بن الحارث بن المعيقيب ، قال الحافظ ابن حجر في التقريب، (ص٤٠) **: صدوق .**

لكن قال في التحرير: بل مجهول تفرد بالرواية عنه أبومكين نوح بن ربيعة ، ولم يوثقه سوى ابن حبان . (تحرير التقريب: ١/١٥٥).

قال في إعلاء السنن: أقول: ويحتمل حديث كان خاتمه من حديد على ما هو مذكور في الخبر أنه كان ملوياً عليه فضة ولا نزاع فيه . (اعلاء السنن : ١٧/٣٢٨، ط:ادارة القرآن).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوى عليه فضة أو ألبس بفضة حتى لا يرى كذا في المحيط . (الفتاوى الهندية:٥/٣٣٥).

وقال في المحيط: وفي الفتاوى: ولا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد سوى عليه فضة وألبس بفضة حتى لايرى ؛ لأن التزين يقع بالفضة دون الحديد ؛ لأن الحديد ليس بظاهر.

(المحیط البرهانی: ٦/٨٦، فصل فی استعمال الذهب والفضة). (وکذا فی فتاوی الشامی:٦/٣٦٠، سعید).

خلاصہ یہ ہے کہ خالص لوہے کی انگوٹھی ممنوع ہے ہاں لوہے پر چاندی کا خول چڑھایا جائے تو اس کی اجازت ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

لوہے اور پیتل کی انگوٹھی میں مرد وعورت یکساں ہیں اور کراہت ان کے پہننے کی تنزیہی ہے نہ تحریمی کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک مردوں کو بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۸۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چاندی کی انگشتری پہننے کا حکم:

سوال: چاندی کی انگوٹھی پہننا مردوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور چاندی کی مقدار کتنی ہونی چاہئے؟ نیز دو تین انگوٹھیاں پہننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مردوں کے لیے ایک مثقال سے کم چاندی کی انگوٹھی پہننا درست ہے۔ اور ایک مثقال کی مقدار ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام ہے یا ساڑھے چار ماشہ، اس مقدار سے زائد مکروہ ہے، اسی وجہ سے دو تین انگوٹھیاں پہننا بھی ناجائز ہوگا، ہاں باری باری پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ (کذا فی اشعۃ اللمعات:۳/۳۰۲)۔

حدیث شریف سے چاندی کی انگوٹھی کا ثبوت:

عن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اتخذ خاتماً من ذهب وجعل فصه مما يلي كفه فاتخذه الناس فرمى به واتخذ خاتماً من ورق أو فضة. (رواه البخاری، رقم: ٥٨٦٥، کتاب اللباس، باب خواتيم الذهب).

چاندی کی مقدار ایک ضعیف روایت میں وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من حديد فقال: ما لي أرى عليك حلية أهل النار، فطرحه...فقال: يارسول الله، من أى شيء اتخذه؟ قال: من ورق، ولا تتمه مثقالاً. (رواه الترمذی، ١٧٨٥،وابوداود،٤٢٢٣،وابن حبان، ٥٤٨٨).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف، عبد الله بن مسلم أبوطيبة، قد انفرد به عن عبد الله بن بريدة، قال ابن حبان في "ثقاته" ٧/٤٩: يخطئ ويخالف، وقال أبوحاتم

یکتب حدیثه ولایحتج به. (تعلیقات الشیخ شعیب علی صحیح ابن حبان :۱۲/ ۳۰۰/۵۴۸۸).

امام سیوطیؒ نے اس روایت کوحسن قرار دیا ہے۔

وأورده الإمام السیوطي فی الجامع الصغیر برقم:۱۰۵، و رمز له بالحسن .

اورملاعلی قاریؒ نے بھی حسن فرمایا۔چنانچہ مرقات میں فرماتے ہیں:

رواه أبوداود والترمذي والنسائي أی بسند حسن بل صححه ابن حبان . (مرقاة المفاتیح: ۲۷۷/۸، ط: امدادیه ، ملتان).

دراصل عبداللہ بن مسلم مختلف فیہ راوی ہے،بعض نے توثیق کی ہےاوربعض نے جرح کی ہے۔ملاحظہ ہو:

قال فی التقریب: صدوق، یهم. قال فی التحریر: بل ضعیف یعتبر به فی الشواهد والمتابعات و هو معنی قول أبي حاتم الرازی : یکتب حدیثه ولا یحتج به ، وذکره ابن حبان فی الثقات ، وقال : یخطئ ویخالف ، وقال الذهبي : صالح الحدیث . (تحریرتقریب التهذیب:۲/ ۲۷۰).

وقال الإمام الدارقطني: لیس به بأس . (سوالات ابی عبدالرحمن السلمی للامام الدارقطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث ،ص۳ ۱۴/ ۵۰۳، ط: الفاروق الحدیثة للطباعة والنشر وکذا فی التذییل علی کتاب تهذیب التهذیب، ص۲۲۵).

تسہیل القدوری میں ہے:

ولا بأس بالخاتم للرجال إذا کان من فضة بشرط أن لایتم مثقالاً ولایجوز من غیر الفضة. (تسهیل القدوری :۲۳۶/۲). (وکذا فی الجوهرة النیرة : ۳۸۳/۲، ط: امدادیه ، ملتان).

شرح النقایہ میں ہے:

إلا بخاتم من الفضة . أما الخاتم فلما أخرجه الجماعة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اتخذ خاتماً من فضة له فص حبشي ونقش فیه : محمد رسول اللّٰه...والعبرة للحلقة لأن قوام الخاتم بها دون الفص، ویجعل الرجل فی لبسه الفص إلی باطن الکف، بخلاف المرأة ؛ لأنه للتزیین في حقها ، و یستحب للقاضی و السلطان و نحوهما ممن یحتاج إلی الختم ، والأفضل لغیرهم ترکه . (شرح النقایة للملاعلی القاری : ۲۶/۴،ط:بیروت).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بادشاہ وقاضی اور متولی وغیرہ کو مہر لگانے کے لیے انگشتری چاندی کی جائز ہے جس کا وزن چار ماشہ سے کم ہو، اوروں کے لیے مناسب نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۳۴۴، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرد کے لیے پلاٹینم کی انگشتری کا حکم:

سوال: کیا مرد کے لیے پلاٹینم (Platinum) کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: پلاٹینم کے بارے میں اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ تین قیمتی دھاتوں (سونا، چاندی، پلاٹینم) میں سے ایک قیمتی دھات ہے اور یہ تینوں میں سے ایک انوکھی قسم ہے، اور دوسری دھاتوں سے زیادہ سخت ہے جلد پگھلنے والی نہیں ہے، اس کا رنگ سفید چاندی کی طرح ہوتا ہے۔ اس کو وائٹ سلور (white silver) یا سفید سونا بھی کہتے ہیں۔

بایں وجہ چاندی کے حکم میں ہو کر اس کے استعمال کی اجازت ہونی چاہئے، لیکن چونکہ اس کا چاندی ہونا محقق نہیں اس لیے اس کے استعمال سے اجتناب کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ عام فقہائے احناف نے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی کو مرد کے لیے مکروہ قرار دیا ہے۔

قال في فتاوى قاضيخان: ولايتختم الرجل إلا بفضة أما لايتختم بالذهب للحديث المعروف وكذا التختم بالحديد لأنه خاتم أهل النار. (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية: ٤١٣/٣، باب مايكره من الثياب والحلي والزينة ومالايكره).

عن إياس بن الحارث بن المعيقيب عن جده أنه قال: كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديد ملوى عليه فضة قال: وربما كان في يدي. (رواه النسائي: ٥٠٦/٨).

حضرت گنگوہیؒ نے بھی دوسری دھاتوں کی انگوٹھی کو مکروہِ تنزیہی قرار دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ٹائیٹینم کی انگوٹھی پہننے کا حکم:

سوال: کیا مردوں کے لیے ٹائیٹینم کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ٹائیٹینم کو لغات والے قیمتی چمکتا ہوا لوہا کہتے ہیں، (Silver grey metal) اگر اس کا

لوہا ہونا محقق ہے تو پھر اس کی انگوٹھی کا استعمال جائز اور درست نہیں ہوگا۔ہاں اگر اس کا رنگ چاندی کی طرح چمکدار ہو اور چاندی ہی کی طرح معلوم ہوتا ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے تاہم اجتناب اولیٰ ہے۔کیونکہ عام فقہائے احناف نے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی کو مرد کے لیے مکروہ قرار دیا ہے۔

امام محمد الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں: **ولا يتختم إلا بالفضة** . (الجامع الصغير،ص٤٧٧،باب في الكراهية في اللبس).

قال في الجوهرة : التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء ، لأنه زي أهل النار . (الجوهرة النيرة :٣٨٣/٢، كتاب الحظر والاباحة،امداديه ،ملتان).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٣٣٥/٥، وفتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية: ٤١٣/٣،باب مايكره من الثياب والحلي والزينة ومالايكره،و فتاوى الشامي:٣٦٠/٦، سعيد).

نیز حدیث شریف میں لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

ہاں اگر اس پر چاندی کا خول چڑھایا گیا ہے تو پھر اس کی اجازت ہوگی۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عن إياس بن الحارث بن المعيقيب عن جده أنه قال: كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديد ملوى عليه فضة قال: و ربما كان في يدي . (رواه النسائي :٥٥٦/٨).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوى الشامي: ٣٦٠/٦، سعيد،والفتاوى الهندية: ٥/، والمحيط البرهاني:) . **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پلاٹینم کے زیورات کا حکم:

سوال: کیا عورت کے لیے پلاٹینم (Platinum) کے زیورات پہننا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کے لیے سونے چاندی اور دیگر دھات کے زیورات پہننا جائز اور درست ہے،اور پلاٹینم لوہے کی ایک قیمتی قسم ہے جو چاندی کی طرح چمکدار ہے،اسی وجہ سے اس کو سفید سونا بھی کہا جاتا ہے،لہذا اس کے زیورات پہننا بھی جائز اور درست ہے۔ہاں انگوٹھی پہننے سے اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ اس کا سونا یا چاندی ہونا محقق نہیں ہے اور عورتوں کے لیے صرف سونے اور چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے دیگر دھات کی انگوٹھی عورتوں کے لیے بھی مکروہ ہے۔ملاحظہ ہو بہشتی زیور میں ہے:

عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے،سونے، چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کا زیور پہننا بھی درست ہے جیسے پیتل،

گلٹ، رانگا وغیرہ، مگر انگوٹھی سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کی درست نہیں۔ (بہشتی زیور:۳/ ۲۷۸، دارالاشاعت)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولا بأس لهن بلبس الديباج والحرير والذهب والفضة واللؤلؤ. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاوى الهندية:۳/ ۴۱۳، باب مايكره من الثياب والحلي والزينة ومالايكره).

وفي الهندية: ولا بأس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفر أو نحاس أوشبه أو حديد ونحوها للزينة والسوار منها. (الفتاوى الهندية:۵/ ۳۵۹). **واللہ ﷻ اعلم۔**

۹ کیرٹ سونے کے زیورات اور انگوٹھی پہننے کا حکم:

سوال: ۹ کیرٹ سونے کے زیورات اور انگوٹھی عورتوں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وزن کے اعتبار سے کسی دھات کے ۲۴/ ۱ حصہ کو کیرٹ کہتے ہیں، ۲۴ کیرٹ تقریباً خالص سونا ہے، اس میں ۳،۰ فیصد ملاوٹ ہوتی ہے، سونے کو جمانے اور سخت بنانے کے لیے۔

۱۸ کیرٹ (۲۴/ ۱۸) میں ۴/ ۳ سونا اور ۴/ ۱ ملاوٹ ہوتی ہے۔

۹ کیرٹ (۲۴/ ۹) میں ۵، ۳۷ فیصد سونا، ۱۰ فیصد چاندی اور ۵، ۵۲ فیصد ملاوٹ ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق ۲۴ اور ۱۸ کیرٹ میں سونا غالب اور دوسری دھات مغلوب ہے، لہذا یہ سونے کے حکم میں ہے، اس کی انگوٹھی پہننا عورتوں کے لیے جائز ہے۔

البتہ ۹ کیرٹ میں سونا مغلوب اور دوسری دھات غالب ہے بایں وجہ اگر ۹ کیرٹ سونے کی انگوٹھی اوپر سے سونے کی طرح معلوم ہوتی ہو تو اس کا پہننا جائز ہوگا اور اگر دوسری دھات کی طرح لگتی ہو تو پھر نہیں پہننا چاہئے۔

ملاحظہ ہو قدوری میں ہے:

وإن كان الغالب على الدراهم الفضة فهي في حكم الفضة وإن كان الغالب على الدنانير الذهب فهي في حكم الذهب...وإن كان الغالب عليها الغش فليسا في حكم الدراهم والدنانير فهما في حكم العروض. (القدوری، ص ۱۳۷، باب الصرف، ط:سعيد).

وفي رد المحتار عن الجوهرة: والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء. (فتاوى الشامی: ۶/ ۳۸۹، سعيد).

عن إياس بن الحارث بن المعيقيب عن جده أنه قال: كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم من حديد ملوى عليه فضة قال: و ربما كان في يدي . (رواه النسائي :۸/۵۵٦).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوى الشامي: ٦/ ٣٦٠، سعيد،والفتاوى الهندية: ٥/، والمحيط البرهاني٦:٨٦).

ہاں انگوٹھی کے علاوہ زیورات، سونے، چاندی اور دوسری دھات کے جائز ہیں، لہٰذا ۹ کیرٹ سونے کے زیورات پہننا عورتوں کے لیے بالکل جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو بہشتی زیور میں ہے:

عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے، سونا، چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کا زیور پہننا بھی درست ہے جیسے پیتل، گلٹ، رانگا وغیرہ، مگر انگوٹھی سونے چاندی کے علاوہ اور کسی چیز کی درست نہیں۔ (بہشتی زیور:۳/ ۲۷۸، دارالاشاعت)۔

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولا بأس لهن بلبس الديباج والحرير والذهب والفضة واللؤلؤ. (فتاویٰ قاضيخان على هامش الفتاوى الهندية:٣/ ٤١٣، باب مايكره من الثياب والحلي والزينة ومالايكره).

وفى الهندية : ولا بأس للنساء بتعليق الخرزفى شعورهن من صفر أو نحاس أو شبه أو حديد ونحوها للزينة والسوار منها . (الفتاوى الهندية:٥/ ٣٥٩). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صلیب کی علامت والے زیورات پہننے کا حکم:

سوال: کیا مسلمان عورت کے لیے جائز ہے کہ ایسا زیور یا ہار پہنے جس میں صلیب ہو جو کہ عیسائیوں کا خاص مذہبی نشان ہے؟ اور یہ صرف زینت کے لیے ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام مظلوم مصلوب ہوئے اور شہید کیے گئے، اس وجہ سے صلیب اپنے باطل مذہب کی علامت بنالی، اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کو قرآنِ پاک میں باطل قرار دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی مسلمان عیسائی مذہب کے احترام میں صلیب کا نشان اختیار کرے تو کفر ہے اور ویسے ہی بطورِ زینت استعمال کرے تب بھی جائز اور درست نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: إنا لا نلبس الثياب التي فيها الصليب . وعن أبي جحاف قال: سألت أبا جعفر عن تابوت لى فيه تماثيل فقال: حدثني من رأى عمر رضي الله عنه يحرق ثوباً فيه

صليب، ينزع الصليب منه. وعن ابن عون ، عن محمد ؛ أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى على بعض أزواجه ستراً فيه صليب، فأمر به فقضب . (مصنف ابن ابی شیبة :۸/ ۱۹٦، کتاب اللباس).

وقال ابن ملك: الصليب في اصطلاح النصارى خشبة مثلثة يدعون أن عيسى عليه الصلاة والسلام صلب على خشبة مثلثة على تلك الصورة وقد يكون فيه صورة المسيح.

(عون المعبود: ۱۱/ ۳۰٦،ط: بیروت).

وفي رد المحتار: أقول: والظاهر أنه يلحق به الصليب وإن لم يكن تمثال ذي روح لأن فيه تشبها بالنصارى ويكره التشبه بهم في المذموم وإن لم يقصده كما مر. (فتاوی الشامی: ۱/ ٦٤۸،سعید).

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ٹائی ایک وقت میں نصاری کا شعارتھا،اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب غیرنصاری بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں،اب اس کے حکم میں تخفیف ہے،اس کوشرک یاحرام نہیں کہا جائیگا،کراہیت سے اب بھی خالی نہیں،کہیں کراہیت شدید ہوگی،کہیں ہلکی ، جہاں اس کا استعمال عام ہوجائے وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائیگا۔ (فتاوی محمودیہ:۱۹/ ۲۸۹،مبوب ومرتب).

البتہ بعض حضرات نے عیسائیوں کا مذہبی شعار بتلا کر اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہوفتاوی محمودیہ کی تعلیق وحاشیہ میں مرقوم ہے:

ٹائی کا استعمال اگرچہ مسلمانوں میں بھی عام ہوگیاہے مگراس کے باوجودانگریزی لباس کا حصہ ہی ہے، اگرانگریزی لباس تصورنہ کیاجائے ،لیکن فساق وفجارکالباس توبہرحال ہے،لہذا تشبہ بالفساق کی وجہ سے ممنوع قراردیاجائیگا،دوسری بات یہ ہے کہ اہل صلاح اس لباس کو پسند بھی نہیں کرتے ،کیونکہ یہ علماء وصلحاء کےلباس کے خلاف ہے،تیسری بات یہ ہے کہ اس کے علاوہ ٹائی میں ایک اورخرابی یہ بھی ہے کہ عیسائی اس سے اپنے عقیدہ ”صلیبِ عیسیٰ علیہ السلام“یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب کیے جانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جوکہ نصِ قرآنی کے خلاف ہے،لہذا تشبہ بالکفار کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے مذہبی یادگاراور مذہبی شعارہونے کی وجہ سے بھی پہننا جائزنہیں:(البتہ بعض علماء کواس کے صلیبی نشانی اورمذہبی شعارہونے میں کلام ہے۔)

وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهماقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:” من

تشبه بقوم" أى من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار، " فهو منهم" في الإثم والخير، قال الطيبي رحمه الله: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في التشبه... (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، ۷/۱۵۵، رشيدية).

(مستفاد از حاشیہ فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۲۸۹، مبوب ومرتب). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بدستِ راست انگشتری پہننے کا حکم:

سوال: انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہننا افضل ہے یا بائیں ہاتھ میں؟ اس بارے میں احناف وغیرہ کا کیا مذہب ہے؟

الجواب: اس بارے میں مختلف قسم کی روایات وارد ہوئی ہیں بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دستِ راست میں زیب تن فرماتے تھے اور بعض میں آتا ہے دستِ چپ میں، محدثین حضرات نے دونوں کے مابین اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول دستِ راست میں پہننے کا تھا اں گاہے گاہے دستِ چپ میں بھی پہنی ہے۔ فقہائے احناف نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو بہتر قرار دیا ہے اور فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں میں یکساں ہے، امام بخاری وامام ترمذی وغیرہ نے دستِ راست والی روایات کو راجح قرار دیا ہے۔

بہ دستِ راست انگشتری پہننے کی روایات ملاحظہ کیجئے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتختم في يمينه، ويقول: اليمين أحق بالزينة من الشمال. (اخرجه ابو الشيخ فى اخلاق النبى، رقم: ۳۲۷، اسناده ضعيف).

عن ابن عباس رضي الله عنه، قال: رأيت الخاتم في يمينه، ولا إخاله إلا ذكر: أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه. (ابو الشيخ فى اخلاق النبى، رقم: ۳۱۹، اسناده ضعيف).

عن عبد الله بن جعفر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم فى يمينه. (ابو الشيخ، رقم: ۳۲۱، اسناده صحيح).

عن أنس رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتختم في يمينه، ويجعل فصه في باطن كفه. (ابو الشيخ، رقم: ۳۲٤، ومسلم، اسناده صحيح).

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لبس خاتماً في يمينه . (ابوالشيخ ، رقم: ۳۳۰، والترمذی فی الشمائل ،۱۰۵، وهو حديث صحيح).

عن علي رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يتختم في يمينه . (اخرجه ابوالشيخ ، رقم:۳۳٤، ابوداود: ٤٢٢٦ ،والترمذی فی الشمائل ،۹٦،والنسائی :۲/۲۹۰،واسناده صحيح).

عـن أبـي أمـامة ، عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه كان يتختم في يمينه . (اخلاق النبی، ۳۳۵، والطبرانی فی الكبير،رقم: ۷۹۵۳،اسناده ضعيف).

عن أبي سلمة رضی اللہ عنہ أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يتختم في يمينه. إسناده حسن. (الاحاديث المختارة ، رقم: ۵۸۳).

بہ دستِ چپ انگشتری پہننے کی روایات ملاحظہ کیجئے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ: أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يتختم في يساره . (السنن الكبرى للبيهقی ، رقم: ۷۸۱٤،وابوداود،رقم: ٤٢٢٩).

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ، أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يتختم في يمينه، ثم أنه حوله في يساره . (اخلاق النبی، رقم:۳۳۳، اسناده ضعيف).

وعن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان خاتم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في خنصره اليسرى . (اخرجه ابوالشيخ فی اخلاق النبی ،رقم: ۳۳۷،والطبرانی فی مسندالشاميين،واسناده ضعيف).

عن أنس رضی اللہ عنہ ، قال: كان خاتم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم في هذه ، وأشار إلى خنصره من يده اليسرى . (اخلاق النبی ،رقم: ۳۳۸،اخرجه مسلم ، رقم: ۲۰۹۵).

عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم و أبوبكر و عمر وعلي والحسن والحسين رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم كلهم يتختمون فى اليسار . (اخرجه ابو الشيخ فی اخلاق النبی ، رقم: ۳۳۹، والترمذی فی الشمائل ، رقم: ۱۰۳، والبيهقی :٤/۱٤۲، وهو حديث صحيح موقوف كما فی سنن الترمذی ، رقم: ۱٤۲٦).

اس باب میں سب سے زیادہ صحیح روایت:

روى الإمام الترمذي بسنده عن حماد بن سلمة قال: رأيت ابن أبى رافع يتختم فى

يـمـيـنـه فسـألتـه عـن ذلک فقال: رأيت عبد اللّٰه بن جعفر يتختم في يمينه وقال :كان النبي صـلـى الـلّٰه عليه وسلم يتختم في يمينه قال محمد (بن إسماعيل البخارى) وهذا أصح شيء روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في هذا الباب . (سنن الترمذی : ۱/۳۰۵،ط:فیصل).

شراحِ حدیث کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

قـال الـعـلامة بـدر الـديـن العيني: وقد وردت أحاديث كثيرة فى التختم فى اليمنى ، (ذكـر العلامة سبعة أحاديث) ...و وردت أحاديث أخرى فى التختم فى اليسار (ذكرثلاثة) ... وقـال ابـن أبـي حـاتم : سألت أبازرعة عن اختلاف الأحاديث في ذلک ، فقال: لايثبت هـذا ولا هـذا ، ولـكـن فـي يـمينه أكثر، ورجح الشافعية اليمين وهو الأشهر عندهم ، وقال شيـخنا في شرح الترمذى: فى الأحاديث استحباب التختم فى اليمين ، وهو أصح الوجهين لأصـحـاب الـشـافـعي: أن الـتـخـتـم فـى الـيـمـيـن أفـضل منه فى اليسار ، وذهب مالک إلى استـحبـاب الـتـختم فى اليسار، وكره التختم فى اليمين...وأما مذهب الحنفية فقد ذكر فى الأجـنـاس: ويـنـبـغـي أن يـلـبـس خاتمه في خنصره اليسرى ولا يلبسه فى اليمين ولا في غير خـنـصـر اليسـرى مـن أصابعه، وسوى الفقيه أبو الليث في شرح الجامع الصغير بين اليمين واليسـار ، وقـال بـعـض أصـحـابـنـا: هـو الحق لاختلاف الروايات ويقال: جاء ت أحاديث صـحيحة فى اليمين ، ولكن استقر الأمر على اليسار. قلت: يدل على ذلک ما قاله البغوى فـي شـرح الـسـنة : أنـه صـلى اللّٰه عليه وسلم تختم أولاً في يمينه ثم تختم في يساره ، وكان ذلک آخر الأمرين . (عمدة القاری: ۱۵/۷۶۔۷۸،باب من جعل فص الخاتم فی بطن کفه،ط:امدادیه ملتان).

ولـلـمزيد انظر: (شـرح صـحـيـح مسـلـم للامام النووی: ۲/۱۹۷،ط:قدیمی، ومرقاة المفاتیح: ۸/۲۶۹، امدادیه ملتان، و اشعة اللمعات :۳/۵۹۸، باب الخاتم).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں:

ويـجـعـلـه لبـطـن كـفـه في يده اليسرى وقيل اليمنى. وفي رد المحتار: قوله في يده اليـسـرى ويـنـبـغي أن يكون في خنصرها دون سائر أصابعه ودون اليمنى ذخيرة...وفي غاية البيـان: قـد سـوى الـفقيه أبوالليث في شرح الجامع الصغير بين اليمين واليسار، وهوالحق

لأنـه قـد اختـلـفـت الروايات عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في ذلك. (الـدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٦١،سعيد).

قـال الإمام فخر الدين قاضيخان: ثم يجعله فى اليد اليسرى في زماننا. (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوالهندية:٣/٤١٣،باب مايكره من الثياب الحلى والزينة ومالايكره).

قـال في مـجـمـع الأنهـر فـي شـرح ملتقى الأبحر: ويلبس خاتمه فى اليسرى لا فى اليـمـنـى... وسـوى الـفـقـيـه أبـو الليث بين اليمين واليسار وهو الحق لاختلاف الروايات. (٤/١٩٧،فصل فى اللبس،بيروت).

خلاصہ یہ ہے کہ مذہبِ احناف میں دستِ چپ والاقول منقول ہے،لیکن فقیہ ابوالليثؒ کے نزدیک دونوں میں یکساں ہے،بعض فقہاء نے روایات کے اختلاف کی وجہ سے اسی کوحق کہا ہے۔پھر دائیں یا بائیں ہاتھ کی خنصر میں پہننا چاہئے،انگشتِ شہادت اوروسطیٰ میں پہننے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ملاحظہ ہو:

عـن أبـي بـردة قال: قال على: نهاني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن اتختم في إصبعي هذه أو هذه، قال: فأومأ إلى الوسطى والتي تليها. (رواه مسلم، رقم: ٢٠٧٨).

وفي مسند أبي عوانة: عن علي أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن الثياب القسية و الـميثـرة الحمراء و عن التختم ههنا و ههنا و أشار بالسبابة و الوسطى. (مسندابى عوانة،رقم: ٨٦٤٧، باب النهى عن التختم فى الاصابع الوسطى والتى تليها).

البتہ شراح لکھتے ہیں کہ یہ نہی تحریمی نہیں ہے بلکہ تنزیہی ہے۔

قـال الإمـام الـنووي ؒ في شرح صحيح مسلم: ويكره للرجل جعله فى الوسطى والتي تليها لهذا الحديث وهي كراهة تنزيه. (شرح صحيح مسلم:٢/١٩٧، ط: قديمى). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

گھڑی بہ دستِ راست پہننے کا حکم:

سوال: گھڑی کونسے ہاتھ میں پہننا بہتر ہے؟ اگر یہ مسئلہ انگوٹھی کی طرح ہے تو مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں کیا حکم ہے؟اوراحادیث کا کیا تقاضا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: گھڑی انگوٹھی کی طرح ہے اورانگوٹھی کے بارے میں مذکورہ بالافتوی میں تفصیلات گزرچکی ہیں

کہ احناف کے ہاں دونوں ہاتھ برابر ہیں روایات کے اختلاف کی وجہ سے، لہذا دونوں میں پہننا صحیح اور درست ہے۔ ہاں اکثر فقہائے احناف نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو بہتر فرمایا ہے۔ کما مر آنفاً۔
جدید فقہی مسائل میں ہے:

گھڑی ایک سامانِ زینت بھی ہے اور ضرورت بھی، عہدِ رسالت میں اس کی بہترین نظیر انگوٹھی ہے جس میں زینت کا پہلو بھی موجود تھا اور وہ ضرورت بھی تھی کہ سلاطین مملکت کو خطوط روانہ کرتے وقت اسی سے مہر لگائی جاتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے دائیں ہاتھ میں بھی انگوٹھی پہنی ہے...اور بائیں ہاتھ میں بھی...اس لیے گھڑی دونوں ہی ہاتھ میں باندھی جاسکتی ہے، مگر چوں کہ اکثر خیر کی چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں سمت کو ترجیح دی ہے اور گھڑی بھی ذریعہ خیر ہے کہ اس سے نماز اور عبادات کے اوقات معلوم ہوتے ہیں اس لیے دائیں ہاتھ میں پہننا زیادہ بہتر ہوگا۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۴)۔

مفتی صاحب کی بات سر آنکھوں پر لیکن چونکہ انگوٹھی میں اکثر فقہائے احناف کا مسلک بایاں ہاتھ ہے بنابریں گھڑی میں بھی بایاں ہونا چاہئے اور اگر کسی کے دل میں یہ اشکال پیدا ہوجائے کہ اچھے کاموں میں دستِ راست کے استعمال کی فضیلت آئی ہے تو جواباً عرض ہے کہ دستِ چپ میں اتارنے اور پہننے کے لیے دایاں ہاتھ استعمال ہوگا اور اگر دستِ راست میں پہن لیں تو اس کے اتارنے میں اور پہننے کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرنا پڑیگا لہذا دستِ چپ میں پہننے کے اندر دستِ راست کے ثواب سے ان شاء اللہ محرومی نہیں ہوگی، بہر حال اس میں تنگی نہیں لہذا ایک فریق دوسرے کو ملامت نہ کرے۔

مالکیہ کے نزدیک بائیں ہاتھ میں پہننا اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو الثمر الدانی میں ہے:

والاختيار مما روى في التختم: التختم في اليسار لأن تناول الشيء باليمين فهو يأخذه بيمينه ويجعله في يساره . (الثمر الدانی، ص۹ ٤ ٤، باب في الفطرة، ط: بيروت).

شافعیہ کے ہاں داہنے ہاتھ میں پہننا اولیٰ ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وأما الحكم في المسئلة عند الفقهاء فاجمعوا على جواز التختم في اليمين وعلى جوازه في اليسار ولا كراهة في واحدة منهما، واختلفوا أيتهما أفضل فتختم كثيرون من السلف في اليمين وكثيرون في اليسار واستحب مالك اليسار وكره اليمين، وفي مذهبنا

وجهان لأصحابنا الصحيح أن اليمين أفضل ...الخ . (شرح صحيح مسلم: ۱۹۷/۲،ط:قديمی).

(وكذا فی الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۷/۱۱).

اورحنابلہ کےنزدیک دستِ چپ میں اولیٰ ہے۔ملاحظہ ہوالانصاف میں ہے:

جواز لبسه في خنصر يده اليمنى واليسرى، ولا فضل في لبسه في إحداهما على الأخرى،...قال: والصحيح من المذهب: أن التختم فی اليسار أفضل، نص عليه في رواية صالح والفضل بن زياد ، قال الإمام أحمدؒ : هو أقرب وأثبت وأحب إلي وجزم به فی المستوعب والتلخيص والبلغة وابن تميم والإفادات وغيرهم،...قال الحافظ ابن رجب: وقد أشار بعض أصحابنا إلى أن التختم فی اليمنى منسوخ ، وأن التختم فی اليسار آخر الأمرين، انتهى. قال فی التلخيص: ضعف الإمام أحمد حديث التختم فی اليمنى وهذا من غير الأكثر الذى ذكرناه فی الخطبة أن ما قدمه فی الفروع هو المذهب، وقيل: اليمنى أفضل قدمه فی الرعاية الصغرى والحاويين . (الانصاف : ۱۰۳/۳،بيروت). (وكذا فی كتاب الفروع :۱۵۳/٤، مؤسسة الرسالة،والموسوعة الفقهية الكويتية : ۲۷/۱۱). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

سونے کے پرزے والی گھڑی کا حکم:

سوال: اگرکسی کی گھڑی ایسی ہےجس کی چین میں سونا ملا ہوا ہے یا کچھ پرزے سونے کے ہیں تو ایسی گھڑی کا استعمال جائز ہوگا یانہیں؟

الجواب: مکمل سونے کی گھڑی کا استعمال مردوں کے لیے ناجائز ہے ہاں گھڑی کی چین میں سونا ملا ہوا ہے یا کچھ پرزے سونے کے ہیں اورسونا مغلوب ہےتواس کےاستعمال کی اجازت ہوگی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک ٹوٹ گیا تو آپ نے پھٹن کی جگہ چاندی سے جوڑ دیا تھا۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة قال عاصم: رأيت القدح وشربت فيه . (رواه البخاری،رقم: ۳۱۰۹).

وفي رواية قال: قدحاً كان للنبي صلى الله عليه وسلم فيه ضبة فضة . (اخرجه الامام احمد، رقم: ۱۲٤۱۱).

ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل میں ہے:

سونے کی گھڑی کا استعمال تو مطلق جائز نہ ہوگا اور غالبًا ایسی گھڑی کا استعمال بھی کراہت سے خالی نہ ہوگا جس کا کیس چاندی کا ہو اور وہ نمایاں ہو، اس لیے کہ انگوٹھی کے علاوہ دوسری استعمالی چیزوں میں بھی چاندی کے استعمال کو فقہاء مکروہ قرار دیتے ہیں: **وكذا الأكل بملعقة الذهب والفضة وكذا الاكتحال بميل الذهب والفضة** . (خلاصة الفتاوى: ٤ /٣٧١، كتاب الكراهية) ہاں اگر اس کا کوئی پرزہ سونے کا ہو تو درست ہوگا اور چاندی میں تو بدرجہ اولیٰ۔ چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں: **ولا بأس بمسامير الذهب والفضة** . (الهندية: ٥/٣٣٥) اسی طرح اندر کی مشین سونے چاندی کی بنی ہو اور اوپر کا کیس لوہے کا ہو تو بھی اجازت ہوگی۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۶)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

سوال: راڈو گھڑی میں جو سونے کے پرزے لگے ہوتے ہیں، اسی طرح ایک گھڑی میں پلاٹینم گولڈ جو کہ سونے سے بھی دگنی قیمتی دھات ہے، لگا ہو، اس کی گھڑی پہننا جائز ہے؟

جواب: سونا اگر ہوتا ہے تو براہِ راست اس کا استعمال نہیں ہوتا، بلکہ گھڑی کے تابع ہو کر ہوتا ہے، اس لیے جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۳۷۸، طبع جدید)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

یہ ولایتی گھڑیاں جن کا کیس سونے چاندی کا کیا جاتا ہے اس میں چونکہ دوسری دھاتیں غالب اور سونا چاندی مغلوب ہوتا ہے اس لیے یہ سونے چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ عام دھاتوں کی طرح اسباب ومتاع میں داخل ہیں (صرح بہ الہدایہ وغیرہا) لہٰذا ان کا استعمال مردوں کے لیے جائز ہے اور زکوٰۃ بھی مثل سونے چاندی کے ان پر نہیں آتی، البتہ اگر تجارت کے لیے گھڑیاں ہوں تو عام تجارتی مال کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ آئے گی فاؤنٹین پین میں بھی جونب ہوتا ہے وہ بھی غالبًا اصلی سونے کا نہیں ہوتا اس لیے جائز ہے۔ (امداد المفتین: ۲/ ۸۱۵، ط: دارالاشاعت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سونے کی قلعی کی ہوئی گھڑی کے استعمال کا حکم:

سوال: اگر گھڑی کی چین پر سونے کا گلٹ کیا ہوا ہے، تو اس کے استعمال کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: سونے کا گلٹ چڑھائی ہوئی چین والی گھڑی کا استعمال مردوں کے لیے جائز اور درست ہے، کیونکہ سونے کے پانی کو فقہاء نے اصل سونے کے حکم میں داخل نہیں فرمایا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر چین سے سونا علیحدہ کیا جائے تو سونا علیحدہ نہیں ہوگا۔ ملاحظہ ہو شرح نقایہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وهذا كله إذا كان يخلص منه شيء ، وأما الذى لا يخلص منه شيء كالمموّه فلا بأس به إجماعاً ؛ لأنه مستهلک فلا عبرة ببقاء لونه . (شرح النقاية : ٤/ ٢٥،بيروت).

(و كذا فى فتاوى الشامى: ٦/ ٣٤٣،سعيد،والجوهرة النيرة :٢/،والفتاوى الهندية: ٥/ ٣٣٤،والهداية:٤/، فصل فى الاكل والشرب،وبدائع الصنائع: ٥/ ١٣٣،سعيد).

وفى المبسوط : إن التمويه لون الفضة وليس بعين الفضة ألا ترى أنه لايتخلص منه شيء فلا يجرى فيه الربا باعتباره. (المبسوط للامام السرخسیؒ : ١٤/ ١٩، كتاب الصرف، دارالفكر).

آپ کے مسائل میں ہے:

گھڑی کی چین سونے کے گلٹ کی جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۳۷۴،طبع جدید)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سونے چاندی کا گلٹ چڑھائی ہوئی گھڑی مرد پہن سکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۷۵)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

سونے کی قلعی کی ہوئی چیزوں کا استعمال مردوں کے لیے جائز ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۱۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرد کے لیے ۹ کیرٹ سونے کی انگشتری پہننے کا حکم:

سوال: کیا ۹ کیرٹ سونے کی انگوٹھی پہننا مرد وعورت کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۹ کیرٹ سونے کے بارے میں ماقبل میں مذکور ہوا کہ اس میں سونا مغلوب ہے اور دوسری دھات غالب ہے، لیکن عرفِ عام میں اس کو سونا ہی کہتے ہیں اس وجہ سے عورت ۹ کیرٹ سونے کی انگوٹھی اور دوسرے زیورات وغیرہ پہن سکتی ہے، البتہ مرد کے لیے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی درست نہیں ہے اور اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے اس لیے ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں روایت ہے:

عن أبي موسى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: حرم لباس الحرير والذهب على ذكور أمتي وأحل لأناثهم . (جامع الترمذی: ۱/۳۰۲،ط: فیصل،والنسائی: ۲/۲۸٤).

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وأما خاتم الذهب فهو حرام على الرجل بالإجماع وكذا لو كان بعضه ذهباً وبعضه فضة...وأما النساء فيباح لهن لبس الحرير وجميع أنواعه وخواتيم الذهب وسائر الحلى منه ومن الفضة . (شرح صحيح مسلم: ۲/۱۸۸).

قال في الجوهرة النيرة: ثم الخاتم من الفضة إنما يباح للرجال إذا ضرب على صفة ما يلبسه الرجال أما إذا كان على صفة خواتيم النساء فمكروه . (الجوهرة النيرة: ۲/۳۸۳، كتاب الحضر والاباحة، ط:امداديه، ملتان).

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

ائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ سونا پہننا مردوں کو حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال، بہت سے اکابر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۳۷۲،طبع جدید)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ۹ کیرٹ سونا پہننا عورتوں کے لیے جائز اور درست ہے اور مردوں کے لیے ناجائز ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اسٹیل کی چین والی گھڑی پہننے کا حکم:

سوال: گھڑی کی چین اگر اسٹیل کی بنی ہوئی ہوتو اس کا استعمال مردوں کے لیے درست ہے یا نہیں؟ کیا گھڑی کو انگوٹھی پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز یا مکروہ کہا جائیگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مردوں کے لیے اسٹیل کی چین والی گھڑی کا استعمال جائز اور درست ہے۔ گھڑی کی چین کو انگوٹھی پر قیاس کرنا بعید ہے، اگر اسٹیل لوہے کی قسم ہو تو اسٹیل کی انگوٹھی کو مکروہ کہا جائیگا اور چین کو درست کہا جائیگا نیز انگوٹھی کے استعمال کی ممانعت سے چین کی ممانعت لازم نہیں آتی، ورنہ پھر لوہے کی زرہ بھی ناجائز ہوگی جبکہ یہ جائز ہے نیز چین میں ضرورت بھی ہے چمڑے کا پٹہ باندھنا مشکل ہے اور ٹوٹنے کا اندیشہ زیادہ ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی زرہ زیب تن فرمائی تھی۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن يحيى بن عباد بن عبد الله بن الزبير عن أبيه عن جده عبد الله بن الزبير بن العوام

قال: کان علی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم درعان یوم أحد ...الخ. (رواہ الترمذی ،وقال: ھذا حدیث حسن صحیح غریب ،رقم:۳۷۳۸).

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم وھو في قبة : اللّٰھم إني أنشدک عھدک ووعدک اللّٰھم إن شئت لم تعبد بعد الیوم فأخذ أبوبکر رضی اللہ عنہ بیدہ فقال: حسبک یا رسول اللّٰہ! فقد ألححت علی ربک وھو فی الدرع ...الخ. (رواہ البخاری ، رقم: ۲۹۱۵).

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: توفي رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ودرعه مرھونة عند یھودي بثلاثین صاعاً من شعیر وقال یعلی: حدثنا الأعمش درع من حدید وقال معلی: حدثنا عبد الواحد حدثنا الأعمش وقال: رھنه درعاً من حدید. (رواہ البخاری ، ۲۹۱۶).

درمختار میں ہے:

ولا یکرہ فی المنطقة حلقة حدید أونحاس وعظم . (الدرالمختار:۶/۳۵۹،سعید).

کمر بند میں لوہے یا تانبے یاہڈی کا حلقہ لگا سکتے ہیں۔ نیز تانبے لوہے کے برتن بھی استعمال کرسکتے ہیں۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل گھڑیوں میں لوہا اور اسٹیل کی چین کا استعمال عام ہے، یہ جائز ہے گھڑی کی حفاظت کے لیے اس طرح کی چین حاجت کا درجہ رکھتی ہے اور فقہاء کا اصول ہے کہ حاجت بھی بعض اوقات ضرورت کا درجہ اختیار کرلیتی ہے...الخ.(جدید فقہی مسائل:۱/۳۲۱)۔ (وکذا فی منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۳۸۰)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گھڑی کی چین کو خاتمِ حدید پر قیاس کرنے کا حکم:

سوال: کیا گھڑی کی چین کو خاتمِ حدید پر قیاس کرنا اور ناجائز کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: گھڑی کی چین کو زرہ یا تلوار کے بیلٹ پر قیاس کرنا درست ہے انگوٹھی پر قیاس کرنا درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر بعید معلوم ہوتا ہے اور تلوار کے بیلٹ میں لوہے کا لگانا بطورِ زینت جائز ہے۔

قال سلیمان بن حبیب سمعت أبا أمامة رضی اللہ عنہ یقول: لقد فتح الفتوح قوم ما کانت حلیة

سیوفهم الذهب ولا الفضة إنما كانت حليهم العلابي والآنک والحديد . (رواه البخاري: ۱/ ۴۰۷، باب حلية السيوف).

قوله : العلابي : جمع علباء ، وهو عصب العنق ، وهما علباوان يميناً وشمالاً، كانت العرب تشد العصب على غلف سيوفها وهو رطب ، ثم يجف فيصير كالقد . والآنک : الرصاص الأبيض وقيل: الأسود ، وقيل: الخالص منه .

(۱) گھڑی چین کے ساتھ معلق ہے جیسے تلوار پٹے اور پر تلے کے ساتھ معلق رہتی ہے۔

(۲) گھڑی کی چین گھڑی کی تابع ہے جیسے تلوار کا بیلٹ تلوار کے تابع ہے۔ جبکہ انگوٹھی مقصود بالزینت ہے۔

(۳) تلوار مجاہد کے لیے ضروری ہے اور گھڑی مسلمان کے اوقاتِ صلوات کے لیے ضروری ہے کیونکہ جیبی گھڑی میں مشقت ہے۔

(۴) تلوار کا پٹہ تلوار کے لیے ضرورت کے درجہ میں ہے جبکہ انگوٹھی اس زمانہ میں صرف زینت کے لیے ہے، کیونکہ اب اس سے مہر لگانے کا کام متروک ہو چکا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ مفتی محمود میں ہے:

گھڑی انسانی ضرورت کی چیز ہے اور زنجیری یا چین اس کی حفاظت کے لیے ہے۔ جیسا کہ تلوار کے لیے دونوں سروں پر ایک یا دو حلقے ہوتے ہیں۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر یہ حلقے لوہے، تانبے، پیتل کے ہوں تو جائز ہیں اور اس میں کراہت نہیں۔ اس سے بظاہر لوہے وغیرہ کی چین کی اجازت مفہوم ہوتی ہے۔ **قال في الشامية**(۳۰۹/۶): **ولا يكره في المنطقة حلقة حديد أو نحاس وعظم و أيضاً تحت قوله: ولا يتختم إلا بالفضة أي بخلاف المنطقة فلا يكره فيها حلقة حديد و نحاس**۔ (فتاویٰ مفتی محمود: ۱۰/ ۳۰۱، وص۴۰۳، وص۲۵۱)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۳۶۴، جامعہ فاروقیہ، واحسن الفتاویٰ: ۸/ ۲۱۳)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

تانبے پیتل کے برتن استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا تانبے اور پیتل کے برتن استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سونے چاندی کے علاوہ دھات مثلاً تانبہ، پیتل، اسٹیل وغیرہ کے برتن استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔ ہاں لوہے وغیرہ کے برتن جس میں میل کچیل جما ہوا ہو اور زنگ آلود ہو تو ضرر اور تکلیف کے اندیشہ کی وجہ سے بعض فقہاء نے قلعی سے پہلے منع کیا البتہ قلعی کیے ہوئے برتن کا استعمال درست ہے کیونکہ ضرر کا اندیشہ نہیں ہے۔ آج کل قلعی کیے ہوئے صاف ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کا استعمال جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله (ويكره الأكل في نحاس أو صفر) وعزاه فى الدر المنتقى إلى المفيد والشرعة ... ثم قيد النحاس بالغير المطلى بالرصاص وهكذا قال بعض من كتب على هذا الكتاب أى قبل طلية بالقزدير والشب لأنه يدخل الصدأ فى الطعام فيورث ضرراً عظيماً وأما بعده فلا، أقول: والذي رأيته فى الاختيار: واتخاذها من الخزف أفضل إذ لا صرف فيه ولا مخيلة وفى الحديث: من اتخذ أواني بيته خزفاً زارته الملائكة، ويجوز اتخاذها من نحاس أو رصاص، وفى الجوهرة: وأما الآنية من غير الفضة والذهب فلا بأس بالأكل والشرب فيها والانتفاع بها كالحديد والصفر والنحاس والرصاص والخشب والطين، فتنبه. (فتاوى الشامي: ٦/٣٤٣، كتاب الحظر والاباحة، سعيد).

قال فى البحر الرائق: ويجوز استعمال الأواني من الصفر لما روى عن عبد اللّٰه بن يزيد قال: أتانا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأخرجنا له ماء في تور من صفر فتوضأ. رواه البخارى، وأبوداود وغيرهما، ويستدل به على إباحة غير الذهب والفضة لأنه في معناه بل عينه. (البحرالرائق: ٨/٢١١، فصل فى الاكل والشرب، دارالمعرفة).

(وكذا فى تبيين الحقائق: ٦/١١، ومجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر: ٤/١٨٣، دارالكتب العلمية).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

پیتل اور تانبے کے برتنوں کا استعمال کرنا درست ہے۔ البتہ اگر کفار کی مشابہت ہو تو منع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۳۵۷، جامعہ فاروقیہ)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اسلام نے صرف سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع کیا ہے اس لیے کہ یہ بہت زیادہ تعیش

اور اللہ کی نعمتوں کا غلط اور ناروا استعمال ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ کسی بھی دھات کا برتن استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ... یہاں تک کہ اگر برتن پر سونے اور چاندی کا پانی چڑھایا ہوا ہو تب بھی اس کا استعمال درست ہے بشرطیکہ اس کو منہ لگانے کی نوبت نہ آئے: **ولا بأس بالأكل والشرب من إناء مذهب ومفضة إذا لم يضع فاه على الذهب والفضة** . (الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٣٤). (ماخوذ از جدید فقہی مسائل: ١/ ٣١٧)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۱۲۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سونے چاندی کے نقش ونگار والے برتن استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک برتن پر سونے کا نقش ونگار کافی مقدار میں ہے اگرچہ اصل برتن کسی اور دھات کا ہے تو کیا اس کا استعمال کرنا اور اس میں کھانا، پینا وغیرہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سونے چاندی کے نقش ونگار والے برتن کے استعمال کی درجِ ذیل چند صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے:

(۱) برتن چاہے خالص سونے چاندی کے ہوں یا سونے چاندی کا نقش ونگار ہو بطورِ زینت گھر میں رکھنا جائز اور درست ہے۔ ہاں زکوٰۃ اس کے شرائط کے ساتھ ادا کرنی ہوگی۔

(۲) خالص سونے چاندی کے برتن کا استعمال مثلاً: اس میں کھانا، پانی پینا یا اس پر بیٹھنا وغیرہ جائز اور درست نہیں۔

(۳) برتن میں سونے چاندی کا کچھ حصہ ملایا گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا استعمال اس وقت جائز ہوگا جب کہ سونے چاندی کی جگہ اپنا منہ وغیرہ نہ لگائے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور صحیح امام صاحبؒ کا قول ہے۔

(۴) سونے چاندی کی قلعی کیے ہوئے برتن یعنی دوسری دھات کے برتن پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو تو اس کا استعمال بالاتفاق جائز اور درست ہے۔ بشرطیکہ اس جگہ پر منہ نہ لگائے۔

دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ فرمایئے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انكسر فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة قال عاصم: رأيت القدح وشربت فيه . (رواه البخاري، رقم: ٣١٠٩).

وفي رواية قال: قدحاً كان للنبي صلى الله عليه وسلم فيه ضبة فضة . (اخرجه الامام احمد، رقم: ١٢٤١١).

عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لاتشربوا في آنية الذهب والفضة ولا تأكلوا في صحافها، فإنها لهم فى الدنيا، ولكم فى الآخرة. (متفق عليه).

وعن أم سلمة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذي يشرب في إناء الفضة إنما يجرجر في بطنه نار جهنم . (متفق عليه).

درمختار میں ہے:

وحل الشرب من إناء مفضض أى مزوق بالفضة والركوب على سرج مفضض والجلوس على كرسى مفضض ولكن بشرط أن يتقي أى يجتنب موضع الفضة بفم قيل ويد وجلوس سرج ونحوه وكذا الإناء المضبب بذهب أو فضة ، والكرسى المضبب بهما و حلية مرآة ومصحف بهما كما لوجعله أى التفضيض في نصل سيف وسكين أوفى قبضتهما أو لجام أو ركاب ولم يضع يده موضع الذهب والفضة ...أما المطلى فلا بأس به بالإجماع بلا فرق بين لجام و ركاب وغيرهما لأن الطلاء مستهلك لايخلص فلا عبرة للونه .

(الدرالمختار: ٦/٣٤٣،سعيد).

(كذافى البحرالرائق: ٨/٢١١،دارالمعرفة). وكذا فى شرح النقاية للملاعلى القاريؒ : ٤/٢٥،بيروت،و المحيط البرهانى:٦/٨٢،فصل فى استعمال الذهب والفضة).

وفى تبيين الحقائق : وهذا كله عند أبي حنيفة ، وقال أبويوسفؒ يكره ذلك كله، وقول محمد يروى مع أبي حنيفةؒ ، ومع أبي يوسفؒ ، وهذا الخلاف فيما يخلص وأما التمويه الذي لا يخلص فلا بأس به بالإجماع لأنه مستهلك فلا عبرة ببقائه لوناً . (تبيين الحقائق: ٦/١١، امداديه ، ملتان).

وفى الفتاوى الهندية : والصحيح قول أبي حنيفةؒ كذا فى المضمرات . (الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٤).

قال في تكملة عمدة الرعاية : فالحاصل إن كان الذهب والفضة حيث لم يمس فى

الاستعمال يجوز وإلا فلا ... والصحيح ما قال أبوحنيفةؒ واستفيد من الآثار الكثيرة ما قاله أبوحنيفةؒ. (تكملة عمدة الرعاية : ٤/٤٤، كتاب الكراهية).

وفى الفتاوى الهندية: لا بأس بأن يكون في بيت الرجل أواني الذهب والفضة للتجمل لايشرب منها نص محمد لأن المحرم الانتفاع والانتفاع فى الأوانى الشرب كذا فى الكبرى. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٣٤).

امدادالفتاویٰ میں ہے:

شرعاً اعتبار غالب کا ہے، پس اگر بدری پر چاندی یا سونا غالب ہے تو اس کا استعمال ناجائز ہے، اور اگر مغلوب ہے تو جائز، اور دونوں مساوی تو احتیاط عدمِ جواز میں ہے۔ (امدادالفتاویٰ:۴/ ۱۲۸)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے: اگر چاندی سونا پکڑنے کی جگہ ہو تو جائز نہیں اگر نیچے ہو تو جائز ہے۔ (امدادالفتاویٰ: ۴/ ۱۲۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مخصوص اعضا پر زیورات پہننے کا حکم:

سوال: آج کل تحسین اور تزیین کا ایک نیا دور چلتا ہے جس میں عورتیں اپنے چند مخصوص اعضا مثلاً: ناف، زبان، شرمگاہ وغیرہ پر زیور پہنتی ہیں، اور ان اعضا کو چھید کر زیور پہنا جاتا ہے، اور یہ زیور تزیین اور خوبصورتی کے لیے ہوتا ہے، نیز یہ زیور سونے چاندی یا لوہے وغیرہ کا ہوتا ہے، تو کیا شادی شدہ عورت اپنے شوہر کے لیے اس کی رضامندی سے پہن سکتی ہے یا نہیں؟ نیز غیر شادی شدہ لڑکی کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث اور کتبِ فقہ میں کان اور ہاتھ میں زیورات پہننے کا تذکرہ ملتا ہے، نیز کتبِ فقہ میں ناک میں زیور پہننے کا بھی ذکر موجود ہے لیکن ان اعضا کے علاوہ مثلاً: ناف یا شرمگاہ وغیرہ میں زیور پہننے کا ذکر نہ کتبِ حدیث میں موجود ہے اور نہ کتبِ فقہ میں، اور نہ مسلمان خواتین کا طریقہ ہے، بلکہ یہ فاسقات فاجرات کی ایجاد ہے اس سے مسلم خواتین کو بچنا چاہئے، جب ناف وغیرہ میں زیور ہوگا تو لامحالہ دوسروں کو دکھانے کا بھی اہتمام ہوگا اور یہ اعضا چھپانے کے ہیں دکھانے کے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ غیر اقوام کی تقلید سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

ملاحظہ بخاری شریف میں ہے:

فجعلت المرأة تلقى القرط والخاتم . (رواه البخاری : ۱/ ۲۰).

عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بثقب آذان النسوان كذا فی الظهيرية ولا بأس بثقب آذان الأطفال من البنات لأنهم كانوا يفعلون ذلک في زمان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من غير إنكار كذا فی الكبرى . (الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٧). (وكذا فی الموسوعة الفقهية الكويتية: ٨٧/٧).

قال فی الدرالمختار: قلت: وهل يجوز الخزام فی الأنف لم أره . وقال فی الشامية: قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو فی بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط ، وقد نص الشافعية على جوازه . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/ ٤٢٠، سعيد).

(وكذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار: ٤/٢٠٩، كوئٹه، و امدادالفتاوی:٤/١٣٥). **واللّٰہ ﷻ اعلم۔**

عینک کی کمانی سونے کی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا عینک میں سونے کا فریم استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شئی میں سونے چاندی کی کشید کاری کی گئی ہو یا اس شئی کا کچھ حصہ سونے چاندی کا ہو تو اس کے استعمال کے لیے ضروری ہے کہ سونے چاندی کو ہاتھ نہ لگائے مثلاً: کھاتے، پیتے وقت منہ نہ لگائے، زین وغیرہ میں سونے چاندی پر پیر نہ رکھے، دیگر پکڑنے کی اشیاء میں ہاتھ سونے چاندی پر نہ رکھے، اس عبارت کی روشنی میں چونکہ سونے کا فریم کان سے متصل ہوگا اور اتارتے وقت بھی ہاتھ سونے کی جگہ مس ہوگا لہذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو الدرالمختار میں ہے:

وحل الشرب... والركوب على سرج مفضض والجلوس على كرسی مفضض ولكن بشرط أن يتقي أی يجتنب موضع الفضة ... وكذا الإناء المضبب بذهب أو فضة ، والكرسی المضبب بهما و حلية مرآة ومصحف بهما كما لو جعله أی التفضيض في نصل سيف وسكين أوفی قبضتهما أو لجام أو ركاب ولم يضع يده موضع الذهب والفضة .

(الدرالمختار: ٦/٣٤٣،سعيد).

وفی الشامیة : فالحاصل: أن المراد الانقاء بالعضو الذی یقصد الاستعمال به ، ففی الشرب لما کان المقصود الاستعمال بالفم اعتبر الاتقاء به دون الید ولذا لوحمل الرکاب بیده من موضع الفضة لایحرم ، فلیس المدارعلی الفم إذ لا معنی لقولنا متقیاً فی السرج والکرسی موضع الفم فافهم ولایخفی أن الکلام فی المفضض وإلا فالذی کله فضة یحرم استعماله بأی وجه کان کما قدمناه ولوبلا مس بالجسد ...الخ. (الدرالمختارمع الشامی: ٦/٣٤٣،سعید).

امدادالاحکام میں ہے:

عینک کی کمانی سونے اورچاندی کسی کی جائزنہیں۔ **قال فی الدر: وکذا الإناء المضبب بذهب أوالکرسی المضبب بهما وحلیة مرآة وفی المنح والهدایة وغیرهما حلقة مرآة بالقاف قال فی الکفایة والمراد بها التی تکون حوالی المرآة ، ومصحف لهما إلی أن قال: ولم یضع یده موضع الذهب والفضة ، الخ .**

پس عینک کی کمانی حلقہ مرآۃ کے مشابہ ہے،اوروہ اس شرط سے جائز ہے کہ چاندی اورسونے کی جگہ پر ہاتھ نہ رکھاجائے اورظاہرہے کہ عینک کالگانابدونِ کمانی کوہاتھ لگائے دشوارہے ، اس لیے ناجائز ہے۔ (امدادالاحکام:۴/۳۳۲)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دانتوں پرسونے چاندی کاخول چڑھانے کاحکم:

سوال: (الف)اگرکسی مردیاعورت کے دانتوں میں خرابی ہے یانکالدئے ہیں،تواس کی جگہ پرسونے چاندی کے دانت لگوانایاسونے چاندی کاخول چڑھاناجائزہوگایانہیں؟جب کہ سونے چاندی کےعلاوہ دوسری چیزکےبھی دانت میسرہیں۔(ب)اگرکسی نےلگوائے ہیں توان پرزکوۃ واجب ہوگی یانہیں؟(ج)نیزمرنے کےبعدنکالاجائیگایانہیں؟بینواتوجروا۔

الجواب: (الف)سونے کےدانت لگوانے میں فقہاء کااختلاف ہےتوجب تک کوئی واقعی ضرورت نہ ہواس سے اجتناب کرناچاہئے۔محض زینت کے لیےلگانامکروہ ہے۔(ب)اگرضرورت کی وجہ سےکسی نے لگوائے ہیں تویہ سونااگربقدرِنصاب ہے یادوسرےسونے چاندی یارینڈکےساتھ ملاکرنصاب مکمل ہوتاہوتوزکوۃ

واجب ہوگی۔(وجوبِ زکوٰۃ کی تفصیل فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ سوم،ص۹۲ پر ملاحظہ کیجئے)۔(ج) مرنے کے بعد دانت کو یا دانت کے خول کو نہیں نکالا جائیگا۔

ملاحظہ امام محمدؒ الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں:

ولا تشد الأسنان بالذهب ، وتشد بالفضة ، وقال محمدؒ : لا بأس بالذهب أيضاً. وقال في النافع الكبير: قوله : وقال محمد الخ ؛ وقيل قول أبي يوسفؒ مثل قول محمد ، ذكره في الأصل وذكره الكرخيؒ في مختصره قول أبي يوسفؒ مثل قول أبي حنيفةؒ ، فصار عن أبي يوسفؒ روايتان. لهما أن عرفجة بن سعدؓ أصيب أنفه يوم الكلاب ، فاتخذ أنفاً من فضة فأنتن ، فأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن يتخذ أنفاً من ذهب . ولأبي حنيفةؒ أن الحاجة تندفع بالفضة ، فأما الأنف فما اندفعت الحاجة لأنه أنتن . (الجامع الصغير مع شرحه، ص:٤٧٧،ط: عالم الكتب ،بيروت). (وكذا فى الهداية: ٤/٤٥٧،كتاب الكراهية).

کفایت المفتی میں ہے:

دانتوں کی کسی خرابی کی وجہ سے سونے کا خول چڑھوانا ناجائز نہیں اور محض زینت کے لیے مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی:۲/۳۱۳،دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا،جلداول،ص۶۴۹،وص۶۶۲)۔

دانتوں کو سونے سے باندھنے اور سونے کا خول چڑھانے سے متعلق حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

امداد المفتین میں ہے:

اگر کسی شخص کا دانت ہلنے لگے تو اس کو سونے یا چاندی کے تار سے باندھنا جائز ہے اور یہی مطلب حدیث سنن ابی داود کا ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے: **إذا تحركت ثنية الرجل إلى أن قال: فشدها بذهب أوفضة لا بأس به وليس هذا كالحلي . الخ** ۔(امداد المفتین:۲/۸۱۵،ط:دارالاشاعت)۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سونے کے دانت لگانے میں اختلاف ہے،اس لیے گنجائش ہے،مگر اول احتیاط ہے،کذا فی الدر المختار۔ (امداد الفتاویٰ:۴/۱۳۷)۔　مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:(امداد الاحکام:۴/۳۳۹)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رنگین لینز لگانے کا حکم:

سوال: آج کل یہ فیشن چلا ہے کہ لوگ اپنی آنکھوں میں زینت کے لیے رنگ بہ رنگ کے لینز لگواتے ہیں، آیا شریعت کی نگاہ میں اس کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ کیا یہ تغییر لخلق اللہ میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے زینت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ ایسے رنگ بہ رنگی لینز استعمال کرنا بھی جائز ہوگا، بشرطیکہ اس میں اسراف اور خوفِ فتنہ نہ ہو اور دوسرے مفاسد نہ ہوں، کیونکہ یہ تغییر لخلق اللہ میں شامل نہیں ہے، بلکہ تزیین کے قبیل سے ہے۔ لیکن اگر بطورِ فیشن اور دوسری اقوام کی مشابہت میں یہ عمل کیا جاتا ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ نتھ سے متعلق فرماتے ہیں:

قوله: لم أره قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط، وقد نص الشافعية على جوازه مدني. (فتاوى الشامى: ٦/ ٤٢٠، سعيد).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

یوں تو خواتین کو ناک کے زیور کی بھی اجازت ہے، مگر شریف عورتوں کو بازاری عورتوں کی مشابہت سے پرہیز لازم ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۳۷۵، طبع جدید)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اسلام نے زیب وزینت کے معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ اختیار کی ہے، اس نے ایک طرف زیبائش کے لیے غیر معمولی اور بے جا تکلف سے بھی منع کیا ہے اور دوسری طرف ایک خاص حد میں اس کی اجازت بھی دی ہے، چنانچہ نتھ اور آئرنگ وغیرہ پہنانے کے لیے بچیوں کی ناک اور کان میں سوراخ کرنا درست ہے: **لا بأس بثقب أذن البنات.** (خلاصة الفتاوىٰ: ٤/ ٣٧٧) اور ظاہر ہے جب یہ درست ہوگا تو ان کا استعمال بھی جائز ہوگا۔

اسی طرح بالوں میں خوبصورتی کے لیے چاندی، سونے یا کسی دھات کے کانٹے پھول وغیرہ بھی لگانے کی اجازت ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۱۳)۔

خلاصہ یہ ہے رنگین لینز کا استعمال بطورِ زینت جائز اور درست ہے، جب تک اس میں غیر اقوام کی مشابہت اور دیگر مفاسد نہ ہوں۔ البتہ نیک مسلمان خاتون کو یہ بات زیب نہیں دیتی ہے کہ بازاری عورتوں کی ہر

چال چلن اختیار کرے، اگر چہ حدِ جواز کے دائرہ میں ہو پھر بھی تقویٰ طہارت اسلام میں قابل مدح وستائش زیور ہے جس سے آراستہ پیراستہ ہونا ہر مسلمان خاتون کا اخلاقی فریضہ ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عطر لگانے کا طریقہ:

سوال: عطر لگانے کا کوئی سنت طریقہ ہے یا نہیں؟

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عطر استعمال فرماتے تھے، اور خوشبو کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے اور ہر اچھی چیز میں داہنی جانب کو ترجیح دیتے تھے، بنابریں عطر استعمال کرنا سنت ہے اور دائیں ہاتھ سے لیکر جس جگہ لگانا ہو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر لگائے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشةؓ قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب التيمن ما استطاع في شأنه كله في طهوره وترجله وتنعله. (رواه البخاري، رقم: ٤٢٦).

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

يستحب البداءة باليمنى في كل ما كان من باب التكريم والزينة والنظافة و نحو ذلك ...الخ. (شرح صحيح مسلم: ١٤/٧٤، داراحياء التراث العربي، بيروت).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

عطر لگانے کا کوئی خاص طریقہ مسنون نہیں، البتہ دائیں جانب سے ابتدا کرنا سنت ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/۳۴۳، طبع جدید)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

عصا کی کیفیت اوراس کے استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے ہاں دو قسم کے عصا مستعمل ہیں ایک وہ جس کا سر امڑا ہوا ہوتا ہے، اور دوسری وہ جس کا سر امڑا ہوا نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اور لغت کی کتابوں کی روشنی میں کونسا استعمال کرنا چاہئے؟ اکثر مشائخ وعلماء پہلی قسم کا عصا اور بعض مشائخ دوسری قسم کا استعمال کرتے ہیں، اور عصا کا استعمال مباح ہے یا مستحب؟ اور اس کے لیے عمر کی تعیین ہے یا نہیں؟

الجواب: عصا استعمال کرنے کے بارے میں مختلف قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ملاحظہ کیجئے:۔

(۱) من بلغ أربعين سنة ولم يأخذ العصا عد له من الكبر والعجب .

ذكره السيوطي في الحاوي للفتاوى(۴۳/۲) **مرفوعاً بلا إسناد ، وقال فيه ابن حجر الهيتمي المكي في فتاواه ص: ۱۲۴ ، نقلاً عن السيوطي : إنه كذب موضوع .**

قال القاري في الموضوعات الكبرى،رقم ۳۸۳ : ليس له أصل .

(۲) حمل العصا علامة المؤمن وسنة الأنبياء . رواه الديلمي في مسند الفردوس من طريق يحيى بن هاشم الغساني عن قتادة عن أنس رضي الله عنه مرفوعاً . (زهرالفردوس :۹۷/۲) **، وأورده الإمام السيوطي في الجامع الصغير . وقال المناوي في فيض القدير** (۳۷۶۱)**: فيه يحيى بن هاشم الغساني قال الذهبي في الضعفاء: قالوا: كان يضع الحديث .**

والحديث موضوع كما قال الحافظ أحمد الغماري في المغير ص۱۵۶ .

(۳) التوكؤ على العصا من سنة الانبياء عليهم الصلاة والسلام ، قال القاري: كلام صحيح ، وليس له أصل صريح ، وإنما يستفاد من قوله تعالىٰ : وما تلك بيمينك يا موسىٰ، ومن فعل نبينا صلى الله عليه وسلم في بعض الأحيان كما بينه في رسالة .

(الموضوعات الكبرى ،ص۹۹، رقم: ۳۸۲، وكذا في اسنى المطالب، رقم: ۵۲۳).

وقال ابن حجر رحمه الله الهيتمي: روى ابن عدى عن ابن عباس رضي الله عنه أنه قال: التوكؤ على العصا من أخلاق الأنبياء وكان النبي صلى الله عليه وسلم يتوكؤ عليها. (الفتاوى الحديثية، ص۱۲۱، وكذا في كشف الخفاء :۱۰۲۵/۳۲۱/۱).

قال في ذخيرة الحفاظ: رواه معلى بن هلال عن ليث ، عن مجاهد ، عن ابن عباس رضي الله عنه ومعلى هذا كذاب ، يضع الحديث . (ذخيرة الحفاظ:۲۵۰۸/۱۱۷۸/۲، ورواه ابوالشيخ في اخلاق النبي صلى الله عليه وسلم ، ص۲۵۹، و ابن عدى في الكامل :۳۳۰/۱).

(۴) عن معاذ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أتخذ المنبر فقد اتخذه أبي إبراهيم عليه السلام ، وإن أتخذ العصا فقد اتخذها أبي إبراهيم على السلام . أخرجه البزار(۲۶۳۲) **والطبراني**(۳۵۴)، **قال الهيثمي: فيه موسى بن محمد وهو ضعيف جداً.** (مجمع

الزوائد: ۲/۱۸۱). **وأيضاً أخرجه الفاكهي في أخبارمكة** (۳/۱۷۸/۱۹۸٤).

(۵) كانت للأنبياء كلهم مخصرة يختصرون بها تواضعاً لله عزوجل . أخرج أبونعيم عن ابن عباسرضی اللہ عنہ . (كشف الخفاء : ۱/۳۲۱/۱۰۲۵، وجامع الاحاديث للامام السيوطى).

(٦) وأخرج ابن ماجه عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ**: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو متكئ على عصا** . (ابن ماجه، رقم: ۳۸۳٦).

(۷) عن عبد الله بن أنيس رضی اللہ عنہ **أقبل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ومع رسول الله صلى الله عليه وسلم عصا يتخصر بها. أخرجه الطبراني فى الكبير** (۹۸) **قال الهيثمي: فيه : الوازع بن نافع وهو متروك.** (مجمع الزوائد:٦/٢٠٤، دارالفكر).

وللمزيد راجع : (سبل الهدى والرشاد:۷/۳٦۷، والفردوس بماثور الخطاب ، رقم: ۲۷۵۰، والموضوعات الكبرى ، رقم: ۳۸۲و۳۸۳، ص ۹۹، وكشف الخفاء : ۱/۳۲۱/۱۰۲۵، والمغير مع التعليقات ، ص۱۵٦، والفتاوى الحديثية،ص ۱۲۱، ط:دارالفكر، واسنى المطالب،رقم: ۱۳٦۷، و۵۲۳).

خلاصہ یہ ہے کہ روایاتِ کثیرہ میں عصا لینے کا ذکر موجود ہے اگرچہ اس میں ۴۰ سال کی عمر کی تخصیص کی روایت موضوع ہے۔

پھر عصا مڑی ہوئی لاٹھی کے علاوہ سیدھی لاٹھی کو بھی کہتے ہیں،لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " **محجن**" بھی استعمال فرماتے تھے،اور وہ مڑی ہوئی لاٹھی کو کہتے ہیں۔" **يستلم الركن بمحجن**"،یعنی حجر اسود کو سر مڑی ہوئی لاٹھی سے مس کیا،" **المحجن عصا معقفة الراس كالصولجان**"۔(النہایۃ لابن الاثیر الجزری:۱/۹۰۱، وکذا فی الفائق للزمخشری:۲/۱۹۳)۔اور عصا سے بھی متبادر مڑی ہوئی لاٹھی ہے جیسے کتبِ لغت میں اس کی تصویر دی ہے،اس لیے میرے خیال میں مڑی لاٹھی کا استعمال کرنا بہتر واولیٰ ہے۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

لڑکی کی ناک چھیدنے کا حکم:

سوال: لڑکی کی ناک چھیدنے کا کیا حکم ہے؟ ناک میں زیور پہننے کے لیے سوراخ کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جس علاقہ میں عورتیں ناک میں زیور پہنتی ہیں اور وہاں کا عرف ہے تو اس علاقہ کی لڑکیوں

کے لیے ناک چھیدنا اور زیور پہننا جائز اور درست ہے، البتہ جہاں بازاری عورتوں کا طریقہ ہو اور مسلم خواتین میں یہ زینت نہ ہو تو اس سے بچنا چاہئے۔

قال فی الدرالمختار: قلت: وهل يجوز الخزام فی الأنف لم أره . وقال فی الشامية: قلت: إن كان مما يتزين به كما هو فی بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط ، وقد نص الشافعية على جوازه . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/ ٤٢٠، سعيد).

(و كذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار: ٤/ ٢٠٩، كوئته).

قال في نفع المفتي والسائل: الاستفسار : هل يجوز ثقب أنف النساء ؟

الاستبشار : ما اطلعت على تصريحه في كتب الفقه إلى الآن ، بل قال فی الدر المختار .... وقال في رد المحتار: ... وقد سئل والدي ، مد ظله عنه ، فقال: يجوز قياساً على ثقب الأذن . (فتاوی اللكنوی ، ص ٤٨٠، ما يتعلق بالنوم والقيام ...).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

کانوں میں بالیاں پہننے کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رواج تھا اور اب بھی عرب میں اس کا رواج ہے، اس پر قیاس کر کے ناک چھیدنا بھی جائز ہے اگر یہ تغییر خلق اللہ میں داخل ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور نکیر فرماتے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۱۹۲)۔

مزید ملاحظہ ہو: (مجموعۃ الفتاویٰ: ۲/ ۳۸۸، ط: آرام باغ کراچی، وکتاب الفتاویٰ: ۶/ ۸۳، وآپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/، وعزیز الفتاویٰ، ص ۷۳۲، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۳۷۰، جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۷۹، وامداد الفتاوی: ۴/ ۱۳۵)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کان میں دو تین سوراخ کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورتوں کے لیے اپنے کانوں میں بالیاں پہننے کے لیے دو تین سوراخ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کان میں بالیاں زینت کے لیے پہنی جاتی ہیں، جیسے ہاتھ میں انگوٹھی زینت کے لیے عورتیں پہنتی ہیں پھر زینت کا مدار عرف پر ہے بعض علاقوں میں دو دو، تین تین انگوٹھیاں پہنی جاتی ہیں یہی حال بالیوں کا بھی ہے بعض علاقہ میں ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے اور بعض علاقوں میں دو دو، تین تین پہنی جاتی ہیں، بنا

بریں جب تک غیر مسلم عورتوں کے ساتھ تشبہ نہ ہوتو اس کی گنجائش ہے۔ہاں فاسقات فاجرات عورتوں کی راہ روی سے بھی مسلم خواتین کو بچنا چاہئے۔

کانوں میں بالیاں پہننے کا دستور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے چلا آرہا ہے صحابیات بھی اپنے کانوں میں بالیاں پہنتی تھیں۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أيوب قال: سمعت عطاء قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنه قال: أشهد على النبى صلى الله عليه وسلم أو قال عطاء: أشهد على ابن عباس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج و معه بلال فظن أنه لم يسمع فوعظهن وأمرهن بالصدقة فجعلت المرأة تلقى القرط والخاتم وبلال يأخذ في طرف ثوبه . (رواه البخارى، رقم: ٩٨، باب عظة الامام النساء).

قال العلامة العيني: القرط للنساء وهو ما يحلى به الأذن من ذهب أو فضة صرفاً أومع لؤلؤ و ياقوت ونحوهما ويعلق في شحمة الأذن غالباً . (عمدة القارى: ١٤).

قال ابن عابدين الشامي: ثقب الأذن لتعليق القرط وهو من زينة النساء...والذي في عامة الكتب وقدمناه عن التاترخانية لا بأس بثقب أذن الطفل من البنات . (ردالمحتار: ٦/٤٢٠، سعيد).

کفایت المفتی میں ہے:

کانوں میں بالیاں جبکہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنی گئیں اور شرعاً اس کو جائز رکھا گیا تو کانوں کے چھیدنے کو مثلہ یا مثلہ کے مشابہ خیال کرنا بھی غلط ہے۔(کفایت المفتی: ۹/۱۷۵، دارالاشاعت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بجنے والے جوتے پہننے کا حکم:

سوال: اونچی ایڑی کا جوتا جو چلتے وقت ٹک ٹک کی آواز کرتا ہے کیا یہ بھی " **ولا تضربن بأرجلهن ليعلم ما يخفين من زينتهن** " کی تفسیر میں شامل ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: مذکور جوتا اگر آواز کی وجہ سے مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو اس آیتِ کریمہ کے تحت ممنوع قرار دیا جائیگا، پھر اگر اس میں کافرات وفاسقات، فاجرات کے ساتھ تشبہ بھی ہو تو ممانعت اور سخت ہوگی، لیکن اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو نفس جوتا ممنوع نہیں قرار دیا جائیگا۔

ملاحظہ ہو قاضی بغداد علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

" ولا يضربن بأرجلهن ليعلم مايخفين " أى ما يسترنه عن الرؤية " من زينتهن " أى لايضربن بأرجلهن الأرض ليتقعقع خلاخلهن فيعلم أنهن ذوات خلاخل فإن ذلك ما يورث الرجال ميلاً إليهن ويوهم أن لهن ميلاً إليهم ... والنساء اليوم على جعل الخرز ونحوها في جوف الخلخال فإذا مشين به ولو هوناً صوت ولهن من أنواع الحلى غير الخلخال ما يصوت عند المشي أيضاً لاسيما إذا كان مع ضرب الرجل وشدة الوطء ، ومن الناس من يحرك شهوته وسوسة الحلى أكثر من رؤيته وفى النهى عن إبداء صوت الحلى بعد النهى عن إبداء عينه من النهى عن إبداء مواضعه ما لا يخفى . (روح المعانی : ۱۸/ ۱٤٦).

قال في تفسير النسفي: كانت المرأة تضرب الأرض برجليها إذا مشت لتسمع قعقعة خلخالها فيعلم أنها ذات خلخال فنهين عن ذلك إذ سماع صوت الزينة كإظهارها ومنه سمى صوت الحلى وسواساً . (مدارك التنزيل: ۲/ ۱٤۱). (وكذا فی احكام القرآن للجصاص: ۵/۱۷۷).

قال في تفسير القرطبي: أى لايضربن المرأة برجلها إذا مشت...وسماع هذه الزينة أشد تحريكاً للشهوة من إبدائها ، قاله الزجاج ... من فعل ذلك منهن فرحاً بحليهن فهو مكروه ومن فعل ذلك تبرجاً وتعرضاً للرجال فهوحرام مذموم . (الجامع لاحكام القرآن: ۱۵۸/٦).

قال في تفسير نسمات القرآن: ويقاس عليه صوت فرقعة أحذية النساء لإظهار الزينة فى المنع. (تفسیر نسمات القرآن، ص ۳۷۱).

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كانت امرأة من بني إسرائيل، قصيرة تمشى مع امرأتين طويلتين، فاتخذت رجلين من خشب، وخاتماً من ذهب مغلق مطبق، ثم حشته مسكاً، وهو أطيب الطيب فمرت بين المرأتين ، فلم يعرفوها، فقالت: بيدها هكذا ، ونفض شعبة يده . (رواه مسلم :۲/ ۲۳۹،ط:قدیمی کتب خانه).

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما اتخاذ المرأة القصيرة رجلين من خشب حتى مشت بين الطويلتين فلم تعرف، فحكمه في شرعنا أنها إن قصدت به مقصوداً صحيحاً شرعياً بأن قصدت ستر نفسها لئلا تعرف فتقصد بالأذى أو نحو ذلک فلا بأس به وإن قصدت به التعاظم أو التشبه بالكاملات تزويراً على الرجال وغيرهم فهو حرام . (شرح صحيح مسلم : ۲۳۹/۲،ط: قديمی).

خلاصہ یہ ہے کہ ٹک ٹک کی آواز نہ ہواور صحیح مقصود ہو مثلاً ازالہ عیب وغیرہ اور دوسری خرابیاں نہ ہوں تو گنجائش ہوگی۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لیے زیورات پہننے کے دلائل:

سوال: بعض لوگ عورتوں کے لیے زیورات پہننے کا انکار کرتے ہیں، کیا قرآن وحدیث میں کہیں عورتوں کے لیے زیورات پہننے کا تذکرہ ہے یانہیں؟ نیز عورتوں کے لیے زیورات کے بارے میں البانی صاحب کیا کہتے ہیں، اس بارے میں ان کا کیا موقف ہے؟ اوران کا موقف احادیث کی روشنی میں صحیح ہے یانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: احادیث سے پتہ چلتا ہے عورتوں کے لیے سونے چاندی وغیرہ کے زیورات پہننا جائز اور درست ہے،اس بارے میں البانی صاحب کا موقف عدمِ جواز کا ہے اور یہ موقف صحیح احادیث کے خلاف ہے بنابریں درست نہیں ہے۔چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

(۱)عن أبي موسى الأشعرى رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: حرم لباس الحرير والذهب على ذكور أمتي وأحل لإناثهم . رواه الترمذی وقال: وفی الباب عن عمر وعلي وعقبة بن عامر وأنس وحذيفة وأم هانی وعبد اللّٰه بن عمرو وعمران بن حصين وعبد اللّٰه بن الزبير وجابر وأبی ريحان وابن عمر و واثلة بن الأسقع رضی اللہ عنہم وحديث أبي موسى رضی اللہ عنہ حديث حسن صحيح . (رقم: ۱۷۲۰).

بخاری شریف میں ہے کہ عید کے دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو وعظ فرمایا اور وعظ کے بعد صدقہ کی ترغیب دی،راوی کہتے ہیں کہ خواتین نے اپنے زیورات اتار کر صدقہ کرنا شروع کردئے۔اس سے معلوم ہوا کہ زیورات پہننے کا عام دستور تھا۔روایت ملاحظہ ہو:

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى يوم الفطر ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدها ثم أتى النساء ومعه بلال فأمرهن بالصدقة فجعلن يلقين ، تلقى المرأة خرصها وسخابها . (رواه البخاري، رقم: ٩٦٤).

وفي رواية له عنه قال: فتصدقن وبسط بلال ثوبه فجعلن يلقين الفتخ والخواتيم فى ثوب بلال. (بخارى شريف، رقم: ٤٨٩٥).

وفي رواية له عنه : فجعلت المرأة تلقى قرطها. (بخارى شريف، رقم: ٥٨٨٣).

قال ابن حجر : الفتخ وهى الخواتيم التى تلبسها النساء في أصابع الرجلين قاله ابن السكيت وغيره وقيل : الخواتيم التى لا فصوص لها وقيل: الخواتيم الكبار...والخرص ... هى الحلقة الصغيرة من ذهب أو فضة ...والسخاب ؛ قلادة تتخذ من أنواع الطيب. والقرط : ما يحلى به الأذن ذهباً كان أو فضة صرفاً أو مع لؤلؤ وغيره ويعلق غالباً على شحمتها . (فتح البارى : ١٠/٣٣٠، ٣٣١).

بخاری شریف میں ہے:

(۳) باب الخاتم للنساء ، وكان على عائشة رضى الله تعالىٰ عنها خواتيم ذهب .

(صحيح البخارى :٢/٨٧٣،ط:فيصل).

قال العلامة العينیؒ: هذا التعليق وصله ابن سعد من طريق عمرو بن أبي عمرو مولى المطلب قال: سألت القاسم بن محمد فقال: لقد رأيت والله عائشة رضى الله تعالىٰ عنها تلبس المعصفر وتلبس خواتيم الذهب . (عمدة القارى:١٥/٨٠،ط:دارالحديث).

قال ابن بطال : الخاتم للنساء من جملة الحلى الذى أبيح لهن، والذهب حلال للنساء . (شرح صحيح البخارى لابن بطال:٩/١٣٨).

صحیح بخاری شریف میں ہے:

(۴) باب ما يلبس المحرم من الثياب والأردية والأزر ولبست عائشة رضى الله تعالىٰ عنها الثياب المعصفرة...ولم ترعائشة رضى الله تعالىٰ عنها باساً بالحلى والثوب الأسود...الخ. (بخارى شريف:١/٢٠٩،ط:فيصل).

السنن الکبریٰ میں ہے:

(۵) عن عبد الرحمن بن القاسم عن أبيه أن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم: كانت تلى بنات أخيها يتامى في حجرها لهن الحلى ...الخ. (رقم الحديث:۷۷۸٤).

(٦) وعن مالك عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله عنه كان يحلى بناته وجواريه الذهب ...الخ. (موطاالامام مالك ،رقم: ۸۵۹).

(۷) وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن امرأة أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعها ابنة لها وفي يده ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب ...الخ. (رواه ابوداود،رقم: ۱۵٦۵). **وإسناده حسن .**

وأيضاً أخرجه البيهقي في سننه الكبرى ،والنسائي فى المجتبى ، (رقم:۲٤۷۹)، **والدارقطنى فى سننه** (۲/۱۱۲،رقم:۷).

(۸) وعن أسماء بنت يزيد قال: دخلت أناْ وخالتي على النبي صلى الله عليه وسلم وعلينا أسورة من ذهب ...الخ. (اخرجه ابن الجوزى فى التحقيق فى احاديث الخلاف،رقم: ۹۸٤).

(۹) وعن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قدمت على النبي صلى الله عليه وسلم حلية من عند النجاشي أهداها له فيها خاتم من ذهب فيه فص حبشي قالت: فأخذه رسول الله صلى الله عليه وسلم بعود معرضاً عنه أو ببعض أصابعه ثم دعي أمامة ابنة أبى العاص ابنة ابنته زينب فقال: تحلى بهذا يا بنية . (سنن ابى داود،رقم:٤۰٤٦).

(۱۰) عن أم سلمة رضي الله عنها قالت: كنت ألبس أوضاحاً من ذهب فقلت: يا رسول الله أ كنز هو فقال: ما بلغ أن يؤدى زكاته فزكى فليس بكنز. (سنن ابى داود،رقم: ۱۵٦٦).

الأوضاح: جمع وضح وهو نوع من الحلى يعمل من الفضة .

علامہ نوویؒ نے عورتوں کے زیورات کے استعمال پر اجماع نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

أجمع المسلمون على أنه يجوز للنساء لبس أنواع الحلي من الفضة والذهب جميعاً كالطوق والعقد والخاتم والسوار والخلخال والتعاويذ والدمالج والقلائد والمخانق وكل

مـايتـخـذ فـى الـعنق وغيره وكل ما يعتدن لبسه ولا خلاف فى شيء من هذا. (المجموع شرح المهذب:٦/٤٠).

امام بیہقیؒ ''السنن الکبری'' میں زیورات سے متعلق احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فهـذه الأخبـار ومـا ورد فـي معناها تدل على إباحة التحلى بالذهب للنساء واستدللنا بـحـصـول الإجـمـاع عـلى إباحته لهن على نسخ الأخبار الدالة على تحريمه فيهن خاصة، والله أعلم. (السنن الكبرى:٤/١٤١،باب سياق اخبارتدل على اباحته للنساء).

علامہ ابن عبد البر القرطبی التمہید میں فرماتے ہیں:

وكـذلك التحـلي بـالذهب لا يختلفون فى ذلك وردت بمثل ما أجمعوا عليه من ذلك آثار صحاح. (التمهيد:١٤/٢٤١،مؤسسة القرطبة).

الاختیار میں ہے:

ويـجـوز لـلـنساء التحلي بالذهب والفضة. (الاختيار:،كتاب الكراهية). وكذافى الجوهرة :٦/١٥٦، و اللباب :١/٤٠٩، ومجمع الانهر:٤/١٩٦).

شیخ البانی کا موقف ان کی کتاب ''آداب الزفاف'' میں ملاحظہ کیجئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿قال: يبنؤم لا تأخذ بلحيتي ولا برأسي﴾

(سورة طٰه: ٩٤).

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: "عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وإنقاص الماء قال الراوى: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة.

(رواه مسلم).

باب......(۵)

ما يتعلق بأحكام الشعور والختان والخضاب وتقليم الأظفار

عن ابن عمر رضى اللّٰه عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال: خالفوا المشركين و وفروا اللحى واحفوا الشوارب.

(رواه البخارى).

فصل اول

ڈاڑھی، مونچھ کے احکام کا بیان

ڈاڑھی کی حدود، داربعہ و مذاہبِ اربعہ میں اس کا حکم:

سوال: ڈاڑھی کی حد کیا ہے کیا رخسار اور خدین سے نیچے کے بال ڈاڑھی کی حد میں داخل ہیں یا اس کا کاٹنا جائز ہے؟ کیا چہرے کی گول ہڈی یعنی رخسار سے نیچے کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ آج کل طلبہ اور بعض دیگر حضرات نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہے اور یہ رواج بہت عام ہوتا جا رہا ہے ایک پٹی سی چھوڑ دیتے ہیں اور گول ہڈی سے بہت نیچے تک خط بناتے ہیں، کیا شرعاً یہ سنت کے مطابق ہے یا خلافِ سنت؟ اور ٹھوڑی کے اوپر زیرِ لب ہونٹ کے نیچے کے بال جس کو ریش بچہ کہتے ہیں ان کے کاٹنے کا کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب واللہ الموفق للصواب:

شریعتِ مطہرہ نے مردوں پر ڈاڑھی رکھنے کو واجب اور لازم قرار دیا ہے، اور اس کی کم از کم حد طولاً و عرضاً ایک مشت ہے، یعنی ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا ناجائز ہے، یہ ائمہ اربعہ کا متفقہ اور مسلمہ حکم ہے۔ ایک مشت سے پہلے ڈاڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق و فاجر ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: خالفوا المشرکین، وفروا اللحی وأحفوا الشوارب. (رواہ البخاری: ۲/۸۷۵، باب تقلیم الاظفار، ط: فیصل).

مسلم شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جزوا الشوارب وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس . (رواه مسلم: ١/١٢٩، باب خصال الفطرة، فيصل).

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مشرکین کی مخالفت ڈاڑھی بڑھانے میں ہے، اس لیے کہ مشرکین ڈاڑھی کو چھوٹی کرتے تھے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

لأنهم كانوا يقصرون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (عمدة القارى: ١٥/٩٠، دارالحديث، ملتان).

مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں ڈاڑھی کا حکم:

مذہبِ احناف:

محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: **وأما الأخذ منها وهي دون ذلك (القدر المسنون وهو القبضة) كما يفعله بعض المغاربه ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد.** (فتح القدير: ٢/٣٤٨، كتاب الصوم، ط: دارالفكر).

وللمزيد راجع: (فتاوى الشامى: ٢/٤١٨، سعيد، والبحر الرائق: ٢/٣٠٢، دارالمعرفة، وجوب اعفاء اللحية للشيخ محمد زكريا الكاندهلوى، ص١٨-١٩، وفتاویٰ محمودیہ مع التعلیقات: ۱۹/۳۹۲-۴۰۲، ط: جامعہ فاروقیہ، ورسالہ: ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں، از مفتی سعید پالنپوری، ورسالہ: ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، از مولانا حفظ الرحمان اعظمی، واحسن الفتاوی: ۹/۵۵، وفتاوی رشیدیہ، ص۵۷۵، وفتاوی رحیمیہ: ۱/۱۷۵، وفتاوی بینات: ۴/۳۷۴-۴۰۲)۔

مذہبِ مالکیہ:

فإن قلت وما حكم القص عند عدم الطول أو الطول القليل؟ قلت صرح بعض الشراح بأنه يحرم القص إن لم تكن طالت كالحلق. (حاشية العدوى: ٢/٥٨١، باب فى بيان الفطرة).

مذہبِ شافعیہ:

سبق في الحديث أن إعفاء اللحية من الفطرة فالإعفاء بالمد قال الخطابي وغيره هو توفيرها و تركها بلا قص، كره لنا قصها كفعل الأعاجم قال: وكان من زي كسرى قص اللحى وتوفير الشوارب. (المجموع شرح المهذب: ١/٢٩٠، ط: دارالفكر).

مذہبِ حنابلہ:

وإعفاء اللحية بأن لا يأخذ منها شيئاً قال فى المذهب ما لم يستهجن طولها و يحرم حلقها ذكره الشيخ تقى الدين ولا يكره أخذ ما زاد على القبضة. (كشاف القناع:١/٧٥، ط:دارالفكر).

ہاں جب ایک مشت سے بڑھ جائے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی بنا پر فقہاء نے اس کو کاٹنے کی اجازت دی ہے۔

وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (البخاری:٢/٨٧٥).

وإعفاء اللحى ، قال محمد عن أبي حنيفة تركها حتى تكث وتكثر و التقصير فيها سنة وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد على قبضته قطعه. (الاختيار:٤/١٧٨، كتاب الكراهية).

وقال أصحابنا: الإعفاء تركها حتى تكث وتكثر والقص سنة فيها وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعها كذلک ذكر محمد فى كتاب الآثار عن ابى حنيفة قال : وبه نأخذ . (حاشية البحرالرائق للعلامة ابن عابدين الشامیؒ:٣/١١، ط: كوئته).

ڈاڑھی کی حدود حسبِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

"لحية" کی تحقیق:

عربی میں "لحي" اس ہڈی کو کہتے ہے جس پر دانت ہوتے ہیں اور چونکہ ڈاڑھی اسی ہڈی پر پیدا ہوتی ہے اسی لئے ڈاڑھی کو "لحية" کہتے ہیں، پس اس ہڈی پر جو بال ہوں ان کو کٹوانا یا منڈانا جائز نہیں ہے۔

مغرب میں مذکور ہے: **اللحى العظام الذى عليه الأسنان**. (المغرب،ص:٢٤٤).

لسان العرب میں ہے: **واللحى منبت اللحية من الأسنان و غيره... و اللحيان حائطا الفم وهما العظمان اللذان فيهما الأسنان من داخل الفم من كل ذى لحى**. (لسان العرب:١٥/٢٤٣).

فیض الباری میں مذکور ہے: **واللحية ما على اللحيين و كذالک فى الهندية** (ڈاڑھی) **مشتق من** (ڈاڑھ) **لكونها نابتة على الأضراس**. (فيض البارى:٤/٣٨٠، باب قص الشارب).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوی ہے یہاں سے ڈاڑھی شروع ہے اس سے اوپر سر ہے۔(امدادالفتاوی:۴/۲۲۱).

البحر الرائق میں ہے:

وفي شرح الإرشاد: اللحية الشعر النابت بمجتمع اللحيين والعارض ما بينهما و بين العذار وهو القدر المحاذي للأذن يتصل من الأعلى بالصدغ ومن الأسفل بالعارض.

(البحرالرئق:۱/۱٦، ط: كوئته).

رخسار کے بالوں کوصاف کرنے اور خط بنوانے کا حکم:

جبڑے کی ہڈی پر جو بال ہوں وہ ڈاڑھی میں شامل ہیں ان کو چھوڑ کر جبڑے کی ہڈی کے اوپر جہاں سے رخسار شروع ہوتا ہے ان کو برابر کر کے خط بنوانا درست ہے، کیوں کہ رخسار کے بال ڈاڑھی میں شامل نہیں ہیں۔لیکن علماء فرماتے ہیں کہ اس کا بھی چھوڑ دینا افضل ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

و لا بأس بالأخذ من الحاجبين و شعر وجهه ما لم يشبه فعل المخنث. (رد المحتار: ٦/٣٧٣، و كذا فى الفتاوى الهندية:٥/٣٥٨).

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: **أما الأشعار التي على الخدين فليست من اللحية لغةً ، وإن كره الفقهاء أخذها لأنه إن كان بالحديد فذلک يوجب الخشونة فى الخدين، وإن كان بالنتف فإنه يضعف البصر.** (فيض البارى :٤/٣٨٠،باب قص الشعر، كتاب اللباس).

حلق کے بالوں کا حکم:

حلق پر جو بال ہوتے ہیں بہتر اور اولیٰ تو یہی ہے کہ اسکو نہ منڈایا جائے، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اسکی اجازت دیتے ہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ولا يحلق شعر حلقه، وعن أبي يوسف رحمة الله تعالىٰ لا بأس بذلک.** (الفتاوى الهنديه:٥/٣٥٨). (كذا فى الشامية: ٦/٣٧٣، سعيد).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ حلق کے بالوں کو نہیں مونڈنا چاہیئے، ہاں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔کان کے قریب جو ہڈی ہے اس سے اوپر سر کا حصہ ہے اور نیچے ڈاڑھی کا حصہ ہے، لہذا اوپر کا حصہ منڈوانا درست ہے اور نیچے کا درست نہیں۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۲۱، فاروقیہ)۔

ریش بچہ کا حکم:

ریش بچہ یعنی ہونٹ کے نیچے ٹھوری پر جو بال ہوتے ہیں یہ ڈاڑھی کے حکم میں ہے اور بچہ کے دونوں جانب لب زریں کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة وهى الشعر الشفة السفلى** . (فتاوى الشامى:٦/٣٧٣، سعيد). (وكذا فى الهندية :٥/٣٥٨).

بخاری شریف میں ہے: **وكان ابن عمر ﷜ يحفى شاربه حتى ينظر إلى بياض الجلد و يأخذ هذين يعنى بين الشارب واللحية**. (رواه البخارى فى باب قص الشارب:٢/٨٧٤،ط:فيصل).

بہشتی زیور میں ہے: رخسار کی طرف جو بال بڑھ جاویں ان کو برابر کر دینا یعنی خط بنوانا درست ہے اسی طرح اگر دونوں ابرو کسی قدر لے لیجاویں اور درست کر دی جاویں یہ بھی درست ہے، حلق کے بال منڈوانا نہ چاہیئے، مگر ابو یوسف سے منقول ہے کہ اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ریش بچہ کے جانبین لب زیریں کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے اس لیے نہ چاہیئے، اسی طرح گدی کے بال بنوانے کو بھی فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔(بہشتی زیور، ص:۹۶۷، بالوں کے متعلق احکام، ط: دار الاشاعت)۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

حضرت آدم علیہ السلام کی ڈاڑھی:

سوال: کیا حضرت آدم علیہ السلام کی ڈاڑھی تھی یا نہیں تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ڈاڑھی تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت ہے، حضرت آدم علیہ السلام بھی نبی تھے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"عشر من الفطرة: قص الشارب ، و إعفاء اللحية ، والسواك ، واستنشاق الماء ، و قص الأظفار، و غسل البراجم ، ونتف الإبط، وحلق العانة ، و انتقاص الماء قال زكريا قال مصعب: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة . (رواه مسلم :١/١٢٩، ط: فيصل).

(ورواه ابوداود، رقم: ٥٣، وابن ماجه:٢٩٣، والترمذى: ٢٧٥٧،وابن خزيمة: ٨٨).

قال العلامة العيني: وأراد بالفطرة السنة القديمة التي اختارها الأنبياء عليهم السلام

واتفقت عليها الشرائع فكأنها أمر جلي فطروا عليه. (عمدة القاری:۸۸/۱۵، باب قص الشارب).

قال في المرقاة : أی عشر خصال من سنة الأنبياء الذين أمرنا أن نقتدي بهم. فكأنا فطرنا عليها كذا نقل عن أكثر العلماء . (مرقاة المفاتيح: ۴/۲، باب السواك، ط: امداديه ، ملتان).

قال في فيض القدير: يعني سنة الأنبياء الذين أمرنا بالاقتداء بهم . (فيض القدير: ۵۴۳/۲).

قال الإمام النووي في شرح صحيح مسلم: ومعناه أنها من سنن الأنبياء صلوات الله وسلامه عليهم . (باب خصال الفطرة،۱۲۸/۱، ط: فيصل).

یعنی اکثر شراح کی رائے یہ ہے کہ فطرت سے مراد انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔تو ڈاڑھی کا رکھنا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ڈاڑھیاں تھیں ،نیز ڈاڑھی اپنے وقت میں جمال ہے انبیاء علیہم السلام اس جمال سے کیسے محروم ہوں گے؟

ہدایہ میں ہے: **ولنا أن اللحية في وقتها جمال وفي حلقها تفويته على الكمال .** (الهداية : ۵۸۷/۴). (وكذا في المبسوط للامام السرخسیؒ : ۱۶۳/۱۱،والبحرالرائق: ۳۷۷/۸،دارالمعرفة،وبدائع الصنائع: ۳۱۲/۷، سعيد، وتبيين الحقائق: ۱۳۰/۶، ط:مكتبه امداديه ، ملتان).

قرآنِ مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی کا ذکر فرمایا ہے:

قال: يبنؤم لا تأخذ بلحيتي ولا برأسي۔ہارون علیہ السلام نبی تھےاوران کی ڈاڑھی تھی۔

خلاصہ یہ ہے آدم علیہ السلام نبی تھےاوران کی ڈاڑھی تھی اورڈاڑھی رکھنا ان کا طریقہ تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی رکھنےکوان اعمال میں سے شمار کیا ہے جوتمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہیں، پس جس چیز کی پابندی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک خدا کے سارے نبیوں نے کی ہو،ایک مسلمان کے لیےاس کی پیروی جس درجہ ضروری ہوسکتی ہے وہ آپ خود ہی اندازہ کرسکتے ہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۳۰۸/۸،طبع جدید)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کا ثبوت:

سوال: ایک شخص کا سوال ہے کہ ایک مشت ڈاڑھی رکھنا کہاں سے ثابت ہے؟ کونسی حدیث میں ایک

مشت کا ذکر آیا ہے، اور اس حدیث کی کیا حیثیت ہے؟ امید ہے کہ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من عرضها وطولها . قال أبوعيسىٰ: هذا حديث غريب، وسمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن هارون مقارب الحديث لا أعرف له حديثاً ليس إسناده أصلاً أو قال: ينفرد به إلا هذا الحديث...ورأيته حسن الرأي في عمر، قال أبوعيسىٰ : وسمعت قتيبة يقول: عمربن هارون كان صاحب الحديث . (ترمذی شريف : ۲/۱۰۵/۲۷۶۲،وشعب الايمان للبيهقی ،رقم: ٦٤٣٩).

إسناده ضعيف جداً ؛ فيه عمر بن هارون ؛ وثقه البعض وضعفه جماعة. حتى قيل :إنه كذاب ، متروك الحديث . امام بخاریؒ اور امام قتیبہ نے ان کی توثیق کی ہے ان کے علاوہ اکثر حضرات نے کلام کیا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے: میزان الاعتدال: ۴/ ۱۴۸، تہذیب الکمال: ۲۱/ ۵۲۰، وتقریب التہذیب، ص ۴۸۶، رقم: ۴۹۷۹).

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں:

عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ ما فوق القبضة ، وقال وكيع: ما جاز القبضة.

عن أبي زرعة ، عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه كان يأخذ من لحيته ما جاز القبضة .

عن ابن طاؤوس ، عن أبيه ، أنه كان يأخذ من لحيته ، ولا يوجبه .

عن الحسن ، قال: كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة أن يؤخذ منها .

عن أفلح ، قال: كان القاسم إذا حلق رأسه أخذ من لحيته وشاربه .

عن أبي هلال، قال: سألت الحسن ، وابن سيرين فقالا: لا بأس به أن تأخذ من طول لحيتك . (مصنف ابن ابی شيبة:۱۳/۱۱۲ـ۱۱۳، كتاب الادب،ماقالوا فی الاخذ من اللحية، ط: المجلس العلمی).

کتاب الآثار میں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

قال: حدثنا يوسف عن أبيه عن أبي حنيفةؒ عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ من لحيته .

عن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ عن الهيثم عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يقبض على لحيته فيأخذ منها ما جاوز القبضة .

عن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ من لحيته .

عن أبي يوسفؒ عن أبي حنيفةؒ عن حمادؒ عن إبراهيمؒ أنه قال: لا بأس أن يأخذ الرجل من لحيته ما لم يتشبه أهل الشرك .

(كتاب الآثارللامام ابويوسفؒ ،ص٢٣٤،فی الخضاب والاخذ من اللحية والشارب ، دارالكتب العلمية).

قال في العناية شرح الهداية : والقبضة وقد روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من لحيته من طولها وعرضها. أورده أبوعيسىٰ في جامعه ، وقال: من سعادة الرجل خفة لحيته ، وذكر أبوحنيفةؒ في آثاره عن عبد الله بن عمر رضي الله عنه...و به أخذ أبوحنيفةؒ وأبويوسفؒ ومحمدؒ . (العناية فی شرح الهداية بهامش فتح القدير:٣٤٧/٢، كتاب الصوم، ط: دارالفكر).

مذکورہ بالا آثار سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کا تھا، نیز یہ مقدارصحابہ کرام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اخذ کی ہوگی، کیونکہ اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔**لأن في هذا لا مجال للقياس**۔اوراحناف کا یہی مذہب ہے۔مزید دیکھئے:(عمدۃ القاری:۱۵/۱۹)۔

اشکال: بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صحیحین کی روایات سے مطلق اعفاء اللحیۃ یعنی ڈاڑھی کا بڑھانا معلوم ہوتا ہے جو قبضہ سے زائد کاٹنے کے خلاف ہے۔اس کو ترجیح ہونی چاہئے؟

الجواب: محقق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہوتو اس روایت سے استدلال درست نہیں ہوتا،اوراعفاء کی روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اوروہ خود قبضہ سے زائد تراشتے تھے، نیز اگر یہ کہا جائے کہ یہ روایت دیگر حضرات سے بھی مروی ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکمل یا اکثر حصہ تراشنے کے مقابلہ میں اعفاء وارد ہوا ہے۔جیسا کہ عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے،اس طرح روایات کے مابین تطبیق حاصل ہوجاتی ہے اوراس کی دلیل مسلم شریف کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ڈاڑھی بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو،تو اعفاء اللحیہ کی علت مخالفتِ مجوس ومشرکین ہے اوروہ قدرِ مسنون،یعنی قبضہ میں حاصل ہے۔

قال الشيخ المحقق ابن الهمامؒ في فتح القدير : فإن قلت: يعارضه ما في الصحيحين

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عنه عليه الصلاة والسلام: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى؟ فالجواب : أنه قد صح عن ابن عمر رضی اللہ عنہ راوى هذا الحديث أنه كان يأخذ الفاضل عن القبضة...وذكره البخاري تعليقاً فقال: وكان ابن عمر رضی اللہ عنہ إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه، وقد روي عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أيضاً أسنده ابن أبي شيبة...فأقل ما فى الباب إن لم يحمل على النسخ كما هو أصلنا في عمل الراوى على خلاف مرويه مع أنه روى عن غير الراوى وعن النبي صلى الله عليه وسلم يحمل الإعفاء على إعفائها من أن يأخذ غالبها أو كلها كما هو فعل مجوس الأعاجم من حلق لحاهم كما يشاهد فى الهنود وبعض أجناس الفرنج فيقع بذلك الجمع بين الروايات ويؤيد إرادة هذا مافي مسلم عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم: جزوا الشوارب وأعفوا اللحى، خالفوا المجوس فهذه الجملة واقعة موقع التعليل. (فتح القدير: ۳۴۷/۲، كتاب الصوم، دارالفكر).

قال فى النهاية : وما وراء ذلك يجب قطعه هكذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كان يأخذ من اللحية من طولها وعرضها . (فتح القدير: ۳۴۷/۲).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

حدیث شریف میں صاف " **أعفوا اللحى**"، " **أرخوا اللحى**"، "**أوفروا اللحى**" کے الفاظ موجود ہیں جن کا ترجمہ ہے: ڈاڑھی بڑھاؤ۔ ڈاڑھی لٹکاؤ۔ ڈاڑھی زیادہ کرو۔ ان الفاظ کا تقاضا تھا کہ بڑھانے کی کوئی حد مقرر نہ ہوتی اور کٹانا بالکل جائز نہ ہوتا، مگر حدیث کے راوی کا معمول تھا کہ ایک مشت سے جو مقدار آگے بڑھ جاتی اس کو کٹا دیتے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹۷/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے: ڈاڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے اور زائد کا تراشنا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۳۰۷/۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی منڈانے کا حکم:

سوال: کیا قرآن وحدیث میں ڈاڑھی ایک مشت سے پہلے تراشنے اور منڈوانے کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ کیا کسی مذہب میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث کی روشنی میں ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت سے پہلے ڈاڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق وفاجر ہے۔

ڈاڑھی کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى.

(متفق عليه، رواه مسلم: ۱۲۹/۱، باب خصال الفطرة، فيصل، والبخارى: ۸۷۵/۲، باب تقليم الاظفار، ط: فيصل).

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جزوا الشوارب وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس. (رواه مسلم: ۱۲۹/۱، ط: فيصل).

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وإنقاص الماء قال الراوى: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة". (رواه مسلم: ۱۲۹/۱/۲٦۱، فيصل).

(ورواه ابوداود، رقم: ۵۳، وابن ماجه: ۲۹۳، والترمذى: ۲۷۵۷، وابن خزيمة: ۸۸).

وعن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خالفوا المشركين، وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب، وكان ابن عمر رضي الله عنه إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه. (رواه البخارى، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار: ۸۷۵/۲، ط: فيصل).

شراح حدیث کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

فحصل خمس روايات أعفوا وأوفوا وأرخوا، وأرجوا، ووفروا، ومعناها كلها تركها على حالها هذا هو الظاهر من الحديث الذى يقتضيه ألفاظه، وهو الذى قاله جماعة من أصحابنا وغيرهم من العلماء. (شرح مسلم: ۱۲۹/۱، فيصل).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

" قوله خالفوا المشركين" أراد بهم المجوس، يدل عليه رواية مسلم: خالفوا المجوس لأنهم كانو ا يقصّرون لحاهم و منهم من كان يحلقها. (عمدة القارى: ۹۰/۱۵، امداديه)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" في حديث أبي هريرة ﷺ عند مسلم خالفوا المجوس، وهو المراد في حديث ابن عمر ﷺ فإنهم كانوا يقصون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (فتح الباری: ۳۴۹/۱۰، دارنشرالکتب الإسلامية).

علامہ نوویؒ شرحِ مسلم میں فرماتے ہیں:

أما إعفاء اللحية فمعناه توفيرها وهو معنى أوفوا اللحى في الرواية الأخرى وكان من عادة الفرس قص اللحية نهى الشرع عن ذلك. (شرح الصحيح لمسلم للنووي، ۱۲۹/۱، كتاب الطهارة باب خصال الفطرة، فيصل).

ابوداود شریف میں ہے:

عن ابن عمر ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (رواه ابوداود، رقم: ۴۰۳۳، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة).

مرقات میں ہے:

أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أي في الإثم والخير قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار أظهر في الشبه ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير فإن الخلق الصوري لايتصور فيه التشبه والخلق المعنوي لا يقال فيه التشبه بل هو التخلّق. (مرقاة المفاتيح: ۲۵۵/۸، كتاب اللباس، الفصل الثاني، مسئلة التشبه، امداديه).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

مذہبِ احناف:

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك (أي بقدر المسنون وهو القبضة) كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (فتح القدير: ۳۴۸/۲، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة).

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

أو تطويل اللحية إذاكانت بقدر المسنون، وهو القبضة، والأخذ من اللحية وهو دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة،ومخنثة الرجال لم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم.(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ٦٨١،كتاب الصوم، فصل فيمايكره للصائم، قديمی ، وهكذا فی الشامی:٢/٤١٨،كتاب الصوم ، مطلب فی الاخذ من اللحية ،سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولأن حلق اللحية من باب المثلة لأن اللّٰه تعالىٰ زين الرجال باللحى والنساء بالذوائب ولأن ذلك تشبه بالنصارى فيكره . (بدائع الصنائع: ٢/١٤١،سعيد).

فتاوی بزازیہ میں ہے:

لا يحل للرجل أن يقطع اللحية. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية،كتاب الاستحسان:٣/٣٧٩).

اشعۃ اللمعات میں حضرت شاہ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

مشہور قدر یکمشت ست چنانچہ کمتر ازیں نباید واگر زیادہ براں بگذارد نیز جائز ست بشرطیکہ از حد اعتدال نگذرد...وحلق کردن لحیہ حرام است وروش افرنج وہنود وجوالقیاں ست کہ ایشاں راقلندریہ گویند وگذاشتنِ آں بقدرِ قبضہ واجب است وآنکہ آں راسنت گویند بمعنے طریقہ مسلوکہ در دین ست یا بجہت آنکہ ثبوتِ آں بسنت ست۔(اشعۃ اللمعات:ا/۲۲۸،باب السواک،ط:المکتبۃ الرشیدیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۰۹،جامعہ فاروقیہ)۔

مذہبِ مالکیہ:

مواھب الجلیل میں ہے:

وحلق اللحية لايجوز كذلك الشارب وهو مثلة وبدعة ويؤدب من حلق لحيته أوشاربه . (مواهب الجليل لشرح مختصرخليل،كتاب الطهارة،فصل فی فرائض الوضوء:١/٣١٣).

حاشیۃ العدوی میں ہے:

فإن قلت:وما حكم القصّ عند عدم الطول أوالطول قليل؟قلت:صرح بعض الشراح بأنه يحرم القصّ ان لم تكن طالت كالحلق.(حاشية العدوی باب فی بيان الفطرة:٢/٥٨١).

مذہبِ شافعیہ:

حواشی الشروانی میں ہے:

قال الشيخان: يكره حلق اللحية واعترضه ابن الرفعة في حاشية الكافية بأن الشافعيؒ نص في الأم على التحريم قال الزركشي و كذا الحليمي في شعب الإيمان وأستاذه القفّال الشاشي في محاسن الشريعة وقال الأذرعي الصواب تحريم حلقها جملة لغير علة بها كما يفعله القلندرية . (حواشی الشروانی علی تحفة المحتاج شرح المنهاج،فصل فی العقيقة:۹/۴۳۶).

فتح الباری میں ہے:

ثم حكى الطبري اختلافاً فيما يؤخذ من اللحية هل له حد أم لا ؟ فأسند عن جماعة الاقتصار على أخذ الذي يزيد منها على قدر الكف، وعن الحسن البصري أنه يؤخذ من طولها وعرضها ما لم يفحش وعن عطاءؒ نحوه. (فتح الباری:۱۰/۳۵۰، باب تقليم الأظفار،دار النشرللكتب الإسلامية ، و حاشيتان القليوبی و عميرة :۴/۲۰۵، وحاشية الجمل علی المنهج : ۵/۱۶۴).

شرح المہذب میں ہے:

سبق في الحديث أن إعفاء اللحية من الفطرة فالإعفاء بالمد:قال الخطابي وغيره هو توفيرها وتركها بلا قص،كره لنا قصها كفعل الأعاجم،قال وكان من زي كسرى قص اللحى وتوفير الشوارب.(المجموع شرح المهذب،مسائل مستحبة من خصال الفطرة ۱/۲۹۰،دارالفكر).

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

وإعفاء اللحية بأن لا يأخذ منها شيئاً، قال في المذهب ما لم يستهجن طولها ويحرم حلقها ذكره الشيخ تقي الدين ولا يكره أخذ ما زاد على القبضة . (كشّاف القنّاع عن متن الإقناع ، كتاب الطهارة،ويسن الإمتشاط...:۱/۷۵، و مطالب اولی النهی:۱/۸۵، ط: المكتب الاسلامی).

مذکورہ بالا احادیث اور فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک ڈاڑھی کا منڈوانا حرام ہے، اوراس کا کاٹنا جو کہ کفار کے مشابہ ہو بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، پھر مکروہ پر اصرار کرنے والا فاسق ہوگا، کیونکہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے، جیسے کہ علامہ شامیؒ

کی عبارت سے پتہ چلتا ہے: **لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار**. (رد المحتار، ٤٧٣/٥، كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ڈاڑھی منڈانے پر وعید:

سوال: بعض روایات میں آتا ہے کہ ڈاڑھی منڈانے والے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا تھا، یہ روایت موقوف ہے یا مرفوع، صحیح ہے یا ضعیف؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی منڈانے والے سے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا تھا۔ اگر چہ روایت مرسل ہے لیکن مرفوع روایات سے مؤید ہونے کی وجہ سے مقبول ہیں۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا محمد بن فضيل، عن حصين، عن عبد الله بن شداد، قال: كتب كسرى إلى باذام: إني نبئت أن رجلاً يقول شيئاً لا أدري ما هو، فأرسل إليه، فليقعد في بيته، ولا يكن من الناس في شيء، وإلا فليواعدني موعداً ألقاه به، قال: فأرسل باذام إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلين حالقي لحاهما، مرسلي شواربهما، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما يحملكما على هذا؟ قال: فقالا له: يأمرنا به الذي يزعمون أنه ربهم، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكنا نخالف سنتكم، نجز هذا ونرسل هذا. (مصنف ابن ابی شيبة: ٣٧٧٨١/٢٨١/٢٠).

قال الشيخ محمد عوامة في تعليق هذا الحديث: رجاله ثقات، وعبد الله بن شداد: ممن ولد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وحصين: هو ابن عبد الرحمن السلمي.

والخبر بطوله عند ابن جرير في "تاريخه" (١٣٣/٢) **مرسلاً، ونقله عنه ابن كثير في "سيرته" المفردة** (٥٠٨/٣)، **والدلائل لأبي نعيم** (٢٤١) **من وجه آخر متصل.**

تاریخ الطبری کی روایت حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

حدثنا ابن حميد قال: حدثنا سلمة عن محمد بن اسحاق عن يزيد بن حبيب قال: بعث عبد الله بن حذافة بن قيس بن عدى بن سعد بن سهم إلى كسرى بن هرمز ملك

فارس ... إلى قوله: ودخلا على رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد حلقا لحاهما وأعفيا شواربهما فكره النظر إليهما ثم أقبل عليهما فقال: ويلكما! من أمركما بهذا قالا: أمرنا بهذا ربنا يعنيان كسرى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكن ربي قد أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي. (تاريخ الامم والملاك: ۱۳۳/۲، دارالكتب العلمية).

تاریخ طبری کی سند میں ☆ محمد بن حمید الرازی و☆سلمۃ بن الفضل الابرش پر کلام ہے، اس کے علاوہ محمد بن اسحاق کا عنعنہ بھی محل کلام ہے، لیکن دوسری روایات اس مسئلہ میں موجود ہیں یہ صرف تائید کے لیے ہے۔

☆ **محمد بن حميد الرازى، قال الذهبى فى الكاشف: وثقه جماعة، والأولى تركه، قال يعقوب بن شيبة: كثيرالمناكير، وقال البخارى: فيه نظر، وقال النسائى: ليس بثقة.** (الكاشف: ۴۸۱۰)،

وينظر: (المغنى فى الضعفاء، رقم: ۵۴۴۹، وسير اعلام النبلاء ۲۶۲/۳).

☆ **سلمة بن الفضل الأبرش: ضعيف يعتبر به فى الحديث قوى فى المغازى فهو صاحب مغازى ابن اسحاق وتدل دراسة ترجمته ورواياته على صحة هذا الحكم الذى قلناه إن شاء الله.** (تحريرالتقريب: ۵۹/۲). **قال يحيى بن معين: ثقة، قدكتبنا عنه، كان كيساً، مغازيه أتم، ليس فى الكتب أتم من كتابه، وقال أبوحاتم: صالح، محله الصدق، فى حديثه إنكار، ليس بالقوى ...الخ.** (الجرح والتعديل: ۷۳۹/۱۶۹/۴).

وينظر: (التاريخ الكبير، رقم: ۲۰۴۴، وكتاب الثقات، رقم: ۱۳۴۸۰، وكتاب الضعفاء لابن الجوزى، رقم: ۱۴۸۷، والضعفاء للنسائى، رقم: ۲۴۱، والضعفاء للبخارى: ۱۴۹، والكامل فى ضعفاء الرجال: ۳۴۰/۳، والكاشف: ۲۰۴۳).

البتہ دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی کی سند متصل ہے اور درجہ حسن سے کم نہیں۔ درج ذیل ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا حبيب بن الحسن قال: حدثنا محمد بن يحيى بن سليمان قال: ثنا أحمد بن محمد بن أيوب قال: ثنا إبراهيم بن سعد (ثقة حجة)، **عن صالح بن كيسان** (ثقة، ثبت) **قال: قال ابن شهاب: أخبرني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة** (ثقة، ثبت) **أن ابن عباس رضي الله عنه أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث بكتابه إلى كسرى فلما قرأه مزقه ...الخ.** (دلائل النبوة: ۲۳۵/۲۷۹/۱).

رجال کی تحقیق:

☆ **حبيب بن الحسن: ضعفه أبوبكرالبرقاني، ووثقه الخطيب وأبونعيم، محمد بن أبى الفوارس، ومحمد بن العباس بن الفرات .** (تاريخ بغداد: ٢٥٣/٨،ولسان الميزان :١٧٠/٢،وميزان الاعتدال : ٤٥٤/١).

☆ **محمد بن يحيى بن سليمان: قال الدارقطني: صدوق ، قال الخطيب:ثقة ، قال مسلمة :كان كثير الحديث.** (تهذيب الكمال : ٥١٠/٩).

☆ **أحمد بن محمد بن أيوب البغدادى : قال ابن حجر : صدوق. قال الذهبى: وثق .قال ابراهيم الحربى: ثقة . قال ابن عدى : أثنى عليه احمد وعلى ، وتكلم فيه يحيى وهو مع هذا كله صالح الحديث ليس بمتروك.**(تهذيب الكمال: ٤٣١/١).

احناف کے نزدیک حدیثِ مرسل کا حکم:

قال في دراسات في أصول الحديث: إن ائمة الحنفية صاروا إلى أربعة مذاهب فى المرسل ، وإليک تفصيل هذه المذاهب مع بيان من رجحه من المتأخرين :

الأول: مذهب عيسىٰ بن أبان : وهو أن مرسل العدل مقبول من القرون الثلاثة ، أما بعدها فإن كان من ائمة الدين ، عارفاً بالجرح والتعديل قبل وإلا فلا .

والثاني: مذهب أبى الحسن الكرخيؒ: مذهبه قبول من العدل سواء كان من القرون الثلاثة أو بعدها .

الثالث: مذهب الجصاص الرازي : وهو أن مرسل من كان من القرون الثلاثة حجة ما لم يعرف منه الرواية عمن ليس بعدل ثقة . ومرسل من كان بعدها لايكون حجة إلا من اشتهر بأنه لا يروى إلا عمن هو عدل ثقة .

الرابع : عدم قبول المرسل مطلقاً بعد القرون الثلاثة .

ثم أتى بعدهم الإمام المحقق ابن الهمامؒ فجاء بمذهب خامس لم يسبقه إليه أحد من الحنفية ، وهو أنه يقبل المرسل إذا كان المرسِل إماماً من ائمة الدين سواء كان من القرون الثلاثة أو بعدها .

المذهب الراجح : والقول الراجح : هوقول عيسىٰ بن أبانؒ ، لأن المعلوم أن النبي

صلى الله عليه وسلم شهد للقرون الثلاثة بالخير والصلاح ...الخ. (دراسات فی اصول الحدیث علی منهج الحنفية ،ص ٣٨٢-٣٨٦).

وللمزيد راجع: (توجيه النظر الى اصول الاثر:٢/٥٥٩،ومنهج النقد فی علوم الحديث ،ص ٣٧١، ومبادی علوم الحديث واصوله،ص ٢٥٦،وكشف الاسرار:٣/٤،دارالكتب العلمية).

قصہ مذکورہ بالا درجِ ذیل کتب میں بھی مذکور ہے:

عمدۃ القاری،حیاۃ الصحابہ،تحریم حلق اللحیۃ ،البدایہ والنہایہ،المختصر فی اخبار البشر،تاریخ ابن الوردی،تاریخ ابن خلدون،محمد رسول اللہ،وغیرہ.

نیز اس واقعہ کو علماء نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ زکریاؒ نے اپنی کتاب ''وجوب اعفاء اللحیہ'' (ص۲۹) پر ذکر کیا ہے،اور علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ نے آپ کے مسائل اور ان کا حل میں:۸/۳۱۰ پر بحوالہ البدایہ والنہایہ،حیاۃ الصحابہ،نقل فرمایا ہے،مفتی سعید پالنپوری نے اپنی کتاب ''ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں'' میں ص ۱۳۳ پر ذکر کر کے حاشیہ میں مختلف حوالے پیش کیے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی منڈانے والے کو سلام کرنے کا حکم:

سوال: ڈاڑھی منڈانے والے کو سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاڑھی منڈانے والا فاسق وفاجر ہے،تو بجاً اس کو سلام نہ کرنا اولیٰ ہے،ہاں اگر سلام میں اس کی تعظیم مقصود نہ ہو بلکہ تالیفِ قلب اور دین کی طرف مائل کرنا مقصود ہو تو ثواب کی امید ہے۔

ملاحظہ ہو روح المعانی میں ہے:

ولا يجب رد سلام فاسق أو مبتدع زجراً له أو لغيره وإن شرع سلامه . (روح المعانی :٣/ ١٠١، النساء:٨٦).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

تکبر حرام ہے اور مرتکب اس کا بالخصوص اس پر جو مصر ہو فاسق ہے اور فاسق کو ابتداءً سلام نہ کرنا جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے۔(امداد الفتاویٰ:۴/۲۷۹)۔

کفایت المفتی میں ہے:

فاسق کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں لیکن جواب دینا جائز ہے مکروہ نہیں، جو لوگ ڈاڑھی منڈاتے ہیں یا منڈی ہوئی مثل کترواتے ہیں وہ فاسق کی تعریف میں شامل ہیں۔ (کفایت المفتی: ۱۰۶/۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رخسار کے بال تراشنے کا حکم:

سوال: ڈاڑھی سے متصل دونوں رخساروں کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دونون رخساروں کے بال تراشنا جائز ہے البتہ مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کی وجہ سے چہرہ پر زیادہ بال آنا شروع ہوجاتے ہیں اور چہرہ بدنما بن جاتا ہے نیز بار بار کے حلق سے خشونت پیدا ہوتی ہے یہ مشورہ ہے مسئلہ نہیں ہے، باعتبارِ مسئلہ جائز ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفی المضمرات: ولا بأس بأن يأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث.

(البحر الرائق: ۲۳۳/۸،دارالمعرفة).

(وكذا فی الفتاوی الهندية: ۳۵۸/۵، وفتاوی الشامی: ۴۱۸/۲،سعيد،و ۳۷۳/۶،سعيد، و ۴۰۷/۶، سعيد، وحاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص ۳۴۲،ط: بولاق).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

رخسار اور حلق کے بالوں کا چنوانا اور منڈانا شرعاً درست ہے، نہ منڈوانا بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۲/۱۹)۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: **أما الأشعار التي على الخدين فليست من اللحية لغةً ، وإن كره الفقهاء أخذها لأنه إن كان بالحديد فذلك يوجب الخشونة فی الخدين، وإن كان بالنتف فإنه يضعف البصر.** (فيض الباری :۳۸۰/۴،باب قص الشعر، كتاب اللباس). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ریش بچہ اور جانبین کے بال کاٹنے کا حکم:

سوال: کیا ریش بچہ یعنی ڈاڑھی کے نیچے کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز جو بال ریش بچہ کی دونوں جانب میں ہیں ان کا کاٹنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ریش بچہ ڈاڑھی کے حکم میں ہے لہذا اس کا کاٹنا درست نہیں ہے۔ نیز دونوں جانب کے بال جن کو فنیکین کہتے ہیں ان کا کاٹنا بھی درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ونتف الفنيكين بدعة وهما جانبا العنفقة وهي شعر الشفة السفلى كذا فى الغرائب .

(الفتاوى الهندية: ٣٥٨/٥).

(وكذا فى فتاوى الشامى: ٤٠٧/٦،سعيد،وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،ص ٣٤٢،بولاق).

قال الإمام النوويؒ في شرح مسلم : وقد ذكر العلماء فى اللحية عشر خصال مكروهة بعضها أشد قبحاً من بعض...السابعة ...ونتف جانبى العنفقة . (شرح مسلم : ١٤٩/٣،داراحياء التراث العربى).

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ریش بچہ میں سفید بال نظر آتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

عن وهب أبي جحيفة السوائي قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم ورأيت بياضاً من تحت شفته السفلى العنفقة . (رواه البخارى ،رقم : ٣٥٤٥).

قال العلامة بدر الدين العيني: واللحية تشمل العنفقة . (عمدة القارى : باب صفة النبى صلى الله عليه وسلم).

وعن أنس رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يخضب قط إنما كان البياض في مقدم لحيته وفى العنفقة ...الخ. (اخرجه احمد فى مسنده ، رقم: ١٣٢٦٣).

وفى النهاية في غريب الأثر: العنفقة : الشعر الذي فى الشفة السفلى، وقيل: الشعر الذي بينها وبين الذقن. وأصل العنفقة : خفة الشيء وقلته . (النهاية : ٥٩٠/٣،ط: المكتبة العلمية).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مونچھوں کے تراشنے کا حکم:

سوال: مونچھوں کا تراشنا اور کم کرنا افضل ہے یا حلق یعنی بال بالکل جڑ سے صاف کرنا اولیٰ ہے؟ برائے کرم مفصل ومدلل جواب عنایت فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں مونچھوں کا تراشنا اور بالکل بالوں کا جڑ سے صاف کرنا دونوں ہی جائز

اور درست ہے۔ نیز فقہاء کی بعض عبارات افضلیتِ قص پر دال ہیں اور بعض افضلیتِ احفاء وحلق پر، تاہم صحیح احادیث، اور بعض فقہی روایات کی روشنی میں قصر اور کم کرنا افضل اور بہتر ہے۔

مونچھوں کے کاٹنے سے متعلق چند روایات ملاحظہ کیجئے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قصوا الشوارب وأعفوا اللحى. (اخرجه احمد فی مسنده، رقم: ۷۱۳۲).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: صحيح وهذا إسناد حسن.

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أنهكوا الشوارب وأعفوا اللحى. (رواه البخاری، رقم: ۵۸۹۳).

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى. (رواه مسلم، رقم: ۲۵۹).

وفي رواية له عنه خالفوا المشركين أحفوا الشوارب وأوفوا اللحى. (رقم: ۶۲۵).

عن أبي هريرة رضي الله عنه، رواية: الفطرة خمس أو خمس من الفطرة: الختان والاستحداد ونتف الإبط وتقليم الأظفار وقص الشارب. (رواه البخاری: ۲/ ۸۷۴، باب قص الشارب).

عن ابن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من الفطرة قص الشارب. (رواه البخاری، رقم: ۵۸۸۸).

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: عشر من الفطرة: قص الشارب ...الخ. (رواه مسلم، رقم: ۲۶۱).

قال الإمام النسائي: أخبرنا محمد بن عبد اللّٰه بن يزيد المقرئ المكي قال: حدثنا سفيان عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الفطرة خمس: الختان، وحلق العانة، ونتف الإبط، وتقليم الأظفار، وحلق الشارب.

(سنن النسائی الکبری: ۱/ ۶۵/ ۹، ابواب الفطرة، عددالفطرة).

نسائی شریف کی ایک روایت میں "**حلق الشارب**" کا لفظ آیا ہے، اور یہ شاذ ہے۔

حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت سنداً بالکل صحیح ہے، اس کے رجال سب ثقات ہیں، لہذا سند پر کوئی

کلام نہیں، لیکن دراصل لفظ " حلق الشارب " کی تحقیق مطلوب ہے۔

چنانچہ مذکورہ بالا سند میں محمد بن عبداللہ بن یزید مکی نے سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہوئے "حلق الشارب" بیان کیا ہے لیکن سفیان بن عیینہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے درجِ ذیل چند رواۃ ہیں:۔

(۱) امام احمد بن حنبل (۲) علی بن المدینی (۳) ابوبکر بن ابی شیبہ (۴) عمرو بن محمد الناقد (۵) زہیر بن حرب (۶) مسدد بن مسرہد۔ (۷) زکریا بن یحیی بن اسد۔ (۸) اسحاق بن ابراہیم۔ (۹) سریج بن یونس۔ (۱۰) حمیدی۔

یہ کل دس حضرات سفیان بن عیینہؒ سے روایت کرتے ہیں اور سب کی روایت میں " قص الشارب" کا لفظ ہے۔ ہر ایک کی روایت ملاحظہ کیجئے:

(۱) أحمد بن حنبل، حدثنا سفيان ، عن الزهري عن سعيد عن أبي هريرةؓ أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال سفيان: مرة رواية: خمس من الفطرة: الختان ، والاستحداد وقص الشارب ، وتقليم الأظفار، ونتف الإبط . (مسند احمد ، رقم: ٧٢٦١).

(۲) قال الإمام البخاري: حدثنا علي حدثنا سفيان قال الزهري، ثنا عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرةؓ ، رواية :الفطرة خمس...وقص الشارب. (رواه البخارى :٢/ ٨٧٤).

(۳) حدثنا أبوبكر بن أبي شيبة و(۴) عمرو الناقد و(۵) زهيربن حرب جميعاً عن سفيان قال أبوبكر حدثنا ابن عيينة عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة ؓ عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الفطرة خمس...وقص الشارب. (رواه مسلم : ١٢٨/١، فيصل).

ورواه ابن ماجه عن أبي بكر بن أبي شيبة مثله . (ابن ماجه، ٢٥).

ورواه أبويعلى عن عمرو الناقد عن سفيان، مثله . (رقم: ٥٨٧٢).

(۶) حدثنا مسدد حدثنا سفيان عن الزهرى عن سعيد عن أبي هريرة ؓ يبلغ به النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: الفطرة خمس...قص الشارب. (رواه ابوداود:٢/٥٧٧/ ٤٢٠٠).

(۷) حدثنا زكريا بن يحيى بن أسد قال: ثنا سفيان بن عيينة عن الزهرى عن سعيد المسيب عن أبي هريرةؓ ...الخ. (أخرجه الإمام أبوعوانة فى مستخرجه ،٤٧١).

أيضاً أخرجه البيهقي فى الصغرى (٣٤٦٤) **واللكبرىٰ** (٧٠٦) **و معرفة السنن والآثار**

(١٢٧٨) و **شعب الإيمان** (٨٢٦٩) و **الآداب** (٥٥٩) **عن زكريا بن يحيى بن أسد .**

(٨) إسحاق بن إبراهيم . قال ابن حبان أخبرنا عبد اللّٰه بن محمد الأزدى قال: حدثنا إسحاق بن إبراهيم قال: أخبرنا سفيان عن الزهرى عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم...الخ. (صحيح ابن حبان ، رقم: ٥٤٨١).

(٩) سريج بن يونس. قال ابن حبان أخبرنا حامد بن محمد بن شعيب قال:حدثنا سريج بن يونس، قال:حدثنا سفيان عن الزهرى عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم...الخ. (صحيح ابن حبان ، رقم : ٥٤٨٢).

(١٠) حدثنا الحميدى، قال: ثنا سفيان قال: سمعت الزهرى يقول:أخبرني سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم...الخ. (مسند الحميدى ، رقم: ٩٦٥).

وفي " جزء سفيان بن عيينة "(٦٨) **: حدثنا عن الزهرى عن سعيد عن أبي هريرة رضي الله عنه يبلغ به النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الفطرة خمس أوخمس من الفطرة : الختان ، والاستحداد ونتف الإبط ، وقص الشارب ، وتقليم الأظفار.**

مذکورہ بالا تفصیل سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ سفیان بن عیینہ سے لفظ" قص الشارب"نقل کرنے والے ۱۰افراد کی ایک جماعت ہے، بنابریں لفظ"حلق الشارب" غیر محفوظ اور شاذ ہے۔

چنانچہ حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں:

وقول الجماعة هو الصواب لحفظهم واتفاقهم ، ورواية النسائى المسئول عنها شاذة اللفظ لمخالفتها لرواية الثقات . (مسئلة فى قص الشارب،ص٢٥، ط: دارالبشائر الاسلامية).

سفیان بن عیینہؒ سے روایت کرنے والوں کی تفصیل مذکور ہوئی ،اور سفیان عن الزہری روایت کرتے ہیں، تو اب سفیان کے متابع درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) ابراہیم بن سعد الزہری۔(۲) یونس بن یزید الایلی۔(۳) معمر بن راشد۔(۴) زمعۃ بن صالح۔ یہ سب حضرات، ابن شہاب الزہری سے روایت کرتے ہیں اور سفیان کی طرح ان کی روایت میں بھی قص الشارب کا لفظ موجود ہے۔ درجِ ذیل تحریر میں ان کی روایات کی تخریج ملاحظہ ہو:

(۱) قال الإمام البخاري: حدثنا أحمد بن يونس حدثنا إبراهيم بن سعد حدثنا ابن شهاب عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب...الخ. (رقم: ۵۸۹۱، و۶۲۹۷).

(۲) يونس بن يزيد عن الزهرى . (اخرجه مسلم: ۱/ ۱۲۹، والنسائی: ۱/۷).

(۳) ومعمربن راشد عن الزهرى . (اخرجه الترمذی: ۲/۱۰۴، والنسائی: ۱/۷).

(۴) زمعة بن صالح عن الزهرى . (مسندابی داود الطیالسی: ۶/۳۶۶/ ۲۴۰۴، نسخة المدینة).

تنبیہ: مسند طیالسی کے موجودہ نسخوں میں قص الشارب کا لفظ نہیں ہے بلکہ سواک کا ذکر ہے اور زمعۃ اس میں متفرد ہے، اس رسالہ کے محقق عبدالرحیم بن مبارک الدرویش نے اس رسالہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ایک محقق نسخہ میں قص الشارب کا لفظ موجود ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

إن في إحدى النسخ كتب قص الشارب فوق قص الأظفار". (ص۲۶، حاشیہ نمبر۶).

یہ نسخہ جس میں قص الشارب موجود ہے، وہ نسخۃ المدینۃ (رمزله بـ د) ہے۔

قال الدكتور محمد بن عبد المحسن التركى: وتوجد هذه النسخة ضمن مجموعة طوبقبو سراى، بمدينة استانبول، في تركيا برقم: ۲۷۸، **وتقع في مجلدة متوسطة، عدد أوراقها:** ۲۰۶ **ورقة.**

خلاصہ یہ ہے کہ سفیان کے چار متابع موجود ہیں اور سب جمہور کے موافق روایت بیان کرتے ہیں۔

پھر آگے سعید بن المسیب سے صرف ابن شہاب الزہری روایت کرتے ہیں۔

اور سعید بن المسیب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں تو سعید بن المسیب کے علاوہ (۱) سعید المقبر ی (۲) ان کے والد کیسان۔ (۳) اور ابو سلمہ، یہ تینوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

تخریج درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) أخرج النسائى بسنده عن سعيد المقبرى عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس من الفطرة: الختان، وحلق العانة، ونتف الإبط، وتقليم الأظفار، وتقصير الشارب. (رقم: ۵۰۴۳، ۲/۲۷۴).

(۲) أخرج الإمام مالك موقوفاً عن سعيد بن أبي سعيد المقبری عن أبيه عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: خمس من الفطرة...الخ. (المؤطا للامام مالك ،ص ۷۱۲، كتاب الجامع ، ماجاء فى السنة فى الفطرة).

(۳) أبو سلمة بن عبدالرحمن عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ .

الأدب المفرد میں موجود ہے۔ملاحظہ ہو:

محمد بن إسحاق عن محمد بن إبراهيم عن أبي سلمة بن عبد الرحمن عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خمس من الفطرة:قص الشارب ...الخ. (رواه البخاری فی الادب المفرد، رقم: ۱۲۵۷).

وكذا أخرجه البزار فى مسنده (رقم:۷۶۷۷) **بسنده عن الزهرى عن سعيد وأبي سلمة ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خمس من الفطرة...الخ .**

خلاصہ یہ ہے سعید بن المسیب کے علاوہ بھی ۳ حضرات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے دیگر صحابہ کرام بھی موجود ہیں۔مثلاً: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ،حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ،حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ،حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ،حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ، یہ تمام صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے " **قص الشارب** " کی روایت بیان کرتے ہیں۔تخریج درجِ ذیل ہے:

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری شریف میں ہے۔(۸۷۵/۲)اورنسائی میں " **أخذ الشارب** " کے لفظ سے ہے۔(نسائی:۷/۱)۔

(۲) حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسلم شریف میں ہے۔(۱۲۹/۱)۔

(۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث، ابوداود(۸/۱)اورابن ماجہ(۲۵/۱) میں ہے۔

(۴) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند بزار، وابی یعلی وطبرانی میں ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ، مسلم شریف ،(۱۲۹/۱)، وترمذی شریف (۹۹/۲) ،وابن ماجہ (۲۶) میں ہے۔ **و فيه : وقت لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في قص الشارب...الخ .**

خلاصہ یہ ہے کہ نسائی شریف کی روایت، محمد بن عبداللہ بن یزید المکی کے طریق سے ہے، جس میں "حلق

الشارب‘‘ آیا ہے، یہ شاذ ہے، محمد بن عبداللہ بن یزید کے علاوہ تمام ’’قص الشارب‘‘ بیان کرتے ہیں۔ اور دوسرے حضرات حفظ واتقان میں بھی محمد بن عبداللہ بن یزید سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں۔

مزید براں سنن النسائی المجتبیٰ کے نسخہ میں ’’أخذ الشارب‘‘ ہے صرف سنن النسائی الکبریٰ کے نسخہ میں ’’حلق الشارب‘‘ آیا ہے۔اور سب نسخوں کی سند ایک ہے، محمد بن عبداللہ بن یزید راوی ہے، جو امام نسائیؒ کے شیخ ہیں۔

نسائی شریف کے حاشیہ میں علامہ سندیؒ نے فرمایا: **وقد اختار كثير القص،وحملوا الحلق عليه.**
نیز سنن النسائی الکبری کی تعلیق میں مرقوم ہے:

قال محمد بن عبد اللّٰه بن يزيد عن سفيان في هذا الحديث’’حلق الشارب‘‘ والمحفوظ عن سفيان ’’ قص الشارب‘‘ كذا رواه جمهور أصحابه عنه، وكذلك أخرجه البخاري عن ابن المديني، ومسلم عن أبي بكربن أبي شيبة وعمروالناقد و زهيربن حرب، كلهم عن ابن عيينة بذكر القص بدلاً من الحلق، وكذا رواه إبراهيم بن سعد عند البخاري (٢٥٩١،٢٦٩٧) **ويونس عند مسلم** (٢٥٧/٥). (تعليقات سنن النسائي الكبرى :٩/١٤/٢، دارالتأصيل ، مركز البحوث وتغنية المعلومات). علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ’’ **العرف الشذی** ‘‘ میں فرمایا کہ لفظ ’’ **الحلق** ‘‘ غیر ثابت ہے۔ (العرف الشذی:۲/۱۰۴، فیصل، دیوبند)۔

مذکورہ بالا حدیث کی تحقیق نقشہ ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

حافظ عراقیؒ نے سنداً کلام فرمانے کے بعد متناً کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قائلینِ حلق یوں کہتے ہیں کہ قص کی روایات کو حلق پر محمول کریں کیونکہ گاہے گاہے حلق قینچی سے ہوتا ہے جیسے بکری کے بال، اس لیے کہ احادیث میں احفاء، جز کا حکم ہوا ہے، چنانچہ متفق علیہ کی روایت میں ’’أحفوا الشوارب‘‘، اور بخاری کی روایت میں ’’ أَنهكوا الشوارب‘‘ ، اور مسلم کی روایت میں ’’جزوا الشوارب‘‘ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

الجواب: (۱) علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ قص کا اطلاق حلق پر خلافِ ظاہر ہے کیونکہ بعض روایات میں تقصیر کا لفظ وارد ہوا ہے، جس سے قص کی مزید وضاحت ہوتی ہے اور تقصیر وحلق کے مابین فرق واضح ہے۔ تقصیر

کے معنی ہیں کم کرنا یعنی بعض کو باقی رکھنا اور حلق کے معنی ہیں جڑ سے صاف کر دینا، اور عرف میں بھی دونوں علیحدہ معنی میں سمجھے جاتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے بالوں کا حلق کرنے والوں کو تین مرتبہ دعا دی اور قصر کرنے والوں کو ایک مرتبہ۔

(۲) نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ وابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں **أحفوا** کا لفظ آیا ہے، وہ تمام روایات میں نہیں، بلکہ مسند احمد کی روایت میں بجائے **أحفوا الشوارب** کے **قصوا الشوارب** وارد ہوا ہے۔(مسند احمد:۲/۲۲۹/۶۱۳۲).

(۳) دونوں کے درمیان تطبیق: **أحفوا ، جزوا ، أنهكوا** ، یہ الفاظ محمول ہیں کنارۂ لب پر اور قص، تقصیر منابتِ شعر پر، اس طرح تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔اس کی تائید درجِ ذیل روایت سے ہوتی ہے:

أخرج الإمام أحمد في مسنده ، وأبوداود في سننه ، والترمذى، فى الشمائل ، والنسائى في سننه ، من رواية مغيرة بن عبد الله عن المغيرة بن شعبة ، قال: كان شاربي وفى فقصه لي رسول الله صلى الله عليه وسلم على سواك ، أو قال: أقصه لك على سواك، واللفظ لأحمد (رقم:١٨٢١٢). **وإسناده صحيح ، ورجالهم محتج بهم في الصحيح .**

اگر حلق اور بالکل جڑ سے صاف کرنا مقصود ہوتا تو مسواک رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۴) جن روایات میں **الأخذ من الشارب** کا لفظ آیا ہے وہاں **من** تبعیضیہ ہے اور تقصیر مراد ہے استیصال مراد نہیں ہے۔

حافظ عراقیؒ نے اس کے بعد صحابہ اور تابعین کے آثار نقل فرمائے ہیں۔ چند ملاحظہ ہوں:

(۱) روى الإمام الأوزاعي عن عمر بن عبد العزيزؒ أنه قال: السنة في قص الشارب حتى يبدو الإطار . (اخرجه ابوعبيد القاسم بن سلام فى غريب الحديث:٥/٤٦٠).

الإِطار: بكسر الهمزة، هو حرف الشفة الأعلى الذى يحول بين منابت الشعر والشفة ذكره ابن الأثير فى النهاية (ص٤٠). **وينظر:** (المصنف لابن ابى شيبة ،رقم: ٢٦٠١١).

اور کسی صحابی یا تابعی کا یہ کہنا **من السنة كذا** مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ **قال ابن الحنبلي فى قفو الأثر: وأما قول الصحابي:من السنة كذا، ذاكراً قولاً أوفعلاً ، فله حكم الرفع عند الأكثر، وهومذهب عامة المتقدمين من أصحابنا، ومختارصاحب البدائع من متأخريهم، قال**

ابن عبد البر من المالكية : وإذا قالها غير الصحابى فكذلك . (قفو الاثر،ص ۹٤،ط:حلب).

(۲) روى الإمام البيهقي في سننه الكبرى بإسناد جيد ، من رواية شرحبيل بن مسلم الخولاني قال: رأيت خمسة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يقصون شواربهم ويعفون لحاهم . (السنن الكبرى:۱/۱۵۱).

(۳) وذكر الإحفاء فى الشوارب عند مالك فقال: ينبغي أن يضرب من صنع ذلك، فليس حديث النبي صلى الله عليه وسلم فى الإحفاء ولكن يبيح حرف الشفتين والفم. (السنن الكبرى للبيهقى : ۱/۱۵۱).

قال يحيى وسمعت مالكاً يقول: يؤخذ من الشارب حتى يبدو طرف الشفة وهو الإطار ولايجزه فيمثل بنفسه. (المؤطا للامام مالك ، رقم: ۱٦٤۲).

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں:

حدثنا معن بن عيسى، عن محمد بن هلال، قال: رأيت سعيد بن المسيب وعمربن عبدالعزيز وسالماً وعروة بن الزبير وجعفر بن الزبير وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة وأبابكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام: لا يحفون شواربهم جداً، يأخذون منها أخذاً حسناً .

حدثنا شبابة قال: حدثنا سليمان بن المغيرة قال: رأيت حميدبن هلال والحسن وابن سيرين وعطاء وبكر بن عبد الله : لايحفون شواربهم . (مصنف ابن ابی شيبة : ۱۳/۱۱۱، باب من كان لايحفى شاربه، ط: المجلس العلمى).

قص الشارب کی تحقیق فقہاء کے کلام کی روشنی میں:

مذہب احناف:

فقہائے احناف کے ہاں مختلف اقوال موجود ہیں: (۱) قص الشارب۔(۲) حلق الشارب۔(۳) حلق بدعت اور مکروہ ہے اور قصر سنت ہے۔

پھر فقہائے کرام کا اصول یہ ہے کہ جو فقہی روایت احادیث وآثار کے موافق ہواسی کو لینا چاہئے ،اس اعتبار سے بھی قصر راجح ہوگا اور حلق مرجوح ہوگا۔البتہ جائز دونوں ہیں۔

قال ابن عابدين الشامیؒ: قال في شرح المنية: ولاينبغى أن يعدل عن الدراية إذا

وافقتها رواية على ما تقدم عن فتاوى قاضيخان. (فتاوى الشامي: ١/٤٦٤،سعيد،وشرح المنية، ص٢٩٥،ط: سهيل). (وكذا في شرح معاني الآثار:٢/٣٦٧، باب حلق الشارب من كتاب الكراهية ،ط: سعيد).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال في رد المحتار: واختلف في المسنون في الشارب هل هو القص أو الحلق؟ والمذهب عند بعض المتأخرين من مشايخنا أنه القص، وقال في البدائع : وهو الصحيح، وقال الطحاويؒ: القص حسن ، والحلق أحسن وهو قول علمائنا الثلاثة. (فتاوى الشامي: ٢/٥٥٠،سعيد).

وفيه أيضاً: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة ،كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة. (فتاوى الشامي: ١/٦٤٢،سعيد).

وفي الدر المختار: حلق الشارب بدعة ، وقيل: سنة . وفي رد المحتار: قوله: وقيل: سنة ، مشى عليه في الملتقى وعبارة المجتبى بعد ما رمز للطحاويؒ حلقه سنة، ونسبه إلى أبي حنيفةؒ وصاحبيه: والقص منه حتى يوازى الحرف الأعلى من الشفة العليا سنة بالإجماع. (الدرالمختارمع رد المحتار: ٦/٤٠٧، سعيد).

ملا علی قاریؒ شرح النقایہ میں فرماتے ہیں:

ويسن قص الشارب...قال الطحاويؒ في شرح الآثار: وقص الشارب حسن، وهو أن يأخذ منه حتى ينتقص عن الطرف الأعلى من الشفة العليا. وأجاز بعضهم حلقه لقوله عليه الصلاة والسلام:" أحفوا الشارب وأعفوا اللحى" وفسر الإحفاء بالاستيصال ، ودفع بأنه: "قصوا الشارب وأعفوا اللحى" كما رواه أحمد عن أبي هريرةؓ وهو تفسير للإحفاء ؛ ولأنه عليه الصلاة والسلام لم يحفظ عنه أنه حلق شاربه ، بل قد ورد: " قصوا الشوارب مع الشفاه " ، رواه الطبراني عن الحكم بن عمرو . (شرح النقاية : ٤/٥٧، امورالفطرة ، بيروت).

وفي المحيط البرهاني: وينبغي للرجل أن يأخذ من شاربه حتى يصير مثل الحاجب ...وبه نأخذ ، وعليه الفتوىٰ. (المحيط البرهاني : ٦/١٢٠، كتاب الكراهية ،ط: مكتبه رشيديه ، كوئته).

وفي الفتاوى السراجية : ينبغي أن يأخذ الرجل من شاربه حتى يصير مثل الحاجب

وحلق الشارب بدعة . (الفتاوى السراجية،ص۳۳۷،ط: زمزم).

قال في البزازية : وينبغي للرجل أن ...يأخذ من شاربه حتى يصير كالحاجب . (فتاوى البزازية بهامش الفتاوى الهندية: ٦/٣٧٧).

قال فی نفع المفتی والسائل: الاستفسار: هل يجوز حلق الشارب ؟

الاستبشار: الحلق ، قيل: سنة ، ونسبه الطحاوی إلى أبي حنيفةؒ ، ومحمدؒ ، كذا فی خزانة الروايات عن الحميدی فی كتاب الحج . وعن السغناقی: ومن الناس من قال: إن الحلق بدعة ، والقصر سنة ، وبه أخذ بعض المتأخرين من أصحابنا. (فتاوى اللكنوى ،ص ٤٩١، مايتعلق بالنوم والقيام والقعود والكلام والختان).

وللاستزادة انظر: (البحر الرائق: ٨/٢٣٣، دارالمعرفة ،والفقه على المذاهب الاربعة،وعمدة القارى: ١٥/٨٦،دارالحديث ،ملتان،وبذل المجهود : ١/١٢٩،واوجزالمسالك : ١٦/ ٢٥٦، والفتاوى الهندية: ٥/٣٥٨).

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:

وازکلام مصنف چناں معلوم شد کہ مذہبِ حنیفہؒ حلق است، وازطحاویؒ کہ قدوۂ علماء متقدمین است ایں مذہب نیز ظاہر شود چنانچہ گفت: طحاویؒ می گوید: چوں استحباب بقص مجمع علیہ است، حلق افضل بود قیاساً علی الرأس، ومصنف فی گوید: امادریں قیاس نظرست، چہ دراحفائے شارب قبح ظاہرست، ونوعے ست ازمثلہ واللہ اعلم۔ ونیز افضلیتِ حلق رأس غیر مسلم است مطلقاً چنانکہ معلوم شد تا افضلیتِ حلقِ شارب رابرآں قیاس کنند۔ ہذا ولیکن بودنِ مذہبِ حنفی افضلیت حلق شارب محل نظراست ، باآنکہ ظاہراز کتبِ ایشاں آنست کہ سنت قص شارب، ساختن او مثل حاجب، وگفتہ اند کہ "**وبه نأخذ ، وعليه الفتوىٰ**" ایں درغیر غازی ست، امادرحق غازی مندوب تطویل شارب ست، تادرچشمِ دشمناں مہیب نماید، کذافی مطالب المؤمنین نقلاً عن الذخیرة، ونیز از سراجیہ نقل کردہ کہ سنت قص شارب است تا ظاہر گردد، گرد برگرد لب، حلق شارب بدعت است۔ (شرح سفرالسعادۃ: ۴۹۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ سفر السعادۃ کے مصنف علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب شیرازی، فیروزآبادی متوفی ۸۲۶ھ فرماتے ہیں: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مونچھ کے قصر کے استحباب پر اجماع ہے، اس لیے سر پر قیاس کرتے ہوئے مونچھ میں بھی حلق افضل ہے، پھر مصنفؒ لکھتے ہیں کہ سر پر مونچھ کو قیاس کرنا محل نظر ہے کیونکہ

مونچھوں کو بالکل صاف کرنا بہت برا معلوم ہوتا ہے اور مثلہ کی شکل بن جاتی ہے۔

اس پر حضرت شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں: سر کے حلق کا مطلقاً افضل ہونا مسلم نہیں ہے، کہ اس پر حلق شارب کے افضل ہونے کو قیاس کیا جائے؟ نیز حلق شارب کے افضل ہونے کو مذہبِ حنفی قرار دینا بھی مشکوک اور محلِ کلام ہے، کیونکہ کتبِ احناف سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ مونچھوں کو مثل حاجب کاٹنا سنت ہے۔ اور اسی کو فقہاء نے مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: وروایت کردہ شدہ است از امام ابوحنیفہؒ کہ شارب بمقدار ابرو باید۔ (اشعۃ اللمعات: ۱/ ۲۲۸، باب السواک، المکتبۃ الرشیدیہ)۔

کفایت المفتی میں ہے:

بہتر یہ ہے کہ مونچھوں کو قینچی سے کتروائے۔ (کفایت المفتی: ۹/ ۱۷۸، دارالاشاعت)۔

بہشتی زیور میں ہے:

لبوں کا کتروانا، اس قدر کہ لب کے برابر ہو جائے سنت ہے، اور منڈانے میں اختلاف ہے، بعضے بدعت کہتے ہیں، بعضے اجازت دیتے ہیں، لہذا نہ منڈانے میں ہی احتیاط ہے۔ (بہشتی گوہر ص ۱۱۵)۔

امداد الاحکام میں ہے:

وفی هداية النور فی أحكام الشعور للمفتی سعد الله: حلق شعور بہروت بدعت است بر قولِ اصح، ابوالمکارم، وشرح مختصر زاہدی می آرد: **حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة، وفی النيل: وذهب كثير منهم إلى منع الحلق والاستيصال وإليه ذهب مالك، وكان يرى تأديب من حلقه، وروى عنه ابن القاسم أنه قال: إحفاء الشارب بدعة، قال النووی: والمختار أنه يقص حتى يبدو طرف الشفة ولا يحفيه من أصله، قال فی النهاية: إحفاء الشوارب أن يبالغ في قصها۔** پس مونچھوں کا مونڈنا اگرچہ ایک قول پر جائز ہے مگر راجح یہ ہے کہ بدعت ہے، اور سنت یہ ہے کہ قینچی سے کتروادے، اور کترنے میں مبالغہ کرے کہ بال کھال سے مل جائیں۔ (امداد الاحکام: ۴/ ۳۳۴، و ۴/ ۳۴۲)۔

مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ فرماتے ہیں:

شوارب کا قطع کرنا اولیٰ ہے اور حلق کرنا مکروہ ہے۔ (معارفِ ترمذی: ۲/ ۴۰۵)۔

قاموس الفقہ میں ہے:

شوافع کے نزدیک قولِ مختار یہ ہے کہ اس طرح تراشے جائیں کہ ہونٹ کے کنارے صاف ہوجائیں، یہی رائے مالکیہ کی بھی ہے، اور یہی رائے نصوص اور انسانی عادت سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔(قاموس الفقہ: ۱۷۹/۴)۔

حلال وحرام میں ہے:

اس سلسلہ میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں اوران کے پاس اپنی رائے کے لیے مناسب بنیادیں بھی موجود ہیں لیکن حدیث کے مجموعی الفاظ سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ معمولی طور پر مونچھیں تراشی جائیں۔(حلال وحرام، ص:۸۵)۔

مجموعی بحث کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء کی اس مسئلہ میں دوروایتیں ہیں۔(۱) قصر یعنی تراشنا اور کم کرنا۔(۲) حلق یعنی بالکل جڑ سے صاف کرنا۔ اور دونوں ہی جائز اور درست ہے۔ البتہ ہمارے نزدیک قصر والی روایت احادیثِ صریحہ صحیحہ کے موافق ہونے کی وجہ سے راجح اور اقویٰ ہے۔

مذہبِ مالکیہ:

امام مالکؒ کے نزدیک قصر افضل اور سنت ہے اور حلق جائز نہیں ہے، مثلہ کے حکم میں ہے، جو حلق کرتا اس کی پٹائی کا حکم فرماتے تھے، جیسا کہ موطا کے حوالہ سے گزرا۔ مزید ملاحظہ ہو:

قال ابن عبد البر: وقداختلف العلماء في حلق الشارب ، فكان مالک يقول: السنة قص الشارب وهو أخذ الشعر من الإطاروهو طرف الشفة العليا. والحجة لمالک فيما ذهب إليه من ذلک قوله صلى الله عليه وسلم خمس من الفطرة فذكر منها قص الشارب ... و من الحجة له أيضاً حديث زيدبن أرقم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يأخذ من شاربه شيئاً فليس منا. وحديث عبد الله بن بسر قال: كان شارب رسول الله صلى الله عليه وسلم بحيال شفته وحديث المغيرة بن شعبة قال: ضفت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم...وأخذ من شاربي على سواک ، وهذا كله لا يكون معه حلق ولا استيصال . (الاستذكار: ١/٥٧٦٨).

مذہبِ شافعیہ:

علامہ نوویؒ نے فرمایا ہے کہ قص سنت ہے اور حلق مکروہ ہے۔

قال في شرح المهذب: وأما قص الشارب فمتفق على أنه سنة ودليله الحديثان السابقان...ولا يحفيه من أصله هذا مذهبنا...وهذه الروايات (أى: أحفوا، وجزوا، وأنهكوا) محمولة عندنا على الحف من طرف الشفة لا من أصل الشعر. (شرح المهذب: ١/ ٢٨٧، ط دارالفكر).

قال فى أسنى المطالب شرح روض الطالب: ويكره الإحفاء . (٣٦٧/٣، دارالكتب العلمية).

مذہبِ حنابلہ:

قال فى الشرح الكبير: ويستحب قص الشارب لأنه من الفطرة ويفحش إذا طال . (الشرح الكبير: ١٠٥/١، دارالكتب العلمية).

وفى الفقه على المذاهب الأربعة: وتسن المبالغة في قص الشارب . (الفقه على المذاهب الاربعة: ٣٨/٢، كتاب الحظروالاباحة).

وفى الفقه الإسلامي وأدلته: و يخير عند الحنابلة بين القص والإحفاء ، والحف أولىٰ نصاً . (الفقه الاسلامى وادلته: ٣٠٨/١، ط: دارالفكر).

فتاویٰ اسلامیہ میں ہے:

وأما حلق الشارب فلم يثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عن أحد من أصحابه فيما نعلم، إنما ثبت منهم الحث على قصه وإحفائه ، وقد صدر من اللجنة الدائمة للبحوث العلمى والإفتاء الفتوىٰ فى ذلك . (فتاوى اسلامية: ٥٦٥/٤، للشيخ عبد العزيز بن عبدالله بن باز و الشيخ محمد بن صالح بن عثيمين والشيخ عبد الله بن عبد الرحمن الجبرين).

وفي فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: السنة قص الشارب لا حلقه لقول النبي صلى الله عليه وسلم: قصوا الشوارب وأعفوا اللحى خالفوا المشركين. (١٣٢/٥، مكتبة المعارف، بالرياض). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سبالتین کے کاٹنے کا حکم:

سوال: کیا وہ پھیلا ہوا حصہ جو مونچھ کے دونوں کونے پر ہوتا ہے (سبالتین) جس سے ڈاڑھی ملجاتی ہے

وہ مونچھ کا حصہ ہے یا ڈاڑھی کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سبالتین مونچھ کا حصہ ہے، ڈاڑھی میں شامل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: **و يشرع قص السبالتين مع الشارب لأنهما منه كما استظهره في فتح الباری.**

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:٥٢٦، باب الجمعة، قديمی).

وينظر: (فتاوی الشامی: ٢/٥٥٠، سعيد).

العرف الشذی میں ہے:

ولعل عمل السلف أنهم كانوا يقصرون السبالتين أيضاً، فإن في تذكرة الفاروق الأعظم ذكر أنه كان يترك السبالتين، واهتمام ذكر تركه السبالتين يدل على أن غيره لايتركهما، والله أعلم. (٣/٤١٤، مؤسسة ضحى للنشر والتوضيح).

أخرج الإمام أحمد في مسنده (٣٦/٦١٣/٢٢٢٨٣) **عن القاسم قال سمعت أبا أمامة** رضي الله عنه **يقول: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم على مشيخة من الأنصار بيض لحاهم ...إلى قوله: قال: فقال النبي صلى الله عليه وسلم: قصوا سبالكم ووفروا عثانينكم وخالفوا أهل الكتاب. وقال الشيخ شعيب الأرنؤوط في تعليقاته: إسناده صحيح.**

وأيضاً أخرجه الطبراني فی الكبير (٨/٢٣٦/٧٩٢٤).

فتاویٰ محمودیہ میں مرقوم ہے:

ہونٹ کے قریب کے بال دونوں کناروں سے منڈوانا تاکہ کھاتے پیتے وقت منہ میں نہ جائیں درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۴۱۵، جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کی ڈاڑھی مونچھ صاف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی عورت کی ڈاڑھی مونچھ نکل آئے تو صاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کے لیے ڈاڑھی مونچھ صاف کرنا مستحب ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفي تبيين المحارم: إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم إزالته بل تستحب. (فتاوی الشامی: ٦/٣٧٣، سعيد).

قال في الديباج على مسلم: إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا يحرم إزالتها بل يستحب والنهي خاص بالحواجب وما في أطراف الوجه. (الديباج: ۱۶۲/۵، للعلامة السيوطي).

(وكذا في التيسير بشرح الجامع الصغير للعلامة المناوي: ۵۷۱/۲، وشرح النووي على مسلم: ۱۲۹/۱، باب خصال الفطرة، وفتح الباري: ۳۷۸/۱۰، ومرقاة المفاتيح: ۱۶۲/۱۳، باب الترجل).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۷۵/۸، وفتاویٰ رحیمیہ: ۷۴/۵، وکتاب الفتاویٰ: ۱۴۸، وآپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۲۲/۸)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل دوم
بالوں سے متعلق احکام کا بیان

حاجبین کے بال ٹھیک کرنے کا حکم:

سوال: اگر حاجبین کے بال لمبے ہوں تو ان کا کاٹنا اور ٹھیک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **نیز حدیث شریف** میں " **لعن اللہ المتنمصات** " آیا ہے اس کی کیا توجیہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ حاجبین کے بال اگر حد سے زیادہ لمبے ہوں اور گھنے ہو جائیں کہ قابل نفرت معلوم ہوں تو ان کا کاٹنا اور ٹھیک کرنا جائز اور درست ہے، یہ ازالہ عیب کے قبیل سے ہے، ہاں بلاضرورت کاٹنا اور باریک کرنا جیسا کہ اس زمانہ میں اکثر بازاری عورتوں کا طریقہ ہے یہ جائز اور درست نہیں حدیث شریف میں اسی کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

وفي التاتارخانية عن المضمرات : ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث ، ومثله في المجتبى . (فتاوى الشامي: ٦/٣٧٣،ط:سعيد، ٢/٤١٨،سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٨، والموسوعة الفقهية الكويتية: ١١/٢٧٣).

آپ کے مسائل میں ہے:

بھوؤں کے بال بڑھ جائیں تو ان کو کٹوانا جائز ہے مگر نوچنے سے اکھیڑنا درست نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۴۷،طبع جدید)۔

حدیث شریف کی توجیہ ملاحظہ کیجئے:

موجودہ دور کے فیشن کے اتباع میں بھووں کو باریک کرنا یہ ناجائز ہے جیسا کہ اکثر عورتیں کرتی ہیں۔

قال الإمام أبوداود: وتفسير الواصلة :...والنامصة : التي تنقش الحاجب حتى ترقه .

امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ ”نامصه“ اس عورت کو کہتے ہیں جو بھووں کو باریک کرتی ہے۔(سنن ابی داود:۲/۲۱۸).

قال في البحر الرائق: والنامصة : هي التي تنقص الحاجب لتزينه ، والمتنمصة: هي التي يفعل بها ذلك . (البحرالرائق: ٦/٨٨، باب البيع الفاسد،دارالمعرفة ، و كذا فتح القدير: ٦/٤٢٦، بيروت).

قال ابن عابدين الشاميؒ: قوله والنامصة : ذكره في الاختيار أيضاً وفي المغرب: النمص نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش، ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب وإلا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه ففي تحريم إزالته بعد لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين إلا أن يحمل على ما لا ضرورة إليه لما في نتفه بالمنماص من الإيذاء .

(فتاوى الشامي: ٦/٣٧٣، سعيد).

شیخ ربیع بن حبیب الازدی البصریؒ فرماتے ہیں کہ نامصہ اس عورت کو کہتے ہیں جو حاجبین کے بال کاٹ لے تاکہ باریک سیدھی لکیر بن جائے۔**قال الربيع: النامصة التي تأخذ من شعر حاجبها ليكون رقيقاً معتدلاً .** (مسند الربيع ، ص ٢٥٠،ط: بيروت).

فتاویٰ بینات میں ہے:

عورتوں کے لیے بھویں بنانا دھاگہ یا کسی اور چیز سے جائز نہیں ہے۔حدیث شریف میں ایسی عورتوں پر لعنت آئی ہے اور ایسا کرنا تغییر لخلق اللہ کے زمرہ میں آتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ”**لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة**“۔البتہ قینچی کی مدد سے کم کرسکتی ہے، جبکہ مخنث کی مشابہت نہ ہو۔

(فتاویٰ بینات:۴/۴۰۶،مکتبہ بینات)۔ مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل:۱/۳۱۰،نعیمیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بطورِ فیشن ابرویں باریک کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نئی نئی شادی ہوئی ہے اس کی بیوی ابرویں کاٹتی ہے اور اس کا باریک خط بناتی ہے تو یہ شخص پوچھنا چاہتا ہے کہ اس کی بیوی کا یہ فعل درست اور جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں ابرویں باریک لکیر کی طرح بنانے کی ممانعت حدیث شریف میں

صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہے لہذا اس شخص کو چاہئے کہ اپنی بیوی کو حکمت کے ساتھ اس فعل سے باز آنے کی ترغیب دے اور روکے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله قال: لعن الله الواشمات والموتشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله فبلغ ذلک امرأة من بني أسد يقال لها أم يعقوب فجاء ت فقالت: إنه بلغني عنک أنک لعنت كيت وكيت فقال: وما لي لاألعن من لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن هو في كتاب الله فقالت: لقد قرأت مابين اللوحين فما وجدت فيه ما تقول، فقال: لئن كنت قرأتيه لقد وجدتيه أما قرأت ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾...الخ. (صحيح البخاری:۲/۷۲۵/۴۸۸۶، كتاب التفسير، فيصل).

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لعنت الواصلة والمستوصلة والنامصة والمتنمصة والواشمة والمستوشمة من غير داء . قال أبوداود: وتفسير الواصلة التي تصل الشعر بشعر النساء ... والنامصة : التي تنقش الحاجب حتى ترقه والمتنمصة المعمول بها. (رواه ابوداود: ۲/۲۱۸)

ابوداود شریف کی شرح میں ہے:

الإسلام دين الوسطية والاعتدال في كل شيء ، ومن ذلک الاعتدال فی الملبس والترجل والتنعم والتطيب، فلا يكون الإنسان مبالغاً أومفرطاً ، وإنما يلزم الوسط في جميع أموره وأحواله ، وقد حرم الإسلام تغيير خلق الله، فلعن الواصلة والمستوصلة والنامصة والمتنمصة والواشمة والمستوشمة . (شرح سنن ابی داودلعبدالمحسن العباد:۲۳/۲۶۹).

قال الإمام النووي رحمہ اللہ: والنامصة التي تأخذ من شعر حاجب غيرها ، وترققه ليصير حسناً والمتنمصة : التى تأمر من يفعل بها ذلک. (رياض الصالحين :۲/۲۳۸، باب تحريم وصل الشعر والوشم).

مزید ملاحظہ ہو: (فتح الباری:۱۰/۳۷۷، وعمدۃ القاری:۱۳/۲۸۸، وفتاویٰ بینات:۴/۴۰۶)۔

آپ کے مسائل میں ہے:

بھویں بنانے والی عورتوں پر لعنت آئی ہے، پھر یہ گناہ کیوں نہ ہوگا؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۸/۳۲۲، طبع جدید)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

اس زمانے کے فیشن میں ایک یہ بھی ہے کہ خواتین مصنوعی طور پر اپنی بھوؤں کو باریک ظاہر کرنے کی غرض سے کناروں سے اس کے بال مونڈتی یا اکھاڑتی ہیں اور اسے بہ تکلف آراستہ کرنے کی سعی کرتی ہیں، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درست نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے چہرہ کے بال نوچنے والی اور اس کام میں مدد لینے والی عورت پر لعنت منقول ہے۔ (جدید فقہی مسائل:۱/۳۱۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصنوعی پلکیں لگوانے کا حکم:

سوال: ایک عورت کی آنکھوں کی پلکیں کسی وجہ سے گر گئی ہیں تو اب اس کے لیے اپنی آنکھوں پر مصنوعی پلکیں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے جسمانی وضع قطع اور زینت اختیار کرنے میں اعتدال کو محبوب اور پسند کیا ہے اور مبالغہ فی الزینت اور ہر قسم کے فیشن کے پیچھے بھاگنے کو ناپسند نگاہ سے دیکھا ہے، بایں وجہ جسمانی اعتبار سے کوئی عیب ونقص کے ازالہ کی تو اجازت دی ہے، لیکن حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ اس بات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے صورتِ مسئولہ میں ازالہ عیب کی وجہ سے پلکیں بنوانا تو جائز اور درست ہے جبکہ انسانی بالوں سے نہ بنائی جائیں، البتہ محض بطورِ فیشن پلکوں کو لمبی ظاہر کرنے کے لیے بنوانا جائز اور درست نہیں ہے۔ انسانی بالوں کو جوڑنا ناجائز ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف کی روایت میں ہے:

عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها قالت: لعن النبي صلى الله عليه وسلم الواصلة والمستوصلة . (رواه البخاري، رقم: ٥٩٣٦).

الدر المختار میں ہے:

ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها لقوله صلى الله عليه وسلم ...وفي الشامية : قوله سواء كان شعرها أوشعرغيرها ، لما فيه من التزوير ... وفي شعر غيرها انتفاع بجزء الآدمي أيضاً ، لكن في التاتارخانية: وإذا وصلت المرأة شعر غيرها بشعرها فهومكروه ، وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسفؒ، وفي الخانية ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها

وذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوى الشامى : ٦/٣٧٣، سعيد).

آپ کے مسائل میں ہے:

پلکیں بنانے کا فعل جائز نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے، بنانے والی پر بھی اور بنوانے والی پر بھی۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/۳۲۳،طبع جدید)۔

مزید ملاحظہ ہو: (قاموس الفقہ :۴/ ۱۹۷)۔

ہاں بوقتِ ضرورت ازالہ عیب کی خاطر انسانی بال کے علاوہ سے بنانے کی اجازت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو سونے کی ناک بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الرحمن بن طرفة عن عرفجة بن أسعد رضي الله عنه قال: أصيب أنفي يوم الكلاب فى الجاهلية فاتخذت أنفاً من ورق فأنتن على فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن اتخذ أنفاً من ذهب . (رواه الترمذى:٢/٣٣٦، باب ماجاء فى شدالاسنان بالذهب).

حضرت عرفجہ بن اسعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یوم الکلاب میں میری ناک کٹ گئی اور میں نے چاندی کی ناک بنوائی تو وہ بدبودار ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإن سقطت ثنية الرجل قال أبوحنيفةؒ : يكره أن يعيدها ويشدها ولكن يأخذ من شاة ذكية و يشدها مكانها، وذكر محمدؒ فى الجامع الصغير: إذا تحرك سن الرجل فشدها بذهب قال محمدؒ: لا بأس به...وكذا إذا سقطت سنه لا بأس بأن يتخذ سناً من فضة. (فتاوى قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية: ٣/٤١٣). (وكذا فى البدائع: ٥/١٣٢).

البتہ بطورِ فیشن مصنوعی پلکیں لگانے میں متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کی وجہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

چند خرابیاں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) یہ غیروں کا طریقہ کار ہے،اس میں تشبہ بالکافرات والفاسقات ہے بنابریں مسلمان خواتین کواس سے بچنا ضروری ہے۔

(۲) اطباء کی رائے کے پیش نظر مصنوعی پلکیں لگانا آنکھوں کے لیے ضرررساں ہے۔

(۳) مصنوعی پلکیں لگانے میں تزویر اور ایک قسم کا دھوکا ہے۔ حدیث شریف میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

احسن الفتاویٰ میں بیوٹی پارلر جا کر میک اپ کرانے کے بارے میں جو فسادات بیان کیے ہیں ان میں یہ بھی ہے: ''صورتِ اصلیہ چھپانے کا فریب''۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۷۱)۔

خواتین کے فقہی مسائل میں ہے:

...یہ بات جان لیں کہ بیوٹی پارلر میں جا کر نت نئے ایجاد کردہ فیشن اختیار کرنے سے خواتین کے چہرے، جسم اور بالوں کا فطری اور قدرتی حسن ختم ہو جاتا ہے، اس سے بہت نقصانات ہوتے ہیں، ایک تو طبی نقصان، دوسرا طبعی نقصان۔ (خواتین کے فقہی مسائل، ص ۲۲۵)۔

نیز یہ فیشن زیادہ تر عرب ممالک میں رائج ہے لہذا عرب علماء کے فتاویٰ ملاحظہ کیجئے:

فتاوی اللجنۃ الدائمۃ میں مرقوم ہے:

لا يجوز استخدام الأظافر الصناعية والرموش المستعارة والعدسات الملونة لما فيها من الضرر على محالها من الجسم ولما فيها أيضاً من الغش والخداع وتغيير خلق الله.

(فتاوى اللجنة الدائمة: ١٧/١٣٣).

فتاویٰ علماء البلد الحرام میں ہے:

...بل على المرأة أن ترضى بما قدر الله، ولا تفعل ما فيه تدليس أو جمال مستعار، فالمستشبع بما لم يعط كلابس ثوبي زور. (فتاوى علماء البلدالحرام، ص ١٩١٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

جسم کی مختلف جگہوں کے بال صاف کرنے کا حکم:

سوال: سرین کے بالوں کو صاف کرنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح سینہ، پیٹ، پنڈلی اور رانوں کے بال صاف کرنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جسم کے زائد بال مثلاً زیر ناف اور بغل وغیرہ کا دور کرنا ہفتہ میں ایک مرتبہ مستحب ہے، اور چالیس دن تک ترک کرنا مکروہ ہے، اس کے علاوہ مثلاً: سینہ، پیٹ، پیٹھ اور رانوں کے بال صاف کرنے کو فقہاء نے خلافِ ادب لکھا ہے یعنی ضرورت ہو تو صاف کر سکتے ہیں ورنہ بلا ضرورت اچھا نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: وقت لنا في قص الشارب وتقليم الأظفار ونتف الإبط وحلق العانة أن لا نترک أكثر من أربعين ليلة . (رواه مسلم، رقم: ٢٥٨).

قال النووی رحمہ اللہ: معناه لا نترک تركاً نتجاوز به أربعين لا أنه وقت لهم الترک أربعين . (شرح مسلم: ١/١٢٨).

عن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أطلى بدأ بعورته فطلاها بالنورة ، وسائرجسده أهله . (رواه ابن ماجه،رقم: ٣٧٥١) وفى الزوائد: هذا حديث رجاله ثقات، وهو منقطع ، وحبيب بن أبي ثابت لم يسمع من أم سلمة رضی اللہ عنہا قاله أبوزرعة .

قال فى فيض القدير: وتوقف المؤلف في كونها سنة قال: لاحتياجه إلى ثبوت الأمر بها كحلق العانة ونتف الإبط وفعله وإن كان دليلاً على السنة فقد يقال: هذا من الأمور العادية التي لايدل فعله لها على سنة وقد يقال: فعله بياناً للجواز ككل مباح ...الخ. (فيض القدير: ٥/١٣٤،ط:بيروت).

البحر الرائق میں ہے:

بخلاف شعر الصدر والساق لأنه لا يتعلق به الجمال . (٨/٣٧٧، دارالمعرفة).

وفى الفتاوى الهندية: ولايحلق شعر حلقه وعن أبي يوسف رحمہ اللہ لا بأس بذلک ولابأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه مالم يتشبه بالمخنث كذا فى الينابيع ...وفى حلق شعر الصدر والظهر ترک الأدب كذا فى القنية . (الفتاوى اللهندية: ٥/٣٥٨).

(وكذا فى فتاوى الشامى: ٦/٤٠٧،سعيد).

فتاویٰ رشدیہ میں ہے:

..اور پنڈلی اور ران کے بال کا دور کرنا درست ہے کہ آپ علیہ السلام تمام بدن پر سوائے چہرہ کے نورہ کرتے تھے، واللہ اعلم۔ (فتاویٰ رشدیہ،ص۶۳۰،اردو بازار، لاہور)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

سینہ اور شکم کے بال منڈانا درست ہے اور رخسار کے بال دفع کرنا ترکِ اولیٰ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ،ص۶۳۲)

بہشتی زیور میں ہے:

اس کے علاوہ (یعنی سر، چہرہ، ناک، موئے زیرناف اور بغل) اور تمام بدن کے بالوں کا مونڈنا، رکھنا دونوں درست ہیں۔ (بہشتی زیور، حصہ ۱۱، ص ۹۶۸)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

سینہ اور پشت کے بال بنانا جائز ہے مگر خلافِ ادب اور غیر اولیٰ ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ ۱۱، ص ۹۶۷)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: کیا مرد اور عورتیں اپنی ٹانگوں کے بال ٹخنوں تک منڈوا سکتے ہیں؟

الجواب: ایسا کرنا بہتر نہیں، مگر حرام بھی نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۴۴۴، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

فخذ اور ساق وغیرہ کے بال کا حلق جائز ہے بعض کے متعلق تو فقہاء نے صراحۃً لکھا ہے مثلاً عالمگیری، شامی وغیرہ کے کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے: **لا بأس بأخذ الحاجبين وشعر الوجه مالم يتشبه بالمخنث كذا في الينابيع** ...اور ساق کے بالوں کے متعلق حضرت گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں تصریح جواز بحوالہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام بدن پر سوائے چہرہ کے نورہ کرتے تھے۔ (امداد المفتین: ۲/ ۸۱۷، دار الاشاعت)۔

مزید ملاحظہ کیجئے: (فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم، ص ۴۰۷، ط: مکتبہ بینات، وامداد الفتاویٰ: ۴/۲۲۴، وکتاب الفتاویٰ: ۶/ ۱۴۲، ۱۴۳، وجدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گردن کے بال صاف کرنے کا حکم:

سوال: عام طور پر لوگ سر کے بال کٹاتے وقت گردن کے بال بھی صاف کرتے ہیں، کیا گردن کے بال منڈانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: گردن کے بال منڈانا جائز اور درست ہے۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

گردن کے بال جو کہ کانوں کے لو کے نیچے ہوتے ہیں تراشنا یا منڈانا ان کا جائز ہے۔ **كذا يشير إليه بعض ألفاظ الشامي من الحظر والإباحة وكذا صرح به حضرة الشيخ الگنگوهي**ؒ **في فتاواه: ۲/۸۳.**

(امداد المفتین، جلد دوم، ص ۸۱۸، دار الاشاعت)۔

امدادالاحکام میں ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ گردن اور رخسار کے بال مونڈ نا جائز اور حلق میں اختلاف ہے۔ (امدادالاحکام: ۴/۳۴۴)۔

فتاویٰ رشدیہ میں ہے:

گردن جدا عضو ہے اور سر جدا ہے لہذا گردن کے بال منڈانا درست ہے سر کا جوڑ علیحدہ کان کی لو کے پیچھے معلوم ہوتا ہے اس سے نیچے گردن ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۶۳۰، اردو بازار، لاہور)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زائد بالوں کو استرے سے صاف کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورت اپنے زائد بالوں کو استرے یا بلیڈ سے صفائی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ایسا کرے تو مکروہ ہے یا مباح یا خلافِ اولیٰ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ عورتیں اپنے جسم کے زائد بالوں کو استرے یا بلیڈ سے صاف کر سکتی ہیں، البتہ زیرناف کے بال اکھاڑنا ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه، رواية : الفطرة خمس أو خمس من الفطرة : الختان والاستحداد ونتف الإبط وتقليم الأظفار وقص الشارب . (رواه البخاری: ۲/ ۸۷۴، باب قص الشارب، فيصل).

بعض روایات میں **حلق العانة** کا لفظ وارد ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من الفطرة حلق العانة وتقليم الأظفار وقص الشارب . (رواه البخاری: ۲/ ۸۷۵، رقم: ۵۸۹۰، فيصل).

والاستحداد أى حلق العانة وهو استفعال من الحديد وهو استعمال الحديد من نحو الموسى في حلق العانة ذى الشعر الذى حوالى ذكر الرجل وفرج المرأة . (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۲۸۹، ط: امداديه، ملتان).

قال الإمام النووي رحمه الله: وأما الاستحداد فهو حلق العانة سمى استحداداً لاستعمال الحديدة و هى الموسى و هو سنة والمراد به نظافة ذلک الموضع والأفضل فيه الحلق ... والمراد بالعانة الشعر الذي فوق ذكرالرجل وحواليه وكذلک الشعرالذى حوالى فرج

المرأة . (شرح مسلم : ۱۲۸/۱، باب خصال الفطرة).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

والاستحداد استعمال الحديد في شعر العانة وهي إزالته بالموسى هذا في حق الرجال وأما النساء فلايستعملن إلا النورة أو غيرها مما يزيل الشعر . (عمدة القارى: ۱۳/ ۲۱۹،ط:ملتان).

قال العلامة الكشميرىؒ في فيض البارى: اعلم أن اللفظ في حق النساء وإن كان الاستحداد لكن الفقهاء صرحوا بأن الأولى فيهن استعمال النورة وكأن المراد منه مايقوم مقام الاستحداد في حقهن . (فيض البارى: ۳۰۷/٤و۳۰۸، باب لايطرق اهله ليلاً).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفى الأشباه : والسنة في عانة المرأة التنف . (فتاوى الشامى: ٤٠٦/٦، سعيد). وكذا فى الاشباه : ۷۳/۳، احكام الانثى).

علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

والسنة في حلق العانة أن يكون بالموسى لأنه يقوى وأصل السنة يتأدى بكل مزيل لحصول المقصود وهو النظافة وإنما جاء الحديث بلفظ الحلق لأنه الأغلب وسواء فى ذلك الرجل و المرأة و قال النوویؒ : الأولىٰ في حقه الحلق و فى حقها النتف . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ۵۲۷، باب الجمعة، تكميل ، ط: قديمى كتب خانه).

بہشتی زیور میں ہے:

موئے زیرناف میں مرد کے لیے استرے سے دور کرنا بہتر ہے ...اورعورت کے لیے موافق سنت کے یہ ہے کہ چٹکی یا چمٹی سے دور کرے استرہ نہ لگے۔(بہشتی زیور،حصہ ۱۱،ص ۹۶۸،المکتبۃ المدنیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

زائد بالوں کو کریم (cream) کے ذریعہ صاف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت یا مرد اپنے جسم کے زائد بال مثلاً سینہ، ہاتھ اور پیر کے بالوں کو کریم (cream) وغیرہ کے ذریعہ صاف کرلیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کریم، پاؤڈر وغیرہ سے بالوں کی صفائی جائز اور درست ہے، حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نورہ استعمال فرمایا تھا۔ نیز فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم کان إذا أطلی بدأ بعورته فطلاها بالنورة، وسائرجسده أهله . (رواه ابن ماجه،رقم: ۳۷۵۱) **وفی الزوائد: هذا حدیث رجاله ثقات، وهو منقطع، وحبیب بن أبي ثابت لم یسمع من أم سلمةؓ قاله أبوزرعة** .

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: **وأما النساء فلا یستعملن إلا النورة أو غیرها مما یزیل الشعر**. (عمدة القاری: ۲۰/ ۲۲۲،داراحیاء التراث العربی،بیروت).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **و لو عالج بالنورة فی العانة یجوز کذا فی الغرائب** . (الفتاوی الهندیة: ۵/ ۳۵۸). (و کذافی فتاوی الشامی: ۶/ ۴۰۶، سعید).

حاشیة الطحطاوی میں ہے:

وأصل السنة یتأدی بکل مزیل لحصول المقصود وهو النظافة وإنما جاء بالحدیث بلفظ الحلق لأنه الأغلب. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، ص ۵۲۷، باب الجمعة ، ط: قدیمی).

البحرالرائق میں ہے:

والإزالة لا تختص بالموسی بل بأی آلة کانت أو بالنورة. (البحرالرائق: ۲/ ۳۷۲، دارالمعرفة).

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

إن إزالته قد تکون بالنورة وقد ثبت أنه علیه الصلاة والسلام استعمل النورة علی ما ذکره السیوطیؒ فی رسالته . (مرقاة المفاتیح: ۲/ ۳۰۲، باب السواك).

بہشتی زیور میں ہے:

ہڑتال وغیرہ کوئی اور دوا لگا کر زائل کرنا بھی جائز ہے۔ (بہشتی گوہر، حصہ ۱۱، ص ۹۲۸، المکتبۃ المدنیہ)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل بعض کریم اور صابن خاص اس مقصد کے لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان کے ذریعہ جسم کے فاضل اور غیر ضروری بال صاف کردئے جائیں، زیرناف وغیرہ کے بالوں کے لیے ان کے استعمال میں کچھ مضائقہ

نہیں۔(جدید فقہی مسائل:۱/۳۱۲)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

مردوں کے لیے استرہ وغیرہ سے صاف کرنا اور عورتوں کے لیے اکھاڑنا مستحب ہے پاؤڈر اور کریم کا استعمال بھی جائز ہے۔(احسن الفتاویٰ:۸/۷۸)۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

البتہ ان زائد بالوں کو نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کیونکہ اس میں بلاوجہ اپنے جسم کو اذیت دینا ہے، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، بحوالہ شامی۔(فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم، ص۴۰۷)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مقعد کے اردگرد کے بالوں کی صفائی کا حکم:

سوال: مقعد کے اردگرد کے بال حلق العانۃ میں داخل ہیں یا نہیں؟ ان کا حلق ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مشہور قول کے موافق حوالی مقعد کے بال حلق العانۃ کے حکم میں داخل نہیں اور ان کا حلق ضروری نہیں البتہ فقہاء نے نجاست کے معلق ہونے کی وجہ سے ان کی صفائی کو اولیٰ اور بہتر فرمایا ہے اور علامہ شامیؒ نے زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والعانة الشعر القريب من فرج الرجل والمرأة ومثلها شعر الدبر بل هو أولىٰ بالإزالة لئلا يتعلق به شيء من الخارج عند الاستنجاء بالحجر. (فتاوى الشامى: ۲/ ۴۸۱،سعيد).

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح میں ہے:

ثم العانة :هى الشعر الذى فوق الذكر وحواليه وحوالى فرجها ويستحب إزالة شعر الدبر خوفاً من أن يتعلق به شيء من النجاسة الخارجة فلا يتمكن من إزالته بالاستجمار.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص۵۲۷، قديمى).

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

الشعر الذى حوالى ذكر الرجل وفرج المرأة زاد ابن شريح وحلقة الدبر فجعل العانة منبت الشعر مطلقاً والمشهور الاول . (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۲۸۹،باب الترجل، امداديه ملتان).

قال الإمام النوویؒ: ونقل عن أبی العباس بن سریج أنه الشعر النابت حول حلقة الدبر فيحصل من مجموع هذا استحباب حلق جميع ما على القبل والدبر و حولهما. (شرح مسلم: ۱/۱۲۸، باب خصال الفطرة).

حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاویٰ میں ان بالوں کی صفائی کو واجب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

...اور دبر کے بال صاف کرنا واجب ہے، دبر کے بالوں کی صفائی کو طحطاویؒ نے مستحب لکھا ہے مگر علامہ ابن عابدینؒ نے اس کا حکم بھی عانہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مؤکد قرار دیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۷۸)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موئے بغل مونڈنے کا حکم:

سوال: بغل کے بالوں میں اکھاڑنا بہتر ہے یا مونڈنا؟

الجواب: احادیث اور فقہاء کی عبارات کی روشنی میں اکھاڑنا بہتر معلوم ہوتا ہے تاہم اگر کسی کو اکھاڑنے میں اذیت محسوس ہوتی ہو تو مونڈنا بھی جائز ہے، کیونکہ مقصود محل کی صفائی ہے جو مونڈنے میں حاصل ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو مجمع الانہر میں ہے: **والسنة نتف الإبط.** (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ۴/۲۲۴، ط: بيروت).

وفی الفتاوی الهندية: وفی الإبط يجوز الحلق والنتف أولیٰ. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۸).

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

ہفتم برکندن موئے بغل ست وحلق کردن ونورہ زدن نیز جائز ست۔ (اشعۃ اللمعات: ۱/۲۲۹، المکتبۃ الرشیدیۃ).

شرح مسلم میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

أما نتف الإبط فسنة بالاتفاق والأفضل فيه النتف لمن قوی عليه ويحصل أيضاً بالحلق وبالنورة وحكی عن يونس بن عبد الأعلى قال: دخلت على الشافعیؒ وعنده المزين يحلق إبطه فقال الشافعی: علمت أن السنة النتف ولكن لا أقوى على الوجع، ويستحب أن يبدأ بالإبط الأيمن. (شرح مسلم: ۱/۱۲۸، باب خصال الفطرة).

بہشتی زیور میں ہے: موئے بغل میں اولیٰ تو یہ ہے کہ موچنے وغیرہ سے دور کیے جائیں اور استرے سے منڈوانا بھی جائز ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ ۱۱، ص ۹۶۸)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کے چہرہ کے بال صاف کرنے کا حکم:

سوال: عورت کے چہرہ پر غیر ضروری بال مثلاً ڈاڑھی، مونچھ وغیرہ کے بال ظاہر ہوجائیں تو صاف کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر صاف کرے گی تو حدیث شریف میں نامصہ ومتنمصہ کی ممانعت میں داخل ہوگی یا نہیں ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کے لیے اپنے چہرہ کے غیر ضروری بال صاف کرنا درست اور جائز ہے۔ حدیث شریف میں ممانعت بھوؤں کو باریک کرنے اور خط بنانے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

إذا نبتت للمرأة لحية أو شوارب فلا يحرم بل يستحب عندنا والنهى إنما هو فى الحواجب وما في أطراف الوجه . (عمدة القارى:۱۳/۳۸۸ ، باب وماآتاكم الرسول فخذوه، كتاب التفسير، ط: دارالحديث ملتان).

فتاوی الشامی میں ہے:

وفي تبيين المحارم : إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم إزالته بل تستحب ، وفى التاتارخانية عن المضمرات : ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث ومثله فى المجتبى، تأمل. (فتاوى الشامى: ۶/۳۷۳، سعيد).

(و كذا فى مرقاة المفاتيح : ۸/۲۸۹، باب الترجل ، ط: امداديه ملتان، والبحرالرائق: ۸/۲۳۳، دارالمعرفة، والفتاوى الهندية : ۵/۳۵۸، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص۵۲۷، ط: قديمى).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

عورت کے لیے چہرے کے بال صاف کرنا جائز ہے، اور اگر ڈاڑھی یا مونچھ کے بال نکل آئیں تو ان کا ازالہ مستحب ہے۔ نامصہ اور متنمصہ پر لعنت کا مورد یہ ہے کہ ابرو کے اطراف سے بال اکھاڑ کر باریک دھاری بنائی جائے، **کما یدل علیه التعلیل بتغییر خلق اللّٰه** ۔ ابرو بہت زیادہ پھیلے ہوئے ہوں تو ان کو درست کر کے عام حالت کے مطابق کرنا جائز ہے۔ غرضیکہ تزیین مستحب اور ازالہ عیب کا استحباب نسبۃً زیادہ مؤکد ہے اور تلبیس اور تغییر خلق ناجائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۷۵)۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

خواتین کو اپنے چہرے کے غیر معتاد بال مثلاً ڈاڑھی، مونچھ، پیشانی وغیرہ کے بال یا کلائیوں اور پنڈلیوں کے بال صاف کرنا جائز ہے۔ البتہ ان زائد بالوں کو نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کیونکہ اس میں بلا وجہ اپنے جسم کو اذیت دینا ہے، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ (فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم، ص ۴۰۷)۔

حدیث شریف کی مزید وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سفید بال چننے کا حکم:

سوال: اگر جوان آدمی کے سر میں چند سفید بال آجائیں تو ان کا چننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ نوجوان آدمی کے سر میں چند بال سفید آجائیں کسی بیماری یا دوائیوں کی وجہ سے تو ان کا چننا بطورِ ازالہ عیب جائز ہے۔ ہاں بطورِ زینت ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفی الخلاصة عن المنتقی کان أبو حنیفةؒ لا یکره نتف الشیب إلا علی وجه التزین، وینبغي حمله علی القلیل أما الکثیر فیکره لخبر أبي داود: لا تنتفوا الشیب فإنه نور المسلم یوم القیامة . (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص٥٢٦، باب الجمعة،قدیمی، وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر:٤/٢٠٣).

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **قال بعض العلماء: لایکره نتف الشیب إلا علی وجه التزین .**

(مرقاة المفاتیح : ٨/٣٠٦، باب الترجل ، ط: امدادیه ، ملتان).

قال فی الدرالمختار: ولا بأس بنتف الشیب. وفي رد المحتار: قیده فی البزازیة بأن لایکون علی وجه التزین . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٤٠٧، سعید).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

ازالہ عیب کے لیے سفید بال چننا جائز ہے اور قبل از وقت بالوں کا سفید ہونا عیب ہے لہذا جائز ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ :۸/۱۸۳، طبع قدیم)۔

اور ابوداود شریف کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ سفید بال نہیں نکالنا چاہئے تو علامہ طحطاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سفید بال زیادہ ہوجائیں تو حدیث کی بنا پر ممنوع ہے۔ ورنہ ازالہ عیب درست ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

گنجے کے سر پر بال لگانے کا حکم:

سوال: ایک آدمی کے سر پر سے بال نکل چکے ہیں کسی بیماری کی وجہ سے، اور گنجا ہو چکا ہے تو اس کے سر پر مصنوعی بال لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ گنجے کو ازالہ عیب کی خاطر اس کے اپنے بال لگانا یا پلاسٹک کے بال لگانا جائز اور درست ہے البتہ کسی دوسرے انسان کے بال لگانا ناجائز ہے پھر وضو اور غسل میں اگر ان کی جڑوں میں پانی پہنچ جاتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اگر نکالنا ممکن ہو تو نکال کر پانی پہنچانا ضروری ہوگا اور اگر نکالنا مشکل ہو تو اس پر سے پانی بہا دینا یا اس پر مسح کر لینا کافی ہو جائیگا۔

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم، بی بی، ایس) لکھتے ہیں:

بالوں کی پیوندکاری (Hair Transplantation) اس کے عقلاً دو طریقے ممکن ہیں:

(۱) کسی دوسری جگہ سے بال کو جڑ سمیت نکال کر سر کی کھال میں گاڑ دیا جائے یعنی (Implant) کر دیا جائے اگر اپنے ہی جسم کے بال ہوں تو یہ جائز ہے۔ اور اگر کسی دوسرے شخص سے بال حاصل کیے جائیں تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ایک شخص کے بال دوسرے شخص کو لگانا جائز نہیں ہے، اور اگر دوسرے سے بال عوض میں خریدے ہوں تو یہ دوسری خرابی ہوئی۔

(۲) کسی دوسری جگہ سے بال سمیت کھال اتار کر سر کی کھال کو کھرچ کر اس کے ساتھ لگا دی جائے، اگر اپنے ہی جسم کی کھال ہو تو جائز ہے اور اگر دوسرے کے جسم کی کھال ہو تو جائز نہیں ہے۔

☆ Hair by Hair process

اس طریقہ میں ایک مصنوعی جھلی یا جلد میں انسانی بال قدرتی انداز سے پیوستہ کر دیئے جاتے ہیں، اس وجہ سے بالوں کا کوئی بھی اسٹائل بنایا جا سکتا ہے، اس مصنوعی جھلی یا جلد میں مسام (pores) بھی ہوتے ہیں جن کے راستہ سے پسینہ اور پانی کا اخراج ہوتا ہے، سر پر اگر کچھ قدرتی اصلی بال لگے ہوں تو ان کو ایک خاص مطلوبہ حد تک کتر دیا جاتا ہے پھر اس جھلی کو ایک خاص محلول (liquid) کے ذریعہ سر کے اصل بالوں کے ساتھ ان کی جڑوں تک جوڑ دیا جاتا ہے، یہ (liquid) واٹر پروف ہوتا ہے یعنی یہ پانی کو جذب نہیں کرتا اور اصل بالوں تک پانی کو پہنچنے سے روکتا ہے، جھلی لگانے کے بعد دو مہینے آسانی سے نکل جاتے ہیں جب تک کہ نیچے قدرتی بال بڑھ

نہ جائیں، جب بال نیچے سے بڑھ جاتے ہیں تو جھلی اتار کر سر پر موجود اصل بالوں کو مطلوبہ حد تک کتر کر جھلی کو دوبارہ چپکا دیتے ہیں۔ (مریض اور معالج کے اسلامی احکام، ص۳۸۶)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ عذر سر کے کچھ بالوں کا حلق کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے حجامت کی وجہ سے سر کے کچھ بال صاف کیے، تو یہ شخص حلق بعض الرأس کے گناہ میں مبتلا ہوا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ عذر کی وجہ سے کچھ بال صاف کرنے سے گناہ نہیں ہوگا، ہاں اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تمام سر کا حلق کرالے تا کہ بدنما صورت بنانے سے بچ جائے۔

حدیث شریف میں بعض کے حلق کی ممانعت وارد ہوئی ہے جب کہ بطورِ فیشن ہو۔ ملاحظہ ہو:

روى البخاري بسنده عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع. (۸۷۷/۲، رقم: ۵۹۲۱، باب القزع، كتاب اللباس).

وفي رواية لمسلم عنه قال: قلت لنافع: وما القزع قال يحلق بعض رأس الصبى ويترك بعض. (رواه مسلم، رقم: ۲۱۲۰، باب كراهة القزع).

عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وقال النوويؒ في شرح مسلم: أجمع العلماء على كراهة القزع إذا كان في مواضع متفرقة إلا أن يكون لمداواة ونحوها وهي كراهة تنزيه. (عمدة القارى: ۱۰۷/۱۵، باب القزع).

(وكذا فى شرح مسلم، وفتح البارى: ۳٦٥/۱۰، ومرقاة المفاتيح: باب الترجل).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

يكره القزع وهو أن يحلق البعض ويترك البعض قطعاً مقدار ثلاثة أصابع كذا فى الغرائب وعن أبي حنيفةؒ يكره أن يحلق قفاه إلا عند الحجامة كذا فى الينابيع. (الفتاوى الهندية: ۳۵۷/۵).

حجامہ میں مقصود حلق نہیں ہے بلکہ تابع ہے اور بطورِ فیشن حلق مقصود ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو حلق موضع المحاجم فعليه دم في قول أبي حنيفةؒ وقال أبويوسف ومحمد فيه

صدقة ، وجه قولهما أن موضع الحجامة غير مقصود بالحلق بل هو تابع فلا يتعلق بحلقه دم ... لأنه إذا لم يكن مقصوداً بالحلق لا تتكامل الجناية بحلقه. (بدائع الصنائع: ۲/۱۹۳،سعید).

البتہ آج کل غیر مسلم قوموں کی تقلید میں مسلمان نوجوان اور بچے اس فیشن میں مبتلا ہیں، اور اس فعل میں اوباش قسم کے لوگوں کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے، بنابریں یہ طریقہ مکروہِ تحریمی ہے۔اس سے بچنا چاہئے۔

چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فتاویٰ رشیدیہ میں فرماتے ہیں:

بعض سر کے بال لینے اور بعض چھوڑنے مکروہ ہیں: **تحريماً لقوله عليه السلام نهى عن القزعة . الحديث** ۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص۶۳۰)۔واللہ ﷻ اعلم۔

سر کے بالوں کا حلق کرنے کا حکم:

سوال: عام حالات میں سر کے بالوں کا رکھنا بہتر ہے یا حلق کرنا، اکابرین کا طریقہ حلق کا رہا ہے، حدیث وفقہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر بالوں کا رکھنا ہو تو کیسے رکھنا چاہئے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اہل باطل کا شعار حلق بتلایا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کتبِ احادیث کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول سر کے موئے مبارک رکھنے کا تھا، ہاں مونڈنا بھی ثابت ہے لیکن فقط حج،عمرہ کے وقت اس کے علاوہ ثابت نہیں ہے، پھر بال رکھنے سے متعلق تین قسم کی کیفیات دستیاب ہوتی ہیں: (۱) وفرہ:۔نصف کانوں تک۔(۲) لمہ:۔وہ بال ہیں جو کان کی لو سے نیچے ہوں۔(۳) جمہ:۔وہ ہے جو دونوں مونڈھوں تک ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چار مرتبہ اپنے سر مبارک کا حلق کرانا ثابت ہے:(۱) حدیبیہ میں۔(۲) عمرۃ القضاء میں۔(۳) عمرۂ جعرانہ میں۔(۴) حجۃ الوداع میں۔ان مواقع کے علاوہ ثابت نہیں ہے۔(شمائلِ کبریٰ،جلدِ دوم،ص۳۲۶)۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ بال رکھنے سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک طریقہ اور سنت،سنن عادیہ کے قبیل سے ہے یعنی مسلمان کو اپنی زندگی میں اپنانا چاہئے،لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے تو خلافِ سنت کرنے والا یا مکروہ کا ارتکاب کرنے والا نہیں کہلائیگا۔ہاں اس پر سنت کی نیت سے عمل پیرا ہونے پر اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

روی البخاری بسنده عن أبي قتادة رضی اللہ عنہ قال: سألت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ عن شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال: کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رجلاً لیس بالسبط ولا الجعد بین أذنیه وعاتقه . (رقم: ٥٩٠٥).

وفي روایة له عنه کان یضرب شعر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم منکبیه . (٥٩٠٤).

وروی مسلم بسنده عن أنس رضی اللہ عنہ کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلی أنصاف أذنیه . (رقم: ٢٣٣٨، باب صفة شعر رسول الله صلی الله علیه وسلم).

وفي روایة لأبي داود عنه قال: کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلی شحمة أذنیه . (٤١٨٧).

وعن عائشة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه قالت: کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فوق الوفرة ودون الجمة . (رواہ ابوداود: ٤١٨٩).

وفي روایة لأحمد عنه ، قال: کان شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لا یجاوز أذنیه . (اخرجه احمد، رقم: ١٢٦٠١).

الجمة : الشعر النازل علی المنکبین .

الوفرة : شعر الرأس إذا بلغ شحمة الأذن .

واللمة : یجاوز شحمة الأذن ، فإذا بلغ المنکبین فهو جمة. (عمدة القاری: ٩٩/١٥، دارالحدیث ، ملتان، و اکمال المعلم: ٣٠٤/٧).

حلق کرانا فی نفسہ جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وقد ثبت في سنن أبي داود بإسناد علی شرط البخاری ومسلم أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رأی صبیاً قد حلق بعض رأسه فقال: احلقوه کله أو اترکوه کله وهذا صریح في إباحة حلق الرأس لا یحتمل تأویلاً ، قال أصحابنا: حلق الرأس جائز بکل حال لکن إن شق علیه تعهده بالدهن والتسریح استحب حلقه وإن لم یشق استحب ترکه . (شرح السیوطی لسنن النسائی: ١٢١/٧، مکتب المطبوعات الاسلامیة، حلب).

(وکذا قاله الامام النووی فی شرح صحیح مسلم : ١٦٧/٧، ط: داراحیاء التراث).

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مداومت کے ساتھ حلق کرانا ثابت ہے۔ملاحظہ ہو:

عن زاذان عن علي رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: من ترك موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل بها كذا وكذا من النار، قال علي رضی اللہ عنہ: فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، فمن ثم عاديت رأسي، وكان يجز شعره. (رواه ابوداود، رقم: ٢٤٩).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف مرفوعاً؛ عطاء بن السائب اختلط بأخرة و حماد بن سلمة سمع منه قبل الاختلاط و بعده، و الذى يغلب على الظن أنه مما سمعه منه بعد الاختلاط، ويؤيده أن شعبة صرح بأنه سمع من عطاء حديثين بأخرة، وذكر هذا الحديث منهما... وقد روى هذا الحديث عن عطاء حماد بن زيد وقد سمع منه قبل الاختلاط فوقفه على علي رضی اللہ عنہ، ذكر ذلك الدارقطنى فى العلل. انظر: (تعليقات الشيخ شعيب على سنن ابى داود: ١/١٨١/٢٤٩).

عون المعبود میں ہے:

واستدل بحديث علي رضی اللہ عنہ هذا جواز حلق الرأس ولو دواماً ويدل على جواز حلق الرأس حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم رأى صبياً ...الخ. (عون المعبود: ١/٢٩١، باب الوضوء بعدالغسل).

قال الملا على القارى فى المرقاة: قال الطيبى: وفيه: أن المداومة على حلق الرأس سنة لأنه قرره ولأن علياً رضى اللّٰه تعالىٰ عنه من الخلفاء الراشدين الذين أمرنا بمتابعة سنتهم. (انتهى كلامه). ولا يخفى أن فعله كرم اللّٰه وجهه إذا كان مخالفاً لسنته عليه الصلاة والسلام وبقية الخلفاء من عدم الحلق إلا بعد فراغ النسك يكون رخصة لا سنة. واللّٰه تعالىٰ أعلم، ثم رأيت ابن حجرؒ نظر في كلام الطيبيؒ وذكر نظير كلامي وأطال الكلام فيه.

(مرقاة المفاتيح: ٢/ ٣٨، باب الغسل، امداديه، ملتان). (وكذا فى بذل المجهود: ٢/٢٧٥، دارالبشائر الاسلامية).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں:

قال فى الفتاوى الهندية: ويستحب حلق الرأس في كل جمعة، كذا فى الغرائب.

(الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٧).

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وأما حلق الرأس ففي التاتارخانية عن الطحاويؒ : أنه سن عند ائمتنا الثلاثة ، وفي روضة الزندويستي: السنة في شعر الرأس إما الفرق، وإما الحلق ، يعني حلق الكل ، إن أراد التنظيف، أو ترك الكل ليدهنه ويرجله ويفرقه لما في أبي داود والنسائي عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رأى صبياً حلق بعض رأسه وترك بعضه...وفي الغرائب: يستحب حلق الشعر في كل جمعة . (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص٥٢٥، قديمي) .

قال في المغني لابن قدامة : واختلفت الرواية عن أحمد في حلق الرأس فعنه أنه مكروه لما روى عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال في الخوارج سيماهم التحليق، فجعله علامة لهم وقال عمر لصبيغ لو وجدتك محلوقاً لضربت الذى فيه عيناك بالسيف وروي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: لا توضع النواصي إلا في حج أوعمرة ، رواه الدار قطني في الافراد وروى أبوموسى عن النبى صلى الله عليه وسلم : ليس منا من حلق رواه أحمد وقال ابن عباس رضي الله عنه: الذى يحلق رأسه في المصر شيطان قال أحمد كانوا يكرهون ذلك وروى عنه لا يكره ذلك لكن تركه أولىٰ وأفضل...قال ابن عبدالبر: وقد أجمع العلماء على إباحة الحلق وكفى بهذا حجة . (المغنى : ١/٧٣، فصل:حكم حلق الشعر، بيروت).

الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے:

اختلف الفقهاء في حلق الرأس :فذهب الحنفية إلى أن السنة في شعر الرأس بالنسبة للرجل إما الفرق أوالحلق ، وذكر الطحاويؒ أن الحلق سنة . وذهب المالكية كما جاء في الفواكه الدواني إلى أن حلق شعر الرأس بدعة غير محرمة...ويرى الشافعية أنه لا بأس بحلق جميع الرأس لمن أراد التنظيف. واختلفت الرواية عن أحمد في حلق الراس : فعنه أنه مكروه...وروى عنه أنه لايكره ذلك ، لكن تركه أولىٰ . (الموسوعة الفقهية :١٨/٩٥، احكام الحلق).

حافظ ابن تیمیہؒ نے حلق کے بارے میں بہترین تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

حلق الرأس على أربعة أنواع: أحدها: حلقه في الحج والعمرة فهذا مما أمر اللّٰه به ورسوله وهو مشروع ثابت بالكتاب والسنة وإجماع الأمة ...

والنوع الثاني : حلق الرأس للحاجة مثل أن يحلقه للتداوي فهذا أيضاً جائز بالكتاب والسنة والإجماع ...

النوع الثالث : حلقه على وجه التعبد والتدين والزهد ، من غير حج ولا عمرة مثل ما يأمر بعض الناس التائب إذا تاب بحلق رأسه...فهذا بدعة لم يأمر اللّٰه بها ولا رسوله ؛ وليست واجبة ولا مستحبة عند أحد من أئمة الدين ...

والنوع الرابع : أن يحلق رأسه في غير النسک لغير حاجة ولا على وجه التقرب والتدين ، فهذا فيه قولان للعلماء هما روايتان عن أحمد ، أحدهما : أنه مكروه وهومذهب مالک وغيره ، والثاني: أنه مباح ، وهو المعروف عند أصحاب أبي حنيفةؒ والشافعي ...الخ . (مجموع الفتاویٰ:۲۱/۱۱۶۔۱۱۹، دارالوفاء).

مذکورہ بالاعبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ سر کے حلق کی چار صورتیں ہیں:

(۱) حج،عمرہ میں جوقرآن حدیث سے ثابت ہے۔

(۲) کسی مرض کی وجہ سے علاجاً، یہ بھی جائز ہے۔

(۳) حج عمرہ کے علاوہ کسی اور مقام پر مثلاً گناہ سے توبہ کے وقت عبادت سمجھ کر حلق کرنا یہ بدعت ہے۔ جیسا کہ بعض فرقے عبادت سمجھتے ہیں۔

(۴) عام حالات میں حلق کرنا، نہ قربت کی نیت ہواور نہ ضرورت ہوتو علماء کے دوقول ہیں:

(الف) مکروہ اور یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

(ب) جائزاور مباح اور یہ اصحاب ِابی حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

اکابر کے فتاویٰ ملاحظہ کیجئے:

امدادالفتاویٰ میں ہے:

بال رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بطورِ عادت کے ہے، نہ بطورِ عبادت کے،اس لیے اولیٰ ہونے میں توشبہ نہیں، مگراس کے خلاف کوخلافِ سنت نہ کہیں گے،اگر چہ حضرت علیؓ کی حدیث بھی نہ ہوتی چہ جائیکہ وہ حدیث

بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ فرمانا یقینی دلیل ہے بال نہ رکھنے کی، جواز بلا کراہت کے اور خلافِ سنت نہ ہونے کے، پس جس حالت میں بالکل منڈادینا جائز ہے تو قصر کرانے میں کیا حرج ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۴/۲۲۴)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/۳۳۲-۳۴۳، وفتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۳۱-۴۳۳، مع التعلیقات، جامعہ فاروقیہ)۔

چنانچہ مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں اکابر کا عمل حلق کرانا درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر رہا ہے:

(۱) حلق کرانا خلافِ سنت نہیں۔ (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے مزید تائید ہوتی ہے۔ (۴) دینی امور میں مشغولیت کی بنا پر بال کی صفائی، ستھرائی کا موقع نہ ہونے کی وجہ سے حلق کرانے میں آسانی ہے۔

البتہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں بال رکھنا افضل اور اولیٰ ہے اور بال رکھنے کے مذکورہ بالا تین طریقے مستحب ہیں: وفرہ، لمہ، اور جمہ۔

اہل باطل کی علامت کے بارے میں محدثین نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ چند حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

☆ اہل باطل حلق کو عبادت اور دین کی علامت سمجھ کر کرتے ہیں۔

☆ حلق کو واجب سمجھتے ہیں۔

☆ امام نوویؒ نے فرمایا کہ حلق کو ان کی علامت قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حلق حرام ہو۔ (شرح صحیح مسلم)۔

☆ ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ وہ حلق میں مبالغہ کرتے ہیں یہ ان کی علامت ہے۔ (مرقات:۷/۱۱۳)۔

☆ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے دنیا کی زینت کو چھوڑ دیا اس پر لوگ ان کی علامت حلق بنادینگے۔ (شرح السیوطی علی النسائی)۔

☆ عبدالمحسن عباد نے ابوداود شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ ان کی مشابہت کرتے ہوئے حلق کرایا جائے تو مذموم ہے ورنہ نہیں۔ (شرح ابی داود:۲۳/۲۶۴)۔

☆ بعض حضرات کہتے ہیں کہ خوارج کا نشان حلق اللحیہ اور مؤخرالرأس تھا۔ امام سیوطیؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے: **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن حلق القفا إلا عند الحجامة۔**

تعلیق میں ہے: **للطبرانی الکبیر عن عمر حدیث ضعیف، الجامع الصغیر، رقم:۷۹۶،** ایک روایت میں خوارج کی نشانی کے بارے میں **یحلقون أقفیتهم** ،آیا ہے یعنی گدی کے بالوں کو منڈواتے ہیں اس کی تفصیل شیخ غماری نے الاختراعات میں لکھی ہے۔نیز دیکھئے:(مجمع الزوائد:۲۱۲/۶،دارالفکر). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بالوں میں تقصیر کرانے کا حکم:

سوال: کیا بالوں کو ایک خاص مقدار میں کٹوا سکتے ہیں یعنی بالکل حلق مراد نہیں بلکہ تقصیر یعنی کم کرنا اس طور پر کہ تمام سر کے بال بالکل برابر ہو جائیں کہیں بڑے چھوٹے نہ رہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ کا معمول بالوں سے متعلق رکھنے کا تھا، حلق کرنا فقط حج عمرہ کے موقع پر ثابت ہے، بنابریں بال رکھنا مستحب اور اولیٰ ہے، ہاں پورے سر کا حلق کرانا بھی جائز ہے جیسا کہ بعض صحابہ کرام کا معمول تھا، اور دونوں کے درمیان مثلاً کم کروانا جب کہ پورے سر کے بال بالکل برابر ہوں چھوٹے بڑے نہ ہوں تو یہ بھی جائز اور مباح ہے، البتہ چھوٹے بڑے رکھنا جیسا کہ آج کل فیشن ہے یہ ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

...پس جس حالت میں بالکل منڈا دینا جائز ہے تو قصر کرانے میں کیا حرج ہے، **للإجماع على تساوى حكم القصر والحلق لشعر الرأس في مثل هذا الحكم وإلى التساوى أشير بقوله تعالى: ﴿محلقين رؤوسكم ومقصرين﴾** واللہ تعالیٰ اعلم۔(امداد الفتاویٰ:۲۲۴/۴)۔

حضرتؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

جوازِ تقصیر کا حج کے ساتھ مخصوص ہونا محتاجِ دلیل ہے، اور شاید کسی کو شبہ ہو کہ اس کی نسبت **يأخذ من كل شعرة قدر الأنملة** لکھا ہے، تو سمجھنا چاہئے کہ یہ مقدار ادنیٰ کی ہے، مقصود نفی زائد کی نہیں ہے، چنانچہ ردالمحتار میں بدائع سے نقل کیا ہے: **قالوا: يجب أن يزيد في التقصير على قدر الأنملة.الخ** ،اور اسی طرح ربع کی تخصیص بیانِ ادنیٰ کے لیے ہے، چنانچہ درمختار میں تصریح ہے: **وتقصير الكل مندوب** پس وہ شبہ رفع ہو گیا، اور فارق منتفی ہے لہذا جواز عام ہے۔(امداد الفتاویٰ:۲۲۵/۴، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کو مروہ کے پاس قینچی سے تراشا ہے۔(مسلم،ص ۴۰۸،طبرانی)۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قینچی کا استعمال اور اس سے بال تراشنا کم کرنا خلافِ سنت نہیں ہے، مگر خیال رہے کہ کسی جگہ کم اور کسی جگہ زیادہ کاٹنا، جیسا کہ انگریزی بالوں میں ہوتا ہے یہ ناجائز ہے، ہر طرف کے بال یکساں کٹنے چاہئے۔ (شمائل کبریٰ، جلدِ دوم، ص ۳۲۸، ط: زمزم)۔

بالوں کے بارے میں شرعی حدود:

☆ بال رکھنا افضل اور مستحب ہے، اتباعِ سنت کی نیت سے باعثِ ثواب ہے۔

پھر اس کے تین طریقے ہیں:

(۱) کانوں کی لو تک اس کو وفرہ کہتے ہیں۔

(۲) کانوں کی لو اور کندھوں کے درمیان تک اس کو لمہ کہتے ہیں۔

(۳) کندھوں تک اس کو جمہ کہتے ہیں۔ ان میں سب سے افضل پہلی صورت ہے پھر دوسری پھر تیسری، اور یہ تینوں احادیث سے ثابت ہیں۔ تفصیل ماقبل میں مذکور ہوئی۔

☆ پورے سر کا حلق جائز ہے، علامہ طیبیؒ نے سنت کہا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دائمی عمل کی وجہ سے، اور امام طحاویؒ بھی اسی طرف گئے ہیں، لیکن کچھ منڈانا اور کچھ ترک کرنا ناجائز ہے۔

☆ بالوں کی وضع میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے۔

☆ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی وضع قطع اور مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے۔

☆ بال رکھنے کی صورت میں ان کی صفائی، ستھرائی، تیل کی مالش، کنگھا، وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

☆ بالوں کے سنوارنے میں حد سے زیادہ تکلف وتصنع ممنوع ہے۔

☆ پورے سر کے بالوں کو برابر کاٹنا جائز اور درست ہے، کسی جگہ بڑے چھوٹے کرنا ناجائز ہے۔

☆ بال رکھنے کی صورت میں جوڑا بنانا درست نہیں ہے، خصوصاً نماز میں کراہت شدید ہے۔

☆ مردوں کو کندھوں سے نیچے بال رکھنا ممنوع ہے، حدیث شریف میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مرد کا اپنے بالوں کی چوٹی بنانے کا حکم:

سوال: کیا کسی مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ صلاۃ یا خارجِ صلاۃ میں اپنے بالوں کو چوٹی کی شکل میں بنالے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مرد کا اپنے بالوں کو چوٹی کی شکل میں بنانا نماز اور خارجِ نماز دونوں حالتوں میں مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہوالا بواب والتراجم میں ہے:

والأوجه عندي أن النهي عن كف الشعر عند الإمام مطلق سواء فعله قبل الصلاة أو فيها لكونه معقد الشيطان والنهى عن كف الثوب عنده مقيد بالصلاة فكأنه مال فى ذلك خاصة إلى ما جنح إليه الداودى، فقد قال العينيؒ فى باب السجود على سبعة أعظم تحت قوله صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يكف شعراً ولا ثوباً فيه كراهة كف الثوب والشعر وظاهر الحديث النهى عنه في حال الصلاة وإليه مال الداودى خلاف ما عليه الجمهور فإنهم كرهوا ذلك للمصلى سواء فعله فى الصلاة أو قبل أن يدخل فيها واتفقوا على أنه لايفسد الصلاة ، من هامش اللامع . (الابواب والتراجم للشيخ محمدزکریاؒ: ۹۶/۱،باب باب عقدالثياب وشدها، سعيد).

شمائل کبریٰ میں ہے:

حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے بال مبارک کے چار حصے چوٹیوں کی شکل پر تھے۔

فائدہ: کبھی بال اتنے لمبے ہوجاتے کہ ان کی چوٹیاں (مینڈھیاں) بھی بن جاتیں، خیال رہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی حالت نہ تھی، حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا کہ سفر کی حالت میں ایسا ہوگیا تھا۔ (فتح الباری: ۳۶۰/۱۰)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کے بڑھنے پر نکیر فرمائی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح رکھتے۔ چوٹیاں بھی ایسی نہ تھیں جیسی عورتوں کی ہوتی ہیں کہ مردوں کو عورتوں کی طرح چوٹیاں ممنوع ہیں۔ (شمائل کبریٰ، جلدِ دوم، ص ۳۲۵، ط: زمزم)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: مرد کے لیے بالوں کا جوڑا باندھنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۸۷/۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کا اپنے بالوں میں گرہ لگانے کا حکم:

سوال: عورتوں کا نماز میں یا خارجِ نماز میں اپنے سر کے بالوں کا پیچھے کی جانب گچھا بنانا درست

ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بوقتِ ضرورت جائز ہے اور بلاضرورت مکروہ ہے۔اورضرورت میں سے ایک یہ بھی ہے عورتیں اکثر غسل کے وقت بالوں کو دھونے کے بعد اوپر کی جانب گچھا بنا لیتی ہیں تا کہ بدن اور کپڑے پانی کے قطروں سے محفوظ رہیں تو یہ درست ہے،جیسا ازواجِ مطہرات کے بارے میں حدیث میں موجود ہے۔ملاحظہ ہو مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي سلمة بن عبدالرحمن قال: دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنا وأخوها من الرضاعة فسألها عن غسل النبى صلى اللّٰه عليه وسلم من الجنابة فدعت بإناء قدر الصاع فاغتسلت وبيننا وبينها ستر وأفرغت على رأسها ثلاثاً قال: وكان أزواج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يأخذن من رؤوسهن حتى تكون كالوفرة . (رواه مسلم : ۱/۱۴۸، ديوبند).

شراح نے حدیثِ بالا کے بہت سارے مطالب بیان کیے ہیں لیکن آسان اور بے غبار مطلب وہ ہے جس کو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں بیان فرمایا ہے:

قلت: وعندى المراد بالحديث أن نساء النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كن يقصصن شعورهن المسترسلة ، يعقدنها على القفا، أو على الرأس من غير أن يتخذنها قروناً وضفائر، حتى تكون كالوفرة في عدم مجاوزتها من الأذنين ،كما يفعله كثيرمن العجائز والأيامى فى عصرنا، بل عامة النساء فى حالة الاغتسال بعد غسل الرأس، فإن الشعور الطويلة لو استرسلت على حالها فإيصال الماء إلى البدن المستور تحت الشعور المسترسلة لايخلو عن كلفة ومشقة . (فتح الملهم : ۳/۱۵۶، باب قدرالمستحب من الماء، مكتبة دارالعلوم كراچى).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے بالوں کا گچھا بنا کر گدی پر رکھنا جائز ہے،ہاں مرد کے لیے ایسا کرنا بالکل مکروہ ہے۔ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وكره عقص شعره أى ضفره وفتله...لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم أمرت أن أسجد على سبعة وأن لا أكف شعراً ولا ثوباً والظاهر أن الكراهة للتحريم ولا صارف ولا فرق بين أن يتعمده للصلاة أولا بحر، قوله ولوبجمعه أوبلف ذوائبه حول رأسه كما تفعله النساء أو بجمعه من قبل القفا ومسكه بخيط أو خرقه غاية وأما ضفره مع إرساله فلا يكره ، أبو

السعود عن ابن العز. (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۷۱،ط: کوئته). (وکذا فی الفتاوی الهندية: ۱/۱۰٦، والبحرالرائق: ۲/۲۳، کوئته،وتبيين الحقائق: ۱/۱٦٤،وفتاوی الشامی: ۱/٦٤۲،سعيد).

مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (رواه مسلم،رقم: ۲۱۲۸،باب النساء الکاسيات عاريات).

علامہ نوویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

واختار القاضى أن المائلات تمشطن المشطة الميلاء قال: وهي ضفر الغدائر وشدها إلى فوق وجمعها في وسط الرأس فتصير كأسنمة البخت قال: وهذا يدل على أن المراد بالتشبيه بأسنمة البخت إنما هو لارتفاع الغدائر فوق رؤوسهن وجمع عقائصها هناك.

(شرح صحيح مسلم: ۱۷/۱۹۱، داراحياء التراث العربی).

عورتوں کا گدی پر نیچے کی جانب جوڑا بنانا جائز اور درست ہے جبکہ مرد کے لیے مطلقاً مکروہ ہے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ میں ہے:

گدی پر جوڑا باندھنا جائز ہے، بلکہ حالتِ نماز میں افضل ہے اس لیے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۷۵)۔

امدادالاحکام میں ہے:

عورت کے لیے بالوں کا جوڑا باندھنا مکروہ نہیں۔ **قال فی ردالمحتار روی الطبرانی** (رقم: ۹۹۰، واخرجه احمد، رقم: ۲۳۸۵٦، وغيره) **أنه عليه الصلاة والسلام نهى أن يصلى الرجل ورأسه معقوص** اس میں ممانعت مردوں کو ہے۔ **قال العزيزى وإسناده صحيح. وفى حاشية الخفى خرج المرأة والخنثى فيطلب عقص شعرهما لطلب المبالغة فى سترهما، قلت: وقواعدنا لا تأباه۔ واللّٰه أعلم۔** (امدادالاحکام: ۴/۳۳۷)۔ مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ تاتارخانیہ: ۱/۵٦۱، وشرح النقایہ: ۱/۳۰۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

چھوٹی بچیوں کے بال کاٹنے کا حکم:

سوال: چھوٹی بچیوں کے بال کٹوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہو تو کس عمر تک کٹوا سکتے ہیں؟

الجواب: حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ فرماتے تھے کہ چھوٹی بچیوں کے بال کاٹنے کا مقصد بالوں کا بڑھانا ہوتا ہے، اگر اس مقصد سے کاٹے جائیں تو جائز اور درست ہے، البتہ غیر اقوام کے ساتھ مشابہت میں کاٹے جائیں تو ناجائز ہے، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے نو سال تک بچیوں کے بال کاٹنے کی اجازت دی ہے۔

لیکن آج کل عام طور پر لوگ مغربی تہذیب کی تقلید میں اپنی بچیوں کے بال کٹواتے ہیں یہ ناجائز ہے اس سے باز آنا چاہئے، اور اس کی علامت یہ ہے کہ بال سب طرف سے برابر نہیں ہوتے بلکہ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں، اور حدیث شریف کی روشنی میں یہ مکروہِ تحریمی ہے۔

حدیث شریف میں سر کے بعض حصہ کے حلق کی ممانعت وارد ہوئی ہے جب کہ بطورِ فیشن ہو۔ ملاحظہ ہو:

روى البخاري بسنده عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع. (رقم: ۵۹۲۱، باب القزع).

فتاویٰ بینات میں ہے:

بالغ اور قریب البلوغ لڑکیوں کے بال کٹوانا جائز نہیں، البتہ ایسی بچیاں جو چھوٹی ہوں، قریب البلوغ نہ ہوں تو خوبصورتی یا کسی جائز مقصد کے لیے ان کے بال کٹوانا جائز ہے تاہم ارادی طور پر کافروں یا فاسقوں کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔ (فتاویٰ بینات: ۴/۴۰۶)۔

امداد الاحکام میں ہے:

قال الطحطاوي في حاشيته على مراقي الفلاح قال في السراج: الصغير جداً لا تكون له عورة ولا بأس بالنظر إليها ومسها، (ص۱۳۹). **وفي الدر: لا عورة للصغير جداً ثم مادام لم يشته فقبل ودبر ثم تغلظ إلى عشر سنين ثم كبالغ. قال الشاميؒ: قوله الصغير جداً قال: وفسره شيخنا بابن أربع فما دونها ولم أدر لمن عزاه، وحد الاشتهاء يعتبر بحال كل صبي وصبية فإذا بلغ حد الشهوة و قدره بعضهم بسبع وبعضهم بتسع وسيأتي في باب الإمامة**

تصحيح عدم اعتباره بالسن بل المعتبر أن تصلح للجماع بأن تكون عبلة ضخيمة فله حكم البالغين فيجب على الولى أن يأمره بستر العورة هذا ماعلمته من كلام الشامى. (۱/۴۲۳).

ان جزئیات سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی ستر عورت کے بارہ میں نو/ دس سال میں اور جواٹھان کی زیادہ ہو اور اس کی طرف خواہش ہونے لگی ہو تو اس سے پہلے ہی مثل بالغ کے شمار ہوتی ہے اور عورت بالغہ کو بلا عذر قوی کے سر منڈانا جائز نہیں تو جو لڑکی بالغ ہے اس کا بھی یہی حکم ہوگا اور مناسب یہ ہے کہ جب لڑکی نو برس کی ہو جائے گو قابل شہوت نہ ہوئی ہو اس کا سر نہ مونڈا جائے کیونکہ یہ اٹل مدت اس کے بلوغ کی ہے ...الخ۔(امدادالاحکام: ۳۴۱/۴، لڑکی کا سر منڈانا کس عمر تک جائز ہے)۔

مجموعہ فتاویٰ برائے خواتین میں ہے:

چھوٹی بچیوں کے بال بھی بطورِ فیشن کاٹنا ممنوع ہے۔(مفتی عبدالرحیم لاجپوری)۔(مجموعہ فتاویٰ:۲/۵۳۱، مرتب مولانا مفتی ثناء اللہ محمود صاحب، ط: دارالاشاعت)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مصنوعی بال ملانے کا حکم:

سوال: ایک عورت کے بال کثرت سے گرتے ہیں اور سر میں دھبے پڑ جاتے ہیں تو کیا ان دھبوں کو چھپانے کے لیے بقیہ بالوں کے ساتھ نقلی بال ملا سکتے ہیں؟ حنفی اور شافعی مذہب کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔اسی طرح بعض عورتیں اپنے سر پر مصنوعی بال یا اون استعمال کرتی ہیں، یہ انسانی بال نہیں ہوتے پھر اس کی دو صورتیں ہیں:۔(۱) ایک یہ ہے کہ عورتیں اپنی چوٹیوں کے آخری سرے میں رنگین اون اپنے بالوں کے ساتھ بنتی ہیں، پہلے زمانہ میں اس کا رواج تھا، اب یہ رواج ختم ہو چکا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے سر کے بالوں کے ساتھ مصنوعی بالوں کو زیادہ کرتی ہیں۔دونوں صورتوں کا حکم معلوم کرنا ہے۔بعض علماء مصنوعی بالوں کو اپنے سر پر تدلیس اور دھوکا دہی کی وجہ سے ممنوع بتلاتے ہیں۔شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل .

الجواب: مذہبِ احناف میں عورتوں کا انسانی بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑنا ممنوع اور ناجائز ہے، البتہ مذکورہ عذر کی وجہ سے پلاسٹک یا جانوروں کے بال خنزیر کے علاوہ جوڑنا اور ملانا جائز اور درست ہے۔

انسانی بالوں کو ملانے کی ممانعت صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے۔حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لعن اللّٰه الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة . (رواه البخاری،رقم: ۵۹۳۲).

ابوداود شریف کی روایت سے دھاگوں اور پلاسٹک کے بال جوڑنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

عن سعيد بن جبير قال: لا بأس بالقرامل. قال أبوداود: كأنه يذهب إلى أن المنهى عنه شعور النساء. قال أبوداود: كان أحمد يقول القرامل ليس به بأس. (ابوداود، رقم: ۴۱۷۳).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط فى تعليقاته على سنن أبي داود (رقم:۴۱۷۱) فيه: شريک بن عبد اللّٰه النخعي وهو سيء الحفظ ، ومع ذلک فقد صحح اسناده الحافظ فى الفتح (۳۷۵/۱۰). وقال فى تحرير التقريب : صدوق حسن الحديث عند المتابعة...الخ. (۱۱۴/۲).

قال الإمام البغوى في شرح السنة: قال: أبوعبيد: وقد رخصت الفقهاء فى القرامل وكل شيء وصل به الشعر مالم يكن الوصل شعراً ، فلا بأس به. (شرح السنة:۱۰۴/۱۲،المكتب الاسلامی).

وفى النهاية فى غريب الأثر: أنه رخص فى القرامل، وهي ضفائر من شعر أو صوف أو إبريسم تصل به المرأة شعرها . (النهاية:۵۱/۴، المكتبة العلمية، بيروت).

وفي شرح سنن أبي داود: والقرامل: جمع قرمل، والمراد به خيوط من حرير أو صوف تصل النساء به شعورها . (۴۶۸/۱۲). قرامل وہ ڈوری جس سے بالوں کو بنا جائے۔

موطا الامام محمد میں ہے:

أخبرنا مالک أخبرنا ابن شهاب عن حميد بن عبد الرحمن أنه سمع معاوية بن أبي سفيان عام حج وهو على المنبر يقول: يا أهل المدينة أين علماؤكم وتناول قصة من شعر كانت في يد حرسي سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ينهى عن مثل هذا ويقول: إنما هلكت بنوإسرائيل حين اتخذ هذه نساؤهم قال محمد: وبهذا نأخذ ، يكره للمرأة أن تصل شعراً إلى شعرها أو تتخذ قصة شعر ولا بأس بالوصل فى الرأس إذا كان صوفاً...وهوقول أبي حنيفة رحمه الله والعامة من فقهائنا .(المؤطا:۹۰۶/۳۲۱/۱، باب المرأة تصل شعرهابشعرغيرها، المكتبة العلمية).

کتاب الآثار میں ہے:

محمد قال: أخبرنا أبوحنيفةؒ عن حماد عن إبراهيم قال: لعنت الواصلة والمستوصلة ...قال محمد: أما الواصلة فالتي تصل شعراً إلى شعرها، فهذا مكروه عندنا، ولا بأس به إذا كان صوفاً. (كتاب الآثارلابی حنیفةؒ،ص ۳۷۸،رقم: ۸۹۵).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وكيع، عن أبي حنيفةؒ، عن الهيثم، عن أبى ثور، عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لا بأس بالوصال إذا كان صوفاً. (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۵۷٤۳/۳۰۳/۸).

وكذا رواه الإمام أبويوسف عن أبي حنيفة. (كتاب الآثار،ص ۲۳۷،رقم: ۱۰٤۹،فی الخضاب والاخذ من اللحية، دارالكتب العلمية).

تحفة الأخيار میں ہے:

قال أبوجعفر: ثم وجدنا أهل العلم جميعاً بعد أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يبيحون صلة الشعر بغيرالشعر من الصوف ومما أشبهه ويروون فى ذلک عن من قدمهم، ماحدثنا محمد بن خزيمة قال: حدثنايوسف بن عدى الكوفى قال: حدثنا شريک بن عبد اللّٰه النخعى عن جابر وهوالجعفى عن شعبة مولى ابن عباس عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لا بأس أن تصل المرأة شعرها بالصوف. (تحفة الاخيار: ۲۳۷/٦).

الدرالمختار میں ہے:

ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعرغيرها لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم...وفى الشامية: قوله سواء كان شعرها أوشعرغيرها، لما فيه من التزوير ... وفي شعر غيرها انتفاع بجزء الآدمى أيضاً، لكن فى التاتارخانية: وإذا وصلت المرأة شعر غيرها بشعرها فهومكروه، وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسفؒ، وفى الخانية ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوى الشامى : ۳۷۳/٦، سعيد).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولا بأس بذلک من شعر البهيمة وصوفها لأنه انتفاع بطريق التزين بما يحتمل

ذلک ولهذا احتمل الاستعمال في سائر وجوه الانتفاع فكذا فى التزين. (بدائع الصنائع: ۱۲۵/۵، سعید).

وفي فتاوى قاضيخان: ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوى قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية: ۴۱۴/۳).

وللاستزادة انظر: (الهداية:۵۵/۳، باب البيع الفاسد، وفتح القدير: ۶۳/۶، والبحرالرائق: ۸۸/۶، دارالمعرفة، والفتاوى الهندية: ۳۵۸/۵، وتبيين الحقائق: ۵۱/۴، ومجمع الانهر: ۸۶/۳، دارالكتب العلمية، والعناية شرح الهداية: ۳۶۱/۹، واوجزالمسالک: ۲۳/۱۷، وتكملة فتح الملهم: ۱۹۱/۴، والفقه الحنفى فى ثوبه الجديد: ۳۸۷/۵، واحسن الفتاوىٰ: ۷۵/۸، وكتاب الفتاوىٰ: ۱۵۰/۶). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مذہبِ شافعیہ میں مصنوعی بالوں کا حکم:

شافعیہ کے نزدیک انسان کے بال، حرام جانور اور مردار کے بال جوڑنا بلا اختلاف ممنوع اور ناجائز ہے۔ البتہ پاک بال اوراون وغیرہ کے ساتھ بالوں کو جوڑنے کے بارے میں ان کے یہاں تین اقوال ہیں: (۱) ناجائز امام نوویؒ نے اس کو قوی بتلایا ہے۔(۲) صرف شوہر دیدہ کے لیے جائز ہے شوہر کی اجازت کے ساتھ اور دوشیزہ کے لیے ناجائز ہے۔امام غزالیؒ نے اس کو راجح قرار دیا ہے۔(۳) بال کے علاوہ اون وغیرہ کے ساتھ جوڑنا جائز ہے جب کہ تلبیس اور خداع نہ ہو۔حافظ ابن حجرؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو امام نوویؒ المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

قال الشافعيؒ فى المختصر: ولاتصل المرأة بشعرها شعر إنسان ولا شعر مالايؤكل لحمه بحال قال أصحابنا: إذا وصلت شعرها بشعر آدمى فهو حرام بلاخلاف سواء كان شعر رجل أو امرأة وسواء شعر المحرم و الزوج و غيرهما بلا خلاف لعموم الأحاديث الصحيحة في لعن الواصلة والمستوصلة ...وإن وصلته بشعر غيرآدمى فإن كان شعراً نجساً وهوشعر الميتة وشعر ما لايؤكل إذا انفصل فى حياته فهوحرام أيضاً بلا خلاف للحديث... وسواء في هذين النوعين المرأة المزوجة وغيرها من النساء والرجال، وأما الشعر الطاهر من غير الآدمى فإن لم يكن لها زوج ولا سيد فهوحرام أيضاً على المذهب

الصحيح وبه قطع الدارمي والقاضي أبو الطيب والبغوي والجمهور وفيه وجه أنه مكروه ... وإن كان لها زوج أو سيد فثلاثة أوجه حكاها الدارمي وآخرون أصحها عند الخراسانين وبه قطع جماعة منهم إن وصلت بإذنه جاز وإلا حرم...وقول من قال بالتحريم مطلقاً أقوى لظاهر إطلاق الأحاديث الصحيحة...الخ. (شرح المهذب: ۱۳۹/۳، دارالفکر).

وفي الحاوي في فقه الشافعي: فأما التي تصل شعرها بشعر طاهر فعلى ضربين ... والضرب الثاني: أن تكون ذات زوج تفعل ذلك للزينة عند زوجها...فهذا غير حرام لأن المرأة مأمورة بأخذ الزينة لزوجها من الكحل، و الخضاب...الخ. (الحاوی الکبیر للماوردی: ۲/ ۲۵۶، دارالکتب العلمیة).

فتح الباری میں ہے: **وأما إذا وصلت شعرها بغير الشعر من خرقة وغيرها فلا يدخل في النهي وأخرج أبوداود بسند صحيح عن سعيد بن جبير قال: لا بأس بالقرامل وبه قال أحمد والقرامل جمع قرمل...نبات طويل الفروع لين والمراد به هنا خيوط من حرير أو صوف يعمل ضفائر تصل المرأة شعرها وفصل بعضهم بين ما إذا كان ما وصل به الشعر من غير الشعر مستوراً بعد عقده مع الشعر بحيث يظن أنه من الشعر وبين ما إذا كان ظاهراً، فمنع الأول قوم فقط لما فيه من التدليس وهو قوي...الخ.** (فتح الباری: ۳۷۵/۱۰،دارامعرفة، بیروت).

للمزيد انظر: (الوسیط فی المذهب للامام الغزالی: ۲/ ۱۶۹،وحاشیة اعانة الطالبین: ۷۴۴/۲). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مصنوعی بال جوڑنے میں تلبیس کا حکم:

سوال: بعض حضرات فرماتے ہیں مصنوعی بال لگانے میں التباس اوردھوکادہی ہوتی ہے اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اصل انسانی بال لگانے میں تزویراور تلبیس کا اندیشہ ہے، پلاسٹک یاڈورے وغیرہ میں یہ اندیشہ کم ہے،اسی وجہ سے فقہاء نے جہاں اون وغیرہ کا تذکرہ کیاہے وہاں تزویرکوبیان نہیں فرمایااس سے پتہ چلتاہے کہ ڈورےاوراون وغیرہ میں چونکہ بعینہٖ بال نہیں ہیں لہذا دھوکادہی کا امکان کم ہے، ہاں اگردھوکادینے ہی کے لیےکوئی استعمال کرےتوممنوع اورناجائز ہوگا۔عام طور پرمصنوعی بال لگانا زینت یاازالہ عیب کے لیے

ہوتا ہے۔ ہاں ارادی طور پر کافرات اور فاسقات کی مشابہت سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله سواء كان شعرها أوشعرغيرها ، لما فيه من التزوير ... وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسفؒ، وفى الخانية: ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوى الشامى : ٣٧٣/٦، سعيد).

مزید عبارات ماقبل میں مذکور ہوئیں، تکرار سبب طوالت ہے۔ نیز علمائے شافعیہ میں سے امام غزالیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (الوسیط فی المذہب:۲/ ۱۶۹، وفتح الباری:۱۰/ ۳۷۵)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مصنوعی بال کی ٹوپی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: وِگ جو اصلی یا مصنوعی بالوں کی ایک ٹوپی ہوتی ہے، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مصنوعی بال کی ٹوپی کا استعمال بوقتِ ضرورت درست معلوم ہوتا ہے لیکن فی زماننا تشبہ بالغیر اور مبالغہ فی الزینت اور اسراف کی وجہ سے محض تزیین وتحسین کے طور پر استعمال کرنے سے احتراز کیا جائے۔

البتہ حدیث شریف " **لعن الله الواصلة والمستوصلة** " کے پیش نظر وگ کے استعمال پر عدمِ جواز کا حکم لگانا درست نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کی عبارات سے اس حدیث کا محمل فقط انسانی بال ہیں۔

قال محمد: أخبرنا أبو حنيفةؒ قال: حدثنا الهيثم عن أم ثور عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لا بأس بالوصل فى الرأس إذا كان صوفاً قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة. (كتاب الآثار، ص ٣٧٨).

فتح القدیر میں ہے:

وهذا اللعن للانتفاع بما لايحل الانتفاع به ألا ترى أنه رخص فى اتخاذ القراميل وهو ما يتخذ من الوبر ليزيد في قرون النساء للتكثير فظهر أن اللعن ليس للتكثير مع عدم الكثرة وإلا لمنع القراميل ولا شك أن الزينة حلال قال الله تعالىٰ: قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده ، فلولا لزوم الإهانة بالاستعمال لحل وصلها بشعور النساء أيضاً. (فتح القدير: ٤٢٦/٦،دارالفكر).

مصنوعی بالوں کی ٹوپی سے متعلق کچھ وضاحت حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

فیروز اللغات میں ہے: وِگ (wig) مصنوعی بالوں کی ٹوپی۔(ص۱۴۱۵)۔

وِگ انگریزی لفظ ہے، اور پیریوگ (periwig) سے مشتق ہے اور پیریوگ پروک سے مشتق ہے جو در اصل فرانسیسی لفظ ہے۔آج کل ٹوپی اور وِگ مستعمل ہیں، اور دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ وِگ پورے سر کو محیط ہوتی ہے اور ٹوپی فقط گنجے پن کو چھپاتی ہے۔

عام طور پر وگ اصلی بالوں کی طرح معلوم ہوتی ہے دیکھنے والا گمان بھی نہیں کرسکتا کہ یہ وگ ہے، پھر وگ مختلف قسم کے رنگوں میں آتی ہے، اقسام مختلف ہوتے ہیں، نیز انسانی بالوں، اور مصنوعی بالوں مثلاً: پلاسٹک، نائلون اور جانوروں کے بالوں سے بنائی جاتی ہے، البتہ انسانی بالوں کی وگ کافی مہنگی ہوتی ہے، بہ نسبت دیگر مصنوعی بالوں کے۔(المورد القریب،ص۴۵۲و cassells french dictionary : 536,)۔

وگ کی ایجاد:

تاریخی اعتبار سے وگ مصری لوگوں کی ایجاد کردہ ہے، ابتدامیں اس کا استعمال حاجت کے لیے ہوتا تھا بایں طور کہ مصری اپنے سروں کو گنجا رکھتے تھے اور آفتاب کی گرمی سے سر کو بچانے کے لیے وگ کا استعمال شروع کیا تھا، بعد میں تکلفات شروع ہوگئے، قدیم زمانہ میں مصریوں کے علاوہ دیگر اقوام مثلاً: یونانی (Greeks) فینیقی (Phoenicias)، اشوری، (Assyrians) اور رومانی لوگوں میں بھی اس کا رواج تھا۔

بعد ازاں ۱۶۰۰ء کے قریب اس کا استعمال ختم ہو چکا تھا پھر ۱۶۲۴ء میں لویس تیرہواں (Louis xlll) نے اپنے گنجے پن کو چھپانے کے لیے وگ کو استعمال کیا، اس کے بعد وگ کا رواج عام ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کا اچھا خاصا کاروبار شروع ہوگیا اور فرانس و پورے یورپ میں اس کے استعمال نے عروج پکڑا۔

آج کل لوگ عذر کی وجہ سے بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً کینسر کی بیماری میں جب سر مکمل گنجا ہوجاتا ہے تو اپنے گنجے پن کو چھپانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔لیکن اکثر فساق وفجار مرد وعورتیں اس میں ملوث ہیں خصوصاً فلموں کے اداکار اس میں بہت ہی زیادہ ملوث ہیں۔

ملخص از (انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا:۱۰/ ۶۶۸، وآکسفورڈ ڈکشنری:۴۸/ ۱۸۸۵، وولڈ بک انسائیکلوپیڈیا:۲۱/ ۲۵۱،۴/ ۵۴۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بلاضرورت اس قسم کی اشیاء سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں فلمی اداکار فاسق فاجر لوگوں کا شیوہ ہے، مسلمان کو مسلمان ہونے کے ناتے سے اسلامی حدود کی پابندی اور صالحین والا

طریقہ اختیار کرنا بے حد ضروری ہے، آخر تقویٰ بھی تو بہترین لباس ہے، مغربی تہذیب کے قدم بہ قدم چلنا کوئی عقلمندی نہیں۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موئے گوش تراشنے کا حکم:

سوال: کیا کانوں کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کے کانوں پر بال ہوتے ہیں اور نظر آتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کانوں کے بال کاٹنا جائز اور درست ہے، جیسا کہ سر کے بالوں کا منڈانا اور رکھنا دونوں جائز ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الأذنان من الرأس. (رواه الترمذي: ١/١٦).

یہ حدیث شریف مسح کے بارے میں ہے یعنی سر پر مسح کیا جاتا ہے تو کان سر کے حکم میں ہے تو کان پر بھی مسح کیا جائیگا، لہذا اس کی مناسبت سے یہ کہا جائے کہ سر کے بال کاٹنا جائز ہے تو کان کے بال کاٹنا بھی جائز ہے خلافِ صواب نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو: (مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام، ص۲۷)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موئے بینی تراشنے کا حکم:

سوال: ناک کے بالوں کو صاف کرنے میں اکھیڑنا بہتر ہے یا قینچی سے کاٹنا افضل ہے؟

الجواب: فقہاء کی عبارات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ ناک کے اندرونی بال کو قینچی سے کاٹنا افضل ہے، اکھیڑنا مناسب نہیں ہے اس سے بیماری کا اندیشہ ہے، نیز جب بھی بال بڑھتے ہوئے نظر آئیں ان کی صفائی کر لی جائے تا کہ باہر نظر نہ آئیں۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے: **ولا ينتف أنفه لأن ذلك يورث الأكلة**. (فتاوى الشامي: ٦/٤٠٧، سعيد). (وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٨). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شوہر کی اجازت سے انسانی بال جوڑنے کا حکم:

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لعن الله الواصلة والمستوصلة**" میری نظر ایک مسئلہ پر گزری جو ادارہ اشاعتِ دینیات میں چھپا تھا کہ شادی شدہ عورت اپنے شوہر کی اجازت سے نقلی بال اپنے

اصلی بالوں کے ساتھ ملا سکتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ دوشیزہ یا شوہر دیدہ دونوں کے لیے انسانی بالوں کو ملانا چاہے شوہر کی اجازت سے ہو یا بغیر اجازت کے ناجائز ہے۔ البتہ انسانی بالوں کے علاوہ جانور یا مصنوعی بالوں کا ملانا جائز ہے جب کہ دھوکا دہی نہ ہو اور کافرات، فاسقات کے ساتھ ارادی طور پر مشابہت بھی نہ ہو۔

ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وقد دل الحديث على أن وصل المرأة شعرها كبيرة تستحق اللعن، وقد اختلف العلماء في تفصيل هذا الحكم على أقوال: (٢) الوصل بشعر الآدمی حرام وكذلك الوصل بشعر نجس من غير الآدمي وأما الشعر الطاهر من غير الآدمي فيجوز الوصل به بإذن الزوج أو السيد وهو قول لبعض الشافعية كما حكى عنهم النووي رحمه الله. (تكملة فتح الملهم: ١٩١/٤).

الدرالمختار میں ہے:

ووصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها لقوله صلى الله عليه وسلم... وفی الشامية: قوله سواء كان شعرها أوشعرغيرها، لما فيه من التزوير ... وفي شعر غيرها انتفاع بجزء الآدمی أيضاً، لكن فی التاتارخانية: وإذا وصلت المرأة شعر غيرها بشعرها فهو مكروه، وإنما الرخصة في غير شعر بني آدم تتخذه المرأة لتزيد في قرونها، وهو مروي عن أبي يوسف رحمه الله، وفی الخانية ولا بأس للمرأة أن تجعل في قرونها وذوائبها شيئاً من الوبر. (فتاوى الشامی: ٣٧٣/٦، سعيد).

الفتاوی الہندیہ میں ہے:

وصل الشعر بشعر الآدمي حرام سواء كان شعرها أو شعر غيرها كذا فی الاختيار شرح المختار. (الفتاوى الهندية: ٣٥٨/٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورتوں کا اپنے بالوں کو کاٹنے کا حکم:

سوال: شریعتِ مطہرہ کیا کہتی ہے عورتوں کے بال کاٹنے کے بارے میں، ایک عورت کاٹتی ہے اور یہ

کہتی ہے کہ جب تک مردوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو تو حرام نہیں ہے؟ کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا تو جروا۔**

الجواب: عورتوں کے لیے بالوں کا کاٹنا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا گیا تاہم مختصر دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) روى الطبراني في الصغير (۱/۱۳۳، دارالفکر) **بسنده عن عبد الله بن عمرو، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه عن الجمة للحرة و العقيصة للأمة، لم يروه عن الزهري، إلا ابن جريج، تفرد به معتمر، ولا روى عن معتمر، إلا بقية.**

قال الهيثمي في المجمع (۵/۱۶۹، باب شعر الحرة والامة من كتاب اللباس، دارالفکر) **: رواه الطبراني في الكبير** (رقم: ۱۴۰۳) **والصغير** (۱/۱۳۳، دارالفکر) **ورجال الصغير ثقات.**

وأورده الإمام السيوطيؒ في الجامع الصغير (۹۳۸۲) **و رمز له بالضعف.**

وقال العلامة المناويؒ في فيض القدير (۶/۴۰۵)**: وعجب من المصنف كيف أغفل الطريق الصحيحة و آثر المرجوحة.**

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد عورت کو کندھوں تک بال رکھنے اور آگے کے بالوں کے کاٹنے سے منع فرمایا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مردوں کے بالوں کی تین قسمیں ہیں: وفرہ لمہ اور جمہ، لہذا جمہ یعنی کندھوں تک، یہ مردوں کے بال کی آخری حد ہے اس کے آگے سے عورتوں کے بالوں کی ابتدا ہے۔

(۲) عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال. (رواه البخاري، رقم: ۵۸۸۵).

وفي رواية لأحمد عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال حجاج: لعن الله ...الخ. (مسند أحمد، رقم: ۳۱۵۱).

بال کاٹنے میں مردوں کے ساتھ اور فاسقات و کافرات کے ساتھ مشابہت واضح ہے، لہذا اس حدیث شریف کی وجہ سے بھی ممنوع اور ناجائز ہے۔

(۳) عن علي رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها.

(رواه الترمذي، رقم: ۹۱۴، باب ماجاء في كراهية الحلق للنساء).

وعـن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن تحلق المرأة رأسها. (رواه الترمذی، رقم: ۹۱۵).

وعن عثمان رضی اللہ عنہ **يـقـول: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها.** (رواه البزار فی مسنده، رقم: ۴۴۷).

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ **قـال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها وقال: الحلق مثلة. (ابن جرير)،** (جامع الاحاديث للامام السيوطی: ۲۳۳/۳۶).

قلت: والحلق عام للقص أيضاً كما ذكر فشمله الحديث، والله أعلم۔ (امداد الفتاویٰ: ۲۲۹/۴)۔

(۴) فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بال کاٹنا باعثِ لعنت ہے۔ چنانچہ صاحبِ درِمختار علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:

وفيـه (أى الـمـجتبى) قـطـعت شعر رأسها أثمت ولعنت، زاد فى البزازية: وإن بإذن الـزوج لا طـاعة لـمـخـلـوق في معصية الخالق ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته والمعنى الـمـؤثـر التشبـه بـالرجال. وفى فتاوى الشامى: قوله: والمعنى المؤثر أى العلة المؤثرة في إثـمها التشبه بالرجال فإنه لا يجوز كالتشبه بالنساء حتى قال فى المجتبى رامزً: يكره غزل الرجل على هيئة غزل النساء. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۰۷/۶، سعيد).

(وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲۳۷/۴، كتاب الشهادة).

وفـى الأشبـاه والنظائر: ولا يجوز للمرأة قطع شعرها ولو بإذن الزوج. (الاشباه النظائر: ۱۴/۲، الفن الثانى فى الفوائد، كتاب النكاح).

قال في نصاب الاحتساب: ذكر فى النوازل فى كتاب النكاح: سئل أبوبكر عن امرأة قـطـعـت شـعـرها قال: عليها أن تستغفر الله تعالىٰ وتتوب ولا تعود إلى مثله قيل: فإن فعلت ذلك بـإذن زوجهـا قـال: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق قيل له: لم لايجوز ذلك لها قـال: لأنهـا شبهـت نـفسهـا بـالـرجـال وقـال الـنبـى صـلـى الـله عليه وسلم: لعن الله تعالىٰ الـمتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال ولأن الشعر للمرأة بمنزلة الـلـحية لـلرجل فكما لا يحل للرجل أن يقطع لحيته لا يحل للمرأة أن تقطع شعرها. (نصاب

الاحتساب لعمر بن محمد بن عوض السنامی، ص۱٤۲، الباب الثامن فی الاحتساب علی النساء).

قال الإمام الناطفي في جمل الأحكام : المرأة إذا قطعت شعرها أثمت ودخلت تحت اللعنة ، وعليها أن تستغفر الله تعالىٰ وتتوب . (جمل الاحکام:۱/۱٦۵، ط؛ الریاض).

وفی الخلاصة : لو قطعت شعر رأسها عليها أن تستغفر. (خلاصة الفتاوی: ۲/ ۵۲).

وفی الـمـلـتـقـط لـلـشـيـخ أبـی الـقـاسـم السمرقندی: لا يحل للمرأة قطع شعرها كما لايـحـل للرجل قطع لحيته وكذلک لو أذن الزوج فی القطع لا يجوز لها . (الملتقط ،ص۱۰۲، مطلب فی جواز ضرب الرجل امرأته ، کتاب النکاح ، بیروت).

قـال الـعـلامة ابن مفلح الحنبلی فی الآداب الشرعية (۲/٤۲٤) **: ويـكـره للمرأة حلق رأسها زاد غير واحد وقصه من غير عذر رواية واحدة وقيل : يحرمان عليها .**

وقال فی الإنصاف : قال فی الرعاية الكبرى : يكره الحلق والقص لهن بلا عذر وقيل يحرمان عليها. (الانصاف :۱/۱۲۳).

اشکال اور جواب:

اشکال: حدیث میں آتا ہے کہ ازواجِ مطہرات اپنے بالوں کو کاٹتی تھیں، لہذا بالوں کا کاٹنا جائز ہونا چاہیے؟

ملاحظہ ہو مسلم شریف کی روایت میں ہے:

عـن أبـي سـلـمة بـن عبـدالـرحـمن قال: دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنا وأخـوهـا مـن الرضاعة فسألها عن غسل النبی صلى الله عليه وسلم من الجنابة فدعت بإناء قـدر الـصـا ع فاغتسلت وبيننا وبينها ستر وأفرغت على رأسها ثلاثاً قال: وكان أزواج النبی صلى الله عليه وسلم يأخذن من رؤوسهن حتى تكون كالوفرة . (رواه مسلم : ۱/۱٤۸).

اس حدیث کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حدیث شریف کا بے غبار مطلب یہ ہے کہ اس میں قطع کا لفظ نہیں ہے بلکہ اخذ کا ذکر ہے اور اخذ لینے اور پکڑنے کے معنی میں آتا ہے۔قرآن کریم سے چند شواہد ملاحظہ کیجئے:

﴿ **وأخـذ برأس أخيه يجره إليه** ﴾، ﴿**لا تأخذ بلحيتي ولا برأسي**﴾ دونوں میں اخذ پکڑنے کے معنی

میں مستعمل ہوا ہے۔اور **خذ من أموالهم صدقة** ، اور **فخذ أحدنا مكانه** ، **لا تأخذه سنة ولا نوم** ، کے معنی بھی یہی ہے۔

نیز حدیث شریف میں بھی آیا ہے: **إذا بال أحدكم فلا يأخذن ذكره بيمينه** ، وغیرہ۔

ہاں گاہے گاہے قرائن کی وجہ سے قطع کے معنی بھی لیے جاتے ہیں۔مثلاً: حدیث شریف میں ہے: **من أراد منكم أن يضحى فلا يأخذن من أظفاره وشعره شيئاً حتى يضحى، أخرجه الجماعة إلا البخاري** ۔کیونکہ قربانی کے ساتھ بال نہ کاٹنے کا تعلق ہے۔نیز اظفار بھی اس کا قرینہ ہے۔

اور یہاں مسلم شریف کی حدیث میں پکڑنے کے معنی لینے کے قرائن موجود ہیں:

پہلا قرینہ: حدیث میں غسل کا ذکر ہے اور غسل کے ساتھ بالوں کے کاٹنے کا جوڑ نہیں ، بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ پانی کے قطرات سے بچنے کے لیے غسل کے بالوں کا گچھا بنالیتی تھیں اور وفرہ کی طرح کانوں کے پاس رکھتی تھیں،جیسا کہ آج کل بھی عورتوں کا معمول ہے۔

اسی کو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم میں بیان فرمایا ہے:

قلت: وعندى المراد بالحديث أن نساء النبي صلى الله عليه وسلم كن يعقصن شعورهن المسترسلة ، يعقدنها على القفا، أو على الرأس من غير أن يتخذنها قروناً وضفائر، حتى تكون كالوفرة في عدم مجاوزتها من الأذنين ،كما يفعله كثيرمن العجائز والأيامى فى عصرنا، بل عامة النساء فى حالة الاغتسال بعد غسل الرأس، فإن الشعور الطويلة لو استرسلت على حالها فإيصال الماء إلى البدن المستور تحت الشعور المسترسلة لايخلو عن كلفة ومشقة . (فتح الملهم : ۱۵٦/۳، باب قدرالمستحب من الماء، مكتبة دارالعلوم كراچى).

اس معنی کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو طبرانی اوسط میں ہے:

حدثنا محمد بن عبد الله بن بكر السراج السكرى، قال: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم الرحماني، قال: حدثنا عمر بن هارون، عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، عن سالم خادم رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "كن أزواج النبي صلى الله عليه وسلم يجعلن رؤوسهن أربع قرون(أى أربع ضفائر)فإذا اغتسلن جمعنهن وسط رؤوسهن ولم ينقضنهن".

(رواه الطبرانى فى الاوسط : ۳۹/۸/ ۷۰۷۸،ط: مكتبة المعارف ،الرياض).

قال الهيثمي في المجمع (۱/۲۷۳، في باب الغسل من الجنابة، دارالفكر) : **رواه الطبراني في الأوسط والكبير وفيه : عمر بن هارون وقد ضعفه أكثر الناس ووثقه قتيبة وغيره .**

امداد الاحکام میں ہے: عورتوں کے بالوں کا جوڑا باندھنا مکروہ نہیں۔(امداد الاحکام:۴/ ۳۳۷)۔

دوسرا قرینہ: حدیث میں ہے ”**حتى تكون كالوفرة**“اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالوں کا گچھا وفرہ کی طرح معلوم ہوتا تھا اگر کٹے ہوئے بال کان کی لو تک ہوتے تو اس کے لیے یہ الفاظ ”**حتى تكون وفرة**“ یا ”**حتى تكون لمة**“ یا ”**حتى تكون جمة**“ ہوتے۔نیز بالوں کا گچھا عموماً عمر رسیدہ خواتین بناتی ہیں لڑکیاں نہیں بناتیں،ازواجِ مطہرات آخر میں عمر رسیدہ تھیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث سے بال کاٹنا ہی مراد ہے تو یہ استدلال درجِ ذیل دو وجوہات کی وجہ سے کمزور اور ضعیف ہے۔

(۱)راوی نے ازواجِ مطہرات کے بالوں کے کاٹنے کی رؤیت بیان نہیں کی بلکہ حضرت عائشہؓ کے بالوں کی کمی دیکھی اور دوسری ازواجِ مطہرات تو ان کی غیر محرم تھیں بنابریں یا تو قیاس سے کام لیا یا ازواجِ مطہرات سے مراد صرف حضرت عائشہؓ ہیں اور صیغہ جمع تعظیماً ہے۔**کما قال الله سبحانه وتعالیٰ : قال لأهله امكثوا**۔

اور حضرت عائشہؓ کے بالوں کی کمی بیماری کی وجہ سے تھی،چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:**فقدمنا المدينة فنزلنا في بني الحارث بن الخزرج فوعكت فتمرق شعري فوفى جميمة ...الخ** . (صحیح البخاری:۱/ ۵۵۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ طیبہ آئے اور بنوالحارث میں اترے تو بخار نے مجھے گھیر لیا اور میرے بال گر گئے اس کے بعد چھوٹا سا جمہ پورا ہوا۔حضرت عائشہؓ نے اپنے بالوں کو جمہ نہیں فرمایا،جمیمہ فرمایا،یعنی جمہ سے اوپر اور یہ ہی کالوفرۃ ہے۔معلوم ہوا کہ ان کے بالوں کی کمی سابقہ بیماری کا نتیجہ تھا،اس میں کاٹنے کا کوئی دخل نہیں،مزید براں وہ کثرت سے عمرے بھی فرماتی تھیں جس کی وجہ سے بالوں کا کم ہونا بدیہی امر ہے۔

(۲)دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اگر بالفرض والتقدیر بال کاٹتی تھیں تو وہ بیوہ ہونے کے بعد،پھر شوہر والیوں اور لڑکیوں کے لیے بال کاٹنے کا ثبوت کہاں سے آ گیا؟

پھر یہ کاٹنا بقولِ علامہ نووی ترکِ زینت کے لیے تھا کیونکہ اُس زمانہ میں لمبے بال زینت تھی، لیکن موجودہ دور میں یورپ سے آندھی چلی کہ چھوٹے بالوں کو زینت سمجھا جانے لگا۔ اگر ازواجِ مطہرات کی اقتدا کرنی ہی ہے تو بیواؤں کے لیے بال کاٹنے کی رخصت ڈھونڈنی چاہیئے؟

ملاحظہ ہو شمائل کبریٰ میں ہے:

یہ کاٹنا زینت اور خوشنمائی کے طور پر نہ تھا، چنانچہ علامہ نوویؒ کاٹنے کا سبب لکھتے ہیں: یہ ترک زینت اور خوشنما نہ لگنے اور بالوں کے طول کی ضرورت نہ سمجھنے کی بنیاد پر تھا، چونکہ آپ کی وفات ہوچکی تھی، زینت کی ضرورت باقی نہ تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت بوڑھی ضعیفہ بیوہ ہو تو زینت اور خوشنمائی کم کرنے کی وجہ سے کچھ بال تراش لے تو اس کی اجازت ہوسکتی ہے (لیکن آج کل تو مغربی فیشن سے متأثر ہوکر اکثر عورتیں ایسا کرتی ہیں جس کی قطعاً اجازت نہیں) جیسا کہ قاضی عیاض مالکیؒ امام نوویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اجازت دی ہے۔ مگر شادی شدہ عورتوں کو فیشن یا زینت کے طور پر جیسا کہ مغربی طرز کے بالوں میں کاٹا جاتا ہے، بالکل اجازت نہیں ہوسکتی، کہ ممنوع اور حرام کا ارتکاب ہوگا۔ (شمائل کبریٰ: ۲/ ۳۳۶، ط: زمزم)۔

پھر یہ کلام بطورِ فرض کے ہوا ور نہ اس حدیث کا مطلب پہلے بیان ہو چکا۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۲۲۷، فتاویٰ بینات، جلدِ چہارم، ص ۴۰۵، وآپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۳۲۶۔ ۳۲۸، طبع جدید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لیے لیئرنگ کٹ کا حکم:

سوال: عورت کے بالوں کو لیئرنگ (layering of women's hair) کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میں ہمیشہ اپنے بالوں کو لیئر کرتی تھی، کسی نے مجھے بتایا کہ لیئر کرنا ٹھیک نہیں ہے، تو اب میں شریعت کا حکم معلوم کرنا چاہتی ہوں، کیونکہ میرے بال بہت باریک ہیں لیئر نہ کرنے کی وجہ سے گرتے ہیں۔ برائے کرم حکمِ شرعی سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: فی زماننا اکثر عورتیں مغربی تہذیب سے متأثر ہوکر اپنے بالوں کو لیئر کرواتی ہیں، اور لیئرنگ کٹ میں عام طور پر ''V'' یا ''U'' کی شکل کا لحاظ رکھتے ہوئے بالوں کو ایک خاص مقدار میں کاٹا جاتا ہے۔ اس

طرح کی کٹ میں درجِ ذیل دوخرابیوں کے پائے جانے کی وجہ سے یہ ممنوع اور ناجائز ہے۔

(۱) کافرات اور فاسقات کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور شریعتِ مطہرہ نے غیر قوم کی تشبہ سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۲) بالوں کو کافی مقدار میں کاٹنے کی وجہ سے بہت چھوٹے ہوجاتے ہیں، نیز بالوں کا صحیح توازن بھی فوت ہوجاتا ہے اور بعض چھوٹے اور بعض بڑے رہ جاتے ہیں، احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

روى البخاري بسنده عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن القزع. (رقم: ۵۹۲۱، باب القزع).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله: والمعنى المؤثر أى العلة المؤثرة في إثمها التشبه بالرجال فإنه لا يجوز كالتشبه بالنساء حتى قال فى المجتبى رامزاً: يكره غزل الرجل على هيئة غزل النساء.

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۰۷/۶، سعید). (وكذا فى تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲۳۷/۴، كتاب الشهادة).

وفى الأشباه والنظائر: ولا يجوز للمرأة قطع شعرها ولو بإذن الزوج. (الاشباه النظائر: ۱۴/۲، الفن الثانى فى الفوائد، كتاب النكاح).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو حلقت المرأة رأسها فإن فعلت لوجع أصابها لا بأس به وإن فعلت ذلک تشبهاً بالرجل فهو مكروه كذا فى الكبرى. (الفتاوى الهندية: ۳۵۸/۵).

الاشباہ والنظائر میں ہے:

وتمنع عن حلق رأسها. قال العلامة السيد الحموى: أى حلق شعر رأسها... والمراد بحلق شعر رأسها إزالته سواء كان بحلق أو قص، أونتف أو نورة، فليحرر، والمراد بعدم الجواز كراهية التحريم، كما في مفتاح السعادة، ولو حلقت ذلک تشبها بالرجال فهو مكروه لأنها ملعونة. (الاشباه والنظائر مع غمزعيون البصائر: ۷۳/۳، احكام الانثى).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اگر شوہر عورت کو فیشن کے طرز پر بال کاٹنے کے لیے کہے یا عورت از خود فیشن کے انداز پر بال کاٹے تو یہ سخت گناہ کا کام ہے اور حرام ہے اور گناہ کے کام میں شوہر کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۵۴)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

آج کل فیشن کے طور پر عورتوں میں بال کٹوانا عام ہے جب کہ عورتوں کو مردوں کی مشابہت کرنا حرام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، جو چیز ناجائز ہو، وہ شوہر کی اجازت کے ساتھ بھی ناجائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۳۲۷، طبع جدید)۔

بہشتی زیور میں ہے مرقوم ہے:

مسئلہ: عورت کو سر منڈانا بال کتروانا حرام ہے حدیث میں لعنت آئی ہے۔ (حصہ ۱۱، تتمہ حصہ پنجم)۔

مزید دلائل ماقبل میں تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں وہاں مراجعت کر لی جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کا اپنے بالوں میں چمٹی لگانے کا حکم:

سوال: فی زمانا بعض عورتیں اپنے بالوں کو بڑا دکھانے کے لیے بالوں میں بڑا کلپ (clip) لگاتی ہیں، نیز یہ ایک قسم کا فیشن بھی ہے جو عرب علاقوں میں کثرت سے چل رہا ہے، پھر اس کے اوپر دوپٹہ بھی نہیں پہنتیں، کیا یہ حدیث شریف ”**كأسنمة البخت**“ کے تحت شامل ہو کر ممنوع اور ناجائز ہوگا یا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر کلپ بڑا ہو اور سر کے اوپر کی جانب میں ہو اور اونٹ کے کوہان کی طرح معلوم ہوتا ہو تو یہ حدیث کی ممانعت میں داخل ہو کر ممنوع ہوگا، لیکن اگر کلپ چھوٹا سا ہو اور گدی پر بالوں کا گچھا بنا کر لگا دے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم ارادی طور پر فاسقات، کافرات کی مشابہت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

ومعنى رؤوسهن كأسنمة البخت أن يكبرنها ويعظمنها بلف عمامة أوعصابة أو نحوها. (شرح صحيح مسلم: ١٤/ ١١٠، داراحياء التراث العربي).

وفيه : قال وهي ضفر غدائر و شدها إلى فوق وجمعها في وسط الرأس فتصير كأسنمة البخت قال: وهذا يدل على أن المراد بالتشبيه بأسنمة البخت إنما هو لارتفاع

الغدائر فوق رؤوسهن وجمع عقائصها هناك ...الخ. (شرح مسلم :١٧/١٩١،ط: بيروت).

تکملة فتح الملهم میں ہے:

قلت: قد ظهرت في عصرنا نساء يعقدن شعورهن المسترسلة على أقفيتهن أو في أوساط رؤوسهن بما يشابه سنام البعير سواء بسواء ، كأن النبى صلى الله عليه وسلم شبه رؤوسهن بأسنمة البخت . (تكملة فتح الملهم: ٤/٢٠١).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کلپ بالوں میں لگانا عورتوں کے لیے جائز ہے، بشرطیکہ وہ ناپاک نہ ہو اور کفار یا فساق کا شعار نہ ہو کہ اصل جواز ہے، ممانعت وجوہ مذکورہ پر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۴۱، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں مرقوم ہے:

عورتوں کا بالوں کو جمع کر کے سر کے اوپر جوڑا باندھنا جائز نہیں حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے کہ ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی، اس کے سوا دوسرے طریقے جائز ہیں بشرطیکہ کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے اور کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو، بالوں کا سخت پردہ ہے...گدی پر جوڑا باندھنا جائز ہے بلکہ حالتِ نماز میں افضل ہے، اس لیے کہ اس سے بالوں کے پردے میں سہولت رہتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۸/۷۵)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورتوں کے سر کے بالوں میں پھول لگانے کا حکم:

سوال: آج کل عورتیں قسم قسم کی اشیاء، مثلاً پھول وغیرہ اپنے بالوں میں زینت اور خوبصورتی کے لیے لگاتی ہیں، جب سر پر لگتا ہے تو نگاہوں کے کھینچنے کا ایک ذریعہ ہو جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ عورتوں کے سر اونٹ کے کوہان کی طرح ہوں گے۔ کیا یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟ نیز ایسی زینت کی چیزیں لگانا اس میں داخل ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسلام نے زیب وزینت کے بارے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کی تعلیم و ترغیب دی ہے، ایک طرف بالکل مغربی تہذیب کے دوش بدوش چلنے سے منع کیا ہے تو دوسری جانب حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے زینت اور خوبصورتی کی اجازت دی ہے، چنانچہ بالوں میں خوبصورتی اور زینت کے لیے پھول تانبے، پیتل کے نگینے وغیرہ لگانے کی اجازت ہوگی جیسا کہ عام طور پر دیہاتی عورتیں لگاتی ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا بأس للنساء بتعليق الخرز في شعورهن من صفر أو نحاس أو شبه أو حديد ونحوها للزينة ...الخ. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٩، الباب العشرون فى الزينة).

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

اسی طرح بالوں میں خوبصورتی کے لیے چاندی، سونے یا کسی دھات کے کانٹے، پھول وغیرہ بھی لگانے کی اجازت ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۱۳)۔

البتہ سر کے اوپر کی جانب یا وسط راس میں لگانے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے سر اونٹ کے کوہان کی طرح معلوم ہوتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں کے لیے وعید بیان فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (رواه مسلم، رقم: ٢١٢٨، باب النساء الكاسيات عاريات).

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قال وهي ضفرغدائر وشدها إلى فوق وجمعها فى وسط الرأس فتصير كاسنمة البخت قال: وهذا يدل على أن المراد بالتشبيه بأسنمة البخت إنما هو لارتفاع الغدائر فوق رؤوسهن وجمع عقائصها هناك ...الخ. (شرح مسلم: ١٧/١٩١، ط: بيروت).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

قلت: ظهرت في عصرنا نساء يعقدن شعورهن المسترسلة على أقفيتهن أو في أوساط رؤوسهن بما يشابه سنام البعير. (تكملة فتح الملهم: ٤/٢٠١). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بال اور ناخن دفن کرنے اور جلانے کا حکم:

سوال: بال اور ناخن کو دفن کرنا ضروری ہے یا جلانا بھی جائز ہے؟ کیا کسی حدیث میں صراحۃً اس کی

ممانعت آئی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ بال اور ناخن کو دفن کرنا مستحب ہے، اور اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ ساحرین ان کو کھلونا نہ بنائیں، نیز انسان بجمیع اجزا مکرم و محترم ہے اس وجہ سے گندگی وغیرہ میں پھینکنا اور جلانا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

ذكر الحكيم الترمذي في" نوادر الأصول في أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم" (١/١٨٥،الاصل التاسع والعشرون فى النظافة، ط: دارالجيل) **: عن عبد الله بن بشر المازني رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قصوا أظافيركم وادفنوا قلاماتكم ونقوا براجمكم ونظفوا لثاتكم من الطعام وتسننوا ولا تدخلوا علي قخراً بخراً .**

وأما قص الأظفار فلأنها تخدش وتضر وهو مجمع الوسخ...وأما دفن القلامة فإن جسد المؤمن ذوحرمة فما سقط منه فحظه من الحرمة قائم وقد أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بدفن دمه حيث احتجم كيلا يبحث عنه الكلاب .

وأورده الإمام السيوطى فى الجامع الصغير (٦١٢٩) **و رمز له بالضعف .**

قال العلامة الملا على القارى: إذا قلم أظافيره أو جز شعره ينبغي أن يدفن قلامته فإن رمى به فلا بأس وإن ألقاه فى الكنيف أو المغتسل يكره . (مرقاة المفاتيح: ٨/٢٦٠، باب الترجل).

وفى البحرالرائق: ولو قلم أظافيره أو جز شعره يجب أن يدفن وإن رماه فلا بأس به وإن رماه فى الكنيف أو المغتسل فهو مكروه وفى الفتاوى العتابية : يدفن أربعة: الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم . (البحرالرائق: ٨/٢٣٢، دارالمعرفة).

(وكذا في فتاوى الشامى:٦/٤٠٥، سعيد، ومجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر:٤/٢٢٦، دارالكتب العلمية، والفتاوى الهندية : ٥/٣٥٨، وفتاوى قاضيخان بهامش الهندية :٣/٤١١، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ٥٢٧، ط: قديمى).

قال الإمام النوويرحؒ **يحرم الانتفاع بشعر الآدمي وسائر أجزائه لكرامته، بل يدفن شعره وظفره وسائر أجزائه .** (شرح صحيح مسلم: ١٤/١٠٣،بيروت، وكذا فى عمدة القارى شرح صحيح البخارى:

۱۳ /۳۹۰، ط:دارالحدیث ،ملتان، والموسوعة الفقهية :۳٤٦/٤٢).

عن أم سعد امرأة زيد بن ثابت قالت: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يأمر بدفن الدم إذا احتجم . (رواه الطبراني فى الاوسط: ۸۸۲/۲۷۰/۱، ط: القاهرة).

قال الهيثمي : فيه هياج بن بسطام وهو ضعيف. (باب دفن الدم).

مزید چند آثار ملاحظہ کیجئے مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وكيع ، عن عبد الجبار بن عباس، عن رجل من بنى هاشم، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أمر بدفن الشعر والظفر والدم .

حدثنا الفضل بن دكين ، عن حسن بن صالح ، عن إبراهيم بن مهاجر، عن مجاهد ، أنه كان إذا قلم أظفاره دفنها ، أو أمر بها فدفنت .

عن القاسم ، أنه كان يدفن شعره بمنى . (مصنف ابن ابى شيبة : ٤١٧/٨).

فتح الباری میں ہے:

كان ابن عمر رضی اللہ عنہ يدفنه و روى أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمر بدفن الشعر والأظفار وقال: لايتلعب به سحرة بني آدم قلت: وهذا الحديث أخرجه البيهقى من حديث وائل بن حجر نحوه وقد استحب أصحابنا دفنها لكونها أجزاء من الآدمي واللّٰه أعلم. (فتح الباری : ۱۰/ ۳٤٦،باب قص الشارب).

وللمزيد راجع : (**شعب الايمان:۲۳۲/۵، فصل فى دفن مايزيله عن نفسه من الشعر والظفر والدم ،ط: دار الكتب العلمية ، والآداب للامام البيهقى: ۲٥٧/۲، باب الفطرة**).

وفي فيض القدير: كان يأمر بدفن الشعر والأظفار...لئلا تتفرق أجزائه وقد يقع فى النار أو غيرها من الأقذار...وكان يأمر بدفن سبعة أشياء من الإنسان الشعر والظفر والدم والحيضة والسن والعلقة والمشيمة... (فيض القدير: ٢٥٢/٥).

وفيه: أيضاً: وادفنوا قلاماتكم ، أى غيبوا ما قطعتموه منها فى الأرض فإن جسد المؤمن ذو حرمة فما سقط منه فحرمته قائمة فدفنه كدفنه لئلايقع فى النار أو في شيء من الأقذار. (فيض القدير: ٦٧٧/٤).

علامہ عبد الرؤوف المناویؒ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ناخن اور بالوں کو جلانا درست نہیں ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جلانا جائز نہیں، ایسی عورتیں کسی کپڑے یا کاغذ میں لپیٹ کر کہیں ڈالدیں۔ **وفی الخانیة: ینبغی أن یدفن قلامة ظفره ومحلوق شعره ...الخ.** (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۴۵۲، جامعہ فاروقیہ)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کا بیوٹی پارلر میں بال نکلوانے کا حکم:

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ بیوٹی پارلر میں جا کر دوسری عورت سے اپنے بدن کے بال نکلوائے؟ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بیوٹی پارلر میں عورت کو برہنہ ہونا پڑتا ہے صرف ستر غلیظ پر کپڑا ڈالتی ہے، اور ایک خاص آلہ کے ذریعہ بال نکلواتی ہے جس کو وہ خود استعمال نہیں کر سکتی اور یہ شوہر کے سامنے خوبصورتی میں اضافہ کے لیے کرتی ہے۔ آیا یہ طریقہ بنگاہِ شریعت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایک عورت کے لیے دوسری عورت کے سامنے ناف سے لیکر گھٹنوں تک ستر ہے بلا ضرورتِ شدیدہ اس کا دکھانا ناجائز ہے، بنابریں اس طرح برہنہ ہو کر جسم کے بال کی صفائی کروانا شریعت کی نگاہ میں جائز اور درست نہیں۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں مذکور ہے:

وما يحرم للمرأة من المرأة فكل ما يحل للرجل أن ينظر إليه من الرجل يحل للمرأة أن تنظر إليه من المرأة وكل ما لا يحل له لا يحل لها...ولا يجوز لها أن تنظر ما بين سرتها إلى الركبة إلا عند الضرورة بأن كانت قابلة فلا بأس لها أن تنظر إلى الفرج عند الولادة .

(بدائع الصنائع: ٥/١٢٤، كتاب الاستحسان، سعيد).

وللاستزادة راجع: (البحرالرائق: ٨/١٩٣،ط:كوئته،وتكمله فتح القدير: ١٠/٣٠،دارالفكر).

حتی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ نیک صالحہ عورت فاسقات کے سامنے اپنے سر کے بال بھی نہ کھولے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ليس للمؤمنة أن تتجرد بين يدى مشركة أو كتابية ، ونقله فى العناية وغيرها عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، فهو تفسير مأثور وفي شرح الأستاذ عبد الغنى النابلسي على هدية ابن العماد عن شرح والده الشيخ إسماعيل على الدرر والغرر: لا يحل للمسلمة أن تنكشف بين يدى

يهودية أو نصرانية أو مشركة إلا أن تكون أمة لها كما في السراج ، ونصاب الاحتساب ولا تنبغي للمرأة الصالحة أن تنظر إليها المرأة الفاجرة لأنها تصفها عند الرجال ، فلا يضع جلبابها ولا خمارها كما في السراج. (فتاوى الشامي: ٦/٣٧١،سعيد). (وكذا في الموسوعة الفقهية : ١٥٨/١٨).

خلاصہ یہ ہے کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے زیب وزینت کی گنجائش ہے لیکن حدودِ شریعت کو پھلانک کر فاسقات اور فاجرات کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہوئے زیب وزینت کرنا جائز اور درست نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(قص الشارب)
(بخاري)
(قص الشارب)
(مسلم)
(قص الشارب)
(مسلم،ترمذي، ابن ماجة)
(قص الشارب)
(أبو داود،ابن ماجة)
أبو سعيد المقبري
(قص الشارب)
(مؤطا مالك)
سعيد بن المسيب رحمۃ اللہ علیہ
مسلم بن شهاب الزهري
أبو سلمة بن عبد الرحمن
(قص الشارب)
(الأدب المفرد للبخاري)
إبراهيم بن سعد
(قص الشارب)
(بخاري)
سفيان بن عيينة رحمۃ اللہ علیہ
معمر بن راشد
(قص الشارب)
(ترمذي،نسائي)
زمعة بن صالح
(قص الشارب) نسخة المدينة (د) (مطبوعة في تركيا)
(ترمذي،نسائي)
علي بن المديني
(قص الشارب)
(بخاري)
أبو بكر بن أبي شيبة
(قص الشارب)
(مسلم ، ابن ماجة)
عمرو بن محمد الناقد
(قص الشارب)
(مسلم،أبو يعلى)
زهير بن حرب
(قص الشارب)
(مسلم)
مسدد بن مسرهد
(قص الشارب)
(أبو داود)
زكريا بن يحي
(قص الشارب)
(أبو عوانة،بيهقي)
حميدي
(قص الشارب)
(مسند الحميدي)
إسحاق بن إبراهيم
(قص الشارب)
(صحيح ابن حبان)
سريح بن يونس
(قص الشارب)

محمد بن عبد الله بن يزيد عن سفيان عن الزهري عن سعيد بن المسيب
عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه
سنن النسائي المجتبىٰ
سنن النسائي الكبرىٰ
نسائي بتعليق الألباني
أخذ الشارب
نسائي بتحقيق الشيخ
عبد الفتاح أبو غدة
ط: حلب
أخذ الشارب (١/١٥)
نسائي بتحقيق
الشيخ عبد الوارث
محمد علي
أخذ الشارب
مكتبة تحقيق
التراث الإسلامي
أخذ الشارب
المكتبة السلفية
بلاهور
أخذ الشارب
النظامية
حلق الشارب
بتحقيق شعيب
الأرنؤوط
حلق الشارب
(٩/٧٧/١)
دكتور عبد الغفار
سليمان البنداري و سيد
كسوري حسن
حلق الشارب
(٩/٦٥/١)
حلق
و فيه ق
بن يزيد
الحدي
و المحف
الشار
قال السندي :في حاشيته على النسائي
و قد اختار كثير القص
و حملوا الحلق و غيره عليه.
و لفظ حلق الشارب شاذ
قاله الحافظ العراقي في رسالة "مسألة في قص الشارب"
و العلامة أنور شاه الكشميري في (العرف الشذي(٢/١٠٤)
و الإمام مالك رحمه الله

فصل سوم
ناخن تراشنے سے متعلق احکام کا بیان

ناخن کاٹنے کا طریقہ:

سوال: بعض لوگ ہاتھ پیر کے ناخنوں کو ایک خاص طریقہ پر کاٹتے ہیں وہ طریقہ کیا ہے؟ اور کیا وہ طریقہ احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ ناخن کاٹنے کا صحیح طریقہ بتا دیجئے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ناخن کاٹنے سے متعلق کوئی کیفیت منقول نہیں ہے، بنا بریں کسی خاص کیفیت کو مسنون کہنا یا سنت سمجھ کر اس کے مطابق کاٹنا درست نہیں ہے۔ البتہ علماء نے چند طریقے بیان کیے ہیں۔ چنانچہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) پہلا طریقہ:

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں یہ طریقہ ذکر فرمایا ہے:

دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت سے شروع کر کے بائیں ہاتھ کے ابہام تک کاٹ دے پھر آخر میں دائیں ہاتھ کے ابہام کے ناخن کاٹے۔ اس ترتیب کی حکمت یہ ہے کہ اس میں ابتدا بھی یمین سے ہوئی اور اختتام بھی یمین پر ہوا، حدیث شریف " الأيمن فالأيمن " پر عمل ہوا۔

قال الإمام الغزاليؒ في إحياء علوم الدين : إنه لا بد من قلم أظفار اليد والرجل واليد أشرف من الرجل فيبدأ بها ثم اليمنى أشرف من اليسرى فيبدأ بها ثم على اليمنى خمسة أصابع والمسبحة أشرفها إذ هي المشيرة في كلمتي الشهادة من جملة الأصابع ثم بعدها ينبغي أن يبتدئ بما على يمينها إذ الشرع يستحب إدارة الطهور وغيره على اليمين... ثم

إذا وضعت الكف على الكف صارت الأصابع في حكم حلقة دائرة فيقتضي ترتيب الدور الذهاب عن يمين المسبحة إلى أن يعود إلى المسبحة فتقع البداء ة بخنصر اليسرى والختم بإبهامها ويبقى إبهام اليمنى فيختم به التقليم . (احياء علوم الدين : ۱/ ۱۳۵).

(وكذا في ردالمحتار:٦/ ٤٠٦، سعيد، و الفتاوى الهندية:٥/ ٣٥٨، وبهشتي زيور،ص٩٦٨، وبذل المجهود:١/ ٣٣).

(۲) دوسرا طریقہ:

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں بیان فرمایا ہے:

دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت، پھر بیچ والی پھر اس کے بعد والی پھر سب سے چھوٹی اور آخر میں انگوٹھا، اور بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کرے۔ ملاحظہ ہو شرح مسلم میں ہے:

و يستحب أن يبدأ باليدين قبل الرجلين فيبدأ بمسبحة يده اليمنى ثم الوسطى ثم البنصر ثم الخنصر ثم الإبهام ثم يعود إلى اليسرى فيبدأ بخنصرها ثم ببنصرها إلى آخرها ثم يعود إلى الرجل اليمنى فيبدأ بخنصرها ويختم بخنصر اليسرى . (شرح صحيح مسلم: ۱/ ۱۲۹).

(۳) تیسرا طریقہ:

صاحب الاقلید فرماتے ہیں کہ داہنے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے شروع کر کے ابہام تک کاٹے اور بائیں ہاتھ کے ابہام سے شروع کر کے سب سے چھوٹی انگلی تک پہنچادے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں رقمطراز ہے:

وقد قال صاحب الاقليد قضية الأخذ في ذلك بالتيامن أن يبدأ بخنصر اليمنى إلى أن ينتهي إلى خنصر اليسرى في اليدين والرجلين معاً . (فتح الباری: ۱۰/ ۳٤٥).

(۴) چوتھا طریقہ:

علامہ دمیاطی امام احمد اور ابو عبداللہ بن بطہ نے درجِ ذیل ذکر کیا ہے:

دائیں ہاتھ کی خنصر پھر وسطیٰ پھر ابہام، پھر بنصر، پھر مسبحہ، پھر بائیں ہاتھ کا ابہام، پھر وسطیٰ پھر خنصر پھر مسبحہ پھر بنصر۔ اور اس ترتیب کو آشوبِ چشم کے لیے مفید بتلایا ہے۔

ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

وذكر الدمياطي أنه تلقى عن بعض المشايخ أن من قص أظفاره مخالفاً لم يصبه رمد

و أنه جرب ذلک مدة طويلة و قد نص أحمد على استحباب قصها مخالفاً و بين ذلک أبوعبد اللّٰه بن بطة من أصحابهم فقال: يبدأ بخنصره اليمنى ثم الوسطى، ثم الإبهام ، ثم البنصر، ثم السبابة ويبدأ بإبهام اليسرى على العكس من اليمنى. (فتح الباری: ۱۰/ ۳۴۵، دار المعرفة) .

شمائل کبریٰ میں ہے:

حافظؒ نے فتح الباری میں علامہ زبیدی شارحِ احیاء نے اتحاف السادۃ میں اورعلامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں ناخن کاٹنے کی ایک ترتیب لکھی ہے۔جوآشوبِ چشم کے لیے مجرب ہے وہ یہ ہے: اولاً دائیں ہاتھ کی انگشتِ شہادت کے ناخن کاٹے پھرچھوٹی انگلی کے بغل والی پھرانگوٹھا پھر بیچ کی انگلی پھرچھوٹی انگلی،اس کے بعد بائیں ہاتھ کی اس طرح ، پہلے انگشتِ شہادت پھرچھوٹی انگلی کے بغل والی پھرانگوٹھا پھر بیچ کی انگلی آخر میں سب سے چھوٹی انگلی ...علامہ شامیؒ نے بھی مجرب لکھاہے ، امام احمدؒ نے اس طریقہ کومستحب قراردیاہے۔(شمائل کبریٰ: ۲/۳۶۸)۔

اورپیروں کے ناخن کاطریقہ ایک ہی ہے کہ دائیں پیرکی خنصر سے شروع کرےاور بائیں پیرکی خنصر پرختم کرے۔ **قال الإمام الغزاليؒ: وأما أصابع الرجل فالأولى عندى إن لم يثبت فيها نقل أن يبدأ بخنصر اليمنى ويختم بخنصر اليسرى كما فى التخليل فإن المعانى التي ذكرها فى اليد لاتتجه ههنا إذ لا مسبحة فى الرجل وهذه الأصابع في صف واحد ثابت على الأرض فيبدأ من جانب اليمنى ...الخ.** (احیاء علوم الدین: ۱/۱۳۵).

لیکن ان میں سے کوئی ترتیب بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے،چنانچہ علماء نے ثبوت کاانکارکیاہے۔
ملاحظہ ہوحافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ولم يثبت في ترتيب الأصابع عند القص شيء من الأحاديث لكن جزم النوويؒ بأنه يستحب... ولم يذكر للاستحباب مستنداً...وقد أنكر ابن دقيق العيد الهيئة التى ذكرها الغزالي ومن تبعه وقال: كل ذلک لا أصل له وإحداث استحباب لا دليل عليه وهو قبيح عندي بالعالم ...الخ. (فتح الباری: ۱۰/۳۴۵).

قال العلامة بدر الدين العينيؒ في عمدة القارى: ولم يثبت في ترتيب الأصابع عند

القص شيء من الأحاديث ولكن ذكر النوويؒ في شرح مسلم أنه يستحب البداءة...ولم يذكر للاستحباب مستنداً. (عمدة القاري:۱۵/ ۸۹، باب تقليم الاظفار،ط:دارالحديث متان).

قال الملاعلى القاريؒ: ولم يثبت في كيفيته ولا في تعيين يوم له شيء ...الخ. (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۲۹۰، باب الترجل، ط: امداديه ملتان).

قال العلامة السخاوى: لم يثبت في تعيين لقص الأظفار عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء. (اتحاف السادة :۲/۳)۔ (وكذا فى الدرالمختار: ٦/٤٠٦،سعيد).

خلاصہ یہ ہے کہ ناخن تراشنے کے بارے میں کوئی ترتیب حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور مذکورہ بالا تمام کیفیات میں آسان اور ابتدا بالیمین کے موافق وہ طریقہ ہے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے صاحبِ اقلید سے نقل کیا ہے، اور اس کا یاد رکھنا بھی آسان ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ دوسروں سے ناخن کٹواتے تھے، آج کل خود کاٹتے ہیں، بنابریں ناخن تراش اگر دستِ راست میں ہو تو اس اعتبار سے داہنے کو کاٹنے کی فضیلت حاصل ہوئی اور ابتدا بائیں ہاتھ سے ہوئی، اگر ناخن تراش دستِ چپ میں ہو تو دائیں ہاتھ کے ناخن سے ابتدا کی فضیلت حاصل ہوئی یعنی ابتداء بالیمین ہوئی۔ البتہ جتنے طریقے مذکور ہوئے سب درست ہیں۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مصنوعی ناخن لگانے کا حکم:

سوال: بعض لوگ مصنوعی بڑے لمبے ناخن محض زینت اور خوبصورتی کے لیے لگاتے ہیں۔ کیا ایسے ناخن لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ناخن کا بڑا اور لمبا ہونا شریعتِ مطہرہ کی نگاہ میں قبیح اور ناپسند ہے اسی وجہ سے اس کے کاٹنے کو امورِ فطرت میں بیان کیا ہے، اور ہر جمعہ کو کاٹنا مستحب قرار دیا ہے، اور چالیس دن سے اوپر تک چھوڑے رکھنے پر وعید بیان کی ہے، بنابریں بطورِ فیشن ایسے لمبے ناخن لگانا اسلامی تہذیب کے خلاف ہوگا، جس کی اجازت نہیں۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن رجل من بني غفار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من لم يحلق عانته ويقلم أظفاره ويجز شاربه فليس منا. (مسندالامام احمد، رقم: ۲۳٤۸۰).

قال الشيخ شعيب: حسن لغيره وهذا إسناد ضعيف من أجل عبد الله بن لهيعة .

وفي الدر المختار: وكره تركه وراء الأربعين وفي الشامية : قوله وكره تركه أي تحريماً لقول المجتبى ولا عذر فيما وراء الأربعين و يستحق الوعيد وفي أبي السعود عن شرح المشارق لابن ملك روى مسلم عن أنس بن مالك رضي الله عنه وقت لنا في تقليم الأظفار ... أن لانترك أكثر من أربعين ليلة وهو من المقدرات التي ليس للرأي فيها مدخل فيكون كالمرفوع . (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٤٠٧،سعيد).

وفي الهندية: ولا عذر فيما وراء الأربعين ويستحق الوعيد كذا في القنية . (الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٨). (وكذا في فتاوى الشامي: ٢/١٨١،سعيد،والموسوعة الفقهية:٢٥/٣٢٠).

شمائل کبریٰ میں ہے:

ایک غفاری صحابی سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو زیر ناف بال نہ لے ناخن نہ کٹائے، لب نہ تراشے ہم میں سے نہیں۔ (کنز ٦/٣٧١)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناخن تراشو، کہ ناخن اور گوشت کے درمیان شیطان دوڑتا ہے۔ (خطیب فی الجامع، اتحاف:۲/۴۱۱)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ بڑھے ہوئے ناخن پر شیطان بیٹھتا ہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ ناخن نہ تراشنا چھوڑے رکھنا درست نہیں۔ بعض لوگ ہاتھ کی کسی ایک انگلی مثلاً سب سے چھوٹی انگلی کے ناخن کو چھوڑے رکھتے ہیں، یہ مکروہ ہے درست نہیں، نہایت ہی مذموم اور قبیح عادت ہے، یہ انسانی خصلت نہیں، درندوں کی صفت ہے، ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ناخن نہ کاٹنا بڑھے ہوئے رکھنا تنگی رزق کا باعث ہے۔ (مرقات)۔ (شمائل کبریٰ:۲/۳۶۶)۔

عرب علماء نے بھی حرام اور ناجائز فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فقہ النوازل میں ہے:

تركيبة الأظافر الصناعية : وهي نوع من الأظافر البلاستيكية تشبه الأظافر الخلقية تأخذها المرأة وتصبغها متنوعة ثم بعد ذلك تضعها على ظفرها أوتلزقها على ظفرها بمادة لاصقة . وهذا محرم لايجوز لأنها تمنع من وصول الماء إلى الظفر، ولأن الشارع أمر بقص الأظافر كم في حديث أبي هريرة رضي الله عنه في الصحيحين أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

خمس من الفطرة ، وذكرمنها: وتقليم الأظفار...وإذا طالت وتفاحشت فإن هذا محرم ولايجوز...يعنى ترك أظافره حتى طالت وتفاحشت...فإن هذا محرم ولايجوز لأمرين: (١) لما في ذلك من التشبه بالسباع والبهائم . (٢) لما في ذلك من التشبه بأهل الكفر والشرك . (فقه النوازل،ص ١٢).

فتاوى الجنة الدائمة میں ہے:

لا يجوز استخدام الأظافر الصناعية والرموش المستعارة. (١٣٣/١٧). واللہ ﷻ اعلم۔

ناخن کو دفن کرنے کا ثبوت:

سوال: کیا ناخن کو دفن کرنا کسی حدیث میں وارد ہوا ہے یا نہیں؟ اور ناخن دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ناخن کو دفن کرنا مستحب ہے، متعدد روایات سے ثابت ہے اگرچہ روایات میں کچھ ضعف ہے۔ نیز فقہاء نے بھی ناخن دفن کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الطبراني فى الكبير، بسنده عن عبد الجبار بن وائل عن أبيه:أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر بدفن الشعر والأظفار. (رقم:٧٣).

وأيضاً أخرجه البيهقي في شعب الإيمان (رقم: ٦٠٦٩) وقال: هذا إسناد ضعيف وروى من أوجه كلها ضعيفة .

وأورده الإمام السيوطي فى الجامع الصغير(٦٩٥٢) وعزاه إلى الطبرانى و رمزله بالضعف.

قلت: فيه انقطاع ؛ فإن عبد الجبار بن وائل لم يسمع من أبيه . قيس بن الربيع ضعيف لسوء حفظه .

وذكر الحكيم الترمذى في" نوادر الأصول في أحاديث الرسول صلى الله عليه وسلم" (١٨٥/١،الاصل التاسع والعشرون فى النظافة، ط: دارالجيل) : عن عبد الله بن بشر المازنى رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قصوا أظافيركم وادفنوا قلاماتكم

ونقوا براجمكم ونظفوا لثاتكم من الطعام وتسننوا ولا تدخلوا علي قخراً بخراً .

وأورده الإمام السيوطي في الجامع الصغير (٦١٢٩) و رمز له بالضعف .

وروى البيهقي في الكبرى (١/٢٣/٧٥) بسنده عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادفنوا الأظفار والشعر والدم فإنها ميتة ، قال أبو أحمد بن عدى الحافظ: عبد الله بن عبد العزيز حدث عن أبيه عن نافع بأحاديث لم يتابعه أحد عليه .
قال الشيخ رحمه الله: هذا إسناد ضعيف قد روى في دفن الظفر والشعر أحاديث ضعاف .

خلاصہ یہ ہے کہ تمام روایات ضعیف ہیں۔

ناخن دفن کرنے کو فقہاء نے بھی مستحب لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال العلامة الملا على القارى: إذا قلم أظافيره أو جز شعره ينبغي أن يدفن قلامته فإن رمى به فلا بأس وإن ألقاه فى الكنيف أو المغتسل يكره . (مرقاة المفاتيح: ٨/٢٩٠، باب الترجل).

وفى البحر الرائق: ولو قلم أظافيره أو جز شعره يجب أن يدفن وإن رماه فلا بأس به وإن رماه فى الكنيف أو المغتسل فهو مكروه وفى الفتاوى العتابية : يدفن أربعة: الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم . (البحر الرائق: ٨/٢٣٢، دارالمعرفة). (وكذا في فتاوى الشامى:٦/٤٠٥، سعيد، ومجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر:٤/٢٢٦، دارالكتب العمية، والفتاوى الهندية : ٥/٣٥٨، وفتاوى قاضيخان بهامش الهندية :٣/٤١١، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ٥٢٧، ط: قديمى، ودررالحكام شرح غررالاحكام:١/٣٢٢، كتاب الكراهية والاستحسان).

علامہ ابن نجیم مصریؒ کی عبارت سے وجوب مستفاد ہوتا ہے لیکن مابعد والے جملہ " وإن رماه فلا بأس بـه" سے وجوب کی نفی ہوجاتی ہے۔ نیز بالوں کے احکام میں یہ مسئلہ مذکور ہوا کہ دفن کرنا انسانی شرافت وکرامت کی بنا پر ہے، اسی طرح ساحرین کے شر سے بھی بچنے کے لیے ہے ورنہ اگر دفن کرنے کی جگہ میسر نہ ہو تو کسی پنی میں بند کر کے ڈالدیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ناخن اور بال کو بیت الخلا میں ڈالنے کا حکم:

سوال: ناخن اور کٹے ہوئے بال بیت الخلا میں یا وضوخانہ وغیرہ میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ناخن، بال وغیرہ کی صفائی کے بعد بیت الخلا، وضوخانہ، غسل خانہ وغیرہ میں ڈالنا مکروہ ہے، فقہاء نے اس کو مرض کا سبب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفی الخانية: ينبغي أن يدفن قلامة ظفره ومحلوق شعره وإن رماه فلا بأس وكره إلقائه في كنيف أومغتسل لأن ذلک يورث داءً وروي أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمر بدفن الشعر والظفر وقال: لايتعلب به سحرة بني آدم، ولأنها من أجزاء الآدمي فتحترم وروى الترمذي عن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يأمر بدفن سبعة أشياء من الإنسان: الشعر والظفر والحيضة والسن والقلفة والمسحة. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص۵۲۷، قديمى). (وكذا فى الفتاوى الهندية: ۳۵۸/۵،وفتاوى الشامى: ۴۰۵/۶،سعيد،وفتاوى قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية:۴۱۱/۳). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حالتِ جنابت میں ناخن کاٹنے کا حکم:

سوال: جنابت کی حالت میں ناخن اور بال کی صفائی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بحالتِ جنابت وناپا کی ناخن اور بال کی صفائی مکروہ ہے غسل کرنے اورطہارت حاصل کرنے کے بعد صفائی کرنی چاہئے۔ ملاحظہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

حلق الشعر حالة الجنابة مكروه وكذا قص الأظافير. (الفتاوى الهندية:۳۵۸/۵).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

مطلق کراہت کا قول ملتا ہے جس سے بالعموم کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے مگر قرائن سے کراہتِ تنزیہیہ معلوم ہوتی ہے۔(احسن الفتاویٰ:۳۸/۲)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلداول، ص۷۶۲، جدید ایڈیشن)۔ **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہمارے علاقے ضلع صوابی پاکستان کے ایک مولانا صاحب کو ختنہ کی دعوت کے سلسلہ میں مواد درکار تھا، بندۂ عاجز نے عرض کیا کہ ہمارے پاس فتاویٰ دارالعلوم زکریا کے لیے اس مسئلہ پر جو مواد موجود ہے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں آپ کو دیدوں گا۔

ہم نے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد ہفتم کے لیے جو جواب اور مفصل مضمون مرتب کیا تھا وہ ٹائپ شدہ مضمون میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا، کچھ مدت کے بعد ایک مفتی صاحب نے ''دعوتِ ختنہ کی شرعی حیثیت'' کے نام سے ایک رسالہ مرتب کیا اور ہمارا پورا مضمون اس رسالہ میں لے لیا، اور اس رسالہ پر مختلف مفتی حضرات ''جن میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی بھی شامل ہیں'' سے تقریظات لکھوا کر شامل کرلیں، امانت کا تقاضا یہ تھا کہ ہمارے مضمون کو ہمارا نام لیکر چھاپتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

ناظرین کی اس سمع خراشی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی ہمارے اس مضمون یا سوال وجواب کو علمی سرقہ نہ سمجھے، یہ مسئلہ پہلے فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں مختصر طور پر آیا تھا لیکن اس پر بعض حضرات کے اشکالات کی وجہ سے تفصیل درکار تھی جو تحریر کی گئی، اس میں ہم سے یہ غلطی ہوئی کہ جلد ہفتم کی طباعت سے پہلے، طباعت کے لیے تیار مفصل مضمون دوسرے حضرات کے حوالہ کردیا۔ **فإلى الله المشتكىٰ**۔

کتبہ: (حضرت مفتی) رضاء الحق عفا اللہ عنہ

فصل چہارم

ختنہ سے متعلق احکام کا بیان

﴿ختنہ کی دعوت کا حکم احادیث، آثار اور سلفِ صالحین کے اقوال و مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں﴾

سوال: آپ نے ذکر کے رسالہ ''ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں'' ص۲۴۲ پر لکھا ہے کہ بچے کے ختنہ کی دعوت ہے جب کہ ہمارے بعض اکابر نے اس کو منع کیا ہے، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ راہِ سنت میں فرماتے ہیں: حضرت عثمان بن ابی العاص المتوفی ۵۵ھ کو کسی ختنہ میں دعوت دی گئی تو انہوں نے جانے سے صاف انکار کر دیا، جب ان سے انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو صاف الفاظ میں یہ جواب ارشاد فرمایا کہ:

إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم . (مسند احمد:٤/٢١٧) . بينوا بالتفصيل توجروا بالاجر الجزيل ـ

الجواب: ختنہ میں دعوت دینا اور اس کو قبول کرنا جائز ہے بلکہ بہتر ہے لیکن مؤکد نہیں اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کریں، اور مبالغہ اور فخر ومباہات نہ ہو، بغیر تکلف کے کچھ احباب وخواتین جمع ہو جائیں تو ٹھیک ہے۔

احادیث اور آثار کی روشنی میں ختنہ کی دعوت کا حکم:

(١) بوب الإمام البخاريؒ في " الأدب المفرد "(رقم:١٢٤٦) **بقوله : باب الدعوة في الختان ، وذكر فيه حديثاً عن عمربن حمزة** (مختلف فيه) **قال: أخبرني سالم قال: ختنني ابن عمر** رضي الله عنه **أنا و نعيماً ، فذبح علينا كبشاً ، فلقد رأيتنا وأنا لنجذل به على الصبيان أن ذبح عنا**

كبشاً .

وأخرجه أيضاً ابن أبي شيبة في مصنفه (۱۷٤٥٥/۳٤۱/۹).

ترجمہ: حضرت سالمؒ نے بیان کیا کہ (میرے والد) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے میرا اور نعیم کا ختنہ کرایا اور ہمارے لیے ایک مینڈھا ذبح کرایا، ہمیں یاد ہے کہ ہم بچوں کے مقابلہ میں فخر کیا کرتے تھے کہ ہماری طرف سے ایک مینڈھا ذبح کیا گیا۔

قلت: إسناده حسن على الأقل . فيه : عمر بن حمزة وهو مختلف فيه ؛ ضعفه النسائى ويحى بن معين وابن حجر.

وقال ابن عدى: وهو ممن يكتب حديثه .

وقال الحاكم : أحاديثه كلها مستقيمة .

وقد خرج له مسلم ، واستشهد به البخارى فى الصحيح .

وينظر للمزيد : (تهذيب الكمال : ۳۱۲/۲۱،والضعفاء لابن الجوزى :۲۰۷/۲،والجامع فى الجرح والتعديل : ۲۵۵/۲،والمغنى فى الضعفاء للذهبى : ٤٦٥/۲،وتقريب التهذيب ،ص٤۷۹،والكاشف : ۵۸/۲).

عمر بن حمزہ کے بارے میں مزید ملاحظہ ہو:

قال الدكتور بشار عواد في تعليقاته على التقريب(٤۸۸٤/۷۰/۳)**: بل ضعيف يعتبر به فى المتابعات والشواهد ، وهو ماقرره المصنف نفسه فى الفتح** (٤۹۷/۲ و ۸۳/۱۰) **وقال: ابن عدى: وهو ممن يكتب حديثه، وكذلک تشير أقوال من ضعفوه.**

قال ابن حجر فى الفتح (٤۹۷/۲)**: عمر مختلف فى الاحتجاج به. وقال أيضاً فى مقام آخر** (۸۳/۱۰)**: عمر بن حمزة فهو مختلف في توثيقه ومثله يخرج له مسلم فى المتابعات .**

خلاصہ یہ ہے کہ عمر بن حمزہ مختلف فیہ راوی ہے، اکثر حضرات نے تضعیف کی ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف یا حسن ہے البتہ فضائل میں ضعیف روایت سے استدلال محدثین کے نزدیک جائز اور درست ہے۔ خود امام بخاری نے اپنی "الجامع الصحيح"، میں فضائل میں ضعیف راوی کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

حدثنا عبد العزيز بن عبد الله الأويسى قال حدثنى إبراهيم بن سعد عن ابن شهاب أن

عطاء بن يزيد أخبره أن حمران مولى عثمان أخبره أنه رأى عثمان بن عفان دعا بإناء فأفرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ثم أدخل يمينه في الإناء ...الخ. (رواه البخاري: ۲۷/۱، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً).

اس روایت کی سند میں حمران مولی عثمان ضعیف راوی ہے محدثین نے اس پر بہت کلام کیا ہے۔اگرچہ بعض حضرات نے ثقہ بھی کہا ہے۔امام بخاریؒ نے ان سے وضو کی فضیلت میں حدیث لی ہے۔

قال الدكتور بشار عواد : ومعلوم أن الإمام البخاري يترخص في الرواية عمن في حديثه ضعف في غير الأحكام كالمغازي والشمائل والتفسير والرقاق كما بينه الذهبي في الموقظة . (تحرير تقريب التهذيب: ۱/۱۰۴).

اورحمران بن ابان کے بارے میں لکھا ہے: **وقال ابن سعد لم أرهم يحتجون بحديثه وأورده البخاري في الضعفاء ، قلت: ويظهر من جماع ترجمته أن الرجل لم يكن أميناً الأمانة التي تودي إلى توثيقه توثيقاً مطلقاً .** (تحرير تقريب التهذيب: ۱/۳۲۱، وكذا في حاشية تهذيب الكمال: ۷/۳۰۴).

حدیث ”**كن في الدنيا كأنك غريب**“ امام بخاریؒ نے اس کو کتاب الرقاق (رقم: ۶۴۱۶) میں ذکر فرمایا اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی موجود ہیں، ان کو ابوزرعہ نے منکر الحدیث کہا ہے، (تهذيب الكمال: ۲۵/۶۵۴) حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری ص ۶۱۵ پر تحریر فرمایا ہے: **وهذا انفرد به الطفاوي وهو من غرائب الصحيح وكان البخاري لم يشدد فيه لكونه من أحاديث الترغيب والترهيب .**

صحیح بخاری کتاب الجہاد میں امام بخاریؒ نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے: **كان للنبي صلى الله عليه وسلم في حائطنا فرس يقال له اللحيف**“ (رقم: ۲۸۵۵) اس کی سند میں ابی بن عباس بن سہل ہیں، جن کو امام احمد، نسائی، یحیی بن معین اور خود امام بخاری نے ضعیف کہا ہے پھر بھی ان سے روایت لی اس لیے کہ یہ حدیث احادیثِ احکام میں سے نہیں۔ملاحظہ کیجئے۔(تہذیب التہذیب: ۱/۱۶۸).

اسی طرح امام بخاری یہ حدیث ”**عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هل تنصرون وترزقون إلا بضعفاء كم ، الخ**“. (رقم: ۲۸۹۶) اس کی سند میں محمد بن طلحہ عن طلحہ موجود ہے ان کو امام نسائی، یحیی بن معین وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، لیکن

چونکہ اس حدیث کا تعلق فضائل اعمال سے ہے اس لیے قابل تسامح ہے۔ (مقدمہ،۶۱۳).

اسی طرح امام بخاریؒ نے باب الاستقاء (۱/۱۳۷) میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار سے روایت بیان کی ہے جب کہ عبدالرحمٰن پر بھی کلام ہے۔

قال عباس الدوری عن یحی بن معین في حدیثه عندي ضعف. وقال أبو حاتم: فیه لین یکتب حدیثه ولایحتج به. وقال: أبو أحمد بن عدي: وبعض ما یرویه منکر لایتابع علیه وهو في جملة من یکتب حدیثه من الضعفاء. (تهذیب الکمال:۱۷/۲۰۹).

اگرچہ شراحِ حدیث نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ عبدالرحمٰن کا متابع عمر بن حمزہ بعد میں موجود ہے اس وجہ سے یہ روایت صحیح کی قسم میں شامل ہوجاتی ہے۔ لیکن علامہ عینیؒ نے اس کو محل نظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

فإن قلت: عمر بن حمزة هذا متکلم فیه وکذلک عبد الرحمن بن عبد اللّٰہ بن دینار مختلف فی الاحتجاج به...فکیف أوردهما البخاری في صحیحه؟ قلت: أجیب بأن إحدی الطریقین اعتضدت بالأخری وهو من أمثلة أحد قسمي الصحیح کما تقرر في موضعه وفیه نظر لا یخفی. (عمدة القاری:۵/۲۵٤،ط:دارالحدیث ملتان،و فتح الباری: ۲/٤۹۷،دارالمعرفة).

مولانا عبداللہ معروفی استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند نے بھی اصولِ حدیث پر تحریر شدہ اپنی کتاب ’’حدیث اورفہمِ حدیث‘‘ میں یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ امام بخاریؒ نے فضائل اعمال میں بعض متکلم فیہ راویوں سے بعض احادیث لی ہیں۔ ملاحظہ ہو: (حدیث اورفہم حدیث،ص۴۳۵تا۴۳۷،مکتبہ عثمانیہ)۔

فضائل میں ضعیف حدیث سے استدلال کے متعلق محدثین کے اقوال ملاحظہ فرمائیے:

روی الخطیب البغدادی فی ’’الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع‘‘ (رقم:۱۲۸۰):

قال: أنا محمد بن أحمد بن یعقوب أنا محمد بن نعیم، قال: سمعت یحیی بن محمد العنبری، یقول: نا محمد بن إسحاق بن راهویه، قال: کان أبي یحکي عن عبد الرحمن بن مهدی، أنه کان یقول: إذا روینا فی الثواب والعقاب وفضائل الأعمال، تساهلنا فی الأسانید والرجال، وإذا روینا فی الحلال والحرام والأحکام تشددنا فی الرجال‘‘.

قال الشيخ تقي الدين ابن الصلاح : نقاد أهل الحديث يتسامحون فى أسانيد الرغائب والفضائل . (البدرالمنير لابن الملقن:۲/ ۲۸۰،ط: الرياض).

وقال الخطيب فى" الكفاية فى علم الرواية " (ص ۱۳۳،باب التشديدفى احاديث الاحكام والتجوز فى فضائل الاعمال) **قد ورد عن غير واحد من السلف أنه لا يجوز حمل الأحاديث المتعلقة بالتحليل والتحريم إلا عمن كان بريئاً من التهمة بعيداً من الظنة ، وأما أحاديث الترغيب والمواعظ ونحو ذلك فإنه يجوز كتبها عن سائر المشايخ ثم أسند هذه الآثار التالية :**

۱ / عن سفيان الثورى قال: لا تأخذوا هذا العلم فى الحلال والحرام إلا من الرؤساء المشهورين بالعلم الذين يعرفون الزيادة والنقصان ، ولا بأس بما سوى ذلك من المشايخ.

۲ / عن سفيان بن عيينة قال: لا تسمعوا من بقية ما كان في سنة ، واسمعوا منه ما كان في ثواب وغيره .

۳ / عن أحمد بن حنبل قال : إذا روينا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا فى الأسانيد ، وإذا روينا عن النبى صلى الله عليه وسلم في فضائل الأعمال وما لا يضع حكماً ولا يرفعه تساهلنا فى الأسانيد .

۴ / عن أبي زكريا العنبرى قال: الخبر إذا ورد لم يحرم حلالاً ولم يحل حراماً ، ولم يوجب حكماً ، وكان في ترغيب أو ترهيب أو تشديد أو ترخيص : وجب الإغماض عنه والتساهل في رواته . انتهى النقل عن الخطيب .

ابن قدامہؒ المغنی میں فرماتے ہیں:

النوافل والفضائل لاتشترط صحة الحديث فيها . (المغنى :۱/ ۷٦۹،فصل فى صلاة التسبيح، دارالكتب العلمية).

امام نوویؒ الاذکار میں فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم : يجوز ويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً وأما الأحكام كالحلال

والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلک فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلک ، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب. (كتاب الاذكار، ص۲۵،ط: مكتبة دارالبيان).

محقق ابن ہمامؒ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

والاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع . (فتح القدير: ۱۳۳/۲، فی اواخرمن باب الصلاة على الميت ،دارالفكر).

ابن بدران الحنبلی المدخل إلى مذهب الإمام أحمد بن حنبل میں فرماتے ہیں:

تتمة : ذهب الإمام أحمد وتبعه موفق الدين المقدسی والأكثر إلى أنه يعمل بالحديث الضعيف فی الفضائل . (المدخل الى مذهب الامام احمد بن حنبل : ۱۰۴/۱، الاصل الثانی : السنة ، ط: دارالكتب العلمية بيروت).

اضواء البيان میں ہے:

ولو فرض وقدر جدلاً أنه فی السند مقالاً ، فإن أئمة الحديث لايمنعون إذا لم يكن فی الحديث حلال أوحرام أو عقيدة ، بل كان باب فضائل الأعمال لايمنعون العمل به ، لأن باب الفضائل لايشدد فيه هذا التشدد ونقل السيوطی مثل ذلک عن أحمد وابن المبارک. (اضواء البيان :۵۷۲/۸).

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجئے: (الجزء اللطيف فی الاستدلال بالحديث الضعيف).

(۲) أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه (۱۷۴۵۱/۳۴۱/۹،باب من كان يقول: يطعم فی العرس والختان) **بسنده عن نافع قال: كان ابن عمر** رضی اللہ عنہ **يطعم على ختان الصبيان .**

ترجمہ: حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بچوں کے ختنہ پر دعوتِ طعام کیا کرتے تھے۔

(۳) أخرج ابن أبي شيبة في مصنفه (۱۷۴۵۱/۳۴۱/۹،باب من كان يقول: يطعم فی العرس والختان) **عن الزهری ، عن سالم : أن حمزة بن عبد الله بن عمر نحر جزوراً .**

ترجمہ: حضرت سالمؒ کہتے ہیں کہ حمزہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے (ختنہ کے موقع پر) اونٹ ذبح کیا۔

قال الشيخ محمد الياس الباره بنكوى في تعليقات الأدب المفرد (ص۸٦٢): **وهذا إسناد صحيح مقطوع مختصر جداً كما ترى .**

اگرچہ مذکورہ روایت میں ختنہ کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن ابن ابی شیبہ نے اس روایت کو ولیمہ اور ختنہ کی دعوت کے تحت ذکر کیا ہے، لہذا اس روایت کا تعلق غالباً ختنہ سے ہے۔ کیونکہ اس کے بعد حضرت سالمؒ ہی کی روایت ختنہ کے بارے میں مذکور ہے۔

(۴) ذكر الإمام الذهبي في ميزان الاعتدال في ترجمة سلام بن سليمان المدائنى (۳۳٤٦/۳٦۹/۲)، **فقال : سلمان بن توبة ، حدثنا سلام بن سليمان المدائني ، حدثنا سلام الطويل ، حدثنا إبراهيم الصائغ ، عن نافع ، عن ابن عمر** رضي الله عنه **،قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : الوليمة فى العرس والخرس والعذار . قال : الخرس : الولادة . والعذار : الختان .** (وكذا فى الفردوس بماثورالخطاب :٤/٤٣٤/٧٢٦١).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ولیمہ؛ شادی ،ولادت، اور ختنہ کے موقع پر ہوتا ہے۔

وفيه سلام بن سليمان ، وهو مختلف فيه . فحديثه حسن على الأقل .

قال أبوحاتم : ليس بالقوي . وقال ابن عدى : منكرالحديث وقال أيضاً: وعامة ما يرويه حسان إلا أنه لا يتابع عليه . وقال النسائى : ثقة ، مدائنى.

راجع : (ميزان الاعتدال : ۳٦۸/۲،ولسان الميزان : ۳۵۳۰/۹۹/۲،وضعفاء العقيلى : ١٦٢/٢،وتهذيب الكمال: ۲۸٦/۱۲،۲۸۷،وتهذيب التهذيب: ۲۸۳/٤).

(۵) أخرج الطبراني فى الأوسط (۳۹٤۸) **بسنده عن مجاهد عن أبي هريرة** رضي الله عنه **قال: الوليمة حق وسنة فمن دعى فلم يجب فقد عصى الله ورسوله والخرس والإعذار والتوكير أنت فيه بالخيارقال: قلت: إني والله لا أدري ما الخرس والإعذار والتوكيرقال: الخرس: الولادة ، و الإعذار : الختان ، والتوكير : الرجل يبنى الدار وينزل فى القوم فيجعل الطعام فيدعوهم فهم بالخيار إن شاءوا جاؤوا وإن شاءوا قعدوا. لم يرو هذا الحديث عن**

إسماعيل بن أمية إلا يحيى بن عثمان التيمى تفرد به الصلت بن مسعود .

قال الهيثمي : يحيى بن عثمان التيمى وثقه أبوحاتم الرازى وابن حبان وضعفه البخارى وغيره وبقية رجاله رجال الصحيح . (مجمع الزوائد: ٤/ ٥٢، دارالفكر).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ولیمہ حق اور سنت ہے جس شخص کو ولیمہ کی دعوت پیش کی جائے اور پھر وہ نہ جائے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ، البتہ ولادت ،ختنہ اور نئے گھر کی دعوت میں آپ کو اختیار ہے۔

(٦) عن أبي حَسين بفتح الحاء أن وصياً أنفق على ختان صبي مائة دينار ، فلما كبر خاصمه إلى شريح ، قال: فقضى شريح فقال: جزوراً وما يصلحها و يضمن سائر المال .

(فص الخواتم فيما قيل فى الولائم ، ص:٧، وليمة العذير).

ترجمہ: ابوحسینؒ کہتے ہیں کہ ایک وصی نے بچے کے ختنہ کی دعوت پر سو دینار خرچ کیے ،جب وہ بچہ بڑا ہوا گیا تو قاضی شریحؒ کے پاس مقدمہ لے کر گیا،تو قاضی شریحؒ نے فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: ایک اونٹ اور اس کے پکانے کھلانے کے انتظام میں جو خرچ ہوتا ہے وہ نکال کر بقیہ کا تاوان واجب ہے۔

(٧) وعن بشر بن الحارث قال: أتى سفيان فقيل له : يا أبا عبد الله غلام يتيم نريد نختنه قال: انحر عنه جزوراً . (فص الخواتم فيما قيل فى الولائم،ص:٧، وليمة العذير).

ترجمہ: بشر بن حارثؒ کہتے ہیں کہ حضرت سفیانؒ تشریف لائے تو ان سے کہا گیا اے ابوعبداللہ! ایک یتیم بچہ ہے ہم اس کا ختنہ کرانا چاہتے ہیں، حضرت سفیانؒ نے فرمایا: اس بچہ کی طرف سے اونٹ ذبح کیجئے۔

(٨) وعن أشعث بن عبد الرحمن بن زبيد قال: شهدت جدي زبيداً في ختاني ضحى بنعاج كثيرة فانتهبه الغلمان فقال: لا تنتهبوا ، و أعطاهم بيده وقال: هذا خير . (فص الخواتم فيما قيل فى الولائم،ص:٧، وليمة العذير).

ترجمہ: اشعث بن عبدالرحمٰن بن زبید نے کہا: میں نے اپنے ختنہ میں اپنے دادا کو دیکھا انھوں نے بہت ساری دنبیاں ذبح کیں ،تو کچھ بچوں نے چھینا جھپٹی شروع کی ،میرے دادا نے کہا: چھینا جھپٹی مت کرو، اور ان کو اپنے ہاتھ سے دیا اور کہا: یہ طریقہ بہتر ہے۔

(٩) و عن هشام بن عروة قال: ما صنعت أمي يوم ختنت إلا عصيدة . (فص الخواتم فيما

قیل فی الولائم، ص ۷، ولیمة العذیر).

ترجمہ: ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں کہ جس دن میرا ختنہ کیا گیا میری ماں نے اس دن صرف حریرہ بنایا تھا۔ (حریرہ آٹے اور گھی کا حلوا)۔

آخر الذکر چار آثار مؤرخ اور فقیہ شمس الدین محمد بن علی بن خمارویہ بن طولون الدمشقی الصالحی الحنفی (۸۸۰۔۹۵۳ھ۔ ۱۴۷۵۔۱۵۴۶ء) نے اپنی مشہور کتاب ''**فص الخواتم فیما قیل فی الولائم**'' میں ذکر کیے ہیں۔

(۱۰) عن نافع قال: سمعت ابن عمر ﷺ یقول: أجیبوا هذه الدعوة إذا دعیتم لها، قال: وکان عبد الله یأتی الدعوة فی العرس وغیر العرس وهو صائم. (رواه البخاری: ۲/۷۷۸، باب اجابة الداعی فی العرس وغیره، ط: فیصل).

قال العلامة بدر الدین العینیؒ: قوله وغیره أی وغیر العرس أی وإجابة الداعي في غیر العرس نحو طعام الختان ... (عمدة القاری: ۱۴/۱۳۶).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں اس دعوت کو قبول کرو جب تمہیں دعوت دی جائے۔ حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ دعوت میں تشریف لے جایا کرتے تھے چاہے ولیمہ کی دعوت ہوتی یا اس کے علاوہ کی، خواہ وہ روزہ سے ہوتے۔

علامہ عینیؒ غیر ولیمہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ختنہ کی دعوت ہے۔ یعنی جس طرح ولیمہ کی دعوت میں تشریف لے جاتے اسی طرح ختنہ وغیرہ کی دعوت میں بھی تشریف لے جاتے تھے۔

(۱۱) روی مسلم (رقم: ۱۴۲۹) **من حدیث الزبیدی عن نافع عن ابن عمر ﷺ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من دعي إلی عرس أو نحوه فلیجب.**

قال الملا علی القاریؒ فی المرقات (۶/۲۵۳) **: قوله عرس أو نحوه؛ أی کالعقیقة والختان.**

قال الإمام الشافعيؒ: الإجابة فی الولیمة واجبة، ولا أرخص في ترک الإجابة في غیرها کالختان ...الخ. (شرح الابی علی صحیح مسلم: ۵/۹۵).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو ولیمہ یا غیر ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہئے کہ دعوت قبول کر لے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ غیر ولیمہ کی

دعوت سے مراد عقیقہ اور ختنہ کی دعوت ہے۔امام شافعیؒ نے فرمایا ولیمہ کی دعوت قبول کرنا واجب ہے،اور ولیمہ کے علاوہ ختنہ وغیرہ کی دعوت کو بھی ترک کرنے کی میں اجازت نہیں دیتا ہوں۔

(۱۲) **روی إبراهيم بن إسحاق الحربي في غريب الحديث** (۲٦٦/۱،ط: ام القری) **قال: حدثنا الحكم بن موسى حدثنا عيسى بن يونس عن خارجة عن شيخ عن ابن مسعود** رضی اللہ عنہ **أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الوليمة في الإعذار حق".**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ختنہ کے موقع پر دعوتِ طعام صحیح اور جائز ہے۔

مذکورہ بالا احادیث،آثار اور سلفِ صالحین کے طریقہ کار سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ ختنہ کی دعوت درست اور جائز ہے،اس کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی،خصوصاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ تو سنت پر عمل کرنے کے عاشق تھے،وہ کیسے بدعت کو گوارا کر سکتے تھے۔

ختنہ کی دعوت مذاہبِ اربعہ کے اقوال کی روشنی میں:

فقہائے احناف کے اقوال وعبارات:

فقہائے احناف کے ہاں تین اقوال دستیاب ہوتے ہیں۔(الف) ختنہ کی دعوت سنت ہے۔علامہ ابوبکر الکاسانی صاحبِ بدائع الصنائع (م۵۸۷ھ) اور شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن حسین السغدیؒ (م۴۶۱ھ) وغیرہ نے اس قول کو بیان کیا ہے۔(ب) مستحب ہے۔(ج) نہ سنت نہ مستحب فقط جائز اور مباح ہے۔

(الف) سنت والے قول کے دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ ہوں:

(۱) بدائع الصنائع میں ہے:

وإن كانت سنة كوليمة العرس والختان فإنه يجيبها لأنه إجابة السنة ولا تهمة فيه .

(بدائع الصنائع: ۱۰/۷،فصل فی آداب القضاء،سعید).

(۲) النتف فی الفتاویٰ میں ہے:

السنة في الطعام؛ وأما السنة فعلى ثلاثة أوجه: أحدها طعام الوليمة والثاني: طعام الختان والثالث: طعام القدوم من السفر وفي ذلک جاء ت الآثار. (النتف فی الفتاویٰ لشیخ

الاسلام ابی الحسن السغدی،ص۱۵۷، کتاب الاطعمة ، دارالکتب العلمية بيروت).

(۳) فی الفتاوی الهندية : (۳/ ۳۳۱) **إن كانت سنة كوليمة العرس والختان ...نقلاً عن البدائع .**

(۴) وفي فيض الباری : والختان يدعی لها بتمام النعمة فی إقامة سنن إبراهيم عليه السلام .

(فيض الباری : ٤/٢٩٩).

(ب) مستحب والے قول کے دلائل ملاحظہ فرمایئے:

(۵) الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

قال : حكم الدعوة للختان و سائر الدعوات غير الوليمة أنها مستحبة . (الموسوعة الفقهية الكويتية : ۲۰/۳۳۷، و۵/۱۲۰).

(٦) علامہ ظفر احمد عثمانی اعلاء السنن میں فرماتے ہیں:

فحكم الدعوة للختان وسائر الدعوات غير الوليمة أنها مستحبة ، لما فيها من إطعام الطعام والإجابة إليها مستحبة غير واجبة ، وهذا قول مالكؒ والشافعيؒ وأبي حنيفةؒ وأصحابه...قلت: وكل ذلك موافق لمذهبنا معشر الحنفية ، وما كان خلافاً نبهت عليه كما ترى، والله أعلم. (اعلاء السنن: ۱۱/۱۷،تفصيل احكام الوليمة واقسامها،ادارة القرآن).

یعنی ولیمہ کے علاوہ بقیہ تمام دعوتیں خواہ ختنہ کی ہو یا کوئی اور، سب کا حکم یہ ہے کہ مستحب ہیں اوران کا قبول کرنا بھی مستحب ہے ، یہی امام مالک وامام شافعی وامام ابوحنیفہؒ اوران کے اصحاب کا قول ہے۔...یہ سب ہم احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ جہاں کوئی بات مذہب کے خلاف تھی وہاں میں نے تنبیہ کردی ہے۔ یاد رہے کہ اعلاء السنن حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں تحریر کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ نے خود تحریر فرمایا:

وسرحت النظر فيها كالأولى حرفاً حرفاً فوجدتها ـ الحمد لله ـ أحسن من الأولى رواية ودراية وكفاية فی موضوعها. (اعلاء السنن : ۱/۳۳).

حضرت تھانویؒ کی یہ عبارت اگرچہ جلدِ دوم سے متعلق ہے لیکن سترہویں جلد پر بھی یہ عبارت مرقوم ہے: **على ضوء ما أفاده حكيم الأمة**۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ حضرت تھانویؒ کی نظر سے گزرا ہوگا۔

(۷) **التعلیق الصبیح** میں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

الولیمة والعقیقة والدعوة علی الختان وعند القدوم من الغیبة کلها سنن مستحبة شکراً للّٰه تعالیٰ علی ما أحدث من النعمة . (التعلیق الصبیح :٤/٤٧،المکتبة العثمانیة).

(۸) شیخ عبدالحق محدثِ دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

ولیمہ برائے عرس وخرس برائے ولادت واعذار برائے ختان ووکیرہ برائے بناوایں ہمہ اقسام مستحب است۔(اشعۃ اللمعات:۳/۱۳۹،ط:کتب خانہ مجیدیہ،ومظاہرحق جدید:۳/۳۵۵،ط:دارالاشاعت)۔

(۹) مسائل اربعین میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

درشادی وختانِ طفلاں نمودن وتقسیم کردن طعام جائز بلکہ مستحب است۔(مسائل اربعین)۔

(ج) جائز والے قول کے دلائل ملاحظہ کیجئے:

(۱۰) قال الإمام الطحاويؒ: وکانت الولیمة صنفاً من الأطعمة ؛ لأن فی الأطعمة أصنافاً سواها نحن ذاکروها فی هذا الباب إن شاء اللّٰه . وهو ما سمعت أحمد بن أبي عمران یقول: کانت العرب تسمی الطعام الذي یطعمه الرجل إذا ولد له مولود : طعام الخرس، وتسمی طعام الختان طعام الإعذار، یقولون : قد أعذر علی ولده ، وإذا بنی الرجل داراً أو اشتراها فأطعم قیل: طعام الوکیرة ، أی من الوکر ، وإذا قدم من سفر فأطعم قیل : طعام النقیعة . . .

(مشکل الآثار:۷/۳۷/۲۵۵۸).

(۱۱) تحفۃ الملوک میں فقیہ ابوبکر الرازی اوراس کی شرح میں محمد بن عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن ملک فرماتے ہیں:

و طعام الولادة ، و العقیقة و هی الطعام الذی یتخذ عن المولود یوم أسبوعه عند حلق عقیقه یعنی شعره و ربما سمیت الشاة التی تذبح عن المولود فی ذلک الیوم عقیقة ، وطعام الختان ، وقدوم المسافر، والموت : لیس بسنة ، وطعام العرس : سنة . کذا قاله محمد بن مقاتلؒ . (شرح تحفة الملوک :۲/۲۰۶۰، رقم المسألة :٤٧٦).

(۱۲) البنایۃ فی شرح الہدایہ میں ہے: **قال القدوریؒ وأبوعلی النسفیؒ: دعوة العامة عرس وختان، وما سوی ذلک خاصة.** (البیانة فی شرح الهدایة : ۸/۲٦،ط: مکتبة رشیدیة).

(وکذا فی الجوهرة النيرة : ۲/۳۴۳، مکتبة امدادية، وفتاوى الشامي:۳۷۴/۵، سعيد، والعناية فی شرح الهداية ۱۰/۲۳۴، ومجمع الانهر شرح ملتقى الابحر : ۲۲۱/۳، والمحيط البرهانی:۴۵۲/۸، کتاب القضاء ، الفصل التاسع فی رزق القاضی، وتحفة الفقهاء:۳۷۴/۳، کتاب ادب القاضی، ط:بيروت، ولسان الحكام ،ص ۳۷۲، فصل الهبة، دار الفكر).

(۱۳) **الفقه على المذاهب الأربعة** میں ہے:

الحنفية قالوا: السنة هي وليمة العرس... أما الدعوة إلى طعام غير العرس كالدعوة إلى طعام الختان ونحوه مما ذكر ، فإنها جائزة متى كانت خالية من محظور ديني . (الفقه على المذاهب الاربعة:۲۹/۲، كتاب الحظروالاباحة).

(۱۴) **قال الكرماني: قالوا : والضيافة ثمانية أنواع:ـ الوليمة للعرس والخرس للولادة والعذار للختان والوكيرة للبناء ...** (حاشية البخارى باختصار:۷۷٦/۲). (وكذا فی شرح شرعة الإسلام ، ص ٤٤۲ ، فصل فی سنن النكاح ، وفضائله ، وحقوقه، نقلاً عن شرح المشارق).

(۱۵) **الفتاوى البزازيه** میں ہے:

ولا يتخلف عن دعوة العامة كدعوة الختان والعروس ، فإذا جاء قعد فإن شاء أكل والأفضل الأكل إن لم يعلم بالحرمة . (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۳٦٤/٦، الخامس فی الاكل من كتاب الكراهية).

ختنہ کی دعوت فقہائے مالکیہ کے اقوال کی روشنی میں:

مالکیہ کے ہاں ختنہ کی دعوت فقط جائز اور مباح ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) **الفقه على المذاهب الأربعة** میں ہے:

المالكية : قالوا: إن المندوب هو وليمة العرس فقط كما تقدم وأما غيره كطعام الختان فإنه جائز ليس بواجب ولا مستحب . (الفقه على المذاهب الاربعة :۲۹/۲، كتاب الحظروالاباحة حكم الوليمة، ط: مكتبة الثقافة الدينية).

(۲) **حاشية الصاوي على الشرح الصغير** میں ہے:

واعلم أن طعام الختان يقال له إعذار ...والذي لابن رشد فی المقدمات : أن حضور الكل مباح إلا وليمة العرس فواجب ، وإلا العقيقة فمندوب . (حاشية الصاوى : ۲۰۸/۵).

(۳) ابن حاجب مالکی جامع الأمهات میں فرماتے ہیں:

ويستحب له إتيان ما يصنع من ذلک من إخوانه وجيرانه ويجيب إلى طعام الولادة و هو الخرس والعقيقة والإعذار وهو طعام الختان. (جامع الامهات ،ص ۵٦١، كتاب الجامع لمعانى المفردةعن الشريعة).

(۴) شہاب الدین القرافی المالکی الذخیرۃ میں فرماتے ہیں:

وأما ختن الرجل فكانوا يدعون إليه وأمر عليه السلام بالدعاء إليه فقال : لا وليمة إلا في خرس أو عرس أو إعذار ... والإعذار الختان ... وكان ابن عمر يدعو إليه . (الذخيرة : ١٦٧/٤ ،فصل فى الختان ، كتاب العقيقة،ط:بيروت).

(۵) مواہب الجلیل میں ہے:

الدعوة فی الختان ليست بواجبة عند أحد من أهل العلم ولا مستحبة وإنما هي من قبيل الجائز الذي لا يكره تركه ولا يستحب فعله . (مواهب الجليل :٢٤٢/٥ ،فصل فى الوليمة،ط: دارالكتب العلمية بيروت).

ختنہ کی دعوت فقہائے شافعیہ کے اقوال کی روشنی میں:

شافعیہ کے ہاں ختنہ کی دعوت مستحب ہے۔ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حاشیۃ القلیوبی میں ہے:

قال القليوبى : (لما ذكر عن الولائم) و للختان إعذار ، وتستحب فى الذكر ولا بأس بها للأنثى للنساء فيما بينهن . (حاشية القليوبى : ٢٩٣/٣).

(۲) مغنى المحتاج میں ہے:

قال الشربيني : قال الأذرعي : والظاهر أن استحباب وليمة الختان محله في ختان الذكور دون الإناث فإنه يخفى ويستحيىٰ من إظهاره ، ويحتمل استحبابه للنساء فيما بينهن

خاصة أى وهذا أوجه . (مغنى المحتاج : ٤٠٣/٤، فصل فى الوليمة).

(۳) امام نوویؒ شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

الطعام الذي يدعى إليه الناس ستة : الوليمة للعرس ، والخرس للولادة ، والإعذار للختان...ويستحب ما سوى الوليمة لما فيها من إظهار نعم الله والشكر عليها ، واكتساب الأجر والمحبة ، ولا تجب ، لأن الإيجاب بالشرع ولم يرد الشرع بإيجابه . (شرح المهذب : ٣٩٢/١٦،باب الوليمة).

(۴) أسنى المطالب میں ہے:

وليمة ختان أو غيره ...و للختان إعذار...والكل مستحب . (اسنى المطالب :٢٢٣/٣،ط: بيروت).

(۵) حواشی الشروانی میں ہے:

إن محل ندب وليمة الختان في حق الذكور دون الإناث . (حواشى الشروانى : ٤٢٤/٧).

وللمزيد راجع : (حاشية اعانة الطالبين : ١٩٩/٤ ،وروضة الطالبين: ٣٣٢/٧،ط: المكتب الاسلامى،ونهاية المحتاج : ٣٦٩/٦،دارالفكر،وبهجة الوردية:٢٠٣/١٥).

ختنہ کی دعوت فقہائے حنابلہ کے اقوال کی روشنی میں:

حنابلہ کے ہاں ختنہ کی دعوت مستحب ہے۔

ملاحظہ فرمائیے (۱) المغنی میں ہے:

فحكم الدعوة للختان وسائر الدعوات غير الوليمة أنها مستحبة لما فيها من إطعام الطعام ، والإجابة إليها مستحبة غير واجبة وهذا قول مالكؒ والشافعيؒ وأبي حنيفةؒ وأصحابه...وقد دعي أحمدؒ إلى ختان فأجاب وأكل. (المغنى : ١١٧/٨،وكذا فى الشرح الكبير: ١٠٧/٨،دارالكتب العلمية، بيروت).

(۲) کشاف القناع میں ہے:

والثالث : عذيرة وإعذار لطعام ختان ...وجميعها أى الدعوات جائزة أى مباحة ،

لأنها الأصل فی الأشياء ، غير مأتم فيكره . (کشاف القناع: ۱٦٦/٥، ط: باب الوليمة وآداب الاكل، دارالفکر).

(۳) المبدع شرح المقنع میں ہے:

والأطعمة التي يدعى إليها الناس عشرة ؛ الأولى : وليمة العرس والثانية : عذرة وإعذار للختان ...و هی مستحبة . (المبدع شرح المقنع: ١٦٦/٧،ط: دارعالم الكتب ،الرياض).

(۴) **شيخ محمد بن صالح العثيمين الشرح الممتع** میں فرماتے ہیں:

و وليمة مباحة ، وهي سائر الولائم التي تفعل عند حدوث ما يسر، فهي من قسم المباح وليس من قسم البدعة ، كما ظنه بعض الناس، كالوليمة للختان ، فهذه مباحة ، لأن الأصل في جميع الأعمال غير العبادة الإباحة ، حتى يقوم الدليل على المنع. (الشرح الممتع على زادالمستقنع: ٣٢٠/١٢،ط: دارابن الجوزی).

(۵) **الفقه على المذاهب الأربعة** میں ہے:

الحنابلة : قالوا: إن المسنون هو الدعوة إلى طعام العرس خاصة ، أما غيرها من الأنواع التي ذكرت فإن الدعوة إليها جائزة . (الفقه على المذاهب الاربعة: ٢٩/٢،حكم الوليمة، ط: مكتبة الثقافة).

(٦) **تحفة المودود بأحكام المولود** میں علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

فإن الأطعمة المعتادة التي تجري مجرى الشكر ان كلها سبيلها الطبخ ولها أسماء متعددة ... ٧ : والغديرة طعام الختان ... فكان الإطعام عند هذه الأشياء أحسن من تفريق اللحم . (ص٧٦،ط: دمشق).

ختنہ کی دعوت اکابرؒ کے فتاویٰ کی روشنی میں:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

ختنے کی تقریب میں دعوت دینا اور بستی کے لوگوں کو کھانا کھلانا لازم نہیں ہے اگر کسی کو وسعت ہو اور وہ اپنی خوشی سے دعوت دیدے تو اسے اختیار ہے لیکن لوگوں کو اس سے زبردستی دعوت لینے کا کوئی حق نہیں ہے،...الخ۔

(کفایت المفتی: ۳۴۴/۲، دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ختنہ کی تقریب میں شریک ہونا اور کھانے میں شریک ہونا فی حد ذاتہ جائز ہے، بشرطیکہ ریا وشہرت کے لیے یہ کام نہ ہو اور قرض ادھار لے کر یہ کام نہ کیا جائے اور کوئی ناجائز کام مثلاً گانا بجانا نہ ہو۔ (۲/ ۳۴۷)۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

ولیمة الختان لم یکن یدعی لها کا مفہوم اسی قدر ہے کہ یہ معمول نہ تھا ولیمہ کا لفظ اس کو شامل ہے اس لیے فی حد ذاتہ اباحت ہے، ہاں آج کل کے مصالح اسلامیہ اس کے مقتضی ہیں کہ ایسی دعوتیں جس قدر کم ہوں بہتر ہے۔ (کفایت المفتی: ۲/ ۳۴۸)۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ حیاتِ مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:

جب بچہ میں برداشت کی قوت دیکھیں ختنہ کرنے والے کو بلا کر ختنہ کرادیں، جب اچھا ہو غسل کرادیں، اگر گنجائش ہو تو کچھ عزیز واقارب یا دوست احباب یا کچھ غریبوں کو جو کچھ میسر آئے کھلا دیں۔ (حیاتِ مسلم، ص ۲۹)۔

حضرت گنگوہیؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

جس کے یہاں شادی وختنہ میں رسوم وبدعات موجود ہوں اس کے یہاں شریک نہ ہو اس کے مکان میں نہ دوسرے مکان میں اگر مکان پر کھانا بھیج دیں تو خوف فتنہ کا اگر نہ ہو تو نہ لیوے اور اگر نہ لینے کے اندر فساد ہو تو دفع فساد کے سبب لے لینا چاہیئے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۴۴)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے ہاں بھی اگر بدعات ورسومات سے خالی ہو تو جائز ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے بھی جواز تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ختنہ کے وقت لوگوں کو جمع کرنا تو غلط ہے، لیکن ختنہ سے فراغت کے بعد اگر بطورِ شکریہ ادائے سنت دعوت کردے، خواہ عقیقہ کے ساتھ یا بغیر عقیقہ کے درست ہے، ضروری تصور کرنا غلط ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/ ۴۶۴، جامعہ فاروقیہ)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

خیر القرون میں ختنہ کے موقع پر دعوت کا کوئی رواج نہیں تھا، حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ختنہ میں ہمیں دعوت دی جاتی تھی، نہ ہی ہم جایا کرتے تھے، اس لیے

یہ دعوت محض مباح ہے، امام احمدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو اس سلسلہ میں دعوت دی گئی تو قبول کیا اور تناول فرمایا، چونکہ یہ محض ایک مباح دعوت ہے، اس لیے مسلمانوں کی عام دعوت کی طرح اس کا قبول کرنا (البتہ یہ اُس وقت ہے جب کہ دعوت میں کوئی خلافِ شرع بات نہ ہو اور اسے لازمی رواج کا درجہ نہ دے دیا جائے) مستحب ہے، حنابلہ، مالکیہ اور شوافع کے علاوہ حنفیہ کی رائے بھی یہی ہے۔ (قاموس الفقہ: ۳/۳۳۲، دعوتِ ختنہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث، آثار اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں ختنہ کی دعوت مستحب یا کم از کم جائز اور مباح ہے، اس دعوت کو بدعت کہنا درست نہیں جیسا کہ شیخ محمد بن صالح العثیمین نے فرمایا کہ یہ بدعت نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے۔ ہاں منکرات وغیرہ ہوں یا معاشرہ میں ایک رواج کی حیثیت سے کی جاتی ہو یا غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ اور ان کے طریقہ پر کی جاتی ہو تو اس سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ شریعت اتباع کا نام ہے اپنی طرف سے ایجاد کردہ خرافات اور رسم و رواج کا نام نہیں ہے۔ آج کل مسلم معاشرے میں شادی بیاہ، موت میت وغیرہ میں بہت ساری رسم و رواج نے گھر کرلیا ہے، ان سے بچنا اور اپنے معاشرے کو پاک صاف رکھنا اور صحیح اسلامی معاشرہ بنانا بے حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو صحیح راہ کی طرف رہنمائی فرمائے اور ہر قسم کے راہزنوں سے حفاظت فرما کر صراطِ مستقیم کی طرف چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یاد رہے ہمارے ہاں پختونوں میں ختنہ کی دعوت کا عام رواج نہیں بلکہ دو قسم کا ختنہ ہوتا ہے:

(۱) دعوت والا ختنہ، (۲) بغیر دعوت کا ختنہ، بغیر دعوت والے ختنہ کو عام لوگ دروازہ کے پیچھے ختنہ کرانا کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ختنہ کی دعوت کو خواص تو کجا عوام بھی ضروری یا سنت نہیں سمجھتے ہیں، اور آج کل تو دعوت والا ختنہ بہت ہی کم بلکہ کالعدم ہو گیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

چند اشکالات اور ان کے جوابات

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب:

روایت ملاحظہ فرمائیے:

أخرج الإمام أحمد في مسنده (۱۷۹۰۸) **من طريق محمد بن إسحاق عن عبيد الله أو عبد الله بن طلحة بن كريز عن الحسن قال: دعي عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه إلى ختان فأبى أن يجيب فقيل له فقال: إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا**

ندعی له .

وأيضاً أخرجه الطبراني فى الكبير (رقم: ٨٣٨١)، والبوصيري فى الزوائد (٣٢٩٥)، والطحاوي في مشكل الآثار (٣٠٩/٤)، و ابن عدى فى الكامل (٣٠٢/٢)، وابن حجر فى المطالب العالية (١٦٥٥) كلهم من طريق محمد بن إسحاق عن عبد اللّٰه بن طلحة عن الحسن البصرى عن عثمان بن أبى العاص رضی اللہ عنہ .

جواب: (۱): یہ روایت ضعیف ہے، جو مذکورہ بالا احادیث اور آثار کے مقابلہ میں قابل اعتماد نہیں۔ کلام حسبِ ذیل ملاحظہ ہو:

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف؛ محمد بن إسحاق مدلس، وقد عنعن، وسماع الحسن البصرى من عثمان مختلف فيه . (سيأتي تحقيقه). (تعليقات الشيخ شعيب على مسند احمد: ٢٠٧/٢٦ /١٧٩٠٨).

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے لڑکیوں کے ختنہ کے بارے میں انکار فرمایا کیونکہ لڑکیوں کے ختنہ میں اخفا افضل ہے۔اس کی دلیل طبرانی وغیرہ کی روایت میں ملاحظہ فرمایئے:

أخرج الإمام الطبراني فى الكبير (رقم ٨٣٨٢) من طريق أبي حمزة العطار وهو إسحاق بن الربيع العطار، عن الحسن البصرى، قال: دعي عثمان بن أبى العاص رضی اللہ عنہ إلى طعام ، فقيل: هل تدري ماهذا ؟ هذا ختان جارية فقال: هذا شيء ماكنا نراه على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فأبى أن يأكل .

قلت: فيه: أبوحمزة العطار، وهو مختلف فيه ، قال عمروبن علي : ضعيف الحديث . قال أبوحاتم : يكتب حديثه ، وكان حسن الحديث . قال ابن حجر: صدوق . قال البزار: لا بأس به . وسيأتى الكلام على مراسيل الحسن البصرىؒ .

راجع : (تهذيب الكمال : ٤٢٣/٢، والجامع فى الجرح والتعديل : ٦٢/١، وميزان الاعتدال: ١٩١/١).

وكذا فى الزوائد للبوصيرى (٣٢٩٦)، والمطالب العالية (١٦٥٦) عن جبارة بن المغلس، عن على بن غراب، عن أشعث عن الحسن به .

وإسناده ضعيف ، لضعف جبارة بن المغلس . قال النسائی : ضعيف . قال البخاری: حديثه مضطرب . قال الدار قطني: متروک. قال ابن حجر: ضعيف. (تهذيب الكمال : ٤٩١/٤، وتقريب التهذيب، ص١٦٩،والجامع فی الجرح والتعديل: ١٢٣/١).

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے لڑکیوں کے ختنہ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔اسی کو حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

قد ذكرت في أبواب الوليمة من كتاب النكاح مشروعية الدعوة فی الختان وما أخرجه أحمد من طريق الحسن عن عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ **أنه دعی إلی ختان فقال: ما كنا نأتی الختان علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ولا ندعی له وأخرجه أبو الشيخ من رواية فبين أنه كان ختان جارية وقد نقل الشيخ أبوعبد اللّٰه بن الحاج فی المدخل** (٢٩٦/٣،باب الختان)**: أن السنة إظهار ختان الذكر وإخفاء ختان الأنثی .** (فتح الباری : ٣٤٣/١٠).

نیز فقیہ شمس الدین ابن طولون الحنفی نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ وہ بچی کے ختنہ کی دعوت تھی اس وجہ سے کھانا نہیں کھانا اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی بچی کے ختنہ کی دعوت میں کھانا نہیں کھایا تھا۔ملاحظہ ہو:

وعن الحسن أن عثمان بن أبی العاص دعي إلی وليمة فأجاب ، فلما أتی بالطعام قيل: هذا في ختان جارية فأخذ ثوبه ونهض وقال: هذا طعام ما أكلته علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم. وأخرجه أحمد في مسنده . وفعل ذلک لكونه صنع لختن جارية ، ولهذا قال ابن الحاج المالكي فی المدخل (٢٩٦/٣،باب الختان)**: أن السُنة فی الختان للذكور إظهاره وفي ختان النساء إخفاؤه.** (فص الخواتم ،ص٧).

جواب (۳): امام طحاویؒ نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ولیمہ میں جانا مامور اور مؤکد تھا اس کے علاوہ دیگر دعوتوں میں جانا اتنا مؤکد اور مامور نہیں تھا بلکہ اختیار تھا۔اسی کو حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔ملاحظہ ہو شرح مشکل الآثار میں ہے:

قال فدل ذلک أن الذي كانوا يدعون إليه من الأطعمة علی عهد رسول اللّٰه صلی

اللّٰہ علیه وسلم فما كانوا يأتونه على وجوب إتيانه عليهم إنما هو خاص من الأطعمة لا على كل الأطعمة ولما كان طعام الوليمة مأموراً به كان من دعي إليه مأموراً بإتيانه ولما كان سواه من الأطعمة غير مأمور به كان غير مأمور بإتيانه . (شرح مشكل الآثار:۸/۳۱،ط:بيروت).

امام طحاویؒ کے جواب کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درجِ ذیل روایت سے ہوتی ہے، انہوں نے فرمایا ختنہ کی دعوت میں جانا لازمی نہیں ہے بلکہ اختیاری ہے۔ملاحظہ ہو طبرانی میں ہے:

عن مجاهد عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: الوليمة حق وسنة فمن دعى فلم يجب فقد عصى اللّٰه ورسوله والخرس والإعذار والتوكير أنت فيه بالخيارقال: قلت: إني واللّٰه لا أدري ما الخرس والإعذار والتوكيرقال: الخرس: الولادة ، و الإعذار: الختان ، والتوكير : الرجل يبنى الدار وينزل فى القوم فيجعل الطعام فيدعوهم فهم بالخيار إن شاء وا جاؤوا وإن شاء وا قعدوا. لم يرو هذا الحديث عن إسماعيل بن أمية إلا يحيى بن عثمان التيمى تفرد به الصلت بن مسعود .

قال الهيثمي : يحيى بن عثمان التيمى وثقه أبوحاتم الرازى وابن حبان وضعفه البخارى وغيره وبقية رجاله رجال الصحيح . (مجمع الزوائد:۴/۵۲،دارالفکر).

اشکال (۲): بعض حضرات نے لکھا ہے کہ دعوتِ ختان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس لیے یہ دعوت جائز نہیں ہے؟

الجواب: یہ قول کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، درجِ ذیل مرفوع اور موقوف روایات کی وجہ سے محل نظر ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دعوتِ طعام شادی، ولادت اور ختنہ کے موقع پر ہوا کرتی ہے۔ (میزان الاعتدال، والفردوس بماثور الخطاب، واسنادہ حسن)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ختنہ کے موقع پر دعوتِ طعام صحیح اور جائز ہے۔ (غریب الحدیث:۱/۲۶۶،ط: جامعہ ام القری)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ختنہ کی دعوت میں جانا لازم اور ضروری نہیں بلکہ آپ کو اختیار ہے۔ (طبرانی)۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سالم اور نعیم کے ختنہ کے موقع پر مینڈھا ذبح فرمایا۔(الادب المفرد)۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا وہ لڑکوں کے ختنہ کے موقع پر کھانا کھلایا کرتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ)۔

مذکورہ بالا روایات کے باوجود یہ کہنا کہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام میں اس کا عام رواج نہیں تھا۔

اشکال (۳): بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل تعامل صحابہ کے خلاف ہے، اس لیے حجت نہیں ہے؟

جواب: ختنہ کی دعوت فقط حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل نہیں، بلکہ چند صحابہ کرام سے قولاً مروی ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ، پھر قاضی شریح جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں کوفہ کے قاضی تھے انہوں نے بھی ختنہ کی دعوت سے متعلق ایک اونٹ اور اس کے انتظامات کی رقم منہا کر کے باقی کے تاوان کا فیصلہ کیا تھا، اگر ختنہ کی دعوت کا شریعت میں کوئی ثبوت نہ ہوتا تو کل رقم سو دینار کا ضامن بناتے۔ نیز حضرت سفیانؒ نے بھی ختنہ کی دعوت کا حکم فرمایا۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ خیر القرون میں اس دعوت کا رواج نہیں تھا، اور عام صحابہ کرام کا معمول بھی نہیں تھا۔

نیز صحابی کا قول اور عمل تو ائمہ کے ہاں حجت ہے۔ جب کہ کسی نص سے متعارض اور اجماعِ صحابہ کے خلاف نہ ہو۔ ملاحظہ ہو دراسات فی اصول الحدیث میں ہے:

قال الإمام أبو حنيفةؒ : فإن لم أجد في كتاب الله ولا في سنة رسوله أخذت بقول أصحابه . (ظفر الأماني، ص ٣٣٠).

قال الإمام الحجة عبد الله بن المبارك : سمعت أباحنيفةؒ يقول: ما جاء من رسول الله صلى الله عليه وسلم من الأحاديث فبالرأس والعين، وما جاء من الصحابة من الآثار فمختار بلاشک وريب، ولكن إذا جاء من التابعين فنحن وهم سواء ، نزاحمهم فى البحث وكنا للحق طالبين . (فتح الرحمن فى اثبات مذهب النعمان : ١/ ٢٤).

وللمزيد انظر: (دراسات فى اصول الحديث على منهج الحنفية لعبد المجيد التركماني، ص٢٤٦).

خلاصہ یہ ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس باب میں حجت ہے جب کہ سنت اور ضروری نہ سمجھے نیز

خرافات، بدعات اور رسومات سے بھی پرہیز کرے۔

اشکال (۴): بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ائمہ احناف سے کوئی ثبوت نہیں ملتا؟

جواب: ائمہ احناف سے مراد اگر ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمد ہیں، تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ شروح، فتاویٰ وغیرہ کتب کا ہر مسئلہ ان ائمہ سے ثابت اور مروی نہیں ہے۔ بلکہ بعد والے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تخریجات ہیں لیکن چونکہ ائمہ ثلاثہ کے اصول کے موافق ہیں، اس لیے ان کو بھی مذہبِ احناف کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ لکھنویؒ النافع الکبیر میں فرماتے ہیں:

فائدة : لعلک تتفطن من البحث أنه ليس كل ما فی الفتاوی المعتبرة المختلطة ؛ كالخلاصة والظهيرية ، وفتاوی قاضيخان ، وغيرها من الفتاوی التي لم يميز أصحابها بين المذهب والتخريج وغيره قول أبي حنيفة وصاحبيه ، بل منها ما هو منقول عنهم ، ومنها ما هومستنبط الفقهاء ، ومنها ما هو مخرج الفقهاء ....

پھر اشارہ بالسبابہ پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فظهر منه أن قول النهی المذكور فی الفتاوی إنما هو من مخرجات المشايخ لا من مذهب صاحب المذهب وقس عليه أمثاله ، وهي كثيرة لا تخفی علی المحقق ...وجعلوا ذلک ذريعة إلی طعن الائمة الثلاثة ، ظناً منهم أنها مسائلهم ومذاهبهم وليس كذلک بل هي من تفريعات المشايخ استنبطوها من الأصول المنقولة عن الائمة . (النافع الكبير، ص ۲۰، ۲۱، ط: ادارة القرآن).

اور اگر ائمہ احناف سے مشائخ اور فقہائے احناف مراد ہوں تو مذکورہ بالا حوالہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ کتبِ احناف میں ختنہ کی دعوت کا ذکر موجود ہے بلکہ تین اقوال (سنت، مستحب اور نفس جواز) ملتے ہیں جن کی تفصیل مذکور ہوئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

اشکال (۵) اور اس کا جواب:

اشکال: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور میں اور مفتی محمد شفیع نے امداد المفتین میں اور مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے احسن الفتاویٰ میں اور مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ نے راہِ سنت میں ختنہ کی ممانعت لکھی ہے؟

الجواب: ہمارے اکابرؒ علم کے پہاڑ تھے لیکن چونکہ کسی زمانہ میں ختنہ کی دعوت میں بہت اسراف ہوتا تھا اورعوام میں پہلے سے اس کی تیاری ہوتی تھی اور نہ کرنے کو بہت معیوب سمجھا جاتا تھا اس لیے بعض اکابرؒ نے اس کو منع فرمایا۔ نیز ان سب حضرات نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال فرمایا جبکہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اس کا تعلق ختان البنات سے ہے، اور یہ تاویل کہ غسل صحت کے وقت دعوت کی جائے اور یہ دعوت حسبِ استطاعت ہو اس تاویل کی ضرورت بھی تب پڑتی ہے جب حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث کولڑکے کے ختنہ کوشامل سمجھا جائے تو پھر روایات کے تعارض کودفع کرنے کے لیے نفی کو وقتِ ختان پراور اثبات کووقتِ صحت پر محمول کرنے کی ضرورت ہوگی۔ علاوہ ازیں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایات میں ابن اسحاق مدلس کا عنعنہ ہے جو غیر مقبول ہے اورحسن بصریؒ اورعثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے، ویسے بھی حسن بصریؒ مدلس ہیں، صحابہ کرام سے ان کا عنعنہ بھی متکلم فیہ ہے اس روایت میں حسنؒ نے "دعي عثمان بن العاص" فرمایا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "**كان يروي عن جماعة لم يسمع منهم فيتجوز ويقول: حدثنا وخطبنا يعني قومه الذين حدثوا. الخ**". (تقريب التهذيب، ص ۲۷۰).

اس کی تعلیق میں دکتور بشار عواد اور شیخ شعیب ارنؤوط لکھتے ہیں: **ينبغي التنبه أن تدليس الحسنؒ قادح إذا كان عن صحابي أما إذا كان عن تابعي فلا، ولا بد من هذا القيد.** (تحرير التقريب: ۱/ ۲۷۰).

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت التوحید کے سربراہ حضرت مولانا عنایت اللہ شاہ کے دست گرفتہ اور مولانا غلام اللہ خان اور مولانا محمد حسین نیلوی، قاضی شمس الدین صاحب، مولانا عبدالسلام صاحب رستمی ان سب کے تلمیذ مولانا ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف کی کتاب "**المجموعة فی الأحاديث الضعيفة والموضوعة**" سے ایک اقتباس قارئین کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۷ پر مذکورہ بالا علمی نسب نامہ بیان فرمایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ "ختنے کی رسموں کا بیان" کا عنوان لگا کر لکھتے ہیں: اس میں بھی خرافات رسمیں لوگوں نے نکال لی ہیں جو بالکل خلافِ عقل اور لغو ہیں۔ لوگوں کو آدمی اور خط بھیج کر بلانا اور جمع کرنا، یہ سنت کے بالکل خلاف ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کو کسی نے ختنہ میں بلایا۔ آپ نے تشریف لے جانے سے انکار کردیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگ نہ تو کبھی ختنہ میں جاتے تھے اور نہ اس کے لیے بلائے جاتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس

چیز کا مشہور کرنا ضروری نہ ہو اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا اور بلانا سنت کے خلاف ہے۔(بہشتی زیور مکمل مدلل ۶:۱۴)
حاشیہ میں مسند احمد کی روایت لکھی گئی ہے، جس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مسند احمد :۴:۲۱۷ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ (وفات:۵۵ھ) کو کسی ختنہ میں دعوت دی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا، جب ان سے اس انکار کی وجہ دریافت کی گئی تو صاف الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا:

”إنا كنا لا نأتي الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له“۔(راہِ سنت:۱۴۲، طباعت: ستمبر ۱۹۸۱)

مجھے کئی ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے جو مولانا کی اس عبارت کے بل بوتے پر ختنہ کی مجالس میں شرکت کرنے کو بدعتِ سیئہ اور وہاں کھانا تناول کرنے کو حرام کہتے ہیں، حالانکہ اس روایت سے یہ استدلال قطعاً غلط ہے، آپ اس کی سند پر نظر ڈالیے، جو اس طرح ہے:

حدثنا عبد الله، حدثني أبي حدثنا محمد بن سلمة الحراني عن ابن إسحاق، يعني محمداً، عن عبيد الله أو عبد الله بن طلحة بن كريز عن الحسن، قال: دعي عثمان بن أبى العاص رضي الله عنه إلى ختان فأبى أن يجيب فقيل له فقال: ...الخ. (أخرجه الإمام أحمد فى مسنده: ۱۷۹۰۸، قال الشيخ شعيب إسناده ضعيف، وأخرجه الطبراني فى الكبير: ۸۳۸۱، والطحاوى فى مشكل الآثار: ۲۵۷۲، والبوصيرى فى الزوائد: ۳۲۹۵، وابن عدى فى الكامل: ۲/۳۰۲).

اس روایت میں دو اسنادی کمزوریاں ہیں:

(۱) محمد بن اسحاق بن یسار سچا ہونے کے باوجود مدلس تھے۔(تقریب التہذیب:۴۹۸، ترجمہ:۵۷۲۵).
جب کہ اس کی سند معنعن ہے اور مدلس کی صحیحین سے باہر معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

نیز مولانا صفدر صاحب نے اپنی دوسری کتاب ”احسن الکلام“ میں محمد بن اسحاق پر جس قسم کی جرح کی ہے اس کے تناظر میں تو یہ روایت قطعاً ناقابل استدلال ہے، اس لیے کہ مولانا انھیں دجال من الدجاجلۃ کہتے ہیں۔

(۲) حسن بن ابی الحسن یسار البصری رحمہ اللہ اگرچہ سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کرتے ہیں لیکن انھوں نے سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے احادیث نہیں سنیں۔(تہذیب التہذیب:۲/۲۴۳)

اور آپ تدلیس بھی کیا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب:۲/۲۴۸)

(فائدہ: یہ حافظ ابن حجرؒ کی رائے ہے ورنہ امام بخاریؒ نے ''التاریخ الکبیر'' میں ایک روایت نقل کی ہے جو سماع کو ثابت کرتی ہے۔ ملاحظہ ہو: **قال الإمام البخاري: قال ابن أبی الأسود حدثنا أبو داود قال: حدثنا أبو عامر عن الحسن قال: كنا ندخل على عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ وقد أخلى بيتاً للحديث** . (التاريخ الكبير:٦/٢١٢،ترجمة:٢١٩٥). (وكذا فی تهذيب الكمال : ٦/١٢٣).

نیز امام مزیؒ نے ایک اور روایت نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو: **قال أيوب ، عن الحسن : دخلت على عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ** . (تهذيب الكمال:٦/١٢٣).

شیخ شعیب ارنؤوط لکھتے ہیں:

وسماع الحسن البصریؒ من عثمان رضی اللہ عنہ مختلف فيه ، فقال المزی: قيل: لم يسمع منه هكذا أورده بصيغة التمريض، جزم الحافظ فی التهذيب بعدم سماعه منه ، ولكن يعكر عليه ما أورده البخاري فی التاريخ الكبير عن الحسن قوله: كنا ندخل على عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ وهذا يثبت سماعه منه . (تعليقات الشيخ شعيب على مسندالامام احمد: ٢٦/٢٠٧).

نیز حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی اور حسن بصریؒ کی ولادت تقریباً ۲۱ھ میں ہوئی اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام بخاریؒ نے لکھا ہے: ''**سكن البصرة**'' بصرہ میں قیام پذیر تھے۔

ان تمام حقائق سے یہی واضح ہوتا ہے کہ حسن بصریؒ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے ضرور حدیثیں سنی ہوں گی۔

بلکہ امام بزارؒ نے سماع کی تصریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ زیلعی تحریر فرماتے ہیں:

ذكر كلام البزار في سماع الحسن البصريؒ من الصحابة ، قال البزار في مسنده في آخر ترجمة سعيد بن المسيبؒ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ : سمع الحسن البصریؒ من جماعة من الصحابة ... إلى قوله... وروى عن عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ ، وسمع منه . (نصب الراية لاحاديث الهداية : ١/٩٠، كتاب الطهارة ، مؤسسة الريان).

ہاں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سماع ثابت نہیں ہے لیکن مختار یہ ہے کہ سماع ثابت ہے۔)

نیز جو حضرات ختنے کی دعوت کی مخالفت پر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، اس میں دو علتیں ہیں: ا۔محمد بن اسحاق کا عنعنہ اور ۲۔حسن بصریؒ کا "قال عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ" کہنا جو عنعنہ کے حکم میں ہے، ان حضرات کو یہ بات ضرور تسلیم کرنی چاہئے کہ یہ جاریہ کی ختنہ کی دعوت تھی کیونکہ اس میں محمد بن اسحاق اور اس کا عنعنہ موجود نہیں ہے صرف حسن بصریؒ کے درج ذیل الفاظ ہیں " قال عثمان بن أبی العاص رضی اللہ عنہ" ۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مراسیل الحسن البصریؒ کا حکم:

اکثر محدثین حضرات کے نزدیک مراسیل الحسن ضعیف اور کمزور ہیں لیکن بعض حضرات نے مستحسن قرار دیا ہے۔

وحكى إمام الحرمين عن الشافعيؒ أن مراسيل الحسن البصريؒ عنده مستحسنة حكاه عنه ابن الرفعة فى المطلب فى الكلام على قبض المبيع قال: ولهذا احتج به فى الأم، وقال ابن حزم : ادعى بعضهم أن الحسن البصريؒ كان إذا حدثه بالحديث أربعة من الصحابة أرسله قال فهو أقوى من المسند . (النكت على مقدمة ابن الصلاح : ۴۸۶/۱،النوع التاسع المرسل).

قال في تدريب الراوى: ومراسيله أثنى عليها أبوزرعة وابن المديني.(تدريب الراوى : ۲۸۷/۱).

قال يحيى بن سعيد القطان : ما قال الحسن في حديثه : قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، إلا وجدنا له أصلاً ، إلا حديثاً أو حديثين. (قواعد فى علوم الحديث ،ص۱۵۳).

بعض حضرات نے ضعف تو تسلیم کیا ہے لیکن یہ بھی ساتھ کہا کہ قابل برداشت ضعف ہے ضعف شدید نہیں ہے۔

المشهور عند المحدثين أو أكثر المحدثين على أن مراسيل الحسن البصریؒ ليست قوية ، من قبيل ضعيفة ولكن ليس ضعفها شديداً ، بمعنى أنها يعني إذا اعتضدت إما بمرسل آخر أو بمسند ، أو اعتضدت بشيء قد ترتقي عن الضعف ، ومنهم من يقول: إنها قوية يعني هي بعض العلماء يقويها، ولكن الذي يظهر لي ، واللّٰه أعلم ، أن جمهور العلماء على ضعف مراسيل الحسن ، ولكن ليس من الضعف الشديد ليس يعنى مما يقبل الاعتضاد نعم . (شرح اختصار علوم الحديث ۱۴۱).

محاضرات فی علوم الحدیث میں ہے:

و من المراسيل الجيدة: مراسيل عروة بن الزبير؛ لشدة تحريه ، وكذلك مراسيل الحسن البصريؒ عند بعضهم . (ص:٢٥).

ہاں اگر حسن بصریؒ کی مرسل روایت کسی قاعدہ شرعیہ یا صحیح احادیث کے خلاف ہو تو پھر اس کو ضعیف تسلیم کیا جائیگا۔

(۳) نیز حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: وقد ذكرت في أبواب الوليمة من كتاب النكاح مشروعية الدعوة فى الختان ، وما أخرجه أحمد من طريق الحسن عن عثمان بن أبى العاصؓ أنه دعي إلى ختان فقال: إنا كنا لا نأتى الختان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا ندعى له ، وأخرجه أبو الشيخ من روايته ، فتبين أنه كان ختان جارية ، وقد نقل الشيخ أبوعبد اللّٰه بن الحاج فى المدخل (٢٩٦:٣) أن السنة : إظهار ختان الذكر وإخفاء ختان الأنثى . (فتح الباری: ٣٤٣/١٠، كتاب اللباس (٧٧) باب قص الشارب (٣٦) تحت حديث: ٥٨٨٩).

ہم نے کتاب النکاح، ابواب الولیمہ میں ختنہ کی دعوت کا مشروع ہونا ذکر کیا ہے، البتہ زیر بحث حدیث سے اس کی مشروعیت پر اعتراض ہوسکتا ہے، لیکن یاد رہے کہ صحابی نے جس دعوتِ ختنہ میں شمولیت سے انکار کیا تھا وہ لڑکی کی دعوتِ ختنہ تھی جس میں شمولیت بلاشبہ غیر مشروع ہے، جیسا کہ امام ابن الحاج نے المدخل (۲۹۶/۳) میں لکھا ہے کہ سنت یہ ہے کہ لڑکے کے ختنے کا اظہار کیا جائے اور لڑکی کے ختنے کو خفیہ طور پر انجام دیا جائے۔ (المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، ازص ۹۱ تا ص ۹۳، مقدمہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ختنہ میں تعیینِ وقت کا حکم:

سوال: فقہ کی ابتدائی کتابوں میں لکھا ہے کہ ختنہ کا مستحب وقت سات سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ یا کوئی اور قول موجود ہے؟ آج کل کے حالات کے اعتبار سے دوسرا کوئی قول ہو تو نشاندہی فرمائیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ختنہ کے وقت کی تعیین میں امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے کوئی روایت منقول نہیں ہے، البتہ مشائخ احناف نے سات سال کی تعیین ذکر فرمائی ہے، نیز اس کے ساتھ ساتھ اشبہ بالفقہ یہ قول مذکور ہے کہ جب بچہ میں قوتِ برداشت پیدا ہو جائے تو ختنہ کرانا درست ہے، چونکہ آج کل الم و تکلیف کو کم کرنے کے

لیے انجکشن دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے تکلیف محسوس نہیں ہوتی لہذا جلد ختنہ کرانا درست ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قال: ووقته سبع سنين أى وقت الختان سبع سنين وقيل: لا يختن حتى يبلغ لأن الختان للطهارة ولا طهارة عليه قبله فكان إيلاماً قبله من غير حاجة وقيل: أقصاه اثنا عشر سنة وقيل: تسع سنين وقيل: وقته عشر سنين لأنه يؤمر بالصلاة إذا بلغ عشراً اعتياداً أو تخلقاً فيحتاج إلى الختان لأنه شرع للطهارة وقيل: إن كان قوياً يطيق ألم الختان يختن وإلا فلا وهو أشبه بالفقه . وقال أبو حنيفة : لا علم لي بوقته ولم يرو عن أبي يوسفؒ ومحمدؒ فيه شيء وأن المشايخ اختلفوا فيه . (البحر الرائق: ۸/۵۵۴، دارالمعرفة). (وكذا فى الدرالمختار مع فتاوى الشامى: ۶/۷۵۱، مسائل شتیٰ ، سعيد).

وفى المحيط البرهاني :... وبعضهم يعتبر الطاقة إن كان قوياً بحيث يطيق ألم الختان يختتن قبل سنة أو أكثر . (المحيط البرهانی: ۳/۱۳۹، ط: داراحياء التراث العربى).

وفي مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: وقيل : إن كان قوياً يطيق ألم الختان ختن وإلا فلا وهو أشبه بالفقه . (مجمع الانهرفى شرح ملتقى الابحر: ۴/۴۹۱،دارالكتب العلمية).

وقال في تبيين الحقائق: وقال بعضهم : اليوم السابع من ولادته أو بعد السابع بعد أن يكون الصبى محتملاً ولا يهلك لما روي أن الحسن، والحسين رضى الله تعالىٰ عنهما ختنا فى اليوم السابع أو بعد السابع لكنه شاذ . (تبيين الحقائق: ۴/۲۲۶،دارالكتب الاسلامى).

(وكذا فى العناية شرح الهداية: ۱۰/۴۶۲،شهادة الاقلف، وكذا فى المحيط البرهانى: ۹/۱۸۲).

الفتاوى الهندية میں ہے: **وقال بعضهم : يجوز بعد سبعة أيام من وقت الولادة كذا فى جواهر الفتاوىٰ.** (الفتاوى الهندية:۵/۳۵۷).

شیخ محمد بن صالح العثیمین نے ریاض الصالحین کی شرح میں اچھی بات لکھی ہے:

ومتى يكون الختان ؟ يكون الختان من اليوم السابع فما بعده، وكلما كان فى الصغر فهو أفضل لأن ختان الصغير لا يكون فيه إلا الألَم الجسمى دون الألَم القلبى ، أما الكبير، لو ختن من له عشر سنوات مثلاً ، فإنه يكون فيه ألَم قلبى وجسمى ، ثم أن نمو اللحم ونبات

اللحم وسرعة البرء فى الصغار أكثر، لهذا قال العلماء: إن الختان في زمن الصغر أفضل، وهو كذلك . (شرح رياض الصالحين : ۲/۱۳۷۵، ط: دارالسلام).

الموسوعة الفقهية الكويتيه میں ہے:

ويستحب ختانه فى الصغر إلى سن التمييز لأنه أرفق به. ولأنه أسرع برءاً فينشأ على أكمل الأحوال . (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۹/۱۹).

قال ابن القيم في تحفة المودود: وسئل وهب بن منبه عن ذلك فقال: إنما يستحب ذلك فى اليوم السابع لخفته على الصبيان فإن المولود يولد وهو خدر الجسد كله لا يجد ألَم ما أصابه سبعاً . (تحفة المودود باحكام المولود، ص۱۱۳). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حضراتِ حسنینؓ کے ختنہ والی حدیث کی تحقیق:

حضراتِ حسنینؓ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ ساتویں دن ان کا ختنہ ہوا تھا جیسا کہ فقہاء کی عبارات میں گزرا، اس حدیث کی تحقیق درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: عق رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن الحسن والحسين وختنهما لسبعة أيام . (رواه البيهقى فى الكبرى: ۸/۳۲۴/۱۸۰۱۸، باب: السلطان يكره على الاختتان، وفى شعب الايمان، رقم: ۸۲۶۹). **(وكذا رواه الطبراني فى الأوسط، رقم: ۶۷۰۸، وفى الصغير، رقم: ۸۹۱، وابن عساكر في "تبيين الامتنان بالأمر بالاختنان، رقم: ۲۵).**

قال الحافظ العراقي في تخريج الإحياء (۱۰۴۲) **إسناده ضعيف واختلف في إسناده فقيل عبد الملك بن ابراهيم بن زهير عن أبيه عن جده، الطبرانى من حديث عبد الملك بن أبى زهير عن أبيه معاذ وصحح إسناده والبيهقى من حديث عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها.**

قال الهيثمي فى المجمع: رواه الطبرانى فى الصغير والكبير باختصار الختان، وفيه محمد بن أبى اليسرى وثقه ابن حبان وغيره وفيه لين .

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: سبعة من السنة فى الصبى يوم السابع يسمى ويختن ويماط عنه الأذى وتثقب أذنه ويعق عنه ويحلق رأسه...ويتصدق بوزن شعره في رأسه ذهباً أوفضة.

رواه الطبراني في الأوسط (۵۵۸) **ورجاله ثقات.** (مجمع الزوائد: ٤/٩٤،٩٥،دارالفكر).

قال العلامة بدرالدين العينيؒ: وفي سنده ضعف. (باب تسمية المولود، دارالحديث ملتان).

و قال الحافظ في الفتح (٥٨٩/٩). **وفي التلخيص الحبير** (١٩٨٤) **: فيه رواد بن الجراح وهو ضعيف.**

وقال الشوكاني في نيل الأوطار (١٩٨/٥) **: في إسناده رواد بن الجراح وهو ضعيف وبقية رجاله ثقاة. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نومسلم کے ختنہ کا حکم:

سوال: ایک غیر مسلم شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے نوازا، اسلام لانے کے بعد اس کے لیے ختنہ کا عمل ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی سترعورت کا لحاظ رکھا جائیگا یا ختنہ کی سنت پر عمل کیا جائیگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ختنہ شعائر اسلام میں سے ہے، اور اسلام کی مخصوص علامت اور پہچان ہے، اس وجہ سے ختنہ کی سنت پر عمل کیا جائیگا اور نومسلم شخص کو ختنہ کرانا ضروری ہوگا شریعتِ مطہرہ نے حسبِ ضرورت ستر کھولنے کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

والأصل أن الختان سنة كما جاء في الخبر وهو من شعائر الإسلام وخصائصه فلو اجتمع أهل بلدة على تركه حاربهم الإمام. (الدرالمختار:٦/٧٥١،سعيد، وكذا في البحرالرائق: ٨/٥٥٤).

اس عبارت سے واضح طور پر ختنہ کی اہمیت سامنے آجاتی ہے کہ یہ شعائر اسلام میں سے ہے۔

نیز قاضیخانؒ فرماتے ہیں:

وإذا اجتمع أهل مصر على ترك الختان قاتلهم الإمام كما يقاتلهم في ترك سائر السنن. (فتاویٰ قاضيخان بهامش الفتاوى الهندية:٣/٤٠٩).

اسی طرح علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

فلو اجتمع أهل بلدة على تركه حاربهم. (فتاوى الشامي : ١/٧٥١، سعيد).

ملا علی قاریؒ نے ختنہ کو اذان کی طرح فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وإن تركه أهل قوتلوا عليه ؛ لأنه من شعائر الإسلام فصار كالأذان. (شرح

النقاية:٤/٥٧،امور الفطرة، بيروت).

نیز احادیث میں بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلم کے ختنہ سے متعلق ہدایات دی ہیں:

چنانچہ السنن الکبری میں ہے:

عن عثيم بن كليب عن أبيه عن جده أنه جاء إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: قد أسلمت، فقال له النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ألق عنك شعر الكفر. يقول احلق. قال وأخبرني آخر أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال لآخر معه: ألق عنك شعر الكفر واختتن.

(السنن الكبرى للامام البيقهى ،باب الكافر يسلم فيغتسل :١٧٢/١. واخرجه احمد فى مسنده رقم: ١٥٤٣٢، قال الشيخ شعيب: اسناده ضعيف فيه راو مجهول لم يسم هو شيخ ابن جريج).

دوسری روایت میں ہے:

عن علي بن الحسين بن علي عن أبيه عن أبيه علي رضي الله عنه قال: وجدنا في قائم سيف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في الصحيفة: إن الأقلف لا يترك في الإسلام حتى يختتن ولو بلغ ثمانين سنة. قال الإمام البيهقي: هذا إسناد ينفرد به أهل البيت بهذا الإسناد. (السنن الكبرى للبيهقى ،باب السلطان يكره على الختان :٣٢٤/٨).

ایک اور روایت میں ہے:

عن الزهري قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أسلم فليختتن و لو كان كبيراً. رواه حرب بن إسماعيل. (التلخيص الحبير:٢٢٣/٤/١٨٠٦).

ایک اور روایت میں ہے:

عن قتادة بن الفضل بن قتادة الرهاوي عن أبيه حدثني عم أبي هاشم بن قتادة الرهاوي عن أبيه قال: أتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فأسلمت فقال لي: يا قتادة اغتسل بماء و سدر واحلق عنك شعر الكفر وكان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يأمر من أسلم أن يختتن و كان ابن ثمانين سنة. (المعجم الكبير :١٥٣٦٣/١٤/١٩).

قال الهيثمي في المجمع: رواه الطبراني في الكبير و رجاله ثقات. (باب غسل الكافر اذا اسلم).

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں بھی نومسلم کے ختنہ کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔

نومسلم کے ختنہ کے بارے میں فقہاء کی تحریرات ملاحظہ ہوں:

قال ابن عابدين الشاميؒ: كشيخ أسلم وقال أهل النظر لايطيق الختان فلا يترك إلا لعذر. (فتاوى الشامي: ٦/٧٥١،سعيد).

اسی طرح البحر الرائق: ۸/ ۴۸۵، والفتاوی الہندیۃ: ۵/ ۳۵۷، وملتقی الابحر، وغیرہ میں مرقوم ہے۔

قال في الفتاوى الهندية : و يجوز النظر إلى الفرج للخاتن...ويغض بصره ما استطاع كذا في السراجية . (الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٣٠). (و كذا في فتاوى الشامي : ٦/ ٣٧٠، سعيد).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

ختنہ کے متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بالغ کا ختنہ کرنا اور بقدرِ ضرورت بدن کا دیکھنا چھونا جائز ہے البتہ ضرورت سے زائد بے پردگی جائز نہیں، اس واسطے ختان کے سوا کوئی نہ دیکھے اور باقی بدن کو ختان سے بھی چھپائے رہے اور ختنہ صرف سنت ہی نہیں بلکہ شعائرِ اسلام سے بھی ہے۔ (امداد الاحکام: ۴/ ۴۲۸)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

ختنہ اسلام کا شعار ہے، اور آپریشن کے لیے ستر کھولنا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۸/ ۳۵۰، طبع جدید)۔ مزید ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۲۳۸۔۲۴۰)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

غیر متحمل شخص کے لیے ختنہ کا حکم:

سوال: ایک بوڑھا شخص مسلمان ہو گیا لیکن اپنے بوڑھاپے کی وجہ سے ختنہ کا تحمل نہیں کر سکتا ہے اور جبر کرنے سے اسلام سے پھر جانے کا قوی اندیشہ ہے تو کیا اس حالت میں ختنہ ترک کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ختنہ کرانا سنت ہے اور شعائرِ اسلام میں سے ہے لہذا نومسلم کو ختنہ کا حکم کیا جائے گا اور ترغیب سے کام لیا جائیگا، جبر و اکراہ کر کے شریعت سے متنفر نہیں کیا جائیگا، ہاں اگر ایسا بوڑھا شخص ہے جو تحمل اور برداشت کی طاقت نہیں رکھتا ہے تو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائیگا، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر بوڑھا شخص قوتِ برداشت نہ رکھتا ہو تو ترک کر دیا جائے، ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال في الهندية: الشيخ الضعيف إذا أسلم ولا يطيق الختان إن قال أهل البصر لايطيق

يترك لأن ترك الواجب بالعذر جائز فترك السنة أولىٰ ، كذا فى الخلاصة . (الفتاوى الهندية: ٣٥٧/٥).

وفى المحيط البرهاني: قال : لا يشد عليه ويترك لأن الواجبات يترك بالأعذار فالسنن أولى. (١١٩/٦، الفصل العشرون فى الختان، مكتبه رشيديه).

وفي مجمع الأنهر :قال : جاز ترك ختان شيخ أسلم وقال أهل النظر : لايطيق الختان للعذر الظاهر. (مجمع الانهر:٤٩٠/٤).

حضرت تھانویؒ نے بھی تصریح فرمائی ہے۔ملاحظہ ہوامداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: ما قولكم دام فضلكم أيها العلماء العظام والأفاضل الكرام في رجل كان عيسوياً ثم تشرف بقبول الإسلام بصميم قلبه وهو يقول إني رجل كبير السن أخاف من ضرر الختان فسامحوني عنه وأن تسامحوني عنه أبنائي أيضاً اللذان هما كبيران يتشرفان بقبول الإسلام وإلا فهما لن يقبلا الإسلام ويبقيان على الكفرفهل يسامح عن الختان في هذه الصورة أم يكره و يجبر عليه و يجعل هو مرتداً و يبقى أبنائه على الكفر ، بينوا بالتفصيل توجروا بالأجر الجزيل ؟

الجواب : يسامح عنه لوجهين : الأول: عدم تحمل نفسه له ومن لايطيق يترك ختانه بتصريح الفقهاء ، كما فى الدر المختار، والكنز، والخلاصة ، والخانية ، والسراجية ، والهندية ، وجامع أحكام الصغار وغيرها بألفاظ متقاربة ، شيخ أسلم وقال أهل النظر لايطيق الختان ترك ، انتهى ، وهذا داخل في من لايطيق لأن الطاقة هي ما بالجسم وبالنفس فلما لم تطق نفسه دخل فيمن لايطيق ، وقول الفقهاء : يختتن بالاتفاق،كما فى الذخيرة ، والكافر إذا أسلم يختتن بالاتفاق لأنه من خصائص دين الإسلام وهو بالغ مشروط بالطاقة بدليل الروايات الأخرى والثاني: تألفه وتألف أولاده على الإسلام كما شرط بنوثقيف أن لايجاهدوا وأجازه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وصرح العلماء في شرح حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ بتحمل أدنى الضررين لدرء أشدهما . (امداد الفتاویٰ:۲۳۹/۴)۔

قال في شرح النقاية : ويترك لو ولد شبيهاً بالمختون، أو أسلم كبيراً وخيف عليه

منه. (شرح النقاية للملاعلى القارى:٤/٥٧، امورالفطرة، ط: بيروت، وآپ کے مسائل اوران کا حل:٨/٣٤٩، ط: طبع جديد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بچی کے ختنہ کا حکم:

سوال: کیا بچی کا ختنہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ احیاء العلوم میں امام غزالیؒ نے ایک صحابیہ کے ختنہ کا تذکرہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچی کا ختنہ کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بچی کا ختنہ احناف کے نزدیک جائز ہے، سنت نہیں ہے، عرب کے معاشرہ میں عزت واکرام سمجھا جاتا تھا، اوراب احناف اوراکثر شوافع کے ہاں اس کا رواج ختم ہو چکا ہے۔

قال فى البحر الرائق: وختان المرأة ليس بسنة وإنما هو مكرمة للرجال في لذة الجماع ، وقيل: سنة . (البحرالرائق: ٨/٤٨٥، كوئته).

وفي مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: وختان المرأة ليس بسنة . (مجمع الانهر: ٤/٤٩١).

وفي شرح النقاية : وعُدَّ مكرمة للنساء لحصول الكرامة لهن به عند أزواجهن . (شرح النقاية : ٤/٥٧، امورالفطرة ،بيروت).

قال ابن عابدينؒ : قوله وختان المرأة ، الصواب خفاض لأنه لا يقال في حق المرأة ختان وإنما يقال خفاض، حموى ، قوله بل مكرمة للرجال لأنه ألذ فى الجماع ، زيلعي. قوله وقيل: سنة جزم به البزازي معللاً بأنه نص على أن الخنثى تختن ولو كان ختانها مكرمة لم تختن الخنثى لاحتمال أن تكون امرأة ولكن لا كالسنة في حق الرجال، أقول: ختان الخنثى لاحتمال كونه رجلاً وختان الرجل لايترك فلذا كان سنة احتياطاً ولايفيد ذلك سنيته للمرأة تأمل ، وقال بعضهم سنة للرجال مستحب للنساء لقوله عليه الصلاة والسلام : ختان الرجال سنة وختان النساء مكرمة . (فتاوى الشامي: ٦/٧٥١، مسائل شتىٰ، سعيد).

(وكذا فى الفتاوى الهندية: ٦/٤٤٥،و٥/٣٥٧،والدرالمختار:٦/٧٥١، وتكملة ردالمحتار:٧/٣٤٢، سعيد، وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/٣٦١، واحسن الفتاوىٰ:٩/٢٢). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل پنجم

خضاب سے متعلق احکام کا بیان

عورتوں کے لیے سیاہ خضاب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورتوں کے لیے اپنے بالوں میں کالا رنگ لگانا یا کالی مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں سیاہ خضاب استعمال کرنے کی ممانعت صراحۃً وارد ہوئی ہے اس میں مرد وعورت دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے کسی کی تخصیص نہیں ، بنابریں عورتوں کو سیاہ خضاب لگانا یا سیاہ مہندی استعمال کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر خضاب یا مہندی مکمل سیاہ نہ ہو بلکہ سیاہی مائل ہو تو اس کا استعمال جائز اور درست ہے۔ بعض مشائخ اور مفتی حضرات اجازت دیتے ہیں جن کا ذکر آخر میں آرہا ہے۔ اور اگر تلبیس اور دھوکا دہی کے لیے ہو تو بالکل ناجائز ہے۔

سیاہ خضاب کی ممانعت میں چند احادیث ملاحظہ کیجئے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے:

(۱) عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ قال: أتي بأبي قحافة يوم فتح مكة ورأسه ولحيته كالثغامة بياضاً ، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:" غيروا هذا بشيء ، واجتنبوا السواد". (رواه مسلم :۲/۱۹۹، قديمی كتب خانه). (وأيضاً أخرجه الإمام أحمد في مسنده،١٤٤٠٢، والطبراني فى الكبير،٨٣٢٤،وابن ماجه ،٣٦٢٤، وابن أبي شيبة في مصنفه،٢٥٥٠٢،وعبد الرزاق في مصنفه، ٢٠١٧٩،ابن بشران في أماليه، ٩٤٧).

(۲) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يكون قوم يخضبون في آخر الزمان بالسواد كحواصل الحمام لايريحون رائحة الجنة . (رواه ابوداود فى سننه ، ٤٢١٤، والنسائى فى الكبرى ،٩٣٤٦، والبيهقى ، ١٤٦٠١، وابويعلى فى مسنده ، ٢٦٠٣، واحمد فى مسنده،

۲٤۷۰).

(۳) عن أبی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:" من سود بالخضاب سود اللّٰہ وجھہ یوم القیامة". (رواہ الطبرانی فی مسندالشامیین، رقم ٦٥٢).

قال الحافظ فی الفتح(۱۰/۳٥٥) : أخرجه الطبراني، وابن أبي عاصم من حدیث أبی الدرداء رضی اللہ عنہ رفعه وسنده لین. ورمزله الإمام السیوطی بالضعف فی الجامع الصغیر (٨٦٥٨)، قال الهیثمی فی المجمع : وفیه الوضین بن عطاء وثقه أحمد وابن معین وابن حبان وضعفه من هو دونهم فی المنزلة وبقیة رجاله ثقات.(مجمع الزوائد:٥/١٦٣، باب ماجاء فی الشیب والخضاب).

(۴) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً الصفرة خضاب المؤمن والحمرة خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر. أخرجه الطبرانی والحاکم (٦٢٣٩).قال الذهبي فی التلخیص:حدیث منکر، وقال الهیثمي فی المجمع (٥/١٦٣،ط:دارالفکر): فیه من لم أعرفه .

(۵) وعن عمروبن شعیب عن أبیه عن جده رفعه:" من غیر البیاض بالسواد لم ینظر اللّٰہ إلیه". ذکره الحافظ فی لسان المیزان (٣/٥٠٥/٧٤٠٣،ط:مکتب المطبوعات الاسلامیة) وقال: فیه محمد بن مسلم العنبري وهوضعیف.

(٦) وعن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: کنا یوماً عند النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فدخلت علیه الیهود فرآهم بیض اللحی فقال: مالکم لا تغیرون ؟ فقیل: إنهم یکرهون، فقال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: لکنکم غیروا وإیای والسواد . أخرجه الطبراني فی الأوسط (١٤٢)، قال الهیثمی: فیه ابن لهیعة وبقیة رجاله ثقات وهوحدیث حسن .(مجمع الزوائد:٥/١٦٠).

امام نوویؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

ومذهبنا استحباب خضاب الشیب للرجل والمرأة بصفرة أوحمرة ویحرم خضابه بالسواد علی الأصح وقیل: یکره کراهة تنزیه والمختار التحریم لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: اجتنبوا السواد ...والأصح الأوفق للسنة ما قدمناه عن مذهبنا. (شرح النووی علی مسلم: ٢/١٩٩، ط: قدیمی). ونقله عنه الإمام الملا علی القاری فی مرقاة المفاتیح . (٨/٢٩١، و٣٠٤).

مزید ملاحظہ ہو: (عمدة القاری:١٥/ ٩٧،وبذل المجهود : ١٧/٩٩ ، واوجزالمسالک : ١٧/٤٢، والتعلیق

المعجم: ۷/۳۹۲).

نیز فقہاء نے بھی مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفصل فی المحیط بین الخضاب بالسواد قال عامة المشایخ: إنه مکروه...ومذهبنا أن الصبغ بالحناء والوسمة حسن کما فی الخانیة . قال النووی ؒ: ...وتحریم خضابه بالسواد علی الأصح .(فتاوی الشامی: ٦/٧٥٦،سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الهندیة:٥/٣٥٩، والمحیط البرهانی : ٦/١٢٢، الفصل الحادی والعشرون، والموسوعة الفقهیة الکویتیة: ١١/ ٣٥٠،وفتاویٰ محمودیه : ١٩/ ٤٥٤،جامعه فاروقیه،وامدادالفتاویٰ : ٤/٢١٣، واحسن الفتاویٰ: ٨/٣٥٥).

آپ کے مسائل اوران کا حل میں علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

بالوں کو کالا کرنا، ناجائز ہے، مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی، خواہ کسی دوائی سے کرے۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/۳۸۰،طبع جدید)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امدادالفتاویٰ:۴/ ۲۱۸-۲۲۰،وفتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۴۵۵،جامعہ فاروقیہ،وفتاویٰ رحیمیہ:۵/ ۴۸۷،وکفایت المفتی:۹/ ۱۸۰).

بعض حضرات نے عورتوں کے لیے کالے خضاب کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

أما خضاب المرأة شعرها لتتزین لزوجها ، فقد أجازه قتادة ،کما أخرج عنه عبد الرزاق في مصنفه(١١/١١٥) **وکذلک أجازه إسحاق فیما حکی عنه ابن قدامة فی المغنی** (١/٧٦) **ولم أره بهذا التصریح عند غیرهما، والله أعلم.** (تکملة فتح الملهم : ٤/١٥٠).

حضرت گنگوہیؒ نے بھی مرد کی قید لگائی ہے، معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے درست ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

سیاہ خضاب مرد کو درست نہیں ہے کسی وجہ سے بھی۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص۵۸۴)۔

مفتی تقی صاحب نے بھی جائز فرمایا ہے۔ چنانچہ عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل میں مرقوم ہے:

عورت کے لیے کالے خضاب کا استعمال درست ہے۔(عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کا حل:۲/ ۳۹۸)۔

لیکن احادیث اور شراح اور اکثر فقہاء کرام کے اقوال کی روشنی میں ناجائز معلوم ہوتا ہے اور یہ ہی مختار اور صحیح قول ہے، کیونکہ علامہ شامیؒ نے ایک اصول ذکر فرمایا ہے کہ فقہاء کے مختلف اقوال میں سے اوفق بالحدیث قول

لیا جائے گا۔ ملاحظہ ہو فتاوی الشامی میں ہے:

ولا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية على ما تقدم عن فتاوى قاضي خان.

(فتاوى الشامي: ١/٤٦٤، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مرد کے لیے سیاہ خضاب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: مردوں کے لیے بالوں کو اور ڈاڑھی کو سیاہ مہندی سے خضاب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص اپنے بالوں کو سیاہ خضاب کرتا ہے، اور اپنی بیوی کے جوان ہونے کا اور اپنے بالوں کے قبل از وقت سفید ہونے کا عذر کرتا ہے، اور دلیل میں کہتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سیاہ خضاب استعمال فرماتے تھے، لہذا برائے مہربانی حکمِ شرعی سے مطلع فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں؟

الجواب: ہمارے نزدیک مردوں کے لیے سیاہ خضاب استعمال کرنا مکروہِ تحریمی ہے، روایاتِ کثیرہ میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کا حکم فرمایا اور سیاہ خضاب سے اجتناب کرنے کا حکم دیا، البتہ درجِ ذیل بعض آثار جواز کی طرف مشیر ہیں۔ ملاحظہ ہو:

واستدل المجوزون بآثار كثير من الصحابة والتابعين، قال ابن القيم رحمه الله في زاد المعاد (٣/١٨٤): **فقد صح عن الحسن والحسين رضى الله تعالىٰ عنهما أنهما كانا يخضبان بالسواد، ذكر ذلك ابن جرير رحمه الله عنهما في كتاب تهذيب الآثار، وذكره عن عثمان بن عفان وعبد الله بن جعفر، وسعد بن أبي وقاص، وعقبة بن عامر، والمغيرة بن شعبة، وجرير بن عبد الله، وعمرو بن العاص رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين، وحكاه عن جماعة من التابعين ...الخ.** (تكملة فتح الملهم: ٤/١٥٠).

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں خالص سیاہ خضاب مراد نہیں ہے بلکہ مخلوط مراد ہے جس کی اجازت ہے، یا صحیح مرفوع روایات میں سیاہ خضاب کی ممانعت وارد ہوئی ہے ان کے مقابلہ میں ان موقوف آثار کا اعتبار نہیں ہوگا۔ علامہ حمویؒ نے یہ فرمایا کہ صحابہ کرام مجاہد تھے اور مجاہد کے لیے درست ہے۔

قال الحموي رحمه الله: وهذا في حق غير الغزاة ولا يحرم في حقهم للإرهاب ولعله محمل من

فعل ذلک من الصحابة . (فتاوی الشامی: ٦/٧٥٦،سعید).

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:

إنـه كـان يـأمـر بـالـخضاب بالسواد ويقول: هو تسكين للزوجة وأهيب للعدو. (عمدة القاری: ١٥/٩٧، باب الخضاب، ط:ملتان) سیاہ خضاب استعمال کرو کہ یہ دشمن کو خوف زدہ کرنے میں مؤثر ہے۔

نیز بالوں کے سفید ہونے کے بعد سیاہ خضاب اچھا بھی نہیں لگتا اس کے ساتھ آدمی عجیب سا لگتا ہے۔
چنانچہ ڈاکٹر ثمرین فرید لکھتی ہیں:

سفید ہوتے ہوئے بالوں کو رنگنے کے لیے اچھے اور مناسب معیار کے ہیئر کلر استعمال کریں، بڑھتی عمر کے ساتھ جلد پتلی ہوجاتی ہے اور اس پر کالے رنگ کی ڈائی مناسب نہیں لگتی۔(خواتین کی صحت ،ص ۳۶۶،دارالشعور، لاہور)۔

سیاہ خضاب کا طبی نقصان:

امریکہ نیشنل انسٹی ٹیوٹ کے سائنس دانوں کی تازہ ترین تحقیق کے مطابق بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے استعمال کیے جانے والے خضاب (ہیئر ڈائی) میں ایک جز شامل ہوتا ہے جس کی وجہ سے کینسر کا مرض لاحق ہوسکتا ہے۔آج سے چند برس پہلے کیلی فورنیا یونیورسٹی کے ایک سائنس داں نے ایسے خضاب کے بارے میں جس خدشہ کا اظہار کیا تھا، آج امریکی انسٹی ٹیوٹ کی تحقیق نے اس کی توثیق کردی ہے۔

نیز بالوں کے کیمیائی رنگ اور خضاب سے چھاتی اور بیضہ دانی کے سرطان کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، لہذا خواتین کو ایسے کیمیائی خضاب کے استعمال سے گریز کرنا چاہئے، ان کی جگہ مہندی وغیرہ استعمال کریں۔(اسلام صحت اور جدید سائنسی تحقیقات:۱۲۸،ادارۂ اشاعت اسلام)۔

فائدہ: **أول من صبغ لحيته بالسواد ففرعون موسى عليه السلام .** (مصنف ابن ابی شیبة: ١٢/٥٥٦، وعمدة القاری: ١٥/٩٧، باب الخضاب، دارالحدیث ملتان،المرقاة: ٨/٢٣٥، باب الترجل، رشیدیه).

یعنی ڈاڑھی پر سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا تھا۔
مزید دلائل ماقبل میں ذکر کیے جاچکے وہاں ملاحظہ کیے جائیں۔

البتہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ جس کی بیوی نوجوان ہو اس کے لیے سیاہ خضاب استعمال کرنے کی اجازت ہے لیکن اس پر فتویٰ نہیں دیا گیا ہے۔ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وروی عن أبي يوسفؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها كذا في الذخيرة . (فتاوى الشامي: ٦/٤٢٢، سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٩، والمبسوط للامام السرخسيؒ: ١٠/١٩٩، ط: دارالفكر، والمحيط البرهاني: ٦/، الفصل الحادي والعشرون). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مرد وعورت کے لیے بالوں پر مختلف رنگ لگانے کا حکم:

سوال: کیا مرد وعورت دونوں کے لیے اپنے بالوں کو مختلف رنگوں سے رنگنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ابتدائے اسلام میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے، پھر مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی مخالفت کا حکم دیا، اور یہود عام طور پر ڈاڑھی بالکل سفید رکھتے تھے، خضاب نہیں کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود ونصاریٰ خضاب نہیں کرتے تم خضاب کرو۔

چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ سیاہ خضاب کے علاوہ مہندی وغیرہ کا خضاب مستحب ہے، لیکن خضاب لازم اور ضروری نہیں ہے، کیونکہ بالوں کو بلا خضاب رکھنے کی بھی بہت ساری روایات موجود ہیں، البتہ فی زماننا نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے بالوں پر زینت کے لیے مختلف رنگ لگاتے ہیں درجِ ذیل چند وجوہات کی بنا پر یہ درست نہیں۔

(۱) احادیث میں سفید بالوں کے لیے خضاب مذکور ہوا ہے کالے بالوں کو رنگنا تو ثابت نہیں ہے۔

(۲) اکثر نوجوان مغربی تہذیب کی تقلید میں اپنے بالوں کو رنگتے ہیں۔

(۳) اس میں ضیاعِ مال اور زیب وزینت اور فیشن میں غلو ہے۔

(۴) فی زماننا اس میں تشبہ بالکفار والفساق ہے۔

بنابریں نوجوانوں کو اس فیشن اور مغربی تہذیب کی تقلید سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ہاں سفید بالوں کو مختلف رنگوں سے رنگنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، اس کی اجازت ہے فقہاء نے مستحب قرار دیا ہے، بشرطیکہ مذکورہ بالا مفاسد سے خالی ہوں۔

قال عنبسة بن سعيد : إنما شعرك بمنزلة ثوبك فاصبغه بأي لون شئت . (عمدة

القاری:۱۵/۹۷، باب الخضاب ، دارالحدیث).

عنبسہ بن سعید فرماتے ہیں: آپ کے بال آپ کے کپڑوں کی طرح ہیں، جس رنگ سے رنگنا چاہو رنگو۔ یعنی ممنوع رنگ (خالص سیاہ) کے علاوہ۔

فی زمانہ بالوں کو مختلف کیمیکل والے رنگوں سے رنگنے کے نقصانات:

اکثر نوجوانوں کو یہ شوق ہوتا ہے کہ ان کے بال بھورے یا سنہری ہوجائیں، اس سلسلہ میں وہ مختلف ٹیوبیں استعمال کرتے ہیں، خضاب، وسمہ، مہندی کے ساتھ ہائیڈروجن بھی لگائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بال وقتی طور پر سنہری اور خوبصورت ہوجاتے ہیں لیکن ان سب رنگوں کا بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بال گرنے شروع ہوجاتے ہیں، یہ عمل بالوں کی جڑوں کو کمزور کردیتا ہے کیونکہ ان رنگوں میں تیز کیمیائی اجزا شامل ہوتے ہیں، نیز قبل از وقت سفید ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور بعض کیمیائی اجزا کے سر میں جذب ہونے کی وجہ سے جسم میں رعشہ اور اعصابی درد شروع ہوجاتا ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (اسلام صحت اور جدید سائنس، ص ۱۲۸، ادارۂ اشاعت اسلام)۔

بعض احادیث میں بلا خضاب سفید بال چھوڑنے کی فضیلت آئی ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن كعب بن مرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من شاب شيبة فى الإسلام كانت له نوراً يوم القيامة . (رواه الترمذى : ۲۹۲/۱). **وإسناده قوى.**

یعنی اسلام کی حالت میں جس کے بال سفید ہوگئے قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگا۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تنتفوا الشيب فإنه نور المسلم، من شاب شيبة فى الإسلام كتب الله له بها حسنة، وكفر عنه بها خطيئة ورفعه بها درجة . (اخرجه الامام احمد فى مسنده، رقم: ٦٩٦٢).

قال الشيخ شعيب : صحيح لغيره ، وهذا إسناد حسن .

روایت میں آتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید ہوئے تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم یہ وقار ہے، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے رب وقار کو زیادہ فرما۔

عن يحيى بن سعيد أنه سمع سعيد بن المسيب يقول: كان إبراهيم عليه السلام أول الناس أضاف الضيف وأول الناس اختتن وأول الناس قص شاربه وأول الناس رأى الشيب

فقال: یارب ما هذا فقال الله تبارک وتعالیٰ وقاراً یا إبراهیم، قال: رب زدني وقاراً. (اخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ص ۵۹۷۵، وابن ابی شیبة فی مصنفه، ۲۶۹۹۷).

البتہ چند احادیث میں خضاب استعمال کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

(۱) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:" إن اليهود والنصارى لايصبغون فخالفوهم". (رواه البخاری: ۸۷۵/۲).

(۲) عن أبي أمامة الباهلي يقول: خرج رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی مشیخة من الإنصار بیض لحاهم فقال: یا معشر الأنصار حمروا وصفروا وخالفوا أهل الکتاب ...الخ. (اخرجه الامام احمد فی مسنده، رقم: ۲۲۲۸۳). **قال الشیخ شعیب: إسناده صحیح.**

(۳) صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللہ عنہ قال: أتي بأبي قحافة یوم فتح مکة ورأسه ولحیته کالثغامة بیاضاً، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:" غیروا هذا بشيء، واجتنبوا السواد". (رواه مسلم: ۱۹۹/۲).

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کو فتح مکہ کے موقع پر خضاب لگانے کا حکم فرمایا، اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ سیاہ استعمال نہ کیا جائے۔

احادیث کے مابین تطبیق:

علمائے کرام نے دونوں احادیث میں درجِ ذیل تطبیق دی ہے:

(۱) جس کی ڈاڑھی بہت زیادہ سفید ہو حضرت ابوقحافہ کی ڈاڑھی کی طرح تو اسے خضاب استعمال کرنا چاہئے، مگر کسی کے بال اتنے زیادہ سفید نہ ہوں خضاب کے بغیر بھی اچھے معلوم ہوتے ہوں تو اس کے لیے خضاب استعمال نہ کرنا بھی درست ہے۔

(۲) جس علاقہ اور ماحول میں لوگ عام طور پر خضاب استعمال کرتے ہوں وہاں استعمال کیا جائے۔ اور جہاں رواج نہ ہو اور لگانے کی وجہ سے مرکز توجہات بننے کا اندیشہ ہو تو وہاں استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

قال القاضي: وقال غیره " أی غیر الطبرانی" هو علی حالین: فمن کان في موضع

عادة أهله الصبغ أو تركه فخروجه عن العادة شهرة و مكروه والثاني : أن يختلف باختلاف نظافة الشيب فمن كانت شيبته تكون نقية أحسن منها مصبوغة فالترك أولى ومن كانت شيبته تستبشع فالصبغ أولى. (شرح النووی علی مسلم:۱۹۹/۲،ط: قدیمی).(وکذا فی فتح الباری:۱۰/ ۳۵۵، واوجزالمسالک :۴۸/۷، وشرح الزرقانی:۳۳۹/٤، والدیباج علی مسلم للامام السیوطی :۱٤۳/۵). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل:

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس بارے میں مختلف ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خضاب استعمال فرماتے تھے۔

اس کے برخلاف حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ، سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ، طاؤسؒ، وغیرہ حضرات سفید چھوڑتے تھے، خضاب استعمال نہیں کرتے تھے۔

وفی الصحيح لمسلم عن أنس رضی اللہ عنہ : وقد خضب أبوبكر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ بالحناء والكتم. (۲۵۸/۲).

آثار کی تفصیل کے لیے دیکھئے: (المصنف لابن ابی شیبة : ۱۲/ ۵۵۷۔ ۵٦۲، ط: المجلس العلمی).

الغرض دونوں طرح جائز اور درست ہے، البتہ احادیث کی وجہ سے خضاب استعمال کرنا مستحب ہے۔

قال الإمام محمدؒ فی المؤطا : لانرى بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة بأساً ، وإن تركه أبيض فلا بأس بذلك ، كل ذلك حسن . (المؤطا للامام محمد: ۳۹۲).

وقال الإمام النوويؒ : ومذهبنا استحباب خضاب الشيب للرجل والمرأة بصفرة أو حمرة...والأصح الأوفق للسنة ما قدمناه . (شرح النووی علی صحیح مسلم : ۱۹۹/۲).

وقال الحافظ ابن حجرؒ: ولكن الخضاب مطلقاً أولى، لأن فيه امتثال الأمر فی مخالفة أهل الكتاب، وفيه صيانة للشعر عن تعلق الغبار وغيره به، إلا أن كان من عادة أهل البلد ترك الصبغ ، وأن الذی ينفرد بدونهم بذلك يصير فی مقام الشهرة ، فالترك فی حقه أولى . (فتح الباری : ۱۰/ ۳۵۵).

وفی الدرالمختار: یستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولو في غير حرب فی الأصح ... ويكره بالسواد . (الدرالمختار: ٦/٤٢٢، سعید).

وفي رد المحتار: قوله خضاب شعره ولحيته، لا يديه ورجليه فإنه مكروه للتشبه بالنساء. (فتاوی الشامی:٦/٤٢٢،سعید).

وفی الفتاوی الهندية: اتفق المشايخ أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة ، وأنه من سيماء المسلمين...وعن الإمام أن الخضاب حسن لكن بالحناء والكتم والوسمة .

(الفتاوی الهندية: ٥/ ٣٥٩).

خضاب کا رنگ:

کالے رنگ کا خضاب ناجائز ہے اس کے علاوہ کی اجازت ہے تاہم حدیث شریف میں چار قسم کے خضاب کا تذکرہ ملتا ہے:

(۱) مہندی کا خضاب۔

(۲) کتم کا خضاب۔ کتم ایک پودہ ہے جس کا رنگ سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے۔

بعض صحابہ کرام دونوں کو ملا کر خضاب کیا کرتے تھے تا کہ بال کالے اور سرخ کے درمیان ہو جائیں۔ان دونوں خضاب کا مستحب ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ملاحظہ کیجئے:

عن أبي ذر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: إن أحسن ما غيرتم به الشيب الحناء والكتم . (رواه ابن ماجه ،ص ٢٥٨، والنسائی :٢/٢٧٧، ٢٧٨).

(۳) زرد رنگ کا خضاب۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول زرد رنگ کے خضاب کے استعمال کا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زرد رنگ استعمال فرماتے تھے۔اور آپ کو یہ رنگ تمام رنگوں میں زیادہ پسندیدہ تھا۔چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن زيدبن أسلم قال: رأيت ابن عمر رضی اللہ عنہ يصفر لحيته بالخلوق فقلت : يا أبا عبد الرحمن إنک تصفر لحيتک بالخلوق قال: إني رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصفر بها لحيته ولم يكن شيء من الصبغ أحب إليه منها ولقد كان يصبغ بها ثيابه كلها حتى عمامته . (سنن النسائی :٢/٢٧٨،وسنن ابی داود:٢/٥٦٢).

وفی الصحیح للإمام البخاری: وأما الصفرة فإني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصبغ بها، فأنا أحب أن أصبغ بها. (صحيح البخاری: ۱/ ۲۸).

چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی زرد رنگ کا خضاب استعمال فرماتے تھے۔ چند کے اسماء درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن وہب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (المصنف لابن ابی شيبة : ۱۲/۵۵۷۔۵۶۰، ط: المجلس العلمی).

(۴) زعفرانی رنگ کا خضاب۔

وفي شرح صحيح مسلم للإمام النوویؒ: وخضب بعضهم بالزعفران . (۱۹۹/۲).

وفي سنن أبي داود : عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يلبس النعال السبتية ويصفر لحيته بالورس والزعفران . (سنن ابی داود : ۵۹۰/۲).

لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ احناف کے نزدیک مرد کے لیے زعفرانی رنگ کا خضاب استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں مرد کے لیے زعفرانی رنگ کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتزعفر الرجل . متفق عليه. (صحيح البخاری : ۲/ ۸۷۹، والصحيح لمسلم : ۱۹۸/۲).

قال العلامة العيني: وكره أبوحنيفةؒ والشافعيؒ وأصحابهما أن يصبغ الرجل ثيابه أو لحيته بالزعفران . (عمدة القاری : ۱۴/ ۱۱۱).

وقال الملا على القاري: أن يتزعفر أی يستعمل الزعفران في ثوبه وبدنه؛ لأنه عادة النساء . (مرقاة المفاتيح : ۲۹۷/۸).

ہاں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زعفران استعمال کرنا مروی ہے، وہ قبل النہی تھا۔ یا ان کو نسخ کا علم نہیں ہوا تھا۔ یا زعفران کا رنگ تھا مگر خوشبو زائل ہوگئی تھی اور مرد کے لیے رنگ و بو دونوں کا جمع کرنا منع ہے صرف زرد رنگ باقی ہو تو یہ منع نہیں۔ راجع: (عمدۃ القاری للعلامہ بدرالدین العینیؒ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورت کے لیے مہندی لگانے کا حکم اور حدیثِ حنا کی تحقیق:

سوال: عورتوں کو اپنے ہاتھ پیر پر مہندی لگانے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا مستحب یا مسنون؟

الجواب: عورتوں کے لیے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگانا مستحب ہے، ایک عورت نے جب بیعت کی درخواست کی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ پر مہندی لگانے کا حکم دیا تھا۔ اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن عائشةؓ قالت: أومت امرأة من وراء ستر بيدها كتاب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم يده فقال: ما أدري أيد رجل أم يد امرأة ؟ قالت : بل يد امرأة ، قال : لو كنت امرأة لغيرت أظفارك يعنى بالحناء . (سنن ابی داود: ۲/ ۵۷٤). **إسناده ضعيف؛ فيه: مطيع بن ميمون العنبرى وهو ضعيف، كما قال الذهبى فى الكاشف ، وقال ابن عدى: له حديثان غير محفوظين .**

و صفية بنت عصمة لا تعرف ، جهلها الحافظان الذهبى وابن حجر . راجع : (تحرير التقريب: ۳۸۷/۳، وتهذيب الكمال:۹٤/۲۸، و۲۱٦/۳۵).

وأخرج أبوداود أيضاً:عن عائشةؓ أن هند بنت عتبة قالت: يا نبى الله بايعني! قال:لا أبايعك حتى تغيري كفيك كأنهما كفا سبع .(سنن ابی داود :۵۷٤/۲، وسنن الكبرى للبيهقى: ۸٦/۷).

هذا سند مسلسل بالمجهولات. فيه:غبطة وعمتها وجدة أم الحسن لايعرف حالهن بعد الفحص عنه ، قال ابن القطان في كتابه" أحكام النظر": هذا حديث فى غاية الضعف؛ فيه ثلاث نسوة لايعرفن كلهن . راجع: (التلخيص الحبير:۵۱٦/۲/۹۹۷، والبدرالمنير:۱۳۹/٦).

وفي سنن الكبرى للبيهقي: عن عائشةؓ أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يكره أن يرى المرأة ليس فى يديها أثر حناء أو خضاب . (السنن الكبرى:۳۱۱/۷).

إسناده ضعيف: فيه؛ يحيى بن المتوكل أبوعقيل ، قال الذهبي: ضعفوه. و بهية : جهلها الحافظان الذهبى وابن حجر . انظر: (الميزان:۲۷۹/٦).

و عن ابن ضمرة بن سعيد عن جدته عن امرأة من نسائه قال : وقد كانت صلت

القبلتين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت: دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لي اختضبي تترك إحداكن الخضاب حتى تكون يدها كيد الرجل قالت: فما تركت الخضاب حتى لقيت الله عز وجل وإن كانت لتختضب وإنها لابنة ثمانين.

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف، لعنعنة ابن إسحاق... وضمرة بن سعيد من رجال التهذيب لكن جدته لم نعرفها، وأورده الهيثمي في مجمع الزوائد وقال: رواه أحمد وفيه: من لم أعرفهم وابن اسحاق وهو مدلس. (مسند احمد: ۲۷/ ۲۱۰).

البتہ اگر شوہر کو مہندی کی بو پسند نہ ہو تو مہندی نہ لگانا درست ہے، ہاں کسی اور چیز سے خضاب کرے سیاہ خضاب کے علاوہ جو بھی شوہر کو پسند ہو۔

أخرج الإمام أبوداود في سننه عن كريمة بنت همام أن امرأة أتت عائشةؓ فسألتها عن خضاب الحناء فقالت: لا بأس به ولكني أكرهه كان حبيبي رسول الله صلى الله عليه وسلم يكره ريحه. (ابوداود: ۲/ ۵۷٤).

قال فى المرقاة: ففي شرعة الإسلام: الحناء سنة للنساء. (مرقاة المفاتيح: ۸/ ۲۹٤، باب الترجل). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورت کے لیے مہندی لگانا واجب نہیں:

سوال: بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک عورت نے بیعت کی درخواست کی اور ہاتھ بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا، اور فرمایا کہ اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ہاتھ کو مہندی سے خضاب کرتی، معلوم ہوا کہ مہندی نہ لگانا عیب کی بات ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے اور عورت کے لیے مہندی نہ لگانا عیب ہے یا مہندی لگانا واجب اور لازم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عورت کے لیے مہندی سے ہاتھ کا خضاب کرنا مستحب ہے واجب اور لازم نہیں ہے، اور نہ لگانا کوئی عیب کی بات بھی نہیں ہے، اور مذکورہ بالا روایت ضعیف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے بعید ہے کہ خضاب نہ لگانے پر بیعت سے انکار فرمادے بلکہ خضاب لگانا مطلوب ہوتا تو اسی پر بیعت فرماتے، پھر حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے ساتھ قولی بیعت فرمائی ہاتھ ملانا ثابت نہیں ہے۔

احادیث کی تحقیق ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بعض محدثین نے فرمایا کہ حنا کے بارے میں کوئی روایت صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

قال في الجامع الصغير: وقال في المعارضة: أحاديث الحناء كلها ضعيفة أو مجهولة. (الجامع الصغير، رقم:٧٤٨٥). (وكذا في الآثار المرفوعة، ص١٠٢، والاسرارالمرفوعة، ص٤٨٦، والمنار المنيف، ص١٣١). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

پیروں پر مہندی لگانے کا حکم:

سوال: کیا پیروں پر مہندی لگانا ہندوانہ رسم ہے؟ کیا فقہ کی کتاب میں کوئی جزئیہ ایسا ہے جو اس کو منع کرتا ہو؟ براہِ کرام جواب دیکر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: عورتوں کے لیے پیروں پر مہندی لگانا جائز اور درست ہے، یہ کوئی ہندوانہ رسم نہیں ہے اور نہ ہندوؤں کے ساتھ خاص ہے بلکہ زیب وزینت کے قبیل سے ہے اور عورتوں کو اس کی اجازت ہے۔

ملاعلی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما خضب اليدين والرجلين فيستحب في حق النساء ويحرم في حق الرجال إلا للتداوي. (مرقاة المفاتيح: ٣٠٤/٨،مكتبة امداديه).

وفي الجوهرة النيرة: ويكره للإنسان أن يخضب يديه ورجليه بالحناء وكذلك الصبي ولا بأس به للنساء. (الجوهرة النيرة ،ص٣٨٣،مكتبه امداديه).

(وكذا في فتاوى الشامي: ٣٦٢/٦،فصل في اللبس، سعيد).

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

شریعت نے عورتوں کو اجازت دی ہے کہ وہ زیبائش وآرائش کی جگہ جیسے ہاتھ، پیر، گلا، سینہ وغیرہ میں زینت اختیار کریں، لہٰذا پاؤں میں مہندی لگانا درست ہے...اور اسے نہ تو سنت کہیں گے اور نہ بدعت بلکہ مباح، یعنی یہ امور ان میں سے ہیں جنہیں اختیار کرنا جائز ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ٨٧/٦)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عورتوں کے لیے سیاہ مہندی لگانے کا حکم:

سوال: کیا عورتوں کے لیے ہاتھ، پیر اور ناخن پر سیاہ رنگ کی مہندی لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کے لیے مہندی لگانا بہتر اور مستحب ہے، لیکن سرخ یا سرخی مائل ہونی چاہئے، سیاہ مہندی کی صراحت کسی کتاب میں نہیں ملی اس لیے اس سے بچنا چاہئے، نیز ہاتھوں اور پیروں میں کالا رنگ طبیعتِ سلیمہ کے نزدیک پسندیدہ بھی نہیں ہے، کہیں یہ مثلہ اور عیب نہ بن جائے، ہاں اگر کسی علاقہ میں یہ زینت سمجھی جاتی ہو تو گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وفی البحر الزاخر: ویکرہ للإنسان أن یخضب یدیه و رجلیه و کذا الصبی إلا لحاجة، بناية، ولا بأس به للنساء . (فتاوی الشامی: ٣٦٢/٦،سعید). (وکذا فی حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ٤/ ١٨٢، ط: کوئته،والجوهرة النيرة:٣٨٣/٢،امدادیه ، ملتان).

وفی الفتاوی الهندية: ولا ینبغي أن یخضب یدی الصبی الذکر ورجله إلا عند الحاجة ویجوز ذلک للنساء کذا فی الینابیع . (الفتاوی الهندية: ٣٥٩/٥).

وفی البحر الرائق: ولا بأس للنساء بخضاب الید والرجل ما لم یکن خضاب فیه تماثیل. (البحرالرائق: ٢٠٨/٨،بیروت). (وکذا فی تحفة الملوك ،ص٢٢٧،رقم المسئلة : ٣٨٨).

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

ہاتھوں میں مہندی لگانا عورتوں کے لیے درست ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۷۹/۸، طبع جدید)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ نکاح سیاہ خضاب استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک لڑکی کا ایک معمر شخص کے ساتھ نکاح ہونے والا ہے، لڑکی کا مطالبہ ہے کہ کالا خضاب لگادو کیا نکاح کی وجہ سے سیاہ خضاب استعمال کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مذہبِ احناف میں ظاہر الروایہ کے مطابق سیاہ خضاب لگانا مطلقاً مکروہِ تحریمی ہے، البتہ مجاہد کے لیے اجازت ہے اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت کے مطابق مرد کے لیے بیوی کی خاطر سیاہ خضاب لگانے کی اجازت ہے، لیکن مذہب احناف میں اس روایت پر کسی نے فتویٰ دیا ہو ہمارے علم میں نہیں اور احادیث میں بھی علی الاطلاق ممانعت موجود ہے، لہذا سیاہ خضاب استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

احادیث کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

وأما الخضاب بالسواد فمن فعل ذلک من الغزاة ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود منه اتفق عليه المشايخ ومن فعل ذلک ليزين نفسه للنساء وليحبب نفسه إليهن فذلک مكروه وعليه عامة المشايخ وبعضهم جوز ذلک من غير كراهة وروى عن أبي يوسف ؒ أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها كذا فى الذخيرة . (الفتاوى الهندية : ٣٥٩/٥).

اگر خضاب خالص سیاہ نہ ہو بلکہ مخلوط ہو تو اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔

عن أبي ذر رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن أحسن ما غير به الشيب الحناء والكتم . قال أبوعيسیٰ: هذا حديث حسن صحيح . (رواه الترمذی، رقم: ١٧٥٣).

قال فى العرف الشذي : وفى الحديث النهي الشديد عن الخضاب الأسود الذي لايميز به بين الشيخ والشاب ، وأما اختلاط الحناء والكتم فجائز ، وزعم الناس أن الكتم والوسمة المتخذة من النيل ، و هكذا قال المحشى ، والحق أن الكتم تجلب من اليمن وتشدد الاحمرية ، لا السواد والوسمة إذا لم تكن أسوداً أشد السواد ويتميز بين الشيخ والشاب فجائزة كما فى مؤطا محمد . (٢٥٨/٣، باب ماجاء فى الخضاب).

قال الحافظ بن القيم فى زاد المعاد: ان النهى عن التسويد البحت فأما إذا أضيف إلى الحناء شيء آخر كالكتم ونحوه فلا بأس به فإن الكتم والحناء يجعل الشعر بين الأحمر والأسود بخلاف الوسمة فإنها تجعله أسود فاحماً . (زاد المعاد:٣٦٧/٤،مؤسسة الرسالة).

وقال فى حاشية فقه السنة : نبات يخرج الصبغة أسود مائلا إلى الحمرة . (ص:٤٠).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

بالوں کو خضاب کرنا کسی چیز سے سوائے سیاہ کے سب قسم درست ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص ٦٢٨)۔

امدادالاحکام میں ہے:

...اور فتویٰ اس پر ہے کہ سیاہ خضاب جائز نہیں مگر یہ کہ جہاد میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے لگانا جائز

ہے،...اور امام ابو یوسفؒ سے جو رخصت مروی ہے جیسا کہ عالمگیری اور شامی میں مذکور ہے وہ روایت ضعیف ہے یا مؤول ہے اس خاص صورت کے ساتھ جب کہ کسی کے بال بوجہ مرض قبل از وقت سفید ہو جائے۔(امداد الاحکام: ۴/ ۳۴۷، ۳۴۸)۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۲۱۷، وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/ ۱۱۸، وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۴۸۷، واحسن الفتاویٰ: ۳/ ۲۹۴، وکتاب الفتاویٰ: ۶/ ۸۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جسم پر رنگین پھول وغیرہ بنانے کا حکم:

سوال: یہ تو ظاہر ہے کہ وشم لگانا ناجائز ہے جس میں جسم کو سوئیوں یا دوسرے آلات سے گودا جاتا ہے، لیکن آج کل بعض آلات سے جسم پر پھول یا دوسرے نقش ونگار اوپر سے بناتے ہیں، اس میں جسم کو چھیلا نہیں جاتا، اور کچھ دنوں بعد وہ خود بخود مٹ بھی جاتا ہے، جسم پر ایسے پھول وغیرہ بنانے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر جسم میں سوئیاں نہیں ڈالی جاتیں، اور نہ پلاسٹر کی طرح تہہ لگتی ہو جس سے وضو اور غسل نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف رنگ ہو اور اس میں غیر اقوام کی مشابہت بھی قصداً اختیار نہ کی گئی ہو تو ان شرائط کے پیش نظر اس کی گنجائش ہے۔ باقی وشم یعنی جسم کو گودنے کی اجازت نہیں، کیونکہ احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف میں ہے: **عن علقمة عن عبد اللّٰه قال: لعن اللّٰه الواشمات والمستوشمات...الخ.** (رواه البخاری، رقم: ٤٨٨٦).

قال العلامة العينيؒ: قوله الوشم وهو غرز إبرة أو مِسلة ونحوهما في ظهر الكف أو المعصم أو الشفة وغير ذلک من بدن المرأة حتى يسيل منه الدم ثم يحشى ذلک الموضع بكحل أو نورة أو نيلة...وهو حرام على الفاعل والمفعول بها... و قال النوویؒ:قال أصحابنا الموضع الذی وشم يصير نجساً فإن أمكن إزالته بالعلاج وجبت إزالته ...الخ. (عمدة القاری: باب ماآتاكم الرسول فخذوه . وكذا فی شرح النووی علی صحيح مسلم: ٢/ ٢٠٥، و مرقاة المفاتيح: ٨/).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **والواشمة : التی تشم فی الوجه والذراع ، وهو أن تغرز الجلد بإبرة ثم يحشى بكحل أو نيل فيزرق.** (فتاوى الشامی: ٦/ ٣٧٣،سعيد).

قاموس الفقہ میں ہے:

عورتوں میں ایک قدیم فیشن جسم کو گودنے کا رہا ہے یعنی سوئی کے ذریعہ جسم کے کسی حصہ میں باریک سوراخ کیا جاتا پھر اس پر سرمہ یا کوئی رنگین چیز لگا دی جاتی، اس طرح سیاہ یا کسی اور رنگ کے نقطے ابھر آتے، اس کو حسن میں اضافہ کا باعث سمجھا جاتا تھا، اب بھی بعض قبائل اور اقوام میں اس کا رواج ہے، اسی کو عربی میں ''وشم'' کہتے ہیں۔ (قاموس الفقہ: ۵/ ۲۶۸)۔

ڈاکٹر عبدالحی عارفی لکھتے ہیں:

اسی طرح گودنے اور گودانے کا سلسلہ بھی زمانہ قدیم سے چل رہا ہے اس کو عربی میں وشم کہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی سوئی وغیرہ سے کھال میں گہرے گہرے نشان ڈال کر اس میں سرمہ یا نیل بھر دیا جاتا ہے، اس طرح جسم پر جانوروں اور دیگر چیزوں کی تصویریں بنائی جاتی ہیں، ہندوستان کے ہندوؤں میں تو یہ رواج بہت ہے اور خدا کے سچے رسول مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا، اور ایسا کرنے والی عورت پر لعنت فرمائی۔ (خواتین کے لیے شرعی احکام، ص۴۶۳)۔ مزید ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۳۴۶)۔

تاج العروس میں ہے: **والوشم كالوعد غرز الإبرة في البدن** . (تاج العروس: ۹/ ۹٤).

القاموس الوحید میں ہے: **الوشم**: سوئی سے گدائی اور اس میں نیلا یا ہرا رنگ بھرنے کا نشان، گدائی، چوٹ وغیرہ سے کھال کے رنگ کی تبدیلی۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۸۵۵)۔

مذکورہ بالا احادیث کی شروحات، فقہی عبارات اور اہل لغت کی عبارات سے مترشح ہوتا ہے کہ جسم میں گدائی کر کے رنگ بھرا جائے تو یہ وشم ہے، اور ممنوع ہے، لیکن بغیر گدائی کے فقط نقش ونگار بنائے تو یہ ممنوع وشم میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ حنا کے ذریعہ ہاتھ پیر سرخ کرنے کے مشابہ ہے اس کی اجازت ہے۔ ہاں قصداً غیر اقوام کی تقلید سے بچنا ضروری ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بھووں پر سرمہ لگانے کا حکم:

سوال: بھووں کو باریک کیے بغیر ان پر سرمہ لگانا یعنی صرف بالوں پر سرمہ لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا کی مختلف صورتیں عورتوں میں رائج ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب کی

وضاحت کردی جائے۔ چنانچہ حسبِ ذیل چند صورتیں مع احکام ملاحظہ کیجئے:

(۱) بالوں کو مکمل صاف کردیا جائے اور کوئی رنگ بھردیا جائے، یہ ناجائز ہے۔

(۲) بالوں کو باریک کردیا جائے اور سرمہ یا کوئی اور رنگ بھردیا جائے، یہ بھی ناجائز ہے۔

(۳) بالوں پر فقط زینت کے لیے سرمہ یا کوئی اور رنگ لگادیا جائے تو بطورِ زینت اس کی اجازت ہے۔ ہاں بلاضرورت کراہت سے خالی نہیں۔

(۴) بھووں کے بال خلافِ عادت بہت لمبے ہوجائیں اور آنکھوں پر آنے لگیں تو بطورِ ازالہ عیب کاٹ کر ٹھیک کرنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے: **عن عبد اللّٰہ قال: لعن اللّٰه الواشمات والمستوشمات والنامصات والمتنمصات ...الخ** . (رواہ مسلم: ۲/۲۰۵).

عمدۃ القاری میں ہے:

متنمصة: وهو إزالة الشعر من الوجه مأخوذ من النماص...قال النووی: هو حرام إلا إذا نبتت للمرأة لحية أو شوارب فلا يحرم بل يستحب عندنا والنهی إنما هو فی الحواجب وما فی أطراف الوجه . (عمدة القاری: ۱۵/، ملتان).

قال فی الشامية: النمص نتف الشعر ومنه النماص المنقاش، ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب وإلا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه ففي تحريم إزالته بعد، لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين إلا أن يحمل على ما لا ضرورة إليه لما فی نتفه بالمنماص من الإيذاء ...وفی التاترخانية عن المضمرات: ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه مالم يشبه المخنث، ومثله فی المجتبى . (فتاوی الشامی: ۶/۳۷۳، سعید).

(وكذا فی الفتاوی الهندية: ۵/۳۵۸، والبحر الرائق: ۸/۲۳۳، بيروت، وحاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص ۵۲۶، باب الجمعة، قديمی).

علامہ محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

بھووں کے بال بڑھ جائیں اور بے زیب ہوجائیں تو ان کو کٹوانا تو جائز ہے، مگر موچنے سے اُکھیڑنا درست نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۳۴۷، وص ۳۲۱-۳۲۲، طبع جدید)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿یا أیها الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستآنسوا وتسلموا علی أهلها ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون﴾ (النور:۲۷).

﴿وإذا حییتم بتحیة فحیوا بأحسن منها أو ردوها﴾ (النساء:۸۶).

﴿إذ دخلوا علیه فقالوا سلٰماً، قال: سلٰم قوم منکرون﴾

(الذاریات:۲۵).

باب......﴿۶﴾

ما یتعلق بأحکام السلام والتقبیل والمصافحة والمعانقة

”قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا تدخلوا الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا، أو لا أدلکم علی شيء إذا فعلتموه تحاببتم، أفشوا السلام بینکم“. (اخرجه الترمذی).

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:

”إن أولی الناس باللّٰہ من بدأهم بالسلام“. (رواہ ابوداود).

سلام، تقبیل، مصافحہ اور معانقہ کے احکام

سلام کے فضائل اور اس کی ابتدا:

سوال: سلام کے بارے میں وارد ہونے والے فضائل کیا ہیں؟ اور اس کی ابتدا کب سے ہوئی؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: قرآن وحدیث میں بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں۔ چند آیات اور احادیث درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی أهلها ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون﴾(النور:۲۷).

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنے خاص رہنے کے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو، اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو۔

وقال تعالیٰ: ﴿وإذا حییتم بتحیة فحیوا بأحسن منها أو ردوها﴾ (النساء:۸٦).

ترجمہ: اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو۔

وقال تعالیٰ: ﴿هل أتاک حدیث ضیف إبراهیم المکرمین، إذ دخلوا علیه فقالوا سلٰماً، قال: سلٰم قوم منکرون﴾ (الذاریات:۲٤-۲۵).

ترجمہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ تک پہنچی ہے جب کہ وہ مہمان ان کے پاس آئے تو ان کو سلام کیا، ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواب میں سلام کہا اور کہنے لگے کہ انجان لوگ معلوم ہوتے ہیں۔

اسلامی سلام کی ابتدا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی، تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی جماعت وہ بیٹھی ہوئی ہے ان کو سلام کرو اور غور سے سنو کہ وہ جواب میں کیا کہتے ہیں جو ان کا جواب ہوگا وہی تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے سلام کا جواب ہوگا، چنانچہ آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور ''السلام علیکم'' کہا، فرشتوں نے جواب دیا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' فرشتوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لما خلق الله آدم على صورته طوله ستون ذراعاً، فلما خلقه قال: اذهب فسلم على أولئک نفر من الملائكة جلوس فاستمع ما يحيونک فإنها تحيتک وتحية ذريتک، فقال: السلام عليكم، فقالوا: السلام عليک ورحمة الله، فزادوه: ورحمة الله". متفق عليه. (رواه البخاري:۲/۹۱۹، رقم: ۳۳۲۶، ومسلم، رقم: ۲۸٤۱).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہم سلام کو رواج دینے کی بڑی تاکید فرمائی، اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا، اور اس کے فضائل وبرکات اور اجر وثواب بیان فرمائے، صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک مومن نہ ہو، اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلو تو تمہارے آپس میں محبت قائم ہوجائیگی، وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی ہر مسلمان کے لیے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم". (رواه مسلم، رقم:٥٤).

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اے لوگو! سلام کو عام کرو، اور کھانا کھلاؤ، اور صلہ رحمی کرو، اور نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہو، سلامتی کے ساتھ

جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

عن عبد اللّٰہ بن سلام رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول:" یا أیھا الناس أفشوا السلام ، وأطعموا الطعام ، وصلوا الأرحام ، وصلوا والناس نیام، تدخلوا الجنة بسلام ". (رواہ الترمذی ، رقم: ۲٤۸۷، وقال : حدیث صحیح).

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تحیہ یعنی سلام ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے، تذکیر بھی، اپنے مسلمان بھائی سے اظہارِ تعلق ومحبت بھی، اور اس کے لیے بہترین دعا بھی، اور اس سے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہونچے گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مطالعہ وتکرار میں مشغول کو سلام کرنے کا حکم:

سوال: جب ساتھی مطالعہ یا تکرار یا علمی کام میں مشغول ہوں تو ان کو سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مطالعہ یا تکرار یا علمی کام کاج میں مشغول حضرات کو سلام نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ان پر سلام کیا جائے تو جواب دینا بھی واجب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

سلامک مکروہ علی من ستسمع ☆ ومن بعد أبدی یسن ویشرع

مصل وتال ذاکر ومحدث ☆ خطیب ومن یصغي إلیھم ویسمع

مکرر فقہ جالس لقضائہ ☆ ومن بحثوا فی الفقہ دعھم لینفعوا

قولہ مکرر فقہ أی لیحفظہ أو یفھمہ ...قولہ ومن بحثوا فی الفقہ ، عبارة النھر فی العلم و فی الضیاء : مذاکرة العلم فیعلم کل علم شرعي . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/٦۱٦،سعید).

جب خطیب کے سامع کو سلام نہیں کیونکہ وہ سن رہا ہے تو کتاب کے پڑھنے والے پر بھی سلام نہیں کیونکہ وہ غور کر رہا ہے۔

وفیہ أیضاً: أنہ یأثم بالسلام علی المشغولین بالخطبة أو الصلاة أو قراءة القرآن أو مذاکرة العلم أو الأذان أو الإقامة وأنہ لا یجب الرد فی الأولین... ویردون فی الباقی لإمکان الجمع بین فضیلتی الرد ...

صرح الفقھاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع...والأستاذ الفقیہ إذا سلم علیہ

تلمیذہ أو غیرہ أوان الدرس . (ردالمحتار: ۱/۶۱۸، سعید).

تقریرات الرافعی میں ہے:

قولہ ویردون فی الباقی، أی علی سبیل التخییر لا الوجوب ولا یزاد فی الرد علی وعلیکم ففی البزازیة أول القضاء وهل یسلم اختلفوا ولو سلم علیه أو علی المدرس أو المذکر أو القاری خیر فی الرد فإن رد یقول: وعلیکم . (تقریرات الرافعی: ۱/۸۲، سعید).

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار میں مرقوم ہے:

قوله ومن بحثوا فی العلم، کالذین یطالعون مع بعضهم أو یسألون استفهاماً...واعلم أنه یکره السلام علی المصلي والقاري والجالس للقضاء أو البحث فی الفقه أوالتخلي ولو سلم علیهم لایجب علیهم الرد لأنه في غیر محله . (حاشیة الطحطاوی: ۱/۲۶۲).

فتاوی ہندیہ میں مذکور ہے:

ولا یسلم علی قوم هم في مذاکرة العلم أو أحدهم وهم یستمعون وإن سلم فهو آثم کذا فی التاتارخانیة . (الفتاوی الهندیة: ۵/۳۲۶).

وفی الفتاوی البزازیة: مر علی من یقرأ القرآن...لا یسلم ...وکذا فی الدرس.

(الفتاوی البزازیة بهامش الهندیة: ۶/۳۵۴، نوع فی السلام). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ریڈیو پر سلام کا جواب دینے کا حکم:

سوال: ریڈیو پر سلام کیا گیا تو سامع پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ریڈیو پر کیے گئے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، البتہ احتیاطاً جواب دینا بہتر ہے کیونکہ یہ کلمہ دعائیہ ہے اور دعا غائبانہ بھی ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو شرح ریاض الصالحین میں ہے:

والسلام بمعنی: الدعاء بالسلامة من کل آفة ، فإذا قلت لشخص: السلام علیک، فهذا یعني إنک تدعو له بأن الله یسلمه من کل آفة : یسلمه من المرض ، من الجنون، یسلمه من الناس، یسلمه من المعاصي ، وأمراض القلوب ، یسلمه من النار، فهو لفظ عام ،

معناه : الدعاء للمسلَّم عليه بالسلامة من كل آفة . (شرح رياض الصالحين: ۲/۱۱۳۷).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام میں تحریر فرماتے ہیں:

رہا یہ مسئلہ کہ کسی نے السلام علیکم ریڈیو پر کہہ یا تو سننے والوں پر جواب دینا واجب ہے یا نہیں، تو مقتضی قواعد کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واجب کی ادائیگی اس طرح کہ سلام کرنے والے کو اس کا جواب معلوم ہو جائے، سننے والوں کی قدرت میں نہیں، اس لیے وجوبِ جواب تو ساقط ہو جانا چاہئے، البتہ احتیاطاً جوابِ سلام دیدیں تو بہتر ہے، کیونکہ یہ ایک کلمہ دعا کا ہے، اور دعا غائبانہ بھی ہوسکتی ہے۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص ۱۶۷)۔

قال في الهندية : لا يسقط فرض جواب السلام إلا بالإسماع كما لا يجب إلا بالإسماع كذا في الغياثية . (الفتاوى الهندية: ۵/۳۲۶).

حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

اعلام ضروری ہے، اگر قریب ہو تو اسماع سے اور اگر بعید یا اصم ہو تو اشارہ سے مع تلفظ بلسان کے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب نہایت آہستہ سے دیا یہ فعل عارض سے تھا، فلا یقاس علیہ غیرہ۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/۲۷۶)۔

البتہ مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ قدرت ہو تو اسماعِ جواب واجب ہے اگر قدرت نہ ہو تو اسماع واجب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۸/۱۳۹، وج ۹/۱۹، مسائل شتیٰ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کافر کے سلام کے جواب کا حکم:

سوال: اگر مسلمانوں کے ریڈیو اسٹیشن پر کوئی غیر مسلم ملازم ہے تو اس کے لیے السلام علیکم کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر کہے تو اس کا جواب دیا جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سلام دعا ہے اور اگر کوئی کافر مسلمان کے لیے دعا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، نیز جس کافر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع نہیں کیا تھا، کہ تم نے کیوں سلام کیا بلکہ اس کے جواب میں وعلیک فرمایا تھا، کیونکہ کافر نے بجائے السلام علیک کے السام علیک کہا تھا۔

نیز فقہاء نے کافر کے سلام کے جواب میں وعلیک یا ہداک اللہ کہنا فرمایا ہے اس کو سلام سے منع نہیں کیا، ہاں اگر کسی جگہ اشتباہ اور التباس کی وجہ سے مصلحۃً ان کو منع کریں تو دوسری بات ہے، بلکہ یہودی کے سلام کرنے

سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم سلام کیا کرتے تھے، جیسے ان کو حج سے منع کیا گیا، سلام سے منع نہیں کیا گیا۔

ہاں اگر یہ اشکال ہو کہ کافر کی دعا تو قبول نہیں ہوتی، اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کی دعا قبول نہیں ہوتی، ﴿وما دعاء الكافرين إلا في ضلال﴾ لیکن دنیاوی معاملات میں ان کی دعا قبول ہوسکتی ہے شیطان نے قیامت تک کی مہلت کی دعا مانگی اور قبول ہوئی۔ ﴿قال: أنظرني إلى يوم يبعثون، قال: إنك من المنظرين﴾.

علامہ ابوبکر الکاسانی بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

ويكره الابتداء بالتسليم على اليهودي والنصراني لأن السلام اسم لكل بر وخير ولا يجوز مثل هذا الدعاء للكافر إلا أنه إذا سلم لا بأس بالرد عليه مجازاة له ولكن لا يزيد على قوله وعليك لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: إن اليهود إذا سلم عليكم أحدهم فإنما يقول: السام عليكم، فقولوا: وعليك. (بدائع الصنائع:۵/۱۲۸،سعید).

وفي فتاوى الشامي: فلا يسلم ابتداء على كافر لحديث...وإذا سلم أهل الذمة ينبغي أن يرد عليهم الجواب وبه نأخذ ولكن لا يزيد على قوله وعليك لأنه قد يقول: السام عليكم أى الموت كما قال بعض اليهود للنبي صلى الله عليه وسلم فرد دعائه عليه. (فتاوی الشامی: ۶/۴۱۲-۴۱۳،سعید).

البتہ غیر مسلم کو ابتدا بالسلام نہیں کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تبدء وا اليهود ولا النصارى بالسلام. (رواه مسلم، رقم:۲۱۶۷).　فقہاء نے بھی مکروہ لکھا ہے۔ کما مر۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: کافر کے سلام کا جواب دینا جائز ہے مگر جواب میں صرف وعلیک کہے۔ (احسن الفتاویٰ:۸/۱۳۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دوسرے کا سلام پہنچانے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے دوسرے شخص کے ذریعہ سلام پہنچایا تو کیا سلام پہنچانے والے پر اس کا پہنچانا لازم ہے یا نہیں؟ نیز پہنچانے کی صورت میں جواب دینا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ سلام پہنچانا لازم ہے ہاں بعض فقہاء کے ہاں اگر پہونچانے کی ذمہ داری اٹھائی ہے تو پہونچانا ضروری ہے جیسے امانت کا پہنچانا ضروری ہے لیکن اگر ذمہ داری نہیں اٹھائی تو ضروری نہیں، اکثر فقہاء نے پہلا قول ذکر کیا ہے پھر جواب دینے والے پر سلام کا جواب دینا بھی لازم ہے اور اس کے جواب میں یہ الفاظ کہے: **وعليک وعليهم السلام ۔**

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن إسماعيل بن علية ، عن غالب ، قال : انا لجلوس بباب الحسن إذ جاء ہ رجل ، فقال: حدثني أبي ، عن جدي ، قال: بعثني أبي إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: ائته فأقرئه السلام ، فأتيته فقلت : إن أبي يقرئک السلام فقال: وعليک وعلى أبيک السلام .

وعن محمد بن أبى المجالد ، عن ابن أبي أوفى، قال: قلت له: إن بني أخيک يقرئونک السلام ، ثم أهل المسجد ، قال: وعليک وعليهم . (مصنف ابن ابی شيبة: ۸/۴۲۴، باب فی الرجل يبلغ الرجل السلام مايقول له).

سلام پہنچانے کا ثبوت:

أخرج البزارفي مسنده (۱۹۹۲) **بسنده عن القاسم بن عبد الرحمن عن أبيه عن عبد اللّٰه بن مسعود** رضی اللہ عنہ **عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: " لما كان ليلة أسرى بي لقيت إبراهيم فى السماء السابعة فقال: يا محمد اقرأ على أمتک السلام وأخبرهم أن الجنة عذب ماؤها طيب شرابها وأن فيها قيعان وأن غرس شجرها: سبحان اللّٰه والحمد للّٰه ولا إله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر" .**

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شبِ معراج میں جب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ساتویں آسمان پر ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! میری طرف سے اپنی امت کو سلام پہنچا دینا اور یہ خبر دینا کہ بے شک جنت کا پانی میٹھا ہے، پینے کے لیے خوشگوار ہے، اور جنت میں چٹیل میدان ہے اور اس کے درخت: سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر، پڑھنا ہے۔

ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

ولو قال الراد لآخر: اقرأ فلاناً السلام يجب عليه ذلك ، وقال في الشامية: لأنه من إيصال الأمانة لمستحقها والظاهر أن هذا إذا رضي بتحملها تأمل، ثم رأيت في شرح المناوى عن ابن حجر التحقيق أن الرسول إن التزمه أشبه الأمانة وإلا فوديعة ، أى فلا يجب عليه الذهاب لتبليغه كما في الوديعة ، قال الشرنبلالى وهكذاعليه تبليغ السلام إلى حضرة النبي عن الذي أمره به وقال أيضاً: ويستحب أن يرد على المبلغ أيضاً فيقول:وعليه السلام.

(الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٤١٥،سعيد).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وإذا أمر رجلاً أن يقرأ سلامه على فلان يجب عليه ذلك كذا في الغياثية، ذكر محمدؒ في باب الجعائل من السير حديثاً يدل على أن من بلغ إنساناً سلاماً من غائب كان عليه أن يرد الجواب على المبلِّغ أولاً ثم على ذلك الغائب كذا في الذخيرة . (الفتاوى الهندية:٥/٣٢٦). (وكذا في حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:٤/٢٠٧).

شرح رياض الصالحين میں ہے:

هل يجب عليك أن تنقل الوصية إذا قال: سلم لي على فلان ، أم لا يجب؟ فصل العلماء فقالوا: إن التزمت له بذلك وجب عليك ، لأن الله يقول: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلى أهلها﴾ وأنت الآن تحملت هذا، أما إذا قال: سلم لي على فلان ، وسكت أو قلت له مثلاً: إذا ذكرت أو ما أشبه ذلك ، فهذا لايلزم إلا إذا ذكرت، وقدالتزمت له أن تسلم عليه إذا ذكرت ، لكن الأحسن ألا يكلف الإنسان أحداً بهذا ، لأنه ربما يشق عليه ، ولكن يقول: سلم لي على من سأل عني ، هذا طيب. (شرح رياض الصالحين للشيخ العثيمين:٢/١٤٦١).

آداب المعاشرت میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

وعدہ سے سلام پہنچانا واجب ہے، فرمایا: اگر کسی سے وعدہ کرے کہ سلام پہنچاؤں گا تو سلام پہنچانا واجب ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ (آداب المعاشرت مبوب، ص۴۳، بحوالہ کلمۃ الحق، ص۱۱۵)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عورتوں کو سلام مصافحہ کا حکم:

سوال: (الف) عورتوں کو سلام اور مصافحہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ (باء) فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لڑکی سلام کی ابتدا کرے یا جواب دے تو حرام اور اگر مرد سلام کی ابتدا کرے یا جواب دے تو مکروہ ہے، کیا یہ مسئلہ درست ہے یا اس میں یہ قید ہے کہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو ممنوع ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: (الف) محرم عورتوں کو سلام اور مصافحہ کرنا بشرط عدمِ خوفِ فتنہ جائز اور درست ہے، ہاں نا محرم عورتوں کو سلام کرنا بہتر نہیں، البتہ عورتوں کی جماعت ہو یا خوفِ فتنہ نہ ہو تو سلام کرنے یا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، اور فقہاء کی عبارات جو منع پر دال ہیں وہ خوفِ فتنہ، خلوت اور شہوت پر محمول ہیں۔ اور مصافحہ تو قطعاً جائز نہیں، چاہے خوفِ فتنہ اور خلوت ہو یا نہ ہو۔

(باء) یہ بات فقہاء نے لکھی ہے اور روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ لڑکی سلام کی ابتدا کرے یا جواب دے تو لڑکے کی زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا، برخلاف لڑکے کی ابتدا کے کہ لڑکے دلچسپی والے ہی ہوتے ہیں۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو سلام فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو سنن دارمی میں روایت مذکور ہے:

عن أسماء بنت يزيد بن السكن إحدى نساء بني عبد الأشهل أنها: بينا هي في نسوة فمر عليهن النبي صلى الله عليه وسلم فسلم عليهن. (رواه الدارمي في سننه، رقم: ۲۶۳۷، باب في التسليم على النساء، قال حسين سليم اسد: اسناده حسن. وابوداود، رقم: ۵۲۰۴).

مصنف ابن أبي شيبه میں ہے:

عن مجاهد، أن عمر رضي الله عنه مر على نسوة فسلم عليهن. (مصنف ابن ابی شیبة: ۸/۴۴۷).

قال في التفسير المظهري تحت قوله تعالىٰ: وإذا حييتم بتحية...الخ: مسئلة: و يسلم على الغلمان والنساء لحديث أنس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على غلمان فسلم عليهم، متفق عليه، وحديث جرير رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على نسوة فسلم عليهن رواه أحمد وفي فتاوى الغرائب: أن السلام يكره على المرأة

الشابة والأمرد وإن سلما لا يجب الجواب، قلت: وهذا عند خوف الفتنة . (التفسير المظهری:۳/۱۸۵).

روح المعانی میں ہے:

ويدخل فی المسنون سلام امرأة على امرأة أو نحو محرم أو سيد أو زوج ، وكذا على أجنبي وهي عجوز لاتشتهي، ويلزمها فی هذه الصورة رد سلام الرجل، أما مشتهاة ليس معها امرأة أخرى فيحرم عليها رد سلام أجنبی، ومثله ابتداء ہ ، ويكره له رد سلامها و مثله ابتداء ہ أيضاً ، والفرق إن ردها وابتدائها يطمعه فيها أكثر بخلاف ابتداء ہ ورده،... ولو سلم على جمع نسوة وجب رد إحداهن إذ لايخشى فتنة حينئذٍ ، ومن ثم حلت الخلوة بامرتين ، والظاهر أن الأمرد هنا كالرجل ابتداء ورداً . (روح المعانی : ۵/۹۹).

بخاری شریف کی روایت میں ہے:

وعن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: لا واللّٰه ما مست يد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يد امرأة قط غير أنه بايعهن بالكلام . (رواه البخاری، رقم:۵۲۸۸،ومسلم ،۱۸۶۶).

وعن أميمة بنت رقية تقول: جئت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في نسوة نبايعه فقال لنا: فيما استطعتن وأطقتن ، إني لا أصافح النساء . (رواه ابن ماجه ، رقم: ۲۸۷۴،وابن حبان ،۴۵۵۳، واحمد، رقم:۲۷۰۰۶).

و في نصب الراية: وروي أن أبابكر رضی اللہ عنہ كان يصافح العجائز . قلت: غريب أيضاً. (نصب الراية:۴/۲۴۰).

وفی البدائع: إن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصافح العجائز. (بدائع الصنائع: ۵/۱۲۳،سعيد).

وفي رد المحتار: قال فی الذخيرة : وإن كانت عجوزاً لاتشتهي فلا بأس بمصافحتها أو مس يدها وكذلک إذا كان شيخاً يأمن على نفسه وعليهافلا بأس أن يصافحها وإن كان لا يأمن على نفسه أوعليها فليجتنب ، ثم إن محمداً أباح المس للرجل إذا كانت المرأة عجوزاً ولم يشترط كون الرجل بحال لا يجامع مثله وفيما إذا كان الماس هي المرأة فإن

كـانا كبيرين لا يجامع مثله ولا يجامع مثلها فلا بأس بالمصافحة فليتأمل عند الفتوى. (فتاوى الشامي: ٦/ ٣٦٨،سعيد).

(وكذا في الفتاوى الهندية: ٥/٣٢٩،والبحرالرائق: ٨/٢١٩،بيروت،والهداية:٤/٤٥١). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا حکم:

سوال: جب لوگ نماز سے پہلے مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو بعض لوگ سلام کرتے ہیں اور بعض لوگ نہیں کرتے ،کیا سلام کرنا چاہئے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر مسجد میں مصلی حضرات ذکر وتلاوت میں مشغول ہوں تو سلام نہ کرے اور اگر نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو پھر بھی سلام نہ کرنا بہتر ہے ، ہاں اگر نماز ہوچکی ہو یا لوگ بات چیت میں مشغول ہوں تو سلام کرنا چاہئے۔ باقی منتظر مصلی کے حکم میں ہے یہ صرف ثواب میں ہے تمام احکام میں نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں، عالمگیری میں ہے:

السـلام تـحية الـزائـريـن والـذيـن جلسوا في المسجد للقراء ة والتسبيح أو لانتظار الـصلاة ما جلسوا فيه لدخول الزائرين عليهم، فليس هذا أوان السلام ، فلا يسلم عليهم .

(الفتاوى الهندية :٥/٣٢٥، الباب السابع في السلام، وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ٤/ ٢٠٦).

وفـي الشـامية: قـال: وإذا جـلـس الـقـاضي ناحية من المسجد للحكم لا يسلم على الـخـصـوم ، ولايسـلـمـون عـليــه ، لأنــه جـلــس للحكم والسلام تحية الزائرين . (فتاوى الشامي:٦/٤١٥،كتاب الحظروالاباحة، سعيد).

فتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا دخـل الـمـسـجد بعضهم في غير الصلاة يسلم قال السيد الإمام أبو القاسم رحمه الله ولترك السلام لايكون تاركاً للسنة أشار إليه في أدب القاضي . (الفتاوى السراجية:ص٢٨٣، وكذا في فتاوى الشامي: ٦/٤١٣، كتاب الحظروالاباحة، سعيد).

علامہ شامیؒ " **المواضع التي لا يجب فيها رد السلام** " کے تحت فرماتے ہیں:

صـرح الـفـقـهـاء بـعدم وجوب الرد في بعض المواضع :...والجالسين في المسجد

لتسبيح أو قراء ة أو ذكر حال التذكير. (فتاوی الشامی: ۱/ ۶۱۸،باب مایفسدالصلاۃ ،سعید).

کتاب الفتاوی میں ہے:

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا یا مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا آنے والوں کو سلام کرنا درست ہے، البتہ اتنی آواز سے نہ کیا جائے کہ اگر کوئی شخص نماز میں ہو تو اسے خلل ہو جائے۔ (کتاب الفتاوی:۴/۲۵۴، وفتاوی رحیمیہ:۵/ ۱۹۹، ط: دیوبند).

لہذا سلام کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں میں سے کسی پر بھی ملامت نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

سلام کرتے وقت جھکنے کا حکم:

سوال: ایک شخص وکیل ہے جب وہ اپنی ملازمت پر جاتا ہے تو پہلے جج کے سامنے جھک کر سلام کرنا پڑتا ہے کیا اس طرح جھک کر سلام کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ نیز ایک شخص ورزش کے لیے جاتا ہے، ورزش کے بعد استاذ کے سامنے جھکنا لازم ہوتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے استاذ کو جھک کر سلام کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جھک کر سلام کرنا مکروہ ہے اگر صرف سر جھکائے تو کراہت کم ہوگی اور اگر رکوع کی طرح کرتا ہو تو یہ ناجائز ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رجل يا رسول الله! الرجل منا يلقى أخاه أو صديقه أينحني له؟ قال: لا، قال: أفيلتزمه ويقبله؟ قال: لا، قال: أفيأخذ بيده ويصافحه؟ قال: نعم قال أبوعيسىٰ هذا حديث حسن. (رواه الترمذی، رقم: ۲۷۲۸).

ملا علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

قوله: أينحني له، من الانحناء وهو إمالة الرأس والظهر تواضعاً وخدمة قال: لا، أى فإنه في معنى الركوع وهو كالسجود من عبادة الله سبحانه. (مرقاۃ المفاتیح: ۹/ ۷۶،باب المصافحة، امدادیہ، ملتان).

دلیل الفالحین میں ابن علان شافعی فرماتے ہیں:

ومن البدع المحرمة الانحناء عند اللقاء بهيئة الركوع، قال ابن الصلاح: يحرم

السجود بین یدی المخلوق علی وجه التعظیم وإن قصد بسجوده اللّٰه تعالیٰ . (دلیل الفالحین: ۳/۳۱۸، باب استحباب المصافحة، ط:دارالحدیث القاهرة).

فتاوی الشامی میں ہے:

وفی المحیط: أنه یکره الانحناء للسلطان وغیره . (فتاوی الشامی: ۶/۳۸۳،سعید).

وفی الطحطاوي علی الدرالمختار: عن انس رضی اللہ عنہ **أنه قال: قلنا لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أینحني بعضنا لبعض قال: لا...قال العلامة السید أحمد الطحطاويؒ: وأخذ من الحدیث کراهة الانحناء عند السلام** . (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار:۴/۱۹۰).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الانحناء للسلطان أولغیره مکروه لأنه یشبه فعل المجوس کذا في جواهر الأخلاطي ویکره الانحناء عند التحیة وبه ورد النهي کذا فی التمرتاشی. (الفتاوی الهندیة: ۵/۳۶۹).

(وکذا فی المحیط البرهانی : ۵/۲۷۸، داراحیاء التراث، ومجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر:۴/۲۰۶، دارالکتب العلمیة ، والموسوعة الفقهیة الکویتیة:۶/۳۲۳، وزارة الاوقاف ، الکویت، و نصاب الاحتساب، ص۲۱۷، الباب الثامن والاربعون فی الاحتساب علی المفرط فی التواضع للناس، وحاشیة الشرنبلالیة علی الدرر: ۱/۳۱۸).

امدادالاحکام میں ہے کہ رکوع کی طرح جھک کر سلام کرنا بدعت اور گناہ ہے،سلام میں جھکنا نہیں چاہئے۔ (امدادالاحکام:۴/۴۶۷)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں مرقوم ہے:

آپ کی ٹریننگ کا یہ اصول کہ سینٹر میں داخل ہوتے وقت یا باہر سے آنے والے اساتذہ وغیرہ کے سامنے رکوع کی طرح جھکنا پڑتا ہے،شرعی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرتے وقت جھکنے کی ممانعت فرمائی ہے، چہ جائیکہ مستقل طور پر اساتذہ کی تعظیم کے لیے ان کے سامنے جھکنا اور رکوع کرنا جائز ہو، حدیث شریف میں ہے،جس کا مفہوم ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو اس کے سامنے جھکنا جائز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔(مشکوٰۃ شریف:۴۰۱،بروایتِ ترمذی)۔

مجوسیوں کے یہاں یہی طریقہ تھا کہ وہ بادشاہوں ،امیروں اور افسروں کے سامنے جھکتے تھے،اسلام میں اس

فعل کو ناجائز قرار دیا گیا۔ٹریننگ کا مذکورہ اصول اسلامی احکام کے منافی ہے،لہٰذا ذمہ دار حضرات کو چاہئے کہ فوراً اس قانون کو ختم کریں،اگر وہ اسے ختم نہیں کرتے تو طلبا کے لیے لازمی ہے کہ وہ اس سے انکار کریں،اس لیے کہ خدا کی ناراضگی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/ ۱۵۶،طبع جدید)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جھنڈے کو سلام کرنے کا حکم:

سوال: آج کل اکثر ملکوں میں جھنڈے کو سلامی دینے کا رواج ہے اور اسے جھنڈے کا احترام سمجھا جاتا ہے شرعی نقطہ نظر سے کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ بات ملحوظ رہے کہ جھنڈے کو شرعی سلام نہیں کیا جاتا یعنی السلام علیکم وغیرہ نہیں کہا جاتا بلکہ اکثر سلوٹ کہا جاتا ہے یہ قیامِ تعظیمی کی طرح ہے جو ایک عرفی اکرام اور وطن سے محبت اور وفاداری کی علامت ہے لہٰذا اس میں بوقتِ ضرورت زیادہ قباحت نہیں غالباً ہندوستان میں اس کے سامنے جھکتے ہیں اگر ایسا ہو تو یہ ناجائز ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم ہے اگر حکومت کا دباؤ ہو تو بادلِ ناخواستہ کرنے میں امید ہے کہ کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ملاحظہ ہو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے اور اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتی ہے وہ ایک قومی عمل ہے اس میں اصلاح ہوسکتی ہے مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ فعل قرار دینا صحیح نہیں۔(کفایت المفتی:۹/ ۳۷۸،دارالاشاعت)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

یہ محض سیاسی چیز ہے اور حکومتوں کا طریقہ ہے اسلامی حکومتوں میں بھی ہوتا ہے بچنا اچھا ہے اگر فتنہ کا ڈر ہو تو بادلِ ناخواستہ کرنے میں مواخذہ نہیں ہوگا،ان شاء اللہ۔(فتاویٰ رحیمیہ:۶/ ۲۸۸)۔

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

پرچم کو سلام کرنا غیر شرعی رسم ہے، اس کو تبدیل کرنا چاہئے ،وطن سے محبت تو ایمان کی علامت ہے، مگر اظہارِ محبت کا یہ طریقہ کفار کی ایجاد ہے، مسلمانوں کو کفار کی تقلید روا نہیں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۸/ ۱۵۹،طبع جدید)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل ہندوستان اور بعض دیگر ممالک میں ازراہِ احترام وتقدیس قومی جھنڈے کو جھک کر سلامی دی جاتی

ہے، شرعاً یہ عمل ناجائز ہے اور مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے اور اگر کہیں ان کو اس پر مجبور کیا جائے تو ممکن حد تک قانون وآئین کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، تاہم جہاں ایسا ممکن نہ ہو، اور اس سلامی کو شرائط ملازمت میں داخل کر دیا گیا ہو، نیز اس ملازمت سے محرومی کی صورت میں مشقت کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے کراہتِ خاطر کے ساتھ سلامی جائز ہوگی کہ یہ ایک حاجت ہے، اور حاجت ضرورت کے درجہ میں آ کر ناجائز چیزوں کے لیے وقتی اور عارضی طور پر وجہ جواز بن جاتی ہے۔" **الحاجة تنزل منزلة الضرورة** " اور" **الضرورات تبيح المحظورات**"۔(جدید فقہی مسائل:۱/ ۴۶۷، ط: نعیمیہ دیوبند)۔**واللہ** سبحانہ وتعالیٰ **اعلم**۔

وعظ کے بعد واعظ سے مصافحہ کا حکم:

سوال: جب کوئی وعظ سے فارغ ہوتا ہے تو عام لوگ لائن بنا کر یا بغیر لائن کے جاتے ہوئے واعظ سے مصافحہ کرتے ہیں، کیا یہ بدعت ہے یا سنت یا مباح؟ اور اس کی عادت بنانا اچھا ہے یا قابل ترک ہے؟ اور اس میں مہمان معزز اور غیر مہمان کا فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علماء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ اول ملاقات کے وقت مصافحہ مسنون ہے، البتہ خاص طور پر وعظ کے بعد واعظ سے مصافحہ کی کوئی دلیل دستیاب نہیں ہوئی، تاہم اگر پہلے سے مصافحہ نہیں ہوا تھا تو کوئی حرج نہیں ہاں اس کو سنت یا لازم نہ سمجھا جائے، لیکن اگر پہلے سے مصافحہ ہو چکا ہے تو پھر وعظ کے بعد دوبارہ مصافحہ کے لیے آگے بڑھنا درست نہیں یہ قابل ترک عمل ہے۔ اور قطار آسانی کی وجہ سے بنائی جاتی ہے تا کہ واعظ پر ایک دم سے لوگوں کا ہجوم نہ ہو جائے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف کی روایت میں ہے:

حدثنا عمرو بن عاصم حدثنا همام عن قتادة قال: قلت لأنس: أكانت المصافحة في أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال: نعم . (رواه البخاري، رقم: ٦٢٦٣).

وعن أنس رضي الله عنه **قال: لما جاء أهل اليمن قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" قد جاء كم أهل اليمن" وهم أول من جاء بالمصافحة. رواه أبو داود بإسناد صحيح، رقم:** ٥٢١٣.

وعن البراء رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" ما من مسلمين يلتقيان**

فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يفترقا ". (رواه ابوداود،رقم: ٢٥١٢).

عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه وأخذ بيده فصافحه تناثرت خطاياهما كما تناثرت ورق الشجر. رواه الطبراني في الأوسط، رقم: ٢٤٥، ويعقوب بن محمد بن الطحلاء روى عنه غير واحد ولم يضعفه أحد وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد:٨/٧٥،باب المصافحة).

فهل يسن للرجل إذا لقي أخاه أن يصافحه؟ نعم يسن له ذلک لأن هذا من آداب الصحابة رضي الله عنهم كما سأل قتادة أنس بن مالک رضي الله عنه، وهذا يدل على فضيلة المصافحة إذا لاقاه، وهذا إذا كان لاقاه لتحدث معه أو ما أشبه ذلک، أما مجرد الملاقاة في السوق، فيكفي أن يسلم عليه، وإذا كنت تقف إليه دائماً وتتحدث إليه بشيء فصافحه. (شرح رياض الصالحين للشيخ العثيمين:٢/١١٦٤).

قال الإمام النووي رحمه الله: المصافحة سنة مجمع عليها عند التلاقي. (عمدة القارى:١٥/٣٧٧، باب المصافحة).

شرح سنن ابن ماجہ میں ہے: **اعلم أن المصافحة سنة عندكل لقاء ومحلها أول الملاقاة .** (شرح سنن ابن ماجه،ص٢٦٣).

قال في المرقاة: فإن محل المصافحة أول الملاقاة. (مرقاة المفاتيح : ٩/٧٤،باب المصافحة).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

واعظ سے بعد وعظ کے مصافحہ کرنا درست ہے مگر اس کا التزام کرنا اور ضروری سمجھنا جائز نہیں۔(فتاویٰ رشیدیہ،ص۶۰۵،مکتبہ رحمانیہ)۔

تسہیل المواعظ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بعد وعظ کہنے کے وعظ کہنے والے سے ضرور مصافحہ کرتے ہیں، سو اول تو یہ بدعت ہے اور پھر تکلیف بھی ہے جس بات میں تکلیف ہو وہ نہ کرنا چاہئے۔(تسہیل المواعظ،جلد اول،ص۵۸۵،ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ،ملتان)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصافحہ کامسنون طریقہ:

سوال: مصافحہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ ایک ہاتھ سے یا دونوں ہاتھوں سے، ہندوستان وپاکستان کے علماء تو دونوں ہاتھوں سے کرتے ہیں لیکن عرب حضرات ایک ہاتھ سے کرتے ہیں اوراس کو مسنون کہتے ہیں، مسنون طریقہ کی وضاحت کیجئے؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں مصافحہ دونوں ہاتھوں سے مسنون ہے۔ملاحظہ کیجئے امام بخاریؒ نے "**باب الأخذ باليدين**" کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اثر نقل فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

قال:حدثنا سيف بن سليمان قال: سمعت مجاهداً يقول:حدثني عبد الله بن سخبرة أبومعمر قال: سمعت ابن مسعود ؓ يقول: علمني النبي صلى الله عليه وسلم وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة...(رواه البخاري:۲/۹۲٦).

امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب اورحدیث سے پتہ چلا کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے مسنون ہے۔

جولوگ ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون بتاتے ہیں وہ بھی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ صحابی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا،لیکن یہ استدلال درست نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس حدیث میں دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا مذکور ہے اورصحابی کا مقصود یہ بتانا نہیں ہے کہ میں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا یہ تو صحابی کی شان سے بعید ہے کہ حضور دو ہاتھ سے مصافحہ کریں اورصحابی ایک ہاتھ سے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ میرا ہاتھ حضور کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

امام بخاریؒ نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے پر حماد بن زید کا عمل بھی پیش کیا ہے۔ملاحظہ کیجئے:

وصافح حماد بن زيد ابن المبارك بيديه . (بخاری شریف : ۲/۹۲٦).

قال في فتح الباري: وصله غنجار في تاريخ بخارى من طريق إسحاق بن أحمد بن خلف قال: سمعت محمد بن إسماعيل البخاري يقول: سمع أبي من مالك ورأى حماد بن زيد يصافح ابن المبارك بكلتا يديه وذكرالبخاري فى التاريخ في ترجمة أبيه نحوه وقال في ترجمة عبد الله بن سلمة المرادي حدثني أصحابنا يحيى وغيره عن أبي إسماعيل بن إبراهيم قال: رأيت حماد بن زيد وجاءه ابن المبارك بمكة فصافحه بكلتا يديه ويحيى المذكور هوابن جعفر البيكندى . (فتح الباري : ۱۱/۵٦).

الادب المفرد میں امام بخاریؒ نے روایت بیان فرمائی ہے:

عن عبد الرحمن بن رزين قال: مررنا بالربذة فقيل لنا: هاههنا سلمة بن الأكوع رضي الله عنه فأتيته فسلمنا عليه فأخرج يديه فقال: بايعت بهاتين نبي الله صلى الله عليه وسلم فأخرج كفاً له ضخمة كأنها كف بعير فقمنا إليها فقبلناها. (الأدب المفرد، رقم:۹۷۳، وإسناده حسن).

یاد رہے کہ بیعت میں مصافحہ بھی ہوتا ہے۔

طبرانی شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي أمامة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا تصافح المسلمان لم تفرق أكفهما حتى يغفر لهما . (المعجم الكبير للطبراني: ۸/۳۳۷/۸۰۰۲). **قال الهيثمي فى المجمع** (۸/۳۷،باب المصافحة والسلام،ط: القاهرة): **وفيه؛ مهلب بن العلاء ، ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات.**

مسند الامام احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما من مسلمين التقيا، فأخذ أحدهما بيد صاحبه ، إلا كان حقاً على الله أن يحضر دعاء هما، ولا يفرق بين أيديهما حتى يغفر لهما . قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: صحيح لغيره ، وهذا إسناد حسن من أجل ميمون المرئي، وهو ابن موسى ، و ميمون بن سياه ، فهما صدوقان ، محمد بن بكر: هو البرساني. (مسند الامام احمد: ۱۹/۴۳۶/۱۲۴۵۱).

علامہ عبدالحی لکھنویؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

جمہور فقہاء کے نزدیک دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہئے، مجالس الابرار میں ہے: " **والسنة أن تكون بكلتا يديه** " اور سنت یہ ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو ایسا ہی درمختار اور جامع الرموز وغیرہ میں ہے اور معجم طبرانی میں بروایت ابوامامہ رضی اللہ عنہ جو یہ حدیث مذکور ہے: **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تصافح ... الخ.** یعنی حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھ جدا نہیں ہوتے مگر اس وقت کہ ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہئے، کیونکہ اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہوتا تو " **أكفهما** " کی جگہ پر جو کف کی جمع ہے " **كفاهما** " تثنیہ کا لفظ لایا جاتا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، جلدِ اول، ص۱۳۳، ط: آرام باغ کراچی)۔

لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ نحو میں قاعدہ ہے کہ اگر مضاف مضاف الیہ کا جزء ہو تو مضاف کو بجائے تثنیہ جمع لایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ (روح المعانی: ۱۵۲/۲۸)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے وہ مصافحہ جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے مراد نہیں ہے بلکہ یہ ہاتھ میں ہاتھ لینا ویسا ہے جیسا کہ بزرگ چھوٹوں کو کوئی چیز تعلیم کرنے کے وقت ہاتھ میں ہاتھ لیتے ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس سے وہی مصافحہ مسنونہ مراد ہے تو بھی اس حدیث سے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک ہاتھ کا ذکر اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ دوسرا ہاتھ شامل نہ تھا کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کف بمعنی جنس مستعمل ہوا ہے اور کف سے دونوں ہاتھ مراد لیے گئے ہیں، استعمال عرب اور آیاتِ قرآن اور احادیثِ نبوی میں یہ بات بکثرت پائی گئی ہے کہ ید کا استعمال جنس ید پر آتا ہے جو ایک ہاتھ اور دو ہاتھ دونوں کو شامل ہے اور اکثر مقامات پر دو ید کی جگہ ایک ید کا استعمال ہوا ہے اسی بنا پر جن حدیثوں میں اخذ بالید وارد ہوا ہے ان سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا قطعی ثابت ہے بلکہ وہ حدیثیں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے پر محتمل ہیں پس جب کوئی ایسی حدیث پائی جائے جس سے صراحۃً ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرنا ثابت ہو تب فقہاء کے اقوال کو ترک کرنا ضروری ہے اور جب تک اس کی تصریح صریح نہ پائی جائے اس وقت تک فقہاء کے اقوال پر عمل چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، جلدِ اول، ص۱۳۳، آرام باغ کراچی)۔

فیض الباری میں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

واعلم أن كمال السنة فيها أن تكون باليدين، ويتأدى أصل السنة من يد واحدة أيضاً وقد بوب البخاري بعيدة: باب الأخذ باليدين، ثم الذين يدعون العمل بالحديث، ينكرون التصافح باليدين، ولما لم يكن في ذلك عند المصنف حديث على شرطه، أخرج حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی التشهد، فاكتفى عن الاستشهاد على الجنس، فإن التصافح في حديثه كان عند التعليم دون التسليم، وهذا غير ذلک، نعم أخرج لها أثرين، ثم للتصافح باليدين حديث مرفوع أيضاً، كما فی الأدب المفرد، وأراد المدرسون أن يستدلوا عليه من حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ هذا، فقالوا: أما كون التصافح باليدين من جهة النبي صلى الله عليه وسلم

فالحديث نص فيه ، وأما كونه كذلك من جهة ابن مسعود رضی اللہ عنہ، **فالراوي وإن اكتفى بذكر يده الواحدة، إلا أن المرجو منه أنه لم يكن ليصافحه بيده الواحدة ، والنبي صلى الله عليه وسلم قد صافحه بيديه الكريمتين، فإنه يستبعد من مثله أن لايبسط يديه للنبي صلى الله عليه وسلم وقد يكون النبي صلى الله عليه وسلم بسط له يديه ، غير أن الراوي لم يذكره، لعدم كونه غرضه متعلقاً بذلك** . (فيض الباري : ٦/٢٠٤،باب المصافحة).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: " **والسنة فى المصافحة بكلتا يديه** ". (فتاوى الشامي: ٦/٣٨١،سعيد).

قال فى الفتاوى الهندية: وتجوز المصافحة والسنة فيها أن يضع يديه على يديه من غير حائل من ثوب أو غيره كذا فى خزانة المفتين ، والله أعلم . (الفتاوى الهندية: ٥/٣٦٩).

قال فى مجمع الأنهر: ولا بأس بالمصافحة لأنها سنة قديمة متوارثة فى السنة والسنة فى المصافحة بكلتا يديه . (مجمع الانهر: ٤/٢٠٤).

حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں:

ولا يذهب عليك أن السنة فى المصافحة أن تكون باليدين كما هو المعروف عن الصحابة والتابعين والمتوارث عن المشايخ. (اوجزالمسالك :٢/١٩٢).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

امام بخاریؒ نے یہ حدیث " **باب المصافحة** " کے تحت ذکر فرمائی، اور اس کے متصل " **باب الأخذ باليدين** " کا عنوان قائم کر کے اس حدیث کو مکرر ذکر فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنتِ نبوی ہے، علاوہ ازیں مصافحہ کی روح، جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدثِ دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے:

اپنے مسلمان بھائی سے بشاشت سے پیش آنا، باہمی الفت ومحبت کا اظہار ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ:۲/ ۱۹۸، آداب الصحبہ)

اور فطرتِ سلیمہ سے رجوع کیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں اپنے مسلمان بھائی کے سامنے تواضع ، انکسار، الفت ومحبت اور بشاشت کی جو کیفیت پائی جاتی ہے، وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں نہیں پائی جاتی۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۵۲/۸، طبع جدید)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

مصافحہ دونوں ہاتھوں سے سنت ہے بلا مجبوری صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلافِ سنت اور تکبر کی

علامت ہے۔(آداب المعاشرت)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ:۸/ ۳۹۷۔۴۰۳،وقاموس الفقہ :۵/ ۱۰۵)۔

مذکورہ بالا تمام دلائل کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے مسنون ہے اور ایک ہاتھ سے خلافِ سنت ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقتِ مصافحہ ہاتھوں کو جھٹکا دینے کا حکم:

سوال: بعض لوگ مصافحہ کرتے وقت ہاتھوں کو جھٹکا دیتے ہیں،شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تتبع کثیر کے باوجود احادیث میں اس کی صراحت نہیں ملی،اس لیے یہ مسنون نہیں البتہ عادۃً یا عرفاً لوگ اس طرح کرتے ہوتو اس میں کوئی حرج نہیں،ہاں اگر سنت یا ثواب سمجھتے ہوتو یہ بدعت اور قابل ترک ہے،بعض حضرات نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”من صافح أخاه المسلم وحرک یده تناثرت عنه ذنوبه“. الدرایه اور نصب الرایه میں اس کی نسبت المعجم الاوسط للطبرانی کی طرف کی گئی ہے لیکن اس میں یہ روایت اس طرح مذکور ہے:

عن حذیفة بن الیمان رضی اللہ عنہ عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم علیه وأخذ بیده فصافحه تناثرت خطایاهما کما تناثرت ورق الشجر.

(رواه الطبراني في الأوسط، رقم: ٢٤٥).

اس میں حرک یدہ کے الفاظ موجود نہیں ہے۔اسی وجہ سے علماء نے اس کو غیر معروف قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

وأما قول صاحب الهدایة: عنه علیه الصلاة والسلام :” من صافح أخاه المسلم وحرک یده .... فقوله ” حرک یده “ غیر معروف . (فتح باب العناية: ٤/ ٤٠، كتاب الكراهية، بيروت).

خلاصہ یہ ہے کہ ” **حرک یده** “کے الفاظ غیر معروف ہیں۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصافحہ کرتے وقت انگوٹھا دبانے کا حکم:

سوال: مصافحہ میں انگوٹھا پکڑ کر دبانے کی کیا حیثیت ہے مستحب یا سنت؟ بعض لوگ اس کو سنت یا مستحب قرار دیتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بوقتِ مصافحہ انگوٹھا پکڑ کر دبانا نہ سنت ہے اور نہ مستحب اور نہ اس بارے میں کوئی روایت کتبِ حدیث میں منقول ہے، بنابریں یہ خرافاتِ عوام میں سے ہے اور قابل ترک ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

انگوٹھوں کا پکڑنا مصافحہ کے مفہوم میں داخل نہیں اس کے معنی ہاتھ ملانے کے ہے نہ ایک انگوٹھا پکڑنا مسنون ہے اور نہ دونوں۔ (کفایت المفتی: ۱۰۸/۹)۔

اشرف الاحکام میں ہے:

مصافحہ کی ترکیب میں مشہور ہے کہ انگوٹھوں کو دبا دے یہ بے اصل ہے اور یہ حدیث موضوع ہے کہ انگوٹھوں میں رگِ محبت ہے۔ (اشرف الاحکام، ص۱۹۳، بحوالہ حسن العزیز: ۲۳۶/۴)۔

قال ابن عابدينؒ: المصافحة هي إلصاق صفحة الكف بالكف وإقبال الوجه بالوجه فأخذ الأصابع ليس بمصافحة خلافاً للروافض والسنة أن تكون بكلتا يديه وبغير حائل من ثوب أو غيره وعند اللقاء بعد السلام وأن يأخذ الإبهام فإن فيه عرقاً ينبت المحبة كذا جاء في الحديث، ذكره القهستاني وغيره. (فتاوى الشامي: ٦/٣٨٢، سعيد). (وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح نقلاً عن القهستاني، ص٢١٥، ط: بولاق، وجامع الرموز للقهستاني: ٣/٣١٦).

علامہ شامیؒ اور علامہ طحطاویؒ نے یہ حدیث قہستانی سے نقل کی ہے اور قہستانی نے کوئی حوالہ نہیں دیا نیز خود قہستانی پر علامہ شامیؒ وغیرہ حضرات نے جرح کی ہے لہذا اس حدیث کا اعتبار نہیں۔

قال الإمام اللكنوي في "غيث الغمام" (ص: ٣٠) **عن جامع الرموز: وهو من الكتب غير المعتبرة لعدم الاعتماد على مؤلفه قال علي القاري المكي: قال عصام الدين في حق القهستاني: إنه لم يكن من تلامذة شيخ الإسلام الهروي، لا من أعاليهم، ولا من أدانيهم، وإنما كان دلال الكتب في زمانه، ولا كان يعرف الفقه، ولا غيره بين أقرانه، ويؤيده أنه**

يجمع في شرحه هذا بين الغث والسمين، والصحيح والضعيف من غير تصحيح، ولا تدقيق، فهو كحاطب الليل، جامع بين الرطب واليابس فى الليل [ت: نحو ۹۵۳ھ] **انظر: دفع الغواية، ص ۳۷، وتذكرة الراشد، ص ٥٦.** (تعليقات فتاوى اللكنوى، ص ٣٣).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

علامہ ابن عابدین نے حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا بلکہ قہستانی کا حوالہ ہے، قہستانی کو دیکھا گیا تو اس میں بھی حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں ملا، پھر کتبِ حدیث میں تلاش کیا گیا مگر اس کا کچھ پتا نہ چل سکا، اگر اس کا کوئی ثبوت ہوتا تو مصافحہ کثیر الوقوع عمل سے متعلق ہونے کی وجہ سے روایاتِ کثیرہ میں اس کا ذکر ہونا چاہئے تھا جب کہ متداول اور معروف کتبِ حدیث اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۹/۸۸)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خطوط کے آخر میں لفظ ''والسلام'' لکھنے کا حکم:

سوال: رسائل اور خطوط کے آخر میں لفظ ''والسلام'' لکھا جاتا ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ لکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور لکھنے کی صورت میں مرسل الیہ کو اس سلام کا جواب دینا واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ خطوط اور رسائل کے آخر میں والسلام لکھنا جائز اور درست ہے، اور یہ سلامِ مسنون کے قائم مقام ہے، نیز مرسل الیہ پر اس کا جواب دینا بھی واجب ہے۔

ملاحظہ ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی طرف خط تحریر فرمایا اور اس کے آخر میں والسلام لکھا:

عن عبادة بن الأشيم قال: وفدت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم و أسلمت، و كتب لي رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاباً،" إني أمرتك على قومك، فحاسبهم بما جرى عليه عملك ما أقاموا الصلاة، وأعطوا الزكاة، فمن سمع بكتابي هذا ممن جرى عليه عملك فلم يطع، فليس له من الله عزوجل معين، والسلام. (معجم الصحابة لابن قانع: ٤/٢٦٩/١٠٦٢).

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن الولید کو خط لکھا۔ ملاحظہ ہو:

بسم الله الرحمٰن الرحيم من محمد النبي رسول الله إلى خالد بن الوليد سلام عليك فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو أما بعد... والسلام عليك ورحمة الله

وبر كاته. (السيرة النبوية لابن هشام :٥/٢٩٢،ط:دارالجيل،والروض الانف:٤/٣٧٠).

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خط میں والسلام علیک لکھا ملاحظہ کیجئے ترمذی شریف میں روایت مذکور ہے:

عن عبد الله بن المبارک عن عبد الوهاب ابن الورد عن رجل من أهل المدينة قال: كتب معاوية رضي الله عنه إلى عائشة أم المؤمنين رضى الله تعالىٰ عنها أن اكتبي إلي كتاباً توصيني فيه ولا تكثري علي فكتبت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها إلى معاوية رضي الله عنه سلام عليک أما بعد فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من التمس رضاء الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس ومن التمس رضاء الناس بسخط الله وكله الله إلى الناس والسلام عليک. (رواه الترمذى ، رقم: ٢٤١٤).

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں والسلام علیک لکھا۔ ملاحظہ ہو:

عن محمد بن سيرين : أن أباموسىٰ كتب إلى عامر بن عبد الله: من عبد الله بن قيس إلى عامر بن عبد الله الذي يقال له: ابن عبد قيس أما بعد: لئن كنت تغيرت فعد ، وإن كنت لم تتغير فدم ، والسلام عليک. هذا إسناد رواته ثقات. (اخرجه البوصيرى فى الزوائد،رقم: ٥٢٦٩).

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں والسلام علیک لکھا۔ ملاحظہ ہو:

عن محمد بن سوقة قال: أتيت نعيم بن أبي هند فأخرج إلي صحيفة فإذا فيها من أبي عبيده بن الجراح ومعاذ بن جبل إلى عمر بن الخطاب رضي الله عنه سلا م عليک أما بعد فإنا عهدناک... وإنا نعوذ بالله أن ينزل كتابنا سوى الذى نزل من قلوبنا فإنا إنما كتبنا به نصيحة لک والسلام عليک. (المعجم الكبيرللطبرانى، رقم: ٤٥).

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی جواب میں خط لکھا اور اس کے آخر میں لکھا: **والسلام عليكما.** (المعجم الکبیر، رقم:۴۵).

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عامل کو خط لکھا اس کے آخر میں سلام لکھا۔ ملاحظہ ہو موطا مالک میں ہے:

أن عمربن عبد العزيز كتب إلى عامل من عماله أنه بلغنا:أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا بعث سرية يقول لهم : اغزوا باسم الله فى سبيل الله تقاتلون من كفر بالله لاتغلوا ولاتغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا وليداً وقل ذلک لجيوشک وسراياک إن شاء الله

والسلام علیک. (موطا الامام مالك ، رقم: ٩٦٦).

وعن سعيد بن أبى بردة قال: كتب عمر رضي الله عنه **إلى أبي موسى** رضي الله عنه **: أما بعد فإن أسعد الرعاة من سعدت رعيته ، و إن أشقى الرعاة من شقيت رعيته ، و إياک أن ترتع فترتع عمالک فيكون مثلک عند ذلک مثل بهيمة نظرت إلى خضرة من الأرض فرتعت فيها تبغي بذلک السمن ، وإنما حتفها في سمنها ، والسلام عليک** . (رواه ابن ابى شيبة ،رقم: ٣٤٤٤٨).

اس کے علاوہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزید خطوط اپنے عمال کو لکھے ہوئے حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان کے آخر میں والسلام تحریر شدہ ہے۔

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال فی الدرالمختار: ويجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام ، وقال في رد المحتار: لأن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبیٰ، والناس عنه غافلون . أقول: المتبادر من هذا أن المراد رد سلام الكتاب لا رد الكتاب لكن فى الجامع الصغير للسيوطیؒ رد جواب الكتاب حق كرد السلام قال شارحه المناویؒ: أی إذا كتب لک رجل بالسلام في كتاب ووصل إليک وجب عليک الرد باللفظ أو بالمراسلة وبه صرح جمع الشافعية وهو مذهب ابن عباس رضي الله عنه . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٤١٥،سعيد).

آداب المعاشرت میں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

خطوط میں جو سلام لکھا ہوا ہوتا ہے اس کا جواب واجب ہے خواہ خط میں لکھے یا زبانی دے دے۔ (آداب المعاشرت،ص۴۰،ط:قدیمی کتب خانہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

زبانی یا بذریعہ خط جواب دینا واجب ہے، بہتر ہے کہ فوراً زبان سے جواب دے دیا جائے ، کیونکہ ممکن ہے کہ خط کے جواب کا موقع نہ ملے تو واجب فوت ہونے کا گناہ ہوگا، خط کا جواب دینے کا ارادہ نہ ہو یا خط قابل جواب نہ ہو تو فوراً زبان سے جواب دینا واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ:۸/ ۱۳۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مجلس سے اٹھتے وقت مصافحہ کا حکم:

سوال: مجلس سے اٹھتے وقت سب سے مصافحہ کرنا چاہئے یا صرف سلام کہہ کر چلا جائے؟

الجواب: مجلس سے اٹھتے وقت صرف سلام کہہ دینا کافی ہے تمام حاضرین مجلس سے مصافحہ کرنا دشوار ہے اس میں حرج بھی ہے لہذا فقط سلام کافی ہے۔

مجلس سے اٹھتے وقت سلام کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے ملاحظہ کیجئے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا انتهى أحدكم إلى المجلس فليسلم إذا أراد أن يقوم فليسلم فليست الأولى بأحق من الآخرة. (رواه ابوداود، رقم: ٥٢١٠).

صحیح ابن حبان میں روایت ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رجلاً مر على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في مجلس فقال: سلام عليكم فقال: عشر حسنات، ثم مر رجل آخر فقال: سلام عليكم و رحمة الله فقال: عشرون حسنة، فمر رجل آخر فقال: سلام عليكم ورحمة الله وبركاته فقال: ثلاثون حسنة، فقام رجل من المجلس ولم يسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم : ما أوشك ما نسي صاحبكم ! إذا جاء أحدكم إلى المجلس فليسلم فإن بدا له أن يجلس فليجلس فإن قام فليسلم فليست الأولىٰ بأحق من الآخرة. (صحيح ابن حبان ، رقم: ٤٩٣، قال الشيخ شعيب : اسناده صحيح).

مسند احمد کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا انتهى أحدكم إلى المجلس فليسلم فإن بدا له ان يجلس فليجلس ثم إن قام والقوم جلوس فليسلم فليست الأولىٰ بأحق من الآخرة. (مسند أحمد، رقم: ٩٦٦٤).

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مجلس سے اٹھتے وقت سلام کافی ہے، مصافحہ کا ذکر موجود نہیں ہے اور اس میں حرج بھی ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ مصافحہ اتمامِ سلام ہے لہذا زیادہ لوگ نہ ہو اور حرج نہ ہو تو

مصافحہ کرنا بھی درست ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج ابن أبی الدنیا فی" الاخوان " (۱/۱۷۵/۱۱۷) **بسنده عن أبي أمامة** رضی اللہ عنہ **قال: من تمام تحیاتکم المصافحة .**

دوسری روایت میں مذکور ہے:

عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ **أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: عائد المریض یخوض فی الرحمة و وضع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یدیه علی رکبتیه ثم قال: فإذا جلس عنده غمرته الرحمة ومن تمام عیادة المریض أن یضع أحدکم یده علی وجهه أوعلی یده فیسأله کیف هو وتمام محبتکم بینکم المصافحة .** (رواه الطبرانی فی الکبیر:۸/۲۱۲/۷۸۵۴، والترمذی، رقم:۲۷۳۱). **ولفظ الترمذی : وتمام تحیاتکم بینکم المصافحة.** (باب ماجاء فی المصافحة).

آداب المعاشرت میں لکھا ہے ایک صاحب حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ سے مصافحہ کے بعد تمام مجلس سے مصافحہ شروع کر دیا، حضرت والا نے فرمایا یہ طریقہ کس نے سکھایا ہے؟ اگر مجلس میں پچاس آدمی ہوں تو اچھا خاصہ مشغلہ ہو جائے گا، اب وہ اپنے اپنے کام چھوڑ کر تمہاری طرف متوجہ ہوں، ایک شخص سے مصافحہ کر لینا سب کی طرف سے ہو جاتا ہے آخر سلام سب کو الگ الگ کیوں؟ معاشرت تو لوگوں کی برباد ہو گئی۔ (آداب المعاشرت، ص۵۰، بحوالہ الافاضات الیومیہ، حصہ سوم ص۲۳، وتسہیل المواعظ :۱/ ۵۸۵)۔ **واللہ** سبحانہ وتعالیٰ **اعلم۔**

مہمان کو رخصت کرتے وقت مصافحہ ومعانقہ کا حکم:

سوال: مہمان کو رخصت کرتے وقت مصافحہ اور معانقہ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مہمان کو رخصت کرتے وقت مصافحہ اور معانقہ احادیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ کیجئے ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ **قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا ودع رجلاً أخذ بیده فلا یدعها حتی یکون الرجل هو یدع ید النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم ویقول: أستودع اللّٰہ دینک وأمانتک وآخر عملک .** (رواه الترمذی ، رقم: ۳۴۴۲،باب مایقول اذا ودع انساناً).

وفي روایة عنه قال: وأخذ بیدي فصافحني ثم قال: ...الخ. (مشکل الآثار: ۵۱۹۳).

قال فی المرقاۃ: وقیل الحرام (التقبیل والمعانقة) ما کان علی وجه التملق والتعظیم وأما المأذون فیه فعند التودیع والقدوم من السفر وطول العهد بالصاحب وشدة الحب فی اللّٰه مع أمن النفس...والمعانقة وتقبیل الوجه لغیر القادم من سفر ونحوه مکروهان صرح به البغوی وغیره للحدیث الصحیح فی النهی عنهما کراهة تنزیه. (مرقاۃ المفاتیح: ۷٦/۹، امدادیه).

بذل المجہود کے حاشیہ میں دکتور تقی الدین الندوی لکھتے ہیں:

وقال الأبهری کرهها (المصافحة) مالک إذا کان علی وجه التکبر و بسط روایات المصافحة فی الفتح والمشهور علی الألسنة أن المصافحة عند الوداع لا تثبت و لیس بصحیح لروایات ذکرتها علی هامش جمع الفوائد (۱٤۱/۲). (حاشیة بذل المجهود: ۵۹٦/۱۳، ط: دارالبشائر الاسلامیة).

امدادالفتاویٰ میں ہے: سوال: رخصت کے وقت مصافحہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب: اختلاف ہے، مجوزین کی دلیل یہ حدیث فعلی ہے: **عن ابن عمر ﷺ کان النبي صلی اللّٰه علیه وسلم إذا ودع رجلاً أخذ بیده...قلت: والأخذ بالید هو حقیقة المصافحة لا سیما إذا کان من الجانبین کما یشعر به لفظ الحدیث یدع ید النبي صلی اللّٰه علیه وسلم.**

اور یہ حدیث قولی ہے: **عن أبي أمامة ﷺ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: وتمام تحیاتکم بینکم المصافحة. رواه أحمد والترمذی وضعفه، مشکوٰة باب المصافحه. قلت: وظاهر أن التحیة یعني السلام علیکم مشروع وقت الوداع فکذا المصافحة والضعف لایضر فی الفضائل. واللّٰه أعلم۔** (امدادالفتاویٰ: ۴۹۱/۴، وتسہیل المواعظ، جلد اول، ص ۵۸۳)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (احسن الفتاویٰ: ۴۰۳/۸۔۴۰٦)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

معانقہ کا سنت طریقہ:

سوال: معانقہ میں دائیں جانب کے ساتھ ملانا چاہئے یا بائیں جانب، جس طرف قلب واقع ہے، ملانا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: معانقہ کے معنی ہیں ''گردن سے گردن ملانا'' عرب میں متوارث بھی یہی ہے کہ پورا جسم

الگ رکھ کر صرف گردن سے گردن ملاتے ہیں اور لغت ''منجد'' میں گردن کے ساتھ سینہ ملانے کی بھی تصریح ہے۔

قال ابن منظور الأفريقي: عانقه: معانقة وعناقاً: التزمه فأدنى عنقه من عنقه . (لسان العرب: ۱۰/۲۷۲،ط: بیروت).

وقال فی المنجد فی اللغة: عانقه، معانقة وعناقاً : جعل يديه على عنقه وضمه إلى صدره . (المنجد فی اللغة ،ص ۵۳٤).

المعجم الوسیط میں مرقوم ہے:

عانقه ، معانقة، وعناقاً: أدنى عنقه من عنقه وضمه إلى صدره . (المعجم الوسیط،ص ٦٣٢).

خلاصہ یہ ہے کہ معانقہ کا طریقہ یہ ہے کہ گردن کو گردن کے ساتھ ملایا جائے اس میں کسی قدر سینہ کا حصہ بھی مل جائے ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے خاص خاص مواقع میں معانقہ فرمانا ثابت ہے۔ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

وعن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت:قدم زيد بن حارثة رضي الله عنه المدينة ورسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في بيتي، فأتاه فقرع الباب ، فقام إليه النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يجر ثوبه ، فاعتنقه وقبله . (رواه الترمذی ،رقم: ۲۷۳۲ ،وقال : حديث حسن).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: خرج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في طائفة النهار...فجلس بفناء فاطمة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها فقال: أثَم لكع أثَم لكع ... فجاء يشتد حتى عانقه وقبله وقال: اللّٰهم أحببه وأحب من يحبه. (رواه البخاری ، رقم: ۲۱۲۲).

وعن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: لما قدم جعفر وأصحابه ، تلقاه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، فاعتنقه ، وقبل بين عينيه . (معجم ابی يعلی الموصلی،رقم:١٦٣).

وعن أبی الهيثم بن التيهان رضي الله عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لقيه فاعتنقه وقبله والتزمه...(معجم الصحابة لابی نعيم :٥/ ٢٤٥٠).

لیکن معانقہ کی کیفیت کے بارے میں کوئی روایت یا کوئی فقہی جزئیہ ہمیں نہیں ملا، بظاہر دائیں، بائیں دونوں جانب جائز معلوم ہوتا ہے،دائیں جانب اس لیے کہ دائیں کو فضیلت حاصل ہے،اور بائیں جانب اس لیے کہ اس طرف دل ہوتا ہے اور دل کو دوسرے اعضا پر فضیلت حاصل ہے، بلکہ بعض مشائخ قلب کو قلب کے

ساتھ ملا کر دل میں ذکر اللہ کی حرارت پیدا کرتے ہیں، بہر حال نفس معانقہ میں سینہ کو ملانا مقصود ہے دائیں یا بائیں جانب کی تخصیص نہیں ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۸/ ۴۰۶۔۴۱۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ معانقہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گردن سے گردن ملائی جائے اور سینہ کا لگانا بھی بعض روایات سے ثابت ہے، لہذا یہ درست ہے اس کے علاوہ پیٹ ملانا، ایک دوسرے کو خوب کھینچنا یہ خلافِ سنت طریقہ ہے اکثر وبیشتر ایذا رسانی کا ذریعہ بن جاتا ہے بنا بریں مسنون طریقہ کے مطابق معانقہ کرنا چاہئے اور خلافِ شرع طریقہ سے بچنا چاہئے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

معانقہ میں تکرار کا حکم:

سوال: معانقہ میں تکرار کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ تین مرتبہ ملتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: معانقہ میں تکرار ثابت نہیں ہے، اس لیے ایک بار مسنون ہے، پھر اگر تین مرتبہ کو سنت یا باعثِ ثواب سمجھا جائے تو بدعت ہوگا۔

نفس معانقہ احادیث اور فقہی عبارات سے ثابت ہے۔ احادیث ماقبل میں مذکور ہوئیں۔

فقہی عبارات ملاحظہ کیجئے:

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: **ولا بأس بالمعانقة إذا أمن على نفسه أو كان شيخاً كبيراً هكذا في السراج الوهاج.** (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۰).

الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے:

ذهب الحنفية في الصحيح إلى أنه يجوز معانقة الرجل للرجل إذا كان على كل واحد منهما قميص أو جبة، ثم اختلفوا في المعانقة في إزار واحد، والمذهب كراهة المعانقة في إزار واحد، وقال أبو يوسفؒ: لا بأس بالمعانقة في إزار واحد. قال الخادمي: وقد وردت أحاديث في النهي عن المعانقة، وأحاديث في تجويزها، ووفق أبو منصور الماتريدي بينهما فقال: المكروه منها ما كان على وجه الشهوة، وأما على وجه البر والكرامة، فجائز. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۸/ ۱۸٤، وزارة الاوقاف).

قال في تبيين الحقائق: وفي الجامع الصغير: ويكره أن يقبل الرجل فم الرجل أو يده أو شيئاً منه أو يعانقه ، وذكر الطحاوي أن هذا قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ ، وقال أبويوسفؒ: لا بأس بالتقبيل والمعانقة ، لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم عانق جعفراً حين قدم من الحبشة ، وقبل بين عينيه ،وذلک عند فتح خيبر ، وقال: لا أدري بماذا أسر بفتح خيبر أم بقدوم جعفر ، وعانق زيدبن حارثة رضی اللہ عنہ وكان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يفعلون ذلک ، وفي الكافي: كان الأعراب يقبلون أطراف النبي صلى الله عليه وسلم، وعن عطاءؒ سئل ابن عباس رضی اللہ عنہ عن المعانقة فقال: أول من عانق إبراهيم خليل الرحمن عليه السلام كان بمكة فأقبل إليها ذوالقرنين فلما كان بالأبطح قيل له في هذه البلدة إبراهيم خليل الرحمن فقال ذوالقرنين: ما ينبغي لي أن أركب ببلدة فيها إبراهيم خليل الرحمن فنزل ذوالقرنين ، ومشى إلى إبراهيم عليه السلام فسلم عليه إبراهيم واعتنقه فكان هو أول من عانق ...الخ.

(تبيين الحقائق: ٢٥/٦ ،امداديه ملتان).

(كذافی البحرالرائق: ٢٢٦/٨ ،بيروت،والهداية: ۹۰/۴ ،المكتبة الاسلامية،وبدائع الصنائع: ١٢۴/۵ ،سعيد، وتحفة الملوک ،ص ٢٣۴ ،ط:بيروت،وفتاوى الشامی: ٣٨٠/٦ ،سعيد، وحاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، ص ٢١٦ ،ط : بولاق، والنتف فی الفتاوی،ص ٨١١/٢ ،ط:بيروت،لبنان، ومجمع الانهر: ٢٠۴/۴ ،بيروت،والعناية شرح الهداية : ٥١/١٠ ،بهامش فتح القدير،ط: دارالفكر، وبذل المجهود: ٥٩٩/١٣ ،باب المعانقة، ط: دارالبشائرالاسلامية).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: سوال: معانقہ کا سنت طریقہ کیا ہے، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ تین مرتبہ کاندھے سے ملتے ہیں اور بعض لوگ صرف ایک طرف ملتے ہیں، صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب: صرف ایک طرف کافی ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۱۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سفر سے واپسی پر معانقہ کا حکم:

سوال: جب سفر سے واپس آئے تو معانقہ مسنون ہے یا نہیں؟ اگر مسنون ہے تو مصافحہ مقدم ہے یا معانقہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سفر سے واپسی پر معانقہ مسنون ہے پھر ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ معانقہ مقدم ہے اگرچہ تصریح موجود نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

عن أنس رضي الله عنه قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: إذا تلاقوا تصافحوا وإذا قدموا من سفر تعانقوا . أخرجه الطبراني فى الأوسط ، رقم: ۹۷،**قال الهيثمي : ورجاله رجال الصحيح.** (مجمع الزوائد:۸/۷۵،باب المصافحة).

سنن کبریٰ میں ہے:

عن غالب التمار قال: كان محمد بن سيرين يكره المصافحة فذكرت ذلك للشعبى فقال: كان أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم إذا التقوا صافحوا فإذا قدموا من سفر عانق بعضهم بعضاً . (السنن الكبرى للبيهقى:۷/۱۰۰).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ:۴۰۶-۴۱۳)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصافحہ ومعانقہ کے وقت بوسہ دینے کا حکم:

سوال: کیا مصافحہ ومعانقہ کے وقت بوسہ دینے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مصافحہ ومعانقہ کے وقت رخسار یا پیشانی پر بوسہ دینے کی اجازت ہے جب کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ بوقتِ فتنہ ترک کرنا چاہئے۔ اسی طرح اپنی اولاد کو بوسہ دینا بھی جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداود شریف کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن الأقرع بن حابس أبصر النبي صلى الله عليه وسلم يقبل حسيناً فقال: إن لي عشرة من الولد ما فعلت هذا بواحد منهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ”من لايرحم لايرحم“. (رواه ابوداود،رقم: ۵۲۲۰،والترمذى وقال: هذا حديث حسن صحيح).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بوسہ لے رہے ہیں تو انہوں نے تعجب سے کہا کہ یا رسول اللہ! میرے تو دس بچے ہیں میں نے کسی بچہ کو کبھی اس طرح بوسہ نہیں دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

عن إياس بن دغفل قال: رأيت أبانضرة قبل خد الحسن رضي الله عنه . (القبلة والمعانقة والمصافحة، ص۱۹).

وعن البراء قال: دخلت مع أبي بكر رضي الله عنه أول ما قدم المدينة ، فإذا عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ابنته مضطجعة قد أصابها حمى، فأتاها أبوبكر رضي الله عنه فقال: كيف أنت يا بنية ؟ وقبل خدها . (القبلة والمعانقة والمصافحة، ص۲۰).

وعن عكرمة : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا قدم من مغازيه قبل فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها. (القبلة والمعانقة والمصافحة،ص۲۳).

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:

قال النووي: تقبيل الرجل خد ولده الصغيرواجب وكذا غيرخده من أطرافه ونحوها على وجه الشفقة والرحمة واللطف ومحبة القرابة سنة سواء كان الولد ذكراً أو أنثى وكذا قبلة ولد صديقه وغيره من صغار الأطفال على هذا الوجه وأما التقبيل بالشهوة فحرام بالاتفاق وسواء في ذلك الوالد وغيره . وكون تقبيل الرجل خد ولده الصغير واجباً يحتاج إلى حديث صريح أوقياس صحيح . (مرقاة المفاتيح:۹/۷۵، باب المصافحة، ط: امداديه، ملتان).

درمختار میں مرقوم ہے:

وكره تحريماً تقبيل الرجل الرجل أو يده أو شيئاً منه وكذا تقبيل المرأة المرأة عند لقاء أو وداع قنية، وهذا لو عن شهوة و أما على وجه البر فجائز عند الكل، خانية ، وفى الاختيار عن بعضهم لابأس به إذا قصد البر وأمن الشهوة كتقبيل وجه فقيه ونحوه وكذا معانقته في إزار واحد وقال أبويوسف: لا بأس بالتقبيل والمعانقة في إزار واحد ولوكان عليه قميص أو جبة جاز بلا كراهة بالإجماع وصححه فى الهداية وعليه المتون وفى الحقائق: لو قبله على وجه المبرة دون الشهوة جاز بالإجماع .

وفي رد المحتار: قوله وأما على وجه البر فجائز عن الكل، قال الإمام العيني بعدكلام فعلم إباحة تقبيل اليد والرجل والرأس والكشح كما علم من الأحاديث المتقدمة إباحتها على الجبهة وبين العينين وعلى الشفتين على وجه المبرة والإكرام. (فتاوى الشامى: ۳۸۰/۶،سعيد). (وكذا فى تبيين الحقائق: ۲۵/۶،والبحرالرائق:۲۲۵/۸،وتحفة الملوك ،ص۲۳٤،والموسوعة

الفقهية :۱۳/ ۱۳۰، و ۱۵/۱۰۵،و ۴۲/۳۷۲،ط: وزارة الاوقاف).

وقد ثبت أن النبي صلى الله عليه وسلم عانق جعفراً حين قدم من الحبشة وقبل بين عينيه ،كما مر.

ذكر بعض الفقهاء أن التقبيل على خمسة أوجه: قبلة المودة للولد على الخد، وقبلة الرحمة لوالديه على الرأس، وقبلة الشفقة لأخيه على الجبهة، وقبلة الشهوة لامرأته أو أمته على الفم، وقبلة التحية للمؤمن على اليد، وزاد بعضهم قبلة الديانة للحجر الأسود.
(الموسوعة الفقهية : ۱۲۹/۱۳). **واللہ ﷻ اعلم۔**

صبیح الوجہ لڑکے کو بوسہ دینے کا حکم:

سوال: کسی خوبصورت لڑکے کو بوسہ دینے کا کیا حکم ہے؟ **بہ قصدِ شہوت یا بلا قصدِ شہوت بلکہ ازراہِ شفقت** حکم میں کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ شہوت اور خوفِ فتنہ کے وقت صبیح الوجہ لڑکے کو بوسہ دینا ناجائز ہے البتہ بلا قصدِ شہوت فقط ازراہِ شفقت بوسہ دینا جائز اور درست ہے، تاہم مقامِ تہمت ہونے کی وجہ سے احتیاط ترک کرنے میں ہے۔ ملاحظہ ہو الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

الأمرد إذا لم يكن صبيح الوجه فحكمه حكم الرجال في جواز تقبيله للوداع والشفقة دون الشهوة ، أما إذا كان صبيح الوجه يشتهى فيأخذ حكم النساء وإن اتحد الجنس، فتحرم مصافحته وتقبيله ومعانقته بقصد التلذذ عند عامة الفقهاء. (الموسوعة الفقهية : ۱۳۰/۱۳، وزارة الاوقاف).

ملاعلی قاریؒ مرقات میں لکھتے ہیں:

قال النوویؒ: وينبغي أن يحترز عن مصافحة الأمرد الحسن الوجه فإن النظر إليه حرام وقال أصحابنا: كل من حرم النظر إليه حرم مسه بل مسه أشد . (مرقاة المفاتيح:۷۴/۹،باب المصافحة، ط: امدادیه ،ملتان).

وقال أيضاً: وأما التقبيل بالشهوة فحرام بالاتفاق وسواء في ذلك الوالد وغيره.

(مرقاة المفاتيح: ۹/ ۷۵).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

جو تقبیل اور معانقہ چھوٹوں پر شفقت یا بزرگوں کی تعظیم و اکرام کے لیے ہو وہ باتفاق جائز اور سنت سے ثابت ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی امرِ منکر یعنی ناجائز کام شامل نہ ہو جائے۔ (جواہر الفقہ، جلد اول، ص ۲۰۱، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔ مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی الشامی: ۱/ ۴۰۷، سعید، و ۶/ ۳۶۵، سعید)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قابل احترام شخصیت کی قدم بوسی کا حکم:

سوال: کسی قابل احترام شخصیت کے پاؤں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر اس میں سجدہ کی کیفیت بنتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض فقہاء نے مفاسد و منکرات کی وجہ سے بطورِ سد الباب منع کیا ہے، اگر چہ فی نفسہٖ جائز اور مباح ہے تاہم اگر کسی بزرگ کی تعظیم و تکریم کی غرض سے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے قدم بوسی یا دست بوسی کی جائے تو ٹھیک ہے جب کہ تکبر پیدا نہ ہو اور سجدہ کی شکل نہ بنتی ہو۔

بعض احادیث سے قدم بوسی و دست بوسی جائز معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

عن صفوان بن عسال رضي الله عنه قال: قال يهودي لصاحبه: اذهب بنا إلى هذا النبي، فقال صاحبه: لا تقل نبي إنه لو سمعك كان له أربعة أعين فأتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم وسألاه عن تسع آيات بينات فقال لهم: لاتشركوا بالله شيئاً ولا تسرفوا ولا تزنوا ولاتقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق ولا تمشوا ببريئ إلى ذى سلطان ليقتله ولاتسحروا ... فقال: فقبلوا يده و رجله فقالا: نشهد إنك نبي ... (رواه الترمذي، رقم ۲۷۳۳، وقال: هذا حديث حسن صحيح).

في رواية للنسائي عنه قال: فقبلوا يديه ورجليه. (رقم: ٤٠٧٨).

وعن بريدة قال: جاء أعرابي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله قد أسلمت فأرني شيئاً ازدد به يقيناً، فقال: فما الذى تريده؟ قال: ادع تلك الشجرة فلتأتك... فقال الأعرابي: يارسول الله! ائذن لي أن أقبل رأسك ورجلك، فأذن له، ثم

قـال: يـارسـول الـلّـه ! ائـذن لي أن أسجد لک ، فقال: لايسجد أحد لأحد...الخ. (ذکره ابن الملقن فی البدرالمنير:۹/٤٦،ط:الرياض).

محمد بن ابراہیم المقری نے اپنے رسالہ ” **الرخصة فی تقبيل اليد** “ میں چند احادیث ذکر کی ہیں ملاحظہ کیجئے:

عن عبد الرحمن بن كعب بن مالک، عن أبيه قال: لما نزلت توبتي أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقبلت يده وركبتيه .

عن أسامة بن شريک قال: قمنا إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقبلنا يده .

عن ابن عمر رضي الله عنه **أنه قبل يد النبي صلى الله عليه وسلم .**

عـن هـود الـقـصـرى الـعـبـدي، عـن جـده قال: بينمارسول الله صلى الله عليه وسلم يـحـدث أصـحـابـه إذ قـال لهـم :إنـه سيـطـلع عليكم من هذا الوجه ركب هم من خير أهل الـمشـرق...حتـى أتـوا النبي صلى الله عليه وسلم وأخذوا بيده فقبلوها وقعدوا إليه ، وبقي الأشج ، وهو أصغر القوم ، فأناخ الإبل وعقلها وجمع متا ع القوم ، ثم أقبل يمشي على تؤدة حتى أتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخذ بيده فقبلها...الخ .

نـا أبـوعبـد الـمـلک الـقارى قال: سمعت يحيى بن الحارث يقول: قال لنا واثلة بن الأسقع : ترون كفى هذه ، بايعت بها رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: وقلت : ناولني يدک فناولنيها، فأخذتها فقبلتها .

عن جابر رضي الله عنه **أن عمر** رضي الله عنه **قام إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقبل يده .**

عـن ذكوان أن رجلاً قال، أراه يقال له صهيب ، قال: رأيت علياً رضي الله عنه **يقبل يدى العباس أو رجله ويقول:أى عم ، ارض عني .**

عـن أبـي فـضـالة بـن عبد الله قال: حدثني أبي عبد الله بن ابى بكر وكان عبد الله قد رأى الـنـبـي صـلـى الله عليه وسلم، أن عامربن الطفيل انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فـقـال لـه الـنـبـي صـلى الله عليه وسلم يا عامر، أسلم تسلم...حتى أتى النبي صلى الله عليه وسـلـم فـقبل قدميه، قال: أشهد أن لا إله إلا الله ، وأنک رسول الله آمنت بک وبما أنزل عليک...الخ .

عـن عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: لما قدم جعفر على أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم تلقاه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فاعتنقه وقبل بين عينيه .

عـن عـائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنهاقالت:استأذن زيد بن حارثة رضی اللہ عنہ عـلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فاعتنقه وقبله .

وعـن أبـي بـزة قال: دخلت مع مولاي عبد اللّٰه بن السائب على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ، فقمت إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقبلت رأسه ويده ورجله .

عن مجاهد عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: صنع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلي معروفاً ، فقبلت يد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خمس مرات .

عـن أم الـمـؤمـنين عائشة رضي اللّٰه تعالٰ عنها أنها قالت: ما رأيت أحداً من خلق اللّٰه كـان أشبـه حـديثـاً وكلاماً برسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من فاطمة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها وكـانـت إذا دخـلـت عـليـه رحب بها وقام إليها ، فأخذ بيدها وقبلها وأجلسها في مجلسه ، وكان إذا دخل عليها قامت إليه فرحبت به قبلته ...الخ .

عـن أبـى الهيثـم التيهـان، أن الـنبـي صلى اللّٰه عليه وسلم لقيه فاعتنقه والتزمه وقبله .

(الرخصة فى تقبيل اليدلمحمد بن ابراهيم المقرئ،ص٣۔٣٠).

وعـن الـزهرى قال: أخبرني أنس بن مالک رضی اللہ عنہ أن رسـول الـلّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خـرج فـقـام عبد اللّٰه بن حذافة فقال: من أبي فقال: أبوک حذافة ثم أكثر أن يقول: سلوني فبرک عمر رضی اللہ عنہ عـلـى ركبتيـه فقال: رضينا باللّٰه رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد صلى اللّٰه عليه وسلم نبياً فسكت. (رواه البخارى، رقم: ٩٣).

للاستزادة انظر: (القبلة والمعانقة والمصافحة لابن الاعرابى).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

طـلـب مـن عـالـم أو زاهـد أن يـدفـع إليه قدمه ويمكنه من قدمه ليقبله أجابه وقيل لا يـرخـص فيـه ، وفـي رد الـمـحتار:قوله يدفع إليه قدمه، يغنى عنه ما فى المتن قوله أجابه لما أخـرجـه الـحـاكـم أن رجلاً أتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: يا رسول اللّٰه...ثم أذن له

فقبل رأسه ورجليه...وقال صحيح الإسناد ، من رسالة الشرنبلالي. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٣٨٣/٦، سعيد).

قال في مجمع الأنهر: وقال شرف الأئمة : لوطلب من عالم أو زاهد أن يدفع إليه قدمه ليقبله لم يجبه وقيل أجابه لأن الصحابة رضي اللّٰه تعالىٰ عنهم يقبلون أطراف النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كما فى الاختيار. (مجمع الانهر: ٢٠٥/٤، ط:بيروت).

تقبيل يد العالم والسلطان العادل جائز . (الفتاوى الهندية: ٣٦٩/٥).

قال في حاشية الطحطاوي: ثم قال الشرنبلالي: فعلم من مجموع ما ذكرنا إباحة تقبيل اليد والرجل . (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار:١٩٢/٤). **(وكذا فى البحرالرائق: ٢٢١/٨، ٢٢٦، بيروت، والجوهرة النيرة ، كتاب الحظروالاباحة، والمحيط البرهانى :٥/ ٢٧٩، داراحياء التراث، وتبيين الحقائق: ٢٥/٦، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، ص٢١٥، بولاق).**

شرح النقایہ میں مرقوم ہے:

وفى الجامع الصغير : ويكره أن يقبل فم الرجل أو يده أو شيئاً منه...وقال أبويوسفؒ: لابأس بالتقبيل والمعانقة..ثم لابأس بتقبيل يد العالم والسلطان العادل على سبيل التبرك، وكذا تقبيل يد الأبوين والشيخ والرجل الصالح...الخ. (شرح النقاية :٤١/٤، كتاب الكراهية).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

احوط وارجح عدمِ تقبیل رجلین ہے بعض صورتوں میں مشابہ سجدہ کے ہوجاتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱/ ۱۲۷، دارالاشاعت)۔

کفایت المفتی میں ہے:

قدم بوسی فی حد ذاتہ جائز ہے تقبیل یدوقدم میں بحیثیت نفس تقبیل کے کوئی فرق نہیں اوردست بوسی اور قدم بوسی کا جواز متعدد احادیث سے ثابت ہے ادعائے تخصیص غیرموجہ ہے مجوزین نے اسی حکم اصلی کی بناپر جواز کا فتویٰ دیا مانعین نے قدم بوسی کوسجدہ کا ذریعہ اوردواعی قرار دیکرسداً للباب ممانعت کاحکم لگادیاہے اوراس میں کوئی شک نہیں کہ عوام ایسے معاملات میں اکثری طور پرحد سے تجاوز کرجاتے ہیں پس واقف اورخاص آدمی کے لیے قدم بوسی میں مضائقہ نہیں اورعوام کواجازت نہ دیناہی احوط ہے۔ (کفایت المفتی :۱۱۵/۹، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

تقبیل یدین میں بھی مضائقہ نہیں ہے، حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے مدینہ طیبہ آئے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کی تقبیل کی تھی، ہاں محل فتنہ ہو تو اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۱۲۲، جامعہ فاروقیہ)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

علم اور بزرگی کے احترام کی خاطر ہاتھ پیر چومنے کی اجازت ہے، مگر ایسا نہ ہو کہ سجدہ کی صورت بن جائے اس کی اجازت نہیں، جھکنے کی بھی حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۱۲۶، جامعہ فاروقیہ)۔

اس مسئلہ میں حضرت مولانا محمد عابد سندھیؒ نے عربی میں رسالہ ''**الکرامة والتقبیل**'' تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ اردو میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے رسالہ ''**تعدیل الهادي في تقبیل الأیادی**'' میں تحریر فرمایا ہے اس کے چند ملخصات حسبِ ذیل ہیں:

اس مسئلہ میں ایک اختلاف ائمہ حنفیہ کا بدائع اور قاضیخان کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے، اس میں دست بوسی اور قدم بوسی کے ساتھ معانقہ بھی شامل ہے، اس اختلاف کا حاصل قاضیخان کی تحقیق کے مطابق یہ تھا کہ جس صورت میں یہ افعال ایسے طرز پر ہوں جس میں شہوت کا خطرہ اور اشتباہ ہو، اس کو ابوحنیفہؒ و محمدؒ نے مکروہ فرمایا ہے اور جہاں یہ صورت نہ ہو وہ متفق علیہ جائز ہے۔

اور درمختار، شامی اور عالمگیری وغیرہ کے حوالہ سے جو اختلاف اوپر نقل کیا گیا یہ اختلاف فقہائے متاخرین کا ہے اور اصل مسئلہ تقبیل و معانقہ میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ منشا اختلاف کا یہ ہے کہ جس شخص کی قدم بوسی دست بوسی کی جائے کیا اس کے لیے بھی یہ جائز اور درست ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر لوگوں کو اس کا موقع دے۔

اور وجہ اختلاف کی بظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں حقیقۃً عجب و تکبر نہ بھی ہو تو صورۃً ایک متکبرانہ فعل ہے جس سے تکبر پیدا ہو جانے کا احتمال غالب ہے، اس لیے بعض فقہاء نے اس خطرہ کی بنا پر مکروہ قرار دیا، بعض نے اصل فعل کے جواز پر نظر کر کے جائز فرمایا۔

سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سامنے یہ آخری سوال بعض لوگوں نے پیش کیا تو آپ نے اس کا جواب حسبِ ذیل تحریر فرمایا:

تاویل بلا دلیل غیر مسموع ہے اور ظاہر سے بلا صارف عدول نہیں کیا جا سکتا پس صحیح جواز تقبیل قدم فی نفسہٖ

ہے اور فقہاء کے منع کو عارض مفسدہ پر محمول کیا جائیگا۔ (امداد الفتاویٰ:۵/۳۴۵)

...جو انحناء مقصوداً ہو وہ ناجائز ہے اور جو بضرورت تقبیل کے لازم آجائے وہ حکم میں تقبیل کے تابع ہے۔

...خلاصہ کلام: (۱) تقبیل و معانقہ اگر شہوت کے ساتھ ہو وہ باتفاق امت اپنی بیوی یا زرخرید کنیز کے علاوہ کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

(۲) اور جو تقبیل اور معانقہ چھوٹوں پر شفقت یا بزرگوں کی تعظیم واکرام کے لیے ہو وہ باتفاق جائز اور سنت سے ثابت ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی امر منکر یعنی ناجائز کام شامل نہ ہو جائے۔

(۳) اور جہاں تقبیل و معانقہ بلکہ مصافحہ میں بھی کچھ منکرات شامل ہو جائیں وہ باتفاق مکروہ ہے۔

منکرات میں سے چند یہ ہیں:

الف۔ تکبر و عجب کا اندیشہ ہو ایسا شخص دست بوسی وقدم بوسی کا موقع نہ دے۔

باء۔ دوسرے کو ایذا و تکلیف کا اندیشہ ہو وہاں یہ امور جائز نہیں۔

ج۔ جس کی دست بوسی کی جارہی ہے یہ اس کے نفس میں تکبر و غرور پیدا کردے گا تو اس سے اجتناب ضروری ہے۔

...بس مختصر بات یہی ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعامل صحابہ میں اس کی جو حد منقول ہے اس کو اسی حد پر رکھا جائے تو بلاشبہ دست بوسی، قدم بوسی، معانقہ، مصافحہ سب جائز بلکہ سنت و مستحب ہیں اور جہاں اس میں غلو کا پہلو یا دوسروں کی ایذا شامل ہو جائے وہ گناہ ہے۔ (جواہر الفقہ، جلد اول ،ص ۱۹۸۔۲۰۳، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قیامِ تعظیمی کا حکم:

سوال: بعض لوگ کسی بڑی شخصیت کے اکرام اور تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں، جب کہ بعض دوسرے حضرات شدت سے انکار کرتے ہیں، اب آپ سے معتدل رائے مطلوب ہے کہ احادیث کی روشنی میں کس کا عمل زیادہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قیام کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں بعض سے ممانعت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے جواز اور استحباب مترشح ہوتا ہے، چنانچہ علماء نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے **قیام کی چند اقسام**

بیان کی ہیں۔ان کا خلاصہ حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) سرداراورآقا بیٹھارہے اوراس کے اردگردلوگ کھڑے رہیں، یہ متکبرین کا طریقہ ہے اور یہ ممنوع اورناجائز ہے۔

(۲) آنے والے کے لیے لوگ کھڑے ہوجائیں اورآنے والابھی اس کوچاہتاہوتکبراورلوگوں پراپنی بڑائی جتلاتے ہوئے، یہ بھی باتفاقِ علماء ممنوع اورناجائز ہے۔

(۳)لوگ آنے والے کے لیے کھڑے ہوجائیں، نہ وہ چاہتاہواورنہ بڑائی ہولیکن آئندہ بڑائی کااندیشہ ہوتویہ مکروہ ہے۔

(۴)سفرسے آنے والے کے لیے لوگ کھڑے ہوکرسلام کرے خوشی کے سبب، یہ جائزاوردرست ہے۔

(۵)کسی کوکوئی نعمت حاصل ہوئی ہوتومبارک بادی کے لیے کھڑے ہوجائیں، یہ مستحب ہے۔

(۶)مصیبت زدہ کوتسلی دینے کے لیے کھڑے ہوجائیں، یہ بھی مستحب ہے۔

(۷)کسی کے شراورضررسے بچنے کے لیے کھڑاہونابھی جائز ہے۔

(۸)سماعِ اذان کے وقت تعظیماً قیام مستحب ہے۔

(۹)کسی بڑی شخصیت کے اکرام میں کھڑے ہوجائیں جب کہ وہ خودنہ چاہتاہو،اس قیامِ تعظیمی میں اختلاف ہے۔

بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اوربعض حضرات منع کرتے ہیں امام نوویؒ نے اس کے جواز میں مستقل رسالہ لکھاہےاورابن الحاجؒ نے اس کی تردیدکی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے دونوں کے دلائل کوفتح الباری میں تفصیل سے بیان کیاہے۔

ملاحظہ ہوعلامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

أن قيام المرؤوس للرئيس الفاضل والإمام العادل والمتعلم للعالم مستحب ، وإنما يكره لمن كان بغير هذه الصفات ، وعن أبي الوليد بن رشد : أن القيام على أربعة أوجه : الأول: محظور ، وهو أن يقع لمن يريد أن يقام إليه تكبراً وتعاظماً على القائمين إليه . والثاني مكروه: وهو أن يقع لمن لا يتكبر ولا يتعاظم على القائمين ، ولكن يخشى أن يدخل نفسه بسبب ذلک ما يحذر ولما فيه من التشبه بالجبابرة . والثالث : جائز ، وهو أن يقع

على سبيل البر والإكرام لمن لايريد ذلك ويؤمن معه التشبه بالجبابرة . والرابع : مندوب، وهو أن يقوم لمن قدم من سفر فرحاً بقدومه ليسلم عليه أو إلى من تجددت له نعمة فيهنيه بحصولها أو مصيبة فيعزيه بسببها...قال البيهقى : القيام على وجه البر والإكرام جائز كقيام الأنصار لسعد وطلحة لكعب ، ولاينبغي لمن يقام له أن يعتقد استحقاقه لذلك ،حتى إن ترك القيام له حنق عليه أوعاتبه أو شكاه . (عمدة القارى: ١٥/ ٣٧٦، باب قول النبى صلى الله عليه و سلم قوموا الى سيدكم، ط: دارالحديث ، ملتان).

ملاعلی القاری مرقات میں فرماتے ہیں:

وقال القاضي عياض: القيام المنهى ، تمثلهم قياماً طول جلوسه ، وقال النووي رحمه الله : القيام للقادم من أهل الفضل مستحب وقد جاء ت أحاديث ولم يصح فى النهى عنه شيء صريح وقد جمعت كل ذلك مع كلام العلماء عليه في جزء وأجبت فيه عما يوهم النهى عنه، وتعقبه ابن الحاج المالكى رحمه الله في مدخله ورد عليه رداً بليغاً...وقال الإمام حجة الإسلام: القيام مكروه على سبيل الإعظام لا على سبيل الإكرام ولعله أراد بالإكرام القيام للتحية بمزيد المحبة كما تدل عليه المصافحة وبالإعظام التمثل له بالقيام وهوجالس على عادة الأمراء الفخام والله أعلم بكل حال ومقام. (مرقاة المفاتيح : ٨٣/٩،باب القيام ، امداديه ، ملتان).

قال فى الدرالمختار: وفى الوهبانية: يجوز بل يندب القيام تعظيماً للقادم كما يجوز القيام ولو للقارى بين يدى العالم. وفى ردالمحتار: أى إن كان ممن يستحق التعظيم قال فى القنية: قيام الجالس فى المسجد لمن دخل عليه تعظيماً وقيام قارى القرآن لمن يجيء تعظيماً لا يكره إذا كان ممن يستحق التعظيم وفى مشكل الآثار القيام لغيره ليس بمكروه لعينه إنما المكروه محبة القيام لمن يقام له فإن قام لمن لايقام له لايكره ، قال ابن وهبان : أقول: وفى عصرنا ينبغي أن يستحب ذلك أى القيام لما يورث تركه من الحقد والبغضاء والعداوة لاسيما إذاكان فى مكان اعتيد فيه القيام وماورد من التوعد عليه فى حق من يجب القيام بين يديه كما يفعله الأعاجم . قلت: يؤيده ما فى العناية وغيرها عن الشيخ الحكيم أبى القاسم كان إذا دخل عليه غني يقوم له ويعظمه ولايقوم للفقراء وطلبة العلم فقيل له فى

ذلک فقال: الغني يتوقع منى التعظيم فلو تركته لتضرر والفقراء والطلبة إنما يطمعون في جواب السلام والكلام معهم فى العلم وتمام ذلک فى رسالة الشرنبلالى. (الدرالمختارمع ردالمحتار:٦/٣٨٤، سعید).

قال الطحطاوى :وفى البزازية : يندب القيام عند سماع الأذان . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص١٣٥، ط:بولاق).

تکملہ فتح الملہم میں مرقوم ہے:

وجملة القول فى هذه المسئلة أن القيام على أقسام :

(١) أن يكون السيد جالساً ، ويتمثل له الحضرون قياماً طوال مجلسه ، وهوممنوع بنص الحديث لأنه دأب الأعاجم المتكبرين ، ولاخلاف فى عدم جوازه .

(٢) أن يقوم الناس لقادم يحب أن يقوموا له تكبراً وتعاظماً على القائمين ، وهوممنوع أيضاً باتفاق العلماء .

(٣) أن يقوم الناس لمن ،لايتكبر ولايتعاظم على القائمين ، ولكن يخشى أن يدخل نفسه بسبب ذلک مايحذر ، وهو مكروه .

(٤) أن يقوم الرجل لقادم من سفر فرحاً بقدومه ، ليسلم عليه، وهذا مندوب ولاخلاف فى جوازه .

(٥) أن يقوم الرجل لمن حصلت له نعمة ، فيهنئه عليها، وهومندوب أيضاً.

(٦) أن يقوم الرجل لمن أصابته مصيبة فيسليه عليها ، وهومندوب أيضاً.

(٧) أن يقوم الرجل لمن دخل عليه على سبيل البر والإكرام لمن لايريد منه ذلک .

وهذا القسم السابع موضع خلاف بين العلماء ، فأجازه بعضهم ومنعه بعضهم .

...ومن كرهه استدل بحديثين : ١ـ عن أنس رضي الله عنه قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم وكانوا إذا رأوه لم يقوموا له مما يعلمون من كراهته لذلک . أخرجه الترمذى ، وقال حسن صحيح غريب .

٢ـ عن أبي مجلز قال: خرج معاوية رضي الله عنه على ابن الزبير وابن عامر ، فقام ابن عامر ،

وجلس ابن الزبير فقال معاوية لابن عامر: اجلس فإني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من أحب أن يتمثل له الرجال قياماً فليتبوأ مقعده من النار.

وأجاب المجوزون عن الحديث الأول بأن مجرد ترك النبى صلى اللّٰه عليه وسلم بعض الأفعال لايدل على عدم جوازها . وعن الثانى بأن المرفوع منه محمول على الصورة الأولى من القيام وأما أمر معاوية رضي الله عنه لابن عامر بالجلوس ، فاحتياط منه ، ليخرج عن كل شائبة من مخالفة هذا الحديث المرفوع .

واحتج المجوزون بحديث الباب ، وبأن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم كان يقوم لفاطمة ....الخ. (تكملة فتح الملهم:۳/۱۲٦،ط: دارالعلوم كراتشى).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بڑوں کے لیے قیام کرنا درست بلکہ مستحسن ہے،مہمان کا اکرام چاہئے۔

دوسری جگہ فرمایا: اگر حضرت مہتمم صاحب اور حضرت شیخ یا کوئی بھی بزرگ تشریف لائیں تو ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا تقاضائے ادب اور مستحب ہے،لیکن اگر ان کو اس قیام سے اذیت ہو اور وہ منع کریں تو قیام نہیں کرنا چاہئے ،اذیت سے بچانا واجب ہے، جیسے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کو دیکھ کر سب کھڑے ہوگئے ،اس پر قیام سے منع فرما دیا، پھر اس کے بعد تشریف لاتے ہوئے دیکھتے تو ناگواری کا لحاظ رکھتے ہوئے قیام نہیں کیا کرتے تھے۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۱۲۱،۱۲۲، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (اعلاء السنن:۱۷/۴۲۲۔۴۲۴، ط: ادارة القرآن، وفتح البارى : ۱۱/۴۹۔۵۴ ، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم قوموا الى سيدكم ، وامدادالفتاویٰ: ۴/۲۷۳۔ ۲۷۴، وفتاویٰ محمودیه مع التعليقات: ۱۹/۱۲۲۔۱۲۴ .جامعه فاروقيه، وبذل المجهود:۱۳/۲۰۰۔۲۰۲،ط: دارالبشائرالاسلامية، وتحفة الاحوذى:۸/۲۵۔۲۷، ط: بيروت). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ وللّٰہ الأسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا، وذروا الذین یلحدون فی أسماءہ ﴾. (الأعراف).

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”إن أحب أسمائکم إلی اللّٰہ: عبد اللّٰہ وعبد الرحمن“. (رواہ مسلم).

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
”تسموا باسماء الأنبیاء وأحب الأسماء إلی اللّٰہ عبد اللّٰہ وعبد الرحمن وأصدقہا حارث وہمام وأقبحہا حرب ومرۃ“.
(رواہ ابوداود).

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”تدعون یوم القیامۃ بآسمائکم وأسماء أبائکم فآحسنوا أسمائکم“. (رواہ احمد وابوداود).

باب ......﴿۷﴾

ما یتعلق بآحکام الأسامی والألقاب

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أخنی الأسماء یوم القیامۃ عند اللّٰہ رجل یسمی ملک الأملاک“. (رواہ البخاری).

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: إن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یغیر الاسم القبیح. (رواہ الترمذی).

نام اور القاب سے متعلق احکام کا بیان

اسمائے حسنیٰ میں ''الرب المقسط'' کا حکم:

سوال: اسمائے حسنیٰ میں کسی جگہ ''المقسط الجامع الغنی'' سے پہلے ''الرب'' کا لفظ وارد ہوا ہے یا نہیں؟ بعض جگہ یہ لفظ سنا گیا ہے۔ کیا یہ اضافہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اسمائے حسنیٰ کی مشہور روایت جو ترمذی وغیرہ کتبِ حدیث میں مذکور ہے اس میں ''الرب'' کا لفظ مذکور نہیں ہے البتہ ابن ماجہ اور حاکم کی روایت میں یہ لفظ مع دیگر الفاظ کے موجود ہے۔ لیکن المقسط سے پہلے نہیں بلکہ دوسری جگہ مذکور ہے، اس کی ترتیب ملاحظہ کیجئے۔

سنن ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: '' إن للّٰه تسعة وتسعين اسماً، مائة إلا واحداً، إنه وتر يحب الوتر، من حفظها دخل الجنة، وهي اللّٰه الواحد الصمد الأول الآخر الظاهر الباطن الخالق البارئ المصور الملك الحق السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الرحمن الرحيم اللطيف الخبير السميع البصير العليم العظيم البار المتعال الجليل الجميل الحي القيوم القادر القاهر العلى الحكيم القريب المجيب الغني الوهاب الودود الشكور الماجد الواجد الوالى الراشد العفو الغفور الحليم الكريم التواب الرب المجيد الولى الشهيد المبين البرهان الرؤوف الرحيم ...الخ.

رواه ابن ماجه، (رقم: ٣٨٦١، باب أسماء الله عزوجل)، **وقال فى الزوائد: لم يخرج أحد من الأئمة الستة عدد أسماء اللّٰه الحسنى من هذا الوجه ولا من غيره غير ابن ماجة والترمذى، مع تقديم وتأخير، وطريق الترمذي أصح شيء فى الباب، قال: وإسناد طريق ابن ماجة**

ضعيف لضعف عبد الملک بن محمد .

حاکم کی روایت مستدرک میں ہے ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن لله تسعة وتسعين اسماً من أحصاها دخل الجنة : الله الرحمن الرحيم الإله الرب الملک القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق البارئ المصور الحليم العليم السميع البصير الحي القيوم الواسع اللطيف...الخ. (اخرجه الحاكم فى المستدرك: ١/١٧،رقم: ٤٢).

قلت: في إسناده: عبد العزيز بن الحصين ؛ قال مسلم فيه: ذاهب الحديث، وقال البخارى: ليس بالقوى، وقال: متروک الحديث، وضعفه على ويحيى، وقال مرة: لايساوي حديثه شيئاً ليس بشيء ، وقال ابن حبان: يروى المقلوبات عن الأثبات والموضوعات عن الثقات؛ فلا يجوز الاحتجاج به . (البدرالمنير:٩/٤٨١،ط:الرياض).

وكذا أخرجه البيهقي فى الاعتقاد، (رقم: ١٦)**، وأورده السيوطي فى الجامع الصغير** (رقم: ٢٣٦٨)**، وعزاه إلى أبى الشيخ ابن حبان وابن مردويه فى التفسير، وأبى نعيم فى الأسماء عن أبى هريرة ﷺ و رمز له بالضعف).**

خلاصہ یہ ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کی ترتیب بھی مشہور روایت کے خلاف ہے۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

یا قاضی الحاجات کے لفظ سے پکارنے کا حکم:

سوال: اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ جو احادیث میں وارد ہیں ان ناموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارنے میں کوئی حرج نہیں جیسے یارحمٰن، یارحیم، یا کریم، لیکن اگر کوئی شخص ان اسمائے حسنیٰ کے علاوہ دیگر صفاتی نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارے مثلاً: یا قاضی الحاجات، یادامع البلیات تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: امام رازیؒ نے شرح اسماء اللہ تعالیٰ میں لکھا ہے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہوں لیکن وارد نہ ہوں ان کا استعمال بطورِ صفت جائز ہے بطورِ نام نہیں یعنی ان کو اسمائے حسنیٰ نہیں کہنا چاہئے اور ان میں ''یا'' کا استعمال نہ کریں مثلاً: **یا میسر کل عسیر** نہ کہیں بلکہ یہ کہیں: **اللّٰهم سهل علي العسر فإنک ميسر كل عسير، اللّٰهم اقض حاجاتنا فإنک قاضى الحاجات**، یعنی بطورِ خبر استعمال کرنا صحیح ہے۔

حضرت شیخ زکریاؒ نے واللہ الطبیب کے ذیل میں ''التقریر الرفیع لمشکاۃ المصابیح'' میں لکھا ہے:

یشکل علیه أن إطلاق الطبیب علیه تعالیٰ لایصح لأن أسماء ہ توقیفیة وهذا ماقال خیالی حاشیة شرح العقائد وأجیب بأن المراد من الممانعة هوالنداء بذلک الاسم مثل یاطبیب وأما الاتصاف فیجوز...الخ .

اس کی تعلیق میں بیہقی کی الاسماءوالصفات کے حوالہ سے لکھا ہے: **فأما صفة تسمیة الله جل ثناؤه فهي أن یذکر ذلک في حال الاستشفاء مثل أن یقال: اللّٰهم أنت المصح والممرض والمداوی والطبیب و نحو ذلک فأما أن یقال: یا طبیب کما یقال: یا رحیم أو یا حلیم أو یا کریم فإن ذلک مفارقة لآداب الدعاء .** (الاسماء والصفات للبیهقی:۱/۲۱۷، کذا فی تعلیق التقریر الرفیع لمشکاة المصابیح :۳/۲۹۸).

لیکن علامہ آلوسیؒ کے نزدیک جن صفات سے اللہ تعالیٰ موصوف ہیں جیسے قضائے حاجات اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس کو بطورِ اسم صفتی استعمال کر سکتے ہیں لیکن اس میں خوب احتیاط کی ضرورت ہے کہ اس صفت میں نقص کا پہلو نہ ہو اور دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حکم ہے تو جس صفت میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو اس کو بطورِ اسم استعمال کرنے کی اجازت ہوگی اور وہ صفاتی نام کی طرح ہوگا علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

واختلفوا حیث لا إذن ولا منع في جواز إطلاق ما کان سبحانه وتعالیٰ متصفاً بمعناه ولم یکن من الأسماء الأعلام الموضوعة في سائر اللغات إذ لیس جواز إطلاقها علیه تعالیٰ محل نزاع لأحد، ولم یکن إطلاقه موهماً نقصاً بل کان مشعراً بالمدح فمنعه جمهور أهل الحق مطلقاً للحظر، وجوزه المعتزلة مطلقاً، ومال إلیه القاضي أبوبکر لشیوع إطلاق نحو خدا وتکری من غیر نکیر فکان إجماعاً ورد بأن الإجماع کاف فی الإذن الشرعي إذا ثبت... وذکر فی شرح المواقف: أن القاضی أبابکر ذهب إلی أن کل لفظ دل علی معنی ثابت لله تعالیٰ جاز إطلاقه علیه إذا لم یکن موهماً لما لایلیق بذاته تعالیٰ ثم قال: وقد یقال: لابد مع نفی ذلک الإیهام من الإشعار بالتعظیم حتی یصح الإطلاق بلا توقف وجعل مذهب المعتزلة غیر مذهبه والمشهور ما ذکرناه .

وفصل الغزالي قدس سره فجوز إطلاق الصفة وهو ما دل علی معنی زائد علی الذات

ومنع إطلاق الاسم وهو ما يدل على نفس الذات محتجاً بإباحة الصدق واستحبابه والصفة لتضمنها النسبة الخبرية راجعة إليه وهي لا تتوقف إلا على تحقق معناها بخلاف الاسم فإنه لايتضمن النسبة الخبرية ...

هذا ومن الناس من قال: إن الألفاظ الدالة على الصفات ثلاثة أقسام : الأول ما يدل على صفات واجبة وهو أصناف:...منها ما يصح مضافاً غيرمفرد نحو يا منشئ الرفات ومقيل العثرات ...

والمختار عندي عدم توقف إطلاق الأسماء المشتقة الراجعة إلى نوع من الصفات النفسية والفعلية وكذا الصفات السلبية عليه تعالىٰ على التوقيف الخاص بل يصح الإطلاق بدونه لكن بعد التحرى التام وبذل الوسع فيما هو نص فى التعظيم والتحفظ إلى الغاية عما يوهم أدنى أدنى نقص معاذ الله تعالىٰ في حقه سبحانه لأنا مأذونون بتعظيم الله تبارك وتعالىٰ بالأقوال والأفعال ولم يحد لنا حد فيه فمتى كان فى الإطلاق تعظيم له عز وجل كان مأذوناً به والتكليف منوط بالوسع ﴿لايكلف الله نفساً إلا وسعها﴾ فبعد بذل الوسع فى التعظيم يرتفع الحرج . (روح المعانى : ۹/۱۲۱۔۱۲۴،ط: دار التراث ، القاهره).

قال في تفسير المنار: وفصل الغزالى فجوز إطلاق الصفة ، وهي مادل على معنى زائد على الذات ، ومنع إطلاق الاسم وهو ما دل على نفس الذات . (تفسيرالمنار: ۹/۳۷۱،ط:الهيئة المصرية). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اسماء میں تخفیف کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کا نام عبدالرحمٰن ہے لیکن لوگ اس کو رحمٰن سے پکارتے ہیں تو کیا ان لوگوں کو منع کرنا چاہیے یا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں تحریر فرمایا ہے کہ چونکہ پکارنے والوں کی غرض اس لفظ سے عبدالرحمٰن اور عبدالغفور ہی ہوتی ہے صرف اختصار کے لیے ایسا کرتے ہیں اس لیے گناہِ کبیرہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، البتہ ایسا کرنے میں ایک قسم کا سوءادب ہے اس لیے نامناسب ہے اور اسی بنا پر

آج کل ایسے نام رکھنا خلافِ اولیٰ ہے اور نا مناسب ہیں کیونکہ عموماً لوگ ایسا اختصار کرتے ہیں باقی لفظ شکور اس میں تو کوئی مضائقہ ہی نہیں کیونکہ یہ لفظ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں، اگر خود کسی کا نام ہی فقط شکور رکھ دیا جائے تو جائز ہے، ایسے ہی رحیم اور علی اور کبیر اور رشید وغیرہ جو اسمائے الٰہیہ میں سے ہیں لیکن مخصوص بذاتِ حق تعالیٰ نہیں وہ بھی اگر کسی کا نام رکھ دیں تو جائز ہے۔

قال في العالمكيرية في الباب الثاني والعشرين من كتاب الكراهة: أحب الأسماء إلى اللّٰه تعالیٰ عبد اللّٰه وعبد الرحمن لكن التسمية بغير هذه الأسماء في هذا الزمان أولى لأن العوام يصغرون هذا الأسماء للنداء والتسمية باسم يوجد في كتاب اللّٰه كالعلي والكبير والرشيد والبديع جائز لأنه من الأسماء المشتركة. (امداد المفتین، جلدِ دوم ص ۸۵۳، دارالاشاعت).

امام قرطبیؒ الجامع لاحکام القرآن میں فرماتے ہیں:

أكثر العلماء على أن "الرحمن" مختص باللّٰه عز وجل، لا يجوز أن يسمى به غيره، ألا تراه قال: ﴿قل ادعوا اللّٰه أو ادعوا الرحمن﴾ [الاسراء: ۱۱۰] **فعادل الاسم الذى لايشركه فيه غيره، وقال: ﴿واسأل من أرسلنا من قبلك من رسلنا أجعلنا من دون الرحمن الٰهة يعبدون﴾** [الزخرف: ۴۵] **فأخبر أن "الرحمن" هو المستحق للعبادة جل وعز، وقد تجاسر مسيلمة الكذاب ـ لعنه اللّٰه ـ فتسمى برحمان اليمامة، ولم يتسم به حتى قرع مسامعه نعت الكذاب فألزمه اللّٰه تعالیٰ نعت الكذاب لذلك، وإن كان كل كافر كاذباً، فقد صار هذا الوصف لمسيلمة علماً يعرف به، ألزمه اللّٰه إياه، وقد قيل في اسمه الرحمن: إنه اسم اللّٰه الأعظم؛ ذكره ابن العربى.** (الجامع لاحکام القرآن: ۱/۷۵).

(وكذا في تفسير ابن كثير: ۱/۲۳، والموسوعة القرآنية، ص ۳۷۶۹، وتفسير آيات الاحكام).

ملا علی قاریؒ نے ضوء المعالی میں تحریر فرمایا ہے:

قلت: المختص المعرف بالألف واللام دون غيره). (ضوء المعالی، ص).

ملا علی قاریؒ کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ جو باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے وہ معرف بہ الف لام ہے یعنی "الرحمٰن"، لیکن بغیر الف لام کے فقط "رحمٰن" یہ عام لفظ ہے۔

علامہ شامیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے:

والرحمن لفظ عربي، وقيل معرب عن رخمان بالخاء المعجمة لإنكار العرب حين سمعوه ورد بأن إنكارهم له لتوهمهم أنه غيره تعالىٰ في قوله: ﴿قل ادعوا الله او ادعوا الرحمن﴾، وذهب الأعلم إلى أنه علم كالجلالة لاختصاصه به تعالىٰ وعدم إطلاقه على غيره تعالىٰ معرفاً ومنكراً ... قال السبكي: والحق أن المنع شرعي لا لغوي، وأن المخصوص به تعالىٰ المعرف . (فتاوی الشامی: ۱/۷،سعید).

احسن الفتاویٰ میں مطلقاً کراہت کا قول مرقوم ہے۔ ملاحظہ ہو:

چونکہ ایسے اسماء میں مضاف محذوف معنوی ہوتا ہے اس لیے جائز تو ہے مگر کراہت سے خالی نہیں بالخصوص ان اسماء میں جو صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں جیسے غفار، رحمٰن وغیرہ ان میں حذفِ مضاف زیادہ قبیح ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۱۷۶)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں بھی ناجائز اور گناہ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: (معارف القرآن: ۱/۷۶)۔

لیکن امداد المفتین چونکہ خاص فتاویٰ کی کتاب ہے اس میں تخفیف موجود ہے نیز ملا علی قاریؒ اور علامہ شامیؒ کی عبارات بھی جواز پر دال ہیں اور چونکہ عوام الناس بلا معنی ومطلب کی رعایت کے اس طرح ناموں میں تخفیف کرتے ہیں بنا بریں اس بارے میں زیادہ تشدد نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عبدالمطلب نام رکھنے کا حکم:

سوال: عبدالمطلب نام رکھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور اس نام کا مطلب کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کا نام عبدالمطلب تھا اور آپ نے تبدیل نہیں فرمایا، اس لیے عبدالمطلب نام رکھنا درست ہے، اور اس کا آسان مطلب یہ ہے کہ مطلب یعنی چچا کا خادم تو تفاولاً اگر یہ نام رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑوں کا خادم بنادے تو درست ہوگا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے موقع پر یہ شعر پڑھا تھا۔

أناْ النبي لا كذب ☆ أنا ابن عبد المطلب

اس میں آپ نے دشمنوں کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، نیز صحابی کا نام بھی

عبدالمطلب تھا بنا بریں اس نام کے رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اس نام کا رکھنا درست اور جائز ہے۔

ابن حزمؒ نے ان تمام ناموں کو ممنوع قرار دیا ہے جس سے غیر اللہ کی عبادت کا شائبہ ہو سوائے عبدالمطلب کے لیکن ابن قیم نے منع کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ المودود فی احکام المولود میں مرقوم ہے:

وأما المكروه منها والمحرم فقال: أبومحمد بن حزمؒ اتفقوا على تحريم كل اسم معبد لغير الله كبعد العزى وعبد هبل وعبد عمرو وعبد الكعبة وما أشبه ذلك حاشا عبد المطلب انتهى ، فلا تحل التسمية بـ عبد على ولا عبد الحسين ولا عبد الكعبة وقد روى ابن أبي شيبة حديث يزيد بن المقدام بن شريح عن أبيه عن جده هانئى بن يزيد قال: وفد على النبي صلى الله عليه وسلم قوم فسمعهم يسمون عبد الحجر فقال له: ما اسمك فقال: عبد الحجر، فقال له الرسول صلى الله عليه وسلم: إنما أنت عبد الله فإن قيل: كيف يتفقون على تحريم الاسم المعبد لغير الله وقد صح عنه أنه قال: تعس عبد الدينار تعس عبد الدرهم تعس عبد الخميصة تعس عبد القطيفة وصح أنه قال: أنا النبي لا كذب...أنا ابن عبد المطلب . ودخل عليه رجل وهو جالس بين أصحابه فقال: أيكم ابن عبد المطلب فقال: هذا وأشاروا إليه ؟

فالجواب: أما قوله: تعس عبد الدينار فلم يرد به الاسم وإنما أراد به الوصف والدعاء على من يعبد قلبه الدينار والدرهم فرضى بعبودتها عن عبودة ربه تعالىٰ وذكر الأثمان والملابس وهما جمال الباطن والظاهر .

أما قوله: أنا ابن عبد المطلب فهذا ليس من باب إنشاء التسمية بذلك وإنما هو باب الإخبار بالاسم الذى عرف به المسمى دون غيره والأخبار بمثل ذلك على وجه تعريف المسمى لايحرم ولا وجه لتخصيص أبي محمد بن حزم ذلك بعبد المطلب خاصة فقد كان الصحابة يسمون بني عبد الشمس وبنى عبد الدار باسمائهم ولاينكر عليهم النبي صلى الله عليه وسلم فباب الإخبار أوسع من باب الإنشاء فيجوز مالا يجوز فى الإنشاء .

(تحفة المودود باحكام المولود،ص ۷۲).

عبدالمطلب بن ربیعہ صحابی کا نام تھا رشتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے تھے آپ نے ان کا نام تبدیل

نہیں فرمایا۔ ملاحظہ کیجئے:

قال الإمام البيهقي: وروينا عن عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إن هذه الصدقة إنما هي أوساخ الناس، ولايحل لمحمد ولا لآل محمد. (السنن الصغرى، رقم: ۱۳۱۱، ومسلم: ۱۰۷۲).

قال الإمام المزى في تهذيب الكمال: عبد المطلب بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب بن هاشم القرشي الهاشمي له صحبة وهوبن بن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمه أم الحكم بنت الزبير بن عبد المطلب وكان جده الحارث أكبرولد عبدالمطلب وبه كان يكنى سكن المدينة ثم انتقل إلى الشام في خلافة عمر بن الخطاب رضي الله عنه فسكن دمشق وكانت داره بزقاق الهاشميين الذى فيه الحمام المعروف بالحمام الجديد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم (م ،د، س) وعن على بن أبى طالب رضي الله عنه (عس). (تهذيب الكمال: ۳۵۱۲/۲۷۸/۱۸).

وقال الحافظ الذهبى في سير أعلام النبلاء: قال مصعب الزبيرى: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أباسفيان بن الحارث أن يزوج بنته بعبد المطلب بن ربيعة، ففعل، وقال شباب: توفى عبد المطلب فى دولة يزيد. (سیراعلام النبلاء: ۲۲/۱۱۳/۳).

اگراس نام میں کوئی خرابی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور تبدیل فرمادیتے۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عبدالکعبہ تھا آپ نے عبداللہ سے تبدیل فرمایا۔ ہاں جن ناموں میں شرکیہ معنی ہو مثلاً: عبدشمس، عبدالعزی، عبدہبل وغیرہ تو ایسے نام رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سبحان اللہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوا وہ اپنے بچہ کا نام سبحان اللہ رکھنا چاہتا ہے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سبحان اللہ تو کلمہ ہے انسان نہیں ہے۔

الجواب: سبحان اللہ یہ تقدیراً جملہ فعلیہ ہے اس کی ترکیب اس طرح ہے **سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ سبحان الله، یسبح** فعل بافاعل اور سبحان اللہ مفعول مطلق ہے، مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے

اچھی طرح، اور یہ بات تو عجیب ہے کہ سبحان اللہ کلمہ ہے انسان نہیں ہے کیونکہ آدمی بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے کی وجہ سے **یسبح سبحان اللّٰہ** بن گیا اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی کہے بلال نام نہ رکھو کیونکہ بلال پانی کی تری ہے انسان نہیں۔ہم کہتے ہیں کہ انسان بھی بلال ہے جب تری پہنچائے اور سخاوت کرے۔

اوضح المسالک میں ابن ہشام لکھتے ہیں:

وينقسم (العلَم) إلى مرتجل وهو: ما استعمل من أول الأمر علَماً كأدد لرجل وسعاد لامرأة ومنقول و هو الغالب و هوما استعمل قبل العلمية لغيرها ونقله اما من اسم إما لحدث كزيد وفضل أو لعين كأسد وثور ...واما من جملة اما فعلية كشاب قرناها أو اسمية كزيد منطلق ...وينقسم أيضاً إلى مفرد وإلى مركب وهوثلاثة أنواع مركب إسنادى كبرق نحره، وشاب قرناها ، وهذا حكمه حكم الحكاية . (اوضح المسالك ،ص ٧٩).

المعجم المفصل فى النحو العربى میں مرقوم ہے:

العلَم المركب الإسنادى وهو الذى يتكون من جملة فعلية مثل جاد اللّٰه وجاد الحق وأطلق هذا التركيب الإسنادى علَماً لشخص وقد يكون المركب علَماً لمدينة مثل سر من رأى . (المعجم المفصل فى النحو العربى: ٦٩٢).

دوسری وجہ یہ ہے کہ باعتبارِ ترکیبِ اضافی بھی معنی صحیح اور درست ہے مثلاً: سبحان اللہ مثل احسان اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی، اس طرح بہت سارے اسماء مستعمل ہیں، جیسے لطف اللہ، عتیق اللہ، شرف اللہ، لہٰذا اس اعتبار سے نام رکھنا جائز اور درست ہوگا۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فضل سبحان اور عبد سبحان نام رکھنے کا حکم:

سوال: فضل سبحان اور عبد سبحان نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ عبد اور فضل کی اضافت سبحان کی طرف درست نہیں ہے، کیونکہ سبحان، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں شامل نہیں ہے۔ بایں وجہ ایسے نام نہیں رکھنے چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ عبد الحی لکھنویؒ سعایہ میں سبحان کے بارے میں لکھتے ہیں:

فمنهم من قاله: إنه مصدر سبح لازماً...ومنهم من قال: إنه علم للتسبيح دائماً

وهو علم جنس كأسامة للأسد ... ومنهم من قال: إن سبحان اسم مصدر بمعنى التسبيح وليس بعلم . (السعاية :۲/۱٦۳).

تاج العروس میں علامہ سید مرتضیٰ زبیدی فرماتے ہیں:

قال شيخنا: يريد أنه علَم جنس على التسبيح كبرة علَم على البر ونحوه من أعلام الأجناس الموضوعة للمعاني . (تاج العروس :۲/۱۵۲).

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

سبحان مصدر كغفران ولا يكاد يستعمل إلا مضافاً منصوباً بإضمار فعله كمعاذ اللّٰه.

(تفسیر البیضاوی ،ص ۲۵).

علامہ لکھنوی کی عبارت بطورِ قول فیصل ملاحظہ کیجئے:

والحق الحقيق بالقبول في هذا الباب ما أشار إليه القاضي البيضاوي في تفسير سورة الإسراء وغيره من المحققين هو أن سبحان وإن كان في الأصل مصدر سبح كغفران مصدر غفر إلا أنه صار اسماً بمعنى التسبيح كالكفران صار اسماً للتكفير وهذا عند الإضافة كما في سبحانك اللّٰهم ونحوه وقد يستعمل علَماً له فيقطع عن الإضافة . (السعاية :۲/۱٦٤).

نیز علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں عبد اور فضل کی نسبت اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف درست نہیں۔ ملاحظہ ہو:

ومن ههنا وضح لك أن تسمية العوام أطفالهم بعبد السبحان مما لامعنى لها ويجب نهيهم عنها فإن العبودية لا تضاف إلا إلى اسم من أسماء اللّٰه تعالىٰ والسبحان ليس علَماً له تعالىٰ ولا وصفاً له بل هو مصدر فاحفظه فإنه من الفوائد النفسية . (السعاية : ۲/۱٦٤).

فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے:

التسمية باسم لم يذكره اللّٰه تعالىٰ ورسوله في عباده ولايستعمله المسلمون الأولى أن لايفعل . (الفتاوى البزازية بهامش الهندية:٦/۳۷۰). (وكذا في ردالمحتار: ٦/٤۱۷،سعيد).

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے بھی بحوالہ سعایہ ممنوع لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۳۸٦، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نصر اللہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے بچہ کا نام نصر اللہ رکھا، لوگ اس پر معترض ہیں، کہ اللہ کی مدد کا کیا مطلب ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس نام کو بدلنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اس نام کو بدلنے کی ضرورت نہیں، اس کا مطلب ناصر لدین اللہ ہے یعنی یہ شخص اللہ تعالیٰ کے دین کا مددگار رہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ **إن تنصروا الله ينصركم ويثبت أقدامكم** ﴾ [سورة محمد].

روح المعانی میں مذکور ہے: **إن تنصروا اللّٰه أى دينه ورسوله...فنصرته سبحانه نصرة رسوله ودينه**. (روح المعانی: ۲۶/ ۴۳).

بیان القرآن میں ہے: تم اللہ کے دین کی مدد کروگے۔ (بیان القرآن:)۔

یعنی نصر مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے اور دین محذوف ہے اس کو علمِ بلاغت میں مجاز بالحذف کہتے ہیں۔ البلاغۃ العربیہ میں مرقوم ہے:

القسم الرابع: المجاز المرسل القائم على التوسع فى اللغة دون ضابط معين، ومنه المجاز بالحذف أو بالزيادة، فالحذف يكون للإيجاز، كحذف كلمة يوجد ما يدل عليها، أو حذف جملة أو أكثر. (البلاغة العربية، ص۶۶۶).

اسی طرح نصر اللہ مفعول کے معنی میں بھی آسکتا ہے یعنی منصور من اللہ جیسے عون المعبود یعنی معان و منصور من اللہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس بچہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہے گی۔ نیک تفاؤل ہے۔

خلاصہ یہ ہے اس نام کو بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

محمد نام کے فضائل میں احادیث کی تحقیق:

سوال: محمد نام کے فضائل جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، کیا یہ ثابت ہیں یا نہیں؟ یعنی احادیث پایۂ ثبوت تک پہونچتی ہیں یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: محمد نام کے فضائل کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن محدثین کے نزدیک اکثر احادیث پایہ صحت تک نہیں پہنچتیں، ہاں بعض میں ہلکا ضعف ہے، اور بعض موضوع ہیں۔ شیخ محدث ابن

بکیر نے ایک رسالہ بنام" فضائل التسمية بأحمد ومحمد" تالیف فرمایا ہے۔
محمد اور احمد نام کے فضائل کے بارے میں علمائے حدیث کے اقوال ملاحظہ کیجئے:

قال ابن عراق الكناني:

قال الأبي: لم يصح في فضل التسمية بمحمدحديث، بل قال الحافظ أبوالعباس تقي الدين الحراني: كل ما ورد فيه فهو موضوع، قال شيخنا الحلبي: لكن قال بعض الحفاظ وأصحها أى أقربها إلى الصحة حديث" من ولد له مولود وسماه محمداً حباً لي وتبركاً باسمي كان هو ومولوده فى الجنة" انتهى، رواه الرافعي عن أبي أمامة. (تنزيه الشريعة المرفوعة: ۱/ ۱۷٤، بيروت).

قال أبوحاتم الرازي: قد ورد في هذا الباب أحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس فيها ما يصح. (المغنى عن الحفظ والكتاب، ص۲۹، باب فى التسمية بمحمد اواحمد، ط: بيروت).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (الموضوعات لابن الجوزى: ۱/ ۱۵۴. ۱۵۸، باب التسمية بمحمد، ط: دارالفكر، وتنزيه الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعة، جلد اول، ص ۱۷۲ و ۱۷۳ و ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۹۶ و ۱۹۷ و ۱۹۸ و ۱۹۹ و ۲۲۶، ط: بيروت، والموضوعات الكبرى لملا على القارى، ص ۳۰۹. ۳۱۰، ط: قديمى كتب خانه، والمنارالمنيف، ص۵۷).

ملاعلی قاری موضوعاتِ صغریٰ میں لکھتے ہیں: **ومنها الأحاديث التي تروى فى التسمية بأحمد لا يثبت منها شيء.** (المصنوع فى معرفة الحديث الموضوع، ص۲٤۸) اس کی تعلیق میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ لکھتے ہیں: **ومثلها فى البطلان الأحاديث في فضل التسمية بمحمد كما قاله ابن الجوزى فى الموضوعات** (۱-۱۵۱، ۱۵۸) **وابن القيم الجوزية فى المنارالمنيف** (۵۷ و ٦۱) **والمؤلف فى آخر الموضوعات الكبرى فى الفصل الثامن منها وقول السيوطى فى الحاوى للفتاوى** (۲-۱۱۵) **فى أواخر الدرة التاجية: وسنده عندي على شرط الحسن من تساهلاته المعروفة.**

(تعليق المصنوع، ص۲٤۸).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال ابن عابدين الشاميؒ: وتفضيل التسمية بهما (عبد الله وعبد الرحمن) محمول

على من أراد التسمي بالعبودية لأنهم كانوا يسمون عبد شمس وعبد الدار فلا ينافي أن اسم محمد وأحمد أحب إلى الله تعالىٰ من جميع الأسماء فإنه لم يختر لنبيه إلا ما هو أحب إليه هذا هو الصواب ولا يجوز حمله على الإطلاق، وورد من ولد له مولود...قال السيوطي: هذا أمثل حديث ورد في هذا الباب وإسناده حسن . (فتاوى الشامي: ٤١٧/٦،سعيد).

لیکن اس کی سند میں حامد بن حماد عسکری پر کلام ہے۔میزان الاعتدال میں حافظ ذہبیؒ نے اس کو اس موضوع خبر کا راوی قرار دیا ہے۔ (ميزان العتدال: ٤٤٧/١).

إعانة الطالبين میں ہے:

قوله بل جاء في التسمية بمحمد فضائل عليه منها...فينبغي أن لايخلى الشخص أولاده من اسم محمد و يلاحظ في ذلک عود بركة اسمه صلى الله عليه وسلم قال الشافعيؒ لما ولد له ولد وسماه بمحمد: سميته بأحب الأسماء إلي . (اعانة الطالبين: ٣٣٧/٢، ط: بيروت). (وكذا في حواشي الشرواني :٣٧٣/٩،ونهاية المحتاج :١٤٨/٨،ط:دارالفكر،وتحفة المحتاج:١٩٠/٤١).

خلاصہ یہ ہے کہ بعض محدثین کا علی الاطلاق یہ کہنا کہ اس باب کی تمام احادیث موضوع ہیں یہ محل نظر ہے ہاں بعض احادیث موضوع ہیں بعض میں شدید ضعف ہے اور بعض میں کم۔نیز فضائل کا باب اوسع ہے اس میں ضعیف احادیث پر عمل کر سکتے ہیں لہٰذا بطورِ تبرک محمد نام رکھنا درست ہے لیکن صرف نام کو جنت کا سرٹیفکٹ سمجھ لینا درست نہیں ہے جزا اور سزا اعمال پر مرتب ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو سبل السلام کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

مجرد التسمي باسم الرسول صلى الله عليه وسلم [بأبي هو وأمي] لا يكفي في دخول الجنة ، وإنما الاقتداء به في آدابه وأخلاقه وأعماله هو السبب الصحيح لدخول الجنة ، وفي القرآن مئات الآيات المنادية بأن الجنة إنما هي لمن آمن وعمل صالحاً ...

(حاشية سبل السلام :١٩٤/٤،ط: دارالكتاب العربي). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

انبیائے کرام کے نام پر نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے بیٹے کا نام دانیال رکھنا چاہتا ہے تو دانیال کون تھے؟ اور اس نام کا معنی کیا ہے؟ اور کیا ایسا نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے نام رکھنا کیسا ہے؟ اور ان کے معانی کیا

ہیں؟ مشہور اسماء، معانی کے ساتھ بتلا کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت دانیال علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک مشہور نبی گزرے ہیں، بخت نصر کے زمانہ میں موجود تھے، بنابریں دانیال نام رکھنا درست ہے اسی طرح انبیاء کے نام پر نام رکھنے کو علماء نے جائز بلکہ مستحب قرار دیا ہے۔ ہاں اس کے ساتھ بطورِ لاحقہ اور تمیز کوئی اور صفت ملا سکتے ہیں جیسے: محمد صالح محمد نافع وغیرہ تو عام بول چال میں صالح اور نافع بولا جائیگا اور اصل نام محمد ہوگا۔

انبیاء کے نام پر نام رکھنے کے بارے میں حدیث شریف وارد ہوئی ہے۔

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے: **باب من سمی بأسماء الأنبياء وقال أنس رضي الله عنه قبل النبي صلى الله عليه وسلم إبراهيم يعني ابنه** . اوراس باب میں بتلایا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا یعنی نبی کے نام پر نام رکھا، لہذا درست اور جائز بلکہ مستحب ہے۔ اوراس باب کے تحت" **سموا باسمی**" والی روایات بھی نقل فرمائی ہے۔

أخرج البخاري عن جابر بن عبد الله الأنصاري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سموا باسمي ولاتكتنوا بكنيتي فإنما أناْ قاسم أقسم بينكم . (رقم: ٦١٩٦).

وعن عدي بن ثابت قال: سمعت البراء رضي الله عنه قال: لما مات إبراهيم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن له مرضعاً فى الجنة . (رواه البخارى، ٦١٩٥).

عن أبي وهب الجشمي وكانت له صحبة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تسموا بأسماء الأنبياء، وأحب الأسماء إلى الله عبد الله وعبدالرحمن وأصدقها حارث وهمام وأقبحها حرب ومرة . (رواه ابوداود، رقم: ٤٩٥٢).

وأيضاً أخرجه النسائي، (رقم: ٣٥٦٥)، **وأبويعلى في مسنده وقال: حسين سليم أسد: رجاله ثقات**، (رقم: ٧١٦٩)، **وأحمد في مسنده** ، (رقم:١٩٠٣٢)، **وقال شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف لجهالة عقيل بن شبيب فقد تفرد بالرواية عنه ابن مهاجر وهوالأنصارى ولم يؤثر توثيقه عن غير ابن حبان** .

قال الإمام البغويؒ: قال حميد بن زنجويه: لابأس بأسماء الأنبياء، ويستحب أن يسمى بها . (شرح السنة:١٢/٣٣٥).

قال الإمام النوويؒ: (إنهم كانوا يسمون بانبيائهم و الصالحين قبلهم)استدل به جماعة على جوازالتسمية بأسمائهم الأنبياء عليهم السلام وأجمع عليه العلماء إلا ما قدمناه عن عمر رضي الله عنه وسبق تأويله وقد سمى النبي صلى الله عليه وسلم ابنه إبراهيم و كان في أصحابه خلائق مسمون بأسماء الأنبياء . (شرح مسلم: ١١٧/١٤).

وقال سعيد بن المسيب: أحب الأسماء إلى الله أسماء الأنبياء . (شرح صحيح البخارى لابن بطال:٣٤٩/٩).

التيسير بشرح الجامع الصغير میں ہے:

قوله :" تسموا بأسماء الأنبياء " لفظ أمر ومعناه: الإباحة لأنهم أشرف الناس وأسمائهم أشرف الأسماء ، فالتسمى بها شرف للمسمى . (التيسيرللمناوى:٩١٠/١).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے: **الموسوعة الفقهية** میں ہے:

وأما التسمية بأسماء الأنبياء فقد اختلف الفقهاء في حكمها، فذهب الأكثرون إلى عدم الكراهة ، وهو الصواب قال صاحب تحفة المحتاج : ولاتكره التسمية باسم نبي أو ملَک ، بل جاء فى التسمية باسم نبينا عليه الصلاة والسلام فضائل ومن ذلک ماروا ه العتبي أن أهل مكة يتحدثون: ما من بيت فيه اسم محمد إلا رأوا خيراً ورزقوا ، وذكر صاحب كشاف القناع من الحنابلة : أنه يحسن التسمية بالأنبياء...وقال سعيد بن المسيب: أحب الأسماء إلى الله أسماء الأنبياء وفي تاريخ ابن خيثمة : أن طلحة كان له عشرة من الولد ،كل منهم اسمه اسم نبي . (الموسوعة الفقهية : ٣٣٣/١١،وزارة الاوقاف).

وقال في مقام آخر: التسمى بأسماء الأنبياء ، لابأس بالتسمي بأسماء الأنبياء ، واستحبه بعض الفقهاء ، وقد ورد في ذلک حديث أبي وهب الجشمى... (الموسوعة الفقهية: ٥١/٤٠،ط: وزارة الاوقاف). **وللمزيد راجع :** (المجموع شرح المهذب:٤٣٦/٨،والمبدع شرح المقنع لابن مفلح الحنبلى:٢٢٢/٣، ط: دارعالم الكتب).

دانیال کا معنی:

(۱) دانیال دان اور ایل سے مرکب ہے دان یعنی دنیا اور ایل اللہ تعالیٰ کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ

کائنات اللہ تعالیٰ کے لیے ہے" **الملک للّٰہ**"۔

(۲) یا دانی بمعنی قریب اور آل ایل کی طرح ایک لغت ہو، اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب۔

(۳) **الحکم للّٰہ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق فیصلہ کرنے والے۔ (تاج العروس: ۷/ ۳۲۶)۔

نیز مزید کلام انبیائے کرام کے اسماء کی فہرست میں آرہا ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجئے۔

انبیائے کرام کے اسماء ومعانی:

درجِ ذیل چند مشہور انبیاء علیہم السلام کے اسماء اور ان کے معانی بیان کیے جاتے ہیں۔

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اسماء اور ان کے معانی:

(۱) **حضرت آدم علیہ السلام:** اس کے معنی گندم گوں ہے نیز ادیم الارض سے ماخوذ ہے جس کے معنی روئے زمین سے پیدا ہونے والا۔ یہ مطلب اچھا ہے یعنی تواضع میں زمین کی طرح ہے۔

أول الخلق أبو البشر. بالانجليزية: [Adam] ومعناه: الأرض، وبالعبرية والعربية هو اسم عام للذكور، وهو أبوالبشر، من أديم الأرض ومعنى الأدمة: الحمرة، وقد ورد اسمه فى القرآن، ووردت قصته في سفر التكوين بالكتاب المقدس.

(۲) **حضرت نوح علیہ السلام:** مصالح، طویل العمر اور تسلی دینے والے، نیز نوح کے معنی رونے کے بھی آتے ہیں۔ **بالإنجليزية: [Noah]**

العبرية ...: ومعناه مسالم أو طويل العمر أومعزي ومسري، وهو نوح بن لامک بن متوشالخ بن إدريس بن يرد بن مهلابيل بن قينان بن آنوش بن شيث بن آدم وكان بين نوح وبين آدم ألف عام، فقد سأل رجل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم عن الزمن الذى كان بينه وبين نوح فقال نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم: عشرة قرون، وهو متشابه مع ناحوم ونحميا فى الأصل والمعنى. وربما من النواح بالعربية أى كثرة البكاء، وقد ورد اسمه فى القرآن وسميت باسمه سورة كاملة، ووردت قصته في سفر التكوين بالكتاب المقدس.

(۳) **حضرت اِدریس علیہ السلام:** بہت پڑھانے والے اور تجربہ کار۔

إدريس على وزن إفعيل من الدراسة أى كثير الدرس... مثل وزن إبليس لعنه اللّٰه، وهوجد أبي نوح أو أبو جد نوح.

بالإنجليزية : Enoch

عبرية... أخنوخ في التوراة ومعناه (المكرس) والمدرب والمنذور والمحنك (حانوك) وهو أول من خط بالقلم وقد رفعه الله مكاناً علياً في السماء الرابعة ، ويقال: إنه أوزيريس ، وقد ورد اسمه في القرآن .

(۴) حضرت ہود علیہ السلام: ساتھی اور شریک اور رجوع کرنے والے۔

بالإنجليزية : [Eber] أو عابر . بالعبرية... تقسيم الاسم : هي ـ بير

ومعناه رفيق أو شريک أو الرفقة وهو هود بن شالخ بن أرفکشاد بن سام بن نوح ، وهو عند أهل الكتاب هو (عابر) وهو من الأنبياء العرب الذين قال عنهم نبينا صلى الله عليه وسلم: أربعة أنبياء من العرب: هود صالح وشعيب ونبيک يا أباذر ، وهو من العرب العاربة التي سبقت إسماعيل جد العرب المستعربة ، وقد ورد اسمه في القرآن وسميت باسمه سورة كاملة ، و لعل اسم هود عربي فصيح معناه التائب و الراجع إلى الحق أوالتوبة و الرجوع للحق .

(۵) حضرت صالح علیہ السلام:۔

بالإنجليزية : Shelah

ومعناه من الصلاح ...اسم فاعل أو نعت صفة وهو عكس الفساد أو الطلاح ، و عكسه فاسد أو طالح ، وهو في التوراة شالح بن ارفكشاد بن سام بن نوح ، ومعناه بالعبرية : مبعوث أو مرسل أو سلاح ، ورداسمه وقصته في القرآن .

(٦) حضرت لوط علیہ السلام: چھپنے والے، اور اصلاح کرنے والے۔

بالانجليزية : Lot

يعني (مستتر أو مختفي أو مغطى) وكان لوط ابن أخي إبراهيم ، وورد اسمه وقصته في القرآن ، وورد قصته في سفر التكوين بالكتاب المقدس .

(۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام: عالی مرتبہ، اور رحم دل باپ۔

بالإنجليزية : Abraham تقسيم الاسم : آب ـ راهام .

ومعناه : (أب رحيم) وكان اسمه من قبل (آبرام) أى أبي عالي ومرتفع ولأنه سيد أمما عظيمة سماه اللّٰه (إبراهيم) ومعناه أبوالأمم وهو أبو الأنبياء وخليل اللّٰه ، ولأنه أواه كثير الجزع ، وهو إبراهيم بن تارح بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر بن شالح بن أرفكشاد بن سام بن نوح ، ورد اسمه فى القرآن وله سورة كاملة باسمه ، وورد اسمه وقصته فى سفرالتكوين بالكتاب المقدس .

(۸) **حضرت اسرائیل علیہ السلام:** دین کی خاطر جہاد کرنے والے اور باطل کا مقابلہ کرنے والے۔اور مفسرین نے ﴿يا بني إسرائيل اذكروا نعمتى التى أنعمت عليكم﴾ کے ذیل میں اس کے معنی عبداللہ یا صفوۃ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنے ہوئے ،لکھا ہے۔

هو اسم نبى اللّٰه يعقوب (Jacob) وهوالنبي والبشر والوحيد الذى منح اسماً أو لقباً مضافاً لإيل مثل الملائكة ، (إسماعيل اسمه من الأصل مثل الملائكة وليس له لقب) وقد ورد اسمه الملائكي والعادي فى القرآن ، وهو ابن اسحاق بن إبراهيم ، ووردت قصته فى سفر التكوين بالكتاب المقدس .

بالإنجليزية : Israel تقسيم الاسم : إسرا ـ ئيل .

وئيل تعنى: اللّٰه وإسرا تعنى (مكافح . مجاهد . مصارع. مقاتل.محافظ) والأصوب هو مجاهد اللّٰه أى أنه الذي يجاهد لأجل اللّٰه واسمه العبرى هو (يعقوبJacob(أو يعقوب) ومعناه يعقب أو يخلف أى يحل محل أو العاقب لأنه ولد ممسكا بعقب أخيه العيص (عيسو).

حضرت یعقوب علیہ السلام: پیچھے آنے والے، کیونکہ بشارت میں کہا گیا کہ اسحاق علیہ السلام پیدا ہونے والے ہیں اور ان کی نسل چلے گی یعنی ان کے بعد یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے یا اپنے بڑے بھائی عیص کے بعد پیدا ہوئے اس نام میں صالح نسل کے چلنے کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) **حضرت اسحاق علیہ السلام:** ان کی بشارت کے وقت حضرت سارہ ہنسی تھی، تو ان کا نام اسحاق جو اضحاک اور ضحک کے معنی میں ہے رکھا گیا، اس نام میں بشارت اور خوشخبری کی طرف اشارہ ہے۔

بالإنجليزية : Isaac العبرية ايتسحاق ......Yitzchak

وهـو اسـم عبـرانـي من جزء واحد وينطق بالعبرية (يتسحاق) ويعنى (يضحک) او (ضاحک) وسمى كذلک لأن سارة أمه لما بشرتها الملائكة بأنها ستلد فصكت وجهها و ضـحـكـت لأنها استغربت الموقف ، فلما جاء ها الولد تذكرت الموقف وقالت: هو ولدى جـاء تـنـي بشارته وأناْ أضحک فاسميه ضاحک أى (إسحق) وهو الأخ غير الشقيق للنبي إسـمـاعيل عليهما السلام ، ووالد يعقوب وابن إبراهيم أو لأنه ولد ضاحكاً ، وقد ورد اسمه فى القرآن ، ووردت قصته فى سفر التكوين بالكتاب المقدس .

(۱۰) **حضرت اسماعیل علیہ السلام:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعافرمائی اسمع ایل اے اللہ میری دعاسن لے ، اور مجھے بیٹا عطا کردے ،تو لڑکے کی پیدائش کے بعدان کا نام اسماعیل رکھا گیا۔یا حضرت ہاجرہ نے مکہ مکرمہ کے لق ودق صحرامیں صفامروہ کے درمیان **يسمع الله دعائي** کہا تھالیکن اس پراشکال ہے کہ نام تواس واقعہ سے پہلے رکھا گیا تھا۔

بالإنجليزية :Ishmael تقسيم الاسم : يشمع ــ ئيل .

وهـو يـعـنـي (يسـمـع الله) وسمى بإسماعيل لأن هاجر عليها السلام لما طافت بين الـصـفـا والـمروة طلباً لماء يسد ظمأ ابنها لم تجد ماء في أول ست أشواط ، و فى الشوط السـابع استجاب الله لها دعاء ها فقالت: يسمع الله دعائي فمبالغة شكرها ربها سمت ابنها (يسـمع الله) لتتذكر كيف سمع الله صراخها وهي تدعوه، وقد ورد اسمه فى القرآن ، وهو ابن إبراهيم .

(۱۱) **حضرت یوسف علیہ السلام:** عبری زبان میں یوہ اصل میں یہوہ یعنی اللہ اورسف کے معنی یزید ہے،یعنی اللہ یزیداس کا مطلب ہوگا اللہ تعالیٰ ترقی دے،اورعربی میں وسف کے معنی چھلنا یعنی وہ بچہ جس پر محنت کرکے اس کوسنوارااورتراشاجائے ۔اورجوسنوارااورتراشاجائے وہ خوبصورت ہوجاتاہے تو ظاہری اور باطنی خوبصورتی کے معنی میں ہوگا۔

بالانجليزية : Joseph

تـقسيم الاسم هوه ــ سف . يعنى يهوه يزيد، ويهوه هو اسم من أسماء الله عند اليهود وبـالتالى يكون معناه (الله يزيد) أى أن الله يزيد كل خير من عنده ، وهو يوسف بن إسرائيل

(یعقوب) من زوجته راحیل أو ریتشل أو راشیل وهوالذی سماه نبینا صلی اللّٰه علیه وسلم الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم ، یوسف بن یعقوب بن إسحاق بن إبراهیم علیهم السلام أجمعین، ولکل مسمی من اسمه نصیب فلقد زاد اللّٰه جمال یوسف علیه السلام حتی قال نبینا صلی اللّٰه علیه وسلم: إنه أعطي شطر الجمال وقد ورد اسمه فی القرآن وسمیت باسمه سورة کاملة ، مثل اسم یزید بالعربیة ، ووردت قصته فی القرآن وفی سفر التکوین بالکتاب المقدس .

(۱۲) **حضرت یونس علیہ السلام:** عبری زبان میں یمامہ یعنی کبوتر کے معنی میں ہے،خوبصورت اور پیاراپرندہ ہے اور پیغام رسانی کے لیے مشہور ہے پیغمبر کے ساتھ پیغام رسانی کے معنی بہت موزون ہے اوراگر انس سے ہوتواس کے معنی انس اورمحبت کے ہوگے۔

بالإنجلیزیة : Yomam,Jomam,Jonan,Jonas,Jonah

یوناه أو یوناس أو یومام ، ومعناه (یمامه) وهو یونان عند أهل الکتاب؛ وهوالنبی الذی بعثه اللّٰه تعالیٰ لأهل نینوی بالعراق ولبث في بطن الحوت ثلاثة أیام بلیالیهن، وقد ورد اسمه فی القرآن وسمیت باسمه سورة کاملة ، وله سفر باسمه فی الکتاب المقدس یحوی قصته، ویسمی فی القرآن أیضاً باسم ذوالنون ، وهو یونس بن متی (أو امتای) ویتصل نسبه لبنیامین بن یعقوب ، ویونس هوالاسم الیوناني .

(۱۳) **حضرت ایوب علیہ السلام:** اللہ تعالیٰ کی دائمی اطاعت کرنے والے،اوررجوع کرنے والے کے معنی میں ہے۔

بالإنجلیزیة :Job

تقسیم الاسم یو ـــ هوب. ومعناه (مستقیم) أی الرجل المستقیم الذی یطیع اللّٰه علی الدوام أومعناه المضطهد بفتح الهاء ، وهو أیوب بن عوص بن رازح بن العیص بن إسحاق بن إبراهیم وتجلت معنی الاستقامة التي هي من اسمه في صبر أیوب علی البلاء الذی ابتلاه اللّٰه به ، ورد اسمه وجانب من قصته فی القرآن، وله سفر باسمه فی الکتاب المقدس وردت به قصته .

(۱۴) حضرت شعیب علیہ السلام: درست کرنے والے اور اصلاح کرنے والے، اور خراب لوگوں سے الگ ہونے والے۔

ولعله اسمه عربي فصيح تصغير شاعب أو شعب مثلاً ، لعل قومه قدسموه كذلك لأنه شاعبهم أو انشعب وأشعب عنهم ، فقد يكون اسم شعيب بمعنى الذى فارق دين قومه وزايله ، واعتزله ، والذى انقطع وابتعد وبان وانشق وانصدع عن ملتهم ﴿لتعودن في ملتنا﴾ [الاعراف:۸۸] **والذي انصرف وعدل عن سبيلهم ﴿إن عدنا في ملتكم بعد إذ نجانا اللّٰه منها وما يكون لنا أن نعود فيها﴾** [الاعراف:۸۹] **وبالآية ﴿انطلقوا إلى ظل ذى ثلاث شعب﴾**[المرسلات: ۳۰] **أى: فرق، وربما جاز إضافة احتمال أن شعيباً شعب قومه إلى شعبتين (طائفتين) ﴿وإن كان طائفة منكم آمنوا بالذي أرسلت به وطائفة لم يومنوا فاصبروا حتى يحكم اللّٰه بيننا وهو خير الحاكمين﴾** [الاعراف:۸۷].

وعند المقارنة بين هذا الجذر الكنعاني سعف ولهجة النادرة شعف، وبين الجذر العربي شعب ولهجاته مثل سعف وشعف، نلاحظ أوجه التشابه الشديد بين الجذرين الكنعاني والعربي، حتى كأنهما جذر واحد لفظ بطرق متنوعة حسب اللهجات واللغات (شعب، شعف، سئب شئف) فقد يأتي جذر سعف الكنعانى العبرى بمعنى غصن كالجذر العربى سعف، شعب أو بمعنى قطع وقلم وشذب (شعب،سعف) أوبمعنى الانقسام والتقلب والاختلاف (شعب،شعف) أوبمعنى التفرق (شعب) أوبمعنى شق وصدع جبل (شعف، شعب) . بالإنجليزية : Jethro يثرون .

ومعناه متفوق أو مشهور أو عظيم أو بارز أو مرموق وهو حمو النبي موسى الذى زوجه إحدى بناته وسمى متفوق لأنه كان بارعاً فى رعاية الغنم منذ صغره ؛ ورد اسمه وقصته مع قومه ومع موسى لكن دون تصريح موسى بالقرآن ، وورد اسمه وقصته مع موسى في سفر الخروج بالكتاب المقدس، وهو شعيب عليه السلام هو ابن ميكيل بن يشجر بن مدين بن إبراهيم الخليل ، وأم ميكيل هي بنت لوط عليه السلام .

(۱۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام: چھڑانے والے، اور پانی اور درختوں میں ملنے والے بچہ کے معنی

میں بھی ہے۔ بالإنجليزية : Moses تقسيم الاسم : موه ــ زيز.

وينطق بالعبرية (موشيه) ومعناه منقذ وبعدالتدقيق والتمحيض في أصل اللغة العبرية القديمة وجدت أن منقذ أقرب إلى مخلص، أو بمعنى الذى انتشل من الماء ، بفتح الشين ، وهو اسم عبري أومصري قديم، وهو موسى بن عمرام (أوعمران) بن قاهات بن لاوى بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم، ورد اسمه وقصته بالقرآن الكريم وورد اسمه وقصته بالكتاب المقدس في أسفار الخروج والعدد والتثنية واللاوين .

قال فى لسان العرب : موسى اسم النبي صلوات الله على محمد نبينا وعليه وسلم ، عربي معرب وهو مو أى ماء وسا أى شجر كان التابوت الذى كان فيه وجد بين الماء والشجر فسمى به وقيل: هو بالعبرانية موسى ومعناه الجذب لأنه جذب من الماء قال الليث: واشتقاقه من الماء والساج فالمو ماء و سا شجر . (لسان العرب:٦/٢٢٤، دارالفكر).

(۱۶) حضرت ہارون علیہ السلام :۔ عبری میں طاقت کے پہاڑ اورعربی میں ہیرون عمدہ قسم کی کھجور ہے،تواس کے معنی ہوں گے پیارے لذت والے اور فصیح اللسان۔

بالإنجليزية :Aaron تقسيم الاسم : هار ــ أون .

ومعناه (جبل القوة) وقال أهل اللغة العبرية: إن أصل الاسم يحتمل أن يكون هيرو غليفياً و ذلک لتأثر أم موسى وهارون عليها السلام بالبيئة المصرية التي سكنت فيها بنو إسرائيل، وهو شقيق موسى عليه السلام ، ولهما شقيقة تدعى مريم، لذلک كانت بنو إسرائيل أم المسيح كما ورد فى القرآن الكريم بكنيته ﴿ أخت هارون ﴾ ورد اسمه فى القرآن الكريم، واسمه وجانب من حياته في نفس الأسفار التي ذكربها موسى .

(۱۷) حضرت خضر علیہ السلام :۔ سرسبز اور شاداب کے معنی میں ہے۔

بالإنجليزية : Al-Khidr

نعت بمعنى الأخضر، لم يرد اسمه فى القرآن صراحةً لكنه ورد وصفه بأنه عبداً من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدناعلماً ، ووردت قصته مع موسى عليهما السلام في سورة الكهف ، وهو نبي جوال خفى عن العيون ، مخلد، ويوصف بأنه معلم الأنبياء وأنه

صاحب علم لدني .

من أين جاء اسم الخضر؟ ذكر القرطبي في تفسيره " الجامع لأحكام القرآن" في سبب تسمية الخضر بقوله وقال مجاهد: سمي الخضر لأنه كان إذا صلى أخضر ما حوله وروى الترمذي عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنما سمي الخضر لأنه جلس على فروة بيضاء فإذا هي تهتز خضراء "... كما ذكر نقلاً عن البخاري أن النبي موسى عليه السلام وفتاه يوشع وجدا الخضر وهو نائم على طنفسة خضراء على وجه الماء وهو متشح بثوب أخضر وذكر ابن كثير في البداية والنهاية وقال الخطابي : ... إنما سمي الخضر لحسنه وإشراق وجهه .

(۱۸) حضرت یوشع بن نون او یشوع بن نون علیہ السلام:۔

عبری زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غموم وہموم سے نجات پانے والا اور وشع کے معنی عربی میں ملانے اور بلند ہونے، اور پھولدار ہونے کے ہے۔

بالإنجليزية: Joshua,Joshua son of Nun

العبرية ...تقسيم الاسم : يهوه ــ يشوع.

ومعناه الله ينقذ أو يخلص أو يحرر...تحرير أوخلاص الله ، وهوابن نون من سبط أفرايم بن يوسف بن يعقوب هو ابن نون بن أليشمعة بن عميهود بن لعادان بنتخان بن باريعه بن أفرايم بن يوسف بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم . وله سفر باسمه في الكتاب المقدس وهو فتى وخادم موسى ووريثه في النبوة وقيادة بني إسرائيل من التيه إلى الأرض المقدسة بعد وفاة موسى عليه السلام . ولم يرد اسمه بالقرآن صراحةً ولا وردت قصته . إنما ورد في آية قال رجلان من الذين يخافون أنعم الله عليهما ادخلوا عليهم الباب فإذا دخلتموه فإنكم غالبون وعلى الله فتوكلوا إن كنتم مؤمنين ﴾

فالرجلان هما يوشع وكالب ، وفي آية ﴿ وإذ قال موسى لفتاه لا أبرح حتى أبلغ مجمع البحرين أو أمضي حقبا﴾ الفتى هو يوشع .

(۱۹) حضرت داؤد علیہ السلام:۔ *داود کے معنی محبوب کے ہیں اور بعض کتابوں میں* كان يداوى

امراض القلب لکھا ہے یعنی بیمار قلوب کے معالج اور اگر دئــــــدء سے ہو تو تیز دوڑنے والے کے معنی میں ہے، حضرت داؤد علیہ السلام میں یہ تمام صفات تھیں۔

بالإنجليزية : David.ومعناه مودود أو محبوب ، وهو كاتب المزمير المعروفة بمزامير داود وهي سفر من أسفار الكتاب المقدس وهي في تسبيح اللہ وهو نبي وملک لبني إسرائيل، وصلت مملكة إسرائيل فى عهد وعهد ابنه سليمان أوج عظمتها وعصرها الذهبى ثم بدأ انهيارها بعد ذلک، وهو محارب ... وراعى غنم وملک ونبي، وألان له اللّٰهُ الحديدَ ، وكان يصنع الدروع، ورد اسمه فى القرآن الكريم ، ويرى اليهود أن شعاره كان نجمة داود ، ووردت قصته فى سفر الملوک بالكتاب المقدس .

وهو داود بن يسى" إيشا" بن عوبيد بن بوعز "افصان" بن سلمون بن نحشون بن عميناداب بن إرام بن حصرون بن فارص بن يهوذا بن يعقوب " اسرائيل" بن إسحاق بن إبراهيم . أو هو داؤد بن إيشا بن عويد بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عميناذب بن أرم بن حصرون بن فارص بن يهوذا بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم .

(۲۰) حضرت سلیمان علیہ السلام:۔

اس کے معنی محفوظ ہونا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام جنات اور انسانوں کے شر سے محفوظ تھے۔

بالإنجليزية :Solomon العبرية ... بالعربية هو تصغير سلمان ...من السلامة والسلام والأمان، ومعناه كذلک بالعبرية وينطق بالعبرية شلومو، هوابن داود ، وهو نبى وملک بنى إسرائيل ...ووهبه اللہ قدرات لم يهبه لنبى ولا ملک سواه مثل معرفته لغة الحيوانات وتسخيره الجان والشياطين...وقصته مع بلقيس ملكة اليمن معروفة ، ورد اسمه فى القرآن و وردت قصته في سفر الملوک بالكتاب المقدس .

(۲۱) حضرت عزیر علیہ السلام:۔العزیر اوعزراً۔اس کا معنی ہے معین اور مددگار۔

بالإنجليزية: Ezra...ومعناه مساعد أو معين أو ناصر أو مؤازر أو مؤيد بكسر الياء في مؤيد وفتح الزاى في مؤازر...وبالعربية التعزير هوالمؤازرة والنصر...﴿ وعزروه ونصروه ﴾ وردت كذلک بالقرآن على نبينا محمد صلى اللہ عليه وسلم وورد اسمه فى

القرآن الكريم صراحةً فى آية ﴿ وقالت اليهود عزير ابن اللّٰه ﴾ فى سورة التوبة: ۳۰، ولكن ورد جانب من قصته فى سورة البقرة ﴿أو كالذين مر على قرية وهى خاوية على عروشها ، قال: أنى يحيى الأرض بعد موتها فأماته اللّٰه مأئة ثم بعثه قال: كم لبثت ، قال: لبثت يوماً أو بعض يوم ، قال: بل لبثت مائة عام فانظر إلى طعامك وشرابك لم يتسنه وانظر إلى حمارك ولنجعلك آية للناس وانظر إلى العظام كيف ننشزها ثم نكسوها لحماً ، فلما تبين له قال: أعلم أن اللّٰه على كل شيء قدير﴾ [البقرة: ۲۵۹] وقد اختلف فى صاحب القصة فقيل: إنه ارمياء Jeremiah او حزقيال Ezekielوالثلاثة انبياء لبنى اسرائيل ولكل منهم سفر فى الكتاب المقدس والثلاثة لم يصرح القرآن بأسمائهم .

وهو عزير بن شريه بن خلقيه بن عزريه بن شالوم بن صدوق بن أخطب بن أمريه بنعزريه بن يوحنان بن عزريه بن أخيمعص بن صدوق بن أخطب بن أمريه ماريوت بن زرحيه بن عازى بن بقى بن ايشوع بن فنحاس بن العزار بن نبى اللّٰه هارون بن عمران بن قاهات بن لاوى بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم .

(۲۲) حضرت شمویل علیہ السلام۔ سمویل یعنی اللہ تعالیٰ ان کی بات سنتے ہیں۔

بالإنجليزية: Samuel....تقسيم الاسم : سمو ـ ئيل وينطق بالعبرية شمويل .
معناه: اللّٰه قد سمع أو اللّٰه يسمع مثل اسم إسماعيل .

ولم يرد اسمه فى القرآن صراحةً ولكن ورد وصفه بالنبي فى الآيات ۲۴۶ إلى ۲۵۱ من سورة البقرة ﴿ ألم تر إلى الملأ من بنى إسرائيل من بعد موسى إذ قالوا لنبى لهم ابعث لنا ملكاً نقاتل فى سبيل اللّٰه﴾ ...وله سفران متتاليان باسمه وقصته فى الكتاب المقدس .

چوتھی صدی موسوی کے آخر میں عیلی کاہن نے بنی اسرائیل پر زبردست حملہ کیا تھا اور ان کے تابوتِ سکینہ کو ان سے چھین لیا تھا، اور یہ دور ظالم وجابر حکمراں جالوت کا تھا جس نے بنی اسرائیل کو مقہور ومغلوب کر رکھا تھا۔ عیلی کاہن کے بعد حضرت شموئیل علیہ السلام کو جو تقویٰ وطہارت میں ممتاز تھے منجانب اللہ منصبِ نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لیے مامور ہوئے۔ اور انہیں کی دعا اور درخواست پر اللہ تعالیٰ نے اولادِ یعقوب علیہ السلام میں سے ایک طالوت نامی شخص کو بادشاہ مقرر فرمایا، جنہوں نے جالوت کو شکست دی

اور حضرت داود علیہ السلام نے قبل از نبوت اس کو قتل کیا، پھر یہاں سے بنی اسرائیل کے عروج واقبال کا آغاز ہوا۔

(۲۳) حضرت یسع علیہ السلام۔ إليسع أو أليشع ،اس کا مطلب ہے: یاالٰہی نجات عطا کردے۔ بالإنجليزية : Elisha

تقسيم الاسم : ايلى ــ شوع . ومعناه الٰهى خلاص وانقاذ .

ورد اسمه فقط دون قصته في القرآن الكريم ووردت قصته في سفر الملوك بالكتاب المقدس، وهو خليفة إلياس في النبوة ، وهو اليسع بن عدى بن شوتم بن أفرائيم بن يوسف بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل .

حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ ہیں، بچپن ہی سے آپ کی رفاقت میں رہتے تھے، تعلیم وتربیت بھی حضرت الیاس علیہ السلام سے پائی، اور جب حضرت الیاس علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے حضرت الیسع علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا، آپ نے حضرت الیاس علیہ السلام ہی کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی قیادت فرمائی اور آخر عمر تک یہی خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کی زندگی کا یہ اہم نکتہ قابل ذکر ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی صحبت نے انھیں خلافت اور پھر نبوت سے سرفراز کیا، نیکوں کی صحبت حصولِ خیر کے لیے نہایت مؤثر ثابت ہوتی ہے، نیکوں کی صحبت کے چند لمحات بسا اوقات انقلابِ زندگی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

(۲۴) حضرت الیاس علیہ السلام۔ الیاس، او ایلیا، ایلیا یعنی میرا معبود اللہ تعالیٰ ہے، الیاس کے معنی شجاع اور بہادر کے ہیں۔ بخاری شریف کے حاشیہ پر توشیح اور کرمانی کے حوالہ سے لکھا ہے: **إليـــاس : الشجاع الذى لايفر .** (بخاری شریف: ۱/۵۴۳، رقم الحاشیة ۷).

بالإنجليزية: Elijah تقسيم الاسم : ايلى ــ ياهو . ومعناه الٰهى هويهوه ، وورد اسمه وجانب من قصته بالقرآن الكريم، ووردت قصته في سفر الملوك الثانى بالكتاب المقدس، وإلياس هو الاسم اليوناني أو الاغريقى لايليا ، وقد ذكر الطبرى له النسب التالى: هو إلياس بن ياسين بن فنحاص بن العيزار بن هارون ، فهو على هذا من ذرية هارون عليه السلام ، وهكذا يذهب نسبه صاعداً إلى إبراهيم عليه السلام ، نسب اليسع : جاء فى تاريخ الطبرى أنه: اليسع بن أخطوب وجاء فى تاريخ ابن خلدون أنه: اليسع بن أخطوب من سبط

أفرايم ، وقيل : هو ابن عم إلياس . وقال ابن عساكر : اسمه أسباط بن عدى بن شوليم بن أفرائيم . والله أعلم ، ومن المقطوع به : أن كلا من إلياس واليسع من بني إسرائيل ، ومن ذرية إبراهيم عليه السلام .

وهو إلياس بن العازر بن العيزار بن هارون بن عمران بن قاهث بن عازر بن لاوى بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل .

حضرت الیاس علیہ السلام حضرت حزقیل علیہ السلام کے جانشین اور بنی اسرائیل میں ایلیا نبی کے نام سے مشہور ہیں، اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے اس وقت ملک کا جو بادشاہ تھا بائیبل میں اس کا نام اخی آب مذکور ہے، اس کی بیوی بعل نامی بت کی پرستار تھی، حضرت الیاس علیہ السلام نے اللہ کی طرف دعوت دی اور بت کی پرستش سے منع کیا قوم مخالف ہوگئی اور ان کے قتل کے منصوبے بنائے، حضرت الیاس علیہ السلام روپوش ہوگئے، اور پورے ملک میں قحط سالی پھیل گئی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے باہر تشریف لائے اور قوم کو دعوت دی اور سچائی کے اثبات کے لیے سب نے قربانیاں کیں، حضرت الیاس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی کی آگ آئی اور لے گئی اور قوم اور بادشاہ نے بت کے نام پر کیں، بت کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا، تو لوگ ایمان لے آئے لیکن بادشاہ اور اس کی بیوی ایمان نہیں لائے اور پھر قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ ہجرت کر کے چل دئے۔

(۲۵) حضرت ذوالکفل علیہ السلام: ذوالکفل او عوبدیا، ذوالکفل کا مطلب بوجھ اٹھانے والے اور ذمہ داری لینے والے۔ وههنا قصة مذكورة فيما يلي :

الراجح أنه عوبديا :Obadiah كما نرى من إنجيل برنابا، وقيل إنه حزقيال ، وقيل إنه بشر بن أيوب عليه السلام، وهو من الأنبياء الصالحين، وكان يصلى كل يوم مائة صلاة ، قيل إنه تكفل لبنى قومه أن يقضى بينهم بالعدل، ويكفيهم أمرهم، ففعل فسمى بذى الكفل، وروى أنه كان فى عهد نبى الله اليسع عليه السلام ، وقد روى أنه لما كبر اليسع قال: لو أنى استخلفت رجلاً على الناس يعمل عليهم في حياتي حتى أنظر كيف يعمل ؟ فجمع الناس فقال: من يتقبل لي بثلاث استخلفه : يصوم النهار، ويقول الليل، ولايغضب، فقام رجل تزدريه العين فقال: أناْ، فقال: أنت تصوم النهار، وتقوم الليل، ولا تغضب ؟ قال: نعم ، لكن اليسع عليه السلام رد الناس ذلک اليوم دون أن يستخلف أحداً ، وفى اليوم التالى خرج

اليسع عليه السلام على قومه وقال: مثل ما قال اليوم الأول، فسكت الناس وقام ذلك الرجل فقال: أناْ ، فاستخلف اليسع ذلك الرجل ، فجعل إبليس يقول للشياطين ، عليكم بفلان، فأعياهم ذلك ، فقال: دعونى وإياه فأتاه في صورة شيخ كبير فقير، وأتاه حين أخذ مضجعه للقائلة ، وكان لا ينام الليل والنهار، إلا تلك النومة فدق الباب ، فقال ذوالكفل: من هذا ؟ قال: شيخ كبير مظلوم ، فقام ذوالكفل ففتح الباب ، فبدأ شيخ يحدثه عن خصومة بينه وبين قومه ، وما فعلوه به، وكيف ظلموه ، وأخذ بطول فى الحديث حتى حضر موعد مجلس ذوالكفل بين الناس، وذهبت القائلة ، فقال ذوالكفل، إذا رحت للمجلس فأتني آخذ لك بحقك .

فخرج الشيخ وخرج ذوالكفل لمجلسه دون أن ينام لكن الشيخ لم يحضر للمجلس ، وانفض المجلس دون أن يحضر الشيخ وعقد المجلس فى اليوم التالى، لكن الشيخ لم يحضر أيضاً ، لما رجع ذوالكفل لمنزله عند القائلة ليضطجع أتاه الشيخ فدق الباب ، فقال: من هذا ؟ فقال الشيخ الكبير المظلوم ، ففتح له فقال: ألم أقل لك إذا قعدت فأتني ؟ فقال الشيخ : إنهم أخبث قوم إذا عرفوا إنك قاعد قالوا لي نحن نعطيك حقك ، وإذا قمت جحدوني ، فقال ذوالكفل: انطلق الآن فإذا رحت مجلسى فأتني .

ففاتته القائلة ، فراح مجلسه وانتظر الشيخ فلا يره وشق عليه النعاس، فقال لبعض أهله : لاتدعن أحداً يقرب هذا الباب حتى أنام ، فإني قد شق على النوم ، فقدم الشيخ، فمنعوه من الدخول ، فقال: قد أتيته أمس ، فذكرت لذى الكفل أمرى ، فقالوا: لا واللّٰه لقد أمرنا أن لاندع أحداً يقربه، فقام الشيخ وتسورالحائط ودخل البيت ودق الباب من الداخل فاستيقظ ذوالكفل، وقال لأهله : ألم آمركم ألا يدخل علي أحد ؟ فقالوا: لم ندع أحداً يقترب، فانظر من أين دخل ، فقام ذوالكفل إلى الباب فإذا هو مغلق كما أغلقه ؟ وإذا الرجل معه فى البيت ، فعرفه فقال: أعدو اللّٰه؟ قال: نعم ، اعييتنى فى كل شيء ففعلت كل ما ترى لأغضبك . فسماه اللّٰه ذا الكفل لأنه تكفل بأمر فوفىٰ به .

وورد اسم ذوالكفل فى القرآن الكريم ولم ترد قصته ، ولعوبديا سفر باسمه فى

الكتاب المقدس .

(۲۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام: عيسى أو يسوع ، مفسرین نے ﴿اسمه المسيح عيسى بن مريم﴾ [آل عمران:٤٥] کے ذیل میں لکھا ہے کہ مسیح اصل میں ماشیحا بمعنی مبارک اور عیسیٰ اصل میں یسوع بمعنی السید ہے، یا اس کے معنی ہیں یا اللہ خلاصی اور نجات دیدے۔

بالإنجليزية :Jesus تقسيم الاسم : يا ـ سوع . بالعبرية ... ومعناه الرب هو الخلاص والانقاذ ... و هو صورة مختصرة من يوشع أو يشوع ، و لعل عيسى تعريب ليسوع ، و ورد اسمه وقصته فى الأناجيل الأربعة بالعهد الجديد من الكتاب المقدس وفى إنجيل برنابا، ووردت قصته فى القرآن الكريم .

وهو عيسى بن مريم بنت عمران بن ماثان بن العازر بن اليود بن أخنر بن صادوق بن عيازوز بن الياقيم بن ايبودبن زربيل بن شالتال بن يوحينا بن برشا بن امون بن ميشابن حزقا ايشا بن ايبا بن رحبعام بن سلمان بن داود .

أو هو المسيح عيسى بن مريم بنت عمران بن باشم بن امون بن ميشا بن حزقيا بن احريق بن موثم بن عزازيا بن امصيا بن ياوش بن احريهو بن يازم بن يهفاشاط بن ايشا بن اين بن رحبعام بن سليمان بن داود بن ايشاربن عويد بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عميناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن يهوذا بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل.

(۲۷) حضرت یحییٰ علیہ السلام: يحيىٰ أو يوحنا المعمدان . یحییٰ یعنی زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے۔ يوحنا يهوه حنان ، اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہیں۔

بالإنجليزية: John the Baptist تقسيم الاسم : يو ـ حنان، بالعبرية يوحنان ها ما تبيل، ومعنى يوحنان أو يوحنا يهوه حنان، وكريم وفضيل، لعل يحيى تعريب للاسم فى القرآن الكريم أو لعله فعل مضارع من الحياة ، وورد اسمه وجانب من قصته فى القرآن الكريم ، وهو ابن زكريا عليه السلام وأليصابات Elisabeth وأمه تربطها صلة قرابة بحنة Anne أم مريم Mary والتي هي أم المسيح ، وزوج حنة وأبو مريم هو يواكيم اويواقيم (عمران فى الاسلام Joachim) والذى معنى اسمه يهوه يقيم أويبنى أو يشيد أى بمعنى

العمران أيضاً، ووردت قصته في الأناجيل الأربعة بالعهد الجديد من الكتاب المقدس، وقد وردت قصة نذر أليصابات لجنينها للمعبد في سورة آل عمران بالقرآن الكريم، ولكن دون تصريح باسمها قط، ولم يرد اسم حنة أيضاً في القرآن الكريم فقط ورد اسم عمران و زكريا ويحيى وعيسى (المسيح) .

(۲۸) حضرت دانیال علیہ السلام: اس کا مطلب ہے: الملک للّٰہ یا الحکم للّٰہ یا القریب من اللّٰہ .

بالإنجليزية: Daniel تقسيم الاسم : داني ــ ئيل، معناه (قضا اللّٰه) أى حكم ؛ وئيل كما ذكرت تعنى اللّٰه كبيت ئيل التى تعنى بيت اللّٰه ودان تعنى قضى وهو من القضاء أى الحكم وليس القضاء أى الحكم وليس القضاء ملازم القدر .

(۱) دانیال دان اور ایل سے مرکب ہے دان یعنی دنیا اور ایل اللہ تعالیٰ کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہوگا کہ کائنات اللہ تعالیٰ کے لیے ہے " الملک للّٰہ "۔

(۲) یا دانی بمعنی قریب اور آل ایل کی طرح ایک لغت ہو، اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب۔

(۳) الحکم للّٰہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق فیصلہ کرنے والے۔ (تاج العروس:۷/۳۲۶)۔

تاج العروس میں ہے:

دانال أهمله الجوهرى والصاغانى، وفى المحكم : اسم أعجمي وقد أجحف به المصنف، كابن سيده ، وقصر في بيانه لغاته ، وقال جماعة فيه: دانيال أيضاً ، وهو المعروف المشهور على الأسنة ، وهو اسم نبى غير مرسل ، كان في زمن بختنصر، وكان من أعز الناس عنده وأحبهم إليه، فوشوا به، فألقاه وأصحابه فى الأخدود ، كما هو المشهور، وقيل معناه : الحكم للّٰه. (تاج العروس:۲۸/۵۰۵).

كتاب العين میں مرقوم ہے:

ودانيت بين الشيئين: قاربت بينهما...ودانيا لغة فى دانيال اسم نبى من بنى إسرائيل. (كتاب العين:۷۵).

جمهرة اللغه میں ہے:

وقال الليث: الدنوغير ممهوز مصدر دنا يدنو فهو دانٍ وسميت الدنيا لأنها دنت وتأخرت الآخرة ، وكذلك السماء الدنيا هى القربى إلينا، والنسبة إلى الدنيا دنياوى ... قال ودانيا نبي من بني إسرائيل يقاله له: دانيال...ثعلب عن ابن الاعرابى : الدنى ما قرب من خير أو شر. (جمهرة اللغة:١٤/١٣٣).

(۲۹) حضرت زکریا علیہ السلام: یھوہ یتذکر ، یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے ساتھ یاد کرتا رہتا ہے، یا یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریگا۔اس میں عربی میں ذال کی جگہ زاء آ گئی۔

بالإنجليزية Zachariah تقسيم الاسم : زكر ـ ياهو . ومعناه يهوه يتذكر أو اللّٰه يتذكر، وقد قال اللّٰه فى مطلع سورة مريم: ذكر رحمة ربك عبده زكريا، كأنه يفهمنا معنى الاسم وهو زوج اليصابات وقريب عيسى أو يسوع بالمصاهرة ، ووالد يحيى أو يوحنا المعمدان ، وورد اسمه وجانب من قصته فى القرآن الكريم وورد اسمه وقصته فى الأناجيل الأربعة من العهد الجديد بالكتاب المقدس .

وهو زكريا بن لدن بن مسلم بن صدوق بن حشبان بن داود بن سليمان بن مسلم بن صديقة بن برخيا بن بلعاطة بن ناحور بن شلوم بن بهناشاط بن غينامن بن رحبعام بن سليمان بن داود بن ايشار بن عويد بن عابر بن سلمون بن نحشون بن عميناذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن يهوذا بن يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم الخليل .

(۳۰) آخر الانبیاء وخاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ بہت کثرت سے تعریف کئے گئے اور احمد کے معنی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے یا سب سے زیادہ تعریف کئے ہوئے۔

بالإنجليزية Muhammad خاتم الأنبياء والمرسلين، سيد الكونين، سيد ولد آدم، نعت على وزنِ مفعَّل ومركب . وهو من الفعل المبنى للمجهول حمِّد والتشديد اى المشكور والمثنى عليه بفتح النون ، والمحمود حمداً متكرراً وكثيراً ، وللنبى عدة اسماء من الفعل حمد، محمد ،أحمد ، محمود ،حامد، حميد .

حين ولد الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم أقام جده عبد المطلب مأدبة دعا إليها جميع أفراد قبيلة قريش الذين أكلوا من عقيقة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وسألوا عبد المطلب:

ماذا سميته ؟ فقال: سميته محمداً ، فنظر القوم إلى بعضهم البعض بدهشة لأن الاسم غريب على آذانهم لم تعرفه العرب قبل ذلک .

وكان اللّٰه تبارک وتعالیٰ ادخر هذا الاسم وألهم عبد المطلب به ويقع أمراً مكتوباً فی اللوح المحفوظ منذ خلق آدم عليه السلام وان نبی آخر الزمان اسمه محمد .

وسألته قريش لم رغبت عن اسماء أجدادک وآبائک ؟

فقال: أردت أن يحمده اللّٰه وأهل السماء فی السماء ...ويحمده أهل الأرض فی الأرض ...

هناک ملايين المسلمين اسمهم محمد لكن أحد منهم لم يفكر فی معنى اسمه ولم يحس بمعناه ! النبی يعلق على اسمه فی حديث البخاری ويقول: أناْ محمد وأناْ أحمد وأناْ الماحی وأناْ الحاشر وأناْ العاقب. رواه البخاری ومسلم . وللنبی اسماء كثيرة جداً وردت مجموعة فی كتاب دلائل الخيرات للجزولی .

فما معنى كلمة محمد ؟ محمد من صفة الحمد فهوالذی يحمد و يحمد ويحمد فلا يحمد مرة واحدة فقط بل مرات ومرات وذلک من عظيم أفعاله فيحمد كثراً فصار محمداً .

وماذا يعنی أحمد ؟ صيغة أفعل تفضيل، أی هو أحمد الحامدين على الإطلاق فلا أحد يحمد اللّٰه مثله .

وبهذا فإن محمداً يحمده الناس كثيراً على أفعاله ، وكذلک محمد اسم مفعول، وأحمد هو أعظم من حمد اللّٰه سبحانه وتعالیٰ ، أفلا يجدر بنا أن نفتخر بأنه محمد وأحمد؟

هو محمد [صلی اللّٰه عليه وسلم] بن عبد اللّٰه بن عبد المطلب، واسم عبد المطلب: شيبة بن هاشم واسم هاشم : عمرو بن عبد مناف، واسم عبد مناف : المغيرة بن قصی واسم قصی : زيد بن كلاب بن مرة بن كعب بن لؤي بن غالب بن فهر بن مالک بن النضر بن كنانة بن خزيمة بن مدركة ، واسم مدركة : عامر بن إلياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن (اد ، ويقال) ادد بن مقوم بن ناحور بن تيرح بن يعرب بن يشجب بن نابت بن

إسماعيل بن إبراهيم ـ خليل الرحمٰن ـ بن تارح وهو آزر بن ناحور بن ساروغ بن راعوبن فالخ بن عيبر بن شالخ بن أرفخشذ بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ ، وهو إدريس النبي فيما يزعمون والله أعلم، وكان أول بني آدم أعطى النبوة ، وخط بالقلم ، ابن يرد بن مهليل بن قينن بن يانش بن شيث بن آدم عليه السلام .

چند اور انبیاء ہیں جن کا نام یا قصہ قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ہے لیکن تورات میں ان ذکر آیا ہے، ان کے اسماء درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۳۱) حضرت ارمیاء علیہ السلام: ارمیاء: اللہ تعالیٰ کا مرتبہ بلند ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علوشان کو بیان کرنے والا۔ Jeremiah یا ارم سے ہے جس کے معنی رہنمائی کے لیے لگایا ہوا نشان، نبی ہدایت کی نشانی ہے۔

معناه: الرب يسمو أو يتعالى أو يعلو. أومعناه (الرب يؤسس أويثبت) یعنی اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

وهو ابن حلقيا الكاهن ، وهو في العهد القديم أحد الأنبياء الكبار مثل: أشعيا وحزقيال ودانيال وقد ظهر في زمن الملك يوشيا إلى سقوط أورشليم، ولايعرف شيء عن تاريخ ومكان موته ، وينسب إليه سفر ارمياء الذى كتبه صديقه باروخ بن نيريا .

(۳۲) حضرت حزقیال علیہ السلام: Ezekiel اللہ تعالیٰ کی قوت ان کے ساتھ ہے۔ عربی میں حزق کے معنی لوگوں کی جماعت یعنی جو شخص پوری جماعت کے برابر ہو، اور اس لفظ میں منع کرنے کے معنی بھی ہے۔ ومعناه قوة الله . أو معناه : الله يقوى، یعنی اللہ قوی بنادے۔

تقسيم الاسم : حزقي ـ إيل . و هو ابن بوزى من عشيرة كهنونية ، ويعتبرون أحد الأنبياء الكبار، وقد نشأ في فلسطين زمن النبي ارمياء ، ثم حمل مسبياً مع ملک يهوذا (يهوباكين) إلى أرض بابل أثناء الغزو البابلي ، ولايعرف وقت ومكان موته ، وينسب إليه سفر حزقيال .

حزقیل یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہیں، حضرت حزقیل علیہ السلام کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا، ماں کی زیر پرورش رہے، اور جس وقت نبوت سے سرفراز ہوئے، ماں نہایت

معمر وضعیف ہو چکی تھی اسی وجہ سے ان کو تورات میں ابن العجوز (بڑھیا کا بیٹا) کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام نے عرصہ دراز تک بنی اسرائیل کی رہنمائی وقیادت کی ہے تاہم ان کا اسم مبارک قرآنِ کریم میں موجود نہیں البتہ سورۂ بقرہ میں ایک بیان کردہ واقعہ کے متعلق عام مفسرین کا خیال ہے کہ وہ واقعہ انہی سے منسوب ہے۔

واقعہ مختصر یہ ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کو جہاد کا حکم ہوا تو قوم نے انکار کر دیا اور بھاگ گئی تو اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور سب موت کی آغوش میں چلے گئے، حضرت حزقیل علیہ السلام کا اس طرف گزر ہوا تو ان کی حالت پر نہایت افسوس ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور معذرت پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے موت کے عذاب سے نجات دی، پھر انہوں نے حضرت حزقیل علیہ السلام کی رہنمائی میں زندگی بسر کی۔ (بقرہ:۲۴۳)۔

ملاحظہ: انبیائے کرام علیہم السلام سے متعلق مذکورہ بالا تحقیقات درجِ ذیل چند کتب سے ماخوذ ہیں:

(معانی اسماء الانبیاء۔لابن الشریف، وموسوعۃ الکتاب المقدس لسحادۃ بشیر، و موسوعۃ الیھودوالیھودیۃ، لعبدالوہاب المسیری، وسیرت الانبیاء)۔ نیز لغات کی کتابوں سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ہم نے اپنی آراء بھی شامل کی ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضور کی ناقہ کا نام:

سوال: جس ناقہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت سوار تھے اس کا نام کیا تھا؟

الجواب: اس بارے میں روایات مختلف ہیں بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام جدعاء، عضباء، یا قصواء تھا، اور ایک قول کے مطابق یہ سب ایک ہی اونٹنی کے القاب تھے۔

ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

وكانت له الناقة التي هاجر عليها من مكة تسمى القصواء والعضباء والجدعاء وكانت شهباء، وفي حاشيته: قال ابن الأثير في جامع الأصول (٦٦١/٨): القصواء لقب ناقة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولم تكن قصواء فإن قصواء هي المشقوقة الأذن. (تاريخ الاسلام ١/ ٥٢٠).

علامہ سیوطیؒ الشمائل الشریفہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وكانت له ناقة تسمى القصواء...قيل وهي التي هاجر عليها... وجاء في خبر أن له

ناقة تسمى العضباء وناقة تسمى الجدعاء فيحتمل أن كل واحدة صفة ناقة مفردة ويحتمل كون الكل صفة ناقة واحدة فيسمى كل واحد منهم بما يخيل فيها. (الشمائل ،ص۲۲۷).

وفي المقتفى من سيرة المصطفى: وكانت له ناقة تسمى العضباء هاجر عليها إلى المدينة . (ص۳۷).

وقال في سبل الهدى والرشاد ؛ روى ابن سعد عن موسى بن محمد بن إبراهيم التيمي عن أبيه قال: كان القصواء من نعم بني الحريش ابتاعها أبوبكر بأربعمائة ، وكانت عنده حتى نفقت، وهي التي هاجر عليها، وكانت حين قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة رباعية ، وكان اسمها القصواء والجدعاء والعضباء . (سبل الهدى:۴۰۸/۷).

وكذا في عيون الأثر: (۴۱۱/۲). والسيرة الحلبية: (۵۷/۲). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ملائکہ کے نام پر نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا اپنے بچوں کے نام ملائکہ کے نام پر رکھنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسے نام نہیں رکھنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس قسم کے نام نہیں رکھنے چاہئے اگر چہ روایت ضعیف ہے تاہم فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ اسماء جن کا رواج سلفِ صالحین کے زمانہ میں نہ ہو اور وہ معروف ومشہور نہ ہوا یسے ناموں کا نہ رکھنا بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن جراد قال: صحبني رجل من مؤتة فأتى النبي صلى الله عليه وسلم وأناْ معه فقال: يا رسول الله ولد لي مولود فما أخير الأسماء قال: إن أخير أسمائكم الحارث وهمام ونعم الاسم عبد اللّٰه وعبد الرحمن وسموا بأسماء الأنبياء ولاتسموا بأسماء الملائكة ، قال: وباسمک قال: وباسمي ولاتكتنوا بكنيتي. قال الإمام البخاري في غيرهذه الرواية : في إسناده نظر. (رواه البيهقي في شعب الايمان ،رقم: ۸۲۶۸).

قلت: إسناده ضعيف ، فيه : وأورده الإمام السيوطي في الجامع الصغير (۴۷۱۷) ورمز له بالضعف. وأخرجه الإمام البخاري في تاريخه (رقم:۶۳) عن عبد اللّٰه بن جراد وقال: في

إسناده نظر. وابن عساكر في تاريخ دمشق :(٢٤٢/٢٧) .

قال الإمام البغويؒ في شرح السنة : ويكره التسمي بأسماء الملائكة مثل جبريل وميكائيل، لأن عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه قدكره ذلك، ولم يأتنا عن أحد من الصحابة ولا التابعين أنه سمى ولداً له باسم أحد منهم ، هذا قول حميد بن زنجويه. (شرح السنة للامام البغویؒ: ٣٣٦/١٢،ط: المكتب الاسلامی).

قال الإمام النوويؒ : وقد كره بعض العلماء التسمي باسماء الملائكة وهو قول الحارث بن مسكين قال: وكره مالك التسمي بجبريل وياسين . (شرح مسلم : ١١٧/١٤، ط: بيروت).

وزاد العلامة العيني بقوله: وكره مالك التسمي بجبريل وإسرافيل وميكائيل ونحوها من أسماء الملائكة وعن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: ما قنعتم بأسماء بني آدم حتى سمعتم بأسماء الملائكة . (عمدة القارى: ٢٥٥/٢٢).

فقہائے کرام کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال العلامة ابن عابدين الشاميؒ: تتمة : التسمية باسم لم يذكره الله تعالىٰ في عباده ولا ذكره رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يستعمله المسلمون تكلموا فيه الأولى أن لايفعل . (فتاوى الشامى:٤١٧/٦،سعيد). (وكذا فى الفتاوى الهندية: ٣٦٢/٥، والمحيط البرهانى :٢٥٥/٥،ط:داراحياء التراث العربى، ونصاب الاحتساب ،ص ٣٠٢، الباب الخامس والاربعون فى الاحتساب على من يفعل فى جسده اوشعره اوفى اسمه بدعة).

الفواكه الدوانى میں ہے:

وكره مالك التسمية بجبريل، وكرهها الحارث بأسماء الملائكة . (الفواكه الدوانى :٢/ ٨٧٦).

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

مذهبنا ومذهب الجمهور جواز التسمية بأسماء الأنبياء والملائكة صلوات الله وسلامه عليهم أجمعين ولم ينقل فيه خلاف إلا عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه نهى عن التسمية بأسماء الأنبياء وعن الحارث بن مسكين أنه كره التسمية باسماء الملائكة ، وعن

مالک كراهة التسمية بجبريل وياسين. (المجموع شرح المهذب :۸/۴۳٦).

(وكذا في حاشية البجيرمي على الخطيب : ۲٥٦/۱۳،ومغنى المحتاج :۲۹٥/۴،ط:دارالفكر).

دلیل الطالب میں مرعی بن یوسف الحنبلی لکھتے ہیں:

ولا بأس بأسماء الملائكة والأنبياء . (دليل الطالب لنيل المطالب:۱/۱۱٥).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

التسمية بأسماء الملائكة: ذهب أكثر العلماء إلى أن التسمية بأسماء الملائكة كجبريل وميكائيل لا تكره . وذهب مالك إلى كراهة التسمية بذلك ... (الموسوعة الفقهية الكويتية:۳۳٥/۱۱). (وكذا في مطالب اولى النهى :۴۹٥/۲،المكتب الاسلامى). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

میکائیل نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے بیٹے کا نام میکائیل رکھنا چاہتا ہے تو کیا ایسا نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض علماء مثلاً امام مالکؒ وغیرہ مکروہ فرماتے ہیں ہاں اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن بہتر نہیں ہے ایک ضعیف حدیث سے بھی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال العلامة ابن عابدين الشاميؒ: تتمة : التسمية باسم لم يذكره الله تعالىٰ في عباده ولا ذكره رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يستعمله المسلمون تكلموا فيه الأولى أن لايفعل . (فتاوى الشامى:۴۱۷/٦،سعيد).(وكذا فى الفتاوى الهندية: ۳٦۲/٥، والمحيط البرهانى :۲٥٥/٥،ط:داراحياء التراث العربى، ونصاب الاحتساب ،ص ۳۰۲، الباب الخامس والاربعون فى الاحتساب على من يفعل فى جسده اوشعره اوفى اسمه بدعة).

مزید تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مشہور چار فرشتوں کے نام کے معانی:

سوال: جبرئیل ،میکائیل ،اسرافیل اورعزرائیل ان ناموں کے معانی کیا ہیں ،برائے مہربانی مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں؟

الجواب: سوال میں مذکورہ فرشتوں کے ناموں کے معنی امام سیوطیؒ نے ''الدرالمنثور'' (۱/۲۲۵، ط: دارالفکر) میں عبداللہ لکھے ہیں، لیکن اگران کوعربی کی طرف سے کھینچ لینے کی کوشش کریں تو جبر کے معنی ٹوٹے ہوئے کو درست کرنا اور ایل اللہ کے معنی میں ہے یعنی جوٹوٹنے والوں کو اللہ سے وحی لانے کے ذریعہ ملاتے ہوں، میکائیل ممکن ہے کہ اصل میں مہک اور ایل ہو مہک بمعنی نرم یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی اور رحمت والے کاموں پر مقرر، جیسے بادل، بارش اور اسرافیل اسراف اور ایل ہو کیونکہ جب وہ صور پھونکیں گے تو بہت اسراف اور زور کے ساتھ صور کی آواز نکلے گی جو دنیا کے نظام کو درہم برہم کردے گی اور عزرائیل میں عزر کے معنی منع کرنا وہ موت کا پیغام لاکر آدمی کو دنیوی حرکت اور چلت پھرت سے منع کرتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ہر نام کے شروع میں محمد لگانے کا حکم:

سوال: میرا نام محمد یعقوب ہے اور میرے بیٹے کا نام سلطان محمد ہے بعض عرب اس پر معترض ہیں کہ نام ایک ہونا چاہئے یہ تو دو نام ہوگئے، اس کا کیا جواب ہے؟ اور اس طرح مرکب دو نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: عجم میں مرکب نام رکھنے کا رواج ہے جس میں ایک اسم محض اور دوسرا تمیز پیدا کرنے کے لیے بطورِ لقب نیک فالی کے لیے ہوتا ہے، مثلاً محمد اسم محض ہوگا اور یعقوب تمیز کے لیے بطورِ تفاول: اللہ تعالیٰ کرے کہ ان کی صالح نسل چلے، اسی طرح سلطان محمد میں محمد نام اور سلطان بطورِ تفاول لقب ہوگا کہ اللہ کرے کہ اس کو غلبہ مل جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کنیت والے اسماء کا حکم:

سوال: ہمارے محلّہ میں ایک لڑکے کا نام ابوذر اور ایک کا نام ابو ہریرہ ہے یہ دونوں صحابہ کرام کے نام ہیں، لیکن ان ناموں کا کیا مطلب ہوگا؟

الجواب: اس قسم کے نام نیک فالی اور برکت کے لیے رکھے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو صحابہ کرام کی طرح بنادیں، نیز ان کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذر کے معنی فصل بونا اور زراعت کرنا ہے تو ابوذر کا مطلب فصل بونے والا یعنی لوگوں کو خیر پہنچانے والا اور ابو ہریرہ کا مطلب بلی پالنے والا یعنی کمزوروں کی مدد کرنے والا حتی کہ کمزور جانوروں کی خدمت کرنے والا، اسی طرح ابوبکر کا مطلب جوان اونٹ والا، یعنی جوان

اونٹ کو پالتا ہے تاکہ اس کو دین کی خدمت میں استعمال کرے اور اس سے اپنا گزارہ بھی کرے پہلے زمانہ میں اونٹوں کو گھوڑوں کیطرح جہاد اور دینی کاموں میں استعمال کرتے تھے، یاد رہے کہ اب اور ابن لگانے کا ایک مطلب صاحب ہوتا ہے، جیسے ابولہب لہب والا، ابن السبیل، صاحب السبیل راستہ والا۔

نیز اب کے معنی: مالک، صاحب، موجد، شوہر وغیرہ بھی آتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے: (القاموس الوحید: ۱/۱۰۶، ولسان العرب: ۱۳/۱۴، ط: دار الفکر، وفتح الباری: ۱/۵۹۹، وارشاد الساری: ۹/۱۱۶، والمعجم الوسیط، ص ۴، وشرح الابی: ۱۴/۲۹۴). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

رضا نام کا صحیح تلفظ:

سوال: میرا نام رضا ہے یہ راء کے زبر کے ساتھ ہے یا زیر کے ساتھ، جب کہ عام طور پر لوگ زبر کے ساتھ رضا کہتے ہیں تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: رِضا یہ عربی لفظ ہے اور عربی میں راء کے زیر کے ساتھ آتا ہے راء کا فتحہ صحیح نہیں۔ یہ اسم مصدر ہے اس کے معنی خوشنودی اور خوشی اور راضی ہونا ہے۔

ہاں عرف میں لوگ اردو میں بولتے وقت اعراب کا زیادہ لحاظ نہیں کرتے اس وجہ سے بولتے وقت رَضا زبر کے ساتھ ٹھیک ہے اس کو غلط نہیں کہیں گے، عربی کے بے شمار الفاظ ایسے ہیں جو اردو زبان میں مستعمل ہیں لیکن اعراب میں تلفظ درست نہیں ہے، اگر چہ اردو میں صحیح اور ٹھیک ہیں۔ مثلاً فلاں کا یہ موقف ہے، فلاں کو یہ منصَب حاصل ہوا، فلان اپنے مقصَد میں کامیاب ہوا، فلاں کو بہت خزانہ حاصل ہوا، یہ الفاظ عربی میں کسرہ کے ساتھ صحیح ہیں، لیکن اردو میں زبر کے ساتھ مستعمل ہیں، اور مستقبل اردو میں کسرہ کے ساتھ مستعمل ہے اور عربی میں فتحہ کے ساتھ بھی آتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ناموں میں تصغیر کا حکم:

سوال: میں نے اپنے بیٹے کا نام عبید الرحمٰن رکھا کسی نے بتایا کہ عبید عبد کی تصغیر ہے اور تصغیر حقارت کے لیے ہوتی ہے لہذا عبد الرحمٰن کر دو، اب سوال یہ ہے کہ کیا میں اپنے بیٹے کا نام تبدیل کر دوں، یا اس کے اچھے معنی بھی ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تصغیر کئی معانی کے لیے آتی ہے ان میں ایک معنی شفقت ومہربانی ہے، بنابریں عبیدالرحمٰن کا مطلب یہ ہوگا کہ رحمٰن کا پیارا بندہ۔ اور یہ معنی بہت اچھے ہیں جیسے عبیداللہ یعنی اللہ کا پیارا بندہ، اس لیے نام تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں بہت اچھا نام ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ آلوسی قاضی بغداد فرماتے ہیں:

يا بني : تصغير إشفاق ومحبة لا تصغير تحقير. (روح المعانی:۲۱/۸٤).

حاشیۃ الجمل علی الجلالین میں مرقوم ہے:

قوله: تصغير إشفاق أي محبة . (حاشية الجمل على الجلالين:۳/٤۰۳،داراحياء التراث العربى).

(وكذا فى تفسير البيضاوى ،ص۷۴۷، وتفسير السراج المنير:۳/۱۶۴، وتفسير ابى السعود:۷/۷۱، والتفسير المظهرى: ۱/۳۰۲٦).

ملاحظہ ہو شرح شافیہ ابن حاجب میں مرقوم ہے:

أقول: يعني المصغر ما زيد فيه شيء حتى يدل على تقليل، فيشمل المهمات كذياك واللذيا وغيرهما، والتقليل يشمل تقليل العدد كقولك : عندى دريهمات ، أى أعدادها قليلة وتقليل ذات المصغر بالتحقير حتى لايتوهم عظيماً نحو كليب ورجيل ، ومن مجاز تقليل الذات التصغير المفيد للشفقة والتلطف وكقولك يابني ويا أخي وأنت صديقى، وذلك لأن الصغار يشفق عليهم ويتلطف بهم ، فكنى بالتصغير عن عزة المصغر على من أضيف إليه، ومن ذلك التصغير المفيد للملاحة كقولك هو لطيف مليح... (شرح شافية :۱/۱۹۰).

النحو الوافی میں مرقوم ہے:

تعريفه: تغيير يطرأ على بنية الاسم وهيئته ؛ فيجعله على وزن" فعيل" أو: فعيعل ، أو فعيعيل، بالطريقة الخاصة المؤدية إلى هذا التغيير؛ فيقال في بدر: بدير ، وفي درهم دريهم، وفي قنديل قنيديل...وتسمى الأوزان الثلاثة : صيغ التصغير ، لأنها مختصة به ، وليست جارية على نظام الميزان الصرفى العام .

الغرض منه : تحقيق أحد الأمور الآتية بأوجز الرموز اللفظية :

(۱) التحقير؛ نحو: جبيل ، عويلم ، بطيحل في تصغير: جبل، وعالم ، وبطل .

(۲) تقليل جسم الشيء وذاته ؛ نحو: وليد ، طفيل ، كليب .

(۳) تقليل الكمية والعدد ، كدريهمات ، ووريقات في مثل : اشتريت كتاباً بدريهمات ، يضم وريقات نافعة .

(۴) تقريب الزمان : كقبيل وبعيد ، مثل : يستيقظ الزارع قبيل الفجر، وينام بعيد العشاء ، أى : قبل وقت الفجر وبعد وقت العشاء بزمن قريب منهما .

(۵) تقريب المكان : مثل ؛ فويق ، وتحيت ، في قول القائل: بينى وبين النهر فويق الميل ، وتحيت الفرسخ ، وقد يكون المكان معنوياً ، يراد منه المنزلة والدرجة ، نحو فضل الوالدين فويق فضل الأولاد وتحيت فضل الأجداد.

(٦) التحبب وإظهار الود: نحو: ياصديقى ، بنيتى .

(۷) الترحم ؛ أى إظهار الرحمة والشفقة ، نحو : هذا البائس مسيكين ...

(٨) التعظيم؛ كقول أعرابي : رأيت مليكاً نهاية الملوك ، وسييفاً من سيوف الله تتحطم دونه السيوف ...

(۹) الاختصار اللفظى مع إفادة الوصف ، كالذى في مثل : نهير ، بمعنى نهر صغير .

(النحو الوافی: ٤/٦٨٣). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر اللہ پر قیوم کے اطلاق کا حکم:

سوال: بعض لوگ مجددِ الفِ ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قیوم الزمان کہتے ہیں، نیز عبدالقیوم کو قیوم کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے یا نہیں، کیا ''القیوم'' اللہ تعالیٰ کے مخصوص ناموں میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض صوفیہ حضرات اللہ تعالیٰ کی صفتِ قیوم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے اور ان صوفی بزرگوں پر اس کا اطلاق جائز سمجھتے ہیں جو بہت جاگتے ہوں اور ہر وقت اعمالِ صالحہ میں لگے رہتے ہیں، لیکن صوفیہ حضرات کے اس قول کے ساتھ فقہاء اور محدثین کا اتفاق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء دو قسم پر ہیں:

(۱) مشترک؛ جو دوسروں کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، مثلاً: رحیم، کریم، رشید، علی وغیرہ۔

لیکن علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ جس کا نام عبدالرحیم عبدالکریم وغیرہ ہوتو عبدلگا کراستعمال کرنا زیادہ مناسب ہے۔

ملاحظہ ہو: **قال في الدرمختار: وجاز تسمية بعلي و رشيد من الأسماء المشتركة ويراد في حقنا غير ما يراد في حق الله تعالىٰ لكن التسمية بغير ذلک في زماننا أولىٰ لأن العوام يصغرونها عند النداء قال ابن عابدين: وهذا مشتهر في زماننا حيث ينادون من اسمه عبد الرحيم وعبد الكريم أو عبد العزيز مثلاً فيقولون : رحيم ، وكريم ، وعزيز.** (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٤١٧،سعيد).

(۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص: جن کا استعمال اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ جائز نہیں ہے۔مثلاً: الرحمٰن، قیوم،قدوس،رزاق،غفار، جبار وغیرہ۔

اگر دوسری قسم کے اسماء کوکسی غیر اللہ کے ساتھ متصف کر کے اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہی کا ارادہ کیا جائے تو یہ کفر ہے۔تو اس معنی کے اعتبار سے حضرت مجددِالفِ ثانیؒ کو قیوم الزمان کہنا بالکل جائز اور درست نہیں ہوگا، کیونکہ القیوم کا معنی ہے کائنات کی ہر چیز کی نگرانی کرنا اوراس کی خبر رکھنا۔یہ صفت اللہ تعالیٰ کے غیر میں ہرگز نہیں ہوسکتی، البتہ لغوی معنی کے اعتبار سے کسی بندہ پر قیومیت کا اطلاق کرنا کہ فلان بھی بہت زیادہ نگران ہے یعنی خوب اچھی طرح نگرانی کرتا ہے تو ٹھیک ہے لیکن مناسب نہیں ہے۔

چنانچہ شیخ محی الدین عربی لکھتے ہیں کہ ایک معتزلی العقیدہ عالم قیومیت کواللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھتے تھے، میں نے اس کو سمجھایا کہ ’’ **الرجال قوامون على النساء**‘‘ میں رجال کوقوام کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ قیوم ہوسکتا ہے، پھر کچھ ملاقاتوں کے بعد اس نے معتزلی عقائد سے توبہ کر لی۔

اس کے بعد شیخ اکبر لکھتے ہیں:

ولا فرق عندنا بينها (أى: القيومية) و بين سائر الأسماء الإلهية كلها فى التخلق بها.

(الفتوحات المكية : ٢/١٨٢، الباب الثامن والتسعون فى معرفة مقام السهر،ط: دارالفكر).

شیخ عبدالوہاب شعرانی تحریر فرماتے ہیں:

فهل يصح لأحد التخلق بالقيومية الذي هو السهر الدائم ليلاً ونهاراً ؟ فالجواب كما قال الشيخ فى الباب الثامن والتسعين: إنه يصح التخلق به كباقى الأسماء الإلهية ... وليس ذلک من خصائص الحق . (اليواقيت : ١/٧١).

لیکن فقہاء اور محدثین اسمِ قیوم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں ملاحظہ کیجئے مجمع الانہر میں ہے:

إذا أطلق على المخلوق من الأسماء المختصة بالخالق نحو القدوس والقيوم والرحمن يكفر. (مجمع الانهر: ۱/۶۹۰).

یہ کفر تب ہوگا جب کہ اس شخص کے بارے میں ہر چیز پر نگرانی یا خالق ہونے یا تمام عیوب اور عوارض سے پاک ہونے کا عقیدہ رکھا جائے۔

ملاعلی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں:

ومن قال لمخلوق: يا قدوس، القيوم، أو الرحمن، أو قال: أسماء من أسماء الخالق كفر، وهو يفيد أن من قال لمخلوق: ياعزيز ونحوه يكفر أيضاً، إلا أن أراد بهما المعنى اللغوى لا الخصوص الاسمي، والأحوط أن يقول: يا عبد العزيز، يا عبد الرحمن. (شرح الملاعلى القارى على الفقه الاكبر، ص۱۹۳).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وذهب الأعلم إلى أنه (أي:الرحمن) علم كالجلالة لاختصاصه به تعالىٰ وعدم إطلاقه على غيره تعالىٰ معرفاً ومنكراً ... قال السبكي: والحق أن المنع شرعي لا لغوي، وأن المخصوص به تعالىٰ المعرف. (فتاوى الشامى: ۱/۷، سعيد).

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اسماء اگرچہ لغت کے اعتبار سے غیر اللہ پر بولے جاتے ہیں لیکن شرعی معنی کے اعتبار سے نہیں بولے جاتے، جیسے رحمٰن اور قیوم۔

قال في النهاية: القيوم: من أسماء اللّٰه تعالىٰ المعدودة وهو القائم بنفسه مطلقاً لابغيره وهو مع ذلك يقوم به كل موجود، حتى لايتصور وجود شيء ولا دوام وجوده إلا به. (النهاية فى غريب الاثر: ۴/۱۳۴).

شرح اسماء الحسنیٰ میں ہے:

لا يجوز تسمية المخلوق بالقيوم لأن القيوم هو المستغني بنفسه عن غيره، المفتقر إليه كل ماسواه، وذلك مختص باللّٰه لايشركه فيه غيره، قال ابن القيمؒ في النونية:

هذا ومن أوصافه القيوم والـ ☆ قيوم في أوصافه أمران:

إحــداهــمــا الـقـيـوم قـام بـنـفـسـهٖ ☆ والـكـون قـام بــه هـمـا الأمـران:

فـــالأول استـغـنـائـه عـن غـيـره ☆ والـفـقـر مـن كـل إلـيـه الـثـانـي

وكـذا لايسـمـى المخلوق (بالرحمن) لأنه بكثرة استعماله اسماً للّٰه تعالىٰ صار علماً بالغلبة عـليه مختصاً به كلفظ الجلالة فلا يجوز تسمية غيره به . (شرح اسماء الله الحسنى فى ضوء الكتاب والسـنة لسعيـد بن على القحطانى،ص۱۲۹، و متن القصيدة النونية، ص۲۱۱،ط: القاهرة). **وللاستزادة انظر:** (المجلى شرح القواعدالمثلى ،ص١٤٤،وآپ کے مسائل اوران کاحل: ۲٦٨/٨). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

غیراللہ کے لیےاکبرکالفظ استعمال کرنے کاحکم:

سوال: میرانام اکبرہے، میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا،کاؤنٹر پرجب امیگریشن والے نے میرانام دیکھاتو غصہ میں کہایہ کیسانام ہے؟ اللہ اکبر،اکبرتواللہ کی ذات ہے؟اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیااکبرکالفظ غیراللہ کے لیےاستعمال کرنا جائز ہے یانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب: اکبرکالفظ غیراللہ کے لیے استعمال کرنا جائزاوردرست ہے۔قرآنِ کریم سے چندآیات بطورِامثلہ ملاحظہ کیجئے جن میں لفظِ اکبرغیراللہ کے لیےاستعمال ہوا ہے:

(۱) ﴿ **وإثمهما أكبر من نفعها** ﴾ [سورة البقرة:۲۱۹].

(۲) ﴿ **قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفى صدورهم أكبر** ﴾ [آل عمران:۱۱۸].

(۳) ﴿ **وما نريهم من آية إلا هي أكبر من أختها** ﴾ [سورة زخرف:٤٨].

(۴) ﴿ **ولأجر الآخرة أكبر لوكانو يعلمون** ﴾ [سورة النحل:٤١].

(۵) ﴿ **انظر كيف فضلنا بعضهم على بعض، وللآخرة أكبر درجات وأكبر تفضيلاً** ﴾ [سورة الاسراء:۲۱].

(۶) ﴿ **وما يـعـزب عن ربک من مثقال ذرة فى الأرض ولا فى السماء ولا أصغر من ذلک ولا أكبر إلا في كتاب مبين** ﴾ [سورة يونس:٦١].

(۷) ﴿ **وكـذلک جعـلـنا في كل قرية أكابر مجرميها ليمكروا فيها وما يمكرون إلا بأنفسهم وما يشعرون** ﴾ [سورة الانعام:۱۲۳].

حدیث شریف میں بھی اکبر کا لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) أخرج ابن حبان عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال:" البركة مع أكابركم" قال أبوحاتم لم يحدث ابن المبارك هذا الحديث بخراسان إنماحدث به بدرب الروم فسمع منه أهل الشام وليس هذا الحديث فى كتب ابن المبارك مرفوعاً. قال الشيخ شعيب الأرنؤوط : إسناده صحيح. (صحيح ابن حبان ، رقم:۵۵۹).

وكذا أخرجه الطبراني فى الأوسط (۸۹۹۱)، **والحاكم** (۲۱۰)، **وقال: هذا حديث صحيح على شرط البخارى ولم يخرجاه، والقضاعى فى مسند الشهاب** (۳۶و۳۷)، **والبيهقى في شعب الإيمان** (۱۰۴۹۳)، **والخطيب فى" الجامع لأخلاق الراوى وآداب السامع** (۲۴۷)، **وأبوبكرالشافعى فى "الغيلانيات"** (۸۹۰).

قال الهيثمي: رواه البزار، والطبرانى فى الأوسط، وفي إسناد البزار نعيم بن حماد ، وثقه جماعة ، وفيه ضعف ، وبقية رجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد، باب الخيروالبركة مع الاكابر:۸/۳۵).

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سقى قال: ابدأوا بالكبراء أو قال: بالأكابر. أخرجه البوصيري في اتحاف الخيرة وقال: هذا إسناد رجاله ثقات. (رقم: ۳۶۹۱).

(وأيضاً أخرجه أبويعلى :۴/۳۱۵/۲۴۲۵، قال الحافظ : سنده قوى، والطبرانى فى الاوسط :۴/۱۲۹/ ۳۷۸۶، قال الهيثمى: (۸۱/۵) رواه ابويعلى والطبرانى فى الاوسط ، ورجال ابى يعلى رجال الصحيح) .

(۳) وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعاً: لايزال الناس بخير ما أخذوا العلم عن أكابرهم ، فإذا أخذوا العلم عن أصاغرهم هلكوا. أبونعيم فى الحلية. (مقاصدالحسنة، ۲۹۰،وكشف الخفاء:۱/۲۸۵).

وأخرجه الخطيب فى الفقيه والمتفقه عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ موقوفاً . (رقم:۷۷۱).

معلوم ہوا کہ لفظ اکبر اضافی ہے نیز یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے اور غیر اللہ کے لیے دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے لہٰذا ایہ نام رکھنا درست ہے۔

اسی طرح جو صفت اللہ تعالیٰ کے لیے خاص نہ ہو اس کا اطلاق بھی دوسروں پر جائز ہے، جیسے قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے لفظ اعلیٰ استعمال ہوا ہے، ملاحظہ ہو حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

''اعلیٰ'' صفتِ خاص نہیں کہ کسی اور کے لیے اس کا اطلاق درست نہ ہو، قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ارشاد ہے: ﴿ **قلنا لاتخف إنک أنت الأعلى**﴾ [سورة طه:٦٨] نیز اہل احد کو ارشاد ہے: ﴿**وأنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين**﴾ [سورئه آل عمران:١٣٩] ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۳۸۵، جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

عبد الرسول اور عبد النبی نام رکھنے کا حکم:

سوال: عبد الرسول یا عبد المصطفیٰ یا عبد النبی نام رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: عبد کے تین معنی آتے ہیں (۱) عبد بمعنی انسان ۔(۲) عبد بمعنی عاجزی انکساری کرنے والا **فلان عبد بيّن العبودية وأصل العبودية الخضوع والتذلل.** (لسان العرب :١٧٢/٣، وتهذيب لسان العرب) اس معنی میں عبد عابد کی طرح ہو جائیگا۔(۳) عبد بمعنی مملوک **قال تعالیٰ: والصالحين من عبادكم وإمائكم.** [النور:٣٢].

علماء نے فرمایا ہے کہ (۱) عبد کی نسبت اس غیر اللہ کی طرف جو عبادت کے لیے مشہور ہے حرام و ناجائز ہے جیسے عبد العزی یا عبد اللات ۔ اور (۲) عبد کی نسبت اس غیر اللہ کی طرف جو عبادت کے لیے مشہور نہیں لیکن بعض لوگ اس کو اللہ تعالیٰ کا درجہ دیتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام، یہ مکروہ ہے۔

تو عبد الرسول کے نام میں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ رسول کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ جیسا خشوع و خضوع اس کے سامنے کرتا ہے، عبد کے ایک معنی اگرچہ غلام اور مملوک بھی آتے ہیں اور رسول کے مملوک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے لیے بمنزلہ غلام ہیں، لیکن بعض لوگوں کا رسول کے ساتھ عابد جیسا معاملہ کرنے سے عبودیت اور عبادت کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔(۳) اور اگر عبد اس چیز کی طرف منسوب ہو جس کی عبادت نہیں ہوتی تو یہ جائز ہے جیسے حدیث میں تعس عبد الدینار و عبد الدرہم آیا ہے، جس کے معنی دینار و درہم کا غلام اور اس کے پیچھے چلنے والا۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

أقول: ويؤخذ من قوله ولا عبد فلان منع التسمية بعبد النبي، ونقل المناوی عن الدميری أنه قيل بالجواز بقصد التشريف بالنسبة والأكثر على المنع خشية اعتقاد حقيقة

العبودية كما لايجوز عبد الدار. (رد المحتار: ٦/٤١٨،سعيد).

(**وكذا في فيض القدير: ١/٢١٩،بيروت، والفقه الاسلامي وادلته: ٤/٢٩١، وفتاوى ابن حجر الهيتمي: ٦/٢٠٢، ط:دارالفكر، وتحفة المودود باحكام المولود،ص ٧٢،الفصل الثاني فيمايستحب من الاسماء ومايكره منها**).

حضرت مولانا انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

وأما الاسم بإضافة العبد إلى غير الله الذي يعبد عند أهل الإسلام فشرك ، وإضافة العبد إلى غير الله الذي لايعبد إلا أنه يلتبس أحياناً بالمعبود فمكروه مثل عبد النبي وعبد الرسول، ويذكر في كتب اللغة أن للعبد معنيين المخلوق والمملوك فلا يكون في عبد النبي وعبد الرسول شرك . (العرف الشذي:٤/٢٠١،ط:بيروت).

علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

قلت: ومن ههنا وضح لک أن تسمية العوام أطفالهم بعبد سبحان مما لا معنى لها ويجب نهيهم عنها فإن العبودية لا تضاف إلا إلى اسم من أسماء الله تعالىٰ...(السعاية :٢/ ١٦٤،ط:سهيل).

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

وتحرم التسمية بكل اسم مُعَبَّد مضاف إلى غير الله سبحانه وتعالىٰ كعبد العزى ... قال ابن القيمؒ : فإن قيل: كيف يتفقون على تحريم الاسم المعبد لغير الله وقد صح عنه عليه السلام أنه قال: تعس عبد الدينار وعبد الدرهم...، فالجواب: أما قوله: تعس عبد الدينار فلم يرد به الاسم وإنما أراد به الوصف والدعاء على من تعبد قلبه للدينار والدرهم ، فرضي بعبوديتهما عن عبودية ربه تعالىٰ. (الموسوعة الفقهية: ١١/٣٣٥،٣٣٦،ط: وزارة الاوقاف).

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: عبدالنبی،عبدالرسول،عبدالمصطفیٰ نام رکھنا یہ سمجھ کر کہ ہم ان کے غلام ہیں، یا مملوک ہیں،شرعاً جائز ہے یانہیں؟

الجواب: یہ نام رکھنا احتیاط اورتورع کے خلاف ہے کیونکہ عبد کی اضافت اللہ کی طرف ہونی چاہئے...کہ

غلام بمعنی خادم و مطیع تو بے شک ہیں، لیکن غلام بمعنی مملوک نہیں ہیں۔ (کفایت المفتی: ۱۲/۴۲۳، ط: جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بندر نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص چونکہ سعودی عرب کے ناموں کے عاشق ہیں، وہ اپنے بیٹے کا نام بندر رکھنا چاہتے ہیں چونکہ یہ ایک سعودی عرب شہزادہ کا نام ہے، بیوی اس کی مخالفت کرتی ہے کہ بندر تو ایک قبیح اور برا جانور ہے یہ نام نہ رکھیں، اگر یہ نام رکھا جائے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسا نام نہیں رکھنا چاہئے مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ نام سنتے ہی انسان کا ذہن معروف جانور کی طرف جاتا ہے جو قباحت وشناعت میں معروف ومشہور اور ضرب المثل ہے، البتہ کوئی شخص یہ نام رکھنے پر مصر ہو تو اس کا اچھا مطلب اہم اور معزز شخص ہوگا اور قباحت کے بجائے اس میں حسن وخوبصورتی کا معنی لیا جائیگا۔

بندر کی تحقیق ملاحظہ کیجئے: البندر: بندرگاہ یا ساحلی شہر کو کہتے ہیں، بندرگاہ پر تجارتی سامان کی کثرت ہوتی ہے، جو کہ بہت قیمتی ہوتا ہے، اور قیمتی ہونا آدمی کے معزز ہونے پر دال ہے، اسی طرح ساحلی شہر عام طور پر خوبصورت بھی ہوا کرتا ہے اور ملک کی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔

القاموس الوحید میں مذکور ہے: البندر: بندرگاہ، بڑا شہر، تجارتی شہر۔

مصباح اللغات میں ہے: البندر: بندرگاہ، سمندر کے کنارے کا شہر، شہر میں تاجروں کے قیام کی جگہ۔

المنجد میں مرقوم ہے: بندرگاہ، ساحلی شہر، تاجروں کے ٹھہرنے کی جگہ۔

المعجم الوسیط میں لکھا ہے: **البندر: موسى السفن في الميناء (فارسي) ويطلق الآن على البلد الكبير، يتبعه بعض القرى.**

المورد میں ہے: بندر: **مدينة ساحلية، مركز تجاري۔**

لہٰذا بندر کا مطلب خوبصورت شہر یا بندرگاہ جو ضروری چیزیں فراہم کرتی ہے، یعنی بندر شخص کا مطلب ضروریات فراہم کرنے والا ہے اور خوبصورت کے معنی بھی اس سے مترشح ہوتے ہیں۔

بندرگاہ فارسی لفظ ہے، اور یہ مرکب ہے، بند اور در سے۔ تخفیف کی وجہ سے ایک دال حذف کی گئی تو بندر ہوگیا۔ در کے معنی دروازہ اور گاہ فارسی میں جگہ کو کہتے ہیں۔

قیمتی سامان کی وجہ سے اور باہر سے شہر پر حملہ سے حفاظت کی خاطر دروازہ بند کیا جاتا ہے۔
غیاث اللغات میں ہے:
بندر فتح کے ساتھ جہاں پر کشتی کو باندھتے ہیں اوراس کا معنی یہ بھی ہے: وہ شہر جو دریا کے کنارے پر ہو اور دریا اس کو محیط ہو جیسے سورت اور بمبئی۔
فیروز اللغات میں ہے: بندرگاہ، جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سدیس، شریم، نوفل، زیدان، بہلول کے اچھے معانی:

سوال: ایک شخص اپنے نومولود بچے کے لیے درجِ ذیل ناموں میں سے ایک نام تجویز کرتا ہے اوراس کے معانی پوچھتا ہے: سدیس۔ شریم۔ نوفل۔ زیدان۔ بہلول۔ ان کے کیا معنی بن سکتے ہیں، اور ناموں میں تصغیر کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

الجواب: (۱) سدیس: سدس کی تصغیر ہے اور سدس خاص عمر کے اونٹ کو کہتے ہیں، اونٹ میں بہت ساری خصوصیات ہیں: مثلاً اونٹ فرماں بردار ہے، اونٹ میں بہت زیادہ صبر ہوتا ہے، اونٹ قوی مضبوط اور غیرت مند ہوتا ہے اس اعتبار سے سدیس کے معنی فرماں بردار، صابر، قوی، اور غیرتمند ہو سکتے ہیں اور یہ سب اچھے معانی ہیں۔

نیز سدس چھ کے عدد کو بھی کہتے ہیں جو عرب کے ہاں اور حدیث کی روشنی میں کامل عدد سمجھا جاتا ہے کہ چھ زوج اور فرد اور زوج الزوج یعنی چار اور زوج الفرد یعنی خود چھ اور عدد ناقص اور عدد تام اور عدد منطق اور اصم پر مشتمل ہے اس لیے سدیس جو سدس کی تصغیر ہے اس میں عدد کامل کی طرح کمال کی طرف اشارہ ہوگا۔

راجع: شرح البخاری للعینی والشروح الأخری، تحت حدیث: "الإیمان بضع وستون شعبة"۔

ملاحظہ ہو النہایہ فی غریب الاثر میں ہے:

السدیس: من الإبل ما دخل فی السنة الثامنة وذلک إذا ألقی السن التی بعد الرباعیة. (النهاية: ۲: ۸۹۶).

امام اخفش کی الاختیارین میں ہے:

والسديس: السن التي وراء الرباعية . يقال : قد أسدست وهي سديس ، وسدس يقول: حين بزلت. (ص٢٦). (وكذا في معجم الوسيط،ص٤٢٣).

تفسیر عزیزی میں مرقوم ہے:

باوجود اس ڈیل ڈول کے اس قدر تابعدار ہے کہ ایک بچہ بلکہ چوہا اس کی مہار پکڑے تو جہاں چاہے لے جاوے...اگر اس کے پیٹھ کو خیال کرے تو گویا ایک اونچا تخت چار ستون پر دھرا ہے باوجود اس بلندی کے کہ ہاتھ بھی آدمی کا اس تک نہیں پہونچ سکتا آدمی جب چاہے بٹھلا کر سوار ہو جائے ...اور صابر ایسا ہے کہ دس روز تک پیاسا رہتا ہے اور محنت ومشقت میں قصور نہیں کرتا، اور اونٹ سب جانوروں میں باغیرت مشہور ہے ...کسی جانور میں یہ نہیں، اگر اس پر سامان لادے تو تمام اسباب گھر کا اٹھالے اور اگر کہیں بھیجنا منظور ہو تو تمام راستہ دوڑتا چلا جاوے اور اتنی دور جاتا ہے کہ کوئی جانور اس تک نہیں پہونچ سکتا۔(خلاصہ تفسیر عزیزی، پارۂ عم ۴/۲۴۵ ط:سعید)۔

(۲) شریم: شرم کی تصغیر ہے جس معنی خلیج کے ہیں یعنی خلیج کی طرح مفید، جہاں کشتیاں آکر ٹھہر سکتی ہیں تو شریم کا مطلب ملجأ پناہ گاہ ہے۔

وشرم من البحر: خليج منه. (الصحاح :٤/١٥٩٠، وتاج العروس :٨/١٤٢،ولسان العرب:٧/١٠١).

والخليج : شرم من البحر وقال ابن سيده : هوما انقطع من معظم الماء ، لأنه يجبذ منه . (تاج العروس:٥/٥٣١).

نیز ناموں میں تصغیر شفقت اور مہربانی کے لیے آتی ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه ان كان النبي صلى الله عليه وسلم ليخالطنا حتى يقول لأخ لي صغير: يا أبا عمير ما فعل النغير وكان له نغير يلعب به فمات . متفق عليه .

قال : وفيه إباحة تصغير الأسماء ، قلت: لأنه مبني على اللطف والشفقة . (مرقاة المفاتيح:٩/١٧٢،ط:امداديه). تصغیر سے متعلق ضروری بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(۳) نوفل: لغت میں نوفل کے دو اچھے معانی بیان کیے گئے ہیں: (۱) بہت زیادہ عطیہ دینے والا۔ (۲) خوبصورت نوجوان۔ **النفل بالتحريك : الغنيمة ، والهبة . النوفل : العطية ، والنوفل: السيد المعطاء يشبهان بالبحر .** (لسان العرب:١٤/٢٤٥،دارالباز).

وقال في تاج العروس (۱٤۲/۸): **والنوفل : الشاب الجميل. وكذا في** (الصحاح:٤/۱٤۹۱،داراحیاء التراث العربی).

(۴) زیدان: یہ زاد یزید کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں زیادہ ہونا، مطلب یہ ہوگا کہ خیر و برکت، رشد وہدایت میں زیادہ ہونا۔ دیکھئے: (تاج العروس :۲/۳۲۲،والصحاح:۲/٤۱٦،داراحیاء التراث).

(۵) بہلول: (۱) بہلول کے معنی شریف باحیا (۲) معزز آدمی جو بھلائیوں کا جامع ہو۔ اور غیاث اللغات میں ہے: ایک عارف کا نام اور خوش مزاج سردار۔

البهلول من الرجال الضحاک ، والبهلول العزيز الجامع لكل خير عن....والبهلول الحيي الكريم . (تاج العروس :۷/۲۳۹،والصحاح :٤/۱۳٤۸،ولسان العرب:۱۱/۷۳،دارالفکر).

قال في اللطائف في اللغة : أما البهلول : فالسيد الجامع لكل خير. (ص:۱٤٦).

قال في فقه اللغة : البهلول السيد الحسن البشر. (ص:٥٦۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

حذیفہ کے مناسب اور اچھے معنی:

سوال: ایک آدمی اپنے بیٹے کا نام حذیفہ رکھنا چاہتا ہے اور اس کا معقول معنی پوچھتا ہے، اس کے اچھے اور مناسب معنی کیا ہے؟

الجواب: حذیفہ حذف سے ہے اور اس کے معنی چھوٹی کالی بکری۔ بکری میں چونکہ عاجزی اور مسکنت ہوتی ہے اس لیے حذیفہ کا ایک معنی نرم مزاج متواضع ہے۔ اور تراشیدہ اور اصلاح شدہ، عمدہ۔

(۲) حذیفہ کا معنی کپڑے کا ٹکڑا بھی آتا ہے، یعنی خدمت گزار متواضع۔

(۳) حذف کا ایک معنی بطخ ہے اور بطخ سفید ہوتے ہیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ جس کا ظاہر اور باطن روشن اور سفید ہو۔ اور اسماء میں تصغیر شفقت اور نرمی کے لیے آتی ہے۔ کما مر۔

المعجم الوسیط میں ہے: **الحذف غنم سود جرد صغار ليس لها آذان ولا أذناب ، وضرب من البط صغار** . (المعجم الوسیط ،ص۱٦۳،ط: دیوبند).

الصحاح میں ہے: والحذف غنم سود صغار من غنم الحجاز. (الصحاح :۳/۱۱۰۸،ط: احیاء التراث العربی).

قال في لسان العرب : الحذفة : القطعة من الثوب .(لسان العرب:٩/٤٠،دارالفکر).

خلاصہ یہ ہے کہ حذیفہ کے اچھے اور مناسب چند معانی ہیں: متواضع ،اصلاح شدہ اور صاف کیا ہوا،سفید روشن ۔میرے خیال میں سب سے مناسب اور اچھے معنی تراشیدہ ،اصلاح شدہ اور سنوارا ہوا ہے اس لیے کہ حذف کے ایک معنی بالوں کا تراشنا بھی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کنعان نام رکھنے کا حکم اور اس کے معنی:

سوال: ایک صاحب اپنے بیٹے کا کنعان نام رکھنا چاہتے ہیں،اس کے معنی کیا ہیں؟مشہور ہے کہ یہ نام حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے کا نام تھا جو غرق ہوا،یہ بات پکی ہے ،اگر پکی ہے تو یہ نام رکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کنعان کے معنی ہیں عاجزی کرنے والا۔

كنع الشيء كنعاً و كنوعاً ، سوکھ کر سمٹ جانا،سکڑ جانا۔(القاموس الوحید:٢/١٤٢٨،ط:حسینیه دیوبند).

قال فی لسان العرب : كنع ،كنوعاً ، وتكنع ، تقبض ، وانضم ، وتشنج يبساً . (لسان العرب:).

قال فی تاج العروس : وكنع الامر : قرب...وكنع فلان كنوعاً : خضع . (تاج العروس:٢٢/١٣٦،ط:دارالهداية).

کنعان نام کے بارے میں اچھی تحقیق قرۃ العینین کے مصنف نے کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر نوح علیہ السلام کا بیٹا بالفرض کنعان ہو تو ایک اور کنعان بھی ہے جو نوح علیہ السلام کا پوتا ہے اور ان کی نسل چلی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

قوله : وهم قوم من كنعان قال ياقوت ، فی معجم البلان: كنعان بالفتح ثم السكون ، وعين مهملة آخره نون ، وقال الزهری: كنعان بن سام بن نوح ،إليه ينسب الكنعانيون وكانوا يتكلمون بلغة تضارع العربية ، قال ياقوت: هذا حسن مستقيم وقال ابن الكلبی والشام ، أي: فلسطين والأردن ولبنان وسورية اليوم ، منازل الكنعانيين، ولفظ كنعان، عجمي وله فی العربية مخارج يجوز أن يكون من قولهم أكنع به ، أی أحلف أو من الكنوع وهو الذل أو من الكنع وهو النقصان ، وقيل: غير ذلک .وعلى كل حال فإن الأسماء من

مثل هذا يصعب تعليلها هذا على فرض أنه فى الأصل من الأسماء المنقولة لا المرتجلة فالظاهر أن كنعان الذى يقال: إنه سام ابن نوح الذى أهلكه اللّٰه تعالىٰ بالطوفان، هو غير كنعان جد الكنعانيين، لأنه لو كان اسم الغريق كنعان فمن أين جاء الكنعانيون؟ فجد الكنعانيين هو كنعان بن سام بن نوح ، وليس ابن نوح الذى أغرقه اللّٰه أيّا كان اسمه . (قرة العينين على تفسير الجلالين لمحمد احمد كنعان ،ص ۳۱۵،دار البشائر الاسلامية).

باقی حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام کنعان تھا یا نہیں؟ احادیث میں کوئی تصریح نہیں ہے البتہ کتب تفاسیر سے پتہ چلتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے غریق بیٹے کا نام کنعان تھا نیز طبقاتِ ابن سعد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت میں بھی مذکور ہوا ہے لیکن بظاہر یہ اسرائیلی روایت معلوم ہوتی ہے۔

ابن سعد کی روایت ملاحظہ ہو:

أخبرنا هشام بن محمد بن السائب الكلبي عن أبيه عن أبي صالح عن ابن عباس رضي الله عنه، قال: كان لِلَمْكٍ يوم ولد نوحاً اثنتان وثمانون سنة ، ولم يكن أحد في ذلك الزمان ينهى عن منكر، فبعث اللّٰه نوحاً إليهم وهو ابن أربعمائة وثمانين سنة ...وفى ولده سواد وبياض قليل ، ويافث ، وفيهم الشقرة والحمرة ، وكنعان ، وهو الذى غرق ، والعرب تسميه يام... (الطبقات الكبرى: ۱/ ۴۰،دار صادر).

ملاحظہ ہو موسوعۃ الاسرائیلیات میں ہے:

قلت: هذا إسناد ومتن موضوع...فإن بليته من محمد بن السائب الكلبي، وروايته عن أبي صالح عن ابن عباس رضي الله عنه أوهن الطريق، وقد أجمعوا على ترك حديثه وليس بثقة ولا يكتب حديثه واتهمه جماعة بالوضع ، قال السيوطى فى الدر المنثور (۴۲۳/۹) **الكلبى اتهموه بالكذب وقد مرض فقال لأصحابه في مرضه : كل شيء حدثته عن أبي صالح كذب.** (موسوعة الاسرائيليات والموضوعات فى كتب التفسير: ۱/ ۴۹۵).

خلاصہ یہ ہے کہ کنعان نام کے اچھے معانی ہیں اس لیے یہ نام رکھنا درست ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اگر کسی کا نام غلامِ محمد ہو تو اس پر درود لکھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کا نام محمد غلام ہے تو اس لفظ محمد پر درود نہیں لکھا جاتا اور نہ پڑھا جاتا ہے کیوں کہ یہاں مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ جس کا نام ہے وہی مراد ہے لیکن اگر کسی کا نام غلامِ محمد ہے تو یہاں محمد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، تو پھر یہاں کیوں درود نہیں لکھا جاتا اسی طرح اگر درودِ ابراہیمی کہد یں تو اس کے ساتھ علیہ السلام نہیں لیکن درودِ ابراہیم کہد یں تو اس کے ساتھ علیہ السلام کیوں نہیں کہتے؟

الجواب: جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کسی امتی کے نام کا جز ہو تو اس پر درود نہیں اگر کسی کا نام محمد کریم ہو تو اس پر درود نہیں کیونکہ اس سے مراد کوئی اور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، اور اگر مضاف مضاف الیہ ہوں جیسے کسی کا نام خادم الرسول یا مطیع النبی ہو تو پھر بھی درود نہیں ایک تو اس وجہ سے کہ درود لکھیں یا پڑھ لیں تو مضاف کے ساتھ اس کے تعلق کا خیال پیدا ہوسکتا ہے اور دوسرا اس وجہ سے کہ یہ نام شب وروز لیا جاتا ہے تو ہر وقت درود میں حرج ہے۔ تیسرا اس لیے کہ خیر القرون میں یہ اضافی نام استعمال کرتے تھے درود کی حاجت نہیں تھی جیسے آل النبی یا آل محمد وغیرہ۔

غیر رسول کے ساتھ درود کے تعلق کا وہم ہونے کی وجہ سے درود نہیں لکھا جاتا اس کے دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

لا يجوز الصلاة على غير النبي لأن الصلاة على غير الأنبياء قد صارت من شعار أهل الأهواء يصلون على من يعتقدون فيهم فلا يقتدى بهم في ذلك. (تفسیر ابن کثیر: ٦/٤٧٨، سورة الاحزاب: ٥٦).　　**مزید ملاحظہ ہو:** (التفسیر المظهری: ٤/٢٩٢، وفتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۱/۳۶). **واللہ ﷻ اعلم۔**

یقین اللہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا یقین اللہ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس نام کے معنی بہ تکلف بن سکتے ہیں تکلف کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے یہ نام نہ رکھیں، ایسا نام رکھیں جس کا معنی اور مطلب بلا تکلف صحیح اور بہتر ہو ہاں اگر لفظِ اللہ کی طرف اضافت کے بغیر صرف ''یقین'' یا ''محمد یقین'' نام رکھیں تو ٹھیک ہے محمد نام بن جائیگا اور یقین کے معنی یقین کرنے والا ہوگا، اور مبالغہ پر محمول ہوگا جیسے زید عدل یعنی زید بہت زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

حارث نام رکھنے کا حکم:

سوال: حارث نام رکھنا کیسا ہے جب کہ ایک حدیث کے مطابق حارث شیطان کا نام ہے؟

الجواب: حارث نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے بعض روایات میں حارث نام کو اصدق کہا گیا ہے اور جس روایت میں حارث شیطان کا نام وارد ہوا ہے وہ روایت ضعیف ہے۔ نیز حارث اسمائے مشترکہ میں سے ہے تو صحیح مفہوم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس نام کے رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

وہ روایت ملاحظہ ہو جس میں حارث شیطان کا نام بتلایا گیا ہے۔

عن الحسن عن سمرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لما حملت حواء طاف بها إبليس وكان لايعيش لها ولد فقال: سميه عبدالحارث فسمته عبد الحارث فعاش ذلك وكان ذلك من وحي الشيطان وأمره. (اخرجه الترمذی،رقم: ۳۰۷۷و احمد فی مسنده ،رقم:۲۰۱۱۷).

یہ روایت ضعیف ہے اس میں چار علتیں ہیں: (۱) عمر بن ابراہیم راوی مختلف فیہ ہے، بعض نے توثیق کی ہے اور بعض نے "لایحتج" کہا ہے۔ (۲) یہ روایت حضرت سمرہ پر موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔ (۳) حضرت حسن سے یہ روایت مروی ہے لیکن انہوں نے خود آیتِ کریمہ کی دوسری تفسیر فرمائی ہے۔ (۴) اس میں حضرت حسن بصریؒ کا عنعنہ ہے جو بہت سارے محدثین کے ہاں مقبول نہیں۔

مسند احمد بن حنبل کی تعلیقات میں شیخ شعیب الارنؤوط لکھتے ہیں:

إسناده ضعيف، عمر بن إبراهيم، وهو البصرى أبو حفص البصرى، في روايته عن قتادة ضعف، والحسن مشهور بالتدليس ولم يذكر سماعه من سمرة ...

قال الحافظ ابن كثير فى هذا الحديث فى تفسير قوله تعالىٰ: فلما آتاهما صالحاً جعلا له شركاء فيما آتاهما﴾ [سورة الأعراف:الآية: ۱۹۰] **هذا الحديث معلول من ثلاثة أوجه:**

أحدها: أن عمر بن إبراهيم هذا هو البصرى، وقد وثقه ابن معين ولكن قال أبو حاتم الرازى: لايحتج به، ولكن رواه ابن مردويه من حديث المعتمر عن أبيه عن الحسن عن سمرة مرفوعاً.

الثانى: أنه روى من قول سمرة نفسه، ليس مرفوعاً.

الثالث: أن الحسن نفسه فسر الآية بغير هذا ، فلو كان هذا عنده عن سمرة مرفوعاً لما عدل عنه . ثم ذكر عن ابن جرير من تفسيره بأسانيده عن عمرو، عن الحسن ، جعلا له شركاء فيما آتاهما، قال: كان هذا في بعض أهل المِلَل ولم يكن بآدم. (تعليقات الشيخ شعيب على مسندالامام احمد بن حنبل:۳۳/۳۰۵).

وہ روایت ملاحظہ کیجئے جس میں حارث نام کو اصدق کہا گیا ہے:

أخرج الإمام أبوداود (۴۹۵۲) **بسنده عن أبي وهب الجشمي وكانت له صحبة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تسموا بأسماء الأنبياء و أحب الأسماء إلى الله عبد الله وعبد الرحمن وأصدقها حارث وهمام ، وأقبحها مرة .**

وأيضاً أخرجه أبويعلى في مسنده (۷۱۶۹)، **وقال حسين سليم أسد : رجاله ثقات. و أحمد في مسنده** (۱۹۰۳۲)، **وقال الشيخ شعيب : إسناده ضعيف لجهالة عقيل بن شبيب فقد تفرد بالرواية عنه محمد بن مهاجر وهو الأنصارى ولم يؤثر توثيقه عن غير ابن حبان. والبخارى فى الأدب المفرد** (۳۵۶).

(۲) أخرج الطبرانى فى الكبير (۷۵۳) **عن سبرة بن أبي سبرة أن أباه أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ما ولدک فقال: عبد العزى وسبرة والحارث، قال: لاتسم عبدالعزى وسم عبد الله فإن خير الأسماء عبد الله وعبيد الله والحارث وهمام ...الخ .**

قال الهيثمي: وفي إسناده: الحجاج بن أرطاة وفيه ضعف وبقية رجاله رجال الصحيح. (۸/۹۸، باب مايستحب من الاسماء). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صابر نام رکھنے کا حکم:

سوال: میرا نام صابر ہے بعض لوگ میرے نام پر معترض ہیں کہ صابر کا مطلب مصیبت کو دعوت دینا ہے حالانکہ شریعت میں مصیبت کی دعا یا اس کو دعوت دینا صحیح نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال:... سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلاً وهو يقول: اللهم إني أسألک الصبر، فقال: سألتَ الله البلاء فاسئله العافية . (اخرجه الامام الترمذى ، رقم: ۳۵۲۷،

وقال : هذا حديث حسن). وايضاً اخرجه الامام احمد فى مسنده ، رقم: ۲۲۰۱۷، وقال الشيخ شعيب: اسناده حسن.

مرقات میں لکھا ہے کہ مصیبت سے پہلے صبر کا سوال مذموم ہے اور اس کے بعد مندوب ہے تو ایسا نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ۱۔ صابر نام رکھنا جائز ہے، صبر کی کئی اقسام ہیں (۱) صبر علی الطاعات۔ (۲) صبر عن المعاصی والمنکرات۔ (۳) صبر عن البدعات۔ (۴) صبر عن الشہوات۔ (۵) صبر عن الشبہات۔ (۶) صبر علی الآفات والبلیات، صبر کی پہلی پانچ قسمیں ہر وقت مطلوب ہیں ہاں چھٹی قسم مصیبت کے بعد مطلوب اور مصیبت سے پہلے مجوب ہے تو صابر میں پہلے پانچ معانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ نام رکھا جائے۔

۲۔ نیز صبر کے ایک معنی جرءت بھی ہے اور حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں قوتِ تحمل ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۴/۴۹۷)۔ تو قوتِ تحمل کی دعا مانگنا چاہئے، یعنی یا اللہ اگر کبھی کوئی خلافِ مزاج شئ پیش آجائے تو قوتِ تحمل عطا کردے۔ ملاحظہ ہو القاموس الوحید میں ہے:

الصابر: جفاکش، باہمت، صبر کنندہ، متحمل، محنتی۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۰۸)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

ایمان نام رکھنے کا حکم:

سوال: میں نے اپنی بیٹی کا نام ''ایمان'' رکھا اور وہ دو سال کی عمر کی ہے تو یہ نام درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض ایسے ناموں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بدفالی کی وجہ سے نہ رکھے جائیں مثلاً یسار، رباح، افلح وغیرہ لیکن اگر بدفالی نہ ہو اور معنی درست اور اچھے ہوں تو ایسے نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں، بنابریں ایمان نام رکھنا درست ہے۔ نیز بدفالی ابتدائے اسلام میں مروج تھی بعد میں لاطیرۃ والی روایات نے بدفالی ختم کردی، لہذا اب ان ناموں کا رکھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن سمرة بن جندب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحب الكلام إلى الله أربع سبحان الله ، والحمد لله ، ولا إله إلا الله ، والله أكبر، لايضرك بأيهن بدأت ولاتسمين غلامك يساراً ولا رباحاً ولا نجيحاً ولا أفلح فإنك تقول : أثَمَّ هو فلا يكون فيقول: لا . (رواه مسلم:۲/ ۲۰۷، رقم:۲۱۳۷).

قال الإمام النووی: یکره التسمیة بهذه الأسماء المذکورة فی الحدیث ومافی معناها ولاتختص الکراهة بها وحدها وهي کراهة تنزیه لا تحریم والعلة فی الکراهة ما بینه صلی اللّٰه علیه وسلم في قوله فإنک تقول: أثَم هو فیقول : لا ، فکره لبشاعة الجواب وربما أوقع بعض الناس في شيء من الطیرة . (شرح مسلم :۲/۲۰۷).

امام خطابی غریب الحدیث میں فرماتے ہیں:

فأما من سلک به مذهب الفأل وقصد فیه الیمن والتبرک فأنا أرجو أن لا یکون به حرجاً إن شاء اللّٰه وقد کان لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم غلام یقول له رباح وسمی عبداللّٰه بن عمر غلامه نافعاً . (غریب الحدیث :۱/۵۳۱).

المفهم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم میں ہے:

هذا نهي صحیح عن تسمیة العبد بهذه الأسماء لکنه علی جهة التنزیه بدلیل قول جابر رضی اللہ عنہ فی الحدیث الآتي: أراد النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أن ینهی أن یسمی بیعلی ، بمقبل ، وببرکة ، وبأفلح ، وبیسار ، وبنافع ، ونحو ذلک ، ثم سکت ، یعني: أراد أن ینهی عن ذلک نهي تحریم ... (۱۳۱/۱۷). **وللمزید راجع:** (مرقاة المفاتیح: ۱۰۷/۹، امدادیه ، واکمال اکمال المعلم :۲۹۸/۷). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خدیجہ نام کے اچھے اور مناسب معنی:

سوال: ایک آدمی اپنی لڑکی کا نام خدیجہ رکھنا چاہتا ہے اور اس کا معنی پوچھتا ہے کہ اس کے اچھے معنی کیا ہے؟ برائے مہربانی مناسب اور اچھے معنی بتلا کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: خدیجہ، خدج سے مشتق ہے، اور یہ نام تواضع پر دال ہے یعنی ناقصہ کمزور اور حقیر کے معنی میں ہے یا خدیجہ بمعنی منقطعہ ہے، کیونکہ کٹی ہوئی چیز ناقص ہوتی ہے تو اس کے معنی منقطعۃ عن الرجال والشر ہے۔ اور فاطمہ کے بھی یہی معنی ہیں گویا کاٹنا اور ناقص ہونا لازم ملزوم ہے۔

لسان العرب میں مرقوم ہے:

خدج ، خدجت الناقة ، وکل ذات ظلف وحافر تخدج خداجاً وهي خدوج وخادج

وخدجت وخدّجت كلاهما ألقت ولدها قبل أوانه لغير تمام الأيام ...ويقال: أخدج فلان أمره إذا لم يحكمه ...الأصمعي، الخداج النقصان...وفى حديث الزكاة : فى كل ثلاثين بقرة خديج أى ناقص الخلق فى الأصل يريد تبيع كالخديج في صغر أعضائه ونقص قوته عن الثنى والرباعى . (لسان العرب : ٢/٢٤٨). (وكذا فى تاج العروس : ٥/٥٠٥، و الصحاح : ١/٣٣١).

مجمع بحار الأنوار میں ہے:

خدج فيه كل صلاة ليست فيها قراءة فهى خداج أى نقصان و وصف بالمصدر مبالغة خدجت الناقة إذا ألقت ولدها قبل أوانه وإن كان تمام الخلق وأخدجته إذا ولدته ناقصة وإن كان لتمام الحمل ومنه: في كل ثلاثين بقرة...ومنه أنه أتى النبي صلى الله عليه وسلم بمخدج سقيم أي ناقص الخلق...ويسلم عليهم ولايخدج التحية لهم أى لاينقصها. (مجمع البحار:٢/١٨). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فاطمہ نام کے مناسب معنی:

سوال: ایک شخص اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھنا چاہتا ہے اور وہ اس کے معنی دریافت کررہا ہے کہ فاطمہ کے معنی کیا ہے؟ برائے کرم آپ اس نام کے مناسب اور اچھے معنی بتادیں؟

الجواب: فاطمہ یہ فطم سے مشتق ہے، یعنی المنقطعۃ عن الشر والرجال، فاطمہ وہ لڑکی ہے جو برائیوں اور مردوں سے بالکل جدا اور الگ ہو۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

فطم؛ يفطمه فطماً قطعه كالعود ونحوه وقال أبو نصر: فطمت الجبل قطعته وفطم الصبى يفطمه فطماً فصله عن الرضاع ...وفى الصحاح : فطام الصبي فصاله عن أمه يقال: فطمت الأم ولدها ... فطمت فلاناً عن عادته قطعته نقله الجوهرى وهو مجاز. (تاج العروس:٣٣/٢٠٩و٢١٢،ط: دارالهداية). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام ابوحنیفہؒ کی کنیت کی وجہ تسمیہ:

سوال: امام ابوحنیفہؒ کا نام نعمان بن ثابت ہے یہ بات معلوم ہے لیکن ان کی کنیت ابوحنیفہ کی کیا وجہ ہے کیا ان کی کوئی بیٹی تھی جس کا نام حنیفہ تھا؟ یا اور کوئی وجہ تھی؟ نیز نعمان کے کیا معنی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: امام صاحبؒ کی کنیت ابوحنیفہ تھی اس کی درجِ ذیل تین وجوہات بیان کی جاتی ہیں:

(۱) آپ ملتِ حنیفیہ پر قائم رہنے والے تھے۔

(۲) ہمیشہ اپنے ساتھ دوات رکھتے تھے جس کو اہل عراق کی لغت میں حنیفہ کہتے تھے۔

(۳) ان کی ایک بیٹی تھی جس کا نام حنیفہ تھا لیکن یہ قول مرجوح ہے اس لیے کہ ان کی اولاد میں صرف ایک بیٹے حماد کا ذکر آتا ہے۔

ملاحظہ ہو مکانۃ الامام ابی حنیفہ میں مذکور ہے:

وأما كنيته أبو حنيفة فقد قالوا: إن حنيفة مؤنث حنيف وهو الناسك المسلم الذى مال عن الدنيا إلى الحق لأن الحنيف فى الأصل الميل، وقال آخرون: إن سبب تسميته بهذه الكنية أنه كان ملازماً للدواة يحملها أينما راح فقيل: أبو حنيفة والدواة هى الحنيفة بلغة أهل العراق، وقيل: إن ابنته الكبرى اسمها حنيفة ولكن اعترض الكثيرون على هذا التعليل لأنه لايعلم لأبي حنيفة ولد غير ابنه حماد. (مكانة الامام ابى حنيفة بين المحدثين، ص۳۹).

(وكذا فى الخيرات الحسان، ص٤٥، وارشادالاخوان الى مناقب النعمان، ص٣٢).

سیرۃ النعمان میں مرقوم ہے:

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا یہ کنیت وضعی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی **أبو الملة الحنيفة** قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے: "**فاتبعوا ملة إبراهيم حنيفاً**" امام ابوحنیفہؒ نے اس کی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔ (سیرۃ النعمان، ص۲۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲) نعمان کے معنی:

(۱) نعمان نعمت سے مشتق ہے یعنی وہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت تھے۔

(۲) نعمان کا معنی خون ہے جس پر پورا جسم قائم ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ آپ علمِ فقہ قائم کرنے کی بنیاد

تھے۔(۳)شقائق النعمان کا معنی گل لالہ ہے،اس اعتبار سے مطلب ہوگا موسمِ بہار میں ایک خوبصورت پھول جوگندم کے پکنے کے زمانہ میں کھلتا ہے،امام ابوحنیفہؒ کی محنتوں کے نتیجے میں بھی دین کوخوبصورتی نصیب ہوئی اوردین میں بہار آئی۔

ملاحظہ ہوالقاموس المحیط میں ہے:

النعمة ، اليد والضيعة والمنة وما أنعم به عليک والنعم واحد الأنعام وهى المال الراعبة وأكثر ما يقع هذا الاسم على الإبل قال الفراء هو ذكر لايؤنث يقولون هذا نعم وارد ويجمع على نعمان مثل حمل وحملان والنعمان بالضم : الدم وأضيفت الشقائق إليه . (القاموس المحيط).

النہایہ فی غریب الاثر میں مرقوم ہے:

وفي حديث أبي رافع : [إن في الجنة شجرة تحمل كسوة أهلها أشد حمرة من شقائق النعمان] هو هذا الزهر الأحمر المعروف...وقيل: النعمان اسم الدم وشقائقه : قطعة فشبهت به لحمرتها. (النهاية:۲/۱۱۹۵).

البلاغة العربيه میں ہے:

والمراد به شقائق النعمان ، وهو ورد أحمر في وسطه سواد. (البلاغة العربية:۱/۶۲۵).

وراجع : (لسان العرب:۱۰/۱۸۱، وتاج العروس:۲۵/۵۲۰، ومصباح اللغات). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

زہدی،یمنہ،ولیہ،وداد،زاہدہ،عاشقہ کے معانی:

سوال: درجِ ذیل چندناموں کے مناسب اوراچھے معانی کیا ہیں؟اور یہ نام رکھنا مناسب ہے یانہیں؟

الجواب: (۱) زہدیٰ ،اس کے معنی دنیاسے بے رغبت ۔(۲)ہدیٰ،ہدایت والی ،(۳)یمنہ : خیرو برکت والی،(۴)ولیہ: خدارسیدہ عورت ،(۵)وداد: محبت کرنے والی،اخلاص والی،(۶)زاہدہ: دنیاسے بے رغبت،(۷)عاشقہ: عشق ومحبت کرنے والی۔

مذکورہ بالاسب ناموں کے معانی اچھے ہیں لہذا یہ نام رکھنا درست ہے۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

برکت نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا برکت نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض روایات میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

الجواب: ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی کے خطرے کی وجہ سے ممانعت فرمائی تھی، لیکن اب یہ نام رکھنا درست ہے، احادیث کی توجیہ ماقبل میں گزر چکی ہے، نیز بعض صحابیہ کے نام بھی برکت تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل نہیں فرمایا۔ چند روایات ملاحظہ کیجئے:

بركة الحبشية : كانت مع أم حبيبة بنت أبي سفيان رضي الله عنه تخدمها هناك ، ثم قدمت معها ، وهي التي شربت بول النبي صلى الله عليه وسلم...وخلطها أبوعمر بأم أيمن؛ فأخرج في ترجمتها من طريق ابن جريج : أخبرتني حكيمة بنت أميمة ، عن أمها أميمة بنت رقيقة ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبول في قدح من عيدان ويوضع تحت السرير، فجاء ليلة فإذا القدح ليس فيه شيء ، فقال لامرأة يقال لها بركة...البول الذى كان فى هذا القدح ما فعل ؟ قالت: شربته يارسول الله. (الاصابة :۸/۴۷).

الاستیعاب میں ہے:

حدثنا سليمان بن أبي شيخ ، قال: أم أيمن اسمها بركة ، وكانت لأم رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أم أيمن أمي بعد أمي، قال : وسمعت مصعب بن عبد الله يقول: أم أيمن أم أسامة بن زيد. (الاستیعاب :۴/۱۷۹۴).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سودہ نام کے اچھے اور مناسب معنیٰ:

سوال: سودہ صحابیہ اور حضرت سودہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا نام ہے، لیکن اس کا معنیٰ کیا ہے؟ کیونکہ آدمی کا سیاہ ہونا کوئی منقبت اور تعریف کی بات نہیں؟

الجواب: سودہ، سواد (کالاپن) سے مشتق نہیں بلکہ السود، سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں: کان والی زمین کا ٹکڑا یا کھجوروں والی زمین یا مبارکہ یا بلند مرتبہ والی، مالدار سخی۔

ملاحظہ ہو لسان العرب میں ہے:

السود : سفح من الجبل، مستدق فى الأرض خشن أسود. والجمع : أسواد ،

والقطعة منه سودة ... وبها سميت المرأة سودة ، وقلما يكون (هذه القطعة) إلا عند جبل فيه معدن. (لسان العرب: ٦/٤٢٢).(وكذا فى تاج العروس : ٨/٢٣١).

ایک معنی سردار کے ہیں: **وفي حديث عمربن الخطاب ﷛ : تفقهوا قبل أن تسودوا . قال أبوعبد الله: وبعد أن تسودوا .** (صحيح البخارى:١/١٧،باب الاغتباط فى العلم).

قال فى فتح البارى: وقال عمر ﷛: تفقهوا... أى تجعلوا سادة ،...وإنما عقبه البخارى بقوله وبعد أن تسودوا ليبين أن لامفهوم له خشية أن يفهم أحد من ذلك أن السيادة مانعة من التفقه وإنما أراد عمر ﷛ أنها قد تكون سبباً للمنع لأن الرئيس قد يمنعه الكبر والاحتشام أن يجلس مجلس المتعلمين . (فتح البارى:١/١٦٦).

والأسود من القوم أجلهم ، وفي حديث ابن عمر ﷛: ما رأيت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم أسود من معاوية ﷛ ، قيل: ولا عمر ؟ قال: كان عمر ﷛ خيراً منه ، وكان هو أسود من عمر ﷛. قيل: أراد أسخى وأعطى للمال ، وقيل: أحلم منه. ومن المجاز : ما طعامهم إلا الأسودان ، وهما التمر والماء قاله الأصمعى والأحمر؛ وإنما الأسود : التمر دون الماء ، وهو الغالب على تمر المدينة ، فأضيف الماء إليه . (تاج العروس : ٨/٢٢٦).

ایک معنی مبارک کے ہیں:

ومن المجاز : رمى فلان بسهمه الأسود ، السهم الأسود هو المبارک ، الذى يتيمن به ، أى يتبرک . (تاج العروس:٨/٢٣٢). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ہندہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا ہندہ نام کیسا ہے کیا یہ نام رکھنا جائز ہے؟ اور اس کا معنی کیا ہے؟

الجواب: ہندہ نام رکھنا جائز اور درست ہے، اس کا مطلب ہے: برداشت کرنے والی اور صبر کرنے والی۔ یہ اچھا نام ہے اور چند صحابیات کا نام ہندہ تھا حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں ص ۳۶ پر تذکرہ کیا ہے۔

ملاحظہ ہو لسان العرب میں مرقوم ہے:

هند وهنيدة اسم للمائة من الإبل خاصة...قال أبوعبيدة وغيره: هى اسم لكل مائة

من الإبل...وهند وهنّد إذا صاح صياح البومة ، أبوعمرو : هنّد إذا شتم فاحتمله وأمسك وحمل عليه فما هنّد أى ما كذّب ...وهندته المرأة اورثته عشقاً بالملاطفة والمغازلة ... والمهنّد : السيف المطبوع من حديد الهند. (لسان العرب: ٤٣٧/٣،دارصادر).

القاموس الوحید میں ہے:

ہند، کسی کی گالی کا جواب نہ دینا سن کر برداشت کرنا۔(القاموس الوحید:۱۸۴۷/۲)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصباح اللہ اور مفتاح اللہ نام کا حکم:

سوال: اگر کسی کا نام نصر اللہ اور مفتاح اللہ اور مصباح اللہ ہو تو اس کا مطلب کیا ہوگا؟ یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟

الجواب: نصر اللہ بمعنی ناصر لدین اللہ ہے اور مصباح اللہ کا معنی مصباح لدین اللہ اور مفتاح اللہ کا مطلب مفتاح لدین اللہ یا مفتاح للخیر ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی مدد یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد مراد ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا ہے۔ اس مسئلہ کے حوالہ جات ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کر لئے جائیں۔مفتاح للخیر سے متعلق حدیث شریف ملاحظہ کیجئے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من الناس مفاتيح للخير مغاليق للشر، وإن من الناس مفاتيح للشر ومغاليق للخير، فطوبىٰ لمن جعل الله مفاتيح للخير على يديه ، وويل لمن جعل الله مفاتيح الشرعلى يديه. (رواه ابن ماجه: ٢١/١رقم ٢٣٧).

قال الإمام البوصيري فى الزوائد: إسناده ضعيف من أجل محمد بن أبى حميد فإنه متروك.

وعن سهل بن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن هذا الخير خزائن ، ولتلك الخزائن مفاتيح ، فطوبىٰ لعبد جعله الله مفتاحاً للخير مغلاقاً للشر ، وويل لعبد جعله الله مفتاحاً للشر ومغلاقاً للخير. (رواه ابن ماجه:٢٣٨/٢١/١).

وفى الزوائد: إسناده ضعيف لضعف عبدالرحمن .

مفتاح اللہ، مفتاح للخیر یعنی اللہ تعالیٰ اس کو خیر کے پھیلانے اور شر کے مٹانے کا ذریعہ بنادے، مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے قبول کرلے یہ بہت بڑی خیر اور خوشی کی بات ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لیلیٰ نام کے اچھے اور مناسب معنی:

سوال: لیلیٰ نام رکھنا کیسا ہے اس کے معنی سخت اندھیرے کے ہیں، بظاہر یہ نام اچھا نہیں ہے، اور کسی صحابیہ کا نام ہے یا نہیں؟

الجواب: لیلیٰ نام رکھنا ٹھیک ہے اس کے اچھے معنی خوشبو والی اور خوبصورت لڑکی کے ہیں، اور لیلیٰ چند صحابیات کا نام بھی تھا۔ لسان العرب میں ہے:

و ليلى هي النشوة و هو ابتداء السكر و حرة ليلى معروفة فى البادية وهى إحدى الحرار و ليلى من أسماء النساء قال الجوهرى : هو اسم امرأة ...قال ابن برى يقال : ليلى من أسماء الخمرة وبها سميت المرأة . (لسان العرب : ۶۰۷/۱۱، دارصادر).

وفيه: وقيل: الخمرة والخمرة الرائحة الطيبة يقال: وجدت خمرة الطيب أى ريحه وامرأة طيبة الخمرة بالطيب عن كراع . (لسان العرب: ۲۵۴/۴).

وفيه: الخمرة الورس وأشياء من الطيب تطلى به المرأة وجهها ليحسن لونها . (لسان العرب: ۲۵۴/۴).

اس معنی کے اعتبار سے لیلیٰ کا مطلب خوبصورت لڑکی، ہوگا۔ چند صحابیات کا لیلیٰ نام تھا۔ الاصابہ میں حافظ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) ليلىٰ بنت بلال أو بليل الأنصارية أخت أبي ليلىٰ وهي عمة عبد الرحمن بن أبي ليلىٰ قال أبوعمر: بايعت النبي صلى الله عليه وسلم وروت عنه . (الاصابة : ۳۰۲/۸).

(۲) ليلىٰ بن ثابت بن المنذر بن عمرو بن حرام أخت حسان ذكرها بن حبيب أيضاً . (الاصابة :۳۰۲/۸).

(۳) ليلىٰ بنت أبي حثمة بن حذيفة بن غانم بن عامر بن عبد الله بن عبيد بن عويج بن كعب بن لوى القرشية العدوية أخت سليمان وكان زوج عامر بن ربيعة العنبرى...أسلمت

قديماً وبايعت وكانت من المهاجرات الأول هاجرت الهجرتين إلى الحبشة ثم إلى المدينة يقال: إنها أول ظعينة دخلت المدينة فى الهجرة ويقال: أم سلمة...(الاصابة: ۸/۳۰۳).

(۴) ليلىٰ بنت الخطيم بن عدى بن عمرو بن سواد بن ظفر الأنصارية الأوسية ثم الظفرية...وكانت ليلىٰ بنت الخطيم وهبت نفسها للنبى صلى الله عليه وسلم فقبلها ...الخ. (الاصابة:۸/۳۰٤).

اوربھی چند لیلیٰ کا تذکرہ موجود ہے۔ملاحظہ ہو: (الاصابة : ۸/۳۰٤-۳۰۸). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

عمارہ نام تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: کسی کا نام عمارہ رکھا گیا لیکن بولتے وقت لوگ عام طور پر الف کے ساتھ امارہ کہتے ہیں اور قرآنِ کریم میں امارہ کی برائی بیان کی گئی ہے لہذا اس نام کو تبدیل کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: عمارہ نام بہت عمدہ ہے اس کے معنی قوی الایمان ، بردبار، صاحبِ وقار وغیرہ ہیں ،لہذا تبدیل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہاں بولنے میں اکثر لوگ مخرج کی رعایت نہیں کرتے محمد کو بھی مھمد بولتے ہیں تو کیا ہر نام تبدیل کرنے کا مشورہ دیا جائیگا؟ اور نفس امارہ کو ہر شخص نہیں جانتا اس کی طرف ذہن کا منتقل ہونا بہت بعید ہے۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

وقال ابن الأعرابي: العمار كشداد: الرجل الكثير الصلاة والصيام...والعمار: القوى الإيمان ، الثابت في امره الثخين الورع ، مأخوذ من العمير وهو الثوب الصفيق النسج ، القوى الغزل ، الصبور على العمل ، والعمار: الطيب الثناء والطيب الروائح ... والعمار الحليم الوقور...والعمار الباقى فى إيمانه وطاعته القائم بالأمر بالمعروف والنهى عن المنكر إلى أن يموت. (تاج العروس من جواهرالقاموس:۱۳/۱۳۸،ط:دارالهداية). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تسمیہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی بیٹی کا نام تسمیہ رکھنا چاہتا ہے اور اس کا مطلب پوچھتا ہے کہ اس نام کا کیا مطلب

بن سکتا ہے؟

الجواب: تسمیہ کا مطلب ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا، اور بسم اللہ پڑھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت حاصل کرنا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے یعنی خیر و برکت حاصل نہیں ہوتی، اور تسمیہ مصدر بمعنی فاعل ہے جیسے زید عدل بمعنی عادل مطلب یہ ہوگا یہ لڑکی اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت حاصل کرنے والی اور ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے والی۔ ملاحظہ ہو امام نوویؒ الاذکار میں فرماتے ہیں:

وروينا في سنن أبي داود وابن ماجه ومسند أبي عوانة الاسفراييني المخرج على صحيح مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: كل أمر ذى بال لايبدأ فيه بالحمد فهو أقطع ...

وفي رواية: كل أمر ذى بال لايبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم فهو أقطع. روينا هذه الألفاظ كلها في كتاب الأربعين للحافظ عبدالقادر الرهاوى، وهو حديث حسن، وقد روى موصولاً كما ذكرنا، وروى مرسلاً، ورواية الموصول جيدة الإسناد، وإذا روى الحديث موصولاً ومرسلاً فالحكم للاتصال عند جمهور العلماء لأنها زيادة ثقة، وهى مقبولة عند الجماهير.

ومعنى ذى بال أى له حال يهتم به، ومعنى أقطع: أى ناقص قليل البركة، وأجذم بمعناه. (الاذكار، ص۱۴۷، رقم: ۳۳۹). **وللمزيد من البحث راجع:** (البدرالمنير: ۷/۵۳۰، باب استحباب الخطبة فى النكاح، وكشف الخفاء: ۲/۱۱۹، وروح المعانى مع تعليقات الشيخ ماهر حبوش: ۱/۱۸۷، مؤسسة الرسالة، ومعارف السنن: ۱/۲، سعيد).

مصدر بمعنی اسم فاعل آتا ہے۔ ملاحظہ ہو: **ويستعمل المصدر بمعنى اسم الفاعل نحو ماء غور أى غائر...** (شرح الرضى على الكافية: ۳/۴۱۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اشرف نام رکھنے کا حکم:

سوال: مجھ سے ایک آدمی نے کہا کہ اشرف نام اچھا نہیں کیونکہ کعب کے باپ یہودی کا نام ہے اس

لیے اشرف علی نام نہ رکھوں گا، اس کو کیا جواب دینا چاہیئے؟

الجواب: اشرف نام اچھا ہے اس کا مطلب ہے شرافت والا بلند مرتبہ والا وغیرہ، لہذا اس نام کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ بات کہ یہودی کا نام ہے تو اُس زمانہ میں یہود و نصاریٰ عربی نام رکھتے تھے اور دونوں کے نام اکثر مسلمانوں کی طرح ہوتے تھے، خود کعب بن اشرف کا نام کعب صحابہ کا نام بھی تھا کیونکہ اس کے معنی درست ہے اسی طرح اشرف کے معنی بھی اچھے ہیں، اور ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا نام ہے اور اس مناسبت سے یہ نام رکھا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

الشرف: علو الحسب قاله ابن دريد...وأشرف : عالٍ ، وهو الذى فيه ارتفاع حسن.

(تاج العروس:۲۳/۴۹۳). (وكذا فى لسان العرب: ۹/۱۶۹،والقاموس الوحيد:۱/۸۵۸).

الاصابه میں ہے:

أشرف: أحد الثمانية الذين قدموا من رهبان الحبشة . تقدم فى أبرهة.

أشرف غير منسوب ، ذكره أبو إسحاق بن ياسين فيمن قدم من الصحابة هراة ، استدركه أبوموسى. (الاصابة:۱/۲۳۹). **وينظر:** (اسدالغابة : ۱/۴۴، ط:بيروت،والجامع لمافى المصفات الجوامع من اسماء الصحابة الاعلام اولى الفضل والاحلام للحافظ ابى موسى : ۱/۲۰۰، وسيراعلام النبلاء: ۲۲/۲۲.۱۲۷). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شرحبیل نام رکھنے کا حکم اور اس کے مناسب معنی:

سوال: ایک شخص اپنے بیٹے کا نام شرحبیل رکھنا چاہتا ہے اس کے اچھے اور مناسب معنی کیا ہے؟

الجواب: شرحبیل ایل عبرانی زبان میں اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور شرح کا معنی بیان کرنا واضح کرنا، تو شرحبیل کا مطلب ہوگا اللہ تعالیٰ کے دین کی شرح کرنے والا، بہت اچھا معنی ہے لہذا یہ نام رکھنا درست ہے۔ ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

شرحبيل: كخزعبيل، أهمله الجوهرى والصاغانى ، وهو: اسم رجل ، وقيل: أعجمية ... وقال ابن الكلبي: كل اسم كان في آخره إيل ، أو ال ، فهو مضاف إلى الله عزوجل ...

(تاج العروس :۲۹/۲۵۶). (لسان العرب: ۱۱/۳۵۳).

الاشتقاق میں مذکور ہے: **وقال قوم من أهل اللغة :كل اسم كان فيه إيل فهو منسوب إلى الله عزوجل، مثل شرحبيل ونحوه** . (الاشتقاق،ص:۳۰۱).

وشرح كمنع كشف يقال: شرح فلان أمره أى أوضحه . (تاج العروس:۲/۱۷۱). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ابرارالحق نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام ابرارالحق رکھا ہے یعنی اللہ کے ابرار حالانکہ ایک شخص ابرار نہیں ہوتا برّ ہوتا ہے پھر ایک آدمی کو ابرار کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: گاہے گاہے ایک شخص کے لیے جمع کا لفظ بطورِ مبالغہ یا بطورِ تفاؤل استعمال کیا جاتا ہے گویا کہ وہ شخص پوری جماعت کے برابر ہیں، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے قرآنِ کریم میں امت کا لفظ وارد ہوا ہے۔ **قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿إن إبراهيم كان أمة قانتاً للّٰه حنيفاً﴾**

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امت کے معنی جامع الکمالات بتلائے ہیں۔(معارف القرآن:۵/۴۰۵)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں: **والأمة الرجل الجامع للخير** . (تفسیرقرطبی:۱۰/۱۹۷).

تفسیر الخازن میں ہے:

سمى إبراهيم عليه السلام أمة لأنه اجتمع فيه من صفات الكمال وصفات الخير الأخلاق الحميدة ما اجتمع في أمة ، ومنه قول الشاعر:

ليس على اللّٰه بمستنكر ☆ أن يجمع العالم في واحد

(تفسیرالخازن:۴/۱۲۲،ط:دارالفکر).

مزید ملاحظہ ہو: (تفسیرالنسفی، وروح المعانی:۱۴/۲۴۹، وتفسیرالفخرالرازی:۱۰/۱۳۶، وتفسیر السمرقندی:۲/۲۵۴).

اسی طرح کعب بن ماتع الحمیر ی کو احبار کہا جاتا ہے،احبار حبر کی جمع ہے حبر ایک متقی عالم کو کہتے ہیں چونکہ ان کا تقویٰ بہت سے متقیوں کے برابر تھا۔

ملاحظہ ہو: (سیراعلام النبلاء: ۳/۴۸۹،وتهذیب الکمال: ۲۴/۱۸۹،و۱۹۲).

اسی طرح عبیداللہ احرار کو احرار کہتے ہیں احرار حر کی جمع ہے اس کا مطلب دنیا کی محبت سے آزاد۔

ان کا نام خواجہ نصیر الدین عبیداللہ احرار۔ ولادت ۴/ رمضان المبارک ۸۰۶ھ بمطابق ۱۴۹۰ء بمقام ازبکستان اوروفات ۲۶/ ربیع الاول بروزِ دوشنبہ۔ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے۔

اسی طرح خواجہ نظام الدین اولیاء کو اولیاء کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (بزم صوفیہ، ص ۲۱۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

طٰہٰ نام رکھنے کا حکم:

سوال: ایک صاحب کا نام طٰہٰ ہے کیا یہ نام مناسب ہے یا نہیں؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں طٰہٰ آیا ہے یا نہیں؟

الجواب: راجح قول کے مطابق طٰہٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے نہیں ہے، ہاں بعض ضعیف روایات میں آیا ہے، لیکن محققین حضرات نے تردید کی ہے، اس لیے اگر کسی نام طٰہٰ ہو تو اس کو محمد طٰہٰ کر دیا جائے محمد نام ہوگا اور طٰہٰ دراصل طأ ھا یعنی زمین کو روندو، تہجد پڑھو، اور دین کے لیے سفر کرو۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

وأما يذكره العوام أن يٰسٓ وطٰه من أسماء النبي فغير صحيح ليس ذلك في حديث صحيح ولا حسن ولا مرسل ولا أثر عن صاحب وإنما هذه الحروف مثل الٓمٓ وحٰمٓ والٓرٰ ونحوها. (تحفة المودود باحكام المولود، ص ۸۰).

بعض ضعیف روایات میں طٰہٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں شمار کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

دلائل النبوۃ میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه في قوله تعالىٰ: ﴿ طٰه ما أنزلنا عليك القرآن لتشقى ﴾ يا رجل ما أنزلنا عليك القرآن لتشقى... قال أبو زكريا: ولنبينا صلى الله عليه وسلم خمسة أسماء فى القرآن: محمد وأحمد وعبد الله وطه ويس... (دلائل النبوة للامام البيهقى: ۱/۱۵۹).

(وكذا فى الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ: ۱/۲۳۱، وسبل الهدى والرشاد: ۱/۴۰۵، ط: بيروت).

لیکن اس روایت کو ذخیرۃ الحفاظ میں محمد بن طاہر مقدسی نے ضعیف قرار دیا ہے:

حديث: إن لي عند ربي عزوجل عشرة أسماء، وأنا محمد، وأنا أحمد، وأنا الماحى

الـذی یـمحو اللّٰه بي الكفر ، وأنا العاقب ، الذى ليس بعدى أحد ، وأنا الحاشر الذى يحشر اللّٰه الخلائق معى على قدمى ، وأنا رسول الرحمة ، ورسول التوبة ، ورسول الملاحم ، وأنا المقفى قفيت النبيين عامة ، وأنا قثم ، والقثم الكامل الجامع .

رواه أبوالبختری وهب بن وهب عن جعفر بن محمد ، عن أبيه ، وهشام بن عروة ، عن أبيه عن عائشةؓ .

وعـن مـحـمـد بن أبي ذئب ، عن المقبرى ، وعن ابن شهاب وابن أخى الزهرى ، عن عمه ، وعبد الملك بن عبد العزيز ،عمن يخبره ، عن علي بن أبى طالب رضی اللہ عنہ .

ومـحمد بن أبي حميد، عن محمد بن المنكدر ، عن جابر رضی اللہ عنہ ، قالوا: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم .

قال ابن عدى: وهذه الأحاديث بواطيل .

وأبوالبخترى جسور من جملة الكذابين الذين يضعون الحديث .

وكان يجمع فى كل حديث أسانيد من جسارته .

ورواه سيف بـن وهـب ، وذكـر فى الأسماء : طه ، ويسين ، عن أبى الطفيل . وسيف ضعفه يحيى بن سعيد القطان ، وأحمد بن حنبل . (ذخيرة الحفاظ:٢/٩٦٠/١٩٩٦،ط: دارالسلف).

قـال الشيخ بشارعواد: ضعيف ، فقد قال يحيى بن سعيد : كان هالكاً من الهالكين ، وقـال شـعبة بـن الـحجاج: كان فسلاً ، يعنى رذلاً ، وقال أحمد بن حنبل: ضعيف الحديث، وقـال النسائى: ليس بثقة ، يروى عنه شعبة ، وذكره العقيلى ، وابن عدى ،وابن الجوزى فى الضعفاء ، وماحسن الرأى فيه سوى أبى عاصم الضحاك بن مخلد النبيل حيث قال: رأيت سيف بـن وهـب وكـان حسـن الـحـديـث سمع منه شعبة ، قلنا: قد تبين أن شعبة تكلم فيه. (تحريرالتقريب :٢/١٠٢).

خلاصہ یہ ہے کہ طٰہٰ نام کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں سے ہونا محقق بات نہیں ہے بلکہ حروفِ مقطعات میں سے ہے اور حروفِ مقطعات کے معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، لہٰذا ایسا نام رکھنا بہتر نہیں ہے۔

سمیہ، شاذیہ، نائلہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: کیا سمیہ، شاذیہ، اور نائلہ نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان کے معانی کیا ہیں؟

الجواب: (۱) سمیہ: بہت پیارا نام ہے اس کا مطلب ہے بلند مرتبہ والی، اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے جو ساتویں نمبر پر مشرف باسلام ہوئی تھیں، اور اسلام میں سب سے پہلی شہید ہونے والی خاتون ہیں، ابو جہل نے بڑے دردناک طریقہ سے شہید کیا تھا۔

ملاحظہ ہو لسان العرب میں ہے:

سما(السمو) الارتفاع والعلو تقول منه سموت وسميت مثل علوت وعليت . (لسان العرب: ۱٤/۳۹۷).

الإصابه میں ہے:

سمية بنت خباط...مولاة أبي حذيفة بن المغيرة بن عبد الله بن عمرو بن مخزوم ، والدة عمار بن ياسر رضي الله عنه ،كانت سابعة سبعة فى الإسلام ، عذبها أبوجهل وطعنها في قبلها ، فماتت فكانت أول شهيدة فى الإسلام، وكان ياسر حليفاً لأبي حذيفة فزوجها سمية فولدت له عماراً فأعتقه ، وكان ياسر وزوجته وولده منها ممن سبق إلى الإسلام . (الاصابة فی تمییزالصحابة:۸/۱۸۹). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

(۲) شاذیہ: یہ نام ذال سے ہو تو اس کا مطلب خوشبو والی لڑکی ہے۔

معجم مقاییس اللغہ میں ہے: **شذى : الشين والذال ... والشذا : كسرالعود ، وأحسبه سمى بذلک لحدة رائحته قال الشاعر :**

إذا ما مشت نادى بما في ثيابها　☆　رياح الشذا والمندلي المطير

(معجم مقاييس اللغة:۳/۲۵۸).

القاموس الوحید میں ہے: تیز خوشبو کا مہکنا۔ (القاموس الوحید:۱/۸۵۱)۔

اور اگر زاء کے ساتھ شازیہ ہو تو اس کے معنی بلند مرتبہ والی لڑکی کے ہیں۔ ملاحظہ ہو القاموس المحیط میں ہے: **شزا : ارتفع** . (القاموس المحيط،ص۱٦۷٦). (وكذا فی تاج العروس:۳۸/۳۷۳). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

(۳) نائلہ: عطیہ اور بخشش والی، مرتبہ پانے والی، بڑی سخاوت والی، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی

اہلیہ کا نام تھا۔

تاج العروس میں ہے: **النوال ، والنال ، والنائل : العطاء ، والمعروف تصیبه من إنسان ... و رجل نال: جواد وهي في الأصل نائل** . (تاج العروس: ٤٢/٣١). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

صانعہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: میرا نام صانعہ رکھا گیا ہے کیا یہ نام صحیح ہے اور رکھنا درست یا نہیں؟ نیز اس کا معنی کیا ہے؟

الجواب: صانعہ اچھا نام ہے اور یہ نام رکھنا درست ہے اس کے چند اچھے معانی ہیں: (۱) ہر کام بہترین طریقہ پر انجام دینے والی ۔(۲) احسان کرنے والی ۔(۳) بہترین طریقہ پر بچوں کی نگہداشت اور پرورش کرنے والی۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

صنع : صنع إليه معروفاً...وقال الراغب: الصنع : إجادة الفعل، وكل صنع فعل، وليس كل فعل صنعاً ، ولا ينسب إلى الحيوانات والجمادات ،كما ينسب إليه الفعل . (تاج العروس: ٣٦٣/٢١).

قال في لسان العرب : واصطنعتک لنفسی : قال ابن الأثير : هذا تمثيل لما أعطاه اللّٰه من منزلة التقريب والتكريم والاصطناع افتعال من الصنيعة وهی العطية والكرامة والإحسان . (لسان العرب: ٢٠٨/٨).

القاموس المحیط میں ہے:

وصنعة الفرس: حسن القيام عليه صنعت فرسی صنعاً وصنعةً. (القاموس المحيط، ص٩٥٤).

ولتصنع على عيني ۔لفظ صنعت سے اس جگہ مراد عمدہ تربیت ہے جیسے عرب میں صنعت فرسی کا محاورہ اسی معنی میں معروف ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کی اچھی تربیت کی ۔(معارف القرآن: ۸۴/۶)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

شبیر نام رکھنے کا حکم:

سوال: شبیر نام رکھنا کیسا ہے، اور اس کے معنی کیا ہیں؟

الجواب: شبیرنام رکھنا جائز اور درست ہے اور اس کے معنی حسین ہیں۔

أخرج الإمام البيهقي في سننه الكبرى (١٢٢٧٦) عن علي قال: لما ولد الحسن سميته حرباً ، فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال : أروني ابني ماسميتموه ، فقلت: حرباً فقال: بل هوحسن ، ثم ولد الحسين فسميته حرباً فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أروني ابني ماسميتموه فقلت: حرباً قال: بل هوحيسن فلما ولد الثالث سميته حرباً فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم أراه فقال: أروني ابني ماسميتموه قلت: حرباً قال: بل هو محسن ،ثم قال: سميتهم بأسماء ولد هارون شبر وشبير ومشبر . رواه يونس بن أبى إسحاق عن أبيه وقال: فى الحديث : إني سميت بني هولاء بتسمية هارون بنيه وروى فى هذا المعنى أخبار كثيرة .

وأيضاً أخرجه ابن حبان فى صحيحه (٦٩٥٨) وقال الشيخ شعيب: إسناده حسن . وأحمد (٧٦٩،و٩٥٣) والحاكم فى المستدرك (٤٧٧٣/١٦٥/٣) وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه . وقال الهيثمي: رواه أحمد والبزار...ورجال أحمد والبزار رجال الصحيح غير هانئى بن هانئى وهوثقة. (مجمع الزوائد:٥٢/٨،باب تغييرالاسماء،دارالفكر). والبخارى فى الأدب المفرد (٨٢٣)، والطبرانى فى الكبير (٢٧٧٣).

قلت: إسناده حسن ، رجاله رجال الشيخين غيرهانئى بن هانئى فقد روى له أصحاب السنن ولم يرو عنه غير أبي إسحاق السبيعى، قال النسائى : ليس به بأس ، ذكره ابن حبان فى الثقات ، وذكره ابن سعد فى الطبقة الأولى من أهل الكوفة ، قال: وكان يتشيع، وكان منكر الحديث، وقال ابن المدينى: مجهول ، وقال حرملة عن الشافعى: لايعرف، وأهل الحديث لاينسبون حديثه لجهالة حاله وقال الحافظ: مستور، وقال بشارعواد: مجهول، وقال العجلى: كوفى تابعى ثقة . راجع : (حاشية تهذيب الكمال: ٦٥٤٨/١٤٥/٣٠، وتحرير التقريب:٣٤/٤،وتعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط على صحيح ابن حبان : ٦٩٥٨/٤١٠/١٥،وعلى مسنداحمد:٧٦٩/١٥٩/٢).

تاج العروس میں ہے:

وقال ابن بری: ووجدت ابن خالويه قد ذكر شرح هذه الأسماء فقال: شبر وشبير ومشبر: هم أولاد هارون عليه السلام ومعناها بالعربية حسن، وحسين ومحسن قال: وبها سمى علي رضى الله تعالىٰ عنه أولاده شبر وشبيراً ومشبراً يعنى حسناً وحسيناً ومحسناً رضى الله تعالىٰ عنهم...ويقال: شبر فلاناً تشبيراً فتشبر أى عظمه فتعظم وقربه فتقرب.

(تاج العروس: ۲۹۸۵/۱). **مزید دیکھئے:** (غیاث اللغات ولغاتِ کشوری)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تفریق کے بعد بچہ کا نام تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے بیٹے کا نام رکھا پھر میاں بیوی دونوں میں تفریق ہوگئی تو ماں بچہ کے نام کو تبدیل کرنا چاہتی ہے تاکہ باپ کا رکھا ہوا نام نہ رہے تو کیا اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ باپ کا رکھا ہوا نام اس وجہ سے تبدیل کرنا کہ باپ سے نفرت ہے، یہ عمل درست نہیں، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

والدہ کے لیے بچہ کا نام رکھنے کا حکم:

سوال: بچہ کی ماں اپنے بچہ کا نام اپنی پسند کے مطابق رکھ سکتی ہے یا نہیں؟ یا فقط والد ہی کا حق ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ والد کا حق ہے کہ بچہ کا اچھا نام رکھے، لیکن دونوں کو مشورہ کر کے رکھنا بہتر ہے تاکہ والدہ کی دلجوئی ہوجائے نیز اگر والد نہ ہو یا والدہ اپنی پسند کا رکھنا چاہتی ہو اور والد راضی ہو تو والدہ نام رکھ سکتی ہیں۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن من حق الولد على الوالد أن يحسن اسمه ويحسن أدبه. (رواه البزار في مسنده، رقم: ۸۵۴۰). **قال الهيثمیؒ: وفيه؛ عبد الله بن سعيد المقبرى وهو متروك.** (مجمع الزوائد، باب الاسماء).

وعن ابن عباس رضي الله عنه أنهم قالوا: يا رسول الله! وقد علمنا ما حق الوالد على الولد فما حق الولد على الوالد قال: أن يحسن اسمه ويحسن أدبه. ومحمد بن الفضل بن عطية

ضعيف بمرة لا تفرح بما ينفرد به. (رواه البيهقى فى شعب الايمان ، رقم: ۸۲۹۱).

وعن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: حق الولد على والده أن يحسن اسمه ويحسن من مرضعه ويحسن أدبه .فيه ضعف . (رواه البيهقى فى شعب الايمان ، رقم: ۸۳۰۰).

وعن أبى الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم : إنكم تدعون يوم القيامة باسمائكم وأسماء آبائكم فأحسنوا أسماء كم . قال أبوداود: ابن أبي زكريا لم يدرک أبا الدرداء رضي الله عنه. (سنن ابى داود : ۴۹۵۰).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف لانقطاعه فإن عبد اللّٰه بن أبى زكريا لم يسمع من أبى الدرداء رضي الله عنه . (تعليقات الشيخ شعيب على مسند الامام أحمد، رقم:۲۱۶۹۳).

وفي شرح سنن أبي داود : وهذا خطاب للآباء بأن يحسنوا أسماء الأولاد ؛ لأن التسمية إنما تحصل من الآباء للأولاد ، والإنسان لا يسمى نفسه وإنما يسميه أبوه ، و يسميه أهله ، ثم ينشأ على هذا الاسم ، فالإرشاد هنا إنما هو للآباء بأن يحسنوا أسماء الابناء ، لكن الحديث فيه انقطاع . (شرح سنن ابى داود لعبد المحسن :۲۶۸/۲۸).

وقال في تحفة المودود : هذا مما لا نزاع فيه بين الناس أن الأبوين إذا تنازعا في تسمية الولد فهي للأب والأحاديث المتقدمة كلها تدل على هذا وهذا كما أنه يدعى لأبيه لا لأمه فيقال: فلان بن فلان قال تعالىٰ : ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند اللّٰه...والولد يتبع أباه فى النسب والتسمية... وقد قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ولد لى الليلة مولود فسميته باسم أبي إبراهيم . (تحفة المودود باحكام المولود،ص۸۵،الفصل الخامس فى ان التسمية حق للاب لا للام).

ماں کے نام رکھنے سے متعلق حوالہ ملاحظہ کیجئے:

تفسیر محاسن التاویل میں ہے: **(وإني سميتها مريم) مشروعية التسمية للأم ، وأنها لاتختص بالأب .** (محاسن التاويل:۹۱/۴).

امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

ويدل أيضاً على أن للأم تسمية ولدها وتكون تسمية صحيحة وإن لم يسميه الأب لأنها قالت: وإني سميتها مريم، وأثبت اللّٰه تعالىٰ لولدها هذا الاسم . (احکام القرآن: ۱۱/۲،ط:سهيل اکیڈمی).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ ماں کو اپنے بچے کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک گونہ ولایت حاصل ہے، کیونکہ اگر ماں کو بچے پر ولایت حاصل نہ ہوتی تو حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نذر نہ مانتیں، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ ماں کو بھی حق ہے کہ اپنے بچے کا نام خود تجویز کرلے۔ (معارف القرآن: ۲/ ۵۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صفر نام رکھنے کا حکم:

سوال: صفر اسلامی مہینے کا دوسرا مہینہ ہے اس کے درجِ ذیل معانی ہیں: **الصفر : الجوع ، دود فى البطن وداء يصفر منه الوجه** . (المعجم الوسيط ،ص۵۱٦).

وقال الإفريقي : الصفر داء فى البطن يصفر منه الوجه...(لسان العرب : ٤/ ٤٦٠).

ان معانی کو دیکھتے ہوئے کسی کے لیے درست ہے کہ اپنے بیٹے کا نام صفر رکھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اس مہینہ کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ عرب محرم میں قتال نہیں کرتے تھے، اور صفر کے مہینہ میں گھر خالی چھوڑ کر قتال کے لیے نکل جاتے تھے تو ہم یہ کہیں گے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صفر یعنی گھر چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد اور دین کی محنت کے لیے نکلنے والا، یہ اچھے معنی ہے اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے بچہ کا نام صفر رکھنا جائز اور درست ہے۔

نیز لوگ مہینوں کے نام رکھنے کے عادی ہے مثلاً رمضان، شعبان، ربیع وغیرہ تو صفر رکھنا بھی جائز ہے۔

تاج العروس میں ہے:

الصفر : العقل...وصفر: الشهر الذى بعد المحرم قال بعضهم إنما سمى صفراً ... لإصفار مكة من أهلها إذا سافروا. وروى عن رؤبة أنه قال: سموا الشهر صفراً ؛ لأنهم كانوا يغزون فيه القبائل ، فيتركون من لقوا صفراً من المتاع ...وفى الحديث : إن أصفر البيوت من الخير البيت الصفر من كتاب اللّٰه ، وفى حديث أم زرع : صفر ردائها ، وملء كسائها

وغیظ جارتها . (تاج العروس:۱۲/ ۳۳۰،۳۳۳).

تفاؤلاً ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بچہ کو ذنوب ومعاصی سے خالی رکھے یعنی اس کی حفاظت کرے۔

مزید ملاحظہ ہو: (عمدۃ القاری:۷/ ۱۱۰، ولامع الدراری:۲/ ۱۹۵، وفرہنگِ آصفیہ:۳/ ۲۲۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بچہ کی نسبت تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: میں ایک مطلقہ عورت ہوں میرے شوہر کا خاندانی نام ''ملا'' ہے جب کہ میرا خاندانی نام ''حافظی'' ہے میری بچی کی نسبت شوہر کی طرف ہے یعنی ملا ہے اور میں عمرہ کے لیے جانا چاہتی ہوں شوہر ولادت کا کارڈ دینے سے انکار کرتا ہے، نیز دیگر دفتری کاموں میں بھی بچی کی اور میری خاندانی نسبت مختلف ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ بچی کی خاندانی نسبت میری طرف کردوں؟ اور کیا یہ '' **من انتسب إلى غير أبيه ...الخ** ''. میں داخل ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ مشکلات کی بناپر عرفی نسبت تبدیل کرنا درست ہے ہاں ولدیت تبدیل کرنا ناجائز ہے یعنی بچی کا باپ تو وہی کہلائیگا، احادیث میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

وفي الحديث الصحيح: قال النبي صلى الله عليه وسلم للأنصار: لولا الهجرة لكنت امرءاً من الأنصار . (رواه البخاري، رقم: ۳۷۷۹).

اس حدیث کی شرح میں ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

وقوله " لكنت امرءاً من الأنصار" أي في الأحكام والعداد والله أعلم ، ولايجوز أن يكون المراد النسب قطعاً . (إحكام الاحكام شرح عمدة الاحكام: ۱/ ۲٦٤، ط: مؤسسة الرسالة).

فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ونسبة الإنسان تقع على وجوه : منها ؛ الولادة ، والبلادية ، والاعتقادية ، والصناعية ولا شك أنه لم يرد الانتقال عن نسب آبائه لأنه ممتنع قطعاً ...ومعناه : لولا أن النسبة الهجرية لايسعني تركها لانتسبت إلى داركم . (فتح الباري :۸/ ۵۱).

وفي الحديث: قال الحسن : ولقد سمعت أبابكرة رضي الله عنه قال: بينا النبي صلى الله عليه وسلم يخطب جاء الحسن ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن ابني هذا سيد ولعل الله أن

يصلح به بين فئتين من المسلمين . (رواه البخاری:۲/۱۰۵۳).

مذکورہ بالا روایت میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسہ کو اپنا بیٹا فرمایا، یعنی بچہ کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔
چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وفيه إطلاق الابن على ابن البنت . (فتح الباری : ۱۳/۶۷).

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یابنی کے الفاظ استعمال فرمائے **يابني احفظ اللّٰه يحفظك** .الخ ،(المعجم الاوسط،للامام الطبرانی،رقم:۵۴۱۷) امام بخاریؒ کے لیے جعفی کا لفظ ولاء کے اعتبار سے استعمال ہوا۔

ہاں بچہ کی ولدیت باپ سے قطع کرنا یعنی حقیقی باپ کو چھپا کر کسی اور کی طرف باپ کی نسبت کرنا ناجائز ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارے جانے کا حکم:

سوال: کیا لوگوں کو قیامت کے دن باپ کے نام پکارا جائیگا یا ماں کے نام سے، ماں کے نام کے ساتھ پکارنے کی کوئی روایت ہے یا نہیں؟ اور کیا اس میں ولد الزنا کی حقارت تو نہیں ہوگی؟

الجواب: روایاتِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائیگا، اور بعض ضعیف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائیگا، بعض علماء نے اس میں تطبیق دی ہے کہ ماں کے نام سے پکارنے کی وجہ یہ ہے کہ ولد الزنا کی رسوائی نہ ہو۔

اور بعض نے یہ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی رعایت کی وجہ سے ماں کی طرف نسبت سے پکارا جائیگا۔

بعض نے یہ کہا کہ بعض مرتبہ باپ کی طرف نسبت کر کے اور بعض مرتبہ ماں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائیگا۔

بعض نے یہ کہا کہ بعض لوگوں کو ماں کے نام سے اور بعض لوگوں کو باپ کے نام سے پکارا جائیگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اگر نسب باپ کی طرف سے مشہور ہو تو باپ سے اور ماں کی طرف سے مشہور ہو تو ماں کی طرف نسبت کر کے پکارا جائیگا اور اگر صرف نام مشہور ہو تو صرف نام سے پکارا جائیگا۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

أخرج الإمام أبوداود (٤٩٥٠) **بسنده عن أبی الدرداء﷜ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: إنكم تدعون يوم القيامة بأسمائكم وأسماء آبائكم فأحسنوا أسمائكم . قال أبوداود: ابن أبي زكريا لم يدرک أبا الدرداء .** (إسناده منقطع).

وأيضا أخرجه الدارمی فی سننه (٢٦٩٤)، **وابن حبان فی صحيحه** (٥٨١٨)،**وأحمد في مسنده**(٢١٦٩٣)، **وعبد بن حميد** (٢١٣)، **والبيهقی في شعب الإيمان** (٨٢٦٥) .

قال الشيخ شعيب: إسناده ضعيف لانقطاعه فإن عبد اللّٰه بن أبي زكريا لم يسمع من أبی الدرداء. (تعليقاته علی مسنداحمد).

وقال في تعليقاته علی ابن حبان: رجاله ثقات غير داود بن عمرو و هو الأودی ... وهو صدوق إلا أن عبد اللّٰه بن أبي زكريا لم يدرک أبا الدرداء كما نص عليه الحافظان ابن حجرؒ والمنذری وغيرهما، فهو منقطع. (١٣/١٣٥/٥٨١٨).

داود بن عمرو صدوق حسن الحديث ، وثقه يحيی بن معين ، وقال أحمد بن حنبل: حديثه مقارب، وقال أبوزرعة: لا بأس به، وقال أبوحاتم : شيخ ، وقال أبوداود: صالح ، ذكره ابن حبان فی الثقات ، تناكد العجلي فقال: يكتب حديثه ليس بالقوی .

(تحريرالتقريب:١/٣٧٦/١٨٩٤). *اس کی تائید بخاری شریف کی روایت سے ہوتی ہے۔ملاحظہ ہو:*

عن ابن عمر﷜ عن النبي صلی اللّٰه عليه وسلم قال: إن الغادر يرفع له لواء يوم القيامة يقال: هذه غدرة فلان بن فلان. (اخرجه البخاری ، رقم: ٦١٧٧، باب مايدعی الناس بآبائهم).

اس روایت میں فلان بن فلان یعنی باپ کی طرف نسبت مراد ہے۔

ماں کے نام سے پکارے جانے کی روایت ملاحظہ کیجئے:

قال فی المقاصد الحسنة: إن اللّٰه يدعو الناس يوم القيامة بأمهاتهم ستراً منه علی عباده .

الطبراني فی الكبير من حديث إسحاق بن بشر أبي حنيفة عن ابن جريج عن عبد اللّٰه بن أبي مليكة عن ابن عباس ﷛ مرفوعاً به، وفی الباب عن أنس﷜ رفعه بلفظ يدعی الناس وذكره وعن عائشةؓ وكلها ضعاف وقد أورده ابن الجوزی فی الموضوعات.

(المقاصدالحسنة،ص٢٠٧).

طبرانی کی روایت میں مطلق اسماء کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج الإمام الطبراني فی الکبیر (۱۱۲۴۲) **بسنده عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إن اللّٰه تعالیٰ یدعو الناس یوم القیامة بأسمائهم ستراً منه علی عباده ...الخ . قال الهیثمی: فیه : إسحاق بن بشر أبو حذیفة وهو متروک.** (مجمع الزوائد: ۳۵۹/۱۰).

وراجع للمزید: (کشف الخفاء: ۲۴۷/۱،واللآلی المصنوعة:۳۷۳/۲،والضعفاء لابن الجوزی :۱/ ۳۰۷/۱۰۰).

التعلیق الصبیح میں مذکور ہے:

قد جاء في بعض الروایات أنه یدعی الناس یوم القیامة بأسماء أمهاتهم، فقیل: الحکمة في ذلک ستر اولاد الزنا لئلا یفتضحوا لعدم الآباء لهم وقیل: ذلک لرعایة عیسی بن مریم علیه الصلاة والسلام إذ لا أب له وقیل: لإظهار فضل الحسن والحسین وبشرفهما بإظهار نسبتهما إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فإن ثبتت هذه الروایة حمل الآباء علی التغلیب کما فی الأبوین و یحتمل أنهم یدعون بالآباء وأخری بالأمهات أو یدعی البعض بالآباء والبعض بالأمهات أو في بعض المواطن بهم وفي بعضها بهن ، انتهی. (التعلیق الصبیح:۱۵۵/۵). (وکذا فی بذل المجهود:۱۸۵/۱۹،وعون المعبود:۲۹۱/۱۳). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تزکیہ والے ناموں کا حکم:

سوال: ایک آدمی کا نام طاہر ہے، کسی نے اس نام پر اعتراض کیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا جس کے معنی نیکوکار اور متقیہ کے ہیں، تو کسی نے کہا کہ یہ خود اپنی تعریف کرنے کی طرح ہے، **فقیل لها تزکی نفسها ، فسماها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم زینب** ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برہ کو تبدیل کر کے زینب نام رکھا، بظاہر طاہر، صالح، ساجد، عابد وغیرہ ناموں میں بھی یہ سبب پایا جاتا ہے، پھر ان ناموں کا رکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: طاہر، صالح، ساجد، عابد وغیرہ ناموں کا رکھنا جائز اور درست ہے اس لیے کہ اس طرح کے

اسماء تفاؤلاً رکھے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نام کو حقیقت بنادے، تزکیہ یعنی خود اپنی تعریف مقصود نہیں ہوتی۔ اور جن روایات سے بظاہر ممانعت معلوم ہوتی ہے ان کی چند توجیہات حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

☆ جن ناموں میں تعریف اور مدح کا پہلو ہے اور مقصود تفاؤل ہو تو ان ناموں کا رکھنا جائز ہے، جیسے رباح، نافع، علاء وغیرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ناموں سے منع فرمانے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر ارادہ ترک کردیا۔

☆ جن ناموں سے لوگوں کے اذہان بدفالی کی طرف منتقل ہوتے ہیں، ایسے نام رکھنا مناسب نہیں جیسے کسی کا نام خوش قسمتی یا برکت یا سعادت ہو، اور کسی کے جواب میں کہا جائے خوش قسمتی برکت نہیں، تو ذہن بدفالی کیطرف جائیگا۔

☆ جو نام تزکیہ اور صفائی اور مدح پر دال ہیں پہلے ان کے رکھنے سے منع کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر چھوڑ دیا یا یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

☆ یہ کراہت اس زمانہ پر محمول ہے جب بدفالی کی ممانعت نہیں آئی تھی جب بدفالی ممنوع ہوئی تو ان ناموں سے بدفالی کا پہلو ختم ہوا اور **إنما الأعمال بالنيات** کے تحت ان میں بجائے تعریف کے نیک فالی آ گئی، اس لیے ایسے نام رکھنا جائز ہوا۔

اگر کوئی اشکال کرے کہ برہ کی تبدیلی کے تین واقعات ہیں: (۱) حضرت جویریہ بنت الحارثؓ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲) زینب بنت جحشؓ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۳) زینب بنت ام سلمہؓ ربیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شرح الابی: ۷/۳۰۰)۔ ان تینوں کا نام برہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل فرما دیا تھا۔ لیکن کسی جگہ اس نام کو نیک فالی کی وجہ سے برقرار رکھا اور تبدیل نہیں فرمایا، اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ برہ کے معنی التوسع فی الخیر یعنی تمام خیر کے کام بہت ہی وسعت اور اعلیٰ پیمانے پر کرنا ہے اور یہ مبالغہ ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ليس البر أن تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من آمن بالله واليوم الآخر والملائكة والكتاب والنبيين وآتى المال على حبه ذوى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب وأقام الصلاة وآتى الزكاة والموفون بعهدهم إذا عاهدوا والصابرين فى البأساء والضراء وحين البأس أولئك الذين صدقوا وأولئك هم

المتقون﴾ . (البقرة:١٧٧) اس آیت میں لفظ ''البِرّ'' میں اعتقادات، عباداتِ بدنیہ مالیہ پھر عباداتِ مالیہ کی تمام اقسام اقارب واباعد مقیم مسافر محتاج غیر محتاج سائل غیر سائل سب آئے ہیں، پھر اجتماعی خیر یعنی ایفائے عہد شکر وصبر والصابرین پھر صبر کی تمام اقسام آئی ہیں، اگر اس کو تفاؤل پر محمول کیا جائے تو پھر بھی اس کو نباہنا مشکل ہے، اس لیے اس کو تبدیل فرمایا۔

ہاں اگر برہ کے عام معنی بمعنی متقی لیں جس کو عوام استعمال کرتے ہیں تو پھر اس نام میں کوئی حرج نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ دعا سکھائی ہے: **وتوفنا مع الأبرار** . یہاں ابرار بمعنی متقین ہے، اس لیے بعض بزرگوں کا نام ابرار الحق تھا، اور صحابیات میں برہ بنت ابی تجراۃ ہے (الاصابۃ: ۸/ ۴۸) اور بریرہ کا مطلب بھی براور تقویٰ والی ہوسکتا ہے۔

اس مسئلہ کے دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حرب اور مرہ نام رکھنے کا حکم:

سوال: حدیث کی روشنی میں حرب اور مرہ نام رکھنا ممنوع ہے لیکن صحابہ میں حرب بن جناب اور حرب بن الحارث المحاربی کا نام ملتا ہے، اسی طرح مرہ بھی چند صحابہ کا نام تھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کی تبدیلی کا حکم نہیں فرمایا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

الجواب: اگر کوئی نام شرک پر مشتمل ہو تو اس کی تبدیلی لازم ہے جیسے عبدالعزیٰ، وعبدالھبل وغیرہ، اور اگر کسی نام میں بدفالی کا شبہ ہو لیکن اس نام میں دوسری طرف اچھے معنی بھی نکل سکتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیلی کا مشورہ دیا ہو تو اس کی تبدیلی لازم نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مشورہ کے درجہ میں تھا واجب القبول نہیں تھا، ہاں مندوب القبول تھا، چنانچہ حرب اور مرہ بھی اسی قبیل سے ہیں کہ ان میں اچھے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ مرہ یعنی باطل کے مقابلہ میں کڑوا اور حرب دشمن کے مقابلہ میں برسرِ پیکار ہیں، اس لیے تبدیلی کا حکم نہیں فرمایا اور بعض صحابہ کا نام حرب اور مرہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید بن مسیّب کے دادا حزن کو نام کی تبدیلی کا مشورہ دیا تھا لیکن انہوں نے تبدیل نہیں کیا، سعید بن مسیّب فرماتے تھے کہ ہمارے خاندان میں سختی چلی آرہی ہے۔

مرہ اور حرب کے بارے میں روایت ملاحظہ کیجئے:

عن أبي وهب الجشمي، وكانت له صحبة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تسموا بأسماء الأنبياء ...وأقبحها حرب ومرة. (رواه ابوداود،رقم: ۶۷۶/۲،باب فی تغییرالاسماء).

مرقات میں ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں:

وأقبحها حرب ومرة : لأن الحرب يتطير بها وتكره لما فيها من القتل والأذى، وأما مرة ، فلأن المر كريه، ولأن كنية إبليس أبومرة. (مرقاة المفاتيح : ۱۲۰/۹،باب الاسامی).

لیکن ابتدائے اسلام میں بدفالی مروج تھی بعد میں لاطیرۃ والی روایات سے بدفالی ختم ہوئی ۔لہذا اب ایسے نام رکھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

وإنما غير من الأسماء من أراد الأخذ فيه بالأفضل دون من أراد حمله على الجائز، ولذلك أقر حزناً على ما أراد من الاستمساك باسمه ورضيه وكره تغييره ولو كان ذلك محرماً لم يقره على ذلك ولذلك أقر حرباً ومرة على أسمائهما ولم يأمرهما بتغييرهما.

(المنتقى شرح الموطا:۲۹۶/۷).

ہاں شرکیہ نام رکھنا ناجائز ہے،اوراس کی تبدیلی واجب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ناموں کی تبدیلی کا مشورہ دیا تھا،لیکن یہ واجب القبول نہیں تھا کیونکہ وہ شرک پر مشتمل نہیں تھے۔ملاحظہ ہو:

عن عبد الحميد بن جبير بن شيبة قال: جلست إلى سعيد بن المسيب ، فحدثني أن جده حزناً قدم النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ما اسمک ؟ قال:اسمی حزن،قال: بل أنت سهل، قال: ما أنا بمغير اسماً سمانيه أبي قال ابن المسيب: فما زالت فينا الحزونة بعد.

(رواه البخاری: ۹۱۴/۲،باب تحويل الاسم الى اسم احسن منه).

ارشادالساری میں علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

وفي الحديث: أن التغيير ليس على وجه المنع من التسمي بالقبيح بل على وجه الاختيار فيجوز تسمية الرجل القبيح بحسن والفاسق بصالح لأنه صلى الله عليه وسلم لم يلزم حزناً لما امتنع من تحويل اسمه إلى سهل بذلک ولو كان لازماً لما أقره على قوله ما أناْ

بمغير اسماً سمانيه أبي . والله الموفق للصواب. (ارشادالساری:۹/۱۱۲).

وللاستزادة انظر: (فتح الباری: ۱۰/۵۷۷،وشرح صحیح البخاری لابن بطال: ۹/۳٤۸).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مشکل ناموں کے معانی ذکر کرنے کی وجہ اور عربی زبان کی اصلیت:

آج کل لوگ زمانہ قدیم کے اسلامی ناموں کو رکھتے ہیں وہ نام عبرانی یا سریانی یا دوسری زبانوں کے ہوتے ہیں پھر عام لوگ ان ناموں کے معانی پوچھتے ہیں اور جب ان کو بتایا جاتا ہے کہ یہ نام عبرانی یا دوسری زبانوں کے ہیں ان کے صحیح معانی معلوم نہیں تو وہ اصرار کرتے ہیں کہ ان ناموں کے کچھ اچھے معانی تلاش کیجئے ہم بعد میں فون کرلیں گے، بنابریں جو کچھ ہم سے ہوسکا ہم نے لغت کی کتابوں اور بعض تفاسیر اور کبھی اپنی ناقص رائے سے ان ناموں کے معانی لکھے تاکہ سائلین کو اطمینان ہوجائے اور نام رکھتے وقت ان کے اچھے معانی کو ملحوظ کرکے نام رکھیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ عربی زبان کی اصل عبرانی اور عبرانی زبان کی اصل سریانی ہے، اب بھی عبرانی زبان میں عربی زبان کے سینکڑوں الفاظ موجود ہیں جو دونوں میں مشترک معلوم ہوتے ہیں، آج کل عبرانی زبان اسرائیل کی سرکاری زبان ہے، یہودی سلام کو شلوم کہتے ہیں جو سلام کی بگڑی ہوئی شکل ہے، یروشلم بھی اصل میں ارض السلام ہے جس کو یروشلم بنایا گیا، تل ابیب بھی اصل میں تل ربیع ہے یا تل حبیب ہوگا، تل کے معنی ٹیلا اور ربیع اور حبیب تو ظاہر ہے، واللہ اعلم۔

لیکن ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عربی زبان اصل ہے اور اس سے دیگر زبانیں برآمد ہوئیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو آسمانوں پر پیدا کرنے کے بعد فرمایا: فرشتوں کو ”**السلام عليكم**“ کہو اور ان کا جواب سنو، حضرت آدم علیہ السلام نے سلام کیا اور فرشتوں نے ان کے جواب میں: ”**السلام عليك ورحمة الله**“ کہا، یہ عربی الفاظ ہیں۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لما خلق الله آدم على صورته طوله ستون ذراعاً، فلما خلقه قال: اذهب فسلم على أولئك نفر من الملائكة جلوس فاستمع ما يحيونك فإنها تحيتك وتحية ذريتك، فقال: السلام عليكم، فقالوا: السلام عليك ورحمة الله، فزادوه: ورحمة الله". متفق عليه. (رواه البخاری:۲/۹۱۹، رقم: ۳۳۲٦،

ومسلم، رقم: (٢٨٤١).

اس کے علاوہ جنوبی افریقہ کے مسلمان خصوصاً اور دوسری جگہوں کے عموماً مختلف ناموں کے معانی دریافت کرتے ہیں، ہم نے بعض ان ناموں کے علاوہ جو ہم سے پوچھے گئے دیگر ناموں کو بھی فتاویٰ میں شامل کیا تا کہ ان سے عوام اور طلبہ اور خود ہم فائدہ اٹھائیں، بعض بگڑے ہوئے ناموں کی تصحیح کی کوشش کی اور ان کی اصل تلاش کی، بعض ناموں کی اصل معلوم کرنے کے لیے بہت سوچ فکر اور کھوج کرید کی ضرورت پڑی اور یہ لطیفہ بھی قابل ذکر ہے کہ بعض ناموں کے معانی خواب کے ذریعہ معلوم ہوئے۔ کچھ مدت پہلے ہمارے ایک تلمیذ مولانا وسیم خان امریکی نے فرمائش کی کہ آپ میرے ساتھ عمرہ اور بیت المقدس کے سفر پر چلیں، لیکن مجھے تردد تھا کہ جانا چاہئے یا نہیں، کیونکہ میرے جنوبی افریقہ کے پاسپورٹ میں جلی حروف میں میری پاکستانی پیدائش لکھی ہے اور پاکستان کے شمالی صوبہ کے لوگوں کی شکلیں بھی افغانیوں کی طرح ہیں، میں اسی شش وپنج میں تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں کیونکہ اسرائیل کی دین دشمنی سب کو معلوم ہے، میں نے خواب دیکھا کہ میں اپنے محلّہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوں اور غالباً وہ مسکرا کر بات چیت کررہے ہیں، ان میں سے ایک کا نام نور الامین خان یوسفزی اور دوسرے کا تمریز خان یوسفزی ہے دونوں کا تعلق شعر وسخن سے ہے، جب نیند سے اٹھا تو میں مطمئن ہوا میں نے نور الامین کی تعبیر بیت المقدس کے سفر سے کی، کیونکہ نور الامین روح الامین کی طرح ہے جبرئیل امین روح الامین ہے اور نورانی بلکہ نور ہے اور وحی میں امین ہے اور جبرئیل علیہ السلام کا تعلق بیت المقدس کے ساتھ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی معیت میں مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے تھے، نور الامین میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہونے کا بھی احتمال ہے یعنی روشنی کی طرح اور امانتدار، اسی طرح تمریز اصل میں تمر ریز ہے یعنی کھجور تقسیم کرنا جو عمرہ کی طرف اشارہ تھا۔ الحمد للہ بیت المقدس اور عمرہ کا سفر خیر وعافیت سے ہو گیا تھا، یاد رہے کہ خواب کی تعبیر میں ناموں کا دخل حدیث مبارک سے ثابت ہے۔ اب چند اہم اور مشکل اسماء کے معانی، حروفِ تہجی کے اعتبار سے ملاحظہ کیجئے:

لڑکوں کے اسماء اور ان کے معانی:

حرف الالف:

آصف: ایک مزیدار پودا جس کی کلیاں نمک یا سرکے کے ساتھ ملا کر کھائی جاتی ہیں۔ (القاموس الوحید: ١/١٢٦)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کا نام، اور لائق اور ضبط کرنے والے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور

عربی لفظ کے لحاظ سے مزیدار اور محبوب کے معنی میں ہے۔

ازہر: سفید رنگ والا، چاند کی طرح روشن چہرے والا۔(المعجم الوسیط،ص۴۰۴)۔

اسامہ: شیر۔اسامۃ من اسماء الاسد۔(لسان اللسان:۱/۳۰)۔

اسود: بزرگی وشرافت والا، بردبار، مالدار، برکت والا، سردار، پہاڑ کی چوٹی کا پرچم۔(تاج العروس:۸، و بخاری شریف:۱/۱۷، وفتح الباری:۱/۱۶۶)۔

اویس: پیارا، عطیہ، الاوس، عطیہ۔(القاموس الوحید:۱/۱۴۱، ولسان العرب:۶/۱۷)۔

احمس: دین پر مضبوط۔حمس۔مضبوط ہونا۔(القاموس الوحید:۱/۳۷۵)۔

اقرع: سخت اور مضبوط ڈھال۔(القاموس الوحید:۱/۱۳۰۱)۔

ایاس: عطیہ۔(لسان العرب:۶/۱۷)۔

اورنگزیب: ایک مشہور مغلیہ خاندان کے بادشاہ کا نام ہے جس نے ۵۰ سال سے زائد بڑے طمطراق سے حکومت کی۔اس کے معنی ہیں تختِ شاہی کی زینت۔

ایاز: محمود غزنوی کے غلام کا نام ہے، اصل میں ایاس ناامیدی کے معنی میں ہیں، پھر لوگوں نے سین کو زاء میں تبدیل کردیا، اور ہمزہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے مفتوح ہوا۔

غیاث اللغات میں لکھا ہے: ایاس بالفتح نام غلام سلطان محمود غزنوی وسین مہملہ این بدل از زائے معجمہ است از برہاں۔(غیاث اللغات،ص۶۰)۔

ایاس: ناامیدی کو کہتے ہیں اور اس کا مطلب وہ شجاع اور بہادر ہے جس کے مقابلہ سے لوگ ناامید ہوتے ہوں۔

لیکن غیاث اللغات کی تشریح سے مجھے تشفی نہیں ہوئی تو ایک ترکی النسل طالبِ علم سے میں نے پوچھا کہ آپ اپنی والدہ سے فون پر دریافت کریں کہ ایاز کے ترکستانی زبان میں کیا معنی ہیں، کیونکہ ایاز ترکی النسل غلام تھا، تو اس کی والدہ نے بتایا کہ ایاز کے معنی ہلکی اور ٹھنڈی ہوا ہے۔

الیاس: میں بھی یأس کا لفظ ہے اس کے معنی بھی وہ بہادر ہیں جس کے مقابلہ سے لوگ عاجز ہوں۔

بخاری کے حاشیہ میں بحوالہ التوشیح والکرمانی لکھا ہے: **إلیاس بھمزہ قطع مکسورۃ إفعال من قولھم الیس الشجاع الذی لایفر وقیل بھمزہ وصل وھو ضد الرجاء** .(حاشیہ بخاری شریف:۱/۵۴۳،رقم:۷)۔

اُمبارس: یہ لفظ دراصل ہمارس ہے، پھر لوگوں نے بگاڑ کر امبارس کرلیا۔ ہما ایک خیالی پرندہ ہے جو کسی کے سر پر سے گزرتا ہے وہ بادشاہ یا خوش قسمت بن جاتا ہے۔ یعنی ہما پرندہ تک پہنچا۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی خوش قسمت بن گیا۔

ارسلان: شیر۔ (فیروز اللغات)۔

حرف الباء:

بلال: سخی۔ پانی، ہر وہ چیز جس سے حلق کو تر کیا جائے۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۱۸۰، ولسان العرب: ۱۱/ ٦۴)۔

بکر: جوان اونٹ، جلدی چلنے والا۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۱۷٦)۔

براء: عیوب سے پاک۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۱۵٦)۔

بریر: پیلو کا پھل۔ ثمر الاراک عامة. (لسان العرب: ۴/ ۵۵، والصحاح: ۲/ ۵۱۲)۔

بدیل: شریف، سخی۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۱۵۴، والصحاح: ۴/ ۱۳۳۹)۔

بصرہ: سفیدی مائل نرم پتھر۔ (المعجم الوسیط ص: ۵۹، ولسان العرب: ۴/ ٦۷)۔

بردل خان: بہادر، شجاع۔ (لغاتِ سعیدی، ص ۱۲۸)۔

بابک: ایک بادشاہ کا نام ہے اس نے ضحاک کو قتل کیا تھا، اور قانون اور آئین کے معنی میں ہیں۔

بابر: شیر ببر اور مغلیہ خاندان کے ایک مشہور بادشاہ کا نام۔

بنار: اصل میں بنارِہ کے معنی میں ہے یعنی سلامت رہو۔

بنارس: سلامتی تک پہونچنے والا۔

بنیامین: اصل میں بُنَيَّ، اور بُنَيَّ اصل میں ابني ہوگا، یعنی میرا بیٹا اور امین امانت دار، یعنی امانت دار بچہ۔ یا اصل میں بُنَيَّ یعنی پیارا بچہ ہوگا اور امین کے معنی امانت دار۔ مطلب یہ کہ ہوگا: پیارا امانت دار بچہ۔

اس کا ایک اور اچھا معنی یہ ہے کہ یامین خوش قسمت کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہوگا خوش قسمت بیٹا۔

بہرام: مریخ ستارہ اور عراق کے ایک عادل بادشاہ کا نام تھا۔ (غیاث اللغات)۔

پرویز: فتحمند۔ (لغاتِ کشوری، ص ۸۴)۔

حرف التاء:

تمیم: کامل مکمل۔ پورے قد وقامت والا۔ (لسان العرب: ۱۲/ ٦۹، والصحاح: ۴/ ۱۵٦۲)۔

تیمور: فولاد، عمدہ لوہا۔ (غیاث اللغات، ص۱۳۵، ولغاتِ کشوری، ص۱۲۰)۔

حرف الثاء:

ثمامہ: لمبی شاخوں والا پودا۔ (القاموس الوحید: ۲/۲۲۳)۔

ثعلبہ: دشمن پر رعب ڈالنے والا۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۲۱۵)۔

ثمیر: پھلدار۔ (القاموس الوحید: ۱/۲۲۲)۔

حرف الجیم:

جذلان: خوش۔ (المعجم الوسیط، ص۱۱۳، والقاموس الوحید: ۱/۲۴۳)۔

جعیل: نگران، عطیہ اور بخشش، جعل کی تصغیر ہے۔ (تاج العروس: ۲۸/۲۱۰)۔

جریر: لگام، باطل کو لگام لگانے والا، اور لوگوں کو حق کی طرف مضبوط رسی سے کھینچنے والا۔ الجریر: رسی، جانور کو کھینچنے کی رسی۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۲۴۹، والمعجم الوسیط، ص۱۱۶)۔

حرف الحاء:

حفی: شفیق، الحفی لطیف وشفیق، قرآن پاک میں ہے: **انہ کان بی حفیاً** . (القاموس اوحید: ۱/ ۳۵۸، ولسان العرب: ۱۴/ ۱۸۷)۔

حنان: رحم والا۔ الحنان ماں کی مامتا، محبت، وشفقت، ترس، مہربانی، قرآن پاک میں ہے: **وحناناً من لدنا** . (القاموس الوحید: ۱/ ۳۸۵، ولسان العرب: ۱۳/ ۱۲۸)۔

حمیم: ہوشیار، **الحمیم** گہرا دوست۔ (القاموس الوحید: ۱/۳۸۰)۔ **الحمیم القریب الذی تودہ ویودک** . (لسان العرب: ۱۲/ ۱۳۵)۔

حشیم: باوقار، الحشمۃ، شرم، حیا، وقار۔ (القاموس الوحید: ۱/۳۴۳، ولسان العرب: ۱۲/ ۱۳۵)۔

حمران: زعفران، سونا۔ (القاموس الوحید: ۱/۳۷۴، ولسان العرب: ۴/ ۲۱۵)۔

حمزہ: شیر۔ (المعجم الوسیط، ص: ۱۹۷)۔

حفص: شیر کا بچہ۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۳۵۵)۔

حنظلہ: ایلوا، باطل کے لیے ایلوے کی طرح کڑوا۔ (القاموس الوحید: ۱/۳۸۳، والمعجم الوسیط، ص۲۰۲)۔

حصین: محفوظ جگہ، الحصین، محفوظ، مستحکم۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۳۴۸)۔

حرملہ: حرمل ایک پودا ہے جس کو کالا دانہ اور فارسی میں اسپند اور پشتو میں سپیلنی کہتے ہیں عورتیں اور عوام الناس اس کو ہوا کی بدبو کو صاف کرنے اور خوشبودار کرنے اور نظر بد سے حفاظت کے لیے انگاروں پر رکھ کر استعمال کرتے ہیں بازاروں میں ملنگ لوگ دکانوں میں اس کی دھونی دیتے ہیں اور کچھ پیسے وصول کرتے ہیں، اور تاء وحدت کے لیے ہو جائیگی۔

اسی طرح حرملہ چھوٹی پوشاک جسے گلے کی چاروں طرف مونڈھوں اور کمر پر ڈالتے ہیں آگے سے نکلی ہوئی ہوتی ہے۔ (القاموس الوحید: ۱/۳۳۲، والمعجم الوسیط ،ص۱۶۹)۔

حرف الخاء:

خصیب: سرسبز۔ (لسان العرب: ۱/۳۵۵، ومصباح اللغات ،ص۲۰۴)۔

خزیمہ: موتیاں پرونے والا۔ نیز خزام خوشبو والا پھول بھی ہے۔ (القاموس الوحید: ۱/۴۳۶)۔

خدیج: شر سے منقطع ہونا، خراب لوگوں سے اور خراب کاموں سے علیحدہ۔

خمیم: قابل تعریف۔ (لسان العرب: ۱۲/۱۹، والقاموس الوحید: ۱/۴۷۷)۔

خبیب: تیز رفتار۔ (لسان العرب: ۱/۳۴۱)۔

خریت: ماہر۔ (لسان العرب: ۱/۳۰، والقاموس الوحید: ۱/۴۲۱)۔

حرف الدال:

دریر: روشن۔ (لسان العرب: ۴/۲۸۱، ومصباح اللغات ،ص۲۳۴)۔

دلہام: بہادر۔ شیر۔ (المنجد فی اللغۃ ،ص۲۲۳، والقاموس الوحید: ۱/۵۴۱)۔

دکین: مٹیالا۔ مہذب۔ (لسان العرب: ۱۳/۱۵۷، والقاموس الوحید)۔

دلفگار: زخمی دل والا یعنی عاشق۔ فگار کے معنی مجروح، اور دلفگار معشوق کے معنی میں صحیح نہیں۔ (غیاث اللغات ،ص۳۷۷، ولغاتِ کشوری ،ص۳۵۱)۔

دُرویش: اگر دال کے ضمہ کے ساتھ ہو تو متقی اور صالح صوفی کے معنی میں ہیں، اس کی اصل دُرّ آویزش تھی بعد میں مخفف ہوا، موتی اور قیمتی پتھر یعنی تسبیح ہاتھوں میں لٹکانے کے معنی میں ہوگا، چونکہ صوفی حضرات کے ہاتھ میں ہر وقت تسبیح ہوتی تھی اور ان کے معتقدین ان کے لیے قیمتی پتھروں کی تسبیح فراہم کرتے تھے اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ غیاث اللغات میں ہے:

دُرویش: بضم دال باید گفت دریں صورت مرکب باشد از دُر کہ بمعنی مروارید ست وویش کہ دراصل واش بود مزید علیہ وش کہ کلمہ تشبیہ ست۔ (غیاث اللغات، ص۲۰۷)۔

دَرویش: اگر دال کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب دروازہ سے لٹکنے والا، یعنی نیک صالح اللہ تعالیٰ کے در کا بھکاری، اور در سے عام در مراد لیں تو بھیک مانگنے والا جو لوگوں کے دروازوں سے چمٹ کر مانگتا رہتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے: (غیاث اللغات، ص۲۰٦، ولغاتِ کشوری)۔

حرف الذال:

ذکوان: ہوشیار اور خوشبودار۔ (لسان العرب: ۱/ ۴۴۸، والمنجد، ص۳۵۳)۔

ذویب: بلند شان والا۔ (تاج العروس: ۲/ ۴۴۹، والمنجد، ص۳۴۷)۔

ذابل: دبلا پتلا۔ (المنجد، ص۳۴۹، والمعجم الوسیط، ص۳۰۹)۔

حرف الراء:

رکانہ: قوت وسہارا دینے والا۔ (لسان اللسان: ۵۱۰، والمنجد، ص۴۰۵)۔

رمان: انار۔ (لسان العرب: ۱/ ۵۱۵، وتاج العروس: ۳۲/۲۹۴)۔

ربیع: موسم بہار۔ (القاموس الوحید: ۱/۵۹۳)۔

رحیل وراحیل: چلنے میں تیز۔ (لسان العرب: ۱۱/ ۲۷۸، والقاموس الوحید: ۱/ ٦۰۸)۔

رمیز: ہوشیار۔ الرمیز مکرم ومعظم، اصیل، عقلمند۔ (مصباح اللغات، ص۳۰۴)، والرمیز: العاقل الثخین. (لسان العرب: ۵/ ۲۵۷).

رہیب: رعب والا۔ الرہیب والمرعوب، خوفناک، شیر، (مصباح اللغات، ص۳۱۸)۔ الرهبة: الخوف والفزع. (لسان العرب: ۱/ ۴۳٦)۔

ریان: سرسبز وشاداب، سیراب کرنے والا۔ تشنگی بجھانے والا۔ (مصباح اللغات، ص۳۲٦)۔

روید: ہلکی خوشگوار ہوا۔ الرود، ریح، نرم چلنے والی ہوا۔ الرود الريح اللينة الهبوب. (المعجم الوسیط، ص۳۸۱)۔

رابغ: خوشحال، ربغ ربغاً القوم فی النعیم، خوشحال زندگی بسر کرنا۔ (مصباح اللغات، ص۲۷٦)۔ وعيش رابغ رافع ای ناعم. (لسان العرب: ۸/ ۴۲٦)۔

رشیق: خوش مزاج بلندقامت۔رشق رشاقۃ الغلام خوبصورت قد والا ہونا۔(مصباح اللغات،ص۲۹۴،و لسان العرب:۱۰/ ۱۱۷)۔

ریحان: ہرایک خوشبودار پودہ۔(مصباح اللغات،ص۳۲۲)۔الریحان جنس من النبات طيب الرائحة من الفصيلة الشفوية، وكل نبت طيب الرائحة .(المعجم الوسیط،ص۳۸۱)۔

رزین: باوقار،رزن رزانۃ سنجیدہ ہونا،باوقار ہونا،صفت مذکر رزین۔(مصباح اللغات،ص۲۹۱)۔

رفاعہ: بلند۔الرَفاعة والرِفاعة والرُفاعة من الصوت آواز کی بلندی اورشدت۔(مصباح اللغات،ص۳۴۳)۔

راجو: راج ، بادشاہت اورسلطنت کے معنی میں ہیں اورواونسبت کے لیے آتا ہے،مطلب یہ ہوگا : بادشاہت والا۔خودمختار۔(فیروزاللغات)۔

حرف الزای:

زہیر: چمکدار۔زہرزہوراً، السراج والقمر والوجه ، چمکنا،روشن ہونا۔(مصباح اللغات،ص۳۴۹)۔

الزہرۃ: نور كل نبات والجمع زهر .(لسان العرب:۴/ ۳۳۱)۔

زبید: تحفہ،مکھن۔الزبد:عطیہ،ہدیہ،حدیث میں آتا ہے:انا لانقبل زبدالمشركين .الزُبد ، مکھن۔ (القاموس الوحید:۱/ ۶۹۵)۔وفی المعجم الوسیط (۳۸۸): مایستخرج من اللبن بالمخض.

زرارہ: شگوفے پھیلانے والا۔الزر،شگوفے ، پودے کی کلی ، (القاموس الوحید:۱/ ۷۰۳،ولسان العرب: ۳/ ۱۹۳)۔

زفر: بہادر، بڑاسردار۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۰۹)۔یقال للرجل الشجاع : زفر.(لسان العرب:۴/ ۳۲۵)۔

زعیم: سردار۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۰۷،والصحاح:۴/ ۱۵۷۶)۔

زراف: تیز رفتار۔(الصحاح:۳/ ۱۱۳۰،ولسان العرب:۹/ ۱۲۶،والقاموس الوحید:۱/ ۷۰۴)۔

زید: ترقی کرنے والا۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۳۰)۔

زریر: بہت ذہین،اورخوش مزاج۔(الصحاح:۲/ ۵۷۷،ولسان العرب:۴/ ۳۲۳،والقاموس الوحید:۱/ ۷۰۳)۔

زرولی: ولی کے بہت سارے معانی ہیں،لیکن عرف میں مشہورمعنی اللہ تعالیٰ کے دوست کے ہیں،تو

زرولی کے معنی سونے والے ولی یعنی مالدار ولی، جیسے عثمان غنی، اور ہر ایک مال قابل نفرت نہیں بلکہ حلال مال جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کئے جاتے ہوں وہ مال مبغوض نہیں بلکہ محبوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے اہل وعیال اور مال میں برکت کی دعا فرمائی تھی، اور **نعم المال الصالح للرجل الصالح** بھی وارد ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ وہ ولی جو سونے کی طرح قیمتی اور محبوب ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دراصل ضرب علی ہو پھر لوگوں نے بگاڑ کر زرولی بنایا ہو چونکہ خیبر میں مرحب یہودی کو قتل کرنے کے لیے ضرب علی مشہور ہے اس مناسبت سے یہ نام رکھا گیا ہو۔

حرف السین:

سحبان: تیزی سے کھینچنے والا، یعنی لوگوں کو دین کی طرف کھینچنے والا۔ **الجراف ، يجرف كل ما مر به.** (المعجم الوسیط، ص۴۱۸)۔

سلیک : راستہ، مقصد تک پہونچانے والا۔ چکور کا بچہ جو خوبصورت پرندہ ہے، جس کی آنکھوں کی خوبصورتی مشہور ہے۔ **سلكاً ، وسلوكاً ، والمكان والطريق .** (المنجد، ص۳۴۷)۔ **والسلك : فرخ القطا وقيل فرخ الحجل .** (لسان العرب:۱۰/۴۴۲)۔

سویبط: تروتازہ۔نبت، **قال ابو عبيد : السبط النَّصِي مادام رطباً فإذا يبس فهو الحلى .** (لسان العرب:۷/۳۰۹)۔

ساریہ: رات کی بارش۔ (القاموس الوحید:۱/۷۶۶، والصحاح:۵/۱۸۹۶)۔

سحیم: ایک پودا، لوہا یعنی لوہے کی طرح مضبوط۔ (القاموس الوحید:۱/۷۵۲، ولسان العرب:۱۲/۲۸۲)۔

سلیط: فصیح اللسان، چالاک۔ (لسان العرب:۷/۳۲۰، الصحاح:۳/۹۵۰)۔

سماک: بلند مرتبہ والا لڑکا۔ (لسان العرب:۱۰/۴۴۳، والصحاح:۴/۱۳۰۶)۔

سندر: بہادر۔ (القاموس الوحید:۱/۸۰۹)۔

سفیان: خیر کے کاموں میں ہوا کی طرح تیز رفتار۔ (الصحاح:۵/۱۸۹۷، ولسان العرب:۱۴/۳۸۹)۔

سرزمین خان: زمین کا خلاصہ، اور خان پختونوں اور بلوچوں اور ترکوں کا لقب ہے۔ (لغاتِ سعیدی، ص۴۱۰)۔

سرفراز: معزز وسربلند۔(لغاتِ کشوری،ص۲۴۵)۔

سکندر: ایک مشہور بادشاہ اوررومی زبان میں سراورسردار کے معنی میں ہے۔(لغاتِ کشوری)۔

سوراج: خودمختار،صاحبِ رائے۔(فیروزاللغات)۔

حرف الشین:

شمیم: عالی شان اورخوشبودار۔**المرتفع** . (تاج العروس:۳۲/۴۷۵،دارالہدایۃ).**مایشم، والمرتفع.** (المعجم الوسیط،ص۴۹۵،کتب خانہ حسینیہ)۔

شہید: گواہ۔ **من قتل فی سبیل الله ،ومن یؤدی الشهادة ، وفی تنزیل العزیز"ولایضار کاتب ولاشهید.** (المعجم الوسیط،ص۴۹۷)۔

شیبان: سفیدریش،باوقار۔**الاشیب والشاب : المبیض الرأس .** (لسان العرب:۷/۲۵۱،داراحیاء التراث،بیروت،والمنجد،ص۴۱۰)۔

شرید: دین کی وجہ سے اپنی قوم اوربستی کوچھوڑکرہجرت کرنے والا۔(القاموس الوحید:۱/۸۵۳)۔

شریح: شرح کرنے والا۔

شقیق: سگابھائی۔**الاخ من الاب والام ،والمثیل .** (المعجم الوسیط،ص۴۸۸)۔

شمعون: چراغ روشن کرنے والا۔ **اشمع السراج ، ای سطح نوره.** (المعجم الوسیط۔ص۴۰۲)۔

شبرمہ: خاص درخت جووبائی امراض میں فائدہ دیتاہے۔**شجر ذوشوک یقال انه ینفع من الوباء ...وفی حدیث ام سلمةؓ انها شربت الشبرم فقال انه حار جار ، والشبرمة : السنورة.** (تاج العروس)۔

شکیل: خوبصورت۔(الصحاح:۴/۱۴۱۸،ولسان العرب:۱۱/۳۵۷،والقاموس الوحید:۱/۸۸۱،لغاتِ کشوری،ص۲۷۹)

شمشیرخان: تلوار،شم کے معنی ناخن اورشیر مشہورہےیعنی شیر کاناخن،تلوارشیر کے ناخن کی طرح ہوتی ہے۔(لغاتِ سعیدی،ص۴۶۰)۔

شمروزخان: یہ اصل میں شاہ امروزہےیعنی زمانہ حال کا بادشاہ۔اورخان ترکوں اوربلوچوں کشمیریوں اورپختونوں اوربعض بنی اسرائیل میں سرداراورامیر کے معنی میں استعمال ہوتاہے۔

شمر: حوض،بالائی جودودھ پرآتی ہے۔(لغاتِ سعیدی،ص۴۵۹)۔

شماس خان: خادم، آتش پرستوں کا رہبر و رہنما۔ (لغاتِ سعیدی، ص۴۵۹)۔

شمشاد: ایک نہایت مضبوط اور سیدھا اور خوشنما درخت، محبوب کو اس سے تشبیہ دی جاتی ہے لہذا یہ محبوب کے معنی میں ہیں۔

شیرویہ: شیر کی طرح، شجاع۔ (غیاث اللغات، ص۳۰۳، ولغاتِ کشوری، ص۲۸۶)۔

شیراز: (۱) ایران کا ایک مشہور شہر جو علم و ادب کے لیے مشہور تھا سعدی اور حافظ شیرازی دونوں کا تعلق اسی شہر سے تھا۔ (۲) وہ دہی جس کا پانی نکالا جائے یعنی عمدہ دہی۔ (۳) شیرازی کبوتر کو بھی کہتے ہیں، تو مذکر شیراز ہوگا۔

حرف الصاد:

صنان: بہادر۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۴۷)۔

صہیب: سرخی مائل سفید۔ (لسان العرب: ۱/ ۵۳۷، والصحاح: ۱/ ۱۴۹)۔

صبیح: خوبصورت۔ (الصحاح: ۱/ ۳۳۴، ولسان العرب: ۲/ ۵۰۷)۔

صعصعہ: جماعت کو منتشر کرنے والا۔ (الصحاح: ۳/ ۱۰۳۳، ولسان العرب: ۸/ ۲۰۰)۔

صفوان: صاف ستھرا۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۳۱)۔

صندل: مشہور خوشبودار لکڑی۔ (لسان العرب: ۱۱/ ۳۸۶)۔

صنوبر: چلغوزے کا درخت جس کی لکڑی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ (کشوری، ص۲۹۵، وغیاث اللغات، ص۳۱۰)

حرف الطاء:

طہمان: خوبصورت۔ قال الاصمعی: **الحسن التام کل شيء منه علی حدته فهو بارع الجمال.** (لسان العرب: ۱۲/ ۳۷۲)۔

طریر: خوش شکل۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۹۳، ولسان العرب: ۴/ ۴۹۹، والصحاح: ۲/ ۶۲۳)۔

طارق: صبح کا روشن ستارہ۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۹۶، ولسان العرب: ۱۰/ ۲۱۷)۔

طرفہ: نایاب۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۹۹۵، والصحاح: ۳/ ۱۱۵۲، ولسان العرب: ۹/ ۲۱۴)۔

حرف الظاء:

ظریف: ہوشیار۔ (المنجد فی اللغۃ، ص۴۷۹، ومصباح الغات، ص۵۲۳)۔

ظبیان: ہرن یعنی خوبصورت وتندرست۔(لسان العرب:۱۵/ ۲۳)۔

حرف العین:

عباس: شیروں کا شیر۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۴۰، والمعجم ،ص ۵۸۰)۔

عثمان: محنتی۔ **یجتھدفی الامرویعمل نفسه فیه .** (لسان اللسان:۲/ ۱۳۷)، **وفلان یعثم ویعثن ای یجتھد فی الامر .** (لسان العرب:۹/ ۴۹).

عرفجہ: ایک درخت۔ایک پودا جونرم زمین میں اگتا ہے۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۷۱)۔

عرفطہ: ایک پودا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۷۱)۔

عتبان: ڈانٹنے والا۔ملامت کرنے والا، نہی عن المنکر کرنے والا۔(المنجد فی اللغۃ:۱/ ۴۸۵).

عریب: فصیح اللسان۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۶۲)۔

عتیک: حملہ آور۔باطل پرحملہ آور۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۴۴، والمعجم الوسیط ،ص ۵۸۲).

عدی: دشمن پرحملہ آور جماعت، وادی کا کنارہ۔**جماعة القوم یعدون لقتال . قبیلة.** (المنجد:۱/ ۴۹۲).

عقبہ: حسن کی نشانی۔کافی مدت تک حسن وجمال کی نشانیوں والا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۰۲).

عفان: پاک دامن۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۹۹)۔

عکاشہ: مکڑی،یعنی سادہ زندگی گزارنے والا۔مکڑی کی طرح معمولی مکان میں رہنے والا یعنی جفاکش۔(المعجم الوسیط ،ص ۶۱۹)۔

عکراش: ایک نفع بخش پودا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۱۱۰)۔

عکرمہ: کبوتر۔کبوتر کی طرح خوبصورت اور پیغام رسانی کرنے والا آدمی ، دین کا پیغام پہنچانے والا ہو۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۱۱۰)۔

عیینہ: بڑی بڑی آنکھوں والا پیارا۔(لسان العرب:۱۳/ ۳۰۲، دارالفکر)۔

عنترہ: بہادر۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۱۳)۔

عوف: شاندار۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۱۴۲)۔

عمران: آباد کرنے والا۔خوشحال۔(المعجم الوسیط ،ص ۶۲۷، والقاموس الوحید:۲/ ۱۱۲۵)۔

عریف: سردار۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۷۱، والمعجم الوسیط ،ص ۵۹۵)۔

عاکف: ٹھہرنے والا، پابندِشریعت۔(لسان العرب:۹/ ۳۴۱)۔

عرباض: مضبوط آدمی، بہادر، تندرست۔(لسان اللسان:۲/ ۱۵۴، ومنتہی الارب:۲، ۳/ ۸۱۲)۔

عشرت: میل ملاپ رکھنے والا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۸۵، ۲لسان العرب:۴/ ۵۷۴)۔

عدنان: ٹھہرنا، ایک جگہ جم کر کام کرنے والا۔(لسان العرب:۹/ ۸۹، والمعجم الوسیط ،ص ۵۸۸)۔

عیاض: بدلہ دینے والا، غیرتمند۔بخشش والا آدمی۔(لسان العرب:۷/ ۱۹۳، دارالفکر، والمعجم الوسیط ،ص ۲۳۷)۔

حرف الغین:

غسان: پرجوش جوانی۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۱۶۸)۔

غطیف: خوشحال۔خوشگوار ہونا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۱۷۳)۔

غیلان: جاری پانی، صحتمند۔(لسان العرب:۱۱/ ۵۱۱)۔

حرف الفاء:

فیروز: کامیاب، قیمتی پتھر۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۲۶۵)، کامیاب، فتحمند۔(فیروزاللغات،ص ۹۴۱)۔

فروہ: مالداری، چوغہ۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۲۲۸)۔

فراز: بلندوبالا۔(غیاث اللغات،ص ۳۶۷، ولغاتِ کشوری،ص ۳۴۴)۔

فرخ شاہ: مبارک بادشاہ۔فرخ، مبارک، ہمایوں، سزاوار۔(لغاتِ سعیدی،ص ۵۶۳)۔

حرف القاف:

قثم: بخشش کرنے والا۔(القاموس الوحید:۱۲۷۸)۔

قتادہ: ایک سخت درخت۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۲۷۵)۔

قصی: عیبوں سے دور، اور مرتبہ میں اونچا۔(القاموس الوحید:۱۳۲۳)۔

قیاش: اس نام کے کوئی اچھے معنی نہیں بنتے یہ اصل میں قیّاس ہوگا عقلمند اور سمجھدار یا بات سے بات نکالنے والا، پھر لوگوں نے بگاڑ کر قیاش کر دیا ہوگا۔واللہ اعلم۔

قزلباش: سرخ سر یعنی ٹوپی والا یہ مشہور شیعہ اسماعیل صفوی کے سپاہیوں کی نشانی تھی۔

حرف الکاف:

کہمس: شیر۔(القاموس الوحید:۲/۱۴۳۲)۔

حرف اللام:

لبید: گوشہ نشین، گھر میں مقیم، ایک جگہ جم کر کام کرنے والا۔(القاموس الوحید:۲/۱۴۴۷)۔

لقمان: شاہراہِ اسلام پر چلنے والا، مالدار۔ **اللقم : الطريق الواضح** . (العجم الوسیط،ص ۸۳۵) ، **اللقم : معظم الطريق ووسطه**. (تاج العروس:۳۳/۴۲۹)۔

لیان: خوش حال۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۱۷)۔

لاجبر: یہ اصل میں لاجورد ہے ایک قیمتی پتھر ہے اس کو پیس کر نقوش بنانے میں استعمال کرتے ہیں پھر بگاڑ کر لاجبر بنایا گیا۔ یا لاجبر لاج اور عزت والا۔

حرف المیم؛

ماعز: ہوشیار اور چالاک آدمی اور خرابی سے منع کرنے والا۔(مصباح اللغات،ص۸۲۸، وتاج العروس: ۲۵/۳۳۵)۔

مرزبان: لشکر کا سردار۔(مصباح اللغات،ص۸۱۵)۔

مرحب: کشادگی۔(تاج العروس:۲/۴۸۸، ومصباح اللغات،ص۸۱۴)۔

مسرع: تیز رفتار۔(لسان العرب:۸/۱۵۲)۔

مصعب: سردار۔(القاموس الوحید:۱/۹۲۴)۔

مسطح: خیمہ، اور پنڈال کا ستون (یعنی مضبوط آدمی)۔(القاموس الوحید:۱/۷۶۷)۔

مرثد: شریف النفس۔الکریم۔(المعجم الوسیط،ص ۳۲۸ و، تاج العروس:۸/۸۶)۔

معدان: تروتازہ پھل۔(مصباح اللغات،ص ۸۲۸)۔

مُطّلب: بار بار کوشش کرنے والا۔(مصباح اللغات،ص۵۱۳)۔

مطرف: پسند کرنے والا۔(القاموس الوحید:۲/۹۹۵)۔

مقداد: جڑ سے کاٹنے والا۔ **الفد هو القطع (المستاصل)**(تاج العروس:۹/۱۱)۔

ملحان: خوبصورت۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۷۷، تاج العروس:۷/۱۳۹)۔

معقل: پناہ کی جگہ۔(تاج العروس:۳۰/۳۶)۔

مہجع: تابعدار۔(تاج العروس:۲۲/ ۳۸۵)۔

مہزم: پست زمین کی طرح متواضع ۔(تاج العروس:۳۴/۹۴)۔

مسطع: فصیح اللسان ۔(المعجم الوسیط ،۴۲۹،والقاموس الوحید:۲/ ۷۶۸)۔

ملنگ: جو دنیا کی چیزوں وغیرہ سے،حتی کہ اپنے لباس وغیرہ سے بھی بے خبر ہو،تارک الدنیا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

محمد نبی: یہ اصل میں محمد نبیہ ہے،نبیہ کے معنی ہیں رفعت اور بلندی والا پھر اس کو بگاڑ کر لوگ محمد نبی کہنے اور لکھنے لگے۔

مہران: مہر محبت اور سورج کو کہتے ہیں اورالف ونون پشتو اور فارسی میں جمع کے لیے آتا ہے جیسے طالبان ، عالمان تو مہران کا مطلب ہوگا کئی سورجوں یا محبتوں کا مجموعہ ،نیز مہران ایک دوا کا نام بھی ہے۔ (فیروز اللغات،وغیاث اللغات)۔

حرف النون:

نعمان: خوشحال۔(المعجم الوسیط ،ص۹۳۶)۔

نواس: بہت متحرک ۔(تاج العروس:۱۶/۵۸۴)۔

نمیر: صاف پانی۔من الماء الطیب الناجع من الری .(المعجم الوسیط ،ص۹۵۴)۔

نبہان: معزز۔(المعجم الوسیط ،ص۸۹۹)۔

نبیل: شریف ۔(المعجم الوسیط ،ص۸۹۹)۔

نثار: فدا۔(فیروز اللغات،والمعجم الوسیط ،۹۰۱)۔

نجیب: شریف النسب ۔ الفاضل علی مثلہ النفیس فی نوعہ .(المعجم الوسیط ،ص۹۰۱)۔

نہیک: بہادر،خوش اخلاق۔والشجاع الجری من الانسان والحیوان .الحسن الخلق من الرجال۔(المعجم الوسیط ،ص۹۰۱،وتاج العروس:۲۷/ ۳۸۰)۔

نوفل: بخشش کرنے والا ۔(لسان العرب:۱۱/۶۷۲،والقاموس الوحید:۲/ ۱۶۸۸)۔

نوروز خان: نوروز: خوشی اورعید،اہل فارس کی عید کا دن جو ۲۱، مارچ ہے اور ۲۲ ستمبر کو عید الخریف ہے اس کو مہرجان کہتے ہیں اور خان لقب ہے۔(لغاتِ سعیدی،ص۸۴۳)۔

نوید: خوشخبری، بشارت۔(لغاتِ سعیدی،ص۸۴۵)۔

نوشاد: جس کو نئی نئی خوشی ملی ہو۔عریس ، متزوج حدیثاً ۔(لغاتِ سعیدی،ص۸۷۵)۔

نوارخان: (واو اصل میں مشدد ہے) بہت روشن۔

نمروزخان: اصل میں نیمروز خان تھا، نیمروز سجستان کا ایک حصہ تھا تو اس کے معنی ایک علاقہ کا امیر۔

نہار: دن کی طرح روشن۔(لسان الاعرب:۵/ ۲۳۹)۔

نیار: غالباً اصل میں نیارا ہو جس کے معنی منتخب ہے۔نیز علامت ونشانی کے معنی میں بھی آتا ہے۔(لسان العرب:۵/ ۲۴۶،والصحاح:۲/ ۷۱۷)۔

حرف الواو:

وابصہ: بجلی کی طرح چمکدار اور روشن چہرے والا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۸۰۴،ولسان العرب:۷/ ۱۰۴، والصحاح: ۳/ ۸۹۱)۔

واثلہ: کھجور کی رسی کی طرح مضبوط آدمی۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۸۱۱،ولسان العرب:۱۱/ ۷۲۲)۔

وداعہ: پرسکون۔(المعجم الوسیط۔ص:۱۵۲۱،ولسان العرب:۸/ ۳۸۱)۔

وہاج: روشن ستارہ۔(المنجد،ص۹۲۰،ولسان العرب:۲/ ۴۰۱)۔

وکیع: مضبوط، طاقتور۔(المنجد،ص۹۱۶،ولسان العرب:۸/ ۴۰۹)۔

حرف الہاء:

ہشام: ثرید بنا کر سخاوت کرنے والا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۷۶۶،ولسان العرب:۱۲/ ۶۱۱)۔

ہالہ: چاند کا مدار۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۷۸۹)۔

ہانی: خدمت گزار۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۷۸۳،ولسان العرب:۱/ ۱۸۶،والصحاح:۱/ ۷۱)۔

ہرماس: سخت حملہ آور۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۷۶۰،لسان اللسان:۲/ ۶۸۱،والمنجد،ص۱۱۲۶)۔

ہُمام: بہادر سخی سردار۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۷۸۲)۔

ہمّام: بڑا باہمت،ارادہ کا پکا۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۷۸۲)۔

ہمایوں: مبارک۔(غیاث اللغات،ص ۵۵۸،ولغاتِ کشوری،ص۵۷۲)۔

حرف الیاء:

یمان ویامین: یمن وبرکت والا۔(لسان العرب:۱۳/۴۶۴،والقاموس الوحید:۲/۱۹۱۶)۔

یعمر: زیادہ عمر پانے والا۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۲۵،ولسان اللسان:۲/۲۲۳)۔

لڑکیوں کے اسماء اور ان کے معانی:

حرف الالف:

آسیہ: ستون کی طرح مضبوط عورت،ایمان میں مضبوط اور پختہ۔(تاج العروس:۳۷/۷۹،والقاموس الوحید: ا/۱۲۵،ومصباح اللغات،ص۳۵)۔

آصفہ: ایک پودا جس کی کلیاں سرکے کے ساتھ یا نمک کے ساتھ کھاتے ہیں۔**الاصف : نبت من الفصيلة الكبرية له شوك وورق أخضر وثمره لبى تؤكل براعمه مخللة أو مملحة**۔(المعجم الوسیط،ص۲۰،وتاج العروس:۲۳/۲۰)۔

اروٰی: خوبصورت۔(المعجم الوسیط،ص۳۸۴،ومصباح اللغات،ص۳۲۶)۔

اسماء: بلند مرتبہ والی۔**سما، یسمو، سمواً،علا وارتفع وتطاول** . (المعجم الوسیط،ص۴۵۲،ومصباح اللغات،ص۳۹۸)۔

امامہ،امیمہ: رہبر،رہنما،پیاری لڑکی۔(تاج العروس:۳۱/۲۳۰،والقاموس الوحید:ا/۱۳۵)۔

امیہ: پیاری یا چھوٹی لڑکی۔(المعجم الوسیط،ص۲۸)۔

اریبہ: ہوشیار،دور اندیش لڑکی۔(تاج العروس:۲/۱۵)۔

الالانہ: نرم۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۱۶)۔

الیانہ: نرم۔(القاموس الوحید:۲/۱۵۱۶)۔

الینہ بیگم: یہ اصل میں اللینہ ہے جو عمدہ کھجور ہے اور بیگم: میں بیگ کے معنی امیر کے ہیں اور م ترکستانی زبان میں مؤنث کی علامت ہے تو بیگم کے معنی عمدہ اور امیر خاتون۔(غیاث اللغات،ص۹۳)۔

حرف الباء:

بریرہ: پیلو کے درخت کا پھل۔**ثمر الاراک عامة**۔(تاج العروس:۱۰/۱۸۸)۔

بثینہ: خوبصورت نرم ونازک لڑکی۔(المعجم الوسیط،ص۳۸،وتاج العروس:۳۴/۲۳۰)۔

برزہ: وہ لڑکی جس کی خوبیاں کھلی ہوئی ہوں۔ **امرأة برزة بارزة المحاسن ظاهرتها**.(تاج

العروس:۱۵/۲۰)۔

بریعہ: خوبصورت، دوسروں پر فوقیت رکھنے والی۔(المعجم الوسیط،ص۵۰،وتاج العروس:۲۰/۳۱۹)۔

بسرہ: طلوع ہونے والے سورج کی طرح۔(تاج العروس:۱۰/۱۷۴)۔

بہیّہ: خوبصورت وحسین آنکھوں والی۔(تاج العروس:۳۷/۲۴۱،والمعجم الوسیط،ص۷۴)۔

بارعہ: حسین وجمیل اور فضیلت والی لڑکی۔**جارية بارعة اى جميلة ...برع ...تم فى كل شيء فضيلة و جمال** ۔(تاج العروس:۲۰/۳۱۷)۔

باصرہ: اچھی طرح نگرانی اور پرورش کرنے والی۔(المعجم الوسیط،ص۵۹)۔

بارقہ: روشن چہرے والی۔(القاموس الوحید:۱/۱۶۱)۔

بلقیس: تخمینہ اور اندازہ کرنے میں ماہر عورت۔

بکرہ: صبح کی طرح روشن چہرے والی۔(المعجم الوسیط،ص۶۷،والمنجد،ص۹۷)۔

بلیلہ: سخاوت کرنے والی۔(المعجم الوسیط،ص۷۰)۔

براعت: حسن وجمال میں یکتا۔(المنجد،ص۸۳،ولسان اللسان،ص۸۷،والمعجم الوسیط،ص۵۰)۔

بی بی خانم: بی بی کے معنی امیرزادی،اور خانم کے معنی ہے شریف زادی۔(لغاتِ کشوری،ص۸۷)۔

بانو: امیر کی زوجہ۔(لغاتِ کشوری،ص۵۹)۔

بیگم: امیر کی زوجہ۔بیگ کے معنی امیر ہے اورم ترکستانی زبان میں مؤنث کی علامت ہے۔(لغاتِ کشوری، ص۸۷وغیاث اللغات،ص۹۳)۔

حرف الباء الفارسی:

پری: خوبصورت جنیہ۔(لغاتِ کشوری،ص۸۴)۔

پروین: چند ستاروں کا مجموعہ۔(لغاتِ کشوری،ص۸۴)۔

پشمینہ: اون کی طرح نرم۔(لغاتِ سعیدی،ص۱۳۲)۔

پدم: ایک پانی والا پودا جس کو نیلوفر کہتے ہیں۔

حرف التاء:

تحیہ: سلام،دعا،اور برکت۔

حرف الثاء:

ثویلہ: جماعت والی۔(المنجد،ص ۱۳۱، ولسان اللسان،ص ۱۵۷، ومصباح اللغۃ،ص ۹۸)۔

ثبیتہ: بہادر،اوردین میں ثابت قدم۔(المعجم الوسیط،ص ۹۳، ومصباح اللغات،ص ۹۰)۔

ثریا: ستاروں کا مجموعہ۔(لسان اللسان،ص ۱۴۶، والمعجم الوسیط،ص ۹۵، والمنجد،ص ۱۲۳)۔

ثوبیہ: چھوٹی جماعت والی۔الجماعۃ من الناس۔(لسان اللسان،ص ۱۵۶، والمنجد،ص ۱۳۰، والمعجم الوسیط،ص ۱۰۲)۔

حرف الجیم:

جویریہ: پیاری لڑکی، آفتاب، کشتی، اللہ کی نعمت۔(لسان العرب:۱/۱۴۰، والقاموس الوحید:۱/۲۵۴)۔

جسرہ: بہادر، ہر کام میں سبقت کرنے والی۔(المنجد،ص ۱۵۲، ولسان اللسان،ص ۱۸۶، والمعجم الوسیط،ص ۱۲۲)۔

جمامہ: آرام اورراحت پہنچانے والی۔(المعجم الوسیط،ص ۱۳، والقاموس الوحید:۲۸۳)۔

جمانہ: موتی۔الجمان اللؤلؤ۔(المنجد،ص ۱۶۸، والمعجم الوسیط،ص ۱۳۷، ولسان اللسان،ص ۲۰۶)۔

جفنہ،جفینہ: سخاوت والی۔(القاموس الوحید:۱/۲۶۷)۔

حرف الحاء:

حواء: سرخی مائل سیاہی۔الحمرۃ تضرب الی السواد۔(الصحاح:۵/۱۸۵۴، والقاموس الوحید:۱/۳۹۷)۔

حفصہ: شیر کی بچی۔(تاج العروس:۱۷/۵۲۷)۔

حارثہ: آخرت کی تیاری کرنے والی۔(تاج العروس:۵/۲۱۴، والصحاح:۵/۲۱۶)۔

حشمت: حیادارودبدبہ والی۔(الصحاح:۴/۱۵۴۳، وتاج العروس:۳۱/۴۹۰)۔

حنّہ: رحم والی۔(مصباح اللغات،ص ۱۷۸، وتاج العروس:۳۴/۴۶۰)۔

حوراء: گوری،خوبصورت لڑکی۔الحوراء من النساء البیضاء۔(المعجم الوسیط،ص ۲۰۶، وتاج العروس:۱۱/۱۰۰)۔

حِرا: لوگ لڑکی کا نام حرار کھتے ہیں اس میں تبرک مقصود ہوتا ہے جیسے حرا پہلی وحی کی مبارک جگہ ہے یہ لڑکی بھی مبارک ہے،ممکن ہے کہ حرالائق اورمناسب کے معنی میں ہو چونکہ اس غارتک فاصلہ مناسب تھا نہ مکہ سے زیادہ دورتھا اورنہ قریب اس لیے اس کا نام حرار کھا گیا۔

حرف الخاء:

خدیجہ: عیوب سے اور مردوں سے منقطع ہونے والی۔

خولہ: ہرن، خوبصورت۔(المعجم الوسیط، ص۲۶۳، وتاج العروس:۲۸/ ۴۴۷)۔

خنساء: نیل گائے۔(القاموس الوحید:۱/ ۴۷۹، والصحاح:۲/ ۸۳۷، وتاج العروس:۱۶/ ۳۶)۔

خضیبہ: سرسبز وشاداب۔(الصحاح:۱/ ۱۰۹، وتاج العروس:۲/ ۳۶۹)۔

خریدہ: شرمیلی۔(الصحاح:۲/ ۴۰۹، وتاج العروس:۸/ ۵۵)۔

خمیلہ: شال، اونی چادر۔(مصباح اللغات، ص۲۲۰، وتاج العروس:۲۸/ ۴۳۷)۔

حرف الدال:

درہ: موتی۔**اللؤلؤۃ العظیمۃ**۔(تاج العروس:۱۱/۲۸۲)۔

دعامۃ: ستون۔(تاج العروس:۳۲/ ۱۵۶)۔

دیباجہ: حسین وجمیل اور ریشم کی طرح نرم ونازک۔(مصباح اللغات، ص۲۲۸، وتاج العروس:۵/ ۵۴۶)۔

حرف الذال:

ذنابہ: تابعدار۔(المعجم الوسیط، ص۳۱۶)۔

ذکیہ: ہوشیار وذہین۔(الصحاح:۱/ ۲۲۷، ولسان العرب:۱۴/ ۲۸۷)۔

حرف الراء:

رقیہ: ترقی کرنے والی۔(المعجم الوسیط، ص۳۶۹)۔

رعلہ: اگر راء مضموم ہو تو پھولوں کا گلدستہ جو تاج کی شکل میں سروں پر رکھا جاتا ہے۔اور اگر راء مفتوح ہو تو تیز رفتار گھوڑوں کا دستہ اور گلّہ۔(المعجم الوسیط، ص۳۵۵)۔

ریطہ: چادر۔(لسان العرب:۷/ ۳۰۷، ومقاییس اللغۃ:۲/ ۳۸۷)۔

روضہ: خوبصورت باغیچہ۔(لسان العرب:۷/۱۶۲، والمعجم الوسیط، ص۷۹۴)۔

رمیصاء: ستارہ۔(تاج العروس:۱/ ۴۴۵۹، والمعجم الوسیط، ص۴۷۷)۔

ربابہ: سردار۔(المعجم الوسیط، ص۶۶۱، والمنجد، ص۲۳۴)۔

ربانیہ: اللہ والی، مربیہ۔(روح المعانی:۳/ ۲۰۸)۔بعض لوگ اس کو بگاڑ کر ریان بولتے ہیں۔

ربیعہ: بہار۔(المعجم الوسیط، ص۳۲۵)۔

رہیفہ: نرم ونازک۔(المعجم الوسیط،ص۳۷۸)۔

رائعہ: اپنے حسن یا شجاعت سے لوگوں کوتعجب میں ڈالنے والی۔(المنجد،ص۴۱۹،والمعجم الوسیط)۔

ریّہ: سیراب کرنے والی۔(المنجد،ص۴۲۳،ولسان العرب:۱۳/۴۹۴)۔

ریشہ: قلم۔(القاموس الوحید:۱/۶۹۱)۔

رغیبہ: مرغوبہ لڑکی۔(القاموس الوحید:۱/۶۴۳،ولسان اللسان،۴۸۷)۔

رشیقہ: خوش مزاج لڑکی۔(القاموس الوحید:۱/ ۶۲۸،ولسان اللسان،ص۴۸۸)۔

رصافہ: دین میں پختہ اور مضبوط۔(القاموس الوحید:۶۳۱،ولسان العرب،ص۱۲۱)۔

رخیمہ: نرم ونازک۔(القاموس الوحید:۱/۶۱۰)۔

رملہ: ریت پتھر کی طرح صاف ستھری۔(القاموس الوحید:۱)۔

رمثہ: اصلاح کرنے والی۔(القاموس الوحید:۱/ ۶۶۷،ولسان اللسان،ص۵۱۱)۔

روبینہ: جس کا چہرہ دیکھنے کے قابل ہو۔روب: چہرہ،اور بین دیکھنا۔(لغاتِ کشوری،ص۲۱۷)۔

رخشندہ: چمکتی ہوئی روشن۔(لغاتِ کشوری،ص۲۱۰)۔

رخسانہ: غالبًا یہ لفظ رخشانہ ہوگا،جس کوعوام نے بگاڑ کر رخسانہ بنایا،اوراس کے معنی شاندار چہرہ والی لڑکی ہے،تاہم اگر رخسانہ کوسین کے ساتھ تسلیم کرلیں تو پھراس کے معنی یہ ہوں گے: رخ یعنی چہرہ،اورسان کے معنی وہ ریتی جس سے لوہے کے زنگ کوصاف کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا وہ مسکراتی ہوئی خوش مزاج بچی جس کو دیکھ کر دل کا میل کچیل صاف ہوجاتا ہے۔

حرف الزای:

زینب: ایک خوشبودار پودا۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۱۹،ولسان اللسان،ص۵۵۵)۔

زبیدہ: دین میں خالص،اصل زبدہ مکھن کو کہتے ہیں اور مکھن دودھ دہی کا خلاصہ ہوتا ہے۔(القاموس الوحید:۱/ ۶۹۵،والمعجم الوسیط،ص۳۸۷)۔

زَہراء: سفید روشن چہرے والی حسین وجمیل۔الأزھر: الابیض المستنیر ، والمرأۃ الزھراء .
(لسان اللسان،ص۵۵۸،والقاموس الوحید:۱/۷۲۲)۔

زُہرہ: ستارہ کے طرح روشن چہرے والی۔الزھرۃ: الکوکب الأبیض والزھرۃ الحسن

البیاض (لسان اللسان، ص ۵۵۸، والقاموس الوحید: ۱/۷۲۲)۔

زَہرہ: پھول، وخوبصورت لڑکی۔ (لسان اللسان، ص ۵۵۸)۔

زاہرہ: سفید سرخی مائل خوبصورت۔ **والزاھر: الحسن الابیض من الرجال، وقیل: ھو الأبیض فیه حمرة** ۔ (لسان اللسان، ص ۵۵۸)۔ **نیز پھول اور کلی والا پودا**۔ (القاموس الوحید: ۱/۷۲۲)۔

زعیمہ: سردار۔ (الصحاح: ۴/۱۵۷۶، وتاج العروس: ۳۲/۳۱۴)۔

زکیہ: پاکیزہ۔ (الصحاح: ۵/۱۸۸۸، وتاج العروس: ۳۸/۲۲۴)۔

زلیخا: حسین وجمیل عورت۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۴۷)

زہیرہ: کلی اور پھول۔ (تاج العروس: ۱۱/۴۷۳، والصحاح: ۲/۵۸۰)۔

حرف السین:

سارہ: رازدار۔ (مصباح اللغات، ص ۳۷۰، وتاج العروس: ۱۲/۱۹)۔

سعدیٰ: ایک خوشبودار پودا، نیک بخت لڑکی۔ اسمِ تفضیل اسعد کا مؤنث ہے۔ (الصحاح: ۲/۴۲۵، وتاج العروس: ۸/۱۹۸)۔

سودہ: کھجوروں والی زمین، برکت والی، مالدار۔ (مصباح اللغات، ص ۴۰۵، وتاج العروس: ۸/۲۳۱)۔

سناء: بلند مرتبہ والی۔ **السنی الرفیع ، السناء العلو وارتفاع** ۔ (المعجم الوسیط، ص ۴۵۷)۔

سمیہ: بلند مرتبہ والی۔ **السمو العلو والرفعة**۔ (المعجم الوسیط، ص ۴۵۳)۔

سفانہ: موتی۔ **السفانة : اللؤلؤ** ۔ (المعجم الوسیط، ص ۴۳۴، وتاج العروس: ۳۵/۱۹۵)۔

سہیمہ: نصیب اور حصہ پانے والی، خوش قسمت، رشتہ وقرابت کا لحاظ رکھنے والی۔ (القاموس الوحید: ۱/۸۱۶، والمعجم الوسیط، ص ۴۵۹، وتاج العروس: ۳۲/۴۴۰)۔

سمراء: گندم گوں، خوبصورت۔ (المعجم الوسیط، ص ۴۴۸، وتاج العروس: ۱۲/۷۱)۔

سنینہ: سنت پر چلنے والی۔ سنینۃ سنۃ کی تصغیر ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہراہ ہے جس پر مسلمان چلتے ہیں تو سنینہ کا مطلب ہوگا سنت پر چلنے والی لڑکی، جس کو بطورِ مبالغہ زید عدل کی طرح سنینہ کہا گیا۔

سلمیٰ: سلامتی والی۔ (المعجم الوسیط، ص ۴۴۶)۔

سنا: چاند کی طرح روشن چہرے والی۔ **السنا مقصود ضوء البرق** ۔ (الصحاح: ۵/۱۹۰۱)۔

سیما: علامت ونشانی۔ چہرہ پرنورِ ایمان کی نشانی۔قرآنِ کریم میں ہے: **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود**۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۲۸،والمعجم الوسیط،۴۶۶)۔

سنبلہ،سنبل: خوشبودار پودا۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۰۷)۔

سبرہ: ٹھنڈی صبح۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۳۹،ولسان اللسان،ص۵۷۱)۔

ساریہ: رات کی بارش اور بادل۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۶۶،ولسان اللسان،ص۵۹۷)۔

سدرہ: بیری کا درخت۔(القاموس الوحید:۱/ ۷۵۷،ولسان اللسان،ص۵۸۷)۔

سونیہ: یہ اصل میں سوہنیہ ہے جس کے معنی خوبصورت لڑکی ہے اور سونی بھی اصل میں سوھنی ہے جس کے معنی خوبصورت کے ہیں۔

حرف الشین:

شمیلہ: چادر، باپردہ۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۸۹،ولسان اللسان،ص۳۶۸)۔

شیمہ: اچھی عادت وخصلت والی۔(القاموس الوحید:۱/ ۹۰۵)۔

شرفہ: شرافت والی،کنگورہ۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۵۸،ولسان اللسان،ص۶۶۶،ولسان العرب:۹/ ۱۷۱)۔

شمیم وشمیمہ: خوشبودار، بلندمرتبہ والی۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۸۹،ولسان العرب:۳۲۸،والمعجم الوسیط،ص۴۹۵)۔

شاہیہ: شاہی مزاج والی۔رغبت والی۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۹۵)۔

شاہین: ایک قوی،شکاری اورخوبصورت پرندہ کا نام ہے۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۹۵)۔

شہامہ: مستقل مزاج، باہمت، بلندحوصلہ والی، ہوشیار، روشن ضمیر۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۹۵)۔

شارقہ: چمکدار روشن چہرہ والی۔(القاموس الوحید:۱/ ۸۵۹،ولسان العرب:۱۰/ ۱۷۸)۔

شہبہ: خوبصورت۔(القاموس الوحید:۱/۸۹۲،ولسان اللسان،ص۶۹۹،والمعجم الوسیط،ص۴۹۷)۔

شہلہ،شہلاء: سیاہ آنکھ والی جس کی آنکھوں میں سرخی اتری ہوئی ہو۔دانا عورت۔(القاموس الوحید: ۲/ ۸۹۵)

شیر بانو: حضرت حسینؓ کی ملکیت میں یزدجرکی لڑکی آئی انہوں نے ان کو آزاد کر کے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا اور ان کے بطن سے زین العابدین پیدا ہوئے تھے۔

شگفتہ: وہ لڑکی جس کا چہرہ مسکراتا اور کھلا ہوا ہو۔(لغاتِ سعیدی،ص۴۵۸)۔

شگوفہ: کلی اور پھول، غنچہ۔(لغاتِ سعیدی، ص ۴۵۸)۔

شمائلہ: اچھی خصلتوں والی۔

حرف الصاد:

صفیہ: پسندیدہ، چنیدہ۔ **الصفی من کل شيء** ، ہر چیز کا منتخب وچنیدہ حصہ۔(القاموس الوحید:۱/۹۳۱، ولسان العرب:۱۱/۴۶۳)۔

صفورہ: پیلے رنگ کی ، (عرب ہلکے پیلے رنگ کو پسند کرتے تھے) عیوب سے خالی ۔(القاموس الوحید:۱/ ۹۲۸، والمنجد، ص ۵۶۸، والمعجم الوسیط، ص ۵۱۶)۔

صہباء: سرخ سفید رنگ یعنی خوبصورت ۔(لسان العرب:۵۳۲، والقاموس الوحید:۱/ ۹۴۷)۔

صفوہ: پسندیدہ۔(القاموس الوحید:۱/ ۹۳۱، ولسان العرب:۱۴/۴۶۲، والمنجد، ص ۵۷۰)۔

صباحت: خوبصورت ۔(القاموس الوحید:۱/ ۹۰۷، والصحاح:۱/۳۳۴)۔

حرف الضاد:

ضمیرہ: پتلی خوبصورت، دلدار لڑکی ۔(لسان العرب:۴/ ۴۹۱، والقاموس الوحید:۲/ ۹۷۶)۔

ظبیہ: ہرن کی طرح خوبصورت ۔(الصحاح:۵/ ۱۹۲۵، ولسان العرب:۱۵/ ۲۳)۔

ظعینہ: کجاوہ میں بیٹھی ہوئی یعنی پردہ نشین ۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۳۰، والصحاح :۵/۳۳/۱۷، ولسان العرب: ۲۷۱/۱۳)۔

حرف العین:

عائشہ: خوش عیش، خوشحال زندگی گزارنے والی ۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۱۴۶، ولسان العرب:۶/ ۳۲۲)۔

عفراء: سفید زمین، بہادر۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۹۸، ولسان العرب:۴/ ۵۸۷، والصحاح:۲/ ۶۴۵)۔

عاتکہ: خوشبو لگانے والی۔(الصحاح:۴/ ۱۳۱۱، ولسان العرب:۱۰/ ۴۶۳، والقاموس الوحید:۲/ ۱۰۴۴)۔

عذبہ: شیریں کلام والی۔ **عذب اللسان ،وعذب الکلام** ۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۰۵۹، والصحاح:۱/ ۱۵۹، ولسان العرب:۱/ ۵۸۴)۔

عمیرہ: دراز عمر والی، تاجدار۔(الصحاح:۲/ ۶۴۹، ولسان العرب:۴/ ۶۰۲)۔

عمرہ: وہ مہرہ جس سے ہار کے موتیوں کو الگ کیا جائے وہ ہار کی خوبصورتی کا سبب ہے، اور اس میں عمر کی

درازی بھی ہے۔(لسان العرب:۴/۶۰۶)۔

عنقودہ: انگور کا گچھا۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۰۴، والصحاح:۲/۴۹۶، ولسان العرب:۳/۲۹۹)۔

عذراء: بےعیب، یعنی بغیر سوراخ کے موتی، دوشیزہ۔(الصحاح:۲/۶۳۳، ولسان العرب:۴/۵۵۱)۔

عیینہ: پانی کا چھوٹا سا چشمہ۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۴۹، والصحاح:۵/۱۷۴)۔

عاکفہ: پابندِ شرع۔ (القاموس الوحید:۲/۱۱۱۱، والصحاح:۳/۱۱۶۲، ولسان العرب:۹/۲۵۵)۔

عنبریں: عنبر کی طرح خوشبودار۔(لغاتِ سعیدی، ص۵۳۵)۔

حرف الغین:

غمیصاء: ستارہ کی طرح بلند۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۸۳، ولسان العرب:۷/۶۲، والصحاح:۳/۸۷۹)۔

غفیرہ: کثرت والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۷۴، ولسان العرب:۵/۲۷، والصحاح:۲/۶۶۱)۔

غدیرہ: تالاب کی طرح۔(القاموس الوحید:۲/۱۱۵۶، والصحاح:۲/۶۵۷)۔

غادہ: نرم و نازک۔(الصحاح:۲/۴۵۱، ولسان العرب:۳/۳۲۸)۔

غادیہ: صبح کی بارش۔(القاموس الوحید: ۲/۱۱۵۷، ولسان العرب:۱۵/۱۱۸، والصحاح:۵/۱۹۴۵)۔

حرف الفاء:

فاطمہ: بری عادتوں سے علیحدہ، مردوں سے الگ رہنے والی۔(الصحاح:۲/۱۲۴۳)۔

فاختہ: کبوتر کی ایک قسم، وچاند کی روشنی۔(الصحاح:۱/۲۳۱، ولسان العرب:۲/۶۵، والقاموس الوحید:۲/۱۲۰۹)۔

فکیہہ: خوش مزاج۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۵۰، والصحاح:۵/۱۷۹۵، ولسان العرب:۱۳/۵۲۴)۔

فارہہ: خوبصورت، دلکش۔(المنجد، ص۷۴۴، والقاموس الوحید:۲/۱۲۲۸، ولسان اللسان:۲/۳۱۴)۔

فرزینہ: شطرنج کا ایک مہرہ جو وزیر کے درجہ میں ہوتا ہے۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۱۷)۔

فردوس: جنت، باغ۔(القاموس الوحید:۲/۱۲۱۶، ولسان العرب:۲/۳۰۷)۔

فرزانہ: عقلمند، ہوشیار۔(لغاتِ سعیدی، ص۵۶۴)۔

حرف الکاف:

کبشہ: دنبی کی طرح متواضع، سردار۔(لسان اللسان:۲/۴۴۰، والقاموس الوحید:۲/۱۳۸۲)۔

کلثوم: پرگوشت چہرہ والی، یعنی خوبصورت چہرہ والی۔(لسان اللسان، ص۴۷۱، والقاموس الوحید:۲/۱۴۱۸)۔

کاظمہ: غصہ پینے والی، حسن اخلاق والی۔ (لسان اللسان:۲/۴۶۲، والقاموس الوحید:۲/۱۴۱۱)۔

کرشمہ: نازاورغمزدہ کرنے والی، عاجزی کرنے والی۔ (لغاتِ سعیدی، ص۶۱۸)۔

حرف الگاف:

گل رعنا: خوبصورت پھول۔ دورنگ کا پھول جواندر سے سرخ اور باہر سے زرد ہو۔ (لغاتِ سعیدی، ص۶۵۰)۔

گل لالہ: ایک قسم کا سرخ پھول جس میں سیاہ نقطہ ہوتا ہے اورموسمِ بہار میں ناظرین کواپنے حسن وجمال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

گل کدہ: باغ۔

گلبدین: اصل میں گل بدن ہے جسے بگاڑا گیا۔

حرف اللام:

لبابہ: عقلمند، ہوشیار، برگزیدہ۔ **لب کل شيء ولبابه : خالصه واللباب : الخالص من كل شيء ،لبابة :** عقلمند ہونا۔ (لسان اللسان:۲/۴۹۰، والقاموس الوحید:۲/۱۴۴۶)۔

لبنیٰ: زیادہ دودھ پلانے والی، فائدہ پہنچانے والی۔ (لسان اللسان:۲/۴۹۳، والقاموس الوحید:۲/۱۴۵۰)۔

لیانہ: نرم۔ (القاموس الوحید:۲/۱۵۱۷)۔

لینہ: کھجور، خوش مزاج، نرم خوئی۔ (القاموس الوحید:۲/۱۵۱۷)۔

لمیس: نرم ونازک۔ (لسان اللسان:۲/۵۱۷)۔

لؤلؤہ: موتی۔ (لسان العرب:۱/۱۵۰، والمعجم الوسیط، ص۸۱۰)۔

لباقہ: مہارت رکھنے والی۔ (المعجم الوسیط، ص۸۱۳، ولسان اللسان:۲/۴۹۳، ولسان اللسان:۱۰/۳۲۷)۔

حرف المیم:

معاذہ: پناہ دی ہوئی۔ (القاموس الوحید:۲/۱۱۴۰، ولسان اللسان:۲/۲۳۹، ولسان العرب:۳/۴۹۸)۔

میمونہ: مبارک۔ (القاموس الوحید:۲/۱۹۱۶، والصحاح:۵/۱۷۷۸، والمعجم الوسیط، ص۱۰۶۷)۔

مریم: عبادت گزار، وخدمت گزار۔ (روح المعانی:۳/۱۳۶، وتاج العروس:۳۲/۳۰۲)۔

ماریہ: خوبصورت، نیل گائے۔ (لسان العرب:۱۵/۲۷۹)۔

مجنہ: لاٹھی، کمزوروں کا سہارا۔ (القاموس الوحید: ۱/ ۱۳۱۵)۔

مسیکہ: سہارہ والی۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۵۵۳)۔

ملیکہ: پیاری ملکہ۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۵۸۱، والمعجم الوسیط، ص ۸۸۶)۔

میمنہ: خوش قسمت۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۹۱۶، والمعجم الوسیط، ص ۱۰۶۶)۔

ملساء: چمکدار اور نرم۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۵۷۸)۔

منیفہ: مناسب قد والی خوبصورت۔ (لسان العرب: ۹/ ۳۴۲، والقاموس الوحید: ۲/ ۱۷۲۷)۔

مزنہ: بارش والا بادل۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۵۴۸، ولسان العرب: ۱۳/ ۴۰۶)۔

مازیہ: فضیلت والی۔ (لسان العرب: ۱۵/ ۲۷۹، والقاموس الوحید: ۲/ ۱۵۴۸)۔

ملالہ: یہ پشتو کا لفظ ہے غمزدہ کے معنی میں ہیں جو دین اور قوم کا غم اور فکر لیے ہوئی ہو۔

ملالئے: یہ بھی پشتو کا لفظ ہے اس کا آسان ترجمہ نشیلی اور خوابیدہ آنکھوں والی لڑکی ہے۔

مرجانہ: ایک قیمتی پتھر اور ہاء آخر میں اظہارِ تانیث کے لیے ہے۔ (لغاتِ سعیدی، ص ۷۱۷)۔

مایرہ: خوراک اور کھانے پینے کی اشیاء فراہم کرنے والی۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۵۹۵)۔

المیرہ: خوراک والی۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۵۹۵)۔

حرف النون:

نبیلہ: شریفہ۔ (المعجم الوسیط، ص ۸۹۹)۔

نَسیبہ: عالی نسب والی۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۶۳۹، ولسان العرب: ۱/ ۷۵۶)۔

نُسیبہ: پیاری مناسب لڑکی۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۶۳۹، ولسان العرب: ۱/ ۷۵۶)۔

نسیم، نسیمہ: نرم ہوا کی طرح پسندیدہ۔ (لسان اللسان: ۲/ ۶۱۴، والقاموس الوحید: ۲/ ۱۶۴۴، ولسان العرب: ۱۲/ ۵۷۴)۔

نائلہ: بخشش والی۔ (المعجم الوسیط، ص ۹۶۷، والقاموس الوحید: ۲/ ۱۷۳۲)۔

ناعمہ: نرم ونازک۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۶۷۴)۔

ناسکہ: عبادت گزار۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۶۴۳)۔

نجیبہ: شریف النسب۔ (القاموس الوحید: ۲/ ۱۶۱۰، والمعجم الوسیط، ص ۹۰۱)۔

نسرین: ایک قسم کا پھول۔(غیاث اللغات،ص۵۲۴)۔

نیلوفر: ایک پانی والا پودا،معرب ہے نیلوپل کا۔(غیاث اللغات،ص۵۳۶،ولغاتِ کشوری،ص۵۵۱)۔

ندیمہ: ہم نشین،ودوست۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۶۲۸،والمعجم الوسیط،ص۹۱۱)۔

حرف الواو:

وجیہہ: عزت مند۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۸۱۷،والصحاح:۵/۱۸۰۳،ولسان العرب:۱۳/ ۵۵۸)۔

وصیفہ: خادمہ۔وصیفہ اس لیے کہتے ہیں کہ مخدوم کی ہر چیز کی اس کے سامنے تعریف کرتی ہے۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۸۵۸،والصحاح:۳/ ۱۱۸۹،ولسان العرب:۹/ ۳۵۷)۔

حرف الہاء:

ہاجرہ: برائیوں کواور بے جا گھومنے کو چھورنے والی،خوبصورت۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۴۱،ولسان العرب:۵/ ۲۵۲،والصحاح:۲/۱۷۶۳)۔

ہزیلہ: پتلی خوبصورت۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۶۳،والصحاح:۴/۱۵۰۴،ولسان العرب:۱۱/ ۶۹۷)۔

ہانی: اگرلڑکے کا نام ہوتو خدمت گزار،اورلڑکی کا نام ہوتو بخشش اورعطیہ والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۸۳، ولسان العرب:۱/ ۱۸۶،والصحاح:۱/۱۷)۔

ہندہ: برداشت اورصبر والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۷۸۴،ولسان العرب:۳/ ۴۳۹)۔

ہالہ: چاند کا دائرہ۔(القاموس الوحید:۲/ ۱۷۸۹،والصحاح:۲/ ۱۵۸،ولسان العرب:۱۱/۱۷۳)۔

ہُما: خوش قسمت۔ایک پرندہ کا نام ہے جس کی بابت مشہور ہے کہ اگراس کے سایہ کے تلے آجاوے تووہ بڑااقبال منداور بادشاہ ہوتا ہے۔(لغاتِ سعیدی،ص۸۸۰)۔

حرف الیاء:

یسیرہ: نرم مزاج،آسانی والی،مال والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۹۱۴،والصحاح:۲/۳۰۷،ولسان العرب:۵/ ۲۹۶)۔

یافعہ: اونچے درجہ والی۔(القاموس الوحید:۲/۱۹۱۴،ولسان العرب:۸/ ۴۱۵)۔

یاسمین: چنبیلی کی طرح خوشبودار۔(القاموس الوحید:۲/۱۹۱۴،ولسان العرب:۱۲/ ۶۴۶)۔

An alphabetical list of the Names with their meanings in English

Boys' Names		
	English Meaning	Name
Abrārul Haqq	very righteous	ابرارالحق
Ibrāhīm	lofty in status / a kind hearted father	ابراہیم
Abū Bakr	one who rears a young camel / helps the weak	ابوبکر
Abū Dhar	one who plants / benefits people	ابوذر
Abū Hurayrah	one who rears a kitten / helps the weak	ابوہریرہ
Aḥmad	one who praises Allah the most	احمد
Aḥmas	firm on Deen	احمس
Id̲rīs	one who educates a lot / experienced	ادریس
Arsalān	lion	ارسلان
Armiyā'	one who glorifies Allah / a symbol of guidance	ارمیاء
Azhar	one with a fair complexion	ازہر
Usāmah	lion	اسامہ
Isḥāq	A giver of good tidings / humorous	اسحاق
Isrā'īl	one who strives for Deen and combats falsehood / Allah's chosen servant	اسرائیل
Ismā'īl	O Allah, listen to my prayers	اسماعیل
Aswad	honoured / wealthy / blessed	اسود
Ashraf	honourable	اشرف
Aqra'	a strong shield	اقرع

Akbar	great	اکبر
Ilyās	my deity is Allah / a courageous person whom others feel despondent to combat	الیاس
Ummbāras	a fortunate person	امبارس
Awrankzayb	an adornment of the royal throne	اورنگزیب
Ūways	a gift / beloved	اویس
Iyāz	a brave person whom others feel despondent to combat / a cool breeze	ایاز
Iyās	a gift	ایاس
Īmān	faith	ایمان
Ayūb	one who is steadfast in Allah's obedience	ایوب
Ādam	created from the earth	آدم
Āṣif	beloved / enjoyable	آصف
Bābar	lion	بابر
Bābak	law	بابک
Badīl	noble / generous	بدیل
Barā'	free from defects	براء
Barīr	fruit of a certain tree	بریر
Baṣrah	a soft white stone	بصرہ
Bakar	a young camel / swift	بکر
Bilāl	generous	بلال
Banār	be safe	بنار
Banāras	one who reaches safety	بنارس

Bandar	a coastal city / an important person	بندر
Binyāmīn	a trustworthy son	بنیامین
Bahrām	planet Mars	بہرام
Bahlūl	noble / modest / a good natured leader	بہلول
Purdil Khān	brave	پردل خان
Parawiz	victorious	پرویز
Tamīm	complete / one with a good stature	تمیم
Taymūr	quality steel	تیمور
Tha'labah	one who instils awe into the enemy	ثعلبہ
Thumāmah	a plant with long branches	ثمامہ
Thamīr	fruitful	ثمیر
Jadhlān	happy	جذلان
Jarīr	reins / one who halts falsehood and brings people towards good	جریر
Ja'īl	supervisor / gift	جعیل
Ḥārith	lion	حارث
Ḥudhayfah	neat / trimmed / beautified / reformed	حذیفہ
Ḥarmalah	a fragrant plant / a small shawl	حرملہ
Ḥizqīl	may Allah strengthen him	حزقیل
Ḥushaym	dignified / bashful	حشیم
Ḥuṣayn	fortified / secure	حصین
Ḥafṣ	a cub	حفص

Ḥafīy	kind / compassionate	حفی
Ḥimrān	saffron / gold	حمران
Ḥamzah	lion	حمزہ
Ḥamīm	intelligent / a bosom friend	حمیم
Ḥanān	merciful / compassionate	حنان
Ḥanzalah	aloe	حنظلہ
Khabīb	swift	خبیب
Khadīj	separated from evil	خدیج
Kharīt	expert	خریت
Khuzaymah	one who threads pearls / a fragrant flower	خزیمہ
Khuṣayb	lush / fresh	خصیب
Khiḍar	fresh / lush	خضر
Khamīm	praiseworthy	خمیم
Darwaysh	one who begs at the door of Allah	دَرویش
Durwaysh	pious	دُرویش
Danyāl	close to Allah	دانیال
Dawūd	beloved / treats ailing hearts / swift	داؤد
Darīr	bright	دریر
Dukīn	cultured / polite	دکین
Dilfakar	lover	دلفگار
Dilhām	brave / lion	دلہام

Dhābil	slim	ذابل
Dhakwān	intelligent / fragrant	ذکوان
Dhul Kifl	one who accepts responsibility	ذوالکفل
Dhūwayb	high in status	ذویب
Rābigh	living in luxury	رابغ
Rājū	a king	راجو
Rabī'	a spring	ربیع
Raḥīl/ Rāḥīl	swift	رحیل/راحیل
Razīn	dignified	رزین
Rashīq	pleasant natured / one with a good stature / handsome	رشیق
Riḍā	one who is pleased / content	رضا
Rifā'ah	lofty	رفاعہ
Rukānah	one who gives support and strength	رکانہ
Rumān	pomegranate	رمان
Ramīz	intelligent / honoured	رمیز
Rahīb	one who instils awe / lion	رہیب
Rūwayd	a pleasant breeze	روید
Riyān	fresh / lush / one who quenches	ریان
Rayḥān	a fragrant flower	ریحان
Zuhrah	brilliant	زُہرہ
Zubayd	a gift / butter	زبید

Zirārah	a blossoming bud	زرارہ
Zurāf	swift	زراف
Zarwalī	a wealthy saint / a precious saint	زرولی
Zarīr	very intelligent / pleasant natured	زریر
Za'īm	a leader	زعیم
Zufar	brave / a leader	زفر
Zakarīyah	one who remembers Allah	زکریا
Zuhayr	brilliant	زہیر
Zayd	prosperous	زید
Zaydān	one who is abundant with goodness and guidance	زیدان
Sāryah	nocturnal rain	ساریہ
Subḥānallāh	one who praises Allah excessively	سبحان اللہ
Subḥān	one who attracts people towards Deen	سحبان
Suḥaym	strong like steel	سحیم
Sudays	obedient / patient / strong	سدیس
Sarzamīn Khān	essence of the earth	سرزمین خان
Safarāz	respected	سرفراز
Sufiyān	swift like the wind in good acts	سفیان
Sikandar	a leader	سکندر
Salīṭ	eloquent / smart	سلیط
Salīk	a path / one who takes others to their goal / a beautiful bird	سلیک

Sulaymān	protected	سلیمان
Simāk	a youngster of high status	سماک
Sandar	brave	سندر
Sawrāj	independent	سوراج
Suwaybaṭ	fresh	سویبط
Shubrumah	a plant used to cure diseases	شبرمہ
Shabbīr	handsome	شبیر
Shuraḥbīl	one who explains Allah's Deen	شرحبیل
Shurayḥ	one who explains	شریح
Sharīd	one who migrates for Deen	شرید
Shuraym	a coast / beneficial	شریم
Shu'ayb	a reformer / one who stays separate from evil company	شعیب
Shaqīq	a brother	شقیق
Shakīl	handsome	شکیل
Shammās Khān	a servant	شماس خان
Shamar	a pond / cream	شمر
Shamroz Khān	the present king	شمروز خان
Shamshād	a very strong straight tree / beloved	شمشاد
Shamshīr Khān	a sword	شمشیر خان
Sham'ūn	one who illuminates	شمعون
Shamīl	one whom Allah listens to	شمویل

Shamīm	lofty / fragrant	شمیم
Shahīd	a witness / a martyr	شہید
Shaybān	white feathered / dignified	شیبان
Shayrāz	an Iranian city / quality yoghurt / dove	شیراز
Shayrwyah	brave like a lion	شیرویہ
Ṣābir	one who perseveres / diligent / patient	صابر
Ṣaliḥ	righteous	صالح
Ṣabīḥ	handsome	صبیح
Ṣa'ṣa'ah	one who disperses a group	صعصعہ
Ṣafar	one who goes out and strives in the path of Allah	صفر
Ṣafwān	clean	صفوان
Ṣinān	brave	صنان
Ṣandal	sandal wood	صندل
Ṣanawbar	a pine nut tree	صنوبر
Ṣuhayb	reddish white complexion	صہیب
Ṭāḥā	one who travels the earth	طٰہٰ
Ṭāriq	a bright morning star	طارق
Ṭāhir	pure	طاہر
Ṭarfah	uncommon	طرفہ
Ṭarīr	well statured	طریر
Ṭuhmān	handsome	طہمان

Ẓabyān	a deer / handsome / healthy	ظبیان
Ẓurayf	intelligent	ظریف
'Ākif	one who abides by the sharee'ah	عاکف
'Ābbās	leader of the lions	عباس
'Abdul Muṭalib	paternal uncle's servant	عبدالمطلب
'Ubaydullāh	a beloved servant of Allah	عبیداللہ
'Utbān	one who reproaches and forbids from evil	عتبان
'Atīk	one who attacks falsehood	عتیک
'Uthmān	diligent	عثمان
'Adnān	a stable person	عدنان
'Adi	a group that attacks the enemy	عدی
'Urbāḍ	strong / brave / healthy	عرباض
'Urfujah	a type of tree	عرفجہ
'Urfuṭah	a type of plant	عرفطہ
'Arīb	eloquent	عریب
'Arīf	a leader	عریف
'Azīz	an assistant	عزیز
'Ishrat	one who keeps unity	عشرت
'Affān	chaste	عفان
'Uqbah	a sign of beauty	عقبہ
'Ukāshah	a spider / one who leads a simple life	عکاشہ

'Ikrāsh	a beneficial plant	عکراش
'Ikrimah	a dove / one who delivers the message of Deen	عکرمہ
'Imrān	one who enlivens / wealthy	عمران
'Antarah	brave	عنترہ
'Awf	elegant	عوف
'Iyāḍ	one who rewards	عیاض
'Īsā	O Allah, save me / a leader / blessed	عیسیٰ
'Uyayynah	handsome and wide eyed	عیینہ
Ghassān	brimming with youthfulness	غسان
Ghaṭīf	pleasant and wealthy	غطیف
Ghaylān	flowing water / healthy	غیلان
Firāz	lofty	فراز
Farkh Shāh	a blessed king	فرخ شاہ
Farwah	prosperity / cloak	فروہ
Fayrawz	successful / a precious stone	فیروز
Qatādah	a strong tree	قتادہ
Quthum	one who forgives	قثم
Qaz Libāsh	one wearing a red hat	قزلباش
Quṣayy	far from defects / high in rank	قصی
Qiyāsh	intelligent / understanding	قیاش
Kin'ān	humble	کنعان

Kahmas	lion	کہمس
Lājabar	a precious stone / honoured	لاجبر
Labīd	a stable person	لبید
Luqmān	wealthy / one who practices on Islam	لقمان
Lūṭ	a reformer	لوط
Layān	wealthy / prosperous	لیان
Mā'iz	intelligent / smart / one who prevents evil	ماعز
Muhammad	one who is praised a lot	محمد
Muhammad Nabīh	lofty	محمد نبیہ
Marthad	noble	مرثد
Marḥab	vast / wide	مرحب
Mirzabān	leader of an army	مرزبان
Masri'	swift	مسرع
Misṭaḥ	a tent / a supportive pillar	مسطح
Misṭa'	eloquent	مسطع
Miṣbāḥullāh	a light for Allah's Deen	مصباح اللہ
Muṣ'ab	a leader	مصعب
Maṭlab	one who persists	مطلب
Muṭrif	a loving person	مطرف
Ma'dān	fresh fruit	معدان
Ma'qil	a sanctuary	معقل

Miftāḥullāh	a key to Allah's Deen	مفتاح اللہ
Miqdād	one who uproots	مقداد
Milḥān	handsome / attractive	ملحان
Milnag	ascetic	ملنگ
Mahja'	obedient	مہجع
Mahrān	an embodiment of love	مہران
Mahzam	humble	مہزم
Mūsā	a rescuer	موسیٰ
Nubhān	respected	نبہان
Nabīl	noble	نبیل
Nithār	one who sacrifices / a lover	نثار
Nujayb	one with a noble lineage	نجیب
Nasrullāh	An assistant of Allah's Deen / Assisted by Allah	نصر اللہ
Nu'mān	a great blessing / one living in luxury	نعمان
Nimrawz Khān	a mayor	نمروز خان
Namīr	clear water	نمیر
Nahār	bright like the day	نہار
Nahīk	one with good character / brave	نہیک
Niwār Khān	very brilliant	نوار خان
Nawās	very active	نواس
Nūḥ	a conciliator / one with a long life / one who consoles	نوح

Nawroz Khān	happiness / celebration	نوروزخان
Nawshād	newly married	نوشاد
Nawfal	one who bestows a lot / a handsome lad	نوفل
Nawīd	good tidings	نوید
Niyār	chosen / a sign	نیار
Humām	a brave and generous leader	ہُمام
Hārūn	a mountain of strength / sweet / eloquent	ہارون
Hālah	the axis of the moon	ہالہ
Hānī	one who serves	ہانی
Harmās	one who attacks firmly	ہرماس
Hishām	generous	ہشام
Hammām	one who has a firm resolve / courageous	ہمّام
Hamāyūn	blessed	ہمایوں
Hūd	a companion / one who turns towards Allah	ہود
Wābaṣah	one with a bright face	وابصہ
Wāthilah	a strong person	واثلہ
Wadā'ah	calm	وداعہ
Wakī'	strong	وکیع
Wihāj	a bright star	وہاج
Yaḥyā	one who lives for long	یحییٰ
Yasa'	O Allah, save me	یسع

Ya'qūb	A successor	یعقوب
Ya'mar	one who lives for long	یعمر
Yamān / Yāmīn	fortunate and blessed	یمان/یامین
Yūsuf	may Allah increase his favours / beautified	یوسف
Yūsha' / Yashū'	saved from grief and anxiety / lofty / blooming	یوشع/یشوع
Yūnus	dove / friendly	یونس

Girls' Names

	Engish Meaning	Name
Urwā	beautiful	اروٰی
Arībah	intelligent / farsighted	اریبہ
Asmā'	high in status	اسماء
Ilānah	soft	الانہ
al-Mīrah	one with provisions	المیر ہ
Alyānah	soft	الیانہ
Alīnah Baygam	elegant rich lady	الینہ بیگم
Umāmah / Umaymah	a guide / beloved	امامہ/امیمہ
Umayah	a small beloved girl	امیہ
Āsiyah	firm in faith / a supportive pillar	آسیہ
Āṣifah	an edible plant	آصفہ

Bāri'ah	pretty / virtuous	بارعہ
Bāriqah	one with a bright face	بارقہ
Bāṣirah	one who cares and takes custody	باصرہ
Bānū	a wife of a wealthy man	بانو
Buthaynah	pretty / soft / delicate	بثینہ
Barā't	unique in beauty	براعت
Barzah	one whose good qualities are apparent	برزہ
Barkat	a blessing	برکت
Barīra	fruit of a certain tree	بریرہ
Barī'ah	superior and beautiful	بریعہ
Basrah	one that has a bright face like the rising sun	بسرہ
Bakrah	one that has a bright face like the morning	بکرہ
Bilqīs	experienced / talented	بلقیس
Balīlah	generous	بلیلہ
Bahiyyah	pretty with beautiful eyes	بہیّہ
Bī Bī Khān	a noble lady	بی بی خان
Baygam	a wife of a wealthy man	بیگم
Pidam	water lily	پدم
Parwīn	a constellation	پروین
Parī	a fairy	پری
Pashmīnah	soft like wool	پشمینہ

Taḥīyyah	greetings and blessings	تحیہ
Tasmīyyah	one who receives goodness from Allah	تسمیہ
Thabītah	brave and firm upon Deen	ثبیتہ
Tharīyyā	a constellation	ثریا
Thūwayybah	a leader of a small group	ثویبہ
Thawīlah	a leader of a group	ثویلہ
Jasrah	one who excels / brave	جسرہ
Jafnah/ Jafīnah	generous	جفنہ/جفینہ
Jumāmah	one who gives comfort	جمامہ
Jumānah	a pearl	جمانہ
Juwayryah	beloved / a blessing of Allah	جویریہ
Ḥārithah	one who prepares for the hereafter	حارثہ
Ḥarrā	blessed	حرا
Ḥashmat	one who is modest and has authority	حشمت
Ḥafṣah	a cub	حفصہ
Ḥannah	merciful	حنہ
Ḥawā'	maroon	حواء
Ḥawrā'	a fair beautiful girl	حوراء
Khadījah	separated from men and evil	خدیجہ
Kharīdah	bashful	خریدہ
Khaḍībah	fresh / lush	خضیبہ

Khamīlah	a shawl	خمیلہ
Khansah	an antelope	خنسہ
Khawlah	a deer / beautiful	خولہ
Darrah	a pearl	درّہ
Da'āmah	a pillar	دعامہ
Dibājah	soft and beautiful like silk	دیباجہ
Dhakīyyah	intelligent	ذکیہ
Dhanābah	obedient	ذنابہ
Ra'lah	a fast horse	رَعلہ
Ru'lah	a bouquet of flowers	رُعلہ
Rā'i'ah	one who amazes people with her beauty and bravery	رائعہ
Rubābah	a leader	ربابہ
Rabānīyyah	a saintly lady / one who rears	ربانیہ
Rabi'ah	spring	ربیعہ
Rukhsānah	one with a beautiful face	رخسانہ
Rakhshindah	brilliant	رخشندہ
Rakhīmah	soft / delicate	رخیمہ
Rashīqah	a pleasant girl	رشیقہ
Ruṣāfah	firm in faith	رصافہ
Raghībah	a desired girl	رغیبہ
Ruqayyah	prosperous	رقیہ

Ramṣah	one who reforms	رمصہ
Ramlah	clean like pebbles	رملہ
Rumayṣā'	a star	رمیصاء
Rahīnah	soft / delicate	رہینہ
Rūbīnah	one with an attractive face	روبینہ
Rawḍah	a beautiful garden	روضہ
Rayyah	one who quenches	ریّہ
Rayshah	a pen	ریشہ
Rayṭah	a shawl	ریطہ
Zahrah	a flower / beautiful	زَہرہ
Zuhrah	one whose face is like a bright star	زُہرہ
Zāhidah	an ascetic	زاہدہ
Zāhirah	a beautiful girl with a blush	زاہرہ
Zabīdah	the essence of Deen	زبیدہ
Za'īmah	a leader	زعیمہ
Zakīyyah	pure	زکیہ
Zalīkhā	beautiful / pretty	زلیخا
Zuhdā	an ascetic	زہدیٰ
Zahrā'	beautiful / bright fair face	زہراء
Zahīrah	bud / flower	زہیرہ
Zaynab	a fragrant plant	زینب

Sārah	one who keeps secrets	سارہ
Sāriyah	nocturnal rain	ساریہ
Sabrah	cool morning	سبرہ
Sadrah	a lotus tree	سدرہ
Su'dā	a fragrant plant / pious	سعدیٰ
Saffānah	a pearl	سفانہ
Salmā	safe and sound	سلمیٰ
Sumbulah	a fragrant plant	سمبلہ
Samrā'	a beautiful girl with a tan	سمراء
Sumayyah	high in status	سمیہ
Sinā	bright faced	سنا
Sinā'	high in status	سناء
Saninah	one who adheres to the Sunnah	سنینہ
Suhaymah	fortunate / one who upholds family ties	سہیمہ
Sawdah	wealthy / generous / blessed	سودہ
Sawniyah	beautiful	سونیہ
Sīmā	a sign of faith	سیما
Shādhiyah	fragrant	شاذیہ
Shāriqah	bright faced	شارقہ
Shāziyah	high in status	شازیہ
Shāhīn	a royal white falcon	شاہین

Shāhīyyah	one with royal traits	شاہیہ
Sharifah	noble / pinnacle	شرفہ
Shigufta	one with a beaming face	شگفتہ
Shagūfah	a bud / a flower	شگوفہ
Shamā'ila	one with good traits	شمائلہ
Shamīla	veiled / a shawl	شمیلہ
Shamīm / Shamīmah	fragrant / high ranked	شمیم / شمیمہ
Shahāmah	courageous / intelligent	شہامہ
Shahbah	beautiful	شہبہ
Shuhlah / Shuhlā'	black eyed / intelligent	شہلہ / شہلاء
Shayr- Bānū	a princess	شیر بانو
Shīmah	one with good traits	شیمہ
Ṣāni'ah	one who does things meticulously	صانعہ
Ṣabāḥat	beautiful	صباحت
Ṣafūrah	free of defects / bright coloured	صفورہ
Ṣafwah	choice	صفوہ
Ṣafīyah	liked / choice	صفیہ
Ṣahbā'	beautiful with a blush	صہباء
Ḍamīrah	slim / beautiful / charming	ضمیرہ
Ẓabīyyah	beautiful like a deer	ظبیہ

Ẓa'īnah	veiled	ظعینہ
'Atikah	one who applies perfumes	عاتکہ
'Āshiqah	loving	عاشقہ
'Ākifah	one who adheres to the Sharee'ah	عاکفہ
'Ā'ishah	one living a good comfortable life	عائشہ
'Adhbah	sweet tongued	عذبہ
'Adhrā'	free of defects / virgin	عذراء
'Afrā'	brave / white earth	عفراء
'Ammārah	firm in faith	عمارہ
'Amrah	one with a long life / the most beautiful bead in a necklace	عمرہ
'Umayrah	one with a long life / crowned	عمیرہ
'Ambarī	fragrant like amber	عنبریں
'Unqūdah	a cluster of grapes	عنقودہ
'Uyayynah	a small spring	عیینہ
Ghādah	soft / delicate	غادہ
Ghādiyyah	morning rain	غادیہ
Ghadīrah	a pond	غدیرہ
Ghafīrah	one with abundance	غفیرہ
Ghumayṣā'	high like a star	غمیصاء
Fākhtah	a dove / moonlight	فاختہ
Fārha	beautiful / charming	فارہہ

Fāṭimah	separated from men and evil habits	فاطمہ
Firdaws	a garden	فردوس
Farzānah	intelligent	فرزانہ
Farzīnah	a queen	فرزینہ
Fakīhah	one with a pleasant temperament	فکیہہ
Kāzimah	good character / controls one's anger	کاظمہ
Kabshah	humble / a leader	کبشہ
Karishmah	humble	کرشمہ
Kulthūm	one with a beautiful plump face	کلثوم
Gul Badīn	flowery	گل بدین
Gulê Ra'nah	a beautiful flower which is red from the inside and yellow from the outside	گل رعنہ
Gul Kadah	a garden	گل کدہ
Gulê Lālah	a beautiful red flower with black dots	گل لالہ
Lubābah	intelligent	لبابہ
Lubāqah	talented / expert	لباقہ
Lubnā	one who benefits	لبنیٰ
Lamīs	soft / delicate	لمیس
Lu'lu'ah	a pearl	لؤلؤ ہ
Layyānah	soft / gentle	لیانہ
Laīylā	fragrant / beautiful	لیلیٰ
Līnah	gentle / one with a pleasant temperament	لینہ

Māriyah	beautiful	ماریہ
Māziyah	virtuous	مازیہ
Mā'irah	one who feeds others	مایرہ
Miḥjanah	a support for the week	محجنہ
Marjānah	a valuable gem	مرجانہ
Maryam	worshipper / one who serves	مریم
Maznah	rain bearing clouds	مزنہ
Masīk	a support	مسیکہ
Mu'ādhah	one given refuge	معاذہ
Malālah	one who has a concern for Deen	ملالہ
Malāliyê	one with dazzling eyes	ملالئے
Milsā'	sleek	ملساء
Mulīkah	a beloved queen	ملیکہ
Manīfah	beautiful / one with a good stature	منیفہ
Maymanah	fortunate	میمنہ
Maymūnah	blessed	میمونہ
Nusaybah	beloved	نُسیبہ
Nāsikah	a worshiper	ناسکہ
Nā'imah	soft / delicate	ناعمہ
Nā'ilah	gifted / one who achieves high ranks / generous	نائلہ
Nabīlah	noble	نبیلہ

Najībah	one with a noble lineage	نجیبہ
Nadīmah	friend / companion	ندیمہ
Nasrīn	a flower	نسرین
Nusaybah	one with a high lineage	نسیبہ
Nasīm / Nasīmah	a gentle breeze	نسیم/نسیمہ
Nīlawfar	a water lily	نیلوفر
Hājrah	beautiful / one who leaves sins	ہاجرہ
Hālah	halo / nimbus	ہالہ
Hāni	gifted	ہانی
Hudā	guided	ہدیٰ
Hazīlah	slim and beautiful	ہزیلہ
Humā	fortunate	ہما
Hindah	forbearing / patient	ہندہ
Wajīhah	honoured	وجیہہ
Wuddād	loving / sincere	وداد
Waṣīfah	a servant	وصیفہ
Walīyyah	a saint	ولیہ
Yāsmīn	fragrant like jasmine	یاسمین
Yāfi'ah	high ranking	یافعہ
Yasmīrah	one with a gentle temperament / wealthy	یسمیرہ
Yumnah	blessed / fortunate	یمنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿إنما الحیوة الدنیا لعب ولهو، وإن تؤمنوا وتتقوا یؤتکم أجورکم ولا یسئلکم أموالکم﴾

وقال تعالیٰ: ﴿وما هذه الحیوة الدنیا إلا لهو ولعب وإن الدار الآخرة لهی الحیوان لو کانوا یعلمون﴾

وقال تعالیٰ: ﴿وما الحیوة الدنیا إلا لعب ولهو وللدار الآخرة خیر للذین یتقون أفلا تعقلون﴾

باب ...... ﴿۸﴾

ما یتعلق بأحکام الألعاب واللهو واللعب

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ... کل ما یلهو به الرجل المسلم باطل إلا رمیه بقوسه وتأدیبه فرسه وملاعبته أهله فإنهن من الحق. (ترمذی شریف).

وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

کل شيء لیس فیه ذکر اللّٰه فهو لهو ولعب إلا أربع: ملاعبة الرجل امرأته وتادیب الرجل فرسه ومشی الرجل بین الغرضین وتعلیم الرجل السباحة.

(سنن النسائی الکبری).

فصل اول

کھیل کود کے احکام کا بیان

تیراکی کا ثبوت اور اس کا حکم:

سوال: جولوگ سمندر کے کنارے رہتے ہیں اور تیرنے کا شوق رکھتے ہیں وہ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حیاتِ طیبہ میں تیرنا ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سباحت اور تیراکی کے بارے میں متعدد قولی روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اور اس کو پسند فرمایا ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس مدینہ منورہ میں ایک تالاب میں تیراکی سیکھی ہے، بنابریں تیراکی مستحب اور پسندیدہ عمل ہے اور اس میں جسم کی ورزش بھی ہے اور بوقتِ ضرورت دوسروں کی جان بچانے میں اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الإمام البيهقي في شعب الإيمان (٨٢٩٧) **عن ابن عمر**رضی اللہ عنہ، **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: علموا أبناء كم السباحة والرمي ، والمرأة المغزل. وقال: عبيد العطار منكر الحديث.**

وعن عطاء بن أبي رباح قال: رأيت جابر بن عبد الله وجابر بن عبيد الله الأنصارى يرتميان فمل أحدهما فجلس فقال له الآخر: كسلت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كل شيء ليس من ذكر الله عزوجل فهو لهو أو سهو إلا أربع خصال: مشي الرجل بين الغرضين وتأديبه فرسه وملاعبته أهله وتعليم السباحة . رواه الطبرانى فى

الأوسط والكبير والبزار ورجال الطبراني رجال الصحيح خلا عبد الوهاب بن بخت وهو ثقة. (مجمع الزوائد:باب ماجاء فی القسی والرماح والسيوف).

وأيضاً أخرجه النسائی الكبری (٥/٣٠٢/٨٨٩٠)، **وقال المنذری** (٢/١٨٠) **بإسناد جيد.**

وفي رواية : علموا بنيكم السباحة والرمي ولنعم لهو المؤمنة مغزلها وإذا دعاك أبوك وأمك فأجب أمك . ابن مندة فی المعرفة والديلمي من حديث بكر بن عبد اللّٰه بن الربيع الأنصاري به مرفوعاً وسنده ضعيف لكن له شواهد. (المقاصدالحسنة، ص٢٩٥، رقم:٧٠٨).

وقال الإمام السيوطيؒ في جامع الأحاديث: أورده الذهبي فی الميزان (٣/٣٢٤،ترجمة:٣٥٤٢)، **وابن حجر فی اللسان** (٣/١١٢،ترجمة: ٣٦٨) **كلاهما في ترجمة سليم بن عمرو الأنصاری وقالا: روی عنه علی بن عياش خبراً باطلاً ، ثم ذكرا الحديث .** (جامع الاحاديث:٢٢٩/١٤).

وعن عبد الكريم بن أبی المخارق أن زياد بن جارية أخبر عبد الملك أن عمربن الخطاب ﷺ كتب إلی أمراء الشام أن يتعلموا الغرض ويمشوا بين الغرضين حفاة وعلموا صبيانكم الكتابة والسباحة ...الخ. (مصنف عبدالرزاق:١٦١٩٨/١٩/٩).

وعن أبي أمامة بن سهل قال: كتب عمر ﷺ إلی أبي عبيدة بن الجراح ﷺ أن علموا غلمانكم العوم (السباحة) ومقاتلكم الرمي ...الخ. (مسنداحمد :٣٢٣/٤٠٩/١).

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن .

وللمزيد راجع : (فيض القدير: ٣٢٨/٤،والمقاصدالحسنة،ص٢٩٥،والشذرة فی الاحاديث المشتهرة: ٢٩٧/١، وكشف الخفاء:٦٨/٢).

مذکورہ بالا روایات سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراکی کی ترغیب دی ،اورحضرت عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے عمال کوخط لکھ کرخصوصی ترغیب دی تھی ،لہذاان روایات سے تیراکی کااستحباب ثابت ہوتاہے،اگرچہ ان میں سے بعض روایات ضعیف ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیراکی کاثبوت:

قال ابن سعد فی الطبقات الکبری (١١٦/١): **أخبرنا محمد بن عمر بن واقد الأسلمي ... عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وغيره قالوا: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مع أمه آمنة بنت وهب فلما بلغ ست سنين خرجت به إلى أخواله بني عدي بن النجار بالمدينة تزورهم به ... فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر أموراً كانت في مقامه ذلك لما نظر إلى أطم بني عدى بن النجار عرفه ...ونظر إلى الدار فقال: ههنا نزلت بي أمي وفي هذه الدار قبر أبي عبد الله بن عبد المطلب وأحسنت العوم في بشر بني عدى بن النجار .**

(وكذا فی سبل الهدى والرشاد :١٢٠/٢، والسيرة الحلبية :٥٠/١، والخصائص الكبرى:١٣٤/١، وامتاع الاسماع بما للنبى من الاحوال والاموال والحفدة والمتاع :١٤٣/٨،ط: بيروت، والمختصر الكبير فی سيرة الرسول، ص١٠، ونهاية الارب فی فنون الادب:٦٢/١٦،ط:بيروت).

علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامِ مدینہ کی بہت ساری باتیں یاد رہ گئی تھیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامِ مدینہ کے زمانہ میں ایک دفعہ بنوعدی کے منازل پر گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ (سیرۃ النبی:١/١١١)۔

اس روایت کا بنیادی راوی محمد بن عمر واقدی ہے اور واقدی پر بہت کچھ کلام ہے، مختصر اور ملخص حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے سیرتِ مصطفیٰ میں بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ واقدی کے بارے میں محقق یا راجح یا اقرب الی الصواب یہ ہے کہ واقدی ضعیف ہے دروغ گو اور افسانہ ساز نہیں، واقدی کی روایت کا وہی حکم ہے جو ضعیف راوی کی روایت کا حکم ہے یعنی جب تک کوئی حدیث صحیح اس ضعیف حدیث کے معارض نہ ہو اس وقت تک اس ضعیف حدیث کو نہیں چھوڑا جائیگا، خصوصاً جب کہ وہ ضعیف حدیث متعدد طرق اور مختلف اسانید سے مروی ہو، امام اعظمؒ سے بدرجہ تواتر منقول ہے کہ ضعیف حدیث میرے نزدیک رائے رجال سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ (سیرتِ مصطفیٰ:١/١٠٢)۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیرت اور مغازی میں واقدی کی روایت کو نقل کر سکتے ہیں البتہ جہاں صحابہ کرام کی سیرت داغدار ہوتی ہو وہاں واقدی کی روایت قابل اعتبار نہ ہوگی۔

واقدی کے بارے میں مفصل کلام اسمائے رجال کی کتابوں میں ملاحظہ کیجئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فٹ بال کھیلنے کا حکم:

سوال: کیا فٹ بال کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جدید اور قدیم کھیلوں کے بارے میں چند شرائط اور ضوابط کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا اختیار کرنا جائز ہوگا۔ **شرائط اور ضوابط** حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) جن کھیلوں کے بارے میں احادیث وآثار میں صریح ممانعت وارد ہوئی ہے وہ ناجائز ہیں، جیسے نردشیر، شطرنج، کبوتر بازی، اور جانوروں کو لڑانا وغیرہ۔

(۲) جو کھیل کسی حرام ومعصیت پر مشتمل ہوں وہ اس معصیت یا حرام کی وجہ سے ناجائز ہوں گے۔ جیسے کھیل میں ستر کھولنا، مردوں کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے یہ حصہ مستور ہونا چاہئے اگر رانیں اور گھٹنے کھلے ہوئے ہوں تو یہ ناجائز ہے۔ یا کسی کھیل میں جوا کھیلنا، یا مرد وزن کا اختلاط ہونا، یا اس میں گانے بجانے کا اہتمام کرنا، یا کفار فساق کی نقالی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۳) جو کھیل فرائض اور حقوقِ واجبہ سے غافل کرنے والے ہوں، وہ بھی ناجائز ہیں۔ البتہ ایسے کھیل جو مختصر وقت میں پورے کیے جاسکتے ہوں جیسے فٹبال، والی بال، وغیرہ تو یہ جائز ہیں، ہاں ایسا طویل الوقت کھیل نہ ہو جو شرعی فرائض اور اپنی متعلقہ ذمہ داریوں سے غافل کردے تو پھر ناجائز ہوگا، جیسے شطرنج اور فی زمانناکرکٹ، تاش، کیرم بورڈ وغیرہ۔

(۴) ایسے کھیل بھی ناجائز ہیں جو اپنے یا دوسروں کے لیے ایذارسانی کا باعث بنتے ہوں، یا اس کھیل میں جسم کو نقصان پہنچنے کا قوی امکان ہو، جیسے فری اسٹائل کشتی اور باکسنگ، پتنگ بازی وغیرہ۔

(۵) مردوں کے لیے زنانہ کھیل اور عورتوں کے لیے مردانہ کھیل جیسے کشتی، کبڈی وغیرہ درست نہیں۔

(۶) وہ تمام کھیل جن میں مذکورہ بالا خرابیاں نہ ہوں اور ان سے جسمانی ریاضت اور ورزش ہوتی ہو اور انسانی صحت کے لیے مفید ہوں ایسے کھیل مستحب ہیں۔

(۷) چند قسم کے کھیل احادیث سے ثابت ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے وہ کھیل مستحب ہیں۔ مثلاً دوڑ لگانا، تیراکی، گھوڑ دوڑ، تیراندازی اور کشتی لڑنا، لیکن کشتی میں فریق مخالف کو فقط زمین پر گرانا مقصود ہو ہر قسم کی آزادانہ تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے جیسا کہ آج کل فری اسٹائل کشتی میں ہوتا ہے یہ درست

نہیں۔ بشرطیکہ مذکورہ بالا مفاسد سے خالی ہوں۔

مذکورہ بالا اصول کی رعایت کرتے ہوئے فٹ بال کھیلنا بھی جائز ہوگا، کیونکہ اس میں جسمانی ورزش ہے اور یہ اسبابِ جہاد میں سے ہے اور ذہنی تفریح بھی ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

ولا بأس بالمسابقة فی الرمی والفرس والبغل والحمار کذا فی الملتقی والمجمع وأقره المصنف هنا...لأنه من أسباب الجهاد فکان مندوباً ... (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤٠٢/٦، سعید).

وکذا في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر (٢١٦/٤،ط: دارالکتب العلمیة) **وزاد فيه: وکل ما هو من أسباب الجهاد فتعلمه مندوب إليه سعياً في إقامة هذه الفريضة .**

تکملۃ فتح الملہم میں ہے:

فالضابط في هذا الباب عند مشايخنا الحنفية ، المستفاد من أصولهم وأقوالهم: أن اللهو المجرد الذي لا طائل تحته، وليس له غرض صحيح مفيد فی المعاش ولا المعاد حرام ، أو مکروه تحريماً ، وهذا أمر مجمع عليه فی الأمة ، متفق عليه بين الأئمة ، وما کان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيوية ، فإن ورد النهي عنه من الکتاب أو السنة (کما فی النردشير) کان حراماً ، أو مکروهاً تحريمياً ، وألغيت تلک المصلحة والغرض لمعارضتها للنهی المأثور، حکماً بأن ضرره أعظم من نفعه . . .

وأما ما لم يرد فيه النهی عن الشارع ، وفيه فائدة ومصلحة للناس ، فهو بالنظر الفقهی علی نوعين :

الأول: ما شهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه، ومفاسده أغلب علی منافعه، وأنه من اشتغل به ألهاه عن ذکر اللّٰه وحده وعن الصلوات والمساجد، التحق ذلک بالمنهی عنه ، لاشتراک العلة ، فکان حراماً أو مکروهاً .

والثاني: ما ليس کذلک ، فهو أيضاً إن اشتغل به بنية التلهي والتلاعب فهو مکروه ، وإن اشتغل به لتحصيل تلک المنفعة ، وبنية استجلاب المصلحة فهو مباح ، بل قد يرتقي

إلى درجة الاستحباب أو أعظم منه .

وعلى هذا الأصل فالألعاب التي يقصد بها رياضة الأبدان أو الأذهان جائزة في نفسها مالم تشمل على معصية أخرى ، وما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه ، والله سبحانه أعلم. (تكملة فتح الملهم:٤/٤٣٦).

امداد الاحکام میں ہے:

یہ کام نصاریٰ کے قومی شعار یا مذہبی رسوم نہیں ہیں اس لیے اگر ورزش کی مصلحت سے کھیلا جائے تو مضائقہ نہیں اگر نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کی نیت ہو تو مکروہ ہوگا اور نماز کے فوت کرنے کا گناہ تو ہر ورزش میں ہے خواہ یہ ہو یا کوئی اور لہذا ایسا مشغول ہو کر کھیلنا کہ نماز کا بھی خیال نہ رہے ہر حال میں ناجائز ہے۔ (امداد الاحکام: ۴/۳۶۷)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ورزش اور مشق جہاد اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے کھیلے تو درست ہے، مگر ستر پوشی اور دیگر حدودِ شریعت کی رعایت لازم ہے، انہماک کی وجہ سے احکامِ شرعیہ: نماز و جماعت وغیرہ میں خلل نہ آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/ ۵۳۳، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ جائز ہیں بشرطیکہ انھیں فوائد کی نیت سے ان کو کھیلا جائے، محض لہو و لعب کی نیت نہ ہو، لیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یا انعام مشروط مقرر کرنا جائز نہیں۔

مثلاً: گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی ورزش ہوتی ہے یا لاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ جو قوتِ جہاد میں معین ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح معمہ بازی، شعر بازی، تعلیمی تاش وغیرہ ہار جیت کی بازی لگانا جائز ہے مگر اس پر کوئی رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں، بلکہ قمار حرام ہے۔ (جواہر الفقہ :۲/۳۵۷، مفید کھیل، ط: مکتبہ دار العلوم کراچی)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شطرنج کھیلنے کا حکم:

سوال: شطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ بغیر قمار کے کھیلنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: احادیث اورفقہائے کرام کی عبارات کی روشنی میں شطرنج کھیلنا قمار کے ساتھ اور بلا قمار دونوں صورتوں میں ناجائز ہے۔قمار کی صورت میں تو بالکل حرام ہے۔احادیث اور آثار ملاحظہ کیجئے:

امام بیہقیؒ نے السنن الکبری میں چند آثار نقل کیے ہیں:

عن علي رضي الله عنه أنه كان يقول: الشطرنج هو ميسر الأعاجم . [إسناده منقطع].

وروينا عن علي رضي الله عنه أنه مر على قوم يلعبون بالشطرنج فقال: ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون ، لأن يمس أحدكم جمراً حتى يطفأ خير له من أن يمسها .

وعن علي رضي الله عنه : صاحب الشطرنج أكذب الناس .

وروينا عن أبي موسى رضي الله عنه أنه قال: لا يلعب بالشطرنج إلا خاطى . (السنن الكبرى:۹/۱۷۱،ط:مكتبة الرشد). (وكذا فی شعب الايمان :۸/۴۶۸ـ۴۷۷، باب فی تحريم الملاعب والملاهی).

عمدة القاری میں ہے:

وقال ابن كثير في تفسيره : وأما الشطرنج فقد قال عبد الله بن عمر رضي الله عنه أنه شر من النرد ونص على تحريمه مالک وأبوحنيفة وأحمد وكرهه الشافعی قلت: إذا كان الشطرنج شراً من النرد فانظر ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فی النرد رواه مالک فی الموطا وأحمد في مسنده وأبوداود وابن ماجه في سننيهما عن أبي موسى الأشعرى رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لعب بالنرد فقد عصى الله ورسوله وروى مسلم عن بريدة بن الحصيب الأسلمي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لعب بالنرد شير فكأنما صبغ يده بلحم خنزير ودمه . (عمدة القاری : ۲۷/۱۷۰).

فقہاء کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

قال فی الدرالمختار: وكره تحريماً اللعب بالنرد وكذا الشطرنج ... وفی رد المحتار: قوله والشطرنج معرب شدرنج ، وإنما كره لأن من اشتغل به ذهب عناؤه الدنيوی وجاءه العناء الأخروی فهو حرام وكبيرة عندنا، وفي إباحته إعانة الشيطان على الإسلام والمسلمين كما فی الكافی ، قهستانی. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۶/۳۹۴،سعيد).

وقال فی الهندية: ويكره اللعب بالشطرنج والنرد وثلاثة عشر وأربعة عشر وكل لهو

ما سوى الشطرنج حرام بالإجماع ، وأما الشطرنج فاللعب به حرام عندنا . (الفتاوى الهندية: ٣٥٢/٥).

بعض فقہاء نے شطرنج کو جائز قرار دیا ہے جب کہ اس میں جوابازی نہ ہو اور ایسا انہاک نہ ہو جس کی وجہ سے فرائض میں خلل واقع ہونے لگے، نیز اس کھیل پر مداومت اور ہمیشگی نہ کی جائے۔ ملاحظہ کیجئے:

قال في الدرالمختار: وأباحه الشافعيؒ وأبويوسفؒ في رواية ونظمها شارح الوهبانية فقال:

ولا بأس بالشطرنج وهي رواية ☆ عن الحبر قاضي الشرق والغرب تؤثر

وهذا إذا لم يقامر ولم يداوم ولم يخل بواجب وإلا فحرام بالإجماع .

لیکن فقہاء نے اس قول کو اختیار نہیں فرمایا، چنانچہ علامہ شامیؒ علامہ شرنبلالیؒ سے نقل کرتے ہیں:

قوله في رواية ، قال الشرنبلالي في شرحه: وأنت خبير بأن المذهب منع اللعب به كغيره.

(الدرالمختارمع ردالمحتار: ٣٩٤/٦، سعيد). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

باسکٹ بال اور والی بال کھیلنے کا حکم:

سوال: یہ بات تو معلوم ہے کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کرے اپنی قدرت اور وسعت کے مطابق ان طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے جو احادیث میں وارد ہیں مثلاً: گھڑسواری، تیراندازی، تیراکی، دوڑ، وغیرہ لیکن اگر فی زمانا کوئی شخص جدید کھیل مثلاً: فٹ بال، باسکٹ بال وغیرہ کھیل کر جہاد کے لیے ورزش کی نیت کرے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے ایسے کھیل کھیلنے کی اجازت دی ہے جن سے جسمانی ورزش ہوتی ہو، اور صحت پر مفید اثر پڑتا ہو، اور طبی نقطہ نظر سے مفید ہوں، جب کہ ماقبل میں ذکر کردہ اصول وضوابط کی رعایت کی جائے، مثلاً: ان کی وجہ سے فرائض اور حقوقِ واجبہ میں کوتاہی نہ ہو، ستر کی رعایت کی جائے، ہار جیت پر کوئی شرط نہ لگائی جائے، تضییع اوقات نہ ہو، قصداً کفار کی مشابہت نہ اختیار کی جائے وغیرہ تو ان شرائط کی رعایت کے ساتھ باسکٹ بال، فٹ بال، والی بال وغیرہ جائز اور درست ہیں، نیز ان میں جسمانی ورزش بھی ہے اور جہاد کے لیے تیاری کی نیت سے بمصداقِ حدیث: "**إنما الأعمال بالنيات**"، اجروثواب کا مستحق ہوگا۔

نیز حدیث شریف میں آتا ہے: ”المومن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف، وفي كلٍ خير...“. (رواه مسلم،رقم: ٢٦٦٤) یعنی طاقتور مومن کمزور مومن سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے ہاں خیر سے کوئی ایمان والا محروم نہیں۔اس حدیث کی رو سے بھی ورزش کی نیت سے اجر وثواب ملیگا۔

کفایت المفتی میں ہے:

اگر ستر کھولنے اور نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو والی بال کھیلنے کی ورزش کی نیت سے شرعاً گنجائش ہے، جسمانی ورزش جس میں کوئی بات خلافِ شریعت نہ ہو جائز ہے، ورزش کے بہت سے طریقے ہیں جن میں بعض طریقے ایسے ہیں کہ وہ کسی خاص قوم کفار کے ساتھ مخصوص ہیں: مثلاً: کرکٹ، فٹ بال، ہاکی وغیرہ کہ ان میں یورپین کفار کی مشابہت کی وجہ سے کراہت ہے...(کفایت المفتی :۹/۲۶۹،ط: دارالاشاعت)۔

پرانے زمانہ میں ان کھیلوں میں کفار کے ساتھ تشبہ کی بات تھی آج کل تو مسلمانوں میں اس قدر رائج ہیں کہ اب تشبہ باقی نہیں رہا، ہاں قصداً تشبہ اختیار کرنے میں کراہت ہوگی۔ جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فٹ بال کے بارے میں فرمایا ہے کہ: یہ کام نصاریٰ کے قومی شعار یا مذہبی رسوم نہیں ہیں اس لیے اگر ورزش کی مصلحت سے کھیلا جائے تو مضائقہ نہیں اگر نصاریٰ کے ساتھ تشبہ کی نیت سے ہو تو مکروہ ہوگا...(امداد الاحکام: ۴/ ۳۶۷، باب اللعب والغنا والتصاویر)۔

البتہ جہاد کے لیے تیاری کے جو اسباب حدیث سے ثابت ہیں ان کا اختیار کرنا اولیٰ ہے۔واللہ ﷻ اعلم۔

کیرم بورڈ کھیلنے کا حکم:

سوال: عام طور پر نمازِ عشاء سے فارغ ہونے کے بعد کچھ نوجوان مل کر تھوڑی دیر کے لیے ایک جگہ جمع ہو کر کیرم بورڈ کھیلتے ہیں، اس کی وجہ سے نہ تو فرائض وحقوق ضائع ہوتے ہیں اور نہ ہی جوا وغیرہ کوئی ناجائز امر شامل ہوتا ہے، ویسے ہی تفریح مقصود ہوتی ہے، تو کیا ایسا کھیل کھیلنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: کیرم بورڈ میں بذاتِ خود کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں بعض اوقات اس میں انہماک اتنا ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے فرائض سے غفلت ہونے لگتی ہے، یہ انہماک ممنوع ہے، ورنہ اگر محض تفریح کے لیے کچھ دیر کھیل لیا جائے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو یہ جائز اور درست ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

اعلم أن الشريعة المصطفوية السمحة البيضاء لا تمنع الارتفاقات المصالح التي فطرت عليها الطبيعة البشرية ولا ترتضى الرهبانية والتبتل، بل تقتضى المدنية والمعاشرة الصالحة، نعم: تمنع الغلو فى المسليات والانهماك فيها بحيث يلهى عن الضروريات الدينية أو المعاشية، ومن المعلوم أن من الحاجات المفطور عليها الإنسان تمرين البدن وترويح القلب وتفريحه ساعة فساعة، ومن ههنا قال عليه الصلاة والسلام: "روحوا القلوب ساعة فساعة"، أخرجه أبوداود في مراسيله عن ابن شهاب مرسلاً، وأبوبكر المقرى فى فوائده، والقضاعي عنه عن أنس رضي الله عنه. (احكام القرآن: ٣/١٩٤).

کفایت المفتی میں ہے:

اگر کیرم میں بازی (یعنی ہار جیت کی کوئی قیمت) نہ لگائی جائے محض تفریح کی غرض سے تھوڑی دیر کھیل لیا جائے اور اس کی وجہ سے کسی ضروری اور مذہبی کام میں خلل نہ آئے تو... مباح ہوگا۔ (کفایت المفتی: ۹/۲۰۴، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ہار جیت نہ ہو اور احکامِ شرعیہ میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے تو کبھی کبھی وحشت اور دل بہلانے کے لیے اس کھیل (کیرم) کی گنجائش ہے، تاہم اس کی عادت نہ ڈالی جائے، اور اس کو چھوڑنے کی کوشش کی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۹/۵۳۶، جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

علمائے کرام کے لیے کرکٹ کھیلنے اور کومنٹری سننے کا حکم:

سوال: علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کا کرکٹ کھیلنا اور ٹی وی پر دیکھنا اور اس کے لیے سفر کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور کومنٹری سننا چہ حکم دارد؟ بینوا توجروا۔

الجواب: علمائے کرام کے لیے کرکٹ کھیلنا اور اس کے لیے سفر کرنا بالکل مناسب نہیں اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور کرکٹ کا کھیل ٹی وی پر دیکھنا درست نہیں۔ نیز دیندار طبقہ کو کومنٹری جیسی لغویات میں ملوث ہوکر غافلوں کے ساتھ تشبہ اختیار کرنا درست نہیں۔ مزید براں اس میں دورِ حاضر کے نظریہ کھیل کی حوصلہ افزائی بھی

ہے جو کہ ممنوع ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عبد الرحمن بن أبی الحسن أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن اللّٰہ لیدخل بالسهم الواحد ثلاثة الجنة صانعه یحتسب فی صنعته الخیر والرامی والممد به قال: ارموا وارکبوا ولأن ترموا أحب إلي من أن ترکبوا ،کل ما یلهو به المسلم باطل إلا رمیه بقوس وتأدیبه فرسه وملاعبته أهله فإنهن من الحق . (رواہ الترمذی:۱/۲۹۳).

(وایضاً رواہ ابوداود، ص ۳۴۰،وابن ماجہ:۲/۲۰۲).

امداد المفتین میں ہے:

سوال: انگریزی کھیل ٹینس، فٹ بال، کرکٹ اور اسی قسم کے دوسرے کھیل کھیلنا کیسا ہے؟

الجواب: **قال فی الدر المختار من الکراهیة : وکره کل لهو لقوله علیه الصلاة والسلام: کل لهو المسلم حرام إلا ثلاثة ...الخ. قال الشامی: أی کل لعب وعبث إلی قوله والمزمار والصبخ والبوق فإنها کلها مکروهة ، لأنها زی الکفار** . (شامی :۵/۲۷۵،ط: مصری) **وفی القهستانی عن الملتقط: من لعب بالصولجان یرید الفروسة یجوز وعن الجواهر قد جاء الأثر في رخصة المصارعة لتحصیل القدرة علی المقاتلة دون التلهی فإنه مکروه ، وفی الدر المختار : والمصارعة لیست ببدعة إلا للتلهی فتکره .**

وفی الشامی : أقول: قدمنا عن القهستانی في جواز اللعب بالصولجان وهو الکرة للفروسة وفي جواز المسابقة بالطیر عندنا نظر وکذا فی جواز معرفة ما فی الید واللعب بالماثم فإنه لهو مجرد، (شامی) احادیث جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ان سے نیز عباراتِ فقہیہ مندرجہ بالا سے کھیل کے بارہ میں تفصیلات ذیل مستفاد ہوئیں۔(الف) وہ کھیل جس سے دینی یا دنیوی کوئی معتد بہ فائدہ مقصود نہ ہو وہ ناجائز ہے اور وہی حدیث کا مصداق ہے (ب) جس کھیل سے دینی یا دنیوی فائدہ معتد بہا مقصود ہو وہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلافِ شرع ملا ہوا نہ ہو اور منجملہ امر خلافِ شرع تشبہ بالکفار بھی ہے (ج) جس کھیل سے کوئی فائدہ دینی یا دنیوی مقصود ہو لیکن اس میں کوئی ناجائز اور خلافِ شرع امر مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے یا کوئی کھیل کسی خاص قوم کا مخصوص سمجھا جاتا ہو وہ بھی ناجائز ہوگا، **التشبه ممنوع** ،...آج کل چونکہ عموماً یہ شرائط موجودہ کھیلوں میں موجود نہیں اس لیے ناجائز کہا جاتا ہے۔(امداد المفتین :۲/۸۳۱، دارالاشاعت)۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

کھیل کے جواز کے لیے تین شرطیں ہیں۔(۱) ایک یہ کہ کھیل سے مقصود محض ورزش یا تفریح ہو، خود اس کو مستقل مقصد نہ بنایا جائے۔

(۲) دوم یہ کہ کھیل بذاتِ خود جائز بھی ہو اس کھیل میں کوئی ناجائز بات نہ ہو۔(۳) سوم یہ کہ اس سے شرعی فرائض میں کوتاہی یا غفلت پیدا نہ ہو۔

اس معیار کو سامنے رکھا جائے تو اکثر و بیشتر ناجائز اور غلط نظر آئیں گے ، ہمارے کھیل کے شوقین نو جوانوں کے لیے کھیل ایک ایسا محبوب مشغلہ بن گیا ہے کہ اس کے مقابلہ میں نہ انھیں دینی فرائض کا خیال ہے نہ تعلیم کی طرف دھیان ہے، اور کھیل کا ایسا ذوق پیدا کر دیا گیا ہے کہ ہمارے نو جوان گویا صرف کھیلنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اس کے سوا زندگی کا گویا کوئی مقصد ہی نہیں ، ایسے کھیل کو کون جائز کہہ سکتا ہے؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/ ۴۰۷، طبع جدید)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

موجودہ زمانہ میں کرکٹ ایسا کھیل بن گیا ہے کہ عموماً اس میں خلافِ شرع امور پائے جاتے ہیں، نمازوں کا قضا کر دینا اس پر ہار جیت اور قمار کھیلنا فجار فساق اور غافل قسم کے لوگوں کا اسے اختیار کرنا ،غفلت کی حد یہ ہو چکی ہے کہ دن تو دن اب تو راتوں میں بھی اس میں انہاک رہتا ہے کرکٹ کے میچ کے وقت نو جوان لڑکیوں اور عورتوں کا میدان میں جمع ہونا اور نہ معلوم کون کون سی اخلاقی اور شرعی خرابیاں اس میں آ چکی ہیں، اور تجربہ ہے کہ جس قدر اس کا شوق اور انہاک بڑھتا ہے غفلت میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے، رات دن بس اسی کی فکر سوار رہتی ہے، حتی کہ مسجد میں آنے کے بعد وضو کرتے ہوئے، وضو سے فارغ ہو کر اور بہت سے شوقین تو جماعت خانہ میں بھی اسی کے چرچہ میں مشغول رہتے ہیں، حد یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر رمضان المبارک میں تراویح کے وقت میچ کی کومنٹری آ رہی ہو اس کے بہت سارے شوقین تو اس پر تراویح قربان کر دیتے ہیں ... ہار جیت پر پٹاخے پھوڑے جاتے ہیں جس میں غیر قوم سے مشابہت کے ساتھ ساتھ اضاعت مال بھی ہے اور بسا اوقات یہ حرکت قومی فساد کا سبب بھی بن جاتی ہے اور مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان بھی ہوتا ہے، ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے کھیل کو اب کس طرح جائز کہا جا سکتا ہے؟ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/ ۲۷۷، ط: مکتبہ رحیمیہ)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کرکٹ، ہاکی، وغیرہ میں ایک غرضِ صحیح کے پیش نظر اجازت ہے یہ سب ممنوع محض نہیں...(فتاویٰ محمودیہ: ۵۴۴/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ فی نفسہٖ کرکٹ کے کھیل میں قباحت نہیں ہے، اگر ورزش کی نیت سے کھیلا جائے، شرائط مذکورہ بالا کی پابندی کے ساتھ تو کوئی حرج نہیں مباح ہے لیکن علماء کے لیے اس قسم کے کھیل سے اجتناب کرنا چاہئے، خصوصاً فی زماننا اس کی وجہ سے فرائض میں کوتاہیاں ہورہی ہیں، حقوق ضائع کیے جارہے ہیں، اور کھلاڑیوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جارہا ہے عوام کے قلوب میں ان کی محبت سرایت کرچکی ہے، ان کی ہر ایک ادا پر فدا ہیں، ہار جیت پر بڑے جھگڑے ہورہے ہیں، نیز آج کل وَن ڈے (ایک روزہ میچوں) کا بھی رواج ہوگیا ہے جو اکثر جمعہ کے دن کھیلے جاتے ہیں اور جمعہ مبارک کا پورا دن کھیل کود اور اس کے نظارہ میں ضائع کیا جاتا ہے عین نمازِ جمعہ کے وقت کھیل جاری ہوتا ہے اور نہ صرف کھلاڑی بلکہ ہزاروں تماشائی جمعہ کی نماز چھوڑ کر دنیا وآخرت کی بربادی اپنے سر لیتے ہیں۔ لہذا ان خارجی وجوہات کی بنا پر اس کھیل سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔

تنبیہ: بعض حضرات تو اس کھیل میں ورزش بھی تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بعض بیٹھے رہتے ہیں کھیل میں ان کا نمبر نہیں آتا اور بعض بہت زیادہ تھک جاتے ہیں کہ دینی دنیوی کسی کام کے نہیں رہتے۔

اسی طرح ٹی وی پر کرکٹ دیکھنا بھی ناجائز ہے اس میں بھی یہ ساری خرابیاں ہیں اور مزید براں برہنہ اور نیم برہنہ عورتوں کے اشتہارات سے قباحت بڑھ جاتی ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

ایسا شخص جو امامت کے عظیم منصب پر فائز ہو اس کو اس قسم کے بدنام اور بے کار لغو کھیل میں مشغول ہونا اس سے دلچسپی رکھنا کومنٹری سننا قطعاً اس کے شایانِ شان نہیں غافلوں کے ساتھ تشبہ بھی لازم آتا ہے، اور لوگوں کی نظروں میں امام کا وقار بھی کم ہوجاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۷۸/۷، ط: مکتبہ رحیمیہ، راندیر)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تفریحی کھیل کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ کے بعض بھائی جن میں مسجد کے ائمہ، ذمہ دار اور تبلیغی حضرات بھی شامل تھے، سب نے ملکر ہماری بستی کے مسلمان مردوں کے لیے ایک کھیل کے میدان میں ناشتہ کا انتظام کیا، اس کا مقصد لوگوں میں محبت پیدا کرنا تھا، سب نے ایک ٹکٹ خریدا تاکہ کھانے وغیرہ کا خرچہ نکل سکے، اس پروگرام کی اطلاع

کے لیے ایک اعلان مسجد کے بورڈ پر لگایا گیا،، بچوں نے فٹ بال، کرکٹ کا کھیل بھی کھیلا، ساتر جسم لباس پہن کر، کیا ایسا پروگرام جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ مقصد صرف محبت پیدا کرنا ہے اور مسجد کے ساتھ عوام کا تعلق بڑھانا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مقامی علمائے کرام اور دیندار حضرات اگر اس میں کوئی خرابی نہیں دیکھتے اور اس میں مصلحت سمجھتے ہیں کہ عوام کا مسجد سے تعلق بڑھے گا، اور فائدہ ہوگا، اور شریعت کی حدود کی پابندی ہو تو شرعاً ایسا کھیل اور پروگرام جائز اور درست ہوگا۔

رہی یہ بات کہ آنے والوں کے لیے ٹکٹ خریدنا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ دعوتِ طعام ایک تبرع ہے اور اس کے لیے ٹکٹ کی شرط لگائی، اور اس ٹکٹ کے لینے میں ہر آدمی خود مختار ہے لہٰذا یہ معاملہ تبرع مشروط کے حکم میں داخل ہو کر جائز اور درست ہوگا۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کرکٹ، ہاکی، وغیرہ میں ایک غرضِ صحیح کے پیش نظر اجازت ہے یہ سب ممنوع محض نہیں...(فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۴/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ جائز ہیں بشرطیکہ انھیں فوائد کی نیت سے ان کو کھیلا جائے، محض لہولعب کی نیت نہ ہو، لیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یا انعام مشروط مقرر کرنا جائز نہیں۔

مثلاً: گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی ورزش ہوتی ہے یا لاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ جو قوتِ جہاد میں معین ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح معمہ بازی، شعر بازی، تعلیمی تاش وغیرہ ہار جیت کی بازی لگانا جائز ہے مگر اس پر کوئی رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ (جواہر الفقہ: ۳۵۷/۲، مفید کھیل)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ورزش اور مشق جہاد اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے کھیلے تو درست ہے، مگر ستر پوشی اور دیگر حدودِ شریعت کی رعایت لازم ہے، انہماک کی وجہ سے احکامِ شرعیہ: نماز و جماعت وغیرہ میں خلل نہ آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۳/۱۹، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تبرعِ مشروط کی دلیل ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام البخاري ؒ بسنده عن البراء ﷺ قال: اشترى أبوبكر ﷺ من عازب رحلاً بثلاثة عشر درهماً، فقال أبوبكر ﷺ لعازب: مر البراء فليحمل إلي رحلي فقال عازب: لا، حتى تحدثنا كيف صنعت أنت ورسول الله صلى الله عليه وسلم حين خرجتما من مكة والمشركون يطلبونكم قال: ارتحلنا...الخ. (رواه البخاري: ۱/۵۱۵، فی مناقب المهاجرين).

وعن أنس ﷺ أن جاراً لرسول الله صلى الله عليه وسلم فارسياً كان طيب المرق فصنع لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جاء يدعوه فقال: وهذه لعائشة، فقال: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا، فعاد يدعوه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وهذه، قال: لا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا، ثم عاد يدعوه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وهذه قال: نعم في الثالثة فقاما يتدافعان حتى أتيا منزله. (رواه مسلم، رقم: ۲۰۳۷). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

کھیل کی ابتدا کے لیے قرعہ اندازی کا حکم:

سوال: اسلامی کھیل میں فریقین میں سے کون پہلے کھیلے گا اس کی تعیین کے لیے قرعہ اندازی کرنا اور اس کے لیے پانسہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ اس میں کسی کا حق ضائع کرنا نہیں ہے بلکہ فقط حق کی تعیین مطلوب ہے۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ کھیل کی ابتدا میں قرعہ اندازی کر کے معلوم کرنا کہ کون پہلے کھیلے گا یہ جائز اور درست ہے، اور اس کے لیے پانسہ کا استعمال بھی درست ہے، قرعہ اندازی تعیین حق کے لیے ہو تو جائز ہے ہاں ابطالِ حق یا احقاقِ باطل کے لیے ناجائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں جاتے وقت ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے تھے، اور جس کے نام کا قرعہ نکلتا وہ زوجہ رفیق سفر ہوتیں۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يخرج أقرع بين أزواجه فأيتهن خرج سهمها خرج بها رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(صحیح البخاری:۲/۶۹۶).

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

أنه ينبغي إجراء القرعة فى المهاياة زماناً لأجل البدء يعني أى أصحاب الحصص ينتفع أولاً كذلك ينبغي فى المهاياة مكاناً تعيين المحل بالقرعة أيضاً...فلذلك ينبغي للقاضي أن يجرى القرعة نفياً للتهمة ، أن إجراء القرعة فى المهاياة هو لتطييب القلوب فقط . (دررالحكام : ۳/ ۲۰۰،دارالكتب العلمية).

وفى المبسوط للإمام السرخسيؒ : وإنما يقرع تطييباً لقلوبهما ونفياً لتهمة الميل عن نفسه فلا يكون ذلك فى معنى القمار. (المبسوط : ۷٦/۱۷،دارالفكر) . **واللہ ﷻ اعلم۔**

کھیلوں کو ٹی وی پر دیکھنے کا حکم:

سوال: آج کل کرکٹ/فٹ بال عالمی ہو چکا ہے، ان کھیلوں کو ٹی وی پر دیکھنا کیسا ہے اور اس میں اپنی مختار جماعت کی حمایت کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ فی زماننا مروجہ عالمی کھیلوں میں درجِ ذیل خرابیاں اور مفاسد کے پائے جانے کی وجہ سے ان کا دیکھنا دکھانا سب ناجائز ہے۔ **چند مفاسد وخرابیاں** ملاحظہ کیجئے:

(۱) ان کھیلوں کو بذاتِ خود مقصود سمجھا جانے لگا ہے۔

(۲) ان کھیلوں اور کھلاڑیوں سے دلچسپی رکھنے والوں کا انہماک اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ضروری کاموں اور فرائض اور ادائے حقوق میں خلل آنے لگا ہے۔

(۳) بالعموم ان کھیلوں میں بہت وقت ضائع ہو رہا ہے، جمعہ کا مبارک دن بھی کھیل کی نظر ہو رہا ہے۔

(۴) کھلاڑیوں کو قومی اور ملی ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے کہ نئی نسل، حضور کی سیرت، صحابہ، اولیاء، علماء کو اپنا نمونہ اور اسوہ بنانے کے بجائے ان فاسق فاجر کھلاڑیوں کو اپنا آئیڈیل بنا رہے ہیں۔ اسلامی تہذیب مٹانے کے لیے مغربی تہذیب کا یہ کامیاب ہتھیار اور زہر آلود حلوہ ہے۔

(۵) بعض کھیلوں میں کھلاڑی کا ستر نظر آتا ہے، اور کسی کے ستر کی طرف دیکھنے کی احادیث میں وعید وارد ہوئی ہے۔

(۶) اپنی پسندیدہ جماعت کی حمایت کرنے کی وجہ سے ہار جیت پر بڑے بڑے جھگڑے جنم لیتے ہیں۔

(۷) کھیل کے ساتھ ٹی وی پر اشتہارات اور برہنہ یا نیم برہنہ عورتوں کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں، نیز کھیل کے میدان پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ یہ مناظر اخلاق کو تباہ کر کے جذباتِ شہوانیہ کو برانگیختہ کرتے ہیں اور قسم قسم کے جرائم اور گناہ کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔

جامع الفتاویٰ میں ہے:

اسلام ایک سنجیدہ پاکیزہ مذہب ہے شریفانہ زندگی گزارنا سکھاتا ہے، کھیل تماشوں، بیہودہ مشاغل جن سے دینی دنیوی کوئی غرض صحیح اور مفید مطلب وابستہ نہیں ہوتا، صرف وقت گزاری اور وہمی وقتی، نفسانی مزہ دلچسپی ہونا، ناعاقبت اندیشی اور محض خیالی مستی اس کا حاصل ہو، ایسے کاموں کی ناپسندیدگی اور ناروا ہونا بتلاتا ہے، اس لیے ہرلہوولعب ولغو کو ممنوع قرار دیتا ہے، کرکٹ کا کھیل دیکھنا اور سننا ایسا ہی لغو ولہو ولعب میں سے ہے، نیز دین سے آزاد لوگوں کے مجمعوں کی طرف رجحان، قلبی میلان، ان سے اختلاط دلچسپی سے ان کا ذکر، مدح وتعریف وغیرہ بہت سے امور کے باعث ممانعت میں شدت پیدا ہوجاتی ہے، اور ٹی وی، خود آلہ لہو ہے اس کا استعمال واجب الترک ہے پھر اس میں غیر محارم کی عریاں ونیم عریاں تصاویر بھی آتی ہیں جو صاحبِ صورت کی پوری حکایت ہوتی ہے، حالانکہ اجنبیہ کے تو کپڑوں کو بھی شہوت ولذت سے دیکھنا جائز نہیں اور ناجائز سے تلذذ، اضاعت وقت آخرت سے غفلت میں اضافہ، سینما، گانا وغیرہ بہت سی چیزوں کی طرف مفضی ہونا بھی اس کے ناجائز ہونے کو مؤکد ومثبت کر دیتا ہے، اس لیے قطعاً اجازت نہیں ہوسکتی۔ (جامع الفتاویٰ: ۱/۶۲۰)۔

محمود الفتاویٰ میں ہے:

کون نہیں جانتا کہ ہندوستان وپاکستان ودیگر ممالک میں کرکٹ کے ساتھ اور مغربی یورپ میں فٹ بال کے ساتھ، بعض دیگر یورپی ممالک میں رگبی کے ساتھ اور امریکہ میں ٹینیس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ مذکورہ بالا نوعیت سے بھی بڑھ کر ہے جس کے نتیجہ میں صرف اتنا ہی نہیں کہ اس کی مشغولیت وقت اور مال کا ضیاع ہو بلکہ یہی تعلق بہت سی مرتبہ آپسی ٹکراؤ اور فسادات کا باعث ہوتا ہے... نیز جن صورتوں میں وہ کھیل ممنوع ہوگا اس کو دیکھنا بھی ناجائز ہوگا... جب میدان پر تماشا بینی کا یہ حکم ہے تو ٹی وی پر بطریق اولیٰ ممنوع ہے... کومنٹری میں بھی ضیاعِ وقت کے ساتھ دورِ حاضر کے نظریہ کھیل کی حوصلہ افزائی کے سوا کچھ نہیں اس لیے وہ بھی ممنوع ہی ہے۔ (محمود الفتاویٰ: ۳/ ۱۲۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ویڈیو گیم کھیلنے کا حکم:

سوال: ویڈیو گیم کھیلنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ویڈیو گیم جن میں جاندار کی تصاویر نہ ہوں بلکہ بے جان اشیاء کی تصاویر سے کھیل کھیلا جاوے جیسے: کار، موٹر سائیکل، ہوائی جہاز، بحری جہاز، ہیلی کاپٹر وغیرہ چلانے یا انھیں نشانہ بنانے کا کھیل ہو، یا جاندار کی تصویریں ہوں مگر وہ اس قدر چھوٹی اور غیر واضح ہوں کہ انھیں تصویر نہ کہا جا سکے، مثلاً: اس میں آنکھ، کان، ناک، اور منہ وغیرہ واضح نہ ہوں بلکہ صرف خاکہ کی شکل ہو تو ان دونوں صورتوں میں وقتی تفریح طبع یا ذہن کی تیزی اور حاضر دماغی کے لیے یہ کھیل اگر ماقبل میں ذکر کردہ شرائط کے ساتھ کھیلا جائے تو درست ہے۔

(۲) وہ بڑے ویڈیو گیم جن میں جاندار کی تصویریں واضح اور نماں ہوں تو یہ کھیل تصویروں کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ خصوصاً جب کہ مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے تو قباحت مزید بڑھ جائیگی۔

نیز اگر ویڈیو گیمز کی وجہ سے دماغی تفریح کے بجائے مزید تکان محسوس ہوتی ہو اور تعلیم متاثر ہوتی ہو اور رات دن اسی کی لت لگی رہتی ہو تو پھر کسی قسم کا کھیل درست نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

وحاصل الكلام أن ترويح القلب وتفريحه وكذا تمرين البدن من الاتفاقات المباحة والمصالح البشرية لاتمنعها الشريعة السمحة برأسها، نعم! تمنع الغلو والانهماك فيها بحيث يضر بالمعاش أو المعاد، وهذا هو السر في إباحة بعض الملاهي في بعض الأحيان.

(احكام القرآن: ۱۹٦/۳، ادارة القرآن، كراتشى). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

دینی ادارہ میں ڈرامہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے ڈرامہ یا تمثیل کے بارے میں جو ایک دینی اجتماع میں جس میں اکثریت دینی طالب علموں اور علمائے کرام کی ہوں، اس ڈرامہ میں لڑکے کو لڑکی کا لباس پہنایا جائے اور وہ ایک عورت کا کردار ادا کرے، اس میں مصنوعی مار پٹائی دکھائی جائے، کیا کسی دینی اجتماع میں اس قسم کے لہو ولعب یا مشابہتِ رجال بالنساء کے جواز کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟ اس کے بارے میں شرعی فتویٰ کیا ہے؟ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ومشکور ہوں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مردوں کو عورتوں کے ساتھ مشابہت اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے، نیز دین کی تعلیم ڈرامہ پر موقوف بھی نہیں ہے، لہٰذا ڈرامہ سے احتراز واجتناب کرنا چاہئے، ہاں تقریری مقابلہ اور نعت وقراءت کی مجلسیں جائز اور قابل تعریف ہیں۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن عكرمة عن ابن عباس رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال . (صحيح البخارى: ۲/۸۷۴، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال).

فتح الباری میں ہے:

قال الطبرى: المعنى لايجوز للرجال التشبه بالنساء فى اللباس والزينة التى تختص بالنساء ولا العكس قلت وكذا فى الكلام والمشي . (فتح البارى: ۱۰/۳۳۲).

(وكذا فى فتح القدير: ۷/۴۰۸، ونيل الاوطار: ۶/۳۴۴).

مجمع الزوائد میں ہے:

عن رجل من هذيل قال رأيت عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي الله عنه ومنزله فى الحل ومسجده فى الحرم قال: فبينا أناْ عنده رأى أم سعيد ابنة أبي جهل متقلدة قوساً وهي تمشي مشية الرجال فقال عبد اللّٰه: من هذه فقلت: هذه أم سعيد بنت أبي جهل فقال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ليس منا من تشبه بالرجال من النساء ولا من تشبه بالنساء من الرجال رواه أحمد والهذلى لم أعرفه وبقية رجاله ثقات ورواه الطبراني باختصار و أسقط الهذلى المبهم فعلى هذا رجال الطبرانى كلهم ثقات .

وعن ابن عباس رضي الله عنه أن امرأة مرت على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم متقلدة قوساً فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لعن اللّٰه المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال رواه الطبرانى فى الأوسط عن شيخه على بن سعيد الرازى وهو لين وبقية رجاله ثقات. (مجمع الزوائد: ۸/۱۰۲).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

لا خلاف بين الفقهاء في أنه يحرم على الرجال أن يتشبهوا بالنساء في الحركات و لين الكلام والزينة واللباس وغير ذلك من الأمور الخاصة بهن عادة أو طبعاً وأنه يحرم على النساء أيضاً أن يتشبهن بالرجال في مثل ذلك لحديث ابن عباس رضي الله عنه : لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء ،والمتشبهات من النساء بالرجال .

(الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۱/۲٦۸).

ماہنامہ البلاغ میں ہے:

ڈرامہ میں اگر کسی متعین شخص کی ایسی نقل اتارنا مقصود ہو جس سے اس کی تضحیک یا توہین ہوتی ہو یا جس سے اس کو ناگواری ہو تو وہ ناجائز ہے۔

اور اگر کسی معین شخص کی نقل اتارنا مقصود نہ ہو بلکہ اس سے کوئی غرض صحیح ہو مثلاً: معاشرہ میں پائی جانے والی سماجی اور معاشرتی برائیوں کی عکاسی مقصود ہو یا مظلوم مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کا منظر دکھلانا مقصود ہو تو یہ فی نفسہٖ جائز ہے، بشرطیکہ درجِ ذیل شرائط کا لحاظ رکھا جائے:

(۱) اس میں تصویر کشی نہ ہو۔

(۲) موسیقی نہ ہو۔

(۳) مرد وعورت کا اختلاط نہ ہو۔

(۴) فحاشی اور مخربِ اخلاق باتوں پر مشتمل نہ ہو۔

(۵) اس میں رقص وسرود نہ ہو، اور دیگر مفاسد نہ ہوں۔

مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر ڈرامہ پیش کیا جائے تو فی نفسہٖ اس کی گنجائش ہے، لیکن دینی مدرسہ میں ایسا پروگرام بھی اگرچہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ کم سے کم ہونا چاہئے اور غرض صحیح پر ہی مشتمل ہونا چاہئے۔ (ماہنامہ ''البلاغ''ص۵۷، بعنوان: اسٹیج ڈرامہ کی شرعی حیثیت)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

صحابۂ کرام کی سیرت سے متعلق ڈرامہ کا حکم:

سوال: ریڈیو اسلام کا ارادہ ہے کہ وہ سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہ اور تاریخ اسلام سے متعلق ایک ڈرامہ پیش کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ طریقہ ہوگا کہ قائل قال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کہے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جاری ہوگا،لیکن صحابہ کرام کی گفتگو میں صحیح طریقہ کیا ہونا چاہئے اس کے بارے میں رہنمائی فرمایئے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ مجمع کو خوش کرنے کے لیے فرضی طور پر ایسی مجلس کی اجازت ہے جس میں مختلف حضرات اکابر کے الفاظ ادا کریں،لیکن ادب واحترام کا لحاظ رکھا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار کوئی شخص ادا نہ کریں تاکہ ختمِ نبوت پر ضرب نہ پڑیں اور توہین رسالت کا گناہ بھی نہ ہو۔

ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

وحديث: حدثوا عن بني إسرائيل يفيد حل سماع الأعاجيب والغرائب من كل ما لايتيقن كذبه بقصد الفرجة لا الحجة بل وما يتيقن كذبه لكن بقصد ضرب الأمثال والمواعظ وتعليم نحو الشجاعة على السنة آدميين أوحيوانات ذكره ابن حجر .

وقال في رد المحتار: قوله بقصد الفرجة لا الحجة ، الفرجة التفصي عن الهم والحجة البرهان، قوله: لكن بقصد ضرب الأمثال، ذلک مقامات الحريري فإن الظاهر أن الحكايات التي فيها عن الحارث بن همام والسروجي لا أصل لها وإنما أتى بها على هذا السياق العجيب لما لايخفى على من يطالعها وهل يدخل في ذلک مثل قصة عنترة والملک الظاهر وغيرهما لكن هذا الذى ذكره إنما هو عن أصول الشافعية وأما عندنا فسيأتي فى الفروع عن المجتبى أن القصص المكروه أن يحدث الناس بما ليس له أصل معروف من أحاديث الأولين أو يزيد أو ينقص ليزين به قصصه الخ . فهل يقال عندنا بجوازه إذا قصد به ضرب الأمثال ونحوها يحرر . (الدرالمختارمع ردالمحتار: ٦/٤٠٤،٤٠٥،سعيد).

مقامات الحريری میں ہے:

ثم إذا كانت الأعمال بالنيات ، وبها انعقاد العقود الدينيات ، فأى حرج على من أنشأ ملحاً للتنبيه ، لا للتمويه ، ونحابه منحى التهذيب ، لا الأكاذيب ، وهل هو فى ذلک إلا بمنزلة من انتدب لتعليم ، أو هدى إلى صراط مستقيم .

على أنني راضٍ بأن أحمل الهوى ☆ وأخلص منه لا علي ولا ليا

(مقامات الحريری ،ص١٩). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ہنی مون (شہرالعسل) کا حکم:

سوال: کیا سیر وتفریح دین اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ اور ہنی مون (honey moon) شہر العسل، شادی کا پہلا ماہ، جو اس زمانہ میں مروج ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شریعتِ مطہرہ نے حدود شرعی کی رعایت کرتے ہوئے سیر وتفریح کی اجازت دی ہے، مثلاً: اس میں اسراف نہ ہو، مخلوط مجمعوں میں نہ جائے، خرافات اور بے حیائی، عریانی کی جگہوں پر نہ جائے، فقط خوبصورت مناظر دیکھنے کے لیے جائے تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح ھنی مون اور شہرالعسل کے لیے جانا شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے فی نفسہٖ مباح ہے، لیکن خرابیوں اور مفاسد کی وجہ سے اس سے بچنا بہتر ہے، خصوصاً جب کہ یہ طریقہ غیر مسلموں کے ہاں سے چلا ہے اور مسلمانوں میں سرایت کر چکا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے سفر کرنے سے صحت مند ہو جاؤ گے۔ ملاحظہ کیجئے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: سافروا تصحوا واغزوا تستغنوا. (اخرجه الامام احمد فی مسنده، رقم: ۸۹۴۵).

إسناده ضعيف، للمزيد راجع: (تعليقات الشيخ شعيب الارنؤوط: ۸۹۴۵/۵۰۷/۱٤).

وعن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: سافروا تصحوا وتغنموا. (رواه البيهقى فى سننه الكبرى، رقم: ۱۳۹۷۲).

وإسناده ضعيف فيه محمد بن عبد الرحمن بن رداد وهو ضعيف. انظر: (الميزان).

تفسیر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

وقوله ﴿أفلم يسيروا فى الأرض﴾ أى بأبدانهم وبفكرهم أيضاً، وذلک كاف كما قال ابن أبى الدنيا في كتاب التفكر والاعتبار: حدثنا هارون بن عبد الله، حدثنا يسار، حدثنا جعفر، حدثنا مالک بن دينار، قال: أوحى الله تعالىٰ إلى موسى بن عمران عليه السلام أن يا موسى اتخذ نعلين من حديد وعصا، ثم سح فى الأرض، ثم اطلب الآثار والعبر، حتى يتخرق النعلان و تنكسر العصا. وقال ابن أبى الدنيا: قال بعض الحكماء:

أحي قلبك بالمواعظ ، ونوره بالتفكر، ومَوِّتْهُ بالزهد ، وقَوِّهِ باليقين ، وذَلِّلْهُ بالموت، وقرره بالفناء ، وبصره فَجَائِعَ الدنيا ، وحذره صولة الدهر وفحش تقلب الأيام ، وأعرض عليه أخبار الماضين ، وذكره ما أصاب من كان قبله ، وسيره في ديارهم وآثارهم ، وانظر ما فعلوا وأين حلوا وعم انقلبوا ؛ أي فانظروا ما حل بالأمم المكذبة من النقم والنكال. (تفسير ابن كثير: ٣/ ٢٥١).

روح المعانی میں ہے:

حث لهم على السفر للنظر والاعتبار بمصارع الهلاكين هذا إن كانوا لم يسافروا ، وإن كانوا سافروا فهو حث على النظر والاعتبار . (روح المعانی: ١٧/ ١٦٧).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: اس آیت میں زمین کی سیر وسیاحت جب کہ بچشم عبرت ہو اس کی طرف ترغیب ہے۔(معارف القرآن:۶/۲۷۴)۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

پروگرام کا اعلان مسجد کے بورڈ پر آویزاں کرنے کا حکم:

سوال: کیا کھیل یا انتخاب کے اعلان کا پرچہ مسجد کے بورڈ پر آویزاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ وہ اعلان جس میں دین کی نشرواشاعت ہو اس کا لگانا درست ہے، اسی طرح وہ اعلان جس میں لوگوں کا فائدہ ہو اس کا لگانا بھی ٹھیک ہے لیکن ویسے ہی لہو ولعب اور خرافات کے اعلانات لگانے سے احتراز کرنا چاہئے، اگرچہ مسجد کا بورڈ مسجدِ شرعی سے باہر ہوتا ہے تاہم لغویات سے مسجد کی حدود کو بچانا ضروری ہے۔ملاحظہ ہو ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن واثلة بن الأسقع أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشراركم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم ، واتخذوا على أبوابها المطاهر وجمروها فى الجمع. (رواه ابن ماجه،رقم: ٧٥٠).

قال فى الزوائد: إسناده ضعيف ،فإن الحارث بن نبهان متفق على ضعفه .

ہاں دینی دنیوی اعتبار سے مفید ہو تو اس کی اجازت ہے جیسے حبشیوں نے مسجد نبوی سے باہر صحن میں کھیل کھیلا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عروة بن الزبير أن عائشة قالت: لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً على باب حجرتي والحبشة يلعبون في المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم يسترني بردائه انظر إلى لعبهم . (رقم: ٤٥٤٤١١).

قال المهلب: المسجد موضوع لأمر جماعة المسلمين وكل ما كان من الأعمال التي تجمع منفعة الدين وأهله واللعب بالحراب من تدريب الجوارح على معاني الحروب.

(عمدة القارى: ٧/٧٥).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل بعض ایسی تقویمیں شائع کی جاتی ہیں جن میں اوقاتِ نماز، دینی مضامین، احادیث اور آیات کے ٹکڑے درج کئے جاتے ہیں اور اس کی طباعت میں اقتصادی سہولت کے لیے تجارتی اشتہار بھی درج کر دئے جاتے ہیں، جن کی مقدار دوسرے مضامین کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے۔ ایسے کیلنڈروں کا مسجدوں میں آویزاں کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ان کیلنڈروں کا اصل مقصود دعوت و اشاعتِ دین ہے، اشتہارات کی حیثیت ذیلی ہوتی ہے، اس لیے ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۱۵۴)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تحقیق وجستجو کے لیے غیر مسلم کی شکل اختیار کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی بات کی تحقیق کے سلسلہ میں کسی غیر مسلم کی صورت وشکل اختیار کرے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یعنی سی آئی ڈی میں رہتے ہوئے غیر مسلموں کی شکل اختیار کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ کفار کا مذہبی شعار اختیار کرنا ناجائز ہے مذہبی شعار نہ ہو تو بضرورت اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ نیز اپنی حکومت چلانے کے لیے اس قسم کی تحقیقی کمیٹیاں بنانا جن کے ذریعہ سے غیر ملکی جاسوس یا ملکی نقصان دہ سرگرمیاں معلوم کی جائیں اور ان تک سراغ لگایا جائے، یہ ایک مستحسن امر ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال هشام رأيت على أبي يوسفؒ نعلين مخصوفين بمسامير فقلت: أترى بهذا الحديد بأساً قال: لا، قلت: سفيان وثوربن يزيد كرها ذلك لأن فيه تشبهاً بالرهبان، فقال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعر وإنها من لباس الرهبان فقد

أشـار إلـى أن صـورة المشابهة فيما يتعلق به صلاح العباد لا يضر فإن الأرض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها إلا بهذا النوع . (فتاوى الشامي: ١/٦٢٤،سعيد).

(وكـذا فـى الـفتـاوى الهـندية: ٥/٣٣٣،والمحيط البرهاني: ٥/٢٨٩،ط:داراحياء التراث ،والموسوعة الفقهية الكويتية :٧/١٢، والخلاصة فى احكام اهل الذمة لعلى بن نايف الشحود،ص٢٩٦).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

يـكفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح إلا لضرورة دفع الحروالبرد وبشـد الـزنـار في وسطه إلا إذا فعل ذلک خديعة فى الحرب وطليعة للمسلمين . (الفتاوى الهندية :٢/٢٧٢، والبحرالرائق:٥/١٢٣).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بلاضرورتِ شدیدہ کفار کامخصوص لباس استعمال کرناممنوع اورنا جائز ہے، **لقوله تعالىٰ:**﴿**ولا تركنوا إلـى الـذيـن ظلموا فتمسكم النار** ﴾ اورقشقہ لگانا کفار کا مذہبی شعار ہے، جیسے زنار پہننا، اس سے آدمی کافر ہوجاتا ہے...اگرمحض کفار کالباسِ قومی اختیار کیا ہے تواس سے کفرنہیں بلکہ گناہ ہوتا ہے ...(فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۵۵۰، و۵۵۲،جامعہ فاروقیہ)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل دوم

غنا، موسیقی اور آلاتِ مزامیر کے احکام کا بیان

نابالغ بچیوں کا مجمع میں نعت وغیرہ پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر نابالغ بچیاں جلسہ وغیرہ میں مردوں کے سامنے نعت، نظم وغیرہ ترنم سے پڑھے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ جلسہ یا مجمع میں نابالغ بچیوں کا نعت وغیرہ ترنم سے پڑھنا جائز اور درست ہے، حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی نابالغ بچیاں ترنم سے اشعار پڑھتی تھیں۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن الربيع بنت معوذ قالت: دخل على النبى صلى الله عليه وسلم غداة بني على فجلس على فراشي كمجلسك مني وجويريات يضربن بالدف يندبن من قتل من أبائهن يوم بدر حتى قالت جارية: وفينا نبي يعلم ما في غد فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لاتقولي هكذا وقولي ما كنت تقولين. (رواه البخاری، رقم: ٤٠٠١).

ملا علی قاریؒ مرقات میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وهذا دليل على جواز انشاد شعر ليس فيه فحش وكذب. (مرقاة المفاتيح: ٦/٢١٠).

ہاں بالغ لڑکیوں سے غیر محارم کا سننا بسببِ فتنہ درست نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نظم کے ساتھ دف بجانے کا حکم:

سوال: نظم یا نعت کے ساتھ صرف دف یا طبلہ بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح شادی یا کسی خوشی کی تقریب میں دف بجانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث اور فقہاء کی عبارات کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ دف جن مواقع میں ثابت ہے ان مواقع میں دف کا استعمال جائز اور درست ہے، چنانچہ عیدین اور شادی، خوشی کے موقع پر دف بجانا ثابت ہے بنابریں نظم ونعت شادی وغیرہ کی تقریبات میں پڑھی جاتی ہو تو اس میں دف کی اجازت ہوگی ورنہ عام حالات میں اجازت نہیں، نیز دف سے وہ دف مراد ہے جس میں جلاجل یعنی گھنگرو نہ ہو۔ نیز قاعدۂ موسیقی پر نہ بجایا جائے۔

لسان العرب میں ہے:

طبل: الطبل معروف الذی یضرب به وهو ذو الوجه الواحد والوجهین. (لسان العرب: ۳۹۸/۱۱).

والدَّف والدُّف بالضم الذی یضرب به النساء وفی المحکم الذی یضرب به وفی الحدیث فصل ما بین الحرام والحلال الصوف والدف المراد به إعلان النکاح. (لسان العرب: ۱۰۶/۹).

عام حالات میں دف بجانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

أخرج القاسم بن سلام عن علي رضی اللہ عنہ**، أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن ضرب الدف والطبل وصوت الزمارة.** (نیل الاوطار:۱۰۴/۸،وو کذا فی تحریم النردوالشطرنج ،رقم: ۶۳،للاجری).

عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ **عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: تبیت طائفة من أمتي علی أکل وشرب ولهو ولعب، ثم یصبحون قردة وخنازیر، و تبعث علی احیاء من أحیاهم ریح فتنسفهم کما نسف من کان قبلکم باستحلالهم الخمر وضربهم بالدفوف واتخاذهم القینات.** (نیل الاوطار:۱۰۲/۸).

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ **أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إن اللّٰہ حرم الخمر والمیسر والکوبة وکل مسکر حرام. والکوبة: الطبل قاله سفیان.** (نیل الاوطار:۹۹/۸).

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ **قال: الکوبة حرام، والدف حرام، والمعازف حرام، والمزامیر**

حرام. (المطالب العالية : ١٠/٢٣٠/٢١٩٣، باب من لاتقبل شهادته وترد).

وعن علي بن أبي طالب رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: يمسخ طائفة من أمتي قردة، وطائفة خنازير، ويخسف بطائفة ويرسل على طائفة الريح العقيم بأنهم شربوا الخمر، ولبسوا الحرير، واتخذوا القيان، وضربوا بالدفوف. (ذم الملاهی لابن ابی الدنیا، رقم:٦).

خاص چند مواقع میں دف بجانے کی اجازت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن عروة عن عائشة: أن أبابكر رضي الله عنه دخل عليها وعندها جاريتان في أيام منى تدففان وتضربان والنبی صلى الله عليه وسلم متغش بثوبه فانتهرهما أبوبكر فكشف النبي صلى الله عليه وسلم عن وجهه فقال: دعهما يا أبابكر فإنها أيام عيد وتلك الأيام أيام منى. (رواه البخاری:١/١٣٤، رقم: ٩٤٤،باب اذا فاته العيد يصلی ركعتين).

وعن خالد بن ذكوان قال: قالت الربيع بنت معوذ بن عفراء جاء النبی صلى الله عليه وسلم فدخل حين بنی علی فجلس علی فراشی كمجلسک منی فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائی يوم بدر إذ قالت إحداهن وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال: دعي هذه وقولي بالذی كنت تقولين. (رواه البخاری: ٢/٧٧٣، باب ضرب الدف فی النكاح والوليمة).

وعن أنس رضي الله عنه قال: مر رسول الله صلى الله عليه وسلم علی جواری بنی النجار وهن يضربن بالدف ويقلن: نحن جوار من بنی النجار ياحبذا محمد من جار، فقال: نبی الله: اللهم بارک فيهن. (رواه ابويعلی فی مسنده، رقم: ٣٤٠٩، قال حسين سليم اسد: اسناده ضعيف).

وعن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعلنوا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا عليه بالدفوف، رواه الترمذی، وقال:هذا حديث غريب حسن فی هذا الباب وعيسى بن ميمون الأنصاری يضعف فی الحديث وعيسى بن ميمون الذی يروی عن ابن أبی نجيح التفسير هوثقة. (ترمذی شریف،رقم: ١٠٨٩).

قال العجلونی فی كشف الخفاء: رواه الترمذی عن عائشة رضی الله عنها وضعفه، لكن له شواهد فيكون حسناً لغيره بل صحيحاً علی ماسيأتي، ثم ذكر الشواهد. (كشف الخفاء: ١/١٤٥).

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدثِ دہلویؒ فرماتے ہیں:

واعلم أن الغناء والدف فی الولیمة ونحوها عادة العرب والعجم ودیدنهم ، وذلک لما یقتضیه الحال من الفرح والسرور ، فلیس ذلک من المسلیات إنما میزان المسلیات ما کان في زمانه صلی اللّٰه علیه وسلم فی الحجاز وفی القری العامرة، لا ما کان الاشتغال به زائداً علی الفرح والسرورالمطلوبین کالمزامیر...وقال صلی اللّٰه علیه وسلم: لیکونن من أمتي أقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف، وقال صلی اللّٰه علیه وسلم: اعلنوا النکاح واضربوا علیه بالدف ، فالملاهی نوعان: محرم وهی الآلات المطربة کالمزامیر ، ومباح وهو الدف والغناء فی الولیمة ونحوها من حادث سرور. (حجة الله البالغة: ۳۳۹/۲،اللباس والزینة ،ط: قدیمی کتب خانه).

فتح الباری میں ہے:

ولا یلزم من إباحة الضرب بالدف فی العرس ونحوه إباحة غیره من الآلات کالعود ونحوه...والأصل التنزه عن اللعب واللهو فیقتصر علی ما ورد فیه النص وقتاً وکیفیة تقلیلاً لمخالفة الأصل . (فتح الباری:۳۵٤/۲).

قال ابن بطال: اتفق العلماء علی جواز اللهو فی ولیمة النکاح مثل ضرب الدف وشبهه مالم یکن محرماً، وخصت الولیمة لذلک لیظهر النکاح وینتشر فتثبت حقوقه وحرمته ، قال مالک: لا بأس بالدف والکبر فی الولیمة ؛ لأني أراه خفیفاً ، ولا ینبغي ذلک في غیر العرس ، وقد سئل مالک عن اللهو یکون فیه البوق ، فیقال: إن کان کبیراً مشهراً فإنه أکرهه، وإن کان خفیفاً فلا بأس بذلک.(شرح صحیح البخاری لابن بطال: ۲۷۹/۷).

وقال العینی: الکبر: بفتحتین : الطبل ذوالرأسین ، وقیل : الطبل الذی له وجه واحد والبوق : آلة ینفخ فیها ...وسئل أبویوسفؒ عن الدف أتکرهه في غیرالعرس مثل المرأة فی منزلها والصبی قال: فلا أکرهه فإنما الذی یجیء منه اللعب الفاحش والغناء فإنی أکرهه .

(عمدة القاری: ۳٦٦/۲۹، باب النسوةاللتی یهدین المرأة الی زوجها).

فتح الباری میں ابن رجب الحنبلیؒ فرماتے ہیں:

وأما دف الأعراب الخالي من الجلاجل المصوتة ونحوها فقد اختلف العلماء فيه على ثلاثة مذاهب :

أحدها : أنه يرخص فيه مطلقاً للنساء . وقد روى عن أحمد ما يشهد له ، واختاره طائفة من المتاخرين من أصحابنا ، كصاحب المغني وغيره .

والثاني: إنما يرخص فيه في الأعراس ونحوها ، وهو مروي عن عمر بن عبد العزيز والأوزاعي، وهو قول كثير من أصحابنا أو أكثرهم .

الثالث: أنه لا يرخص فيه بحال، وهو قول النخعي وأبي عبيد. وجماعة من أصحاب ابن مسعود رضي الله عنه كانوا يتبعون الدفوف مع الجوارى في الأزفة فيحرقونها . (فتح البارى : ٦/٨٣، باب سنة العيدين من اهل الاسلام ،دارابن الجوزى).

فقہاء نے بھی بعض خاص مواقع میں اجازت دی ہے۔ملاحظہ ہوفتاویٰ شامی میں ہے:

أقول: وهذا يفيد أن آلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها إما من سامعها أو من المشتغل بها وبه تشعر الإضافة ألا ترى أن ضرب تلك الآلة بعينها حل تارة وحرم أخرى باختلاف النية بسماعها والأمور بمقاصدها...وينبغي أن يكون بوق الحمام يجوز كضرب النوبة وعن الحسن: لا بأس بالدف في العرس ليشتهر و في السراجية هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب . أقول: وينبغي أن يكون طبل المسحر في رمضان لإيقاظ النائمين للسحور كبوق الحمام، تأمل. (فتاوى الشامى: ٦/٣٥٠،سعيد).

البحرالرائق میں ہے:

وفي المعراج : الملاهي نوعان: محرم وهوالآلات الطربة من غير الغناء كالمزمار... والنوع الثاني: مباح وهوالدف في النكاح وفي معناه ما كان من حادث سرور و يكره في غيره ، لما روى عن عمر رضي الله عنه أنه لما سمع صوت الدف بعث فنظر فإن كان فيه وليمة سكت وإن كان في غيره عمده بالدرة وهو مكروه للرجال على كل حال للتشبه بالنساء . (البحر الرائق : ٧/٨٨، دارالمعرفة). (و كذا فى فتح القدير:٧/٤١٠،دارالفكر).

خلاصہ یہ ہے احادیث اورآثار کی روشنی میں جن مواقع میں دف بجانے کی تصریح موجود ہے ان مواقع

میں اجازت ہے ان کے علاوہ اجتناب کرنا چاہئے۔ملاحظہ ہو احکام القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

والحاصل: أن الأحاديث والآثار الواردة في إباحة شيء من الغناء أو آلاته لما كانت على خلاف مقتضى القياس، كانت مقتصرة فى المواضع التي وردت بها لا يقاس عليها غيرها من المواضع وغيرها من الآلات والحالات. (احكام القرآن: ٣/ ٢٢٤،ط: ادارة القرآن، كراتشى).

وفيه أيضاً: الثالث: أن فى الآلات تفصيلاً فما كان منها موضوعاً للهو وكان مطرباً من دون الغناء فاستعماله حرام مطلقاً، وما كان يستعمل فى الأطراب واللهو تارة وفى الإعلان والإعلام أخرى فيجوز استعماله فى النكاح وأمثاله من حادث سرور و يكره في غيره. (احكام القرآن:٣/ ٢٣٠).

فتاویٰ عزیزی میں مرقوم ہے:

سرود وغنا یعنی راگ کہ جو دف کے ساتھ ہو، روایاتِ حنفیہ اس بارے میں مختلف ہیں، ارجح واقویٰ یہ روایت ہے جو دلائل سے ثابت ہے اور احادیثِ کثیرہ کے مطابق ہے اور وہ احادیث کتبِ معتبرہ میں مشہور ہیں کہ سرود وغنا یعنی راگ جو بلا مزامیر ہو مباح ہے، اور دف مزامیر سے مستثنیٰ ہے اس واسطے کہ دف کا سننا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے تو عالمِ محقق کو چاہئے کہ ان ہی روایتوں کے موافق فتویٰ دے ...الخ۔(فتاویٰ عزیزی،ص ۲۱۱،سعید)۔

مزید ملاحظہ کیجئے: (عمدۃ القاری: ۵/ ۱۵۸، باب الحراب والدرق یوم العید، دار الحدیث، ملتان)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

رقص کرنے کا حکم:

سوال: اگر خوشی کے موقع پر عورتیں عورتوں کے سامنے رقص کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی عورت ورزش کی نیت سے رقص کرے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ناچ گانا بالکل حرام اور ناجائز ہے شریعتِ مطہرہ ایسے خلافِ مروت افعال کی اجازت نہیں دیتی جو اس زمانہ میں فساق وفجار کا شعارِ خاص ہے۔اور بہت ساری برائیوں کا مجموعہ ہے، نیز

ورزش کی نیت سے رقص کرنا بھی ناجائز ہے عورتوں کے لیے سب سے اچھی ورزش گھر کا کام کاج کرنا ہے۔

رقص کی چند **خرابیاں اور مفاسد** درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) سترعورت نہیں ہوتا، اگر ہوتا ہے تب بھی بہت باریک لباس جونہ ہونے کے برابر ہے۔

(۲) عموماً مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔

(۳) بےحیائی اور نمائش ہے جو خود بہت سی خرابیوں کا مجموعہ ہے۔

(۴) رقص اور موسیقی لازم ملزوم ہے اور موسیقی ناجائز ہے۔

(۵) نامحرموں سے گفتگو اور ہنسی مذاق چلتا ہے۔

(۶) مخنثوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قال : السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه وهو الغناء والمزامير سواء وجوزه أهل التصوف واحتجوا بفعل المشايخ من قبلهم ...الخ. (الفتاوى الهندية:٥/٣٥٢).

وفي حاشية الطحطاوى: وأما الرقص والتصفيق والصريخ وضرب الأوتار والصنج والبوق الذي يفعله بعض من يدعى التصوف فإنه حرام بالإجماع لأنها زى الكفار كما في سكب الأنهر . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص٣١٩، فصل فى صفة الاذكار، قديمى).

موسوعة الفقهيه میں ہے:

ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة والقفال من الشافعية إلى كراهة الرقص معللين ذلك بأن فعله دناءة وسفه ، وأنه من مسقطات المروءة ، وأنه من اللهو...وهذا كله مالم يصحب الرقص أمر محرم كشرب الخمر، أوكشف العورة ونحوهما ، فيحرم اتفاقاً .

(الموسوعة الفقهية الكويتية:٢٣/١٠).

فتاوی شامی میں ہے:

وقد نقل فى البزازية عن القرطبي إجماع الأمة على حرمة هذا الغناء وضرب القضيب والرقص. (فتاوى الشامي: ٤/٢٥٩،سعيد).

قال الشيخ الشنقيطي: حكم الرقص للنساء . السؤال: كثر في هذا الزمان الرقص فى الأعراس الإسلامية فما حكم ذلک ؟

الجواب: أما بالنسبة للرقص فما كان منه مشابهاً للرقصات الغريبة الوافدة فهذا مجمع على تحريمه لمشابهة الكافرات ، وأما بالنسبة للرقص فأصبح أقوال العلماءؒ المنع منه ، ولذلک قال بعض العلماء في دليل تحريمه وقد استدلوا بقوله تعالىٰ : ﴿ذلكم بما كنتم تفرحون فى الأرض بغير الحق وبما كنتم تمرحون﴾ [غافر:۷۵] قالوا: إن المرح هو الرقص ، فلذلک قالوا: إن المرأة إذا رقصت هزت أكتافها ، وأبانت شيئاً من سوء اتها، فكان ذلک فتنة لمن نظر إليها ولو كانت امرأ ة مثلها ،كما أن الرجل يفتن بالرجل كذلک المرأة تفتن بالمرأة ، ثم هو ليس من كريم الخصال ، و لا من جميل الخلال ، وإنما هو على العكس من ذلک ، ولذلک نهى العلماءؒ منه ، وأفتى طائفة من أهل العلم بتحريمه . (دروس الشيخ محمدالمختارالشنقيطى:۱۳/۵۵).

کفایت المفتی میں ہے:

رنڈیوں کا ناچ کرانا حرام ہے اور اس میں شریک ہونا بھی حرام اور زیادہ برا ہے۔(کفایت المفتی:۹/۱۹۶،دار الاشاعت)۔

قاموس الفقہ میں ہے:

رقص کے مروجہ طریقہ جس میں تھرکنے اور لچکنے کی کیفیت پائی جاتی ہے، بالکل حرام ہے اور ناجائز ہے اور مخنث لوگوں کا طریقہ سے مماثلت رکھتا ہے،عورتوں کے لیے تو رقص کا عمل شدید گناہ اور معصیت ہے۔(قاموس الفقہ :۳/۴۹۰)۔

اشکال: بعض حضرات رقص کو جائز کہتے ہیں اور استدلال میں حبشیوں کے کھیل والی حدیث پیش کرتے ہیں اس میں ’’تزفن‘‘ کے الفاظ آئے ہیں تو اس کا کیا جواب ہے؟ حبشیہ سے کیا مراد ہے اور ’’تزفن‘‘ کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ حبشیہ لڑکی یا عورت رقص کررہی تھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف میں ’’تزفن‘‘ کے معنی کودکود کر کھیلنا ہے اور ’’الحبشية‘‘ کے معنی ’’الجماعة الحبشية‘‘ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ حبشیوں کی جماعت نیزہ بازی کرتی رہی اور کھیلتی رہی،اور یہ معنی

دوسری روایات کے موافق ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم شریف کی شرح میں شیخ ابی لکھتے ہیں:

قوله : يزفنون ، حمله العلماء على الوثب بسلاحهم ، ولعبهم بحرابهم، ليوافق ما في غير هذا من لفظ يلعبون بحرابهم . (اکمال اکمال المعلم : ۲۷۳/۳،ط:بیروت).

قال الإمام النووي رحمه الله: (حبش يزفنون) ومعناه يرقصون وحمله العلماء على التثوب بسلاحهم ولعبهم بحرابهم على قريب من هيئة الراقص لأن معظم الروايات إنما فيها لعبهم بحرابهم فيتأول هذه اللفظة على موافقة سائر الروايات . (شرح صحیح مسلم : ۲۹۲/۱).

(وكذا فی فتح الملهم: ۵۶۴/۵).

العرف الشذی میں ہے:

قوله فإذا حبشية تزفن الخ. ثم ظني أنه وهم فإن اللاعبين كانوا الحبشة لا نسوانهم كما في الصحيحين . (العرف الشذی:۴۵۶/۴،بیروت).

حضرت شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق کھیلنے والے لڑکے تھے نہ کہ لڑکیاں۔

رقص کے عدمِ جواز کی مزید تفصیل کے لیے چند رسائل ملاحظہ کیجئے: (السماع والرقص لابن تیمیة رحمه الله والسماع والرقص لمحمد بن محمد المنبجی الحنبلی، والاستغناء فی بیان حکم الرقص والغناء لمحمد بن احمد بن الوزیر الوقشی، وتبیین المحارم ،ص۶۰۳،۶۰۵،ط؛ دارالرسالة ، القاهرة).

علامہ عزالدین بن عبدالسلام رحمہ اللہ اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی عبارتوں سے عورتوں کے لیے رقص کے جائز ہونے کا شبہ ہوتا ہے لیکن ان عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورتوں کی عادت ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتوں اور لڑکیوں کو یہ بیہودہ حرکات کرنا چاہئے ،یعنی اس فعل کی تحسین نہیں فرمائی۔عبارات ملاحظہ فرمائیں:

وسئل العزبن عبدالسلام عن استماع الانشاد فی المحبة والرقص ، فقال: الرقص بدعة لا يتعاطاه إلا ناقص العقل فلا يصلح إلا للنساء . (روح المعانی:۷۱/۲۱).

دوسری جگہ مرقوم ہے:

وإن أباح بعض أقسام السماع حط على من يرقص ويصفق عنده فقال: أما الرقص والتصفيق فخفة ورعونة مشبهة برعونة الإناث لا يفعلها إلا أرعن أو متصنع كذاب ،كيف يتأتى الرقص المتزن بأوزان الغناء ممن طاش لبه وذهب قلبه...ومن هاب الإله وأدرك

شیئاً من تعظیمه لم یتصور منه رقص ولا تصفیق ولا یصدران إلا من جاهل... ومنه یعلم ما في نقل الاسنوي عنه أنه کان یرقص فی السماع . (روح المعانی:۲۱/۷۳). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موسیقی اوراس کے آلات کاحکم:

سوال: موسیقی سننا جائز ہے یانہیں؟ اوراس کے آلات کا کیا حکم ہے؟ قرآن حدیث میں اس کے بارے میں ممانعت وارد ہوئی ہے یانہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بارے میں قرآن حدیث میں کوئی ممانعت مذکورنہیں ہے۔لہذا اس میں تشددنہیں کرنا چاہئے، کیا یہ نظریہ صحیح ہے یانہیں؟ مفصل مدلل بیان کیجئے۔

الجواب: موسیقی اورموسیقی کے آلات کی ممانعت قرآن اوراحادیث میں موجود ہےاورموسیقی کا سننا اورآلات کا استعمال کرنا سب ناجائزاورممنوع ہے۔قرآن حدیث سے دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

قرآنِ کریم سے دلائل:

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ومن الناس من یشتری لهو الحدیث﴾ الآیة [لقمان:الآیة:٦].

علی ما صح فی تفسیره عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ عنہ حیث قال: هو واللّٰه الغناء، أخرجه ابن أبی شیبة بإسناد صحیح، وأخرجه الحاکم والبیهقی وصححاه، وأخرجه البیهقی أیضاً عن ابن عباس رضی اللہ عنہ بلفظ: هو الغناء وأشباهه...وعن عکرمة: عن لهو الحدیث قال: هو الغناء... وعن مجاهد قال: هو الغناء وکل لعب ولهو. وعن إبراهیم قال: هو الغناء. وعن عطاء الخراساني قال: الغناء والباطل...وعن الحسن قال: نزلت هذه الآیة فی الغناء والمزامیر...(الدرالمنثور: ٦/٥٠٥،ط:دارالفکر).

قال ابن کثیر: حدثنا عمرو بن علی...عن أبی الصهباء: أنه سأل ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن قول اللّٰه ﴿ومن الناس ...﴾قال: الغناء وکذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہ، وجابر رضی اللہ عنہ، وعکرمة، وسعید بن جبیر، ومجاهد، ومکحول، وعمرو بن شعیب، وعلی بن بذیمة. (تفسیرابن کثیر:٦/٣٣١،ط:دارطیبة).

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتک﴾ [سورة الاسراء:٦٤] ...
عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: صوته کل داع دعا إلی معصیة اللّٰه...وعن مجاهد قال: استنزل من

استطعت منهم بالغناء والمزامير واللهو والباطل ...(الدرالمنثور: ٥/٣١٢،ط: دارالفکر، وکذا فی تفسیر ابن ابی حاتم ، رقم: ١٣٧٠٧،وتفسیرابن کثیر:٥/٩٣).

(٣) قال اللّٰه تعالیٰ : ﴿أفمن هذا الحديث تعجبون وتضحكون ولاتبكون وأنتم سامدون﴾ [سورة النجم:٥٩،٦٠،٦١] **وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن نافع بن الأرزق ساله عن قوله "سامدون" قال: السمود : اللهو والباطل ...وقال عكرمة عنه : هوالغناء وكانوا إذاسمعوا القرآن سمدوا ولعبوا ، وهی لغة أهل اليمن يقولون : اسمد لنا أی تغن .**

راجع : (ابن کثیر، والدر المنثور:٧/٦٦٧،ط: دارالفکر).

وفي تفسير البيضاوی : وأنتم سامدون ، لاهون أومستكبرون من سمد البعير فی مسيره إذا رفع راسه أو مغنون لتشغلوا الناس عن استماعه من السمود وهو الغناء. (تفسیرالبیضاوی:١/٢٦٢).

(٤) قال اللّٰه تعالیٰ : ﴿و الذين لا يشهدون الزور﴾ [سورة الفرقان : الآية :٧٢] **أخرج الفريابی وعبد بن حميد بن الحنفية قال: الغناء واللهو وأخرج عبد بن حميد عن أبی الجحاف قال: الغناء وأخرج ابن أبي حاتم عن الحسن قال: الغناء والنياحة...وعن مجاهد قال: مجالس الغناء .** (الدرالمنثور:٦/٢٨٣،ط: دارالفکر).

وينظر: (تفسیرابن ابی حاتم:٨/٢٧٣٧،وتفسیرابن کثیر:٦/١٣٠،وتفسیرالعزبن عبدالسلام:١/٧٧٨، وتفسیر النسفی:٣/١٤٥،ط: بیروت،وزادالمسیر:٦/١٠٩).

فهذه آيات الكتاب على التفاسير المذكورة تدل بظاهرها على تحريم الغناء والمزامير مطلقاً كما لايخفى .

احادیث سے دلائل ملاحظہ کیجئے:

(١) أخرج البخاری عن عبد الرحمن بن غنم الأشعری قال: حدثنی أبوعامر أو أبومالک الأشعری رضی اللہ عنہ ، واللّٰه ما كذبني سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول:" ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف ولينزلن أقوام إلى جنب علم يروح عليهم بسارحة لهم يأتيهم يعنى الفقير لحاجة فيقولون ارجع إلينا غداً فيبيتهم اللّٰه

ویضع العلم ویمسخ آخرین قردة وخنازیر إلی یوم القیامة ". (رواہ البخاری،رقم: ۵۵۹۰،باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیه بغیر اسمه).

وأخرج ابن ماجه (رقم: ۴۰۲۰،باب العقوبات) **عن أبی مالک الأشعری قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:" لیشربن ناس من أمتی الخمر یسمونها بغیر اسمها ، یعزف علی رؤوسهم بالمعازف والمغنیات یخسف اللّٰه بهم الأرض، ویجعل منهم القردة والخنازیر".**

وأخرجه أبوداود وابن حبان وأحمد والبیهقي والبخاری فی التاریخ الکبیر وله شواهد. والمعازف : هی آلات الطرب . والقینات ؛ الجواری المغنیات .

(۲) أخرج الإمام أحمد في مسنده (۴۵۳۵) **عن نافع مولی ابن عمر أن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **سمع صوت زمارة راع فوضع أصبعیه في أذنیه وعدل راحلته عن الطریق وهو یقول: یا نافع أتسمع فأقول نعم، فیمضي حتی قلت: لا فوضع یدیه وأعاد راحلته إلی الطریق وقال: رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وسمع صوت زمارة راع فصنع مثل هذا .**

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده حسن .

(۳) أخرج الإمام أحمد في مسنده (رقم: ۲۶۲۵) **بسنده عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن اللّٰه حرم علیکم الخمر والمیسر والکوبة وقال: کل مسکر حرام . قال سفیان : فسألت علی بن بذیمة عن الکوبة قال: الطبل .**

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط: إسناده صحیح .

(۴) أخرج الإمام أبوداود في سننه (۳۶۸۷) **عن عبد اللّٰه بن عمرو أن نبی اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نهی عن الخمر والمیسر والکوبة والغبیراء وقال: کل مسکر حرام . قال أبوداود قال ابن سلام أبوعبید: الغبیراء ؛ السکرکة تعمل من الذرة شراب یعمله الحبشة .**

(۵) أخرج الإمام الترمذي في سننه (۲۲۱۲) **بسنده عن عمران بن حصین** رضی اللہ عنہ **أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: في هذه الأمة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمین: یا رسول اللّٰه ومتی ذاک ؟ قال: إذا ظهرت القینات والمعازف وشربت الخمور. وقال: هذا حدیث غریب .**

(٦) أخرج الإمام الترمذي في سننه(٢٢١١) بسنده عن أبي هريرة رضي الله عنه في حديث طويل وفيه: وظهرت القينات والمعازف وشربت الخمور...الخ.وقال: هذا حديث غريب.

(٧) عن ابن مسعود رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم سمع رجلاً يتغنى من الليل ، فقال: لا صلاة له حتى مثلها ثلاث مرات . قال ابن الجوزى : هذا حديث لم يصح ؛ قال يحيى بن معين : سعيد ليس بثقة أحاديثه بواطيل وقال النسائى : متروك الحديث .

(الموضوعات لابن الجوزى: ٣/١١٥،باب ذم الغناء).

(٨) أخرج ابن عساكر في " ذم الملاهي " (ص٢٨) بسنده عن ابن عباس رضي الله عنه عن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: والذي نفس محمد بيده ليبيتن أناس من أمتي على أشر وبطر ولعب ولهو ، فيصبحون قردة وخنازير باستحلالهم المحارم ، واتخاذهم القينات ، وشربهم الخمر ، وبأكلهم الربا، ولبسهم الحرير، تفرد به فرقد، وإسناده ضعيف.

(٩) أخرج الإمام أحمد في مسنده (٢٢٣٠٧) بسنده عن أبي أمامة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه بعثني رحمة للعالمين وهدى للعالمين وأمرني ربي عزوجل بمحق المعازف والمزامير والأوثان والصلب وأمر الجاهلية ...الخ .

قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف جداً ، فرج بن فضالة ضعيف ، على بن يزيد ضعيف . وأيضاً أخرجه الطيالسى (١٢٣٠) ، والطبراني فى الكبير (٨/١٩٦/٧٨٠٣).

(١٠) أخرج أبوبكرالشافعي فى الغيلانيات (رقم:٧٧) بسنده عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بعثت بكسرالمزامير...الخ. وسنده ضعيف .

(١١) عن أبي هريرة رضي الله عنه، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يمسخ قوم في آخر الزمان قردة و خنازير قالوا : يا رسول اللّٰه ! أمسلمون هم ؟ قال: نعم ، ويشهدون أن لا إلٰه إلا اللّٰه ، وأني رسول اللّٰه ، ويصومون ويصلون، قيل: فما بالهم يا رسول الله ؟ قال: اتخذوا المعازف والقينات والدفوف وشربوا هذه الأشربة فباتوا على شرابهم ولهوهم فأصبحوا و قد مسخوا . رواه مسدد . (اتحاف الخيرة المهرة : ٨/٩٢/٧٥٤٨، و ابو نعيم فى الحلية : ٣/١١٩) .

(١٢) عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الغناء

ینبت النفاق فی القلب ، کما ینبت الماء البقل . (ابن ابی الدنیافی ذم الملاهی ، ص۲۸۳،وابوداودفی سننه ،رقم : ۴۹۲۹،والبیهقی فی سننه الکبری،رقم: ۲۱۵۳۵،وفی شعب الایمان ،رقم:۴۷۴۶).

قال العراقی: والمرفوع غير صحيح لأن في إسناده من لم يسم، رواه أبوداود وهو في رواية ابن العبد ليس في رواية اللؤلؤی ورواه البيهقی مرفوعاً وموقوفاً . (تخريج الاحياء:۲۶۸/۳).

وللمزيد راجع : (البدرالمنير:۶۳۳/۹،والتلخيص الحبير:۲۱۱۳/۴۸۲/۴،والعلل المتناهية: ۱۳۱۰/۷۸۵/۲).

(۱۳) عن علي رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن المغنيات والنواحات ، وعن شرائهن وبيعهن، وتجارة فيهن، وقال: كسبهن حرام . (رواه ابویعلی فی مسنده :۵۲۷/۴۰۲/۱، واسناده ضعيف جداً ، فيه : الحارث بن نبهان الجرمی البصری ، وهومتروك ، والحارث الاعور، كذبه الشعبی وفی حديثه ضعف).

(۱۴) عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ... والذي نفس محمد بيده ما رفع رجل عقيرة صوته بغناء إلا ارتدفه شيطانان يضربان بأرجلهما صدره حتى سكت . (رواه الرويانی فی مسنده :۱۱۹۶/۲۷۷/۲).

(۱۵) أخرج أبويعقوب محمد بن إسحاق النيسابوري من حديث أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال:" استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر". (نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار من أحاديث سيد الأخيار:۱۰۴/۸، باب ماجاء فی آلة اللهو).

علامہ شوکانیؒ نے یہ حدیث ابو یعقوب محمد بن اسحاق نیساپوری کی طرف منسوب کی ہے۔ نیز دیگر کتب میں بھی یہ حدیث بحوالہ نیل الاوطار مذکور ہے، البتہ محمد بن اسحاق نیساپوری کی کتاب دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس کی سند کا حال معلوم نہیں۔ لیکن درجِ ذیل شیخ عبدالرزاق مہدی کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث ابوالشیخ کے تفردات میں سے ہے اور ابوالشیخ کے تفردات محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

وذكره العراقي في "تخريج أحاديث الأحياء" (۲۶۹/۲،كتاب آداب السماع) **وقال: رواه أبوالشيخ من حديث مكحول مرسلاً .**

وقال الشيخ عبد الرزاق المهدى في" تخريج أحاديث تكملة شرح فتح القدير" (۱۷/۱۰) **بعد نقل كلام العراقي: قلت: ولم أقف على إسناده ، لكن الضعف عليه بين، فهو مرسل، وهناک شيء آخر وهو تفرد أبى الشيخ به، وغالب ما تفرد به ضعيف ومنكر، و شيء ثالث غرابة المتن .**

وللاستزادة انظر: (ذم الملاهی لابن ابی الدنیا،وذم الملاهی لابن عساکر ،والسماع والرقص لابن تیمیة والسماع والرقص لمحمد بن محمد المنبجی والحنبلی،ونزهة الاسماع فی مسألة السماع لابن رجب الحنبلی، واحکام القرآن ،کشف العناء عن وصف الغناء، واسلام اورموسیقی).

فقہائے احناف کی عبارات ملاحظہ کیجئے:

ودلت المسألة على أن الملاهي كلها حرام حتى التغنى بضرب القصب قال عليه الصلاة و السلام : ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر و الحرير و الخمر و المعازف أخرجه البخارى . (البحرالرائق: ۲۱٤/۸،دارالمعرفة، بیروت).

وقال فى الدرالمختار: ودلت المسألة أن الملاهي كلها حرام ويدخل عليهم بلا إذنهم لإنكار المنكر قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ: صوت اللهو والغناء ينبت النفاق فى القلب كما ينبت الماء النبات ، قلت: فى البزازية استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلاة والسلام: استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر(قد مر تحقيقه) أى بالنعمة لا شكر فالواجب كل الواجب أن يجتنب كي لا يسمع لما روى أنه عليه الصلاة والسلام أدخل أصبعه في أذنه عند سماعه . (الدرالمختار: ۳٤۸/٦،سعید).

وللمزيد انظر: (فتاوی الشامی: ۳٤۸/٦۔ ۳۵۰،سعید،والهداية ،وتبيين الحقائق: ۱۳/٦،ط: امدادیه ، ملتان،وتحفة الملوك ،و العناية شرح الهداية :۲۱٦/۱٤،وفتح القدير: ،والفتاوى البزازية بهامش الهندية : ۳۵۹/٦،وشرح تحفة الملوك لابن ملك :۱۹۰۹/۲). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

اناشید کے ساتھ موسیقی سننے کا حکم:

سوال: علمائے دین کیا فرماتے ہیں ان نظم اور اناشید کے بارے میں جن میں موسیقی،مزامیر اور آلاتِ

موسیقی بھی شامل ہوں، کیا ایسی اناشید کا سننا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسی نظم اور اناشید کا سننا جن کے ساتھ موسیقی اور آلاتِ مزامیر شامل ہوں، ممنوع اور ناجائز ہے۔ مذکورہ بالا مفصل فتوے سے موسیقی اور آلاتِ موسیقی کی حرمت واضح ہوچکی ہے۔ بنابریں دلائل کے اعادہ کی ضرورت نہیں وہیں ملاحظہ کرلیے جائیں۔ ایک نیا حوالہ ملاحظہ کیجئے:

شیخ عبدالملک بن عبدالرحمٰن السعدی مسائل فقہیہ معاصرہ میں فرماتے ہیں:

الجواب: الأصوات الحديثية تنقسم إلى قسمين :

قسم يشبه صوت الدف فهو حلال ؛ لأن صوت الدف مأذون فيه .

وقسم يشبه صوت المعازف والمزامير فهو محرم ؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الاستماع لصوتهما. (مسائل فقهية معاصرة، ص ٢٧٤، ط: دارالنور،عمان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بغیر آلات کے موسیقی کی آواز نکالنے کا حکم:

سوال: مسلم نوجوان نسل کو موسیقی سے دور کرنے اور اس کا متبادل دینے کے لیے اس ملک میں مسلمانوں کا گانے والا ایک گروپ ہے، جن کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ دو تین افراد گاتے ہیں اور دوسرے حضرات گانے والوں کے پیچھے کھڑے ہوکر منہ پر ہاتھ رکھ کر مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں جو موسیقی کی طرح معلوم ہوتی ہے لیکن بغیر آلات کے ہوتی ہے، موسیقی کے آلات بالکل استعمال نہیں کرتے ہیں تو کیا اس طریقہ پر گانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ مذکورہ طریقہ پر گانا ممنوع اور ناجائز ہے، وجہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں موسیقی کے آلات بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ آواز مقصود ہے جب اس کی آواز موسیقی کی طرح ہے تو اس کا استعمال درست نہیں، اس سے اجتناب کرنا چاہئے، نیز بعض علماء اس کو تشبہ بالفساق کی وجہ سے ناجائز کہتے ہیں، اور حدیث: **من تشبه بقوم فهو منهم**، کی وعید کے تحت اس کو داخل فرماتے ہیں۔

چنانچہ مرقات میں ملا علی قاریؒ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

من تشبه بقوم، أى من شبه نفسه بالكفار مثلاً فى اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار،" فهو منهم " فى الإثم والخير، قال الطيبيؒ: هذا عام فى

الخَلق و الخُلق و الشعار . (مرقاة المفاتيح:۸/۲۵۵، كتاب اللباس، ط: امداديه، ملتان). **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

شادی کی تقریب میں بلامزامیر گانا گانے کا حکم:

سوال: ایک خاندان میں مسلم وغیر مسلم دونوں مخلوط ہیں، اس خاندان کے مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر شادی کی تقریب میں گانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ موسیقی اور آلاتِ مزامیر وغیرہ کچھ بھی شامل نہیں ہے، اور یہ گانا محض خوشی کی وجہ سے ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شادی اور خوشی کے موقع پر اچھے اشعار خوش آوازی سے بلامزامیر کے پڑھنا درجِ ذیل چند شرائط کی رعایت کرتے ہوئے جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ **شرائط ملاحظہ کیجئے:**

(۱) مرد وعورت کا اختلاط نہ ہو۔

(۲) گانے والی عورتیں نہ ہوں۔

(۳) گانا خلافِ شرع نہ ہو مثلاً کفر وشرک وغیرہ کے الفاظ نہ ہو۔

(۴) گانا شہواتی ہیجان پیدا کرنے والا اور مخربِ اخلاق نہ ہو۔

(۵) گانے کی محفل میں شراب وغیرہ نہ ہو۔

(۶) اس قسم کی محفل میں اتنا انہماک نہ ہو کہ فرائض، واجبات وغیرہ سے کوتاہی ہونے لگے۔

(۷) گانے بجانے کے آلات نہ ہوں۔

اگر ان مذکورہ بالا شرائط کی پابندی ہو سکے تب ہی اجازت ہے ورنہ اجازت نہیں اور عام طور پر لوگ ان شرائط کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں بنا بریں اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف کی روایت میں ہے:

عن الربيع بنت معوذ قالت: دخل على النبي صلى الله عليه وسلم غداة بني على فجلس على فراشي كمجلسك مني وجويريات يضربن بالدف يندبن من قتل من آبائهن يوم بدر حتى قالت: جارية وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لاتقولي هكذا وقولي ما كنت تقولين. (رواه البخاري، رقم: ۴۰۰۱).

قال ابن بطال: قال المهلب: السنة إعلان النكاح بالدف والغناء المباح، ليكون

ذلک فرقاً بينه وبين السفاح الذي يستسر به، وفيه إقبال العالم والإمام إلى العرس وإن كان فيه لعب ولهو ما لم يخرج اللهو عن المباحات فيه . (شرح صحيح ابن بطال: ٢٦٣/٧).

وفي مسند الإمام أحمد و سنن ابن ماجه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لعائشةؓ : أهديتم الجارية إلى بيتها قالت: نعم قال: فهلا بعثتم معها من يغنيهم يقول: أتيناكم أتيناكم، فحيونا نحييكم . فإن الأنصار قوم فيهم غزل . وعلى مثل ذلک أيضاً حمل طوائف من العلماء قول من رخص فى الغناء من الفقهاء من أصحابنا وغيرهم وقالوا: إنما أرادوا الأشعار التي لا تتضمن ما يهيج الطبائع إلى الهوى وقريب من ذلک الحداء وليس في شيء من ذلک ما يحرک النفوس إلى شهواتها المحرمة . (نزهة الاسماع لابن رجب الحنبلی، ص٢٨، دار طيبة ، الرياض).

المعجم الوسيط میں ہے: **الغِنَاء : التطريب والترنم بالكلام الموزون وغيره .** (المعجم الوسيط،ص٦٦٥).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

وكذا اختلفوا فى الغناء فى العرس والوليمة فمنهم من قال : بعدم كراهته كضرب الدف . (فتاوى الشامی : ٩/٣،و ٤٨٢/٥، سعيد).

وللمزيدراجع : (البحرالرائق : ٨٨/٧،دارالمعرفة ،بيروت،وفتح القدير:٤٨١/٦،دارالفكر ،والمحيط البرهانی: ١٧٣/٩، داراحياء التراث).

وفى الذخيرة و غيرها : لا بأس بضرب الدف فى العرس و الوليمة و الأعياد وكذا لابأس بالغناء فى العرس والوليمة والأعياد حيث لا فسق . (البحرالرائق: ٢١٥/٨،دارالمعرفة ، بيروت) .

وفي جامع الرموز للقهستاني : وكره وحرم الغناء... ترديد الصوت بالألحان فى الشعر مع انضمام التصفيق المناسب لها فلم يتحقق الغناء بفقدان قيد من الثلاثة كون الألحان فى الشعر وانضمام التصفيق بالألحان ومناسبة التصفيق لها فهو من أنواع اللعب و كبيرة في جميع الأديان...وفى المضمرات:من أباح الغناء يكون فاسقاً . (جامع الرموز: ٣/ ٣٢٠

كتاب الكراهية،مكتبة الاسلامية ،ايران).

ونقله عنه العلامة الشاميؒ وقال: فى الدر المنتقى: وقد تعقب بأن تعريفه هكذا لم يعرف في كتبنا فتدبر . أقول: وفي شهادات فتح القدير بعد كلام عرفنا من هذا أن التغنى المحرم ما كان فى اللفظ مالا يحل كصفة الذكور والمرأة المعينة الحية ووصف الخمر المهيج إليها والحانات والهجاء لمسلم أو ذمى إذا أراد المتكلم هجاء ه لا إذا أراد انشاده للاستشهاد به أو ليعلم فصاحته وبلاغته ، وكان فيه وصف امرأة ليست كذلك أو الزهريات المتضمنة وصف الرياحين والأزهار والمياه فلا وجه لمنعه على هذا ، نعم إذا قيل ذلك على الملاهي امتنع وإن كان مواعظ وحكماً للآلات نفسها لا لذلك التغني . ملخصاً ، وتمامه فيه فراجعه . (فتاوى الشامى: ٦/٣٤٩، سعيد). (وكذا فى البحر الرائق: ٨٨/٧،دارالمعرفة،وفتاوى الشامى: ٦/ ٣٥٠،سعيد،وفتح القدير: ٧/ ٤١٠،الموسوعة الفقهية:٣٥/ ٢١٧).

قاموس الفقہ میں ہے:

غنا کے معنی گانے یعنی ترنم اور خوش آوازی کے ساتھ اشعار پڑھنے کے ہیں، اگر صالح اشعار ہوں اور ان کے ساتھ ڈھول باجانہ ہو تو ایسے اشعار کا گانا جائز ہے، نیز خصوصیت سے مسرت اور خوشی کے موقع پر ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، یہی اکثر فقہاء کی رائے ہے... بعض فقہاء مطلق گانا سننے کو مکروہ قرار دیتے ہیں...تاہم روایات کو سامنے رکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ اگر گانے کے ساتھ مزامیر نہ ہوں، اشعار فحش گوئی اور ہجو سے خالی ہوں اور اس میں ایسا غلو نہ ہو کہ آدمی اپنے فرائض سے غافل ہو جائے جس کو لہو کہتے ہیں تو جائز ہے، جو گانے اس معیار پر پورے نہ اُترتے ہوں وہ ان احادیث کا مصداق ہیں جن میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔(قاموس الفقہ:۴/۴۴۲)۔

حلال وحرام میں مرقوم ہے:

اگر اشعار غلط جذبات کو ہوا دینے والے ہوں اور ہیجان انگیز ہوں، ان کا سننا اور سنانا تو بہرحال کراہت سے خالی نہ ہوگا، اسی طرح اگر عورتیں غیر محرم اور اجنبی مردوں کے درمیان آکر گائیں تو یہ بھی ناجائز ہی ہوگا...، اسی طرح گانے کے ساتھ مزامیر اور دوسرے آلات ہوں تو اس طرح گانا بجانا بھی جائز نہیں...، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں امت کے ایک طبقہ پر عذاب کا اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے جو شراب پیتے

ہوں ریشم پہنتے ہوں ...، البتہ اگر ان مفاسد سے بچ کر ترنم سے اشعار پڑھے اور سنے جائیں تو مضائقہ نہیں۔
(حلال وحرام، ص:۲۳۹)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نظم کو گیت کے انداز میں پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا کسی نظم، نعت یا ترانہ کو غزل یا گیت کے انداز میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ اس میں کفار وفساق کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: کفار وفساق کے ساتھ تشبہ ان امور میں جو ان کی مذہبی خصوصیات اور امتیازی نشانات ہیں جائز نہیں، مثلاً: گلے میں صلیب لٹکانا، ہندوؤں کا زنار پہننا، پیشانی پر قشقہ لگانا ایسے امور ناجائز ہیں جن میں تشبہ بھی پایا جاتا ہو اور ان کی قباحت میں احادیث وارد ہوئی ہو، جیسے پتلون ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، یا مردوں کو عورتوں کا لباس پہننا۔

لیکن بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک جانب تشبہ یعنی مشابہت ہوتی ہے اور دوسری جانب کچھ دوسری مصلحت ہوتی ہے اس لیے ان کو ناجائز نہیں کہا جائیگا، اگر کوئی عاشورہ یعنی دسویں محرم کا ایک روزہ رکھیں تو وہ ناجائز نہیں، کیونکہ روزہ رکھنے والے کا مقصد یہود کے ساتھ مشابہت نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، محرم اور ربیع الاول میں وعظ ونصیحت کی مجالس قائم کرنا اہل بدعت کے ساتھ مشابہت ہے لیکن چونکہ مقصد خرافات کی تردید اور صحیح مضامین کا بیان کرنا ہے لہذا علمانے اس کو جائز فرمایا ہے، بشرطیکہ خرافات اور قیودات سے خالی ہوں۔

نیز فقہاء نے منطق، فلسفہ کے پڑھنے کو حرام لکھا ہے کمافی الدر المختار، لیکن اس مصلحت سے اس کو طلبہ پڑھتے ہیں تاکہ اس کی اصطلاحات سے اتنی واقفیت ہو جائے کہ کتابوں کو سمجھ سکیں اور نیز غلط مضامین کی تردید کر سکیں۔

احادیث میں ایک پیاسہ کتے کو پانی پلانے پر اجر کا ذکر ہے، کیونکہ یہاں مقصود کتا پالنا نہیں بلکہ ایک جاندار کی تکلیف کو دور کرنا ہے اس لیے اگر کسی گیت کے وزن پر کوئی نظم اس نیت سے پڑھی جائے کہ اس ہر دلعزیز وزن کی وجہ سے لوگ خرافات سے ہٹ کر صحیح مضامین کو بغیر مزامیر کے سن لیں گے تو اس پر ناجائز وحرام کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔

کتبِ احادیث میں یہ حدیث مروی ہے کہ جب کفار نے ایک جہاد میں یہ شعر پڑھا:

إن لنا العزى ولا عزى لكم، یعنی ہمارا عزیٰ بت ہے تمہارا نہیں تو بالکل اس طریقہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اللّٰه مولانا ولا مولى لكم**، کیونکہ یہاں مقصود ان کی تردید تھی، نیز کفار کے قول: ”**اعل هبل اعل هبل**“ کے جواب میں ”**اللّٰه أعلىٰ وأجل**“ کہا گیا۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ گانے اور مزامیر سنے جائیں، بلکہ ان کا سننا بالکل ناجائز ہے، لیکن اگر کسی کو اتفاقاً کان میں پڑنے کی وجہ سے یا وزن مشہور ہونے کی وجہ سے وہ دھن معلوم ہو تو اس وزن اور طریقہ پر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، بلکہ بعض مرتبہ گیت کا وزن اتنا مشہور اور عام ہوتا ہے کہ وہ کسی گانے کا وزن نہیں سمجھا جاتا تو اس کے عام ہونے کی وجہ سے بھی گنجائش ہوگی۔

ہمارے اکابر نے میز کرسی پر کھانے اور سائیکل کی سواری کی گنجائش اس کے عام ہونے کی وجہ سے نکالی، اور اس کو تشبہ سے یعنی مشابہت سے خارج کیا۔

ان نظموں کو موسیقی کے وزن پر پڑھنے کے سلسلہ میں فقیہ النفس قطب زمانہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ایک فتویٰ ملاحظہ کیجئے:

سوال: سماع اور غنا اور راگ یہ تینوں ایک ہی چیز ہیں یا غیر اور یہ تینوں بلا مزامیر کے سننا جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: ہرسہ الفاظ ایک معنی رکھتے ہیں، بلا مزامیر راگ کا سننا جائز ہے، اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون راگ کا خلافِ شرع نہ ہو اور موافقِ موسیقی ہونا کچھ حرج نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۶۰۷، مکتبہ رحمانیہ)۔

مشابہت کے بارے میں درمختار مع الشامی میں مرقوم ہے:

فإن التشبه بهم لايكره في كل شيء بل في المذموم وفيما يقصد به التشبه كما في البحر وفي الشامي: عن شرح الجامع الصغير لقاضيخان ما في الذخيرة قبيل كتاب التحرى قال هشام: رأيت على أبي يوسفؒ نعلين مخصوفين بمسامير فقلت: أترى بهذا الحديد بأساً قال: لا، قلت: سفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لأن فيه تشبهاً بالرهبان فقال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يلبس النعال التي لها شعر وإنها من لباس الرهبان فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر. (الدرالمختار مع فتاوی الشامی: ۱/۶۲۴، سعید).

یعنی ہر چیز میں مشابہت ممنوع نہیں بلکہ مذموم چیزوں میں مشابہت نہیں ہونی چاہئے نیز جہاں مشابہت کا قصد ہو وہاں بھی ممنوع ہے، ہشام کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے وہ جوتا پہنا تھا جس پر دوسرا چمڑا لگا تھا اور لوہے

کی کیلیں لگی تھیں میں نے کہا سفیان اور ثور اس کو مکروہ فرماتے ہیں کیونکہ اس میں راہبوں کے ساتھ مشابہت ہے انہوں نے کہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں والا جوتا پہنا ہے حالانکہ یہ راہبوں کا جوتا تھا، تو معلوم ہوا کہ ظاہری مشابہت ممنوع نہیں ہے جس میں کوئی خاص فائدہ ہو، ہاں جس مشابہت کی ممانعت صراحۃً احادیث میں آئی ہے اس میں کسی فائدہ کو تلاش کرنا بے وقوفی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فوائد کو لغو قرار دیا ہے لہذا وہ فوائد کالعدم یا فرضی ہیں یا ان کا ضرر ان کے فوائد پر غالب ہوگا، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لیس منا من تشبه بالرجال من النساء ولا من تشبه بالنساء من الرجال.** (أخرجه احمد في مسنده، رقم: ۶۸۷۵). یعنی جو مرد عورتوں کی طرح بن جائے یا عورت مردوں کی طرح بن جائے وہ ہم میں سے نہیں، ایک اور حدیث میں آیا ہے: **لعن اللّٰه الرجل يلبس لبسة المرأة والمرأة لبسة الرجل**، نیز گیت سے مشابہت ختم ہونے کے لیے میوزک کا نہ ہونا بھی کافی ہے، جیسے عاشورا کے روزہ میں ایک روزے کے بڑھانے سے مشابہت ختم ہوگئی، اسی طرح ایک چیز کم کرنے سے بھی مشابہت ختم ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ خاص دھنوں پر نظم پڑھنے میں فقیر کے نزدیک کوئی حرج نہیں، اگر کسی کے خیال میں درست نہ ہو تو وہ نہ سنیں لیکن دوسروں پر اپنی رائے مسلط نہ کریں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موبائل میں گھنٹی کی جگہ کلماتِ مقدسہ رکھنے کا حکم:

سوال: موبائل میں گھنٹی کی جگہ اذان یا قرآنی آیات وغیرہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خلافِ ادب ہے درمیان سے کاٹنے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ موبائل میں قرآنی آیات اذان نیز ذکر و اذکار اور پند و نصائح کے کلمات وغیرہ گھنٹی کی جگہ رکھنا اور استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔ البتہ اس بات کا خیال رہے کہ آیتِ کریمہ پوری ہو جائے پھر فون کا جواب دیا جائے، اگر یہ اہتمام نہیں ہو سکتا ہو تو پھر قرآنی آیات استعمال نہ کرے، نیز بیت الخلاء داخل ہونے سے پہلے فون کو ساکت (silent) کر دے تاکہ مقاماتِ نجاست میں کلماتِ طیبہ کی بے ادبی نہ ہو اس کے اہتمام کی بہت ضرورت ہے۔

اس مسئلہ کے جواز کے چند دلائل، وشواہد حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) جس کام کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہو وہ کام مبارک اور بابرکت ہوتا ہے، بنابریں موبائل میں بات چیت کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوگی جیسے خط کی ابتدا خط میں اللہ تعالیٰ کے نام سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:" كل أمر ذى بال لا يبدأ فيه بذكر اللّٰه فهو أقطع ". أخرجه الدارقطني في سننه (۱/۲۲۹/۲، كتاب الصلاة).

امام نوویؒ نے بحمد للہ والی روایت کو حسن اور جید فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

قال الإمام النوويؒ : هذا الحديث حسن رواه أبوداود وابن ماجه في سننهما ، ورواه النسائى فى كتاب عمل اليوم والليلة ، وروى موصولاً ومرسلاً ، ورواية الموصول إسنادها جيد . (شرح مسلم شريف : ۱/۲).

وينظر: (الاذكار، ص:۱٤۷، كتاب حمدالله تعالىٰ، بتحقيق بشيرمحمدعيون، وسنن ابى داود، ص٦٦٥، وسنن ابن ماجه، ص١٣٦، وعمل اليوم والليلة، ص١٥٧، دارالفكر).

☆ نیز نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام خطوط تحریر فرمائے تھے ان کے شروع میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر فرمایا تھا اگر چہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی کا بھی اندیشہ تھا۔لیکن تبرکاً اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کو ترجیح دی اور دوسری جانب خیال نہیں فرمایا۔حوالہ کے لیے سیرت کی کتابیں ملاحظہ کیجئے۔

(۲) لیلۃ التعریس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوئے ہوئے حضرات کو جگانے کے لیے تین بار "اللّٰه أكبر" کہا تھا۔بخاری شریف میں روایت ہے، ملاحظہ کیجئے:

فلما استيقظ عمر رضي الله عنه ورأى ما أصاب الناس، وكان رجلاً جليداً فكبر ورفع صوته بالتكبير، فما زال يكبر و يرفع صوته بالتكبير حتى استيقظ لصوته النبي صلى اللّٰه عليه وسلم . (رواه البخارى فى حديث طويل : ۱/٤۹/٣٤٤، فى باب الصعيدالطيب وضوء المسلم يكفيه من الماء).

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کو بیدار کرنے کے لیے "اللّٰه أكبر" استعمال فرمایا، اور کسی نے انکار نہیں کیا، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انکار نہیں فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ تکبیر کو تنبیہ اور جگانے کا ذریعہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ہوا۔

(۳) قصۂ افک میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ کو اطلاع دینے کے لیے " إنا للّٰه

وإنا إليه راجعون ''پڑھا،اس کلمہ کی وجہ سے حضرت عائشہؓ بیدار ہوئیں،اور فوراً پردہ فرمایا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

فبينا أنا جالسة في منزلي غلبتني عيني فنمت وكان صفوان بن المعطل السلمی ثم الذكوانی من وراء الجيش فأصبح عند منزلي فرأى سواد إنسان نائم فعرفني حين رأني وكان رأني قبل الحجاب فاستيقظت باسترجاعه ، حين عرفني فخمرت وجهي بجلبابي .

(اخرجه البخاری فی حديث طويل :۲/۵۹۴/۴۱۴۱،فی باب حديث الافك).

حدیث بالا میں بلندآواز سے ''انا للہ...'' کہنے کا مقصد اظہارِ مصیبت کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو متنبہ بھی کرنا تھا۔اور موبائل میں بھی تنبیہ اور اخبار ہوتا ہے۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صلاۃ الکسوف پڑھ رہی تھیں، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آکر دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ''سبحان اللہ'' فرمایا،اور آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن اسماء بنت أبي بكرؓ أنها قالت : أتيت عائشة زوج النبی صلی اللّٰه عليه وسلم حين خسفت الشمس فإذا الناس قيام يصلون وإذا هي قائمة تصلی فقلت: ما للناس فأشارت بيدها نحو السماء وقالت: سبحان اللّٰه ...الخ. (اخرجه الامام البخاری : ۱/۳۰/۱۸۴فی باب من لم يتوضأ الا من الغشی المثقل).

مذکورہ بالا روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسبیح کے ساتھ ساتھ واقعہ کا اظہار بھی فرمادیا۔

(۵) حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات کو طلاق دینے کی خبر سنائی،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں،اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر فرمایا۔روایت ملاحظہ کیجئے:

عن عمر رضی اللہ عنہ قال: كنت أنا وجار لي من الأنصار في بني أمية بن زيد وهي من عوالی المدينة وكنا نتناوب النزول على رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ينزل يوماً وأنزل يوماً فإذا نزلت جئته بخبر ذلك اليو م من الوحي وغيره وإذا نزل فعل مثل ذلك فنزل صاحبي الأنصاري يوم نوبته فضرب ببابه ضرباً شديداً ، فقال: أثم هو؟ ففزعت فخرجت إليه فقال:

قد حدث أمر عظيم قال: فدخلت على حفصة فإذا هي تبكي فقلت: طلقكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت: لا أدري ثم دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم فقلت: وأنا قائم أطلقتَ نساءَ ك ؟ قال: لا فقلت : الله أكبر ! . (اخرجه الامام البخاری :۱/۱۹/۸۹، باب التناوب فی العلم).

حدیثِ بالا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق نہ ہونے پر خوشی کا اظہار یا طلاق کی غلط شہرت پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر فرمایا، اور خوشی یا تعجب کے اظہار میں اور موبائل کے اعلام میں کوئی خاص فرق نہیں۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کو ہم تکبیر کے ذریعہ محسوس کرتے تھے۔ مسلم شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كنا نعرف انقضاء صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالتكبير . (رواه مسلم : ۱/۲۱۷/۵۸۳،باب الذكر بعدالصلاة،والبخاری :۱/۱۱۶/۸۴۲،باب الذكر بعدالصلاة).

اس حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کی خبر تکبیر کے ذریعہ دی گئی، یاد رہے کہ بعض شارحین اس حدیث کو منیٰ میں نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق پر محمول کرتے ہیں۔

(۷) خود اذان لوگوں کو اوقاتِ نماز کے داخل ہونے کی اطلاع ہے اور شعارِ اسلام میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ ذکر بھی ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

والأذان في اللغة الإعلام ، قال الله تعالىٰ: ﴿وأذان من الله ورسوله﴾(التوبة)... **وفي الشريعة: الأذان إعلام مخصوص بألفاظ مخصوصة في أوقات مخصوصة** . (عمدة القاری : ۴/۱۴۳، ومثله فی الدرالمختار: ۱/ ۳۸۳).

نیز اذان عقائد پر مشتمل ایسا ذکر ہے جسے سن کر شیطان بھی بھاگ جاتا ہے، وفی الحدیث الشریف:

إذا نودي للصلاة أدبر الشيطان وله ضراط حتى لايسمع التأذين ...(رواه البخاری: ۱/ ۸۵).

(۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تہجد کی اذان کا مقصد حدیث شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جاگے ہوئے کو واپس کرنا اور سوئے ہوئے کو جگانا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

لايمنعن أحدكم، أو واحداً منكم ، أذان بلال من سحوره ، فإنه يؤذن، أو ينادى بالليل ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم . (رواه البخاری : ۱/ ۸۷).

معلوم ہوا کہ متنبہ کرنے کے لیے کلماتِ طیبہ کا استعمال جائز اور درست ہے ذکر بھی ہے اور تنبیہ بھی ہے البتہ ان کلمات کی آواز کو تعویذ کی طرح نجاست کے مقام سے بچانا ضروری ہے۔

(۹) ایک غزوہ میں مسلمانوں نے قرآن کریم کی آیت "حٰمٓ" بطورِ علامت استعمال کی۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

عن المهلب بن أبي صفرة عن من سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن بيتكم العدو فقولوا حم ، لاينصرون . (رواه الترمذی: ۲۹۷/۱،باب ماجاء فی الشعار).

وفي رواية أبي داود قال: إن بيتم فليكن شعاركم حم لاينصرون . (رواه ابوداود،ص۳۴۹). **وأيضاً رواه البيهقي في سننه الكبرى** (۳۶۱/۶).

قال المحدث أحمد على السهارنفورى: الشعار فى الأصل: العلامة التي تنصب ليعرف الرجل بها رفقته . (حاشية الترمذی: ۲۹۷/۱، رقم الحاشية:۹).

ومثله فى فيض القدير (۲۱۲/۴،ط: بيروت،ومرقات المفاتيح:۳۵۸/۷).

(۱۰) کسی چیز کے اختتام کے لیے حمد اور درود استعمال کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اب اس کے بعد مزید کچھ نہیں ہے، مثلاً دعا کے آخر میں، تصنیفات وتالیفات کے آخر میں، وعظ ونصیحت کے آخر میں، وغیرہ۔

فقط ایک مثال ملاحظہ کیجئے امام نسائیؒ نے اپنی کتاب کے آخر میں تحریر فرمایا:

والحمد لله رب العلمين ، وصلى الله على سيدنا محمد خاتم الأنبياء ، وعلى آله الطيبين الطاهرين ، ورضى الله عن كل الصحابة أجمعين ۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ کتاب مکمل ہو چکی ہے، اب اس کو کیسے مکروہ قرار دیا جائے؟

(۱۱) نماز کے اختتام کی علامت بھی شریعتِ مطہرہ نے سلام کو رکھا ہے۔ یہ دعا بھی ہے اور نماز کے ختم ہونے کی خبر بھی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن علي رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: مفتاح الصلاة الطهور، وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم. (رواه الترمذی: ۶/۱،باب ماجاء مفتاح الصلاة الطهور).

(۱۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور سلفِ صالحین کی انگوٹھیوں پر مختلف نصیحت آمیز کلمات درج تھے۔ بریقہ محمودیہ میں اس کی تفصیل مرقوم ہے۔ چند حضرات کے بارے میں ملاحظہ ہو:

عن أنس رضی اللہ عنہ أنه كان نقش الخاتم أى خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة أسطر: محمد ، رسول ، الله ،

ونقش خاتم أبي بكر رضی اللہ عنہ : نعم القادر الله .

ونقش خاتم عمر رضی اللہ عنہ : كفى بالموت واعظاً يا عمر .

وعثمان رضی اللہ عنہ : لتصبرن أو لتندمن .

وعلي رضی اللہ عنہ : الملك لله .

وأبي حنيفة رحمہ اللہ : قل الخير وإلا فاسكت .

وأبي يوسف رحمہ اللہ : من عمل برأيه قد ندم .

ومحمد رحمہ اللہ : من صبر ظفر. (بريقة محمودية فى شرح الطريقة المحمدية :٥/٤٢٢،من آفات اليد: التختم بغيرالفضة).

وزاد في " الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية ":

نقش خاتم الحسن بن علي رضی اللہ عنہ : العزة لله.

ونقش خاتم معاوية رضی اللہ عنہ: رب اغفر لي .

ونقش خاتم ابن أبي ليلى رحمہ اللہ : الدنيا غرور.

ونقش خاتم الإمام الشافعي رحمہ اللہ: البركة فى القناعة . (الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية:٢/٤٥٤،ط: درسعادت).

وفى الدرالمختار: وينقشه اسمه أو اسم الله تعالىٰ ، وفى الشامية : قوله أو اسم الله تعالىٰ ، فلو نقش اسمه تعالىٰ أو اسم نبيه ، استحب أن يجعل الفص في كمه إذا دخل الخلاء وان يجعله في يمينه إذا استنجى، قهستانى. (الدرالمختارمع الشامی: ٦/٣٦١،سعيد).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موبائل کے وال پیپر (wallpaper) پر کلماتِ ذکر واذکار رکھنے کی گنجائش ہے البتہ مقاماتِ نجاست سے بچانا ضروری ہے۔حاصل یہ ہے کہ انگوٹھی کے ذریعہ ذکر واظہارِ نصیحت اور موبائل کے ذریعہ ذکر واظہارِ نصیحت دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

(۱۳) حدیث شریف میں آتا ہے کہ اندر داخل ہونے کے لیے بطورِ اجازت: سبحان اللہ، الحمدللہ، اوراللہ

اکبر کہے، ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه قال: قلنا يارسول الله ! هذا السلام فما الاستئذان ؟ قال: يتكلم الرجل تسبيحة وتكبيرة وتحميدة ، ويتنحنح ويؤذن أهل البيت. (رواه ابن ماجه، ص ٢٦٣).

حدیثِ بالا میں بیان کیا گیا کہ اپنے آنے کی اطلاع دینے کے لیے تسبیح تحمید اور تکبیر کہے، معلوم ہوا کہ مبارک کلمات اطلاع کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

(۱۴) حدیث شریف میں آتا ہے کہ مصلی کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنے کے لیے تسبیح استعمال کر سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

أخرج البخاريؒ في حديث إمامة أبي بكر رضي الله عنه... فقال صلى الله عليه وسلم: مالي رأيتكم أكثرتم التصفيق، من نابه شيء في صلاته فليسبح ، فإنه إذا سبح التفت إليه ، وإنما التصفيق للنساء . (بخاری شریف: ١/٩٤، ١٦٢).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ويدفعه بتسبيح أو جهر بقراءة، فالمراد زيادة رفع الصوت عن أصل جهره، والظاهر شمول السرية ، لأن هذا الجهر مأذون فيه فلا يكره على أن الجهر اليسير عفو ، والمكروه قدر ما تجوز به الصلاة فى الأصح كما في سهو البحر، فإذا جهر فى السرية بكلمة أو كلمتين حصل المقصود ولم يلزم المحذور، فتدبر. (فتاوی الشامی: ١/٦٣٨، سعید).

علامہ شامیؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ سری نماز میں بھی ایک دو کلمہ جہراً پڑھ کر گزرنے والے کو روکنا چاہئے۔ یعنی تسبیح اور قراءت کو تنبیہ کے لیے استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔

(١٥) **عبد الملك بن عبد الرحمن السعدى مسائل فقهية معاصرة** میں لکھتے ہیں:

السوال: السلام عليكم شيخي: ما حكم استخدام القرآن رنة للموبايل (رنة اتصال وانتظار)، أفتونا مأجورين ، وجزاك الله خيراً .

الجواب: لا مانع من ذلك ، ولكن الأدب يقتضي أن لايستغل صوت القرآن بمثابة الجرس المنبه ، لذا أرى ترك ذلك ، وإبداله بذكر ودعاء .

كما أني أرى عدم جعل الأذان منبهاً؛ لأن المصلى ربما إذا سمعه يظن أن وقت الصلاة قد حان فيصلى و لا تصح صلاته ، أو قد صلى و عند سماعه يظن أنه قد صلى قبل الوقت. (مسائل فقهية معاصرة ،ص: ۲۲۰،ط: دارالنور،عمان).

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موبائل میں رنگ ٹون کی جگہ کلماتِ متبرکہ کا استعمال جائز ہے البتہ آیاتِ قرآنیہ کا استعمال خلافِ ادب ہے۔

(۱۶) وفي تفسير مقاتل بن سليمان: وكفى الله المؤمنين القتال...وسمعوا تكبير الملائكة في نواحي العسكر فرعبوا . (تفسیرمقاتل بن سلیمان :۳/۳۸).

وفي تفسير القرطبي: وكثر تكبير الملائكة في جوانب العسكر "أي في غزوة الخندق" حتى كان سيد كل خباء يقول: يابنى فلان ! هلم إلي، فإذا اجتمعوا قال لهم: النجاء ، النجاء ، لما بعث الله تعالیٰ عليهم من الرعب . (تفسیرالقرطبی : ۱۴/۹۵).

تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتوں نے کفار کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کے لیے تکبیر کا استعمال کیا۔

☆ **فقہاء کی بعض عبارات سے کراہت معلوم ہوتی ہے،ان عبارات کی توجیہ ملاحظہ کیجئے:**

(۱)فقہاء نے ذکراللہ کو اپنی تجارت چلانے کے لیے وسیلہ بنانے کو منع لکھا ہے،یعنی دین کی شکل بناکر دیندار بننے سے منع فرمایا۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ہجرت کا نام لیکر کسی لڑکی سے نکاح کرنے کے لیے جانا ہجرت غیر مقبولہ ہے۔ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

إنما الأعمال بالنيات ، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى المرأة ينكحها فهجرته إلى ما هجر إليه . (رواه البخاری: ۱/۲).

ملاعلی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

قيل: إنما ذُمَّ ، لأنه طلب الدنيا في صورة الهجرة ، فأظهر العبادة للعُقبى ، ومقصوده الحقيقي ما كان إلا الدنيا ، فاستحق الذم لمشابهته أهل النفاق . (مرقاۃ المفاتیح:۱/۴۶).

اسی طرح تاجر اپنا سامان کھولتے وقت ذکر کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو متقی سمجھ کر اس کا سامان خریدے،تو یہ بھی دین کی شکل وصورت میں دنیا کمانا ہے جو کہ برا ہے۔چنانچہ علامہ سید احمد طحطاوی تحریر فرماتے ہیں:

وتكره عند فتح التاجر متاعه . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص۱۲،قدیمی).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وحرام... عند عمل محرم ، عند فتح التاجر متاعه إن قصد بذلك الإعلام بجودته ، ولاخصوصية للصلاة ، بل كذلك جميع الأذكار في جميع الأحوال الدالة على استعمال الذكر في غير موضعه ، صرح بذلك علماؤنا . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۷۱، قديمی).

الاشباہ والنظائر میں ہے:

الفقاعي إذا قال عند فتح الفقاع للمشترى: صل على محمد ، يكون آثماً ، وكذا الحارس إذا قال فى الحراسة : لا إله إلا اللّٰه ، يعنى لأجل الإعلام بأنه مستيقظ...رجل جاء إلى البزاز ليشترى منه ثوباً ، فلما فتح المتاع قال: سبحان اللّٰه ! أو قال: اللّٰهم صل على محمد ، إن أراد بذلك إعلام المشتري جودة ثيابه ومتاعه كره . (الاشباه والنظائرمع الحموی : ۱/۱۰۴).

الفقاع ، نبيذ الشعير ونحوه . (تقريرات الرافعی : ۱/۶۴،سعيد).

وينظر: (الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۵، والدرالمختارمع ردالمحتار: ۱/۵۱۸،سعيد، والبحرالرائق:۱/۳۴۷، دارالمعرفة، والمحيط البرهانی: ۵/۱۳۷،داراحياء التراث).

تنبیہ: ممکن ہے کہ یہ لفظ فقاعی ہوتو زیادہ مناسب ہے کیونکہ فقاع (قفعۃ) ٹوکرے کو کہتے ہیں یعنی ٹوکری کھولتے وقت درود پڑھے۔

عالمگیری میں ہے:

حارس يقول: لا إله إلا اللّٰه ، أو يقول: صلى اللّٰه على محمد، يأثم لأنه يأخذ لذلك ثمناً، بخلاف العالم إذا قال فى المجلس صلوا على النبي ، أو الغازى يقول: كبروا، حيث يثاب ، كذا فى الكبرى. (الفتاوی الهندية: ۵/۳۱۵).

لیکن صاحبِ نصاب الاحتساب نے بہت عمدہ بات لکھی ہے فرماتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ حارس کو ’’لا الہ الا اللہ‘‘ پڑھنے پرثواب ملے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ اجرت حفاظت پرملتی ہے نہ کہ ذکر پر اس لیے کہ اگر حفاظت کے ساتھ دوسرا کوئی کلام کرتا تب بھی اجرت ملنے والی تھی ،تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مثاب ہوگا

نہ کہ کمانے والا، کیونکہ اگر ہم اس کوذکرواذکار سے منع کردے جب کہ اس کو جہری کلام کی ضرورت ہے بیدار رہنے کے لیےتو بہت ہی قریب ہے کہ وہ موسیقی اورگانے میں مبتلا ہوجائے جوکہ حرام ہے۔

عبارت ملاحظہ کیجئے:

قال العبد: وعندي أنه يثاب عليه لأن الأجر يأخذه على الحراسة لا على الذكر لأنه لوحرس بكلام آخر يستحق الأجر فعلم أنه فى الذكر محتسب لامستأجر ولأنا لومنعناه عن الذكر وأنه يحتاج إلى كلام يجهر به فلا يؤمن عليه أن يقع فى الغناء وأنه حرام . (نصاب الاحتساب ،ص۳۰۶، الباب السادس والاربعون فى الاحتساب فى فعل البدع من الطاعات وترك السنن ،للفقيه عمر بن محمدبن عوض السنامى).

(۲)علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ذکرواذکارکوکسی کام کے لیے محض تنبیہ اوراعلام کاوسیلہ بنانا مکروہ ہے۔

قال صاحب الدر:وقد كرهوا الله أعلم، ونحوه لإعلام ختم الدرس حين يقرر.وقال الشامي: فإنه استعمله آلة للإعلام ونحوه...فلم يكن المقصود الذكر.(فتاوى الشامى:۶/۴۳۱).

اس کا مطلب یہ ہے کہ محض تنبیہ کا ذریعہ بنایا اجروثواب کی کوئی نیت نہیں کی ،لیکن اگر اجروثواب کی نیت سے کہا جائے تو درست ہے جیسے خطباء اورواعظین اورمؤلفین ومصنفین اپنے کلام کے آخر میں ” **وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العٰلمين**“ پڑھتے ہیں،اور یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔معلوم ہوا کہ جب دنیا کمانا مقصودنہیں تو جائزاوردرست ہے،جیسے بھوکا آدمی سلام کرکے کھانے کی مجلس میں شریک ہوجائے تواس کوثواب بھی ملے گا اور کھانا بھی ملے گا۔ملاحظہ ہودرمختار میں ہے:

ودع آكلاً إلا إذا كنت جائعاً ☆ وتعلم منه أنه ليس يمنع

(الدرالمختار: ۱/۶۱۷،سعید).

نیز کھانے کے بعد دعا پڑھتے ہیں: ” **الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنامسلمين**“ ،یہ ذکر بھی ہےاورکھانے کےاختتام کی علامت بھی ہے۔

☆ قابل غور بات یہ ہے کہ موبائل میں گھنٹی کوئی پسندیدہ چیزنہیں ہے ہاں بالکل ناجائز بھی نہیں ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتصحب الملائكة رفقة

فیها کلب ولا جرس . (رواہ مسلم : ۲/۲۰۲/۱۲۲۳،باب کراهة الکلب والجرس فی السفر).

وعنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الجرس مزامير الشيطان. (رواہ مسلم : ۲/۲۰۲/۱۲۲٤،باب کراهة الکلب والجرس فی السفر).

لیکن دیگر احادیث، شروح اور کتب الفقہ والفتاویٰ کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ گھنٹی سے منع کرنا درجِ ذیل تین وجوہات کی بنا پر تھا، جہاں ان باتوں میں کوئی بات نہ ہو وہاں گھنٹی کا استعمال درست ہوگا:

(۱) گھنٹی کے استعمال سے مسلمانوں کو نقصان کا اندیشہ ہو وہاں اس کا استعمال ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو المحیط البرہانی میں مرقوم ہے:

وقال محمدؒ فی السیر الکبیر: إنما یکره اتخاذ الجرس للغزاة في دارالحرب...لأن العدو یشعر بمکان المسلمین ...فعلى هذا قالوا: إذا کان الراکب فی المفازة فی دار الإسلام ویخافون من اللصوص یکره لهم تعلیق الجرس على الدواب أیضاً حتى لایشعر بهم اللصوص...فأما ما کان في دار الإسلام فیه منفعة لصاحب الراحلة فلا بأس به ، قال: فی الجرس منافع جمة منها : إذا ضل واحد من القافلة یلتحق بها بصوت الجرس، ومنها: أن صوت الجرس یبعد هوام اللیل عن القافلة کالذئب وغیره ، ومنها : أن صوت الجرس یزید في نشاط الدواب ، وهو نظیر الحدو، فإنه جوز، لأنه یزید في نشاط الدواب . (المحیط البرهانی : ۸/۱۲۵،فصل ۳۲، فی المتفرقات من کتاب الکراهیة، ط: المجلس العلمی).

(وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۵/۳۵٤،الباب السابع عشر فی الغناء واللهو...).

وبهذه العلة علله ابن عابدینؒ أیضاً فقال: ولعل رفع الصوت یجر بلاء ، والحرب خدعة . (فتاوی الشامی:٦/۳۹۸،سعید).

(۲) گھنٹی کا مقصد محض لہو ولعب ہو یا لذت حاصل کرنا ہو تو ممنوع ہے ورنہ نہیں۔

قال المحدث السهارنفوری فی بذل المجهود فی شرح ابی داود:

" لا تصحب الملائکة رفقة فیها جرس أو کلب " وهذا إذا خلیا عن المنفعة ، وأما ما احتیج إلیه منهما فمرخص فیه . (بذل المجهود: ۱۲/۵۳،المکتبة الامدادیة).

قال الملا علی القاری فی المرقاة : وقال بعض العلماء : جرس الدواب منهی عنه إذا

اتخذ للهو، وأما إذا كان فيه منفعة فلا بأس . (مرقاة المفاتيح : ٣٢٧/٧).

وقال في تكملة فتح الملهم : والذى يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أن الكراهة المذكورة في الحديث إنما تنصرف إلى كلب وجرس قصد منهما اللهو والغناء، كما يعتاده بعض أهل القوافل ويدل عليه قوله عليه الصلاة والسلام في الرواية الآتية : الجرس مزامير الشيطان. (تكملة فتح الملهم : ١٧٩/٤).

(۳) بعض لوگ اس عقیدہ کی وجہ سے گھنٹی ڈالتے تھے کہ بیماری، حسد اور نظر بد سے جانور محفوظ رہے گا، اس وجہ سے ممانعت وارد ہوئی تھی کہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ملاحظہ ہو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

”كانوا يقلدون الإبل أوتار القسى لئلا تصيبها العين بزعمهم، فأمروا بقطعها إعلاماً بأن الأوتار لا ترد من أمر الله شيئاً، وهذا قول مالكؒ . (فتح البارى : ١٤٢/٦).

وفي فتاوى الأزهر: والعلة في الكراهة أما أن التعاليق على الحيوانات كانت عند العرب لمنع الحسد، أو العلاج، أو دفع المرض كالخرز والتمائم ...، وقد جاء النهى عنها في الأحاديث لاعتقادهم أنها تؤثر بذاتها، بعيداً عن إرادة الله تعالىٰ ...(فتاوى الازهر: ٣٣٧/١٠).

وللمزيد راجع : (فتح البارى : ١٤٢/٦،وعمدة القارى : ٣١٨/١٠،وفتاوى اللجنة الدائمة ،وفتاوى الكويت ،وشرح النووى على صحيح مسلم :٢٠٢/٢،ونفع المفتى والسائل ، ص ٤٩١،ط:دارابن حزم).

خلاصہ یہ ہے کہ جب شریعت نے ضرورت کی وجہ سے گھنٹی کے استعمال کی اجازت دی ہے جب کہ گھنٹی پسندیدہ چیز نہیں ہے، تو موبائل میں کلماتِ طیبہ رکھنے کی اجازت بطریق اولیٰ ہوگی۔ واللہ ﷻ اعلم۔

اشکالات اور جوابات:

اشکال: (۱) بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ کو موبائل میں گھنٹی کی جگہ استعمال کرنے سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ بات چیت جاری ہونے پر آیتِ کریمہ کو درمیان میں سے کاٹنے کی وجہ سے کلام ناقص رہ جاتا ہے اور یہ ناجائز ہے؟

الجواب: ماقبل میں ہم لکھ چکے ہیں کہ آیتِ کریمہ پوری کرنے کا اہتمام کیا جائے اور اگر یہ اہتمام نہ ہوسکے تو آیات استعمال نہ کرے۔ تاہم اتفاقاً اگر آیتِ کریمہ پوری نہیں ہوئی تب بھی اس کو ناجائز نہیں کہا جائیگا

ہاں خلافِ ادب ضرور ہوگا، لیکن ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں، اس کی متعدد مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں:

(۱) ﴿**إن الذين كفروا بالذكر لما جاء هم**﴾. (فصلت: ٤١).

اس جملہ کی خبر مذکور نہیں، صاحبِ جلالین نے "**نجازيهم**" مقدر مانا ہے۔ (جلالین: ۲/۴۰۰).

(۲) "**أفمن زين له سوء عمله فرآه حسناً**" [الفاطر: ۸] اس کی خبر مذکور نہیں، مفسرین نے: "**كمن لم يزين له**" بیان کی ہے۔ (تفسیر النسفی: ٢/٤٣٣).

اشکال: (۲) بیت الخلاء میں فون آنے پر گھنٹی بجنی شروع ہو جائے گی اور یہ کلماتِ طیبہ بیت الخلاء میں سنے جائیں گے جو کہ بے ادبی ہے، اور یہ ناجائز ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: صرف اس شبہ کی وجہ سے ناجائز کہنا محلِ نظر ہے، ہاں احتیاط کی تلقین کی جائے کہ حتی الامکان بند کرنے کے بعد داخل ہو، لیکن اس کے باوجود کوئی بند کرنا بھول جائے تو اور بیت الخلاء میں بجنا شروع ہو جائے تو بعد میں استغفار کر لے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے جانے سے قبل اتار دیتے تھے، اگرچہ عام لوگوں کے لیے بھولنے کی وجہ سے بیت الخلاء میں لے جانے کا اندیشہ تو موجود ہے۔

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ ...**فاتخذ النبي صلى الله عليه وسلم خاتماً من فضة، كأني أنظر إلى وبيصه، ونقشه محمد رسول الله**. (رواه البخاري: ٢/١٠٦١).

وعنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا دخل الخلاء وضع خاتمه. (سنن ابن ماجه: ٢٦).

نیز صحابہ اور دیگر سلفِ صالحین کی انگوٹھیوں پر بھی کچھ متبرک کلمات مرقوم تھے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، جبکہ اس میں بھی بھول جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ اس اندیشہ کی وجہ سے ناجائز نہیں کہا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کلماتِ مقدسہ کو موبائل فون میں رنگ ٹون کی جگہ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں بے حرمتی اور بے ادبی کی جگہوں سے بچایا جائے اور حتی الامکان آیاتِ قرآنیہ سے بھی بچنا چاہئے کیونکہ اس میں درمیان میں سے کٹنے کی وجہ سے بے ادبی پائی جاتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل سوم

ریڈیو کے احکام کا بیان

ریڈیو اسلام کے قیام سے متعلق اشکالات کے جوابات:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ شرعِ متین ذیل میں مذکورہ امور کے بارے میں:۔

... یہاں کے مسلمان اپنا ذاتی ریڈیو اسٹیشن قائم کرنا چاہتے ہیں جس کا پورا انتظام علماء کے ہاتھ میں ہوگا، اور اس پر کوئی بھی غیر شرعی پروگرام شائع نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہوگیا ہے، اکثر حضرات ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کے موافق ہیں، مگر بعض حضرات اس کے شدید مخالف ہیں؛ اور درجِ ذیل اشکالات فرماتے ہیں:

(۱) اس نئے نہج پر دعوت پہونچانے کی ضرورت نہیں، محراب ومنبر اور مواعظ وکتب کے ذریعہ نیز دعوت وتبلیغ کی عالمی زبردست محنت کے ذریعہ ہر جگہ دعوت پہنچ چکی ہے۔

(۲) اس کے اختیار کرنے میں ٹی وی، وی سی آر تک ہر طرح کے جائز ناجائز وسائل تک ترقی ہوگی؟

(۳) ریڈیو کا پروگرام طباعت کے برابر مفید نہیں ہوسکتا؟

(۴) اس پروگرام میں زندگیوں میں کوئی تبدیلی آتی ہوئی نظر نہیں آتی؟

(۵) اس پر جھوٹے پروگرام، قصہ کہانیاں وغیرہ کے طرز پر اسلامی تعلیمات پیش کی جائیگی تو لوگوں کا اعتماد ختم ہوجائیگا؟

(۶) ریڈیو وغیرہ کے ہمارے پروگرام سے دشمنانِ اسلام ہماری راز کی باتیں معلوم کریں گے؟

(۷) اتنی بڑی رقم کہاں سے آئیگی؟

(۸) جب ہم ہمارے خاص مسائل طلاق وغیرہ کے بیان کریں گے تو غیر مسلم اس کو مذاق سمجھیں گے؟

(۹) بریلوی وغیرہ کے پروگرام بھی شائع کرنے پر حکومت مجبور کریگی اور قوالی بدعات وخرافات کی بھی نشر واشاعت ہوگی؟ پھر ان کے جوابات ہوں گے اور مناظرہ کی شکل بن جائیگی؟

(۱۰) ہماری اتفاق واتحاد والی جمعیت میں اختلاف پیدا ہوگا اور کہیں دوسری جمعیت وجود میں نہ آجائے؟

(۱۱) ریڈیو پر قرآن کی تلاوت، بیانات وغیرہ کا کوئی ادب ولحاظ نہیں ہوگا ایک تماشہ بن کر رہ جائیگا؟ اور علمائے کرام ایک خاص لہجہ میں تلفظ کے لیے غیر سے زبان سیکھیں گے اور حدیث کے الفاظ: **إن من أبغضكم إلي وأبعدكم مني مجلساً يوم القيامة الثرثارون والمتشدقون ...الخ.** کا مصداق بنیں گے؟

ان اشکالات کے جوابات کے ساتھ ساتھ دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) کیا ریڈیو سے دینی پروگرام شائع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مسلمانوں کے مفاد کی خاطر اور اسلام کی اشاعت کی خاطر مسلمانوں کو اپنا ذاتی ریڈیو اسٹیشن قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ممالکِ اسلامیہ میں ریڈیو پر قرآن کی تلاوت، تفسیر، احادیث، ملفوظاتِ مشائخ اور تقاریر شائع کی جاتی ہیں ان کا یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یا حرام یا مکروہ یا مندوب یا مباح یا مستحسن ہے۔ وضاحت مطلوب ہے؟

(۴) اپنی ذاتی رائے بھی بیان فرمائیں تا کہ فیصلہ کرنے میں ہمیں آسانی ہو۔

امید ہے کہ ہماری رہنمائی فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے، اجیبوا توجروا۔

اشکال (۱) کا جواب:

ہمارے خیال میں ریڈیو اسٹیشن کا قیام اور اس سے اسلامی پروگرام پیش کرنا جائز اور مفید ہے ہمارے اکابر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کو مفید سمجھ کر ہی تقاریر اور تفسیر نشر فرمائی۔ شاید مخالفین کی نظر سے حضرت قاری صاحبؒ کی ریڈیو کی تقریریں گزری ہوں گی، اس سے معلوم ہوا کہ جیسے ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے دعوت کا خاص نظم قوم کے سامنے پیش کیا اسی طرح ہمارے اکابرؒ نے ریڈیائی تقریریں نشر فرمائیں، اور ریڈیو اسٹیشن کو اپنے ملفوظات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا، اور ان کی مخالفت میں کسی بزرگ کا قول ہمیں معلوم نہیں۔

اشکال (۲) کا جواب: یہ فرمانا کہ ریڈیو سے ٹیلی ویژن اور وی سی آر تک ترقی ہوسکتی ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ نکاح کے جواز سے متعہ کے لیے راستہ ہموار ہوجائیگا، یا ریڈیو کے سننے سے گانوں کے سننے کا راستہ بن جائیگا، حالانکہ ریڈیو سب لوگ سنتے ہیں مگر ناجائز پروگرام بعض سنتے ہیں اور بعض نہیں، تو ریڈیو سننے کے بارے میں سائل کا کیا خیال ہے؟

اشکال (۳) کا جواب: ریڈیو کا پروگرام طباعت کے برابر مفید ہے نہیں؟ یہ مدعی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس میں فائدہ ہے یا نہیں حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اس کے فائدہ سے انکار ممکن نہیں، اس ملک اور قریبی ممالک کے لاکھوں آدمی اپنے کام کاج کے ساتھ ریڈیو سنتے ہیں اگر ان کے کانوں میں اپنے اکابر کے واقعات اور دین کا مثبت پروگرام پڑ جائیگا تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اشکال (۴) کا جواب: اس سے زندگی میں تبدیلی آتی ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ تو مشکل ہے، جیسے دینی مدرسہ کھولنے اور دینی علوم پڑھانے کے متعلق یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اس سے زندگی میں تبدیلی آتی ہے یا نہیں، جبکہ مدرسہ چلانے کو مابہ الافتخار سمجھا جاتا ہے اور واقعی ایک اہم ضرورت بھی ہے۔ تاہم فائدہ ضرور ہوتا ہے مفتی شفیع صاحبؒ کی ریڈیائی تقریروں سے ذہنی تبدیلی آئی، اور مفید سمجھ کر لوگوں نے فرمائش کی اور امت کے سامنے اتنا بڑا ذخیرہ آیا، تطویل سے دامن بچاتے ہوئے سائل کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ کم سے کم معارف القرآن جلدِ اول، ص۶۴، پڑھ لیجئے۔ جس میں افریقی ممالک کے مسلمانوں کی دلچسپی کا ذکر ہے رہا یہ کہ تمام مسلم ممالک میں یہ کام ہورہا ہے وہ مفید نہیں ہے یا زندگی کی تبدیلی کا سبب نہیں ہے یہ غیب تو ہم نہیں جانتے البتہ اتنا جانتے ہیں کہ جب غیر مسلم عیسائی اس کام پر کروڑوں ڈالر خرچ کرتے ہیں تو فائدہ ہوگا اسی لیے خرچ کرتے ہیں۔

اشکال (۵) کا جواب: اگر صحیح واقعات کو ڈرامائی اور غلط رنگ میں پیش کیا جائے تو یہ غلط ہوگا، باقی کبھی کوئی فرضی کہانی پیش کرنا اگر ناجائز ہو تو مقاماتِ حریری کے پڑھنے پڑھانے اور حاشیہ وتعلیق لکھنے کے متعلق کیا خیال ہے؟

اشکال (٦) کا جواب: جن حضرات نے خدشات ظاہر فرمائے ہیں انہوں نے بہت ہی قابل قدر کام کیا تاکہ خدشات ظاہر کرکے کام کرنے والوں اور ریڈیو اسٹیشن پر آنے والوں کے لیے سرمہ بصیرت اور برائی کے سامنے رکاوٹ ہو، باقی یہ کہ ریڈیو کے پروگرام سے غیر مسلم ہماری اندرونی باتیں معلوم کرتے ہیں اور پھر اعتراض کرتے ہیں تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اسلام پر اعتراض کرنے کا مواد پہلے سے ان کے پاس موجود

ہے، شاید عیسائیوں کی لکھی ہوئی کتابیں سائل کی نظر سے گزری ہوں گی، ریڈیو پر تو اسلام کا وہ مثبت پروگرام آئیگا جو دلوں کو اپیل کر سکے اور اسلام کی حقانیت واضح ہو سکے۔

اشکال (۷) کا جواب: ریڈیو اسٹیشن کی رقم کہاں سے آئیگی یہ ایسا سوال ہے جیسے کوئی کہدے کہ فلان جامعہ میں اتنی بڑی بلڈنگ بنائی جائیگی اس کی رقم کہاں سے آئیگی، بہرحال ریڈیو سے دلچسپی رکھنے والے حضرات غیر زکوٰۃ سے مدرسہ کی بلڈنگ کو بنوانے کیطرح اس کو بھی دیں گے، ہاں جو حضرات دلچسپی نہیں رکھتے وہ نہ دیں کسی پر جبر نہیں کرنا چاہئے۔

اشکال (۸) کا جواب: ہم جب اپنے مسائل بیان کریں گے تو غیر مسلم مذاق کریں گے، اس کے متعلق عرض ہے کہ آخر انہی مسائل میں انگلش میں کتابیں بھی چھپی ہوئی ہیں، جو تعجب یہاں نہیں ہوتا وہ ریڈیو پر بھی نہیں ہوگا، آخر حج کی کتابیں جو انگلش میں موجود ہیں، ان کے متعلق غیر مسلم کیا کہتے ہیں؟ جبکہ حج کے اکثر افعال خلافِ قیاس اور عوام کی سمجھ میں نہ آنے والے ہیں، ہمارا فرض ہوگا کہ عوام کی سمجھ میں آنے والے پروگرام پیش کیا کریں، ہاں بضرورت دوسرے پروگرام جو سمجھ میں نہیں آتے بہتر انداز میں پیش کرلیں، آخر ہم ہوٹلوں میں گراجوں میں وضو کرتے ہیں کیا یہ غیر مسلموں کی سمجھ میں آتا ہے؟

اشکال (۹) کا جواب: بریلویوں کو ریڈیو اسٹیشن قائم کرنے کا شوق ہو تو وہ اپنا اسٹیشن قائم کریں جب اسٹیشن کسی خاص جماعت کا ہو تو مخالف لوگوں کو اپنا مذہبی پروگرام پیش کرنے کا حق نہیں ہونا چاہئے، تاہم اگر حکومت کی طرف سے جبر اور زبردستی ہو تو فریق مخالف کے سنجیدہ لوگوں کے مثبت اور غیر اختلافی پروگرام رکھنے کے بارے میں ریڈیو کے اربابِ حل عقد غور کر سکتے ہیں۔

اشکال (۱۰) کا جواب: جمعیت کے بالمقابل جمعیت کا وجود میں آنا سمجھ میں نہیں آتا، اگر جمعیت کوئی ایسا کام کرتی ہے جس کے عدمِ جواز پر اتفاق ہوتا تو جمعیت کے مقابل متوازی جمعیت کی گنجائش تھی، لیکن جواز کے حدود میں رہتے ہوئے جمعیت کوئی اقدام کرے اور صرف رائے کے اختلاف کو جمعیت سبوتاژ کرنے کا ذریعہ بنا دیا جائے تو یہ بات معقول نہیں ہو سکتی ہاں جذبات کی علامت ہو سکتی ہے۔

اشکال (۱۱) کا جواب: ادب سے تلاوت وغیرہ کے سننے کا جو معاملہ کیسٹوں کے ساتھ ہوتا ہے وہی معاملہ اسٹیشن کے پروگرام کے ساتھ ہوگا، اور ادب کی جو تلقین کیسٹوں میں ہوتی ہے وہ یہاں بھی ہوگی، باقی ’’الثرثارون المتشدقون‘‘ والی حدیث تو قاریوں اور دوسرے حضرات کے لیے برابر ہے، سب کو اس حدیث

کا مصداق بننے سے اجتناب کرنا چاہئے، رہی ان کی طرح زبان بولنے کی بات تو فصیح و بلیغ زبان بولنا چاہئے اس میں کسی کے ساتھ مشابہت کی رعایت نہ کی جائے، اسلامی ممالک پر امریکہ کے قبضہ کی بات تو صحیح ہے، لیکن ریڈیو کا نصب العین ہی امریکہ وغیرہ کے پروپیگنڈہ کو مثبت انداز میں نا کام بنانا ہونا چاہئے، رہی یہ بات کہ ہر مجلس میں سامعین کی رعایت ہوتی ہے اوران کی استعداد کے مطابق بات ہونی چاہئے تو جیسے اس بات کی رعایت جامع مسجدوں میں رکھی جاتی ہے جبکہ وہاں بوڑھے، بچے جوان سب ہوتے ہیں اسیطرح یہاں بھی رکھی جائیگی، باقی دعوت وتبلیغ کے لیے وہی طریقہ رکھنا چاہئے جو انبیاء ورسل کا ہے لیکن اس کے ساتھ اس طریقہ کو ملانے میں کوئی حرج نہیں، آخر کھانے کے ساتھ چٹنی ملانے میں کیا حرج ہے۔

اب دریافت طلب امور کے جوابات اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

جواب: (۱) ریڈیو سے دینی پروگرام پیش کرنا اورنشر کرنا حدودِ شریعت میں رہ کر جائز ہے۔

جواب: (۲) ذاتی ریڈیو اسٹیشن قائم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس پروگرام کو مفید بنانے کی اہلیت وفرصت ہو ورنہ اس میں پڑنا ہی نہیں چاہئے، بلکہ پھر کسی دیندار طبقہ کو آگے کر کے ان سے کچھ وقت طلب فرمائیں۔

جواب: (۳) اگر ممالکِ اسلامیہ میں شرعی حدود میں ریڈیو اسٹیشن موجو ہوتو وہ مباح اور حسن لغیرہ ہے۔ جیسے کھانا کھانا اس نیت سے کہ عبادت کے لیے طاقت حاصل کرلوں حسن لغیرہ ہے۔

جواب: (۴) فقیر کا خیال یہ ہے کہ اگر اس ریڈیو اسٹیشن کے مالہ وما علیہا کو صحیح طور پر بجالا سکتے ہوں اور اخراجات کی طاقت ہو اوراس کے لیے رجال کار میسر ہوں تو اس کو خرید لیا جائے ورنہ خدا حافظ کہدیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ریڈیو پر خبریں نشر کرنے کے ضوابط:

سوال: ریڈیو پر جو خبریں نشر کی جاتی ہیں ان کے شرعی اصول وضوابط کیا ہیں؟

الجواب: اس سلسلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک مقالہ ''اخبار بینی'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے جس میں اخبار بینی کے بے لذت گناہوں کی نشاندہی کی ہے، اوراس کے ساتھ ساتھ کچھ شرعی اصول وضوابط جمع فرمائے ہیں جن کی پابندی کرتے ہوئے اخبارات سے یہ خرابیاں دور کی جاسکتی ہیں، لہذا یہی اصول وضوابط ریڈیو کے لیے بھی رہیں گے:

اس سلسلہ میں سب سے جامع اور مانع اصول یہ ہے کہ جس وقت کسی چیز کے لکھنے یا نشر کرنے کا ارادہ

کرے پہلے اپنے ذہن میں استفتاء کرے کہ اس کا لکھنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ثابت ہو تو قدم آگے بڑھائے اور اگر خود احکامِ شرعیہ میں ماہر نہ ہو تو کسی ماہر سے استفتاء کرنا ضروری ہے، یہ ایک شرعی اجمالی قانون ہے جو ہر قسم کی تحریر میں ہر مسلمان کے مطمحِ نظر ہونا چاہئے، اس کے بعد ہم اس کی تفصیل چند نمبروں میں ذکر کرتے ہیں:

(۱) جو واقعہ کسی شخص کی مذمت اور مصائب پر مشتمل ہو اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجتِ شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے کیونکہ جھوٹا الزام لگانا افتراء باندھنا کسی کافر پر بھی جائز نہیں ہے۔

(۲) یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حجتِ شرعیہ کے لیے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ شہادتِ شرعیہ ضروری ہے کیونکہ دورِ حاضر کے موجودہ تمام اخبارات کے صدہا تجربات نے اس بات کو نا قابل انکار کر دیا ہے کہ بہت سے مضامین اور واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اور جس شخص کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں اس غریب کو خبر تک نہیں ہوتی اور یہ صورت کبھی تو قصداً کی جاتی ہے اور کبھی سہواً خطا ہو جاتی ہے، اس لیے اگر کسی اخبار میں کسی شخص کے حوالہ سے کوئی مضمون یا واقعہ نقل کر دیا جائے تو شرعاً اس کو ثابت نہیں کہا جا سکتا، البتہ اگر یہ واقعہ کسی کی مذمت یا مضرت وعیب جوئی پر مشتمل نہ ہو تو پھر یہ ضعیف ثبوت بھی کافی ہے اور اس کو نقل کر کے شائع کر دیا جائے۔

(۳) کسی شخص کا عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجتِ شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت کرنا جائز نہیں بلکہ اس وقت بھی اسلامی فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے اگر سمجھانے سے نہ مانے اور آپ کو قدرت ہو تو بجبر اس کو روک دے ورنہ کلمہ حق پہنچا کر آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں، اس کی اشاعت کرنا اور رسوا کرنا تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے اور اس لیے رحمۃً للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس کی تاکید فرمائی ہے کہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب یا گناہ ثابت ہو تو اس کو رسوا نہ کرے بلکہ پردہ پوشی سے کام لے اور خفیہ اس کو سمجھائیں کیونکہ یہی طرز زیادہ مؤثر اور مفید ثابت ہوا ہے۔

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا ایسا عیب یا گناہ حجتِ شرعیہ سے ثابت ہوا کہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہنچتا ہے اور یہ اس سے مظلوم ٹھہرتا ہے تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے، اس کے متعلق حق تعالیٰ کا

ارشاد ہے: ﴿لا یحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم﴾ کہ اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جن پر ظلم کیا گیا (وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کر سکتا ہے) (روح المعانی) لیکن اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس کی دادرسی کر سکیں۔

(۵) اگر کسی اخبار میں کوئی قابل تردید غلط مضمون کسی شخص کے نام سے طبع ہوا ہو تو اس کے جواب میں صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ فلاں اخبار نے ایسا لکھا ہے اس کا جواب یہ ہے، اس شخص کی ذات پر کوئی حملہ نہ کیا جائے کیونکہ ابھی تک کسی حجتِ شرعیہ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ واقع میں یہ مضمون اسی شخص کا ہے۔

(۶) جو خبر کسی شخص کی مذمت اور ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہے مگر اس شرط سے کہ کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو اور جن میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز ان لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لیے ہوئے ہوں عام لوگوں پر اس کو ظاہر کرنا نہ چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصانات کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہنچی ہو، آیت ﴿وإذا جاء هم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به﴾ میں ایسے ہی اخباروں اور جلسوں کی مضرت اور مذمت کو بیان فرمایا ہے، لیکن مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ اس کو بھی محض خبر کی حیثیت سے نقل نہ کرے بلکہ اس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیدا کرے، اول تو کوئی واقعہ اور کوئی خبر دنیا میں ایسی کم ہوتی ہے جو نتیجہ خیز نہ ہو یا جن سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متصور نہ ہو، لیکن اگر کوئی خبر ایسی بھی ہو تب بھی اس کو محض تفریح طبع کے مد میں ذکر کر دینا مضائقہ نہیں بلکہ یہ بھی ایک درجہ میں شرعاً مطلوب ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض اوقات مزاح فرمانا اسی حکمت پر مبنی تھا۔

(۷) خلافِ شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جن پرچہ میں (یا مجلس میں) وہ شائع ہوں اسی میں ان کی تردید اور شافی جواب بھی ضرور شائع کر دئے جائیں، آئندہ پرچہ پر (یا مجلس میں) اس کو حوالہ نہ کیا جائے کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گزرتے خدانہ خواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہ میں گرفتار ہو گئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا۔

(۸) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جب تک ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجتِ شرعیہ سے ثابت نہ ہو اس طرح شائع کیا جائے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں، مسلمان ان مظالم کا انسداد کریں اور جائز طریق پر اس کی جانی و مالی امداد کریں۔

(۹) اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علومِ اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو اور مذہب سے ہمدردی رکھنے والا ہو ورنہ ظاہر ہے کہ اخبارات اشاعت بے دینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے۔

(۱۰) کسی ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل چہارم

آلاتِ جدیدہ سے تصویر کشی کے احکام

ڈیجیٹل کیمرے سے تصویر کشی کا حکم:

سوال: تصویر کس کو کہتے ہیں اور تصویر کشی کا کیا حکم ہے؟ نیز ڈیجیٹل کیمرے کے ذریعہ تصویر لینے کا کیا حکم ہے؟ تفصیل اور وضاحت مطلوب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱) جاندار کی تصویر جو ہاتھوں سے بنائی جائے اس کا بنانا اور استعمال کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔ احادیث سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:" إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة، يقال لهم: أحيوا ما خلقتم". (اخرجه البخاری:،رقم: ۵۹۵۱، باب عذاب المصورين يوم القيامةومسلم:۲/۲۰۱).

وعن مسلم قال: كنا مع مسروق فی دار يسار بن نميرفرأی فی صفته تماثيل فقال: سمعت عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم يقول: إن أشد الناس عذاباً عند اللّٰہ يوم القيامة المصورون. (اخرجه البخاری، رقم: ۵۹۵۰،باب عذاب المصورين يوم القيامة،ومسلم:۲/۲۰۱).

وعن عمارة قال: حدثنا أبوزرعة قال: دخلت مع أبي هريرة رضی اللہ عنہ داراً بالمدينة فرأى أعلاها مصوِّراً يصور قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم يقول: ومن أظلم ممن

ذهب يخلق كخلقي فليخلقوا حبة وليخلقوا ذرة . (رواه البخاری ، رقم: ۵۹۵۳، باب باب نقض الصور،ومسلم : رقم:۲۱۱۱).

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن أبي طلحة رضی اللہ عنہ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير. (رواه البخاری ، رقم: ۵۹۴۹ باب التصاويرومسلم:۲/۲۰۰،قديمی).

وعن عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ قال: سمعت محمداً صلى الله عليه وسلم يقول: من صور صورة في الدنيا كلف يوم القيامة أن ينفخ فيها الروح وليس بنافخ. (اخرجه البخاری ،رقم: ۹۶۳، باب من صورصورة ، ومسلم : ۲۱۱۰).

عن عون بن أبي جحيفة قال: رأيت أبي اشترى حجاماً فأمر بمحاجمه فكسرت فسألته عن ذلك قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب الأمة ولعن الواشمة والمستوشمة وآكل الربا وموكله ولعن المصور. (اخرجه البخاری ،رقم: ۲۲۳۸ ،باب ثمن الكلب،وكذا رقم: ۵۹۶۲ ،في باب من لعن المصور).

وعن عبد الرحمن بن القاسم وما بالمدينة يومئذٍ أفضل منه قال: سمعت أبي قال: سمعت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم من سفر وقد سترت بقرام لي على سهوة لي فيها تماثيل فلما رأه رسول الله صلى الله عليه وسلم هتكه وقال: أشد الناس عذاباً يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله ... (اخرجه البخاری،رقم: ۵۹۵۴،باب ماوطئ من التصاوير).

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصورة في البيت ونهى أن يصنع ذلك . (اخرجه الترمذی ،رقم: ۱۷۴۹،وقال: حديث حسن صحيح).

وعن أبي وائل عن أبي الهياج الأسدي قال: قال لي علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم أن لاتدع تمثالاً إلا طمسته ولا قبراً مشرفاً إلا سويته . وفي رواية وقال: ولا صورة إلا طمستها. (رواهما مسلم،رقم: ۹۶۹،باب الامر بتسوية القبر). (وايضاً اخرجه النسائی ، رقم : ۲۰۳۱).

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن أم سلمة ذكرت لرسول الله صلى الله عليه وسلم

كنيسة رأتها بأرض الحبشة يقال لها مارية فذكرت له مارأت فيها من الصور فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أولئك قوم إذا مات فيهم العبد الصالح أوالرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً وصوروا تلك الصور أولئك شرار الخلق عند اللّٰه . (رواه البخاري،رقم: ٤٣٤، باب الصلاة فى البيعة ،ومسلم ،رقم: ٥٢٨).

وعن عبد اللّٰه بن نجي الحضرمي عن أبيه عن علي رضي الله عنه ،في حديث طويل عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه ذكر عن جبريل عليه السلام أنه قال: إنها ثلاث لن يلج ملك ما دام فيها أبداً واحد منها كلب أو جنابة أو صورة روح . (اخرجه الامام احمدفى مسنده،رقم: ٦٤٧،وقال الشيخ شعيب : اسناده ضعيف).

مذکورہ تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذی روح کی تصویر بنانا رکھنا استعمال کرنا سب ممنوع اور ناجائز ہے۔علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم . وهو من الكبائر، لأنه متوعد عليه بهذا الوعيد الشديد المذكور فى الأحاديث ، وسواء صنعه بما يمتهن أو بغيره ، فصنعته حرام بكل حال ، لأن فيه مضاهاة لخلق اللّٰه تعالىٰ... وأما اتخاذ المصور فيه صورة حيوان فإن كان معلقاً على حائط أو ثوباً ملبوساً ، أو عمامة ونحو ذلك مما لا يعد ممتهناً ، فهو حرام ، وإن كان في بساط يداس، ومخدة ووسادة ونحوها مما يمتهن ، فليس بحرام ...ولا فرق في هذا كله بين ماله ظل ومالا ظل له ، هذا تلخيص مذهبنا فى المسالة ، وبمعناه قال جماهير العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم ، وهو مذهب الثوريؒ ومالكؒ وأبي حنيفةؒ وغيرهم . (الشرح الكامل: ١٤/ ٨١،باب تحريم تصويرصورة الحيوان،ط:بيروت). (وكذا في عمدة القارى:١٥/ ١٢٤، باب عذاب المصورين ، وفتح البارى : ١٠/ ٣٨٤، ومرقاة المفاتيح:٨/ ٣٢٦، باب التصاوير، والبحرالرائق: ٢/ ٤٨، ط: رشيديه، وحاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ١/ ٢٧٣، و فتاوى الشامى: ١/ ٦٤٧، سعيد).

علامہ نوویؒ اور دیگر شراح اور فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بے سایہ تصویر کا استعمال مطلقاً ممنوع نہیں ہے مقامِ تعظم اور اکرام میں مثلاً تصویر کو احترام کے ساتھ لٹکانا، سامنے رکھنا، دیواروں پر لٹکانا، اس طرح

رکھنا کہ تعظیم کا احساس ہوتا ہو، یہ سب ممنوع اور ناجائز ہے، لیکن مقامِ اہانت میں مثلاً: فرش، تکیہ وغیرہ میں ایسی تصویریں ہوں تو مضائقہ نہیں۔

ملاحظہ ہو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أنه كان لها ثوب فيه تصاوير ممدود إلى سهوة فكان النبي صلى الله عليه وسلم يصلى إليه فقال: أخِّريه عني قالت: فأخَّرتُه فجعلته وسائد. (رواه مسلم، رقم: ٢١٠٧).

وفي رواية له عنها: قالت: فقطعناه فجعلنامنه وسادة أو وسادتين. (مسلم، رقم: ٢١٠٧).

نوٹ: جو فرش محل اہانت میں نہ ہو مثلاً: مصلیٰ وغیرہ تو اس میں تصویر رکھنا جائز نہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تصویر کے شرعی احکام، ص۸۴، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ)۔

☆ اسی طرح بہت چھوٹی تصویریں رکھنا بھی جائز ہیں، (ہاں بنانا جائز نہیں) جیسے روپے اور انگوٹھی وغیرہ میں، البتہ چھوٹی اور بڑی کی تحدید میں اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک بڑی وہ ہے جو بے تکلف پہچان میں آجائے اور بعضوں کے نزدیک وہ جو پرندہ سے کم حجم کی ہو نیز سر کٹی بھی ممنوع نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے: **ولو كانت صغيرة بحيث لا تبدو للناظر إلا بتأمل، لايكره، وإن قطع الرأس فلا بأس به.** (الفتاوى الهندية: ١/١٠٧، تبيين الحقايق: ١/١٦٦).

وفي المحيط البرهاني: وصورة الحيوان إن كانت صغيرة بحيث لا تبدو للناظر من بعيد لايكره اتخاذها والصلاة إليها؛ لأن هذا مما لا يعبد، وقد صح أنه كان على خاتم أبي هريرة رضي الله عنه ذبابتان، وكان خاتم أبي موسى الأشعري كركيان، وكان خاتم دانيال عليه السلام صورة الأسد. (المحيط البرهاني: ٥/١٣٦، كتاب الاستحسان والكراهية، ط: داراحياء التراث العربى).

(وکذا فی قاموس الفقہ: ۲/۴۷۰، وجواہر الفتاویٰ: ۷/۲۵۸)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

جو تصویریں اس قدر چھوٹی ہوں کہ اگر وہ زمین پر رکھی ہوں اور کوئی متوسط بینائی والا آدمی کھڑا ہو کر دیکھے تو تصویر کے اعضاء کی تفصیل دکھائی نہ دے، ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگرچہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے، ...چھوٹی تصویر کی تعریف میں جو قول ہم نے نقل کیا ہے یہ زیادہ جامع ہے اور تعیین وتحدید اس

طرح سہل ہو جاتی ہے ورنہ اس کے علاوہ چھوٹی کی تحدید میں اور بھی اقوال ہیں۔(تصویر کے شرعی احکام،ص۸۳)۔

(۲) غیر جاندار جیسے درخت اور پھول وغیرہ کی تصویر بالاتفاق جائز ہے ہاں اس شغل میں اتنا مشغول نہیں ہونا چاہئے کہ آدمی اصل مقصد بھول جائے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله عنه إذ أتاه رجل فقال: يا ابن عباس إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي وإني أصنع هذه التصاوير فقال ابن عباس رضي الله عنه: لا أحدثك إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سمعته يقول: من صور صورة فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها أبداً فربا الرجل ربوة شديدة واصفر وجهه فقال: ويحك إن أبيت إلا أن تصنع فعليك بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح .

(اخرجه البخاری، رقم: ۲۲۲۵،باب بيع التصاوير التی ليس فيها روح ومايكره من ذلك).

اس حدیث کے تحت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: **ذكر ما يستفاد منه :...وفيه إباحة تصوير ما لا روح له كالشجر ونحوه وهو قول جمهور الفقهاء وأهل الحديث فإنهم استدلوا على ذلك بقول ابن عباس رضي الله عنه .** (عمدة القاری:۵۴۸/۸، باب بيع التصاوير،دارالحديث، ملتان).

وفی الفتاوی الهندية: ولا يكره تمثال غير ذی الروح كذا فی النهاية . (الفتاوی الهندية: ۱۰۷/۱).

(۳) آج کل کے جدید آلات سے جو تصویر لی جاتی ہے اور اس میں صاف کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی بلکہ بٹن دباتے ہی تصویر بن جاتی ہے جیسے سر جھکا کر شیشہ کے سامنے آجاتا ہے اور عکس آجاتا ہے اس کے تصویر ہونے یا نہ ہونے میں علماء عصر کا اختلاف ہے:

ایک جماعت کہتی ہے کہ تصویر کی تعریف یہ ہے: " **تشبيه مصنوع العباد بمخلوق رب العباد** " تو زمانہ حال کی تصویر میں " **تشبيه المصنوع بالمخلوق** " نہیں ہے بلکہ حبس ظل المخلوق ہے لہذا اس پر تصویر کی تعریف صادق نہیں آتی تو اس کا بنانے والا تصویر بنانے والے کی وعید کے زمرے میں نہیں آئیگا۔

مسلم شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " **ومن أظلم ممن ذهب يخلق خلقاً كخلقي فليخلقوا ذرة الخ.** (متفق عليه ، رواه البخاری ، رقم: ۵۹۵۳، باب نقض الصور، و مسلم ، رقم: ۲۱۱۱، باب تحريم تصويرصورة الحيوان) ،اس حدیث میں تشبیہ کے

الفاظ موجود ہیں۔اس سلسلہ میں چند الفاظ کی وضاحت ملاحظہ کیجئے:

(۱) صنم: وہ بت جو انسانی شکل پر بنا ہو اس کو صنم کہتے ہیں۔کتاب الاصنام میں ہشام ابن الکلبی سے روایت ہے؛ **حدثنا الحسن بن عليل قال: حدثنا على بن الصباح قال: قال لنا أبو المنذر هشام بن محمد: إذا كان معمولاً من خشب أوذهب أو من فضة صورة إنسان، فهو صنم ، وإذا كان من حجارة فهو وثن .** (كتاب الاصنام ،ص٥٣ ط: دارالكتب المصرية ، القاهرة).

(۲) تمثال: جو کسی انسان وحیوان وغیرہ کے ساتھ مشابہ ہو اس کو تمثال کہتے ہیں۔

قال ابن الجوزي في غريب الحديث: تمثال : وهو اسم للشيء المصنوع مشبهاً لصور الحيوانات . (غريب الحديث:٢/٣٤١). (وكذا فى عمدة القارى :٩/٢٤٢،باب هل تكسرالدنان التى فيها الخمر، ط:دارالحديث ، ملتان، وشرح الزرقانى على المؤطا:٤/٤٦٨،باب ماجاء فى الصور،دارالكتب العلمية).

(۳) وثن: جو پتھر وغیرہ سے بنا ہوا بھاری ہو اس کو وثن کہتے ہیں۔(کذا فی کتاب الاصنام، کمامر).

(۴) صورت: جو قائم بالغیر ہو اس کو صورت کہتے ہیں ہاں کبھی جسم قائم بذاتہ کو بھی کہتے ہیں، ﴿**في أى صورة ما شاء ركبك**﴾. **وينظر**:(التعاريف،ص٤٦٥، دارالفكر، ولسان العرب:٤/٤٧٣،والمغرب:١/٤٨٦).

(۵) نصب: جمعہ انصاب، اس نصب شدہ پتھروں کو کہتے ہیں جس کے پاس غیر اللہ کے لیے نذر شدہ جانور ذبح کرتے تھے۔ **قال فى النهاية : النصب: حجر كانوا ينصبونه فى الجاهلية ويتخذونه صنماً فيعبدونه والجمع : أنصاب وقيل: هوحجر كانوا ينصبونه ويذبحون عليه فيحمر بالدم .** (النهاية فى غريب الاثر:٥/١٤٠، المكتبة العلمية، بيروت).

چنانچہ علماء کرام کی یہ جماعت کہتی ہے کہ آلاتِ جدیدہ سے تصویر لینے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ایک وہ جو غلط مقاصد کے لیے یا فضول تصویریں لیتے ہیں ان کا یہ کام ناجائز ہے اس لیے کہ اس تصویر لینے میں دینی ضرر اور فتنہ ہے اور یہ کام مخربِ اخلاق اور بے شمار فتنوں کا دروازہ ہے اس لیے یہ ناجائز ہے۔

دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو صحیح مقصد کے لیے یا کسی ضرورت کے لیے تصویر بنواتے ہیں۔

اگر آلاتِ جدیدہ کی تصویر کو ہم حرام تصویر کے اندر داخل کر دیں تو امتِ مسلمہ حرجِ عظیم میں مبتلا ہو جائیگی جس سے اولیاء اور علماء سے لیکر ایک ادنی مسلمان تک گناہ سے نہیں بچ سکیں گے، اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں تا کہ حرجِ عظیم سمجھ میں آجائے۔

بے شمار علماء صلحاء نفلی حج ، دوست واحباب کی ملاقات وعظ ونصیحت کے لیے پاسپورٹ کے ساتھ بیرونی ممالک کا سفر کرتے ہیں پاسپورٹ ، ویزا کے لیے فوٹو ضروری ہے ، اس لیے فوٹو نکلواتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں مذکورہ بالا سفر مستحب ہے یا مباح اگر جدید آلات کی تصویر کو ہم حرام کہہ دیں تو کیا مباح یا مستحب کے لیے حرام کا ارتکاب جائز ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں اگر بیرونی مستحب سفر کے لیے ڈاڑھی کا منڈوانا ضروری قرار دیا جائے تو کیا جائز ہو جائیگا قطعاً نہیں ، اس لیے علماء کی اس جماعت کے نزدیک موجود تصویر جو جدید آلات سے لی جاتی ہے اور آگے اس میں صفائی وغیرہ کا انسانی دخل نہیں ہوتا اس کے نزدیک تصویر نہیں ، ہاں اگر کبھی فحاشی اور دینی ضرر پر مشتمل ہو تو پھر نا جائز ہوگی ۔

ملاحظہ ہو حضرت مولانا مفتی رفیع صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

الثالث : حكم الصور الملتقطة بالكاميرا الفوتوغرافية :

وأما الصور الفوتوغرافية التي تسمى" الصور الشمسية " فاختلف في جوازها العلماء المعاصرون .

فأما القائلون بالجواز فعللوه بعلل شتى: فمنهم من علل الجواز بعدم المضاهاة لخلق الله تعالىٰ في هذا النوع من الصور، وعلى رأسهم العلامة الشيخ محمد بخيت مفتي مصر رحمه الله ، ونصه ما يلي :

" إذا تقرر هذا فنقول: إن علة حرمة التصوير على ما تقدم هي مضاهاة خلق الله تعالىٰ و ذلك لأن معنى التصوير هو إيجاد الصورة بمعنى أن المصور يحدث صورة حيوان بفعله وصنعه حتى بذلك يكون مضاهياً لخلق الله ويعذب يوم القيامة ويقال: انفخ فيها الروح وليس بنافخ أو يقال لهم: أحيوا ماخلقتم، وحينئذٍ ينظر فيما يفعله بعض الناس في عصرنا من أخذ صور الحيوانات من الأناس وغيرهم بالآلة المسماة " الفوتوغرافية " إن كان فيه معنى التصوير أو ليس فيه معنى التصوير؟ وهل توجد فيه علة التحريم المذكور أو لا توجد؟ (إلى قوله) إذا تقرر هذا وعلمت أن أخذ الصور بالفوتوغرافيا ليس إلا حبس الظل الناشي بخلق الله تعالىٰ من مقابلة الأجسام...وعلمت أن أخذ الصورة على هذا الوجه ليس إيجادالصورة ومعنى التصوير لغة وشرعاً هو إيجاد الصورة وصنعها بعد أن لم تكن ، فلم يكن ذلك

الأخذ تصويراً وليس فيه معنى التصوير والمضاهاة لخلق الله ". (الجواب الشافى فى اباحة التصوير الفوتوغرافى، ص۲۲).

ومنهم من قال: إن علة تحريم الصور هي العبادة والتعظيم لها، والصور الشمسية لاتعبد ، وإليه ذهب الشيخ محمد رشيد رضا، صاحب تفسير المنار ، قائلاً : إن المحرم من التصوير هو ما اتخذ للعبادة والتعظيم ، ونصه فيما يلي :

إن المحرم من التصوير هو ما اتخذ للتعظيم ، لأن فى الصور المعظمة محاكاة لعبادة الأصنام والعلة تدور مع المعلول وجوداً وعدماً ، وأهل هذا الزمن لايتخذون الصور للعبادة ولا التعظيم وإنما تتخذ الصور الآن في مجالات الطب والعلوم الطبيعية والتاريخ ، وتحقيق الشخصية ". انتهى .

ومنهم من علل جواز التصوير الفوتوغرافى بعدم كونه تصويراً حقيقياً، بل هو عندهم من قبيل العكس الذى يظهر على المرآة أو على الماء أو على سطح صيقل، وإليه ذهب عدد كبير من علماء البلاد العربية ، وعلى رأسهم العلامة الشيخ أحمد الخطيب من علماء مكة المكرمة فى القرن الماضي فقد أفتى بجوازه مطلقاً ، والعلامة الشيخ محمد على السايس ، كما نقله الشيخ محمد على الصابوني في كتابه " حكم الإسلام فى التصوير " (ص٤٩) **وفي كتابه " آيات الأحكام "** (٤١٥/٢)**: ونصه ما يلي :**

ولعلك تريد بعد ذلك أن تعرف حكم ما يسمى بالتصوير الشمسي أو (الفوتوغرافى) فنقول: يمكنك أن تقول: إن حكمها حكم الرقم فى الثوب وقد علمت استثناءه نصاً ، ولك أن تقول : إن هذا ليس تصويراً بل حبس للصورة وما مثله إلا كمثل الصورة فى المرآة ولايمكنك أن تقول: إن ما فى المرآة صورة وأن أحداً صورها ، والذى تصنعه آلة التصوير هو صورة لما فى المرآة، غاية الأمر أن مرآة الفوتوغرافية تثبت الظل الذى يقع عليها والمرآة ليس كذلك ثم يقول: وما دام فى الشريعة فسحة بإباحة هذه الصور كاستثناء الرقم فى الثوب فلا معنى لتحريمها خصوصاً وقد ظهر أن الناس قد يكونون في أشد الحاجة إليها .

ونقل الشيخ محمد بن أحمد على واصل فى "أحكام التصوير" عن بعض العلماء (ص٣٣٦) :

" إن التصوير الآلي بما في ذلک التصوير الفوتوغرافى شبيه تماماً بالصورة التى تظهر على المرآة أوعلى الماء أوعلى اى سطح لامع ولايستطيع أحد أن يقول: إن ما يظهر على المرآة ونحوها حرام ، لكونها صورة، وهكذا صورة الفوتوغرافية، إلا أن مرآة الفوتو غرافية تثبت الظل الذى يقع عليها والمرآة ليس كذلک، وليس هذا فى الحقيقة تصويراً بل أنه إظهار واستدامة لصورة موجودة وحبس لها عن الزوال . (مقالة "التصوير بالكاميرا والفيديو والرسم فى المساجد والمدارس الاسلامية للشيخ المفتى رفيع العثمانى،ص ٥١، ٥٢، ط:الموسسة الاسلامية ،تورنتو).

وينظر : (الجواب الشافى فى اباحة التصوير الفوتوغرافى، للشيخ مفتى الديارالمصرية محمد بخيت المطيعى الحنفى ،ط: المطبعه الخيرية ادارة السيد محمد عمر الخشاب، وتكملة فتح الملهم: ١٦٢/٤)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی فرماتے ہیں:

...سلفِ صالحین کے زمانہ سے ایک گروہ ایسی تصویر کی حرمت کا قائل رہا ہے جو سایہ دار ہو یعنی مجسمے ، بے سایہ تصویریں جیسے کاغذی تصویریں ان کے نزدیک جائز ہیں، عینیؒ کا بیان ہے: **وقال قوم: إنما كره من ذلک ما له ظل ولا ظل له فليس به بأس** ،امام نوویؒ نے بھی ایک جماعت علماء سے ایسی تصویروں کا جواز نقل کیا ہے،اوراسی بنا پر قاضی عیاض نے صرف سایہ دار تصویر یعنی مجسمہ کی حرمت پر اجماع واتفاق نقل کیا ہے اور اس سے بھی گڑیا کو مستثنیٰ رکھا ہے...

ذی روح کی بڑی بے سایہ تصویروں کے سلسلہ میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے،سلفِ صالحین کی ایک جماعت خصوصیت سے فقہائے مالکیہ کا ایک طبقہ اس کے جواز کا قائل ہے جب کہ اکثر فقہاء اس کو اصلاً ناجائز کہتے ہیں۔(حلال وحرام،ص۲۲۶۔۲۲۹)۔ (وکذا فی جدید فقہی مسائل:۱/۳۵۴۔۳۵۹،وقاموس الفقہ : جلدِ دوم،ص۴۷۰)۔

لیکن دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ موجودہ جدید آلات کی تصویر شرعی تصویر کے حکم میں ہے بلکہ اس سے زیادہ مضر ہے۔ملاحظہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

ولكن كثيراً من علماء البلاد العربية ، وجلهم أوكلهم فى البلاد الهندية ، قد أفتوا بأنه لا فرق بين الصورة المرسومة والصورة الشمسية فى الحكم ، ولنحک لک أقوال بعض المعاصرين من علماء البلاد العربية :

قال الشيخ مصطفى الحمامى في كتاب'' النهضة الإصلاحية '' (ص٣٦٤و ٥٦٥): وإني أحب أن تجزم الجزم كله أن التصوير بآلة التصوير (الفوتوغراف) كالتصوير باليد تماماً ، فيحرم على المؤمن تسليطها للتصوير ، ويحرم عليه تمكين مسلطها لالتقاط صورته بها ، لأنه بهذا التمكين يعين على فعل محرم غليظ ، وليس من الصواب فى شيء ما ذهب إليه أحد علماء عصرنا هذا من استباحة التصوير بتلك الآلة بحجة أن التصوير ما كان باليد والتصوير بهذه الآلة لا دخل لليد فلا يكون حراماً ، وهذا عندي أشبه بمن يرسل أسداً مفترساً فيقتل من يقتل أويفتح تياراً كهربائياً يعدم كل من مر به أو يضع سماً في طعام فيهلك كل من يتناول من ذلك الطعام ، فإذا وجه إليه اتهام بالقتل قال: أناْ لم أقتل ، إنما قتل السم والكهرباء والأسد...''

قال الشيخ محمد ناصر الدين الألباني في كتابه آداب الزفاف '' وقريب من هذا تفريق بعضهم بين الرسم باليد وبين التصوير الشمسي يزعم أنه ليس من عمل الإنسان ! وليس من عمله فيه إلا إمساك الظل فقط ! كذا زعموا ، أما ذلك الجهد الجبار الذى صرفه المخترع لهذه الآلة حتى استطاع أن يصور في لحظة ما لايستطيعه بدونها فى ساعات ، فليس من عمل الإنسان عند هؤلاء ! ...

و ثمرة التفريق عندهم أنه يجوز تعليق صورة رجل مثلاً فى البيت إذا كانت مصورة بالتصوير الشمسى ، ولا يجوز ذلك إذ كانت مصورة باليد ! ...أما أناْ فلم أره مثلاً إلا جمود بعض أهل الظاهر قديماً ، مثل قول أحدهم في حديث'' نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن البول فى الماء الراكد'' قال : فالنهي عنه هو البول فى الماء مباشرة أما لو بال في إناء ثم أراقه فى الماء فهذا ليس منهيا عنه ''.

وقال الشيخ محمد على الصابوني في رسالته ''حكم الإسلام فى التصوير''(ص: ١٥) وفي تفسير آيات الأحكام:'' إن التصوير الشمسي لايخرج عن كونه نوعاً من أنواع التصوير فما يخرج بالآلة يسمى صورة والشخص مصوراً ، فهو وإن كان لا يشمله النص الصريح ، لأنه ليس تصويراً باليد ، وليس فيه مضاهاة لخلق اللّٰه ، إلا أنه لا يخرج عن كونه ضرباً من

ضروب التصوير، فينبغي أن يقتصر فى الإباحة على حد الضرورة ".

آخر میں حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب بطورِ قولِ فیصل لکھتے ہیں:

والواقع أن التفريق بين الصور المرسومة والصور الشمسية لاينبغي على أصل قوي، ومن المقرر شرعاً أن ما كان حراماً أوغير مشروع في أصله لايتغير حكمه بتغير الآلة، فالخمر حرام، سواء خمرت باليد، أو بالماكينات الحديثة، والقتل حرام، سواء باشره المرء بسكين، أوبإطلاق الرصاص، فكذلك الصورة، قد نهى الشارع عن صنعها واقتنائها فلا فرق بينما كانت الصورة قد اتخذت بريشة المصور، أو بالآلات الفوتوغرافية . والله أعلم. (تكملة فتح الملهم:٤/١٦٢-١٦٣).

حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب اپنے مقالہ میں فرماتے ہیں:

ولكن كثيراً من علماء البلاد العربية ،منهم العلامة الشيخ الألبانى والشيخ مصطفى الحمامي والشيخ الصابوني والشيخ محمد بن أحمد والواصل وغيرهم، وجل العلماء أو كلهم في بلاد باكستان ،والهند وبنغله ديش، قد أفتوا بأنه لافرق بين الصور المرسومة يدوياً والصور الشمسية الفوتوغرافية في عدم الجواز أى لايجوز، وبه نفتى بجامعة دارالعلوم كراتشي. (مقالة " التصوير بالكاميرا والفيديو والرسم فى المساجد والمدارس الاسلامية للشيخ المفتى رفيع العثمانى، ص:٥٢،ط:الموسسة الاسلامية ،تورنتو).

ہاں مواضعِ ضرورت میں یہ حضرات بھی اجازت دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

هذا هو حكم الصورة فى الأصل، أما اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر، وفى التاشيرة، وفى البطاقات الشخصية، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء، فينبغي أن يكون مرخصاً فيه، فإن الفقهاء استثنوا مواضع الضرورة من الحرمة، قال الإمام محمد رحمه الله فى السير الكبير : و إن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذى فيه تمثال فلا بأس باستعماله " وأعقبه السرخسي رحمه الله فى شرحه (٢٧٨/٢) **بقوله : لأن مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة ...الخ.** (تكملة فتح الملهم:٤/١٦٤).

حلال وحرام میں ہے:

(۶) ضرورۃً مثلاً پاسپورٹ، شناختی کارڈ، بس وریلوے پاس، مجرموں کی شناخت کے لیے تصویروں کی حفاظت یا کسی بڑی قومی مصلحت کے تحت تصویر کشی جائز ہوگی کہ دشواریوں کی وجہ سے احکامِ شرع میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے: **المشقة تجلب التيسير.** (حلال وحرام، ص۲۲۹)۔

حضرت مفتی تقی صاحب تقریر ترمذی میں درجِ ذیل الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

مواضع حاجت میں تصویر کا حکم:

البتہ اس اختلاف سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس کا جواز اور عدمِ جواز دو وجہ سے مجتہد فیہ معاملہ بن گیا ہے، ایک یہ کہ اس بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ کیمرے کی تصویر کے بارے میں علامہ بخیطؒ کا فتویٰ موجود ہے۔ اگرچہ وہ فتویٰ ہمارے نزدیک درست نہیں ہے، لیکن بہرحال ایک جدید شئ کے بارے میں ایک متورع عالم کا قول موجود ہے، اس لیے یہ مسئلہ مجتہد فیہ بن گیا۔ اور مجتہد فیہ مسئلہ میں حاجتِ عامہ کے وقت گنجائش پیدا ہوجاتی ہے۔ لہذا جہاں کہیں حاجتِ عامہ ہوگی جیسے پاسپورٹ میں اور شناختی کارڈ میں یا کسی ایسی جگہ میں جہاں انسان کو اپنی شناخت کرانی ہو اور شناخت کے بغیر کام نہ چلتا ہو اور تصویر کے بغیر شناخت نہ ہوسکتی ہو تو ان مواقع پر اس کا استعمال جائز ہوجائیگا، اور مواضع حاجت کے بغیر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (تقریر ترمذی، جلدِ دوم، ص۳۵۰)۔

مزید ملاحظہ ہو: (حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا رسالہ ''تصویر کے شرعی احکام، ط: ادارۃ المعارف، کراچی، واحسن الفتاویٰ: ۹/۸۹، وج: ۸/۳۰۲، وکتاب الفتاویٰ: ۶/۱۷۰)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دینی پروگرام کو ویڈیو میں محفوظ کرنے کا حکم:

سوال: بعض مقررین جب تقریریں کرتے ہیں تو بعض لوگ ان کی ویڈیو لیتے ہیں اور اس کو انٹرنیٹ پر ڈالتے ہیں تاکہ سب اس تقریر سے استفادہ کرسکیں اور مقرر کے چہرے کو بھی دیکھ سکیں۔ نیز بعض مرتبہ دینی کانفرنس کو بھی محفوظ کرکے اسی وقت یا بعد میں دکھایا جاتا ہے، کیا شریعتِ مطہرہ میں اس کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ علمائے معاصرین کی آراء مختلف ہیں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تصاویر ممنوعہ میں داخل ہیں اگرچہ باہر کاغذ پر پرنٹ نہ کیا گیا ہو، لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ تصویر کے حکم میں

اس وقت آئیگی جب باہر نکالا جائے یعنی کاغذ پر پرنٹ کیا جائے، اس سے پہلے اس پر تصویر کا اطلاق مشکل معلوم ہوتا ہے یہ فقط حبس الظل، یا حفظ الصورۃ، یا عکس التصویر ہے۔ ہاں کاغذ پر پرنٹ کرنے کے بعد حضرت مفتی رفیع صاحب، مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور مفتی تقی صاحب اور دیگر علماء کے نزدیک تصویر ممنوع کے حکم میں ہے۔

پہلے موقف کے دلائل کے لیے سہارنپور کا مفصل فتویٰ اور جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن کا مفصل فتویٰ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ تطویل کی وجہ سے ان کے حوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

البتہ دوسرے موقف کے بارے میں مختصر حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

الرابع : حكم الأشكال الحيوانية الملتقطة بالكاميرا الرقمية(Digital cameras)؛

منذ مدة طويلة قد جرى بحث بين العلماء المعاصرين حول المناظر والمشاهد والأشكال (Images) المحفوظة بواسطة النظام الرقمي (Digital system)، وبالكاميرا الرقمية (Digital cameras) في ذاكرة الحاسوب (Computer Memory) أو الأقراص (Floppy Disc)أوالأقراص المدمجة(Compact Disc)

أو أشرطة الفيديو (Video Ribbon/Cassette)، والتي تبدو وتظهر على شاشة هذه الآلات المذكورة بواسطة النظام الرقمي هل لها حكم التصوير المحرم أم لا ؟ لأن المسألة اجتهادية ولم تكن موجودة ولا معروفة في عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا في زمن الصحابةؓ والتابعينؒ ولا في عصر الفقهاء السالفينؒ وإنما اكتشفت مؤخراً فلذا لا يوجد صراحة حكمها فى القرآن الكريم والحديث النبوى الشريف ولا في كلام الفقهاء السابقينؒ بخصوص هذا النوع، نصاً ، لعدم وجودها في زمانهم وإنما تكلم فيه العلماء المعاصرون واختلفوا في حكمها .

فمنهم من أدخلها فى التصوير المحرم إلحاقاً بعموم مسمى التصوير الذي دلت الأدلة الصحيحة على تحريمه .

ومنهم من أخرجها من أن تكون في حكم التصوير المحرم نظراً إلى حقيقتها لأنها ذرات إلكترونية شعائية غير جوهرية بشكل نقط كثيرة لاتحصى وإشارات إشعاعية

(Electronic Signals) تنتقل من الجهاز الرقمي (Digital Device) والكاميرا الرقمية إلى الشاشة والجدران والستائر وتظهر عليها بترتيب المخصوص حيث تحدث بها الأشكال المرئية على الشاشة لكن لا تستقر هذه الأشكال على الشاشة والجدران ونحوها...

وأما الراجح عندنا فهو الجواز لأن ما يبدو على الشاشة من مشاهد ومظاهر تحت النظام الرقمي فهو ليس بصورة حقيقة ولا عكساً ولا ظلاً. أما عدم كون هذا الشكل الذي يبدو على الشاشة ظلاً فهو واضح لأن الظل تابع لصاحبه وهذا الشكل ليس كذلك.

و أما عدم كونه صورة فلأن الصورة بمعناها الحقيقي إنما توجد إذا انتقشت أو ارتسمت أو تشكلت على شيء بصفة القيام والاستقرار أما هذه الأشكال التي تبدو وترى على الشاشة ونحوها ليس لها ثبات واستقرار في شيء بل هي مشتملة على الأجزاء الإشعائية ...إلى قوله...

وأما المناظر والأشكال الحيوانية بالكاميرا الرقمية فإنها ليست صوراً حقيقية فلا يحرم التقاطها ولا استخدامها قبل طبعها (Printing) فى الأوراق ونحوها إذا كانت خالية من المنكرات الشرعية نحو الخلاعة والمجون وغيرهما. (مقالة الشيخ المفتى رفيع العثمانى ، ۵۲، ۵۵).

مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

آج کل تصویر کی ایک نئی صورت الکٹرانک تصویریں کی ہے، جو اپنی مکمل صورت میں پہلے سے موجود نہیں تھی بلکہ جب بھی تحریک کی جاتی ہے اس وقت الکٹرانک ذرات حرکت میں آتے ہیں اور ایک نقش کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ان میں ثبات اور ٹھہراؤ نہیں ہوتا ہے کیا ایسے نقوش پر تصویر کا اطلاق ہوگا؟ اس سلسلہ میں دو نقاطِ نظر پائے جاتے ہیں ایک یہ کہ یہ بھی تصویر میں شامل ہے، عام طور پر برصغیر کے علماء کا رجحان اسی طرف ہے، دوسرا نقطہ نظر اس کے خلاف ہے کہ یہ نقوش تصویر میں شامل نہیں ہے اس نقطہ نظر کے حاملین میں مولانا نظام الدین اعظمی سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند، مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دار العلوم وقف دیوبند، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، بانی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی دار العلوم کراچی اور بہت سے علماء اور عالمِ عرب کے

بیشتر علماء اور اصحابِ نظر شامل ہیں۔

جن حضرات نے ان نقوش کو تصویر مانا ہے ان کی نظر تصویر کے مقاصد پر ہے کہ جیسے تصویروں کا مقصد صورتوں کی شناخت اور اس کی مثال کا پیش کرنا ہوتا ہے یہ مقصدان ڈیجیٹل نقوش سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جن حضرات نے اسے تصویر نہیں مانا ہے ان کی نگاہ تصویر کی حقیقت پر ہے کہ تصویر ایسے نقوش کو کہتے ہیں جو ثابت اور پائیدار ہوں یہ نقوش چونکہ ناپائیدار ہیں اس لیے یہ عکس کے مماثل ہیں جس میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا بہر حال دونوں نقاطِ نظر کے لیے شرعی بنیادیں موجود ہیں اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے۔

.... چونکہ ڈیجیٹل تصویروں کے سلسلہ میں علماء اور اربابِ افتاء کے درمیان اختلاف ہے اور ایک حد تک اس کی گنجائش نکلتی ہے اس لیے ایسے پروگراموں کی سی ،ڈی تیار کی جا سکتی ہے جس میں بالغ اور قریب البلوغ لڑکیوں کی ایسی تصویریں نہ ہوں جن میں چہرا یا دوسرے اعضاء نظر آتے ہوں اور یہ بھی ضروری ہے کہ انہیں کاغذ یا کپڑے پر نقش نہ کیا جائے کیونکہ جمہور کے نزدیک تصویر کی یہ صورت ناجائز ہے۔ (مسلمانانِ کناڈا کے بعض مسائل، از مولانا خالد سیف اللہ صاحب، ص۲۷،۳۷، المؤسسۃ الاسلامیۃ، تورنتو)۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

تیسری قسم وہ ہے جو ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ دکھائی جاتی ہے یعنی ایک تقریر اور اس کی تصاویر کے ذرات کو لے کر ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کر لیا، اور پھر ان ذرات کو اسی ترتیب سے چھوڑا تو پھر وہی منظر اور تصویر نظر آنے لگی، میرے نزدیک اس کو بھی تصویر کہنا مشکل ہے اس لیے کہ جو چیز ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہوتی ہے وہ صورت نہیں ہوتی بلکہ وہ برقی ذرات ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر ویڈیو کیسٹ کی ریل کو خوردبین لگا کر بھی دیکھا جائے تو اس میں تصویر نظر نہیں آئے گی اس لیے میرا رجحان اس طرف ہے کہ یہ تصویر کے حکم میں نہیں آتیں، لہٰذا اگر کوئی ایسا صحیح پروگرام پیش کیا جا رہا ہو اور وہ فی نفسہٖ جائز ہو اور ان دو ذریعوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ پیش کیا جا رہا ہو تو اس کو دیکھنا فی نفسہٖ جائز ہوگا، **واللّٰہ سبحانہ أعلم إن کان صواباً فمن اللّٰہ وإن کان خطأ فمني ومن الشیطان** ، یہ باتیں اہل علم کے سمجھنے اور کہنے کی تو ہیں لیکن ان باتوں کو زیادہ تشہیر کرنے سے ٹی، وی کے استعمال کی ہمت افزائی لازم آئے گی اس لیے یہ باتیں عوام میں بیان کرنے کی نہیں ہیں، عوام کو تو یہی کہنا چاہیئے کہ ٹی وی ناجائز ہے کیونکہ ایسے ٹی وی کا تصور جس میں ناجائز پروگرام نہ ہو موجودہ دور میں ناممکن ہے۔ (تقریر ترمذی، جلد دوم، ص:۳۵۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک عریانی اور فحش کاری اور غلط چیزوں کا مظاہرہ نہ کیا جاتا ہو بلکہ حدودِ شریعت کی رعایت کرتے ہوئے محض دینی پروگرام ہو تو اس کا محفوظ کرنا اور دیکھنا جائز اور درست ہے یہ تصویر کے حکم میں نہیں ہے، لیکن فی زماننا عام طور پر ان آلات کے ذریعہ مخربِ اخلاق پروگرام اور برہنہ عورتوں کی یا نیم برہنہ عورتوں کی تصویریں شائع کی جاتی ہیں اور خاص طور پر نوجوان طبقہ اس قسم کے آلات مثلاً ڈیجیٹل کیمرے والے موبائل، انٹرنیٹ وغیرہ کے غلط استعمال میں مبتلا ہے، بنابریں ان تمام آلات سے اجتناب کرنا چاہیے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

آنکھیں مٹانے سے تصویر کا حکم:

سوال: کس چیز سے تصویر کا حکم لاگو ہوتا ہے؟ یعنی اگر کسی انسان یا حیوان کی آنکھیں مٹادی جائے یا سر کاٹ دیا جائے تب بھی تصویر محرم کے حکم میں ہو کر ممنوع ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ سر کٹی ہوئی تصویر کا استعمال جائز اور درست ہے یہ تصویر ممنوع کے حکم میں نہیں ہے، ہاں فقط آنکھیں مٹانا کافی نہیں ہے وہ تصویر ممنوع کے حکم میں ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: وہ ناقص تصویر جس میں سر نہ ہو تصویر کے حکم میں نہیں رہتی بلکہ نقوش اور بیل بوٹوں کے حکم میں ہو جاتی ہے، اور اسی بنا پر اس کے استعمال کی اجازت سب کتبِ مذہب میں عام طور سے مصرح ہے،...لیکن اگر ناقص تصویر میں چہرہ موجود ہو خواہ باقی بدن نہ ہو تو ایسی تصویر کا استعمال اکثر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں، مگر بعض حضراتِ حنفیہ اور اکثر مالکیہ اس کے استعمال کو بھی جائز فرماتے ہیں۔ (تصویر کے شرعی احکام، ص۷۶، ۸۶)۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں وارد ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: استأذن جبريل عليه السلام على النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ادخل فقال: كيف أدخل وفي بيتك ستر فيه تماثيل خيلاً و رجالاً فإما أن تقطع رؤوسها أو تجعل بساطاً يوطأ فإنا معشر الملائكة لا ندخل بيتاً فيه تصاوير . (رواه النسائی فی الكبرى:۹/ ۲٤۰/ ۹۷۱۲).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أتاني جبريل ، فقال: إني كنت أتيتك البارحة ، فلم يمنعني أن أكون دخلت عليك البيت الذي كنت فيه إلا أنه

كان في باب البيت تمثال الرجال وكان فى البيت قرام ستر فيه تمثال وكان فى البيت كلب فمر برأس التمثال الذي بالباب فليقطع فليصير كهيئة الشجرة ...الخ. (رواه الترمذی ، رقم: ٢٨٠٦، وقال: هذا حديث حسن صحيح ، و احمد فى مسنده ٨٠٤٥، وابوداود، رقم: ٤١٥٨).

وفي السنن الكبرى للبيهقي : عن ابن عباس رضي الله عنه قال: الصورة الرأس فإذا قطع الرأس فليس بصورة . (السنن الكبرى:٧/٢٧٠).

وفي شرح معانى الآثار: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: الصورة الرأس فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة . (شرح معانى الآثار:٤/٢٨٧).

وقال فى الدر المختار : أو مقطوعة الرأس أو الوجه أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه أو لغير ذي روح لا يكره لأنها لا تعبد . قال في فتاوى الشامى: أى سواء كان من الأصل أو كان لها رأس و محى وسواء كان القطع بخيط خيط على جميع الرأس حتى لم يبق له أثر أو يطليه بمغرة أو بنحته أو بغسله لأنها لا تعبد بدون الرأس عادة... وقيد بالرأس لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونها وكذا لا اعتبار بقطع اليدين أو الرجلين . (فتاوى الشامى: ١/٦٤٨،سعيد). (وكذا فى المبسوط للإمام السرخسیؒ: ١/٣٨٧، والمحيط البرهانى : ٥/١٣٦، الفصل الرابع من كتاب الاستحسان، وتبيين الحقائق: ١/١٦٦، وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ،ص ٣٦٢،قديمى).

وقال فى البدائع : فإن كانت مقطوعة الرؤوس فلا بأس بالصلاة فيه لأنها بالقطع خرجت من أن تكون تماثيل والتحقت بالنقوش والدليل عليه ما روي أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أهدي إليه ترس فيه تماثيل طير فأصبحوا و قد محى وجهه...الخ . (بدائع الصنائع:١/١١٥،سعيد).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (تصویر کے شرعی احکام، از مفتی شفیع صاحبؒ، وفقہی مقالات، وحلال وحرام)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اشیائے خوردنی وغیرہ پر تصویری لیبل کا حکم:

سوال: موجودہ دور میں اکثر اشیاء پر تصویری لیبل ہوتے ہیں، مثلاً کھانے پینے کی چیزوں پر یا لباس

پوشاک وغیرہ پر، پانی کے بوٹل پر نیز دیگر اشیاء پر، ان تصاویر کے ہوتے ہوئے خرید وفروخت جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ان اشیاء میں تصاویر مقصود نہیں ہوتیں اور بہت سی مرتبہ تو بہت چھوٹی تصاویر ہوتی ہیں جو عام طور پر صاف نظر نہیں آتیں بنابریں تبعاً ان کی تجارت جائز اور درست ہے، نیز اسکا استعمال بھی درست ہے، البتہ وہ تصاویر جو مقصود بالذات ہوتی ہیں ان کی تجارت ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

بیع وشراء میں اگر تصاویر مقصود نہ ہوں بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہوکر آجائیں جیسے اکثر کپڑوں میں مورتیں لگی ہوتی ہیں یا برتنوں اور دوسری مصنوعاتِ جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے، تو اس کی خرید وفروخت تبعاً جائز ہے، **كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزياً للهيثمي** (بلوغ، ص:۱۸) **ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لا يجوز قصداً و يجوز تبعاً كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار و لا اصالة و قصداً .**

لیکن جبکہ خود تصاویر ہی کی بیع وشراء مقصود ہو تو خریدنا اور فروخت کرنا دونوں ناجائز ہیں۔ (تصویر کے شرعی احکام، ص۸۸)۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

اگر ڈبہ پر تصویر ہو اور اصل مقصود وہ شئ ہے نہ کہ ڈبہ تو اس بیع میں مضائقہ نہیں ہے اور اگر بالفرض ڈبہ بھی مقصود ہو تو اس پر جو تصویر ہے وہ مقصود نہیں ہے، اس لیے اس کی بیع میں مضائقہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص۵۲۱)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلدِ پنجم، ص۸۴۔۸۶)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

چھوٹی تصاویر بنانے کا حکم:

سوال: کیا میرے لیے درجِ ذیل کپڑے اور پردے بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ایسے کپڑے جن پر جانوروں کی تصاویر بنی ہوئی ہو۔

(۲) ایسے کپڑے جن پر انسانوں کی تصویریں ہوں۔

(۳) ایسے کپڑے جن پر دنیا کے مشہور لوگوں کی تصویریں ہوں۔

(۴) ایسے کپڑے جن پر ایسے لوگوں کی تصویریں ہوتی ہیں جو موسیقی کا آلہ بجارہے ہیں اور ناچ رہے

ہیں۔(۵) ایسے کپڑے جن پر تماثیل ہیں اور بعض تصویریں برہنہ لوگوں کی ہیں۔
میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بڑی مقدار میں ہول سیل میں بیچتا ہوں، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ آپ کے لیے ایسی تصوریں بنانا اور تصویروں والے کپڑوں کو فروخت کرنا ناجائز ہے کیونکہ ان کپڑوں میں تصاویر بالذات مقصود ہیں۔ہاں کپڑوں میں بطور لیبل جو تصاویر ہوتی ہیں تبعاً اس کی تجارت جائز ہے لیکن پھر بھی چھوٹی تصویر کا بنانا تو بالکل ناجائز ہے۔البتہ غیر ذی روح والی تصاویر بنانے اور بیچنے کی اجازت ہے۔ملاحظہ کیجئے حدیث شریف میں ہے:

عن سعيد بن أبي الحسن قال: كنت عند ابن عباس رضي الله عنه إذ أتاه رجل فقال: يا ابن عباس إني إنسان إنما معيشتي من صنعة يدي وإني أصنع هذه التصاوير فقال ابن عباس رضي الله عنه: لا أحدثك إلا ما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سمعته يقول: من صور صورة فإن الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها أبداً فربا الرجل ربوة شديدة واصفر وجهه فقال: ويحك إن أبيت إلا أن تصنع فعليک بهذا الشجر كل شيء ليس فيه روح.

(أخرجه البخاري، رقم: ۲۲۲۵،باب بيع التصاوير التي ليس فيها روح ومايكره من ذلك).

تصویر کشی سے متعلق مزید دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

بیع وشراء میں اگر تصاویر مقصود نہ ہوں بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہوکر آجائیں جیسے اکثر کپڑوں میں مورتیں لگی ہوتی ہیں یا برتنوں اور دوسری مصنوعاتِ جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے، تو اس کی خرید وفروخت تبعاً جائز ہے، **كما يستفاد من بلوغ القصد والمرام معزياً للهيثمي** (بلوغ،ص:۱۸) **ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لا يجوز قصداً و يجوز تبعاً كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار و لا اصالة و قصداً.**

لیکن جبکہ خود تصاویر ہی کی بیع وشراء مقصود ہو تو خریدنا اور فروخت کرنا دونوں ناجائز ہیں۔(تصویر کے شرعی احکام،ص۸۸)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا،جلدِ پنجم،ص۸۴۔۸۶)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تصویر والی کتابوں کے استعمال کا حکم:

سوال: اسکولوں اور مدارس میں تصویر والی کتابوں کا کیا حکم ہے؟ جب کہ کسی چیز کا سمجھنا اس سے آسان ہو جاتا ہے۔ تو کیا اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ تصویر بنانا ناجائز ہے البتہ اس کے استعمال میں کچھ تفصیل ہے کہ محل احترام اور تعظیم میں ناجائز ہے اور محل اہانت میں جائز ہے اور کتابوں میں ہونا محل احترام ہے بنابریں بلا ضرورت اس کے استعمال سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

تصویر کے گھر میں رکھنے اور استعمال کرنے میں کسی قدر تفصیل ہے،...جو تصویریں اس قدر چھوٹی ہوں کہ اگر وہ زمین پر رکھی ہوں اور کوئی متوسط بینائی والا آدمی کھڑا ہو کر دیکھے تو تصویر کے اعضاء کی تفصیل دکھائی نہ دے، ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگرچہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے،...جو تصاویر کسی ایسی چیز یا ایسی جگہ میں بنی ہوئی ہوں کہ عادۃً پامال اور ذلیل وحقیر سمجھی جاتی ہیں، مثلاً: پامال فرش یا بستر میں یا بیٹھنے کے گدے تکیے وکرسی وغیرہ میں یا جوتے کے تلے میں یا برتنوں کے نیچے تلی میں ہو تو ان کا گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا جائز ہے، اگرچہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے...لیکن جو فرش محل اہانت میں نہ ہو مثلاً: مصلّٰی وغیرہ تو اس میں تصویر رکھنا جائز نہیں...اسی طرح اگر مصوّر تکیے بڑے بڑے ہوں جن پر بنی ہوئی تصویر کھڑی نظر آئے تو ان کا استعمال بھی ناجائز ہے....

مسئلہ: برتنوں میں جو تصویریں تلے کے سوا کسی جگہ ہوں وہ پامال وممتہن کے حکم میں نہیں، اس لیے اگر وہ بڑی تصوریں ہوں تو ان برتنوں کا استعمال بھی جائز نہیں، **لما في بلوغ القصد والمرام: الصور في الأواني ليست بممتهنة** . (ص ۱۷۔۱۸)۔ (تصویر کے شرعی احکام، از مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ص ۸۳۔۸۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتابوں کی تصوریں مقصود ہوتی ہیں اور واضح ہوتی ہیں لہذا ایسی کتابوں کے استعمال کرنے سے حتی الامکان بچنا چاہئے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

انٹرنیٹ پر تعلیمی ویڈیو دیکھنے کا حکم:

سوال: میں ایک یونیورسٹی کا طالبِ علم ہوں کبھی درسگاہ میں کوئی موضوع سمجھ میں نہیں آتا مثلاً علمِ

طب کا موضوع تو میں وہ درس انٹرنیٹ یوٹیوب (youtube) پر ایک جگہ جہاں مختلف ویڈیو ہوتے ہیں بآسانی دستیاب ہوتے ہیں، اس پر سے میں اپنے درس سے متعلق تلاش کر کے سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں، میرا سوال یہ ہے کہ کیا میرے لیے یوٹیوب کا استعمال ان دروس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: ویڈیو اور ٹی وی پر جو تصویریں آتی ہیں ان میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء ان کو عکس سمجھتے ہیں اس لیے بے حیائی کی تصویروں سے بچتے ہوئے اپنی ضرورت کی چیزوں کے دیکھنے کی گنجائش ہے۔

اس مسئلہ کے حوالہ جات ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فیس بک کے استعمال کا حکم:

سوال: فیس بک استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں مندرجہ ذیل چیزیں ہوتی ہیں:

☆ مرد و عورت کا آپس میں بات چیت کرنا۔

☆ ہر قسم کی تصویریں ہوتی ہیں۔

☆ اس میں ویڈیو اور موسیقی بھی ہوتی ہے۔

☆ بعض مقامات میں لوگ جمع ہو کر اسلام کے بارے میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں کہ کیا اسلام قبول کرنے کے لائق ہے؟

ان تمام خرابیوں کے ساتھ ۲۰۱۰ء میں اس میں ایک صفحہ بنایا تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنانے کی لوگوں کو دعوت دی گئی تھی (نعوذ باللہ) جس کی وجہ سے پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک نے اس کو ممنوع قرار دیا تھا اور اس کی وجہ سے فیس بک والوں نے اس صفحہ کو نکال دیا۔ بینوا تو جروا۔

الجواب: فیس بک کے استعمال کے مختلف طریقے ہیں:

(۱) فیس بک بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت استعمال کرے مثلاً مجرموں کی شناخت اور دیگر مواقع ضرورت میں استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے۔ جبکہ ممنوعات سے پرہیز کرے۔ مثلاً موسیقی اور غیر محرم کی تصویریں وغیرہ کے دیکھنے سے اجتناب ضروری ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ ناجائز تعلقات کے لیے استعمال کیا جائے یا ناجائز تعلقات کا خطرہ ہو یا کسی غیر محرم کی تصویر سے لذت حاصل کرنے کے لیے ہو اس طرح کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے

غلط تعلقات کا خدشہ ہو پھر بھی ممنوع ہے کیونکہ حدیث شریف کا مضمون ہے کہ جو سرکاری چراگاہ کے اردگرد اپنے مویشیوں کو چرائیگا تو قوی امکان ہے کہ جانور سرکاری چراگاہ میں داخل ہوجائیں اور جرمانہ لگ جائے یا مویشی ضبط ہوجائیں۔ نیز جو کام ناجائز مقصد کا وسیلہ بنتا ہو تو اس سے بچنا ضروری ہوتا ہے۔

جبکہ فیس بک موسیقی اور ہر قسم کی تصویریں اور اسلام کے بارے میں بحث ومباحثہ واعتراضات وغیرہ چیزوں پر مشتمل ہے تو اس کے استعمال سے اجتناب کرنا ضروری ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بنانے کی جسارت کرنے سے فیس بک والوں کی نیت کا پتہ بھی چل گیا کہ وہ اسلامی عقائد اور اسلامی نظریات کو ملیامٹ کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) تیسرا یہ کہ اس کو ممنوع اور ناجائز کام کے لیے استعمال نہیں کرتا اور ممنوع کا وسیلہ بھی نہیں بنتا جیسے کوئی شخص اپنی لڑکی، بہن یا والدہ کا چہرا فیس بک میں دیکھے یا دوست آپس میں ایک دوسرے کا چہرا دیکھے اور بے ریش لڑکے نہ ہوں تو اس صورت میں اس کا استعمال ناجائز تو نہیں ہوگا۔ البتہ اس کا استعمال مناسب نہیں کیونکہ عادت پڑنے پر حدود سے تجاوز کرنے کا کافی حد تک امکان موجود ہے۔

یہ اس فیس بک کا حکم ہے جس میں موسیقی اور تصویر ہو اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر اس کا استعمال درست ہے۔

واللہ ﷻ اعلم۔

ویڈیو کال موبائل کا حکم:

سوال: فیس تایم (face time) ویڈیو کال (video call) کا ایک پروگرام ہے جس کے ذریعہ سے آدمی ایک دوسرے کو بالمشافہہ دیکھ بات کرسکتا ہے، تو اس قسم کا پروگرام استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اسکائپ (skype) وغیرہ ویڈیو کال پروگرام کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ویڈیو کال ممنوعاتِ شرعیہ سے خالی ہو مثلاً غیر محرم کو دیکھنا، سامنے والے کا بے ستری میں ہونا وغیرہ، تو فی نفسہ اس کا استعمال جائز ہے، کیونکہ اسکرین پر جو تصویر نظر آتی ہے وہ اصل صورت کا عکس ہے تصویر نہیں ہے۔ لیکن آج کل یہ پروگرام زیادہ تر فضولیات اور ممنوعات پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

تقریر ترمذی میں حضرت مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں:

وجہ اس کی یہ ہے کہ تصویر وہ ہوتی ہے جس کو کسی چیز پر علی صفۃ الدوام ثابت اور مستقر کردیا جائے، لہذا

اگر وہ تصویر علی صفۃ الدوام کسی چیز پر ثابت اور مستقر نہیں ہے تو پھر وہ تصویر نہیں ہے، بلکہ وہ عکس ہے، لہذا براہِ راست دکھائی جانے والی تصویر عکس ہے، تصویر نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص یہاں سے دو میل دور ہے اور اس کے پاس ایک شیشہ ہے اس شیشہ کے ذریعہ وہ یہاں کا منظر دیکھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ وہ شخص دو میل دور بیٹھ کر شیشہ میں یہاں کا عکس دیکھ رہا ہے وہ تصویر نہیں دیکھ رہا ہے اس لیے کہ یہ عکس کسی جگہ پر ثابت اور مستقر علی صفۃ الدوام نہیں ہے، بالکل اسی طرح براہِ راست ٹیلی کاسٹ کرنے کی صورت میں برقی ذرات کے ذریعہ انسان کی صورت کے ذرات منتقل کیے جاتے ہیں پھر ان کو اسکرین کے ذریعہ دکھا دیا جاتا ہے، لہذا یہ تصویر عکس سے زیادہ قریب ہے، تصویر کے مقابلہ میں۔ (تقریر ترمذی، جلدِ دوم، ص ۳۵۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دندان سازی کے لیے تصویر کا حکم:

سوال: کیا دندان سازی کے لیے ڈیجیٹل امیج استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کمپوٹرڈ ڈیجیٹل امیج (Computer digital image) یہ ہے کہ مریض کے دانتوں کی تصویر لی جاتی ہے اور ڈاکٹر مختلف طریقہ علاج سے تجربہ کرتا ہے کہ مریض کو کتنا مفید ہوگا اور مریض بھی دیکھ سکتا ہے کہ علاج کا یہ فائدہ ہے اور قبل از علاج اور بعد از علاج کیا شکل رہے گی، کیا اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ڈیجیٹل کیمرے کی تصویر کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف پہلے گزر چکا ہے اور دلائل بھی مذکور ہوئے البتہ جو حضرات عدمِ جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی ضرورت اور حاجت کی وجہ سے جائز ہے۔ ملاحظہ ہو تکملہ فتح الملہم میں ہے:

هذا هو حكم الصورة فى الأصل ، أما اتخاذ الصورة الشمسية للضرورة أو الحاجة كحاجتها في جواز السفر ، وفى التاشيرة ، وفى البطاقات الشخصية ، أو في مواضع يحتاج فيها إلى معرفة هوية المرء ، فينبغي أن يكون مرخصاً فيه ، فإن الفقهاء استثنوا مواضع الضرورة من الحرمة ، قال الإمام محمد رحمه الله فى السير الكبير : و إن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذى فيه تمثال فلا بأس باستعماله " وأعقبه السرخسى رحمه الله فى شرحه (٢٧٨/٢) بقوله : لأن مواضع الضرورة مستثناة من الحرمة ...الخ. (تكملة فتح الملهم: ١٦٤/٤).

حلال وحرام میں ہے:

(۶) ضرورۃً مثلاً پاسپورٹ، شناختی کارڈ، بس وریلوے پاس، مجرموں کی شناخت کے لیے تصویروں کی حفاظت یا کسی بڑی قومی مصلحت کے تحت تصویر کشی جائز ہوگی کہ دشواریوں کی وجہ سے احکامِ شرع میں سہولت پیدا ہوجاتی ہے: **المشقة تجلب التيسير.** (حلال وحرام، ص۲۲۹)۔ (وکذافی جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۵۸)۔

حضرت مفتی تقی صاحب تقریر ترمذی میں درجِ ذیل الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

مواضع حاجت میں تصویر کا حکم:

البتہ اس اختلاف سے ایک بات یہ سامنے آتی ہے کہ اس کا جواز اور عدمِ جواز دووجہ سے مجتہد فیہ معاملہ بن گیا ہے، ایک یہ کہ اس بارے میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ کیمرے کی تصویر کے بارے میں علامہ بخیتؒ کا فتویٰ موجود ہے۔ اگرچہ وہ فتویٰ ہمارے نزدیک درست نہیں ہے، لیکن بہرحال ایک جدید شئ کے بارے میں ایک متورع عالم کا قول موجود ہے، اس لیے یہ مسئلہ مجتہد فیہ بن گیا۔ اور مجتہد فیہ مسئلہ میں حاجتِ عامہ کے وقت گنجائش پیدا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جہاں کہیں حاجتِ عامہ ہوگی جیسے پاسپورٹ میں اور شناختی کارڈ میں یا کسی ایسی جگہ میں جہاں انسان کو اپنی شناخت کرانی ہو اور شناخت کے بغیر کام نہ چلتا ہو اور تصویر کے بغیر شناخت نہ ہوسکتی ہو تو ان مواقع پر اس کا استعمال جائز ہوجائیگا، اور مواضع حاجت کے بغیر اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (تقریر ترمذی، جلدِ دوم، ص۳۵۰)۔

خلاصہ یہ ہے دندان سازی کے لیے تصویر لینا جائز ہے ہاں اشتہار کے لیے چہرے کی تصویر ناجائز ہے فقط دانتوں کی تصویر جائز ہے۔ بعض اطباء حضرات نے بتلایا کہ اگر تصویر نہ لی جائے تو کبھی کبھی مریض ڈاکٹر کے خلاف مقدمہ دائر کرلیتا ہے کہ اس نے میرا علاج صحیح طور پر نہیں کیا۔ نیز بعض ڈاکٹر کے اختیار کردہ طریقہ علاج کی افادیت بیان کرنے کے لیے اس تصویر کو علمِ طب کے طلبہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اگر ایسا ہے تو اس ضرورت کی وجہ سے فوٹو لینے کی گنجائش ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بچیوں کے مصوَّر کھلونے کا حکم:

سوال: بچیاں جن کھلونوں کے ساتھ کھیلتی ہیں وہ مورتی کی شکل میں ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کھلونے کی کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مصور کھلونے سے کھیلنا اور گھر میں رکھنا جبکہ صورت بالکل واضح نظر آرہی ہو جائز اور درست

نہیں ہے احادیث میں تصویر گھر میں رکھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن وہ کھلونے جو کپڑے سے بنائے جائیں ان میں چہرا صاف نظر نہیں آتا، لہذا ایسے کھلونے سے کھیلنے کی اجازت ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

بچوں کی گڑیاں اور چھوٹے کھلونے اگر مصور ہوں تو ان کی خرید وفروخت اور بچوں کا کھیلنا ان سے جائز ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ مذکورہ حدیث نمبر ۲۴ سے ثابت ہو چکا ہے، اس میں فقہاء کے اختلاف کی تفصیل اوپر آ چکی ہے، حنفیہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے لیے اس کی اجازت دی گئی ہے عام نہیں، اور اکثر حضرات کے نزدیک ان کا بھی عدمِ جواز ہی راجح ہے۔

في متفرقات البيوع من الدر المختار في آخر حظر المجتبى عن أبي يوسف يجوز بيع اللعبة وأن يلعب بها الصبيان انتهى، قال الشامي: ونسبته إلى أبي يوسف لا تدل على أن الإمام يخالفه لاحتمال أن لا يكون في المسئلة قول. (فتاوى الشامي:٥/٢٢٦،ط:سعيد، ومثله في مكروهات الصلاة ج: ١/٦٥٠،سعيد).

...امام نوویؒ نے شرح مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

المراد هذه اللعب المسماة بالبنات التي تلعب بها الجوارى الصغار ومعناه التنبيه على صغر سنها قال القاضي: وفيه جواز اتخاذ اللعب وإباحة لعب الجواري بهن وقد جاء أنه عليه الصلاة والسلام رأى ذلک و لم ينكره، قالوا: و سببه تدريبهن لتربية الأولاد و إصلاح شأنهن و بيوتهن. (شرح صحيح مسلم:٩/٢٠٨،باب جوازتزويج الاب البكر الصغيرة، ط: بيروت).

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

و يحتمل أن يكون مخصوصاً من أحاديث النهي من اتخاذ الصور لما ذكر من المصلحة و يحتمل أن يكون قضية عائشةؓ في أول الهجرة قبل تحريم الصور.

(المرقاة:٦/٢٠٦، ملتان).

ان نقول کے بعد حضرت مفتی شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکیوں کی گڑیوں کے معاملہ میں فقہاء کے چار اقوال ہیں؛ ایک یہ کہ وہ بھی عام تصاویر کی طرح حرام ہیں، اور صدیقہ عائشہؓ کی روایت تصاویر کی حرمت سے پہلے زمانہ کے متعلق ہے، جو بعد میں منسوخ

ہوگئی، زیادہ تر محدثین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور ایک قول اس کے مقابل قاضی عیاضؒ کا ہے کہ اسی حدیث کی رو سے بچوں کی گڑیاں حرمتِ تصویر سے مستثنیٰ کر دی گئی ہیں، وہ جائز ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ نابالغ بچیوں کے لیے اجازت ہے، عام اجازت نہیں ہے، حنفیہ کا مسلک مذکورہ عبارتِ درمختار سے یہی معلوم ہوتا ہے، یہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کے اس قصہ کو بلوغ سے پہلے کا قصہ قرار دیتے ہیں کیونکہ صدیقہ عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں چھ، سات سال کی عمر میں آئی ہیں، جو وقت بلوغ کا نہیں تھا اسی زمانہ میں یہ واقعہ ہوسکتا ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ صدیقہ عائشہؓ کی روایت میں جن گڑیوں کا ذکر ہے وہ مکمل تصاویر تھی ہی نہیں، اس لیے حرمتِ تصاویر کی روایات سے اس کا کوئی تعارض نہیں، لیکن پہلے اور تیسرے قول پر ابوداود کی روایت جو ابو مسلم کے طریق سے منقول ہے اس میں اس واقعہ کی تاریخ غزوۂ خیبر یا غزوۂ تبوک سے واپسی بتلائی ہے جو ۷ھ یا ۹ھ میں ہیں، اس وقت تک تصاویر کی حرمت کے احکام نہ ہونا یا حضرت صدیقہ عائشہؓ کا نابالغ ہونا دونوں چیزیں نہایت بعید ہیں۔

لیکن آگے چل کر یہ ثابت کیا ہے کہ غزوۂ خیبر یا تبوک کا ذکر صحیحین اور مسند احمد وغیرہ کی روایت میں نہیں صرف ابوداود کے ایک طریق میں ہے تو بظاہر کسی راوی کو مغالطہ پیش آیا ہے۔ پھر آگے فرماتے ہیں...

ان سب قرائن قویہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صدیقہ عائشہؓ کی گڑیوں کا واقعہ بالکل ابتداءِ ہجرت کے زمانہ میں پیش آیا جبکہ تصاویر کی حرمت کے احکام نہ تھے، نیز حضرت صدیقہؓ صغیرۃ السن لڑکی تھیں اس لیے جن حضرات نے اس حدیث کو احادیثِ حرمت سے منسوخ قرار دیا، یا جنہوں نے اس کو صرف نابالغ لڑکیوں کی خصوصیت قرار دیا، ان کے کلام کی گنجائش بلاشبہ موجود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تصویر کے شرعی احکام، از ص:۵۱۔تا۵۵و۸۵)۔واللہ ﷻ اعلم۔

موسیقی کو حلال سمجھنے والے پر کفر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص موسیقی کو حلال سمجھے تو اس پر کفر کا حکم لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ماقبل میں تفصیلی دلائل سے واضح ہوا کہ موسیقی حرام اور ناجائز ہے، چنانچہ حرام کو حلال سمجھنے

والا بدترین فاسق ہے البتہ اس پر کفر کا حکم لگانا مشکل ہے۔
ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفي جامع الفصولين روى الطحاوى من أصحابنا : لا يخرج الرجل من الإيمان إلا جحود ما أدخله فيه ثم ماتيقن أنه ردة يحكم بها وما يشک أنه ردة لا يحكم بها إذ الإسلام الثابت لا يزول بالشک مع أن الإسلام يعلو و ينبغى للعالم إذا رفع إليه هذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام مع أنه يقضى بصحة إسلام المكره... وفى الفتاوى الصغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافراً متى وجدت رواية أنه لا يكفر، وفى الخلاصة وغيرها : إذا كان فى المسئلة وجوه توجب التكفير و وجه واحد يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسيناً للظن بالمسلم . وزاد فى البزازية : إلا إذا صرح بإرادة موجب الكفر فلا ينفعه التأويل. (فتاوى الشامى : ٤/٢٢٣،مطلب مايشك انه ردة لايحكم بها، سعيد).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

راگ باجوں، ساز وموسیقی اور مروج قسم کی قوالیوں کا سننا شریعت کی رو سے حرام ہے، ان منکرات کو جائز کہنا الحاد و بے دینی کے سوا کچھ نہیں، انھیں جائز ثابت کرنے کی نامبارک کوششیں درحقیقت الحاد ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۳۹۳)۔

جواہر الفقہ میں ہے:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر وارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے یا ضروریاتِ دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں اور غرض معروف بدل جائے اور ارتداد کی اس قسمِ دوم کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے۔ (جواہر الفقہ :۱/ ۲۸)۔

البتہ بعض فقہاء نے استحلال کو کفر کہا ہے۔ چنانچہ شرح منظومہ ابن وہبان میں ابن وہبان کے اس شعر

ومن يستحل الرقص قالوا بكفره ☆ و سيما إذا بالدف يلهو و يزمر.

کے تحت تفصیل مرقوم ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ گانا بجانا اور رباب بجانا اور رقص سب حرام ہیں اور اس کے مستحل کو کافر کہا۔ (شرح

منظومة ابن وهبان: ۱/۲۱٤، فصل من كتاب السير،ط:الوقف المدنی ،ديوبند، و فتاوی البزازية بهامش الهندية: ٦/٣٤٩،فی المتفرقات).

البتہ علامہ شامیؒ نے بحوالہ التمہید فسق کو نقل کیا ہے۔عبارت ملاحظہ کیجئے:

قال فی فتاوی الشامی: ورأيت فتوى شيخ الإسلام سيد جلال الملة والدين الكيلاني أن مستحل هذا الرقص كافر، وتمامه في شرح الوهبانية . ونقل في نور العين عن التمهيد : أنه فاسق لا كافر . (فتاوی الشامی : ٤/٢٥٩،سعيد).

فتاویٰ عزیزی میں مرقوم ہے:

اور مضمرات میں لکھا ہے: **من أباح الغناء يكون فاسقاً .** یعنی جس نے مباح کہا غنا کو یعنی راگ کو وہ فاسق ہے۔(فتاویٰ عزیزی،ص۲۱۷،سعید)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ومن یعظم شعائر اللّٰہ فإنها من تقوی القلوب﴾ [الحج].

وقال تعالیٰ: ﴿إنه لقرآن كريم فی كتاب مكنون، لايمسه إلا المطهرون﴾ [الواقعة].

باب...... ﴿۹﴾

ما يتعلق بالقرآن الكريم والذكر والتلاوة والأشياء المقدسة

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: عرضت علي أجور أمتي حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وعرضت علي ذنوب أمتي، فلم أر ذنباً أعظم من سورة من القرآن أو آية أوتيتها رجل ثم نسيها.

(رواہ ابوداود، والترمذی).

فصل اول

قرآن کریم سے متعلق احکام کا بیان

قرآنِ کریم کو بلا وضو چھونے سے متعلق احادیث کی تحقیق:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کو وضو کے ساتھ مس کرنے کی روایات ضعیف ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ اور قرآنِ کریم کو بلا وضو چھونے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم کو بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے، اور اس بارے میں چند صحابہ کرام سے مرفوعاً روایت مروی ہے بعض کے طرق حسن اور بعض کے ضعیف ہیں، نیز آثارِ صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور قرآنِ کریم کی آیتِ کریمہ ﴿لا یمسه إلا المطهرون﴾ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پاک لوگ قرآنِ کریم کو چھوتے ہیں، یعنی پاک لوگوں کو قرآنِ کریم چھونا چاہئے۔ روایت کی تخریج حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

حدیث: "لا یمس القرآن إلا طاهر" روي عن: (۱) ابن عمر رضي الله عنه (۲) حکیم بن حزام رضي الله عنه (۳) ثوبان رضي الله عنه (۴) عمرو بن حزم رضي الله عنه (۵) و عثمان بن أبی العاص رضي الله عنه

(۱) أما حدیث ابن عمر رضي الله عنه: أخرجه الطبراني فی الکبیر (۱۳۲۱۷) **والصغیر** (۱۱۶۲) **عن ابن جریج عن سلیمان بن موسی سمعت سالم بن عبد الله بن عمر یحدث عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "لا یمس القرآن إلا طاهر" لم یروه عن سلیمان بن موسی إلا ابن جریج ولا عنه إلا أبو عاصم تفرد به سعید بن محمد.**

وقال الهیثمي فی المجمع (۲۷۶/۱)**: رجاله موثقون. وأخرجه البیهقی في سننه الکبری**(۴۱۷)**. والدارقطنی** (۱۲۱/۱، باب فی نهی المحدث عن مس المصحف).

قلت: فيه سليمان بن موسى، قال البخاري: عنده مناكير، وقال النسائي: أحد الفقهاء وليس بالقوى في الحديث . (تهذيب الكمال: ۹۷/۱۲). **وقال الدكتوربشارعواد: بل: فقيه، صدوق، حسن الحديث.** (تحريرتقريب التهذيب:۷۹/۲).

قال ابن الملقن: رواه الدارقطني في سننه عن الحسين بن إسماعيل المحاملي، ثنا سعيد بن محمد بن ثواب، نا أبوعاصم هو النبيل أنا ابن جريج، عن سليمان بن موسى قال: سمعت سالماً يحدث عن أبيه ...فذكره .

قال الجوزقاني في كتابه: هذا حديث حسن مشهور...قلت: وحديثه صححه الدارقطني في موضع كما ستعلمه، وقال ابن عبد الحق في كتابه الذي وضعه في الرد على ابى محمد بن حزم، عقب قوله: إن الآثار التي احتج بها من لم يجز للجنب من المصحف لايصح منها شيء؛ لأنها إما مرسلة وإما ضعيفة لا تسند، قد صح عن النبى صلى الله عليه وسلم، هذاالحديث، ثم ساقه، وقال إثره : هذا حديث صحيح، رجاله ثقات؛ المحاملي ثقة إمام، وسعيد بن محمد بن ثواب قد خرج الدارقطنى عنه حديث عائشةؓ...ثم قال: هذا إسنادصحيح. فإن اعترض معترض بما قيل في سليمان بن موسى قيل له : ابن حزم يصحح حديثه ويحتج به، وقد احتج بحديثه فى كتاب النكاح، حديث عائشةؓ أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها وشاهدى عدل...ثم قال ابن حزم فيه: لا يصح فى هذا الباب غير هذا السند وفي هذا كفاية لصحته، وباقى السند أشهر من أن يحتاج إلى تبيين أمرهم، قال: فبطل قول ابن حزم إنه لايصح في ذلک حديث، وألان البيهقى القول فيه؛ فقال بعد أن رواه: ليس بالقوى . (البدرالمنير:۵۰۲/۲،ط: دارالهجرة،الرياض) . **وللمزيد راجع :** (نصب الراية: ۱۹۸/۱).

(۲) وأما حديث حكيم بن حزامؓ؛ أخرجه الحاكم فى المستدرک (۶۰۵۱/۴۸۵/۳) **بسنده عن سويد بن أبي حاتم صاحب الطعام** (مختلف فيه) **ثنا مطرالوراق عن حسان بن بلال عن حكيم بن حزامؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم لما بعثه والياً إلى اليمن قال: لا تمس القرآن إلا وأنت طاهر. هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه .**

وأيضاً أخرجه: الطبراني فى الأوسط (۳۳۰۱) **والكبير**(۳۱۳۵)، **والدارقطني في سننه**

(۱۲۲/۱) . **قال الهيثمي فى المجمع** (باب فى مس القرآن) : **فيه ؛ سويد أبو حاتم ضعفه النسائى وابن معين في رواية ووثقه في رواية وقال أبوزرعة : ليس بالقوى حديثه حديث أهل الصدق. قال الدكتور بشارعواد : بل ضعيف** . (التحرير:۹٤/۲).

قال في أعلاء السنن: قلت: فسويد هذا مختلف فيه ، والاختلاف غير مضر كما مر.

(اعلاء السنن:۳۷۹/۱، ادارة القرآن كراتشى). **وينظر**: (نصب الراية : ۱۹۸/۱).

(۳) أما حديث ثوبان رضي الله عنه **؛ فقد أورده أبوالحسن ابن القطان في بيان الوهم والإيهام** (۱۲۲۷) **فقال: وذكر من منتخب على بن عبد العزيز، عن ثوبان** رضي الله عنه**، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايمس القرآن إلا طاهر، والعمرة هى الحج الأصغر. ثم قال: إسناده ضعيف ، انتهى قوله .**

وهذا حديث يرويه على بن عبد العزيز هكذا : حدثنا إسحاق بن إسماعيل، قال: حدثنا مسعدة البصرى، عن خصيب بن جحدر عن النضر ابن شفى، عن أبي أسماء الرحبي، عن ثوبان رضي الله عنه**، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:...الخ. وذكر بهذا الإسناد أحاديث ، وهو إسناد في غاية الضعف. ولم أجد للنضر بن شفي ذكراً في شيء من مظان وجوده ، فهو جد مجهول، وأما الخصيب بن جحدر، فقد رماه ابن معين بالكذب ، واتقى أحمد بن حنبل حديثه. وقال ابن حاتم : له أحاديث مناكير. وأما مسعدة البصرى، فهو ابن اليسع، خرق أحمد بن حنبل حديثه وتركه، وقال أبوحاتم: إنه يكذب على جعفربن محمد.**

وللمزيد راجع : الميزان (ترجمة ۳۱۸۱،الخصيب بن جحدر).

(۴) نصب الراية میں ہے: وأما حديث عمرو بن حزم رضي الله عنه **؛ فرواه النسائي في سننه** (قال محشيه: الشيخ محمد عوامة: الحديث أخرجه النسائى فى الديات...من حديث حكم بن موسى ... ولم أجد فيه: أن لايمس القرآن إلاطاهر، والله أعلم) **في كتاب الديات وأبوداود فى المراسيل من حديث محمد بن بكار بن بلال عن يحيى بن حمزة عن سليمان بن أرقم عن الزهرى عن أبي بكربن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده فى الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أهل اليمن فى السنن والفرائض والديات أن لا يمس القرآن إلا**

طاهر، انتهى .

ورروياه أيضاً من حديث الحكم بن موسى عن يحيى بن حمزة ثنا سليمان بن داود الخولاني حدثنى الزهرى عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده بنحوه، قال أبوداود: وهم فيه الحكم بن موسى يعنى في قوله: سليمان بن داود وإنما هو سليمان بن أرقم وقال النسائى: الأول أشبه بالصواب، وسليمان بن أرقم متروک، انتهى .

وبالسند الثاني: رواه ابن حبان في صحيحه فى النوع السابع والثلاثين، من القسم الخامس، وقال: سليمان بن داود الخولاني من أهل دمشق ثقة مأمون، انتهى. وكذلک الحاكم فى المستدرک وقال: هو من قواعد الإسلام وإسناده من شرط هذا الكتاب، انتهى، أخرجه بطوله، ورواه الطبرانى فى معجمه والدارقطنى ثم البيقهى فى سننهما، وأحمد في مسنده وابن راهويه .

طريق آخر: رواه الدارقطني في" غرائب مالک" من حديث أبي ثور هاشم بن ناجية عن مبشر بن إسماعيل عن مالک عن عبد اللّٰه بن أبي بكر عن أبيه عن جده، قال: كان فيما أخذ عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن لايمس القرآن إلا طاهر، قال الدارقطني: تفرد به أبوثور عن مبشر عن مالک، فأسنده عن جده، ثم رواه من حديث إسحاق الطباع، أخبرني مالک عن عبد اللّٰه بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه، قال: كان في الكتاب الذي كتبه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أن لا يمس القرآن إلا طاهر، قال: وهذا الصواب عن مالک، ليس فيه عن جده انتهى .

قال الشيخ تقى الدين فى الإمام: وقوله فيه: عن جده يحتمل أن يراد به جده الأدنى، وهو محمد بن عمرو بن حزم، ويحتمل أن يراد به جده الأعلى، وهو عمرو بن حزم، وإنما يكون متصلاً إذا أريد الأعلى، لكن قوله: كان فيما أخذ عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقتضي أنه عمرو بن حزم لأنه الذي كتب له الكتاب .

طريق آخر: أخرجه البيهقي فى الخلافيات من طريق عبد الرزاق عن معمر عن عبد اللّٰه بن أبي بكر بن عمروبن حزم عن أبيه عن جده أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كتب

في عهده : ولا يمس القرآن إلا طاهر، انتهى. قلت: لم أجده عند عبد الرزاق في مصنفه، وفي تفسيره إلا مرسلاً، فرواه في مصنفه في باب الحيض أخبرنا معمر عن عبد الله بن أبي بكر عن أبيه قال: كان في كتاب النبي صلى الله عليه وسلم، الحديث، ورواه في تفسيره في سورة الواقعة أخبرنا معمر عن عبد الله، و محمد ابني أبي بكر بن عمروبن حزم عن أبيهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب لهم فيه : ولا يمس القرآن إلا طاهر، انتهى، ومن طريق عبد الرزاق، رواه الدارقطني ثم البيهقي في سننهما هكذا مرسلاً، قال الدارقطني : هذا مرسل، ورواته ثقات، انتهى .

طريق آخر: رواه البيهقى فى الخلافيات من حديث إسماعيل ابن أبي أويس حدثني أبي عن عبد الله، ومحمد ابني أبي بكر يخبر أنه عن أبيهما عن جدهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كتب هذا الكتاب لعمرو بن حزم حين بعثه إلى اليمن، وأبوأويس صدوق، أخرج له مسلم فى المتابعات وقد روى هذا الحديث من طريق أخرى مرسلة .

(نصب الراية : ١/١٩٦-١٩٨، المكتبة المكية).

(۵) وأما حديث عثمان بن أبى العاص رضي الله عنه، فرواه الطبرانى في" معجمه "حدثنا أحمد بن عمر و الخلال المكي، ثنا يعقوب بن حميد ثنا هشام بن سليمان عن إسماعيل بن رافع عن محمد بن سعيد عن عبد الملك عن المغيرة بن شعبة عن عثمان بن أبى العاص رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يمس القرآن إلا طاهر، انتهى. (نصب الراية: ١/١٩٨).

وأخرج أبوبكربن أبي داود في كتاب المصاحف (رقم:٦٢٤) قال: حدثنا عبد الله حدثنا أحمد بن الحباب الحميرى، حدثنا أبوصالح الحكم بن المبارك الخاشتى، حدثنا محمد بن راشد، عن إسماعيل المكي، عن القاسم بن أبي بزة، عن عثمان بن أبى العاص قال: كان فيما عهد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تمس المصحف وأنت غير طاهر".

قال ابن الملقن : وهومنقطع ؛ لأن القاسم لم يدرک عثمان رضي الله عنه. وضعيف ؛ لأن فى إسناده : إسماعيل بن مسلم المكي، وقد ضعفوه وتركه جماعة. وللمزيد راجع: (تنقيح

تحقیق احادیث التعلیق للشیخ ابن عبدالھادی: ۱/۱۳۱/۱۷۸، مسائل الوضوء).

اس روایت کا مضمون آثارِ صحابہ سے بھی مؤید ہے۔ چند آثار ملاحظہ کیجئے:

وفی الباب أثران جیدان: (۱) أحدهما: أخرجه الدارقطنی عن إسحاق الأزرق ثنا القاسم بن عثمان البصری عن أنس بن مالک ﷺ، قال: خرج عمر متقلداً بالسیف، فقیل له: إن ختنک وأختک قد صبوا، فأتاهما عمر ﷺ، وعندهما رجل من المهاجرین، یقال له: خباب، وکانوا یقرء ون طه، فقال: أعطونی الذی عندکم، فأقرأه، وکان عمر یقرأ الکتب فقالت له أخته: إنک رجس، ولا یمسه إلا المطهرون، فقم فاغتسل، أو توضأ، فقام عمر ﷺ توضا، ثم أخذ الکتاب فقرأ طه، انتهی. ورواه أبویعلی الموصلي في مسنده، مطولاً، قال الدارقطني: تفرد به القاسم بن عثمان، ولیس بالقوی، وقال البخاری: له أحادیث لا یتابع علیها.

(۲) والثاني: أخرجه الدارقطني أیضاً عن عبد الرحمن بن یزید، قال: کنا مع سلمان، فخرج فقضی حاجته، ثم جاء فقلت: یا أبا عبد الله لو توضأت لعلنا نسألک عن آیات، قال: إني لست أمسه، إنه لا یمسه إلا المطهرون، فقرأ علینا ما شئنا، انتهی، وصححه الدارقطني. (نصب الرایة: ۱/۱۹۹).

(۳) عن نافع، عن ابن عمر ﷺ، أنه کان لا یمس المصحف إلا وهو طاهر. (مصنف ابن ابی شیبة، رقم:۷۵۰۶).

(۴) قال إسحاق صح قول النبي صلی الله علیه وسلم لا یمس القرآن إلا طاهر، وکذلک کان فعل أصحاب النبي صلی الله علیه وسلم. (الاوسط لابن المنذر:۲/۱۰۲).

وعن ابن جریج عن عطاء قال: لایمس المصحف مفضیاً إلیه غیرمتوضئ. (مصنف عبدالرزاق: ۱/۳۴۲، باب مس المصحف).

قال الشیخ وهبة الزحیلي: أما مس المصحف علی غیر وضوء، فالجمهور ومنهم أئمة الأربعة علی المنع من مسه. (التفسیرالمنیر: ۲۷/۲۸۴).

قال ابن عبد البرفی التمهید: والدلیل علی صحة کتاب عمروبن حزم تلقی جمهور

العلماء له بالقبول ولم يختلف فقهاء الأمصار بالمدينة والعراق والشام أن المصحف لا يمسه إلا الطاهر على وضوء وهوقول مالک والشافعي وأبي حنيفة والثوری والأوزاعي وأحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه وأبي ثور وأبي عبيد وهولاء أئمة الفقه والحديث في أعصارهم وروی ذلک عن سعد بن أبي وقاص وعبد الله بن عمر وطاؤوس والحسن والشعبي والقاسم بن محمد وعطاء قال إسحاق بن راهويه: لا يقرأ أحد فی المصحف إلا وهو متوضئ . (التمهيد: ۳۹۷/۱۷،ط: مؤسسة القرطبة).

حافظ ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ علماء نے دو آیات ۔(۱) لا یمسه إلا المطهرون. (۲) في صحف مكرمة ، مرفوعة مطهرة. سے استدلال کیا ہے کہ محدث قرآنِ کریم کو نہیں چھوسکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ولهذا استنبط العلماء من هاتين الآيتين : أن المحدث لا يمس المصحف...الخ.

(تفسیر ابن کثير: ۲۱۸/۷،ط: دارطيبة).

عصر حاضر کے سلفی حضرات یہ کہتے ہیں کہ روایات ضعیف ہیں لہذا بلا وضو قرآن چھونا جائز ہے۔ جب کہ ان کے مقتدیٰ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اپنے فتاویٰ میں بلا وضو چھونے کو ناجائز تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: لا يجوز للمسلم مس المصحف وهو على غير وضوء عند جمهور أهل العلم، وهو الذي عليه الأئمة الأربعة رضي الله عنهم ، وهو الذي كان يفتي به أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم، وقد ورد في ذلک حديث صحيح لا بأس به ، من حديث عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ ، أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب إلى أهل اليمن:" أن لا يمس القرآن إلا طاهر" وهو حديث جيد له طرق يشهد بعضها بعضاً .

وبذلک يعلم أنه لا يجوز مس المصحف للمسلم إلا على طهارة من الحدث الأكبر والأصغر، وهكذا نقله من مكان إلى مكان ، إذا كان الناقل على غير طهارة .

لكن إذا كان مسه أو نقله بواسطة ،كان يأخذ في لفافة أو في جرابة ،أو بعلاقته فلا بأس، أما أن يمسه مباشرة وهو على غير طهارة فلا يجوز على الصحيح الذی عليه جمهور أهل العلم ،كما تقدم...الخ. (الفتاوی المهمة ،ص۲۳۷،كتاب الطهارة ،ط:دارالغدالجديد).

اسی طرح تحفۃ الاحوذی میں بھی اس کو راجح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قلت: القول الراجح عندي قول أكثر الفقهاء وهو الذي يقتضيه تعظيم القرآن وإكرامه والمتبادر من لفظ " الطاهر" في هذا الحديث هو المتوضئ وهو الفرد الكامل للطاهر، والله تعالىٰ أعلم. (تحفة الاحوذی:۱/۳۸۷).

نیز عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں مذکور ہے:

وقد روي مسنداً من وجه صالح وهو كتاب مشهور عند أهل السير معروف عند أهل العلم معرفة يستغنى بها في شهرتها عن الإسناد لأنه أشبه بالمتواتر لتلقى الناس له بالقبول ولايصح عليهم تلقى ما لا يصح، انتهى. (تحفة الاحوذی:۱/۳۸۷،ط:بیروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآنِ کریم کو بوسہ دینے کا حکم:

سوال: بعض لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب قرآنِ کریم گر جاتا ہے تو اٹھا کر بوسہ دیتے ہیں اور پیشانی اس پر رکھتے ہیں، یا ویسے ہی بوسہ دیتے ہیں تو کیا یہ طریقہ صحیح اور درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم کو احتراماً وتعظیماً بوسہ دینا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین سے بوسہ دینا منقول ہے، اور بلاقصد واختیار گر جائے تو اٹھا کر صحیح جگہ رکھ لے اور اگر تاسفاً وندامۃً بوسہ دیدے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔

قال الشيخ عبد الغني المجددي في شرح سنن ابن ماجه: وفى القنية: تقبيل المصحف قيل: بدعة، لكن روى عن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله و يقول: عهد ربي ومنشور ربي عزوجل وكان عثمان رضي الله عنه يقبل المصحف ويمسه على وجهه.

(شرح سنن ابن ماجه،ص:۲۶۳،قدیمی). (وكذا فى فتاوى الشامي: ۶/۳۸۴،سعید).

وروى الدارمي في سننه عن سليمان بن حرب عن حماد بن زيد عن أيوب عن ابن أبي مليكة أن عكرمة بن أبي جهل رضي الله عنه كان يضع المصحف على وجهه يقول: كلام ربي، كلام ربي. إسناده منقطع، لأن ابن أبي مليكة لم يدرك عكرمة بن أبي جهل. (سنن الدارمی، رقم الحدیث:۳۳۹۳).

وقال فى الموسوعة الفقهية: ذكر الحنفية: وهو المشهور عند الحنابلة، جواز

تقبيل المصحف تكريماً له ، وهو المذهب عند الحنابلة ، وروى عن أحمد استحبابه ، لما روى عن عمر رضي الله عنه أنه كان يأخذ المصحف كل غداة ويقبله...الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية:۱۳۳/۱۳). (وكذا في فتاوى اللكنوى ،ص۴۳۷،مايتعلق بقراءة القرآن ،ط:دارابن حزم،ومجمع الانهرشرح ملتقى الابحر: ۲۲۴/۴،فصل فى البيع وغيره،ط:بيروت).

آج کل کے سلفی حضرات تقبیل قرآن کو شدت سے منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت گردانتے ہیں جبکہ ان کے مقتدیٰ شیخ ابن باز نے خود اپنے فتاوی میں جواز لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

لا نعلم دليلاً على شرعية تقبيله ، ولكن لو قبله الإنسان فلا بأس لأنه يروى عن عكرمة بن أبى جهل الصحابي الجليل رضي الله عنه، أنه كان يقبل المصحف ، ويقول: هذا كلام ربي وبكل حال التقبيل لا حرج فيه . (مجموع فتاوى ابن باز:۲۸۹/۹). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تورات اورانجیل پرکلام اللہ کا اطلاق:

سوال: کیا ہمارے لیے جائز ہے کہ غیر قرآن مثلاً تورات وانجیل کے لیے کلام اللہ کا لفظ استعمال کریں، جبکہ بعض بزرگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ تورات انجیل کتاب اللہ ہیں اور قرآنِ کریم کلام اللہ ہے، کیا یہ بات قرآن اور حدیث کی روشنی میں صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں تورات وانجیل کو کلام اللہ کہنا صحیح اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون﴾ [البقرة:۷۵].

اس آیتِ کریمہ میں کلام اللہ کی تفسیر مفسرین نے تورات سے کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

(روح المعانى : ۲۹۸/۱،وتفسيرابن كثير:۱۲۳/۱،وتفسيرقرطبى : ۳/۲،ومعارف القرآن : ۲۴۸/۱).

قال ابن بطال في شرح صحيح البخاري: وقد روى مالكؒ فى الموطأ أن أبابكر الصديق دخل على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها وهي تشتكي و يهودية ترقيها، فقال أبوبكر: أرقيها بكتاب الله ، يعنى بالتوراة والأنجيل ؛ لأن ذلك كلام الله الذى فيه الشفاء . (شرح

ابن بطال :۹/ ۲٤۸،ط: مکتبة الرشد،الرياض).

عبدالمحسن بن حمد شرح حدیث جبریل فی تعلیم الدین میں لکھتے ہیں:

ولا ينفد كلام اللّٰه الذى هو غير مخلوق ولا محصور ، والقرآن من كلام اللّٰه ، والتوراة والإنجيل من كلام اللّٰه، وكل كتاب أنزله اللّٰه فهو من كلامه، وكلامه غير مخلوق.

(شرح حديث جبريل،ص۲۹). (وكذا فى شرح سنن ابى داود لعبدالمحسن: ۷۸/۲۷).

نیز فقہاء نے بھی کلام اللہ میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو محیط برہانی میں مرقوم ہے:

ألا ترى أن المسلم لا يستحلف باللّٰه الذي خلق الشمس بخلاف اليهودي والنصراني حيث يذكر في استحلافهم التوراة والإنجيل ؛ لأن التوراة والإنجيل كلام اللّٰه تعالىٰ . (المحيط البرهانى : ۷/۱۰، والفصل الخامس والعشرون فى اليمين من كتاب القضاء، ط؛ رشيديه).

وفي تبيين الحقائق : قراءة التوراة والإنجيل والزبور لأن الكل كلام اللّٰه تعالىٰ إلا ما بدل منها . (تبيين الحقائق: ۵۷/۱، امداديه ، ملتان، وكذا فى فتح القدير: ۱۶۸/۱،دارالفكر).

وقال في فتاوى اللكنوى : أي كلام اللّٰه تعالىٰ تفسد بقراء ته فى الصلاة ؟

أقول: هوالتوراة والإنجيل والزبور، وغيره من الكتب المتقدمة ، نص عليه فى البحر الرائق. (نفع المفتى والسائل،ص ۲۹۰).

ہاں بعض بزرگوں کے قول کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ قرآنِ کریم کتابی شکل میں نازل نہیں ہوا بلکہ کلام اللہ کی شکل میں نازل ہوا اس لیے اس کا کلام اللہ ہونا معروف ومشہور ہے اور دیگر کتبِ سماویہ مکمل کتابی شکل میں نازل ہوئیں لہذا ان میں کتاب اللہ ہونا معروف ومشہور ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

موبائیل میں قرآن رکھنے کا حکم:

سوال: موبائیل فون میں قرآنِ کریم محفوظ کیا جاتا ہے جبکہ فون جیب میں ہوتا ہے بیت الخلا اور دیگر نامناسب جگہوں میں جاتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بے ادبی میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: موبائیل فون میں قرآنِ کریم محفوظ کرنا جائز اور درست ہے اور جب تک موبائل کے اندر چیپ (chip) میں محفوظ ہے قرآن کے حکم میں نہیں ہے لہذا جیب میں رکھنا، بیت الخلا میں لیجانا موبائیل کو بلا

وضو چھونا سب درست ہے، البتہ جب اسکرین پر آیات کھلی ہوئی ہیں تو اب قرآنِ کریم کے حکم میں بلا وضو اسکرین کو مس کرنا اور بیت الخلا میں لیجانا سب ناجائز ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس وقت بھی اسکرین کو بلا وضو چھونے کی اجازت دی ہے لیکن قرآنِ کریم کے احترام کے پیشِ نظر پہلا قول زیادہ محتاط اور مناسب ہے۔

روى الإمام مالكؒ في الموطأ : عن عبد الله بن أبي بكر بن حزم ، أن في الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمرو بن حزم : أن لا يمس القرآن إلا طاهر.

(موطاالامام مالك ،ص١٨٥،ط: نورمحمد كتب خانه).

وفي مسائل فقهية معاصرة لعبد الملك بن عبد الرحمن السعدي :

إن ظهر على الشاشة وقرأه مع عدم الوضوء ،فلا مانع لأن المحدث يجوز له أن يقرأ عن ظهر قلب، وفي المصحف دون لمس له، أما إن كان جنباً فلا يحق له قراء ة القرآن مطلقاً ، وكذا الحائض، ولا مانع من حمل الهاتف المحتوى على القرآن ،لأن المخزون فيه الصوت ، والحروف والكلمات مستورة ، ولكن لو ظهر شيء من الآيات على الشاشة لايضع يده على الشاشة ؛ لأنه مس للقرآن ، والله تعالىٰ يقول: ﴿لا يمسه إلا المطهرون﴾

[الواقعة:٧٩]. (مسائل فقهية معاصرة،ص:١٩١،ط: اردن).

وقال في" مس الأجهزة الإلكترونية التي يخزن فيها القرآن وحملها ": إن الجوال المشتمل على المصحف لا يخلو من حالين : الأول: أن يكون المصحف مغلقاً (أى أن يكون القرآن المخزن فى الجوال غير معروض على شاشة الجوال ، بل يكون في خانات ذاكرة الجوال فقط).

والثاني: أن يكون المصحف مفتوحاً. (أى أن يكون القرآن المخزن فى الجوال معروضاً على الشاشة).

الدليل للحال الأول: إن ما يتم تخزينه فى الأجهزة الإلكترونية ليس كتابة حقيقة ولا أصلاً ، بل هو عبارة عن شفيرات و ذبابات كهربائية (لا توجد بصفة المقروء) قابلة لأنها تتحول إلى شيء مكتوب بعد المعالجة وتكون منها الحروف بصورة عند طلبها، أما قبل

الطلب والمعالجة فلا سبيل للإنسان بحال إلى معرفة القابليا المنطوية فيها ، ولا يمكنه بحال أن يعرف شيئاً منها فلا هي حروف عربية ولا عجمية ، حتى نسميها (أى نسمى الإشارات التي تضمنت ذاكرة الجهاز) كتابة و نعطى لها حكم القرآن .

لأن الكتابة التي تظهر في شاشة الهاتف عبارة عن إشارات ضوئية تصدرها مصابيح في غاية الدقة تتجه بضوئها إلى سطح الشاشة ، بهيئة وترتيب معين ، فتتألف كتابة معينة ، فلما تزال هذه الكتابة من الشاشة بإطفاء هذه المصابيح تختفى الكتابات من الشاشة وتتلاشى وتصبح في حكم العدم ، ولم تعد هناك كتابة ولا حروف ، ومن ثم لا تكون قرآناً في هذه الحالة ، ولايعطى لها حكم الكتابات وحكم القرآن حتى يجوز للمحدث والحائض والجنب أيضاً مس الجوال حينئذٍ .

الدليل للحال الثاني: إن ما هو الظاهر على شاشة الجوال وهوالآيات القرآنية مكتوبة بالرسم العثماني مقروئة بالسهلة مكشوفة على القارى لا مانع له من كونه آيات قرآنية مكتوبة فيعطى له حكم آيات القرآن .

ونحن نقيس ظهور الآيات القرآنية على شاشة الجوال مكتوبة بالرسم العثماني على اللوح الذى يكتب فيه القرآن ، لأنه لا يظهر القرآن كله دفعة واحدة في شاشة الجوال ، بل تظهر بعض الآيات أثر بعض ، ويزول بعضها ليحل محلها غيرها ،كلوح الكتابة يمحى منه ما كتب ليكتب مكانه غيره .

وحكم الآيات القرآنية المكتوبة فى اللوح كما فى الشامى: قوله : ومسه أى القرآن ولو في لوح أو درهم أو حائط لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب بخلاف المصحف فلايجوز مس الجلد وموضع البياض منه . (فتاوى الشامى:۱/۲۹۳،سعيد).

وقال فى البحرالرائق: لا يجوز مس المصحف كله المكتوب وغيره بخلاف غيره فإنه لايمنع إلا مس المكتوب كذا ذكره فى السراج الوهاج . (البحرالرائق:۱/۲۱۱،بيروت).

فلا يمنع إلا من مس قدر ما ظهر من الآيات القرآنية على الشاشة بلا وضوء ، وله مس غيره .(مس الاجهزة الالكترونية التى يخزن فيها القرآن وحملها ، لمحمد جنيد بن محمد نورى الديرشوى) .

خلاصہ یہ ہے کہ اسکرین پر قرآنِ کریم کھلا ہو تو یہ اسکرین اس لوح اور تختی کے حکم میں ہوگی جس پر قرآنی آیات لکھی گئی ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ کی جگہ بلاوضو چھونا ناجائز ہوگا باقی موبائل کو بلاوضو چھو سکتے ہیں اسی طرح بیت الخلا اور مقاماتِ نجاست میں لیجانا بھی ناجائز ہوگا اور اگر اندر محفوظ ہے تو قرآن کے حکم میں نہیں۔

مس الاجہزۃ الالکترونیہ میں آخر میں بطورِ خلاصہ مذکور ہے:

النتائج والتوصيات: هذه أهم النتائج التي توصل إليها الباحث:

(۱) الآيات القرآنية المخزنة في ذاكرة الجهاز ليس لها حكم القرآن ما دامت قارة في خانات الذاكرة؛ لأنها ليست كتابة.

(۲) ليس من شرط الاعتداد بالكتابة كونها ثابتة لاتزول، بل العبرة بكونها مقروءة وإن زالت من قرب.

(۳) الكتابة التي تظهر من خلال شاشات الأجهزة الإلكترونية كتابة حقيقية، ولذا فإنها إن كانت آيات قرآنية عدت قرآناً.

(۴) إذا استعرضت آيات القرآن الكريم من خلال شاشة الجهاز كان للجهاز حكم القرآن، سواء كان جهاز قرآن فقط، أو كان هاتفاً محمولاً أو نحوه من الأجهزة الإلكترونية.

(۵) الصواب إلحاق هذه الأجهزة بالألواح التي يكتب فيها القرآن، لما أن الآيات فيها تظهر و تزول، كاللوح يكتب فيه بعض الآيات وتمحى ليكتب مكانها غيرها. (مس الاجهزة الإلكترونية، ص٤٤، ط: المدينة المنورة). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

آیاتِ قرآنی والے تعویذ کے ساتھ بیت الخلا جانے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کے گلے میں تعویذ بندھا ہوا ہے جس میں آیاتِ قرآنیہ ہیں، یا سیل فون میں قرآنِ کریم بھرا ہوا ہے، اسی طرح انگوٹھی میں حروفِ مقطعات مرقوم ہیں تو ان اشیاء کے ساتھ بیت الخلا میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: اگر تعویذ میں قرآنی آیات سی ہوئی ہے اور نظر نہیں آتیں، اسی طرح موبائل فون میں قرآنِ

کریم اسکرین پر ظاہر نہیں ہے بلکہ اندر کی طرف چھپا ہوا ہے تو ان کے ساتھ بیت الخلا میں داخل ہونا جائز اور درست ہے البتہ تعویذ اتارنا بہتر ہے لیکن اگر آیاتِ قرآنیہ نظر آتی ہوں مثلاً تعویذ کھلا ہوا ہے اور آیات نظر آتی ہیں اسی طرح آیاتِ قرآنیہ موبائل کی اسکرین پر ظاہر ہوں تو پھر بیت الخلا میں لیجانا ناجائز ہے، اور انگوٹھی کا بھی یہی حکم ہے۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

ولو كانت رقية في غلاف متجاف عنه لم يكره دخول الخلاء به والاحتراز عن مثله أفضل . (فتح القدير: ١/١٦٩، دارالفكر).

وكذا في تبيين الحقائق: ١/٥٨، امداديه، والدرالمختار: ١/١٧٨، سعيد، والبحرالرائق: ١/٢١٣، **وزاد بقوله:**

وفي الخلاصة: لو كان على خاتمه اسم الله تعالىٰ يجعل الفص إلى باطن الكف.

وقال في الطحطاوي: و لو كان ما فيه شيء من القرآن أو من أسمائه تعالىٰ في غلاف منفصل عنه، أو في جيبه فلا بأس به، والاحتراز عن مثله أفضل إن أمكن . (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار: ١/١٠١).

کفایت المفتی میں ہے:

تعویذ کے ساتھ جبکہ وہ غلاف میں چھپا ہوا ہو، بیت الخلا میں جانا جائز تو ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ تعویذ باہر رکھ کر جائیں۔ (کفایت المفتی: ۹/۷۷، دارالاشاعت)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآنِ پاک پڑھ کر بھولنے پر وعید:

سوال: اگر کوئی شخص قرآن سیکھنے اور یاد کرنے کے بعد بھول جائے تو قرآن اور حدیث میں ایسے شخص کے لیے کوئی وعید وارد ہوئی ہے یا نہیں؟ اور حفظ قرآن مستحب ہے یا فرض کفایہ ہے؟ اور دونوں میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآن سیکھ کر بھول جانے کی مختلف وعیدیں مختلف احادیث میں وارد ہوئی ہیں، اکثر ان میں سے ضعیف ہیں۔ نیز بعض علماء نے اس کو گناہِ کبیرہ میں شامل فرمایا ہے۔ چند احادیث حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام أبوداود، قال: حدثنا عبدالوهاب بن الحكم الخزاز، أخبرنا عبد المجيد بن عبد العزيز بن أبي رواد، عن ابن جريج، عن المطلب بن عبد الله بن حنطب، عن أنس

بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: عرضت علي أجور أمتي حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد، وعرضت علي ذنوب أمتي، فلم أر ذنباً أعظم من سورۃ من القرآن أو آیۃ أوتیتھا رجل ثم نسیھا. (رواہ ابوداود، رقم:٤٦١،والترمذی ،رقم:٢٩١٦).

قال الشیخ شعیب: إسنادہ ضعیف، ابن جریج، مدلس ورواہ بالعنعنۃ، ولم یسمع من المطلب...الخ. وللمزید من البحث راجع: (تعلیقات الشیخ شعیب علی سنن ابی داود: ١/٣٤٦/٤٦١).

قال الإمام النووي رحمہ اللہ فی الأذکار (١/٨٩)**: تکلم الترمذي فیہ. وتعقب عبد القادر الأرنؤوط: فقال: لکن للحدیث شواھد بالمعنی یرتقی بھا إلی درجۃ الحسن.** (روضۃ المحدثین، رقم: ٤٦٦٢).

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ثواب میرے روبرو پیش کیے گئے یہاں تک کہ اس کوڑے اور خس وخاشاک کا ثواب بھی پیش ہوا جس کو آدمی مسجد سے باہر نکالتا ہے اور اسی طرح میری امت کے گناہ بھی مجھ پر پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا کوئی آیت یاد ہو اور وہ اس کو بھول گیا ہو۔

وأیضاً أخرج بسندہ من حدیث سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ما من امرئ یقرأ القرآن، ثم ینساہ، إلا لقي اللّٰہ عزوجل یوم القیامۃ أجزم.

(ابوداود،رقم:١٤٧٤،والترمذی،رقم:٣٣٨٣).

إسنادہ ضعیف؛ فیہ ثلاث علل: جھالۃ عیسی بن فائد، وجھالۃ الرجل، وضعف یزید بن أبي زیاد. وللمزید من البحث راجع: (تعلیقات الشیخ شعیب علی سنن ابی داود: ٢/٥٩٩،٦٠٠/١٤٧٤).

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرآن شریف کو پڑھے اور پھر اس کو بھول جائے قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوڑھی ہو کر حاضر ہوگا۔ (کوڑھ وہ بیماری ہے جس سے ہاتھ پیر وغیرہ اعضا گل سڑ جاتے ہیں اور انسانی بدن کا گوشت گل سڑ کر گر جاتا ہے)۔

أخرج الإمام أحمد في زھدہ (ص٢٨١،رقم:١٧٥٠) **قال: حدثنا زید بن الحباب، أنبأنا**

خالد بن دينار قال: سمعت أبا العالية قال: كنا نعد من أعظم الذنوب أن يتعلم الرجل القرآن ثم ينام عنه حتى ينساه .

قال الشيخ شعيب: هذا مسند صحيح إلى أبي العالية وهو رفيع بن مهران الرياحي البصري أدرک الجاهلية وأسلم بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم ودخل على أبي بكر وصلى خلف عمر رضي الله عنه وروي عن جمع من الصحابة رضي الله عنهم . (تعليقات الشيخ شعيب على سنن ابى داود: ٢/٦٠٠). **وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله : إسناده جيد** . (فتح الباری:٩/٨٦).

ترجمہ: ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ قرآن یادکر کے سوجانے اور بھول جانے کو ہم بڑے گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ یہ روایت صحیح ہے۔

وقال الحافظ : ومن طريق ابن سيرين رحمه الله بإسناد صحيح في الذي ينسى القرآن كانوا يكرهونه ويقولون فيه قولاً شديداً . (فتح الباری : ٩/٨٦).

وعن ابن جريج ، قال: قال أنس بن مالک رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن من أكبر ذنب توافى أمتي يوم القيامة لسورة من كتاب الله مع أحدهم فنسيها .

ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: بے شک سب سے بڑا گناہ جو قیامت کے دن امت کولاحق ہوگا وہ قرآن کی سورت بھلا دینے کا ہوگا۔(اس بھولنے سے مراد یہ ہے کہ ناظرہ بھی نہ پڑھ سکے)۔

وعن عكرمة رضي الله عنه ومجاهد رحمه الله قالا: إذا علم الرجل القرآن ، ثم نسيه يجيء يوم القيامة فيقول: لو حفظتني لبلغت بک المنزل ، ولكنک قصرت فقصرت بک .

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ دونوں کا قول ہے کہ جب کوئی قرآن سیکھے اور پھر اس کو بھلا دے قیامت کے دن قرآنِ پاک آئے گا اور اس کو کہے گا اگر تو مجھے یاد رکھتا تو میں تجھے اونچے درجہ پر پہنچا دیتا لیکن تو نے غفلت وکوتاہی برتی لہذا میں بھی آج تیری خدمت سے قاصر ہوں۔

وعن الضحاک رحمه الله : ما تعلم أحد القرآن فنسيه إلا بذنب ، ثم قرأ ﴿ما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم و يعفو عن كثير﴾ وأى مصيبة أعظم من نسيان القرآن. (قيام الليل وقيام رمضان و كتاب الوتر،وابن كثيرفى فضائل القرآن:١/١٤٠،فتح البارى :٩/٨٦).

قال الحافظ ابن حجرؒ: واختلف السلف في نسيان القرآن فمنهم من جعل ذلك من الكبائر. (فتح الباری:۹/۸۶).

(۲) قرآن حفظاً یاد کرنا فرضِ کفایہ ہے یعنی تمام لوگوں کے ترک کرنے سے سب گنہگار رہوں گے اور بعض کرلے تو دوسرے کے لیے فقط مستحب ہے واجب اور لازم نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

إن حفظ القرآن من فروض الكفاية فيخاطب به كل الأمة في كل زمن نعم إن حفظه جمع منهم يقوم بهم الكفاية سقط الحرج عن جميعهم وإلا أثموا كلهم. (مرقاة المفاتيح: ۳۸۰/۴، فضائل القرآن، ط: مكتبه امداديه، ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآنِ کریم سے فال نکالنے کا حکم:

سوال: قرآنِ کریم سے فال نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت تھانویؒ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم سے بدفالی لینا بالاتفاق ناجائز ہے، البتہ نیک فالی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، اکثر علماء اس کو مکروہ کہتے ہیں اور بعض جائز کہتے ہیں، اس اختلاف کی وجہ سے اگر کسی نے نیک فالی لی تو مرتکب حرام یا ناجائز نہیں کہا جائیگا۔ بہرحال اکثر علماء کے قول کے پیش نظر اس سے منع کیا جائیگا۔

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ شرح نخبۃ الفکر کی شرح میں فرماتے ہیں:

والفال بالمصحف ما صدر عن السلف، واختلف فيه المتأخرون، ولا شك أن التشاؤم بما فيه مكروه، سواء بالحروف أو بالمعنى، وأما التفاول بالمعنى أو بظهور بسملة ونحوها فلا بأس به، وأما الحروف فلا دلالة لها على القبح والحسن أبداً. (شرح شرح نخبة الفكر، ص ۳٦٥، قديمی كتب خانه).

علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:

وتعقب القول بجواز الاستخارة بالقرآن، بأنه لم ينقل فعلها عن السلف، وقد قيل: إن الإمام مالكاً كرهها. وأما في فتاوى الصوفية نقلاً عن الزندوستي من أنه لا بأس بها وأنه

قد فعلها علي كرم اللّٰه تعالىٰ وجهه ، ومعاذ رضي الله عنه ، وروي عن علي كرم اللّٰه تعالىٰ وجهه أنه قال: من أراد أن يتفاءل بكتاب اللّٰه تعالىٰ ، فليقرأ : قل هو اللّٰه أحد ، سبع مرات وليقل ثلاث مرات ؛ اللّٰهُمَّ بكتابك تفائلت وعليك توكلت اللّٰهم أرني في كتابك ما هو المكتوم من سرك المكنون في غيبك ثم يتفائل بأول الصحيفة (لعلها الصفحة). ففى النفس منه شيء . (روح المعانی : ٥٩/٦).

اور دستور العلماء میں مرفوعاً بحوالہ جامع دارقطنی روایت نقل کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال وفي جامع دارقطني قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أراد أن يتفائل بالمصحف فينبغي أن يبيت طاهراً ويصبح صائماً ويأخذ المصحف ويقرأ آية الكرسي ويقرأ وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو ويعلم ما فى البر والبحر وما تسقط من ورقة إلا يعلمها ولا حبة في ظلمات الأرض ولا رطب ولا يابس إلا في كتاب مبين . و يصلى عشر مرات ويقول : اللّٰهم بكتابك تفائلت وبك آمنت وعليك توكلت فاظهر في كتابك المكنون ما في علمك المخزون ثم يفتح ويعد لفظ اللّٰه من جانب اليمين ثم يقلب الأوراق من جانب اليسار بعدد كلمات اللّٰه ثم يعد الأسطر من جانب اليسار ثم يتفائل فما جاء فهو بمنزلة الوحي . (دستورالعلماء : ٢٢٤/١، باب التاء مع الفاء،ط: بيروت).

یہ روایت ہمیں کسی معتبر حدیث کی کتاب میں نہیں ملی ، بظاہر موضوع معلوم ہوتی ہے کیونکہ روح المعانی میں بحوالہ فتاوی الصوفیہ منقول ہے اور یہ ضعیف کتاب ہے مسائل میں بھی غیر معتبر ہے چہ جائیکہ حدیث کے بارے میں اس پر اعتماد کیا جائے۔ **قال في كشف الظنون : قال المولى بركلي : ليست من الكتب المعتبرة فلا يجوز العمل بما فيها إلا إذا علم موافقتها للأصول .** (کشف الظنون:١٢٢٥/٢،والنافع الکبیر،ص ٣٠).

مزید براں علامہ آلوسیؒ نے بھی عدمِ صحت کی طرف بایں الفاظ " **ففى النفس منه شيء** " اشارہ فرمادیا۔

اور دستور العلماء کی روایت بحوالہ جامع دارقطنی منقول ہے اور دارقطنی میں بھی یہ حدیث ہمیں نہیں ملی نیز اس کے الفاظ بھی اس کے موضوع ہونے پر دال ہیں۔

قال ابن تيميةؒ في فتاواه : وفي حكمه قولان للفقهاء في استفتاح الفال فى المصحف

الأول ؛ أنه حرام ، نقل عن ابن العربی المالکی ، وهو ظاهر ما نقله البهوتی عن الشیخ (ابن تیمیة) وصرح به القرافي والطرطوشي من المالکیة ، قال الطرطوشی : لأنه من باب الاستسقام بالأزلام ، لأن المستقسم یطلب قسمه من الغیب ، وکذلک من أخذ الفال من المصحف أو غیره إنما یعتقد هذا المقصد إن خرج جیداً اتبعه ، أو ردیاً اجتنبه ، فهو عین الاستسقام بالأزلام الذي ورد القرآن بتحریمه فیحرم .

الثاني: أنه مکروه ، وهو ظاهر کلام الشافعیة .

الثالث: الجواز ، ونقل فعله عن ابن بطة من الحنابلة . (الموسوعة الفقهیة الکویتیة:٤/ ٥٦).

مجموع الفتاوی ابن تیمیہؒ میں ہے:

واما استفتاح الفال فی المصحف ؛ فلم ینقل عن السلف فیه شيء وقد تنازع فیه المتأخرون ، وذکر القاضي أبویعلی فیه نزاعاً ، ذکر عن ابن بطة أنه فعله وذکر عن غیره أنه کرهه فإن هذا لیس الفال الذی یحبه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فإنه کان یحب الفال ویکره الطیرة ، والفال الذي یحبه هو أن یفعل أمراً أو یعزم علیه متوکلاً علی اللّٰه فیسمع الکلمة الحسنة التي تسره . (مجموع الفتاوی : ٢٣/٦٦).

وقال في شرح الفقه الأکبر: ولا یؤخذ الفال من المصحف فإن العلماء اختلفوا في ذلک فکرهه بعضهم وأجاز بعضهم ونص المالکیة علی تحریمه انتهی، ولعل من أجاز الفال أو کرهه اعتمد علی المعنی ومن حرمه اعتبر حروف المبنی. (شرح الفقه الاکبر،ص١٤٩).

وقال الدکتور وهبة الزحیلی: ومثل ذلک معرفة الحظ بواسطة المسبحة أو المصحف ... فکل ذلک حرام منکر شرعاً. (التفسیرالمنیر:٦/٨٣، دارالفکر).

وقال في نفع المفتی والسائل: الاستفسار: هل یجوز أخذ الفال من المصحف ؟

الاستبشار: یکره ؛ کما في جامع الرموز عن التحفة وصرح بمنعه علی القاری المکی في شرح شرح النخبة . (نفع المفتی والسائل،ص ٤٣٠،ط: دارابن حزم).

وللاستزادة انظر: (بریقة محمودیة: ، باب الخامس والعشرون من آفات القلب التطیر،ونهایة المحتاج ، فصل مایحرم بالحدث، وفتاوی الرملی ، ومعارف القرآن:٣/٣١، ومجموعة الفتاویٰ :٢/٣٣٥، والیواقیت الغالیة فی

تحقیق وتخریج الاحادیث العالیة:۲/۷۳۵).

کفایت المفتی میں ہے:

قرآن مجید سے فال نکالنا ناجائز ہے، فال نکالنا اور اس پر عقیدہ کرنا کسی اور کتاب مثلاً دیوانِ حافظ و گلستان وغیرہ، سے بھی ناجائز ہے مگر قرآن مجید سے نکالنا تو سخت گناہ ہے کہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین یا اس کی جانب سے بدعقیدگی پیدا ہوجاتی ہے۔ (کفایت المفتی:۹/۲۲۲،دارالاشاعت).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

محققین نے اس کو ناجائز لکھا ہے، خصوصاً جبکہ اس کا یقین کیا جاوے تو سب کے نزدیک ناجائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۴/ ۵۸)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کو قرآن شریف دینے کا حکم:

سوال: کیا ہم غیر مسلم کو قرآن کریم کا مترجم نسخہ دے سکتے ہیں اگر وہ ہم سے طلب کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ غیر مسلم کو قرآنِ کریم کا مترجم نسخہ دینا درجِ ذیل دو شرطوں کے ساتھ جائز اور درست ہے۔ (۱) غیر مسلم سے بے ادبی اور بے حرمتی کا اندیشہ نہ ہو۔ (۲) طہارت کا لحاظ رکھتا ہو، اگر جنابت میں ہو تو غسل کرلے اور اگر غسل کیا ہوا ہو تو وضو کے لیے کہا جائے۔ ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

قال أبوحنيفةؒ: أُعَلِّمُ النصرانيَ الفقهَ والقرآنَ لعله يهتدى ولا يمس المصحف وإن اغتسل ثم مس لا بأس كذا فى الملتقط . (الفتاوى الهندية:٥/٣٢٣).

(وكذا فى الاشباه والنظائر: ١/١٦٨،والدرالمختار: ١/١٧٧،سعيد،والبحرالرائق: ٨/٢٠٣).

بدائع الصنائع میں ہے:

وروي عن أبي يوسفؒ أنه لا يترك الكافر أن يمس المصحف لأن الكافر نجس فيجب تنزيه المصحف عن مسه. وقال محمد : لا بأس به إذا اغتسل لأن المانع هوالحدث وقد زال بالغسل وإنما بقي نجاسة اعتقاده وذلك في قلبه لا في يده. (بدائع الصنائع:١/٣٧،سعيد).

فتاویٰ رحیمیہ میں مرقوم ہے:

اگر غیر مسلم کے دل میں قرآن مجید کی عظمت ہو اور اس کی طرف سے اس بات کا اطمینان ہو کہ وہ اس کی بے ادبی نہیں کریگا تو اس کو قرآن مجید دینا جائز ہے، ممکن ہے کہ اس کو ہدایت نصیب ہو جائے، مگر اس کو ہدایت کر دی جائے کہ یہ اللہ کا مقدس کلام ہے ناپاکی کی حالت میں اس کو چھونا اس کی عظمت کے خلاف ہے، لہذا ناپاکی کی حالت ہو تو غسل کر کے ورنہ وضو کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے، اس کو وضو اور غسل کا طریقہ بھی بتلا دیا جائے، اس سے اس کے دل میں قرآن مجید کی عظمت پیدا ہوگی، ان شاء اللہ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۱۵۱، دیوبند)۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآن شریف کا فقط ترجمہ شائع کرنے کا حکم:

سوال: کیا قرآن مجید کا فقط ترجمہ شائع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہائے کرام اور مفتی حضرات زمانہ قدیم سے قرآن کے ترجمہ کو قرآنی کلمات کے بغیر چھاپنے کو ناجائز فرماتے ہیں اور اس میں **متعدد خرابیاں** بتلاتے ہیں:

(۱) لوگ اس کو اصل قرآن سمجھیں گے جو کہ غلط ہے۔

(۲) رفتہ رفتہ آگے جا کر اس کو نمازوں میں پڑھنا شروع کر دیں گے جو ناجائز ہے۔

(۳) قرآنِ کریم کے کلمات اور الفاظ کی برکت سے محروم ہو جائیں گے۔

(۴) قرآنِ کریم کے کلمات سامنے ہوں اور ان کے ساتھ ترجمہ ہو تو علمائے کرام اور تفسیر سے شغف رکھنے والوں کو پتہ چلے گا کہ مناسب ترجمہ لیا گیا یا نامناسب ہے۔

(۵) ترجمہ پڑھنے کے ساتھ تلاوت بھی ہوگی۔

(۶) ترجمہ متن کے بغیر چھاپنا اکابر وسلف کے طریقہ کے خلاف ہے۔

(۷) ہمارے سب اکابر نے اس طرح کرنے کو ناجائز لکھا ہے۔ اس لیے قرآنِ کریم کا ترجمہ اور اس کے ساتھ عربی قرآنِ کریم چھاپنا چاہیے۔

اور اگر غیر مسلم کو قرآنِ کریم دینے کی ضرورت ہو یا غیر مسلم مانگ لے تو پھر قرآنِ کریم بمع تفسیر اس کو دیدیا جائے، اور تفسیر بھی ایسی ہو جو غیر مسلم ممالک کے غیر مسلموں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہو، صرف قرآنِ کریم بمعہ ترجمہ یا بغیر ترجمہ غیر مسلموں کو دینے کی ضرورت ہو تو اگر وہ جنابت میں ہو تو غسل کر لے اور اگر غسل کیا ہو تو وضو کے لیے کہا جائے پھر وہ نہا دھو کر قرآنِ کریم لے سکتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں مرقوم ہے:

قال أبو حنيفةؒ: أُعَلِّمُ النصرانىَ الفقهَ والقرآنَ لعله يهتدى ولا يمس المصحف وإن اغتسل ثم مس لا بأس كذا فى الملتقط. (الفتاوى الهندية:٥/٣٢٣).

(وكذا في الاشباه والنظائر: ١/١٦٨، والدرالمختار: ١/١٧٧،سعيد، والبحرالرائق: ٨/٢٠٣).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے واقعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ان کی بہن نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غسل کے لیے فرمایا اور پھر قرآنِ کریم کے اوراق دیدئے۔ مختصر قصہ ملاحظہ فرمائیں:

أخرج الحاكم فى المستدرك (٤/٧٠/٦٨٩٧)، **والدارقطنى فى سننه** (١/١٢٣/٧، باب فى نهى المحدث عن مس القرآن) **والضياء المقدسى فى الأحاديث المختارة** (٣/١١٢)، **والبيهقي في دلائل النبوة** (٢/٩٢/٥١٩) **والذهبي في تاريخ الإسلام** (١/١٧٤) **وابن سعد فى الطبقات الكبرى**(٣/٢٦٨) **وابن عساكر فى تاريخ دمشق** (٤٤/٣٤) **واللفظ للبيهقي، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: خرج عمر رضی اللہ عنہ متقلداً السيف ، فلقيه رجل من بنى زهرة ، فقال له : أين تعمد يا عمر؟ فقال: أريد أن أقتل محمداً قال: وكيف تأمن من بني هاشم وبني زهرة؟ ... إلى قوله : فقال عمر رضی اللہ عنہ : أعطونى الكتاب الذي هو عندكم ، فأقرأه قال: وكان عمر رضی اللہ عنہ يقرأ الكتب ، فقالت أخته : إنك رجس وإنه لا يمسه إلا المطهرون ، فقم فاغتسل أو توضأ قال: فقام عمر رضی اللہ عنہ، فتوضأ ، ثم أخذ الكتاب فقرأ طه ...الخ . وقال الدارقطنى : القاسم بن عثمان ليس بقوى . وقال البخارى : له أحاديث لا يتابع عليها.** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرآن شریف غلط چھپا ہو تو اس کی اشاعت کا حکم:

سوال: قرآن شریف غلط چھپا ہوا ہے اس میں غلطیاں موجود ہیں تو اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ اگر ایک آدھ غلطی ہے جس کی تصحیح آسان ہو تو اس کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں اگر فحش غلطیاں ہوں اور عوام کے غلط پڑھنے کا غالب گمان ہو تو اس کی بیع سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

کیونکہ قرآنِ کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ **قال اللّٰه تعالىٰ : إنا نحن نزلنا**

الذكر وإنا له لحافظون﴾ لہٰذا اغلاط وغیرہ سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ معارف القرآن میں ہے:

تمام اہل سنت والجماعۃ کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہی قرآن ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور ہر قسم کی تحریف اور تغیر وتبدل اور کمی اور زیادتی سے بالکلیہ محفوظ ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا اور نہ اس میں تحریف ہو سکے گی اور نہ وہ ضائع ہو سکے گا کیونکہ حق تعالیٰ شانہٗ کا وعدہ ہے، **إنا نحن نزلنا الذكر...الخ.** (معارف القرآن:۴/۲۸۲)۔

امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

واعلم أنه لم يتفق لشيء من الكتب مثل هذا الحفظ ، فإنه لا كتاب إلا وقد دخله التصحيف والتحريف والتغيير ، إما فى الكثير منه أو فى القليل ، وبقاء هذا الكتاب مصوناً عن جميع جهات التحريف مع أن دواعى الملحدة واليهود والنصارى متوفرة على إبطاله وإفساده من أعظم المعجزات وأيضاً أخبر اللّٰه تعالىٰ عن بقائه محفوظاً عن التغيير والتحريف . (التفسیر الکبیر:٥/٢٦٥).

معلوم ہوا کہ طباعت کی فحش غلطیاں بھی قابل اشاعت نہیں اس میں تلاوت کی غلطی کا امکان ہے، لہٰذا اس کو فروخت نہیں کرنا چاہئے ورنہ گناہ پر تعاون لازم آئیگا۔ **قال اللّٰه تعالىٰ : ﴿ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾** [المائدة:٢].

نیز فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب مصلحت اور مضرت دونوں جمع ہو جائیں تو مضرت کی جانب کو ترجیح ہوگی، اس اعتبار سے بھی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔ شرح المجلہ میں ہے:

درء المفاسد أولىٰ من جلب المنافع ، أى إذا تعارض مفسدة ومصلحة قدم رفع المفسدة لأن اعتناء الشارع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات و مما يتفرع من هذه القاعدة أن الرجل يمنع من التصرف في ملكه إذا كان تصرفه يضر بجاره ضرراً فاحشاً لأن درء المفاسد عن جاره أولىٰ من جلب المنافع لنفسهٖ ، انتهى. (شرح المجلة لسليم رستم باز اللبنانى:١/٣٢، المادة: ٣٠، ط: دارالكتب العلمية). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قرآنِ کریم کی کتابت میں رسم عثمانی کا حکم:

سوال: (۱) کیا قرآن شریف کی کتابت رسم عثمانی کے علاوہ دوسرے طریقہ پر صحیح ہے؟ (۲) اور رسم عثمانی کے موافق لکھنا واجب ہے یا مستحب یا مباح؟ (۳) اگر کسی نے بیـنٰت اور ایٰت کو بینات اور آیات لکھا تو کیا حکم ہے؟ (۴) اسی طرح اگر کسی نے **الـحمد لله رب العٰلمين** کے ساتھ، ال ح م د ل ل ہ ر ب ب ل ع ل م ی ن ، لکھا اور اپنی زبان میں بھی لکھا مثلاً: Alhamdulillahi Rabbil Alameen یا کسی اور زبان میں تو اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: (۱، ۲، ۳) جمہور علماء کے نزدیک رسمِ عثمانی کی موافقت واجب ہے، اس کے خلاف لکھنا درست نہیں ہے، البتہ بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے، مثلاً: ابن خلدون وغیرہ، پھر چونکہ عام لوگ ہندوستان، پاکستان، بنگلا دیش اور دیگر عجمی ممالک میں رسم عثمانی کو جانتے نہیں اور نہ اس کے موافق پورا قرآن پڑھ سکتے ہیں تو ان کی آسانی کے لیے ابن خلدون کا قول لیا جا سکتا ہے۔

(۴) قرآنِ کریم سیکھنے کے لیے نورانی قاعدہ اور قاعدہ بغدادی پہلے پڑھ لیا جائے قرآن کو اس طرح حروفِ مقطعات اور دوسری زبانوں میں نہیں لکھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو المقنع میں مرقوم ہے:

قال أشهب: سئل مالك فقيل له: أرأيت من استكتب مصحفاً اليوم أترى أن يكتب على ما أحدث الناس من الهجاء اليوم؟ قال: أرى ذلك، ولكن يكتب على الكتبة الأولى، قال أبوعمرو: ولا مخالف له في ذلك من علماء الأمة. (المقنع، ص۱۹، مكتبة الكلية، ازهر).

قال أبوبكر بن العربي في كتاب العواصم: اتفق الأئمة على أن القراء ات التى لاتخالف الألفاظ التي كتبت في مصحف عثمان هي متواترة وإن اختلفت في وجوه الأداء وكيفيات النطق ومعنى ذلك أن تواترها تبع لتواتر صورة كتابة المصحف، وما كان نطقه صالحاً لرسم المصحف، واختلف فيه فهو مقبول. (التحرير والتنوير لابن عاشور: ۱/ ٦٠، ط: تونس).

البرہان فی علوم القرآن میں ہے:

قال الإمام أحمد رحمه الله: تحرم مخالفة خط مصحف عثمان في ياء أو واو أو ألف أو غير

ذلک ، قلت: وكان هذا فى الصدر الأول والعلم حي غض وأما الآن فقد يخشى الإلباس ولهذا قال الشيخ عز الدين بن عبدالسلام لاتجوز كتابة المصحف الآن على الرسوم الأولى باصطلاح الأئمة لئلا يوقع في تغيير من الجهال ولكن لا ينبغي إجراء هذا على إطلاقه لئلا يؤدى إلى دروس العلم وشيء أحكمته القدماء لايترك مراعاته لجهل الجاهلين ولن تخلو الأرض من قائم لله بالحجة وقد قال البيهقى في شعب الإيمان : من كتب مصحفاً فينبغي أن يحافظ على حروف الهجاء التي كتبوا بها تلك المصاحف ولا يخالفهم فيها ولا يغير مما كتبوه شيئاً فإنهم أكثر علماً وأصدق قلباً وأعظم أمانة منا فلا ينبغي أن نظن بأنفسنا استدراكاً عليهم . (البرهان فى علوم القرآن للشيخ بدرالدين الزركشى م:٧٩٤هـ: ١/ ٣٧٩،دارالمعرفة،بيروت).

وقال مناهل العرفان في علوم القرآن: وجاء في حواشى المنهج في فقه الشافعية مانصه: كلمة الربا تكتب بالواو والألف كما جاء فى الرسم العثماني ولا تكتب فى القرآن بالياء أو الألف لأن رسمه سنة متبعة .

وجاء فى المحيط البرهانى في فقه الحنفية مانصه:أنه ينبغى ألا يكتب المصحف بغير الرسم العثماني . وقال العلامة نظام الدين النيسابورى ما نصه: وقال جماعة من الأئمة إن الواجب على القراء والعلماء وأهل الكتابة أن يتبعوا هذا الرسم في خط المصحف فإنه رسم زيد بن ثابت رضي الله عنه وكان أمين رسول الله صلى الله عليه وسلم وكاتب وحيه. (مناهل العرفان،ص ٣٧٢).

وللاستزادة انظر: (نهاية القول المفيد فى علم التجويد،ص ٢٣٨،المكتبة العلمية،وشرح الشفاء للملاعلى القارى: ٢/ ٥٤٧،بيروت،تحريم كتابة القرآن الكريم بحروف غيرعربية،ص ٣٢،للشيخ صالح على العود،ومجموعة الفتاوى: /٦ ١٠، وجواهرالفقه: ١/ ٧٤،وازالة الخفاء : ١/ ٢٥،وامدادالاحكام: ١/ ٢٣٥،وكتاب الفتاوىٰ: ١/ ٤٥١).

بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے:

(مناہل العرفان فی علوم القرآن: ۱/ ۳۷۳، ومقدمۃ ابن خلدون)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قرآنِ کریم میں مور کا پر رکھنے کا حکم:

سوال: مور کا پر قرآن شریف میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: مور ایک حلال اور طیب جانور ہے اور اس کا پر بھی پاک ہے بنابریں بطورِ تزیین رکھا جائے تو چنداں حرج نہیں ہے۔ قرآن شریف کی تزیین جائز ہے ملاحظہ ہو الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولا بأس بتحلية المصحف ونقش المسجد والزخرفة بماء الذهب لأن المقصود بذلك التعظيم والتشريف . (الجوهرة النيرة:٢/٣٨٤، مكتبه امداديه، ملتان).

وقال في الهداية : ولا بأس بتحلية المصحف لمافيه من تعظيمه. (٤/٤٧٤،مسائل متفرقة).

امدادالفتاویٰ میں مرقوم ہے: سوال: پرِطاؤس کا مصحف میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: چونکہ کوئی امر مانع نہیں، لہذا جائز ہے۔ (امدادالفتاویٰ:۴/ ۵۹،مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

مزید ملاحظہ ہو: (خیر الفتاویٰ:۱/۲۶۲،مکتبہ امدادیہ ملتان)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوسیدہ قرآنِ کریم کو جلانے کا حکم:

سوال: قرآن کے اوراق پرانے اور بوسیدہ ہو جائیں تو ان کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت عثمانؓ نے قرآنِ کریم کے اوراق جلا ڈالے تھے کیا یہ بے عزتی نہیں ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منسوخ قرآن یا قراءاتِ شاذہ متروکہ غیر متواترہ کو جلایا تھا، اور اس کے جلانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن اب اگر کوئی قرآن بوسیدہ اور پرانا ہو جائے تو وہ صحیح اور متواتر قرآن ہے لہذا اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والے قرآن پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، اور اس کو دفن ہی کرنا چاہئے، صحابہ کرام نے صحیح اور درست متواتر بوسیدہ قرآن کو نہیں جلایا بلکہ غیر متواتر کو جلایا، بوسیدہ قرآن جو ناقابل استعمال ہو میت کے مشابہ ہے جس کو احترام کے ساتھ دفن کرنا چاہئے، کیا دنیا میں قیمتی خزانے کو زمین میں دفن نہیں کرتے تھے؟ یقیناً کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

المصحف إذا صار خلقاً لا يقرأ منه ويخاف أن يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ودفنه أولىٰ من وضعه موضعاً يخاف أن يقع عليه النجاسة أو نحو ذلك ويلحد له لأنه لو

شق و دفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب إليه فهو حسن أيضاً كذا في الغرائب ، المصحف إذا صار خلقاً وتعذرت القراء ة منه لا يحرق بالنار أشار إليه الشيباني إلى هذا في السير الكبير و به نأخذ كذا في الذخيرة . (الفتاوى الهندية: ٣٢٣/٥). (و كذا فى فتاوى الشامى: ٤٢٢/٦ ،سعيد).

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو روایت مروی ہے علامہ عینیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وقال الكرمانيؒ : فإن قلت: كيف جاز إحراق القرآن ؟ قلت: المحروق هو القرآن المنسوخ أو المختلط بغيره من التفسير أو بلغة غير قريش أو القراء ات الشاذة وفائدته أن لايقع الاختلاف فيه . (عمدة القارى:١٣/٥٣٦، باب جمع القرآن، دارالحديث، ملتان).

فتح الباری میں ہے: **عن سويد بن غفلة عن علي رضی اللہ عنہ قال: لا تقولوا لعثمان رضی اللہ عنہ في إحراق المصاحف إلا خيراً.** (فتح البارى :٢١/٩).

قال السبكيؒ: وأما الإجماع فإجماع الصحابة رضی اللہ عنہم مع عثمان رضی اللہ عنہ على تحريق المصاحف الباطلة لما فيها من زيادة أونقص على المصحف المجمع عليه. (فتاوى السبكى: ٤٤٢/٢، ط:بيروت).

وقال الشيخ علاء الدين الطرابلسي: ومن ذلك مافعله عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لما خاف على الأمة أن يختلفوا فى القرآن ويفترق الناس فيه أمر بتحريق المصاحف وجمع الأمة على مصحف واحد لما رأى لهم من المصلحة في ذلك ووافقه عليه الصحابة رضی اللہ عنہم ورأوا ذلك مصلحة للأمة . (معين الحكام ، ص١٧٢ ، تحت القضاء بالسياسة الشرعية، ط:دارالفكر).

وللاستزادة انظر: (الموسوعة الفقهية الكويتية: ١٢٣/٢ ،مايباح احراقه ومالايباح،واحسن الفتاوىٰ: ١٥/٨، ١٦). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مسحور ہونے کا مطلب:

سوال: معوذتین مکی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ سحر مدنی ہے، تو ان سورتوں کے نزول کا اس واقعہ سے کیا تعلق ہے؟ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسحور ہو سکتے ہیں؟ جبکہ کفار یہ جملہ کہتے ہیں: **إن تتبعون**

إلا رجلاً مسحوراً ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ معوذتین کو بعض حضرات نے مکی کہا ہے اور بعض نے مدنی کہا ہے اگر مکی ہو تو مدینہ منورہ میں نزول کے معنی اس کو مسحور کے دم کے لیے مقرر کرنا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بشری خواص سے مستثنیٰ نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امورِ دنیا میں جسمانی کمزوری محسوس فرماتے تھے کبھی کوئی کام نہیں کیا ہوتا اور کیا ہوا سمجھتے تھے تو ان چیزوں کا تعلق امورِ دینیہ سے نہیں، امورِ دینیہ کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

اور مشرکین مکہ کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہنے کی حسبِ ذیل چند وجوہات ہیں:

(۱) مسحور ساحر کے معنی میں آتا ہے، مطلب یہ ہوگا الا رجلاً ساحراً، کیونکہ سحر تو مدینہ منورہ میں ہوا تھا، اور مکہ مکرمہ میں معجزات کی وجہ سے ساحر کہتے تھے۔ اور مسحور ساحر کے معنی میں قرآنِ کریم میں مستعمل ہوا ہے:

ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات فسئل بني إسرائیل إذ جاء هم فقال له فرعون: إني لأظنک یٰموسیٰ مسحوراً . (الاسراء: ۱۰۱).

نیز سورۂ بنی اسرائیل میں مفعول کے اکثر صیغے اسم فاعل کے معنی میں آئے ہیں؛ جیسے: **وإذا قرئت القرآن جعلنا بینک وبین الذین لا یؤمنون بالآخرة حجاباً مستوراً .** (الاسراء: ۴۵) **أی ساتراً .**

(۲) ضروری نہیں کہ کفار کی ہر بات غلط ہو، کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے ہیں تو کیا یہ غلط ہے؟ ان کا مقصد یہ تھا: **محمد بشر (صغریٰ) والبشر لایکون نبیاً (کبریٰ) فمحمد لایکون نبیاً .** (نتیجہ)۔

ان کا صغریٰ تو صحیح تھا لیکن کبریٰ غلط تھا اس وجہ سے نتیجہ بھی غلط نکلا۔

اسی طرح ان کا یہ مطلب کہ محمد مسحور ہے اور مسحور نبی نہیں تو محمد نبی نہیں تو یہ غلط ہے، مسحور بیمار کے معنی میں ہے اور بیماری خواصِ بشر میں سے ہے جب رسول بشر ہے تو رسول کے ساتھ خواصِ بشر کا پیش آنا رسول ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(۳) رسول کو مسحور کہا اس کا مطلب یہ تھا کہ مختلط الحواس اور مجنون ہیں۔

مختصر دلائل ملاحظہ فرمائیں:۔ روح المعانی میں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

سورة الفلق : مکیة في قول الحسن وعطاء و عکرمة و جابر و روایة کریب عن ابن

عباس رضی اللہ عنہ مدنية في قول ابن عباس رضی اللہ عنہ في رواية أبي صالح وقتادة وهو الصحيح لأن سبب نزولها سحر اليهود، وهم إنما سحروه عليه الصلاة والسلام بالمدينة كما جاء فى الصحاح فلا يلتفت لمن صحح كونها مكية وكذا الكلام فى سورة الناس. (روح المعانی:۳۰/۲۷۹). (وكذا فی زادالمسیر: ۹/۲۷۰،والتفسیر).

معارف القرآن میں مرقوم ہے:

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہوجانا ایسا ہی ممکن ہے جیسا بیماری کا اثر ہوجانا اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے بخار اور درد ہوسکتا ہے ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہوسکتا ہے۔(معارف القرآن:۵/۴۷۸)۔

انبیاء علیہم السلام پر سحر کے اثر کرنے کی تحقیق ملاحظہ ہو:

تحقيق تأثر الانبياء بالسحر: وأما تأثر الأنبياء عليهم السلام بالسحر، فقد روي عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: أنه عليه السلام سحر حتى أنه ليخيل إليه أنه فعل الشيء وما فعله، الحديث...

الجواب عن إيراد الجصاص على حديث تأثر النبي صلى الله عليه وسلم بالسحر:
وما قاله الجصاص رحمہ اللہ: إن مثل هذه الأخبار من وضع الملحدين وقال: إنه لم يقل كل الرواة: أنه صلى الله عليه وسلم اختلط عليه أمره، وإنما هذا اللفظ زيد فى الحديث ولا أصل له، انتهى، فلم أجد له وجهاً وجيهاً؛ فإن الحديث قد جاء عن غير واحد من الصحابة عن غير واحد من الطرق الصحيحة بأسانيد رجالها كلهم ثقات. والذى حمل الجصاص ومن تبعه على رد الحديث أن تجويز هذا يعدم الثقة بما شرعه من الشرائع إذ يحتمل على هذا أن يخيل إليه أنه يرى جبريل وليس هو ثم، وأنه يوحى إليه بشيء ولم يوح إليه شيء، وهذا يحط منصب النبوة ويشكك فيها، وكل ما أدى إلى ذلك فهو باطل، قلنا: لا مجال لهذا الاحتمال، وإنما يتأتى ذلك لو نقل عنه في خبر من الأخبار أنه قال قولاً فكان بخلاف ما أخبر به، ولم ينقل عنه في خبر من الأخبار ما يوهم ذلك... وأما ما يتعلق ببعض أمور الدنيا التي لم يبعث لأجلها، ولا كانت الرسالة لأجلها، فهو في ذلك عرضة لما يعترض البشر

كالأمراض، فغير بعيد أن يخيل إليه في أمر من أمور الدنيا ما لا حقيقة له مع عصمته عن مثل ذلک في أمور الدين ...

إلى قوله: وبالجملة لم يقم دليل عقلي ولا سمعي على امتناع تأثر الأنبياء عليهم السلام به مطلقاً ؛ بل قد وردت الأحاديث الصحيحة بثبوته فى الجملة، وهو ظاهر القرآن، نعم: لا يجوز تأثرهم به فيما يتعلق بالتشريع والتبليغ ...الخ. (احکام القرآن للعلامة التھانویؒ: ۱/ ٤٤ ـ ٤٨،ط: ادارة القرآن).

روح المعانی میں ہے:

إن الله عصمه فيما يتعلق بالرسالة وأما ما يتعلق ببعض أمور الدنيا التي لم يبعث عليه الصلاة والسلام بسببها وهي مما يعرض للبشر فغير بعيد أن يخيل إليه من ذلک ما لا حقيقة له... وقال القاضي عياض: قد جاء ت روايات حديث عائشةؓ مبينة أن السحر إنما تسلط على جسده الشريف صلى الله عليه وسلم وظواهر جوارحه لا على عقله عليه الصلاة والسلام وقلبه واعتقاده ... (روح المعانی: ۲۸۳/۳۰). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

یہود کی خوش عیش زندگی اور قرآنِ کریم:

سوال: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہود کے بارے میں فرمایا کہ: ان پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگائی گئی ہے، حالانکہ کافی عرصہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ بڑی عزت کی زندگی گزارتے ہیں، امریکہ، یورپ ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں، عرب ممالک میں ایک چھوٹے سے حصے پر حاکم ہونے کے باوجود ایٹمی طاقت کے مالک ہیں، تو قرآنِ کریم کی آیت کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کتبِ تفاسیر میں مفسرین حضرات نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے لیکن سب کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ یہود پر مسکینی دائمی یا کچھ مدت کے لیے لگائی گئی، اور یہ مسکینی یا واقعی ہے کہ ان کے اکثر افراد فقیر ہیں ہاں ان میں سے کچھ فیصد مالداری کے اوج ثریا پر پہونچے ہیں اور اکثر حضرات کے نزدیک دلوں کی مسکینی مراد ہے یعنی حرص وبخل میں ضرب المثل بنے ہوئے ہیں۔ اور لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ مہتممِ دار العلوم دیو بند کا اس مسئلہ پر ایک رسالہ ہے اس کو ملاحظہ کیا جائے۔

اوران پر ذلت اور کمزوری ڈالی گئی ہے کچھ مدت قبل تک سب ان کو ذلیل سمجھتے تھے، ہاں اگر یہ اللہ تعالیٰ کے دین کی رسی پکڑلیں یا دوسری اقوام کے دامن شفقت میں پناہ لیں توان کی ذلت اور کمزوری ختم ہوجائیگی یا ذلت چھپ جائیگی، اور یہود آج کل دوسری اقوام کی گود میں اسطرح بیٹھے ہوئے ہیں جیسے بچہ ماں کی گود میں بلکہ بچہ نے ماں کو کھلونا بنایا ہے اور ماں بچہ کی محبت میں انصاف اور سچائی کی حدود تجاوز کررہی ہے، **فإلى الله المشتكىٰ.**

امام رازیؒ کی تفسیر اور قرۃ العینین تعلیقات جلالین سے پتہ چلتا ہے کہ ”**ضربت عليهم الذلة والمسكنة**“ اور ”**أينما ثقفوا إلا بحبل من الله وحبل من الناس**“ کا مطلب یہ ہے کہ جب یہود اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے توان کے ساتھ قتال کر کے ان کو ذلیل اور مسکین بنایا جائے جیسے خیبر میں ان کی زمینوں اور اموال کو چھین لیا گیا۔ الا یہ کہ عقد ذمہ کے نتیجے میں قتال اور محاربہ سے بچ جائیں، اوراس کی نظیر ”**أينما ثقفوا أخذوا وقتلوا تقتيلاً**“، یعنی یہ شرط وجزا کی طرح ہے۔ ملاحظہ کیجئے: (قرة العينين تحت الآية: ١١٢، سورة آل عمران).

وللاستزادة انظر: (التفسير المظهري: ٢/١٢١، وجواهر القرآن للطنطاوي: ١/١٤٢، وزاد المسير في علم التفسير لابن الجوزي: ١/٤٤١، والتفسير الواضح للشيخ الصابوني، ص ١٤٣، وتفسير البيضاوي، ص ٨٥، وانوار البيان في كشف اسرار القرآن: ١/١٢١، وكتاب الاستفسار، ص: ١٠٥، وتفسير ماجدي: ١/١٤٦). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شہابِ ثاقب کا جنات کا تعاقب کرنا:

سوال: کیا قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ شہابِ ثاقب کے ذریعہ جن جنات کو فرشتے مارتے ہیں یہ وہ جنات ہیں جو ملأ اعلیٰ کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز شیاطین کے مارے جانے کا سلسلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد شروع ہوا یا بعثت ورسالت کے بعد؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جب جنات ملأ اعلیٰ کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے ہیں تو شہابِ ثاقب جنات کا تعاقب کرتے ہیں، اور اصح قول کے مطابق یہ سلسلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شروع ہوا، ہاں شہابِ ثاقب پہلے سے موجود تھے لیکن ان سے یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد لیا گیا۔ البتہ بعض کتبِ تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع ہونا مرقوم ہے لیکن یہ

قول مرجوح ہے۔ یا یہ کہ ولادت کے وقت رمی کا سلسلہ کم تھا، بعثت کے بعد بہت زیادہ ہوا، یا ولادت کے وقت موقوف ہوکر بعثت کے وقت سے تاہنوز جاری ہے۔

ملاحظہ ہو فرمائیں، علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

وثانياً وهو الحق : بأنها كانت موجودة قبل البعثة لأسباب أخر ولا تنكر ذلك إلا أنه لا ينافي أنها بعد البعثة قد توجد بسبب دفع الشياطين و زجرهم ، ... (روح المعاني : ٢٥/١٤،دارالتراث).

قال الإمام الرازي: المقام الثاني : وهو أقرب إلى الصواب أن هذه الشهب كانت موجودة قبل المبعث إلا أنها زيدت بعد المبعث وجعلت أكمل وأقوى، وهذا هوالذى يدل عليه لفظ القرآن ، لأنه قال: ﴿ فوجدناهاملئت﴾ [الجن:٨]. **وهذا يدل على أن الحادث هو الملء والكثرة ...الخ.** (التفسيرالكبير: ١٥٨/١٥،ط:دارالفكر).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (روح المعانی، سورۂ حجر، وسورۂ جن، وتفسیر کبیر، سورۂ جن، وتفسیر ابن کثیر، سورۂ جن، وتفسیر مظہری، ومعارف القرآن، وسیرتِ حلبیہ: ۱/ ۱۶۸، ومواہب لدنیہ، وکشف الباری، کتاب التفسیر از حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب)۔

جاہلیت کے بعض شعراء کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ شہابِ ثاقب بعثتِ نبوی سے پہلے بھی گرائے جاتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

قال العلامة الآلوسي: وجاء أيضاً في شعر الجاهلية : قال بشر بن أبى حازم :

والعير يلحقها الغبار وجحشها ☆ ينقض خلفهما انقضاض الكوكب .

وقال أوس بن حجر :

وانقض كالدرى يتبعه ☆ نقع يثور تخاله طنبا . (روح المعانی:٢٤/١٤،دارالتراث).

شہابِ ثاقب کیا ہے؟

اس بارے میں قدیم فلاسفہ کہتے ہیں کہ جب دھواں طبقہ ناریہ کو پہنچ کر نار بن جائے اور بھڑک اٹھے تو یہ شہاب ہے، یاد رہے کہ قدیم فلاسفہ آسمان کے نیچے طبقہ ناریہ کے قائل ہیں۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

إن انقضاض الكواكب مذكور في كتب قدماء الفلاسفة وذكروا فيه أن الأرض إذا سخنت بالشمس ارتفع منها بخار يابس فإذا بلغ كرة النار احترق بها فتلك الشعلة هى

الشهاب . (روح المعاني: ١٤/ ٢٤).

مزید دیکھئے: (ہدایۃ الحکمۃ شرح میبذی، ص ۳۷، وفلکیاتِ جدیدہ از حضرت مولانا موسیٰ روحانی بازی، ص ۲۸۲)۔

جدید فلاسفہ کہتے ہیں کہ شہب بے شمار چھوٹے اجسام ہیں جن کا حجم عموماً چنے اور اخروٹ سے بڑا نہیں ہوتا اجسام وسیع فضا میں نہایت تیز رفتاری یعنی برفتار ۲۰ میل و ۲۵ میل فی سیکنڈ بلکہ بعض برفتار ۴۰ میل یا اس سے بھی زیادہ میل فی ثانیہ گردش کرتے ہیں۔ سطح ارض سے تقریباً ۱۰۰ میل بالا بالا شہاب ٹوٹنے کا آغاز ہوتا ہے اور زمین سے ۵، ۱۰ میل کے فاصلے پر پہنچ کر جل بھن کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ البتہ گاہے گاہے اگر شہابی پتھر کا حجم بڑا ہو تو اس کے کچھ ٹکڑے صحیح وسالم زمین تک پہنچ جاتے ہیں اور بڑی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

دنیا کے مختلف عجائب گھروں میں اس قسم کے بے شمار احجارِ شہابی محفوظ ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑا شہابی پتھر گرین لینڈ میں ایک سیاح کو ملا، وہ اسے امریکہ لے آیا، اس کا وزن تقریباً ۳۰ ٹن ہے ۱۹۱۷ء میں سکاٹ لینڈ میں ایک شہاب گرا۔ اس کے ایک ٹکڑے کا وزن ۲۲ پونڈ ہے۔ ۱۰ نومبر ۱۴۹۲ء کو فرانس میں ایک شہابی حجر گر کر پانچ فٹ تک زمین میں دھنس گیا۔ اس کا وزن سوا تین من تھا۔ اب بھی لوگ اسے دیکھنے کے لیے جاتے رہتے ہیں۔ میکسیکو میں ایک شہابی حجر محفوظ ہے جس کا وزن ۸۰۰ من ہے یہ ٹکڑا لوہے کا ہے۔ (فلکیاتِ جدیدہ، ص: ۲۷۱۔۲۸۰، از مولانا موسیٰ روحانی بازی)۔

شہاب کو نجم کہنے کی وجہ:

علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ شہاب کو نجم اس کے چمکنے اور روشن ہونے میں مشابہت کی وجہ سے کہا گیا ہے، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شعلے بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہوں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

والشهاب على ما قال الراغب؛ الشعلة الساطعة من النار الموقدة من العارض في الجو ويطلق على الكوكب ببريقه كشعلة النار...إلى قوله: وإطلاق الرجوم على النجوم وقولهم: رمى بالنجم يحتمل أن يكون مبنياً على الظاهر للرائي ...الخ. (روح المعاني: ١٤/ ٢٣-٢٦). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل دوم

تلاوت سے متعلق احکام کا بیان

سورۂ یس صبح شام پڑھنے کی فضیلت:

سوال: سورۂ یس صبح شام پڑھنے کی کیا فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے؟ نیز دونوں روایتوں میں کونسی زیادہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: سورۂ یس پڑھنے سے متعلق تین قسم کی روایات ذخیرۂ احادیث میں دستیاب ہوتی ہیں (۱) دن اور رات میں پڑھنے سے متعلق ۔(۲) صرف صبح پڑھنے کی روایات ۔(۳) صرف شام میں پڑھنے کی روایات ۔ان روایات میں رات کو پڑھنے والی روایات زیادہ صحیح ہیں۔اور صبح کو پڑھنے والی روایات ضعیف ہیں۔

پہلی قسم کی روایات ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام الطبراني في المعجم في الكبير (١٤٥/٦٢/١٩) **والصغير**(٤١٧/٢٢٥/١) **بسنده عن الحسن عن أبي هريرة** رضي الله عنه **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" من قرأ يٰسٓ في يوم أو ليلة ابتغاء وجه اللّٰه غفرله. وقال: قد قيل: إن الحسن لم يسمع من أبي هريرة**رضي الله عنه **وقال بعض أهل العلم: إنه قد سمع منه .**

إسناده ضعيف ؛ قال الهيثمي: فيه أغلب بن تميم وهو ضعيف. قال البخاري: منكر الحديث. وأيضاً أخرجه ابن السني في عمل اليوم والليلة (٦٧٣)، **وابن عدى في الكامل** (٤١٦/١) .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے اور اس کی سند حسن کے درجہ میں ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج الإمام الدارمي في سننه (٣٤٦٢، باب فضل يس) **بسنده عن شهربن حوشب قال: قال بن عباس رضي الله عنه: من قرأ يٰسٓ حين يصبح أعطي يسر يومه حتى يمسي ومن قرأها في صدر ليلة أعطي يسر ليلته حتى يصبح . قال محشيه حسين سليم أسد: إسناده حسن وهو موقوف على ابن عباس رضي الله عنه.**

دوسری قسم یعنی صبح کو پڑھنے کی روایات ملاحظہ فرمائیں:

أخرج الإمام الدارمي في سننه (٣٤٦١، باب فضل يس) **بسنده عن عطاء بن أبي رباحؒ قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قرأ يٰسٓ في صدرالنهار قضيت حوائجه. قال محشيه حسين سليم أسد: إسناده ضعيف مرسل .**

قلت: رجاله ثقات إلا أنه مرسل ومراسيل عطاء بن أبي رباح أضعف المراسيل .

قال الإمام المزي: وقال الفضل بن زياد ، عن أحمد بن حنبلؒ: ...وليس في المرسلات شيء أضعف من مرسلات الحسنؒ وعطاء بن أبي رباح فإنهما كانا يأخذان عن كل أحد. (تهذيب الكمال: ٨٣/٢٠).

وأخرج أبونعيم الأصبهاني بسنده ، فقال: حدثنا أبومحمد بن حيان ثنا إسحاق بن إبراهيم ثنا فهر بن عبد الله أبوشامة ثنا يزيد بن الحباب عن هارون النحوي عن سعيد عن عكرمة قال: من قرأ يٰسٓ والقرآن الحكيم لم يزل ذلك اليوم في سرور حتى يمسي . (حلية الاولياء: ٣٣٨/٣). **وفي إسناده نظر؛ فهر بن عبد الله أبوشامة لم أهتد إليه ، وسعيد ـ راويه عن عكرمة ـ لم يتعين لي، فإن كان هو سعيد بن المرزبان أبا سعد البقال فهو متروك الحديث**
(تعليقات احاديث ومرويات فى الميزان لمحمد عمرو عبداللطيف :١٢/٢).

تیسری قسم یعنی رات کو سورۂ یٰس پڑھنے کی احادیث ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام الدارمي في سننه (٣٤٦٠) **قال : حدثنا الوليد بن شجاع حدثني أبي حدثني زياد بن خيثمة عن محمد بن جحادة عن الحسن عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ يٰسٓ في ليلة ابتغاء وجه الله غفر له في تلك الليلة .**

إسناده ؛ رجاله ثقات إلا أن سماع الحسن من أبي هريرة رضي الله عنه مختلف فيه ؛ والذي قرره الحافظ فى" التهذيب"(٢/٢٤٥) أنه سمع منه فى الجملة .

لكن هذا لا ينفع فى المدلس وأن الحسن مشهور فى التدليس حتى يصرح بالسماع الذى لا يحتمل التأويل .

نعم صرح في حديث أبي يعلى، قال حدثنا إسحاق بن أبي إسرائيل حدثنا حجاج بن محمد عن هشام بن زياد عن الحسن قال: سمعت أباهريرة رضي الله عنه يقول: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ يٰسٓ في ليلة أصبح مغفوراً له ...الخ .

لكن في إسناده ؛هشام بن زياده وهوضعيف. والحديث أخرجه أبوداود الطيالسي في مسنده (٢٥٨٩)، والبيهقي في شعب الإيمان (٢٢٣٥)، وأبونعيم الأصبهاني في أخبار أصبهان (٩٢٧)، وفي حلية الأولياء (٢/١٥٩) والعقيلي فى الضعفاء الكبير (٣٢٨) وقال: والرواية في هذا المتن فيها لين، وتمام في فوائده (٩٠٠)، وابن مقرئ في معجمه (٧٠)، ويحيى بن الحسين فى الأمالي الشجرية (ص:٩٦)، وحنبل بن إسحاق في جزئه (٨٨). والخطيب في تاريخ بغداد (١٣٤٥)، و ابن عساكر في تاريخ دمشق (١١٥٥٦).

وأخرج ابن حبان في صحيحه (٢٥٧٤) بسنده، عن محمد بن جحادة عن الحسن عن جندب قال:قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ يٰسٓ في ليلة ابتغاء وجه اللّٰه غفرله. قال الشيخ شعيب الأرنؤوط: رجاله ثقات لكن فيه عنعنة الحسن .

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بعض طرق کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے البتہ حسن بصری کا عنعنہ ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع مختلف فیہ ہے۔ مزید تفصیل کے لیے شعب الایمان کی تعلیقات (٤/٩٥-٩٦/٢٢٣٥و ٢٢٣٦) ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

خلطِ قراءات کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کا کچھ حصہ ایک قراءت میں پڑھے، پھر دوسرا حصہ دوسری قراءت میں پڑھے، مثلاً پہلا جزء ایک قراءت میں اور دوسرے جزء کو دوسری قراءت میں، پھر تیسرا جزء تیسری قراءت

میں، اس طرح پورا قرآنِ کریم ختم کرے تو یہ جائز اور درست ہے یا نہیں؟ نیز قرآن ختم کرنے والا کہلائیگا یا نہیں؟ اسی طرح نماز میں پہلی رکعت میں ایک قراءت اور دوسری رکعت میں دوسری قراءت پڑھے تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ ایسا کرنا جائز اور درست ہے لیکن پورے قرآن کو ایک ہی قراءت میں مربوط کرنا بہتر اور اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو امام نوویؒ فرماتے ہیں:

إذا ابتدأ بقراء ة أحد القراء ، فينبغي أن يستمر على القراء ة بها ما دام الكلام مرتبطاً، فإذا انقضى ارتباطه فله أن يقرأ بقراء ة أحد من السبعة والأولى دوامه على الأولى في هذا المجلس. (التبيان فی آداب حملة القرآن،الباب السادس فی آداب القرآن،ص۹۸ ، ط : دارابن حزم). و كذا فی فتح الكريم المنان للضباع المصرى ،ص۳).

لیکن ایسے خلط قراءت سے اجتناب کرے جہاں کلمہ مہمل بن جاتا ہو یا جملہ غلط ہو جاتا ہو جیسے "**فتلقى آدم من ربه كلمات**" میں خلط قراءت سے آدم اور کلمات دونوں کو منصوب پڑھے تو یہ جملہ نحوی ترکیب کے اعتبار سے غلط ہوگا، کیونکہ فاعل اور مفعول دونوں منصوب ہو گئے وہذا لا یجوز۔

ملاحظہ ہو غیث النفع فی القراءات السبع میں مرقوم ہے:

وقال الشيخ النويري في شرح الدرة: والقراء ة بخلط الطرق وتركيبها حرام أو مكروه أو معيب. وقال المحقق ابن الجزری : والصواب عندی فی ذلک التفصيل وهو إن كانت إحدى القراء تين مترتبة على الأخرى فالمنع من ذلک منع تحريم كمن قرأ : ﴿فتلقى آدم من ربه كلمات﴾ بالرفع فيهما أو النصب آخذاً رفع آدم من قراء ة غير المكى ورفع كلمات من قراء ته وأما مالم يكن كذلک فإنا نفرق فيه بين مقام الرواية وغيرها، فإن قرأ بذلک على سبيل الرواية فإنه لايجوز أيضاً من حيث أنه كذب فی الرواية وتخليط على أهل الدراية ، وإن لم يكن على سبيل النقل والرواية بل على سبيل القراء ة والتلاوة فإنه جائز وإن كنا نعيبه على أئمة القراء ات العارفين باختلاف الروايات من وجه تساوى العلماء بالعوام لا من وجه أن ذلک مكروه أو حرام ، انتهى مختصراً ، وجزم في موضع آخر بالكراهة من غير تفصيل ، والتفصيل هو التحقيق . (غيث النفع فی القراء ات السبع ،ص٤٤،دارالكتب

العلمية).

قال العلامة ابن الجزري فى النشر فى القراء ات العشر: والصواب عندنا...وإن لم يكن على سبيل النقل والرواية بل على سبيل القراء ة والتلاوة فإنه جائز صحيح مقبول لا منع منه ولا حظر ...الخ. (النشرفی القراء ات العشر:۱/۱۹،ط: دارالفکر).

وقال محمد شرعى أبوزيد في جمع القرآن فى مراحله التاريخية'': وقد اتفق العلماء على عدم جواز الخلط بين الطرق والروايات إذا كانت إحدى القراء تين مترتبة على الأخرى، وكذلك إذا قرأ على سبيل النقل والرواية، ...واختلفوا في جواز ذلك على سبيل القراء ة والتلاوة، فأجاز أكثر العلماء إذا الكل منزل، تهويناً على أهل الملة، ولو كان واجباً عليهم تمييز الروايات عن بعضها، لانقلب التيسير مشقة وتعسيراً، انظر: النشرفى القراء ات العشر: ۱/۱۸،۱۹۔ (جمع القرآن،ص۲۶۹).

مزید ملاحظہ ہو: (النشر فی القراءات العشر، لابن الجزریؒ:۱/ ۱۸۔۲۰،ط: دارالفکر،والاتقان فی علوم القرآن:۱/۳۰۴،ط: داراحیاءالعلوم،بیروت،ومجموعۃ الفتاویٰ للعلامۃ اللکنویؒ: جلداول،ص۱۰۸،ط: آرام باغ،کراچی)۔**واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

خارج الصلوٰۃ تلاوت سننے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نماز کے باہر تلاوت کررہا ہو تو کیا اس کا سننا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں پانچ قول مشہور ہیں: (۱) مطلقاً سننا واجب ہے۔

قال فى الشامية: قوله يجب الاستماع للقراء ة مطلقاً أى فى الصلاة وخارجها لأن الآية وإن كانت واردة فى الصلاة على ما مر فالعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب.

(فتاوى الشامي:۱/۵٤٦،سعيد).

(۲) فرضِ کفایہ ہے اگر بعض لوگ سنتے ہوں تو دوسروں کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے۔

وفي شرح المنية والأصل أن الاستماع للقرآن فرض كفاية لأنه لإقامة حقه بأن يكون ملتفتاً إليه غير مضيع وذلك يحصل بإنصات البعض كما في رد السلام حين كان لرعاية حق المسلم كفى فيه البعض عن الكل، إلا أنه يجب على القارى احترامه بأن لايقرأه

فی الأسواق ومواضع الاشتغال ...الخ. (فتاوی الشامی: ۱/۵٤٦،سعید).

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ،ص: ،قدیمی).

(۳) پہلے سے کام میں مشغول ہواور پھر تلاوت شروع کرے تو نہ سننے کا گناہ نہ ہوگا۔

وفي فتاوى الشامي: في القنية: صبي يقرأ في البيت وأهله مشغولون بالعمل يعذرون في ترک الاستماع إن افتتحوا العمل قبل القراءة وإلا فلا . (فتاوی الشامی: ۱/۵٤٦،سعید).

وکذا فی الفتاوی الهندیة : ۵/۳۱۷).

(۴) نماز کے باہر سننا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

قال في تفسير البيضاوي: وظاهر اللفظ يقتضي وجوبهما حيث يقرأ القرآن مطلقاً وعامة العلماء على استحبابهما خارج الصلاة . (تفسیرالبیضاوی ،ص۲۳۳). (وکذا فی تفسیرالمظهری: ۳/٤۵۱، ط: بلوچستان بك ڈپو).

بقولِ حضرت تھانویؒ عام علماء میں احناف بھی داخل ہیں۔(بیان القرآن:۴/۶۲)۔

قال الطحطاويؒ: وفي الدرة المنيفة عن القنية : يكره للقوم أن يقرأوا القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع والإنصات وقيل: لا بأس به. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۱۸، فی صفة الاذکار، قدیمی). (وکذا فی الموسوعة الفقهیة :۶۲/۳۳، نقلاً عن غنیة المتملی. وکذا فی امداد الفتاویٰ: ٤/۵۹).

(۵) اگرکوئی سنانے ہی کی غرض سے تلاوت کررہا ہوتو پھر سننا ضروری ہے ورنہ نہیں،جیسا کہ جلسہ وغیرہ میں سنانے کے لیے پڑھتے ہیں۔

معارف القرآن میں ہے:

کان لگانا اور سننا صرف ان جگہوں میں واجب ہے جہاں قرآن کو سنانے ہی کے لیے پڑھا جارہا ہو۔ (معارف القرآن:۴/۱۶۳)۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي الشافعي: لكن الجمهور خصوا وجوب الاستماع والإنصات بقراءة الرسول صلى الله عليه وسلم في عهده ، وبقراءة الصلاة والخطبة من بعده يوم الجمعة لأن إيجاب الاستماع والإنصات في غير الصلاة والخطبة فيه حرج عظيم

إذ يقتضي ترك الأعمال. وأما ترك الاستماع والإنصات للقرآن المتلو في المحافل، فمكروه كراهة شديدة . (التفسیر المنیر:۹/۲۲۹).

قال الشيخ أحمد مصطفى المراغي: وما يفعله جماهير الناس في المحافل التي يقرأ فيها القرآن كالمآتم وغيرها من ترك الاستماع والاشتغال بالأحاديث المختلفة فمكروه كراهة شديدة، ولا سيما لمن كانوا على مقربة من التالي. (تفسیر الشیخ المراغی:۹/۱۵۶).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اجتماعی طور پر جہراً تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: اگر کئی آدمی اکھٹے بیٹھ کر تلاوت کرتے ہوں، اور ایسی ہلکی آواز سے تلاوت کرتے ہوں کہ دوسرے کے پڑھنے میں حرج نہ ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ قرآنِ کریم کی تلاوت کا سننا آیتِ کریمہ کی روشنی میں ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر زور سے تلاوت کرتے ہوں تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قرآنِ کریم کا سننا نماز میں لازم ہے اور نماز سے باہر مستحب ہے، یہ قول آسان اور راجح ہے نیز اگر کوئی شخص کسی کام میں پہلے سے مشغول ہے یا خود تلاوت کر رہا ہے تو ترکِ استماع کی گنجائش ہے، خصوصاً درجہ حفظ کے لیے تو اس کی گنجائش واضح ہے۔

اور اگر کوئی اشکال کرے کہ قرآنِ کریم کا یہ حکم: ﴿**وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون**﴾ مطلق عام ہے نماز وغیر نماز دونوں کو شامل ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ استماع کا وجوب نماز کے ساتھ مخصوص ہے خارج الصلوٰۃ میں استحباب ہے اور اس کی دلیل ابن کثیر اور عالمگیری کی وہ عبارات ہیں جو درجِ ذیل ہیں، خارج الصلوٰۃ کی تلاوت سننے میں فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کا قول بھی فقہاء نے نقل فرمایا ہے لیکن استحباب کا قول آسان ہونے کی وجہ سے اولیٰ ہے۔

کبیری نے فرضِ کفایہ اور دوسرے فقہاء نے واجب علی العین فرمایا ہے، ابن وہبان کے اس شعر: **وأثوب من ذكر القرآن استماعه ☆ وقالوا ثواب الطفل للطفل يحصر**، کے ذیل میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: **استماعه لوجوبه وندب القراءة** . (فتاوی الشامی: ۶/ ۴۳۰، سعید).

آیتِ کریمہ سے متعلق علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں ملاحظہ ہوں:

(۱) جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرمائیں بوقتِ نزول تو اس کو خاموشی سے سنو۔
(۲) جمہور صحابہ کرام کا قول یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ مقتدی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔
(۳) جمعہ کے دن خطبہ سننے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔
(۴) خطبہ اور مقتدی دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ قول اصح ہے۔

قال في مدارک التنزيل: ظاهره وجوب الاستماع والإنصات وقت قراءة القرآن فی الصلاة وغيرها، وقيل: معناه إذا تلا عليكم الرسول صلى الله عليه وسلم القرآن عند نزوله فاستمعوا له وجمهور الصحابة على أنه فی استماع المؤتم . وقيل: في استماع الخطبة . وقيل: فيهما، وهو الأصح . (تفسیرالنسفی : ۸۳/۲، دار النفائس ، بیروت).

نیز احادیث وآثار کی روشنی میں خارج الصلاۃ ترکِ استماع کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

وقال ابن جرير: حدثنا حميد بن مسعدة ، حدثنا بشربن المفضل ، حدثنا الجريری ، عن طلحة بن عبيد الله بن كريز قال: رأيت عبيد بن عمير وعطاء بن أبي رباح يتحدثان ، والقاص يقص ، فقلت : ألا تستمعان إلى الذكر وتستوجبان الموعود ؟ قال: فنظرا إلي ، ثم أقبلا على حديثهما. قال: فأعدت الثالثة ، قال: فنظرا إلي فقالا: ذلک فی الصلاة : وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا .

وقال سفيان الثورى، عن أبي هاشم إسماعيل بن كثير، عن مجاهد في قوله تعالىٰ: وإذا قرئ القرآن...الخ. قال فی الصلاة ، وكذا رواه غير واحد عن مجاهد. وقال عبد الرزاق ، عن الثوري، عن ليث، عن مجاهدؒ قال: لا بأس إذا قرأ الرجل في غير الصلاة أن يتكلم . (تفسیرابن کثیر: ۲۸۷/۲).

وللمزيد راجع : (تفسیرالطبری :۳۴۶/۱۳،ط: مؤسسة الرسالة،وفی ظلال القرآن : ۳۵۲/۳).

تفسیر مظہری میں قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتیؒ نے روایات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ خارج الصلوٰۃ کی تلاوت سننا واجب نہیں ہے اور صاحبِ خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت وجوب پر دال تھی اس کو رد کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (التفسیرالمظھری: ۴۵۱/۳،ط: بلوچستان).

قال الإمام البخاريؒ في صحيحه (۴۲۳۲): **قال أبوبردة عن أبي موسى قال النبی صلی**

اللّٰہ علیہ وسلم إني لأعرف أصوات رفقة الأشعريين بالقرآن حين يدخلون بالليل وأعرف منازلهم من أصواتهم بالقرآن بالليل وإن كنت لم أرمنازلهم حين نزلوا بالنهار. وأخرج الإمام مسلم في صحيحه (۲٤۹۹،باب من فضائل الاشعريين) .

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

اس واقعہ میں بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری حضرات کو اس سے منع نہیں فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں قراءت کی اور نہ سونے والوں کو ہدایت فرمائی کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو تم سب اٹھ بیٹھو اور قرآن سنو، اس قسم کی روایات سے فقہاء نے خارج نماز کی تلاوت کے معاملہ میں کچھ گنجائش دی ہے لیکن اولیٰ اور بہتر سب کے نزدیک یہی ہے کہ خارج نماز بھی جب کہیں سے تلاوتِ قرآن کی آواز آئے تو اس پر کان لگائے اور خاموش رہے۔(معارف القرآن:۴/۱۶۴)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص بطورِ خود تلاوت کر رہا ہے یا چند آدمی کسی ایک مکان میں اپنی اپنی تلاوت کر رہے ہیں تو دوسرے کی آواز پر کان لگانا اور خاموش رہنا واجب نہیں، کیونکہ احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں جہراً تلاوت فرماتے تھے اور ازواجِ مطہرات اس وقت نیند میں ہوتی تھیں، بعض اوقات حجرہ سے باہر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی جاتی تھی۔(معارف القرآن:۴/۱۶۴)۔(وکذا فی بیان القرآن:۴/۶۲)۔

فقہاء کے بعض جزئیات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ساتھ تلاوت میں ایک دوسرے کا سننا واجب نہیں ہے۔

قال فی الفتاوی الهندية: قوم يجتمعون ويقرء ون الفاتحة جهراً دعاء لايمنعون عادة والأولى المخافتة فی الخجندی أمام يعتاد كل غداة مع جماعته قراء ة آية الكرسي وآخر البقرة وشهد اللّٰه ونحوها جهراً لا بأس به والأفضل الإخفاء كذا فی القنية . (الفتاوی الهندية : ۵/۳۱۷).

قال الطحطاویؒ: وفی الدرة المنيفة عن القنية : يكره للقوم أن يقرأوا القرآن جملة لتضمنها ترک الاستماع والإنصات وقيل: لا بأس به . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۳۱۸، فصل فی صفة الاذكار، قديمی). وكذا فی الموسوعة الفقهية :۳۳/۶۲، نقلاً عن غنية المتملی).

وفی الفتاوی الهندية: ولا بأس باجتماعهم علی قراء ة الإخلاص جهراً عند ختم

القرآن، ولو قرأ واحد واستمع الباقون فهو أولى، كذا في القنية . (الفتاوى الهندية: ٥/٣١٧).

(وكذافي مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر: ٤/٢٢٠،ط: بيروت،والبريقة المحمودية في شرح الطريقة المحمدية :٥/١١٠).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: سماعِ قرآن میں دونوں قول ہیں، میں آسانی کے لیے اسی کو اختیار کرتا ہوں کہ خارج الصلوٰۃ مستحب ہے۔(امدادالفتاویٰ:۴/۵۹)۔(وکذا فی خیر الفتاویٰ:۱/۲۶۰،وآپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۴۵۴)۔واللہ ﷻ اعلم۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کے آداب:

سوال: بہت سارے لوگ جن کو کچھ درد کی شکایت ہے وہ اپنے گھروں میں صوفہ،کرسی پر اور مسجد میں کرسیوں پر بیٹھ کر پیر لٹکا کر تلاوت کرتے ہیں جیسے کوئی اخبار پڑھ رہا ہو،اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی گناہ نہیں؟ قرآن کریم کی تلاوت کے لیے کیسے بیٹھنا چاہئے؟اور ایسے لوگوں کو کیا نصیحت کرنی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بوقتِ تلاوت ایسی ہیئت اختیار کرنی چاہئے جو قرآن شریف کے ادب واحترام کے خلاف نہ ہو،اگرچہ جواز کے اعتبار سے قاعداً،قائماً،ماشیاً اور مضطجعاً ہر طرح تلاوت وذکرواذکار جائز اور درست ہے،کما قال اللہ تعالیٰ:﴿**الذين يذكرون الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم**﴾[آل عمران:١٩١]. لہٰذا کوئی گناہ نہیں ہے البتہ خشوع وخضوع اور سکون ووقار اور ادب واحترام کے ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

ادب سے مراد تکریم ہے یعنی قرآنِ مجید کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جس سے اس کی بزرگی اور عظمت ظاہر ہو اور ایسی کاروائی سے احتراز کیا جائے جس سے اس کی ناقدری یا اہانت ہوتی ہو۔(کفایت المفتی:۲/۴۹۲، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

ادب کا مدار عرف پر ہے،اس لیے اختلافِ ازمنہ سے وہ مختلف ہوسکتا ہے،حضراتِ صحابہ کرامؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرنا ثابت ہے اور اب بزرگوں کے ساتھ مزاح کرنا خلافِ ادب سمجھا جاتا ہے۔(تحفۃ العلماء:۲/۱۶۷،ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ)۔

قرآنِ مجید کے بعض آداب اور مستحبات درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تلاوت سے پہلے مسواک استعمال کرنا۔

(۲) باوضو تلاوت کرنا۔

(۳) حسبِ حیثیت عمدہ لباس پہن کر تلاوت کرنا۔

(۴) تلاوت سے پہلے خوشبو استعمال کرنا۔

(۵) سکون ووقار اور خشوع وخضوع کے ساتھ باادب بیٹھنا، متکبرانہ ہیئت اختیار نہ کرے۔

(۶) صاف ستھری جگہ بیٹھنا، سب سے افضل مسجد ہے۔

(۷) قبلہ رو ہو کر بیٹھنا۔

(۸) شروع کرنے سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھنا۔

(۹) تدبر کے ساتھ پڑھنا۔

(۱۰) ترتیل سے پڑھنا یعنی حروف کی صحیح ادائیگی اور وقف کا لحاظ رکھتے ہوئے صاف صاف پڑھنا۔

وفی الفتاوی الهندية : رجل أراد أن يقرأ القرآن فينبغي أن يكون على أحسن أحواله يلبس صالح ثيابه ويتعمم ويستقبل القبلة لأن تعظيم القرآن والفقه واجب كذا في فتاوى قاضيخان . (الفتاوى الهندية:٥/٣١٦).وكذا فى المحيط البرهانى :٥/١٤٥).

قال الإمام النوويؒ فی التبيان: الباب السادس في آداب القرآن...فأول ذلک يجب على القارئ الإخلاص،كما قدمناه ومراعاة الأدب مع القرآن ...استعمال السواک وينبغي إذا أراد القراءة أن ينظف فاه بالسواک وغيره... محافظة على الطهارة ، يستحب أن يقرأ وهو على طهارة فإن قرأ محدثاً جاز بإجماع المسلمين والأحاديث فيه كثيرة معروفة ... نظافة المكان ، ويستحب أن تكون القراءة في مكان نظيف مختار ولهذا استحب جماعة من العلماء القراءة في المسجد لكونه جامعاً للنظافة وشرف البقعة ومحصلاً لفضيلة أخرى وهي الاعتكاف...يستحب للقارئ في غير الصلاة أن يستقبل القبلة فقد جاء في الحديث خير المجالس ما استقبل به القبلة ويجلس متخشعاً بسكينة ووقار مطرقاً رأسه ويكون جلوسه وحده في تحسين أدبه وخضوعه كجلوسه بين يدي معلمه فهذا هو الأكمل ولو قرأ

قائماً أو مضطجعاً أو في فراشه أوعلى غير ذلک من الأحوال جاز و له أجر ولكن دون الأول... فإن أراد الشروع فی القراءة استعاذ فقال: أعوذ باللّٰہ من الشيطان الرجيم هكذا قال الجمهور من العلماء ...ثم إن التعوذ مستحب[سنة] وليس بواجب...وينبغي أن يحافظ على قراءة بسم اللّٰہ الرحمن الرحيم في أول كل سورة سوی براءة...فإذا شرع فی القراءة فليكن شأنه الخشوع و التدبر عند القراءة ... وقال السيد الجليل: دواء القلب خمسة أشياء : ١۔قراءة القرآن بالتدبر ٢۔وخلاء البطن .٣۔وقيام الليل .٣۔والتضرع عند السحر .۵۔ومجالسة الصالحين .

...وينبغي أن يرتل قراءته وقد اتفق العلماء على استحباب الترتيل...الخ. (التبیان فی آداب حملة القرآن،ص ٧٠۔٨٩،ط: دارابن حزم).

وفيه أيضاً: ومما يعتنى به ويتأكد الأمر به احترام القرآن من أمور قد يتساهل فيها بعض الغافلين القارئين مجتمعين فمن ذلک اجتناب الضحک واللغط والحديث في خلال القراءة إلا كلاماً يضطر إليه ...(التبیان،ص ٩٢).

وأيضاً قال: الباب السابع في آداب الناس كلهم مع القرآن، ثبت في صحيح مسلم عن تميم الداری رضی اللہ عنہ قال: إن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: الدين النصيحة قلنا لمن قال: للّٰہ ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم ، قال العلماء: النصيحة لكتاب اللّٰہ تعالىٰ هي الإيمان بأنه كلام اللّٰہ تعالىٰ وتنزيله لا يشبهه شيء من كلام الخلق ولايقدر على مثله الخلق بأسرهم ثم تعظيمه وتلاوته حق تلاوته وتحسينها والخشوع عندها...أجمع المسلمون على وجوب تعظيم القرآن العزيز على الإطلاق وتنزيهه و صيانته . (التبیان، ص: ١٦٣). **وللمزيد راجع :** (احیاء علوم الدین :١/٣٢٥،دارالفکر،والاتقان فی علوم القرآن:١/٢٩١۔٢٩٨،ط: بیروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تلاوت کے ختم پر صدق اللہ العظیم کہنے کا حکم:

سوال: قرآن شریف کی تلاوت کے بعد ’’صدق اللہ العظیم‘‘ پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟ نیز پڑھنا

چاہئے یا نہیں؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: علمائے کرام نے تلاوت کے آداب میں لکھا ہے کہ تلاوت کے اختتام پر صدق اللہ العظیم پڑھنا مستحب یعنی بہتر ہے، کیونکہ اس میں کلام اللہ کی سچائی اور حقانیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہے اور یہ صحیح اور درست ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کا کلام سچا ہو سکتا ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿ومن أصدق من اللّٰه قيلا﴾ [النساء:۱۲۲]. **وقال تعالىٰ:** ﴿و من أصدق من اللّٰه حديثاً﴾ [النساء:۸۷] . **وقال تعالىٰ:** ﴿قل صدق اللّٰه﴾ [آل عمران:۹۵].

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادتِ شریفہ تھی کہ حدیث بیان کرتے وقت **قال الصادق المصدوق صلى اللّٰه عليه وسلم** کہہ کر حدیث بیان کرتے تھے۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

قال ابن مسعود رضي الله عنه حدثنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو الصادق المصدوق ... (صحيح البخاری:۱/۱۴، باب قول المحدث حدثنا).

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: إي والذي نفس أبي هريرة بيده عن قول الصادق المصدوق ...الخ. (اخرجه البخاری: ۳۱۸۰،باب اثم من عاهدثم غدر).

وعن أبي ذر رضي الله عنه قال: إن الصادق المصدوق صلى اللّٰه عليه وسلم...الخ. (اخرجه النسائی ، رقم: ۲۰۸۶،باب البعث).

عن علي رضي الله عنه قال:...لأني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الصادق المصدوق يقول ...الخ. (السنن الكبرى للبيهقی،رقم: ۱۶۴۹۴).

نیز ان حضرات کا قول الصادق المصدوق دیگر بہت ساری حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدق اللہ ورسولہ فرماتے تھے۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

عن عبد اللّٰه بن بريدة أن أباه حدثه قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخطب...فقال: صدق اللّٰه ورسوله ...الخ. (رواه ابن ماجه ، رقم: ۳۶۰۰،و ابن خزيمة فی صحيحه، ۱۸۰۱، باب نزول الامام عن المنبر، والحاكم فی المستدرك، ۱۰۵۹،كتاب الجمعة).

عن العلاء بن أبي حكيم أنه كان سيافاً لمعاوية ، وأن رجلاً دخل على معاوية فحدثه

بهذا قال: صدق الله و رسوله...الخ. (رواه ابن خزيمة فى صحيحه،رقم: ٢٤٨٢،باب التغليظ فى الصدقة).

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: دخل سلمان الفارسي رضي الله عنه على عمر بن الخطاب رضي الله عنه وهو متكئ على و سادة فألقاها له فقال سلمان : صدق الله و رسوله...الخ. (اخرجه الحاكم فى المستدرك: ٣/٥٩٩/٥٦٤٢).

امام غزالیؒ احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں:

الباب الثاني في ظاهر آداب التلاوة وهي عشرة...الثامن: أن يقول في مبتدأ قراء ته : أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم ، رب أعوذ بك من همزات الشياطين وأعوذ بك رب أن يحضرون وليقرأ قل: أعوذ برب الناس وسورة الحمد لله وليقل عند فراغه من القراء ة صدق الله تعالىٰ...الخ. (احياء علوم الدين : ١/٣٢٧،ط:دارالفكر).

الوافی فی کیفیۃ ترتیل القرآن الکریم میں مرقوم ہے:

ومن آداب التلاوة...إذا انتهى القارئ من قراء ته يقول: صدق الله العظيم، وصدق رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا على ذلك من الشاهدين . (الوافى ،للشيخ احمد محمود عبد السميع الشافعى،ص ٢٠٥، ط: دارالكتب العلمية).

(وكذا فى الميزان فى احكام تجويدالقرآن ،ص١٧ ،دارالايمان ،القاهرة،واذهاب الحزن وشفاء الصدر السقيم ،لعبدالسلام مقبل مجبرى ،ص٣١٧، دارالايمان ،القاهرة).

قاری القراء ابن ضیاء محبّ الدین احمد الٰہ آبادی اپنی کتاب جامع الوقف میں لکھتے ہیں:

قطع کرتے وقت **صدق الله العلي العظيم وصدق رسوله النبي الكريم ونحن على ذلك من الشاهدين والحمد لله رب العٰلمين،** وغیرہ الفاظ کہنا بہتر ہے تاکہ سامع کو قراءت کا انتظار نہ ہو۔ (ص۳۱،ط: لاہور)۔

تائید کے طور پر ایک مصری عالم کا فتویٰ ذکر کیا جاتا ہے۔ملاحظہ ہو:

بعض الناس يقولون: إن قول القارئ بعد الانتهاء من القراء ة صدق الله العظيم ، بدعة ، لا يجوز قولها فهل هذا صحيح ؟

الجواب: حذرت كثيراً من التعجيل في إطلاق وصف البدعة على أى عمل لم يكن

فـي أيام النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ولا في عهد التشريع ، ومن التمادى في وصف كل بدعة بـأنها ضلالة وكل ضلالة فى النار ، ويمكن الرجوع إلى ، ص ٣٥٢، من المجلد الثالث من هذه الفتاوىٰ لمعرفة ذلك .

وقول" صدق اللّٰه العظيم" من القارئ أو من السامع بعد الانتهاء من القراء ة ، أو عند سمـاع آية من القرآن ليس بدعة مذمومة ، أولاً لأنه لم يرد نهى عنها بخصوصها ، وثانياً لأنها ذكر للّٰه والذكر مأمور به كثيراً ، وثالثاً : أن العلماء تحدثوا عن ذلك داعين إليه كأدب من آداب قراء ة القرآن ، وقرروا أن قول ذلك فى الصلاة لا يبطلها ، ورابعها : أن هذه الصيغة أو قريباً منها ورد الأمر بها فى القرآن وقرر أنها من قول المؤمنين عند القتال .

قال تعالىٰ:﴿ قل صدق اللّٰه فاتبعوا ملة إبراهيم حنيفاً ﴾ [آل عمران:٩٥] **وقال: ﴿ولما رأى المؤمنون الأحزاب قالوا هذا ما وعدنا اللّٰه ورسوله وصدق اللّٰه ورسوله ﴾** [الاحزاب:٢٢]، **وذكر القرطبي في مقدمة تفسيره أن الحكيم الترمذى تحدث عن آداب تلاوة القرآن الكريم وجعل منها أن يقول عند الانتهاء من القراء ة : صدق اللّٰه العظيم أو آية عبارة تؤدى هذا المعنى، ونص عبارته** (٢٧/١)**: ومن حرمته إذا انتهت قراء ته أن يصدق ربه ويشهد بالبلاغ لرسوله صلى اللّٰه عليه وسلم [مثل أن يقول: صدق اللّٰه العظيم وبلغ رسوله الكريم]...**

وجاء في فقه المذاهب الأربعة : نشر أوقاف مصر، أن الحنفية قالوا: لو تكلم المصلي بتسبيح مثل: صدق اللّٰه العظيم عند فراغ القارئ من القراء ة لا تبطل صلاته إذا قصد مجرد الثناء والذكر أو التلاوة ، وأن الشافعية قالوا: لا تبطل مطلقاً بهذا القول فكيف يجرؤ أحد في هذه الأيام على أن يقول: إن قول: صدق اللّٰه العظيم، بعد الانتهاء من قراء ة القرآن بدعة ؟ أكرر التحذير من التعجيل في إصدار أحكام فقهية قبل التأكد من صحتها ، واللّٰه سبحانه وتعالىٰ يقول: ﴿ ولا تقولوا لما تصف ألسنتكم الكذب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا على اللّٰه الكذب إن الذين يفترون على الكذب لا يفلحون ﴾[النحل: ١١٦]. (فتاوى دار الافتاء المصرية لمفتى عطية صقر، مايو ١٩٩٧: ٨٦/٨،ط: وزارة الاوقاف المصرية).

خلاصہ یہ ہے کہ قراءت کے اختتام پر صدق اللہ العظیم کہنا آداب میں سے ہے، لازم اور ضروری نہیں ہے اس کو سنت اور باعثِ ثواب سمجھ کر نہیں پڑھنا چاہئے اور تارک کو ملامت بھی نہیں کرنا چاہئے ہاں قراءت کے اختتام کی علامت اور قرآنِ کریم پر ایمان کی تجدید کی وجہ سے ایک ادب اور اچھا کام ہے، البتہ بدعت بھی نہیں ہے کیونکہ یہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے اس کا ادنیٰ درجہ مباح ہے بدعت نہیں۔ ورنہ اگر متروکات اور مسکوتات کو بدعات میں شمار کیا جائیگا تو رات دن کے اکثر و بیشتر اعمال بدعات کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز نے اس کو بدعت کہا لیکن کبھی کبھی سنت نہ سمجھتے ہوئے اس کو جائز کہا وہ لکھتے ہیں:

اعتاد الكثير من الناس أن يقولوا صدق الله العظيم عند الانتهاء من قراءة القرآن الكريم وهذا لا أصل له ولا ينبغي اعتياده بل هو على القاعدة الشرعية من قبيل البدع إذا اعتقد قائله أنه سنة .

پھر فتوے کے آخر میں لکھا ہے: **أما إذا فعلها الإنسان بعض الأحيان لأسباب اقتضت ذلك فلا بأس به .** (فتاویٰ علماء البلدالحرام، ص ۴۱۵)۔ **واللہ ﷻ اعلم۔**

قراءت کے دوران کلماتِ تشجیعیہ کا حکم:

سوال: اکثر قراءت کی محفلوں میں جب قاری تلاوت کرتا ہے تو اس کو شاباشی دینے اور ابھارنے کے لیے أحسنت وغیرہ کلمات پکارے جاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ ہمارے فقہائے کرامؒ نے بوقتِ قراءت اس قسم کے کلمات پکارنے کو مکروہ قرار دیا ہے، بنابریں اس سے بچنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیں:

قال في البحر الرائق: وقال الإمام شمس الأئمة السرخسيؒ ففي هذا الحديث بيان كراهة رفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ . (البحرالرائق: ۸۲/۵، دارالمعرفة)۔

(وكذا في الفتاوى الهندية: ۳۱۹/۵، وفتاوى الشامي: ۵۱۹/۱، سعيد، وتحفة الملوك، ص ۲۸۴، رقم المسئلة: ۴۸۹، والسير الكبير، ص ۹۰)۔

البتہ قراءت کے وقفہ میں یا قراءت کے ختم پر مبارک بادی پیش کرنا یا احسنت وغیرہ کے الفاظ کہنا حدود کی رعایت کے ساتھ جائز اور درست ہے اور یہ احادیث سے ثابت ہے۔ بخاری شریف میں ہے، ملاحظہ فرمائیں:

عن علقمة قال: كنا بحمص فقرأ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سورة يوسف فقال رجل: ما هكذا أنزلت، قال: قرأت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أحسنت ...الخ. (رواه البخاری: ۲/۷۴۸/۵۰۰۱،باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم،ومسلم: ۱/۲۷۰).

بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے:

عن علقمة قال: كنا جلوساً مع ابن مسعود رضی اللہ عنہ فجاء خباب فقال: يا أبا عبد الرحمن أيستطيع هؤلاء الشباب أن يقرء وا كما تقرأ قال: أما أنك لو شئت أمرت بعضهم يقرأ عليك قال: أجل قال: اقرأ يا علقمة...فقرأت خمسين آية من سورة مريم فقال: عبد الله كيف ترى قال: قد أحسن ...الخ. (رواه البخاری: ۲/۶۳۰/۴۳۹۱،باب قدوم الاشعريين).

وفي رواية لأحمد في مسنده، قال خباب: أحسنت. (مسنداحمد: ۱/۴۲۴/۴۰۲۵).

وعن أبي بن كعب رضی اللہ عنہ قال: كنت جالساً في المسجد، فدخل رجل فقرأ قراءة أنكرتها، ثم جاء آخر فقرأ قراءة سوى قراءة صاحبه... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم للرجل: اقرأ، فقرأ، ثم قال للآخر: اقرأ، فقرأ، فقال: أحسنتما. (اخرجه البيهقی فی السنن الكبرى: ۲/۳۸۳).

وفي رواية لمسلم عنه قال: فحسن النبي صلى الله عليه وسلم شأنهما. (رواه مسلم: ۱/۲۷۳).

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم على أصحابه فقرأ عليهم سورة الرحمن من أولها إلى آخرها فسكتوا فقال: لقد قرأتها على الجن ليلة الجن فكانوا أحسن مردوداً منكم كلما أتيت على قوله ﴿فبأي آلاء ربكما تكذبان﴾ قالوا: لا بشيء من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد. (رواه الترمذی: ۲/۱۶۴/۳۲۹۱).

وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ منكم ﴿والتين والزيتون﴾ فانتهى إلى آخرها ﴿أليس الله بأحكم الحاكمين﴾ فليقل بلى وأنا على ذلك من الشاهدين ومن قرأ ﴿لا أقسم بيوم القيامة﴾ فانتهى إلى ﴿أليس ذلك بقادر على أن يحيى الموتى﴾ فليقل: بلى، ومن قرأ ﴿والمرسلات﴾ فبلغ ﴿بأي حديث بعده يؤمنون﴾ فليقل: آمنا بالله. (رواه ابوداود،رقم: ۸۸۷،والترمذی،۳۳۴۷).

ترمذی کی سند میں ایک مجہول اعرابی ہے۔
مستدرکِ حاکم کی سند میں یزید بن عیاض پر کلام ہے۔ (المستدرک:۲/۵۱۰)۔
بہرحال وقفہ میں یا قراءت کے اختتام پر ایسے کلمات کہنے کی اجازت ہے، لیکن قرآنِ کریم کے سننے کا اصل مقصد تدبر، تفکر اور معانی پر غور کرنا ہے لہٰذا اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

قال فی الاتقان في علوم القرآن: ويسن الاستماع لقراءة القرآن وترک اللغط والحديث بحضور القراءة. قال الله تعالیٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾. (الاتقان:۱/۳۰٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ختمِ آیتِ کریمہ کی تاثیر اور اس کا حکم:

سوال: آیتِ کریمہ: ﴿ **لا إله إلا أنتَ سبحانک إني كنت من الظالمين** ﴾ کی تاثیر اور خواص کیا ہیں اور کتنی مرتبہ پڑھنی چاہئے، اس کے لیے کوئی خاص عدد متعین ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: آیتِ کریمہ: ﴿ **لا إله إلا أنتَ سبحانک إني كنت من الظالمين** ﴾ کی تاثیر یہ ہے کہ جو مسلمان کسی بھی رنج وغم یا مصیبت میں اس آیتِ کریمہ کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے وہ رنج وغم اور مصیبت دور فرمادیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج الإمام الترمذي في سننه (رقم:۳۵۰۵) **عن سعد** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعوة ذی النون إذا دعا وهو في بطن الحوت: لا إله إلا أنت سبحانک إني كنتُ من الظالمين، فإنه لم يدع بها رجل مسلم في شيء قط إلا استجاب الله له.**

وايضاً اخرجه احمد (۱۴۶۲)، والنسائی فی الکبری (۱۰۴۹۲)، والحاکم (۱۸۶۲) وقال: صحيح الاسناد، والبيهقی فی شعب الايمان (۶۲۰).

الدرالمنثور میں چند روایات مذکور ہیں:

وأخرج ابن جرير عن سعد رضی اللہ عنہ **سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اسم الله الذی إذا دعي به أجاب وإذا سئل به أعطي، دعوة يونس بن متى، قلت: يا رسول الله! هي ليونس خاصة أم لجماعة المسلمين؟ قال: هي ليونس خاصة وللمؤمنين إذا دعوا بها،**

ألم تسمع قول اللّٰه ﴿ وكذلك ننجي المؤمنين ﴾ فهو شرط من اللّٰه لمن دعاه .

وأخرج ابن أبي حاتم عن الحسن قال: اسم اللّٰه الأعظم الذي إذا دعي به أجاب وإذا سئل به أعطي ﴿لا إلٰه إلا أنتَ سبحانك إني كنتُ من الظالمين ﴾.

وأخرج الحاكم (١/٦٨٥/١٨٦٥) **عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: هل أدلكم على اسم اللّٰه الأعظم؟ دعاء يونس ﴿ لا إلٰه إلا أنتَ سبحانك إني كنتُ من الظالمين﴾ فأيما مسلم دعا به في مرضه أربعين مرة فمات في مرضه ذلك، أعطي أجر شهيد، وإن برأ برأ مغفوراً.** (الدرالمنثور:٥/٦٦٨،دارالفکر).

اس آیتِ کریمہ کے پڑھنے کے دوطریقے ہیں:

(۱) ایک ہی مجلس میں یا متفرق تین مجلسوں میں ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ پڑھ کر دعا کرنا۔

(۲) ایک شخص اکیلا اپنے گھر میں طہارت کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر پڑھے۔

مزید ملاحظہ ہو: (تفسیر عزیزی، پارہ ۲۹، سورۂ نون، ص۹۹)۔

اگر مشائخ کے بتائے ہوئے طریقہ پر نہ پڑھے بلکہ کیف ما اتفق پڑھے تب بھی یہ آیتِ کریمہ دفعِ مصائب کے لیے مفید ہے، اور حدیث شریف میں یہی بات بیان کی گئی ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

موسیقی کے مقامات میں تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: آج کل مصری قراء، موسیقی کے مقامات میں تلاوت کرتے ہیں، جن میں سے بعض بیات، سیکا، حجاز سے معروف ہیں، کیا اس طرح تلاوت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے قاریوں کی تلاوت سننے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث شریف میں آتا ہے: **اقرء وا القرآن بلحون العرب**، یعنی عربوں کے طرز پر قرآن پڑھو، الحان عربوں کے طرزِ طبعی کا نام ہے اور یہ محمود اور مامور بہ ہے، بعض نے الحانِ عرب کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں تفصیل ہے کہ اگر کسی خاص لحن کے ساتھ پڑھنے میں لحن جلی واقع ہو تو یہ ناجائز ہے اور لحن خفی ہو تو مکروہ ہوگا، اور اگر لحن جلی وخفی کا مرتکب نہ ہو تو مستحب ہے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کا دوسرا طرز ''انغام''، یعنی آواز کے ساتھ مد وجزر اور اتار چڑھاؤ کی کیفیت

پیدا کرنا، یہ موسیقی کے قواعد کے تحت کیا جاتا ہے، بعض حضرات نے انغام الموسیقی درجِ ذیل شمار کروائے ہیں:

رست ، وهوى ، بوسليك، حسينى، وحجاز و زنكلا وعراق، والنوى والبزرك مع زيرا فكن ده والاصبهان والعشاق .

ان انغامِ موسیقی کے مطابق قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا ممنوع اور ناجائز ہے، البتہ ان قواعدِ موسیقی کی رعایت کے بغیر قاری سے بلا اختیار کسی قاعدہ کی مطابقت پائی جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اہلِ فسق کے طرز پر قراءت ممنوع ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: اقرؤا القرآن بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون أهل الفسق وأهل الكتابين فإنه سيجئ من بعدى قوم يرجعون بالقرآن ترجيع الغناء والرهبانية والنوح لا يجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب من يعجبهم شأنهم . (اخرجه البيهقى فى شعب الايمان :٢/ ٥٤٠،رقم: ٢٤٠٦).

إسناده ضعيف، فيه : مجهول، وتفرد به بقية ليس بمعتمد ، والخبر منكر. انظر: (الميزان و اللسان). **وأيضاً أخرجه القاسم بن سلام في فضائل القرآن** (رقم:١٩٥) **وابن وضاح فى البدع،** (رقم:٢٥١).

وقال الشيخ محمد المكي في شرح هذا الحديث: والمراد بالقراء ة بلحون العرب قراء ة الإنسان بحسب جبلته وطبيعته على طريق عرب العرباء الذين نزل القرآن بلغتهم ، و المراد بلحون أهل الفسق...مراعاة الأنغام المستفاد من العلم الموضوع لها ، فإن راعى القارئ النغمة فقصر المددود ومد المقصور حرم ذلك، وإن قرأه على حسب ما أنزل الله من غير إفراط ولا تفريط فإنه يكون مكروهاً...قال في شرح القول المفيد: الأمر فى الخبر محمول على الندب ، والنهي على الكراهة إن حصلت المحافظة على صحة الألفاظ والحروف ، و إلا فالأمر محمول على الوجوب والنهى على التحريم. (نهاية القول المفيد،ص٩ ، ١٠ ، مكتبة علمية ، لاهور) .

قال الشيخ ابن تيمية رحمه الله : قال النبي صلى الله عليه وسلم: لله أشد أذناً إلى الرجل الحسن الصوت بالقرآن من صاحب القينة إلى قينته ، ومع هذا فلا يسوغ أن يقرأ القرآن

بـألـحـان الغناء ، ولا أن يقرن به من الألحان ما يقرن بالغناء من الآلات وغيرها... (الاستقامة : ١/٢٤٦، جامعة الامام ،المدينة المنورة،ومثله فی نهاية القول المفيد،ص٢٢).

الموسوعة الفقهية الكويتية میں ہے:

ذهـب الـجـمـهـور إلـى عـدم جـواز استماع تلاوة القرآن الكريم بالترجيع والتلحين المفرط الذي فيه التمطيط، وإشباع الحركات، والترجيع: أى الترديد للحروف والإخراج لها من غير مخارجها. قالوا: التالي والمستمع فی الإثم سواء ، أى إذا لم ينكر عليه أو يعلمه أما تـحسـيـن الـصـوت بـقراء ة القرآن من غير مخالفة لأصول القراء ة فهو مستحب ، و استـمـاعـه حسـن ، لـقـول رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: زينوا القرآن بأصواتكم، وقوله عـلـيـه الـصـلاة و السلام في أبي موسى الأشعري : لقد أوتي مزماراً من مزامير آل داود .

(الموسوعة : ٤/٨٦،٨٧).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (التغـنـی بـالـقـرآن للشيخ لبيب السعيد، والتغنی بالقرآن للشيخ مـحـمـد ابوزهـرة ، والبيـان فـی حـكـم الـتـغـنـی بالقرآن للشيخ الدكتوربشارعوادمعروف ،والاتقان فی علوم الـقـرآن: ١/٢٩٨، واحـكـام الـقـرآن لابـن الـعـربـی :۴/۴، والـنـشـر فـی القراء ات العشر للشيخ ابن الجزری : ١/٢٣٩،ط:مـصـر، وفـضـائل القرآن لابن كثير: ١/١١۴ ، باب من لم يتغن بالقرآن، وخوش آوازی کی آڑ میں گلے بازی،رسالہ از قاری ارشاد احمد قاسمی پرتاپ گڑھی،وفوائد مکیہ مع الحاشیۃ،ص١٦٢۔١٦٨)۔

احادیث کی روشنی میں اچھی قراءت کا معیار یہ ہے کہ قاری خشیت کے ساتھ پڑھے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخـرج الإمـام الطبراني فی الأوسط(٢٠٧٤) **بسـنـده عن ابن عمر** رضی اللہ عنہ **قـال: سئل النبي صـلـى الـلّٰه عليه وسلم من أحسن الناس صوتاً بالقرآن قال: من إذا سمعت قراء ته رأيت أنه يخشى اللّٰه عز وجل .**

قـال الهيثـمـي:وفيـه حـميد بن حماد بن حوار وثقه ابن حبان وقال: ربما أخطأ وبقية رجال البزار رجال الصحيح . (مجمع الزوائد:٧/١٧٠،باب ای الناس احسن قراءة).

وأيضاً أخرجه ابن ماجة (١٣٣٩) **عن جابر** رضی اللہ عنہ **وقال فی الزوائد: إسناده ضعيف لضعف**

إبراهيم بن إسماعيل بن مجمع والراوى عنه. والآجري في أخلاق حملة القرآن(٧٨). **وتمام في فوائده** (١٣٥٤)، **وروى عن طاؤوس مرسلاً ؛ أخرجه القاسم بن سلام في فضائل القرآن**(١٩٣)، **وأحمد في زهده** (ص٢١٣)، **وابن ابى شيبة في مصنفه** (٣٠٥٦٤).

وأخرج الطبراني فى الكبير (١٠٨٥٢) **بسنده عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن أحسن الناس قراء ة من إذا قرأ يتحزن .**

قال الهيثمي: وفيه ابن لهيعة وهوحسن الحديث وفيه ضعف . (مجمع الزوائد: ١٧٠/٧، باب القراء ة بالحزن).

وأخرج الطبراني فى الأوسط (٢٩٠٢) **بسنده عن عبد اللّٰه بن بريدة عن أبيه قال: قال لي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اقرؤوا القرآن بالحزن فإنه نزل بالحزن .**

قال الهيثمي: وفيه إسماعيل بن سيف وهوضعيف . (مجمع الزوائد: ١٧٠/٧،دارالفكر).

وأيضاً أخرجه أبوبكربن الخلال فى الأمربالمعروف والنهى عن المنكر (٢٠١)، **وأبويعلى الموصلى فى معجمه** (١١٠).

وأخرج ابن ماجة في سننه (١٣٣٧) **بسنده عن عبدالرحمن بن السائب قال: قدم علينا سعد بن أبي وقاص** رضی اللہ عنہ **وقد كف بصره فسلمت عليه ، فقال: من أنت ؟ فأخبرته، فقال مرحباً بابن أخي، بلغني أنک حسن الصوت بالقرآن ، سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن هذا القرآن نزل بحزن ، فإذا قرأتموه فأبكوا ، فإن لم تبكوا فتباكوا ، وتغنوابه ، فمن لم يتغن به فليس منا . قال فى الزوائد: في إسناده أبو رافع ، اسمه إسماعيل بن رافع ضعيف متروک . وأيضاً أخرجه أبوعوانة في مسنده** (٣٨٨١)، **وأبويعلى في مسنده** (٦٨٩)، **والبزار في مسنده** (١٢٣٥)، **والقضاعي في مسند الشهاب** (١١٩٨)، **والبيهقي في شعب الإيمان** (١٨٩١) **وغيرهم . واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

تلاوتِ قرآنِ کریم پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: مصر سے جو قراء آتے ہیں وہ تلاوت کا عوض لیتے ہیں، تو انھیں عوض دیکر تلاوت سننا جائز ہوگا یا

نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ تلاوتِ قرآنِ پاک پر اجرت لینا جائز نہیں، ہاں اگر شرط کے بغیر لوگوں نے اتفاقاً کچھ دیدیا تو اس کا لینا جائز ہے، ہمارے اکابرؒ نے یہی تحریر فرمایا ہے۔علامہ شامیؒ نے عدمِ جواز میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو رسائل ابن عابدین میں شامل ہے۔چند دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) عن عبد الرحمن بن شبل أنه سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: اقرؤوا القرآن فإذا قرأتموہ فلا تستكثروا به ولا تغلوا فیه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ..الخ. (اخرجه الطبرانی فی الاوسط،رقم: ۲۵۷٤).

وأیضاً أخرجه البیهقي فی الكبری، (رقم:۲۳٦۲)، **وأبویعلی في مسندہ ،** (رقم:۱۵۱۸)، **وقال محشیه حسین سلیم أسد: إسنادہ صحیح. وأحمد في مسندہ** (۱۵۵۲۹)، **قال الشیخ شعیب: حدیث صحیح وهذا إسنادہ قوی ...الخ .**

(۲) وعن بریدة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من قرأ القرآن یتأكل به الناس جاء یوم القیامة و وجهه عظم لیس علیه لحم . (اخرجه البیهقی فی شعب الایمان، رقم: ۲۳۸٤). **وإسنادہ ضعیف .**

فقہاء نے استیجار علی تعلیم القرآن والفقہ کو ضرورت کے پیشِ نظر جائز فرمایا ہے لیکن استیجار علی التلاوۃ المجردۃ میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

لأن ما أجازوہ ، إنما أجازوہ للضرورة كالاستئجار لتعلیم الفقه أو الفقه أو الأذان أو الامامة خشیة التعطیل لقلة رغبة الناس فی الخیر، ولا ضرورة في استئجار شخص یقرأ علی القبر وغیرہ . (فتاوی الشامی: ٦/٦۹۱،سعید).

امام ابوحنیفہؒ سے بھی عدمِ جواز مروی ہے۔ملاحظہ ہو:المحیط البرہانی میں ہے:

وقیل: لا یجوز الوصیة باستئجار القاري لیقرأ القرآن وإن كان القاری معیناً وهو قول أبي حنیفةؒ . (المحیط البرهانی :۲۳/۳۹،ط: الریاض).

وقال فی الشامیة : وإن القراء ة لشيء من الدنیا لا تجوز وإن الآخذ والمعطی آثمان لأن ذلک یشبه الاستئجار علی القراء ة ونفس الاستئجارة علیها لایجوز فكذا ما أشبهه

كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لا على التلاوة وعللوه بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولا ضرورة في جواز الاستئجار على التلاوة لما أوضحت ذلك في شفاء العليل . (فتاوى الشامي : ۲ /۷۳، مطلب في بطلان الوصية ،سعيد).

البتہ بلاشرط اکراماً بطورِ ہدیہ کچھ دیدیا جائے تو اس کی اجازت ہوگی۔

ترمذی شریف میں روایت ہے: **عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن رجلاً من كلاب سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عسب الفحل فنهاه ، فقال يارسول الله ! إنا نطرق الفحل فنكرم فرخص لهم في الكرامة . قال الإمام الترمذي: هذا حديث حسن.** (رواه الترمذي : ۱/ ۲۴۰).

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

وعظ کی اجرت پہلے سے مقرر نہ کی جائے اور واعظ کی نیت میں بھی یہ بات نہ ہو کہ مجھے کچھ ضرور ملے گا، وہ محض حسبۃً للہ وعظ کہہ دے اور کوئی شخص اس کو تبرعاً کوئی رقم دیدے تو یہ رقم دینا بھی جائز، اور واعظ کو لینا بھی جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۷/ ۳۱۹، ط: دارالاشاعت)۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

مسئلہ: بعد نکاح بقاضی ووکیل وشاہدان کہ از طرفِ عروس فی آیند بخوشی خود بدونِ مطالبہ شاں چیزے دادن جائز است یا نہ؟

جواب: دادنِ ایں مرداں بدونِ مطالبہ وجبر از طرفِ ایشاں مباح است.

جو چیز کسی کو دی جاتی ہے اس کی چار صورتیں ہیں:

(۱) بعوض دی جائے ایسی چیز کا عوض جو شرعاً متقوم وقابل عوض ہے۔

(۲) بعوض دی جائے ایسی چیز کا عوض جو شرعاً متقوم وقابل عوض نہیں۔

(۳) بلا عوض بہ طیبِ خاطر دی جائے۔

(۴) بلا عوض کراہتِ قلب سے دی جائے۔

قسمِ سوم بوجہ ہدیہ وعطیہ ہونے کے حلال ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/ ۳۷۰)۔

مذکورہ بالا نقولِ فقہاء واکابر کی روشنی میں قاری صاحب کو بطورِ ہدیہ وعطیہ بلاشرط بہ طیبِ خاطر کچھ دیدیا

جائے تو درست ہے اس کے لینے اور دینے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ بات یاد رکھیں کہ جو قراء حضرات مصر سے یا کہیں اور سے سفر کر کے آتے ہیں ان کی آمد و رفت اور قیام وطعام کے انتظام کے اخراجات دینا درست ہے بلکہ دینے چاہئے، وہ اجرت علی التلاوۃ میں داخل نہیں ہے۔ محض مجلس تلاوت میں تلاوت پر کچھ دینا درست نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ڈاڑھی منڈے قاری کی تلاوت سننے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ میں بعض علماء اور دوسرے حضرات کو یہ فکر لاحق ہوا ہے کہ آج کل لوگوں کا تعلق قرآنِ کریم سے دن بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے اور گانے موسیقی وغیرہ سننے کا رواج بہت عام ہو چکا ہے، بنا بریں یہ حضرات مختلف جگہوں میں قراءت کے جلسے قائم کرتے ہیں، اس سلسلہ میں درجِ ذیل امور مطلوب ہیں:

(۱) جو قاری ڈاڑھی نہیں رکھتا اس کی تلاوت سننا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے قاری کی تلاوت کا پروگرام مسجد میں رکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ منبر پر ایسے دیندار اور متقی شخص کی تلاوت سننی چاہئے جس کے تقویٰ سے لوگ متأثر ہو جائیں، تاہم بے ریش قاری کی تلاوت سننے میں بھی چنداں حرج نہیں بلکہ جائز اور درست ہے نیز اس کا اکرام کرنا اور کچھ تعریفی کلمات کہنا بھی احادیث کی روشنی میں درست ہے۔ بہت ساری احادیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی کسی خوبی پر تعریف فرمائی۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) أخرج الإمام البخاري بسنده عن محمد بن جبير عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في أسارى بدر: لو كان المطعم بن عدى حياً ثم كلمنى فى هؤلاء النتنى لتركتهم له. (صحيح البخاري: ۱/۴۴۳/۳۱۳۹، باب مامن النبى صلى الله عليه وسلم على الاسارى).

چونکہ مطعم بن عدی نے شعبِ ابی طالب کے تین سالہ حبس کے زمانہ میں مسلمانوں کے خلاف لکھے گئے صحیفہ کو ختم کرنے کے لیے بہت کوشش کی تھی اس لیے آپ نے ان کے نیک کام کی احسان شناسی فرمائی۔

(۲) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أتاكم كريم قوم فأكرموه. (رواه ابن ماجه، رقم: ۳۷۱۲)، **قال فى الزوائد في إسناده سعيد بن مسلمة وهو ضعيف. وأخرج الحاكم فى المستدرك** (۴/۳۲۴/۷۷۹۱) **عن جابر بن عبد الله، وقال**

هـذا حـديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة ، سكت عنه الذهبي فى التلخيص. فالحديث حسن بكثرة طرقه .

قـال فـي فيـض القدير: إذا أتاكم كريم قوم ، أى رئيسهم المطاع فيهم المعهود منهم بـإكثار الإعظام وإكثار الاحترام ، فأكرموه ، برفع مجلسه واجتزال عطيته ونحو ذلک مما يـليـق بـه لأن الـلّـه تعالىٰ عوده منه ذلک ابتلاء منه له فمن استعمل معه غيره فقد استهان به وجـفـاه وأفسد عليه دينه فإن ذلک يورث في قبله الغل والحقد والبغضاء والعداوة وذاک يـجر إلى سفک الدماء وفي إكرامه اتقاء شره وإبقاء دينه فإنه قد تعزز بدنياه وتكبره وتاه و عـظـم فـي نـفسـه فـإذا حقرته فقد أهلكته من حيث الدين والدنيا وبه عرف أنه ليس المراد بـكـريـم الـقوم عالمهم أو صالحهم كما وهم البعض، ألا ترى أنه لم ينسبه فى الحديث إلى عـلـم ولا إلـى دين ؟ ومن هذا السياق انكشف أن استثناء الكافر والفاسق كما وقع لبعضهم منشؤه الغفلة ...الخ. (فيض القدير: ۱/۲٤۱).

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معزز آدمی کا اکرام کرنا چاہئے اس کے لیے نیک ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۳) حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہونے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اکرام فرمایا تھا کیونکہ وہ مشہور سخی حاتم طائی کے بیٹے تھے۔

ملاحظہ ہو کتب سیرت وتاریخ میں مرقوم ہے:

قـال عـدي: فـخـرجـت حتـى أقـدم عـلـى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المدينة ، فـدخـلـت عليه وهو في مسجده ، فسلمت عليه، فقال: من الرجل؟ فقلت: عدى بن حاتم؛ فـقـام رسـول الـلّـه صـلى اللّٰه عليه وسلم فانطلق بي إلى بيته فو اللّٰه أنه لعامد بي إليه إذ لقيته امـرأة ضعيفة كبيرة فاسترفقته فوقف لها طويلاً تكلمه في حاجتها، قال: قلت في نفسى: و الـلّٰه ما هذا بمَلِک قال: ثم مضى بي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى إذا دخل بي بيته تـنـاول وسـادة من أدم محشوة ليفاً ، فقذفها إلي فقال: اجلس على هذه قال: قلت: بل أنت فـاجـلـس عـليهـا ، فـقال: بل أنت فجلست عليها، وجلس رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالأرض قال: قلت في نفسي: واللّٰه ما هذا بأمر ملک ...الخ. (سيرة ابن هشام : ۲/ ۵۸۰،والروض

الانف :٤/ ٣٦٠،وتاريخ الرسل والامم :٢/ ١٨٨،دارالكتب العلمية ، بيروت).

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی بہن کا بہت اکرام فرمایا، جب وہ قید ہوکر آئی تو بغیر فدیہ کے رہا کردیا۔ ملاحظہ ہوالروض الانف میں ہے:

...وتخالفني خيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتصيب ابنة حاتم فيمن أصابت فقدم بها على رسول الله صلى الله عليه وسلم في سبايا من طي وقد بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم هربى إلى الشام ، قال: فجعلت بنت حاتم في حظيرة بباب المسجد كانت السبايا يحبس فيها ، فمر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فقامت إليه وكانت امرأة جزلة فقالت: يارسول الله ! هلك الوالد وغاب الوافد فامنن علي من الله عليك، قال: ومن وافدك ؟ قالت: عدى بن حاتم ، قال الفار من الله ورسوله ؟ قالت: نعم ...فقال صلى الله عليه وسلم: قد فعلت...قالت: فكساني رسول الله صلى الله عليه وسلم وحملني، وأعطاني نفقة فخرجت معهم حتى قدمت الشام ...الخ.(الروض الانف:٤/ ٣٦٠،امرعدى بن حاتم).

(وكذا فى سيرة ابن هشام : ٣/ ٥٧٩،وعيون الاثرلابن سيد الناس : ٢/ ٢٨٦،وتاريخ الرسل والملوك :٢/ ١٨٧، والسيرة النبوية لابن كثير: ٤/ ١٢٤، وتاريخ مدينة دمشق: ٦٩/ ١٩٩،ط: دارالفكر).

(۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی بہن شیما بنت الحارث کا اکرام فرمایا، حالانکہ وہ اس وقت مسلمان نہیں تھی۔ البدایہ والنہایہ میں ہے:

قال ابن اسحاق: وحدثني بعض سعد بن بكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم هوازن: إن قدرتم على بجاد، رجل من بني سعد بن بكر فلا يفلتنكم...فلما ظفر به المسلمون ساقوه وأهله ، وساقوا معه الشيماء بنت الحارث...فقالت للمسلمين: تعلمون والله إني لأخت صاحبكم من الرضاعة ؟ فلم يصدقوها حتى أتوبها رسول الله صلى الله عليه وسلم...قالت: إني أختك من الرضاعة ، قال: وما علامة ذلك ؟ قالت: عضة عضضتنيها في ظهري وأنا متوركتك ، قال: فعرف رسول الله صلى الله عليه وسلم العلامة ، فبسط لها رداءه ، فأجلسها عليه ، وخيرها وقال: إن أحببت فعندي محببة مكرمة، فمتعها رسول الله صلى الله عليه وسلم وردها إلى قومها...وفيه بعد سطور: فبسط لها

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رداء ہ ثم قال: سلي تعطی واشفعي تشفعی. (البداية والنهاية : ۲۶۳/۴، ۲۶۴، دارالمعرفة ، بیروت). (وكذا في الروض الانف: ۲۲۷/۴،شأن الشيماء وبجاد ،وسيرة ابن هشام : ۴۵۷/۲،شأن بجاد والشيماء، وعيون الاثر: ۲۲۱/۲،ط: بيروت ، لبنان،ومغازی الواقدی : ۹۱۳/۳،ط: بيروت ،عالم الكتب،وتاريخ الرسل والملوك : ۱۷۱/۲، والحاوی الكبير للماوردی : ۸۰۴/۱۱،ط : دارالفكر،والسيرة النبوية لابن كثير: ۶۸۹/۳).

(۶) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کو خط تحریر فرمایا تو اس میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے۔ملاحظہ ہو:

...ثم دعا بكتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی بعث به دحية إلى عظيم بصری فدفعه إلى هرقل فقرأه فإذا فيه: بسم اللہ الرحمٰن الرحيم من محمد عبد اللہ و رسوله إلى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى ...الخ. (رواہ البخاری : ۷/۵/۱).

قال العلامة العيني: فيه؛ ملاطفة المكتوب إليه وتعظيمه . (عمدة القاری : ۱۵۹/۱، ط: دار الحديث، ملتان).

اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ ایسے قراء کو منبر پر بٹھانا اور ان کی تعظیم کرنا گناہ ہے اور حدیث شریف "**إذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واهتزله العرش**" استدلال میں پیش کرتے ہیں،اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے اس سے استدلال مذکورہ بالا احادیثِ صحیحہ کے مقابلہ میں کمزور ہے۔حدیث کی تحقیق ملاحظہ کیجئے:

إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلک العرش . عن أنس رضی اللہ عنہ**: أخرجه ابن أبي الدنيا في ذم الغيبة** (ص۱۴۹،رقم: ۹۱)**، وأبويعلى في معجمه** (۱۵۶/۱،رقم: ۱۷۱)**، والبيهقي في شعب الإيمان** (۲۳۰/٤، رقم: ٤٨٨٦)**، واخرجه أيضاً ابن حبان في الضعفاء** (۲۶۷/۱، ترجمة : ۲۷۳، حازم بن ابی عطاء) **وقال: منكر الحديث ، يأتی بأشياء لاتشبه حديث الأثبات، وابن أبي الدنيا في الصمت**(۱٤۳/۱، رقم: ۲۲۸)**، والديلمي** (۳۳۶/۱، رقم: ۱۳۳۶)**، وأورده الذهبي في الميزان** (۱۶۱/۳، ترجمة ۳۰٤٤)**،والحافظ في اللسان**(۲/۳) **كلاهما في ترجمة سابق بن عبد اللہ ، وقالا:**

هذا خبر منكر . وقال الحافظ فی الفتح (۱۰/۴۷۸): **في سنده ضعف.**

وروي عن بريدة: أخرجه ابن عدى (۵/۲۷۹،ترجمة ۱۴۱۵عقبة بن عبدالله الاصم الرفاعی) . **قال المناوی**(۱/۴۴۱): **قال العراقي: وسنده ضعيف** . (جامع الاحاديث للامام السيوطی : ۴/ ۷۴/ ۲۸۰۲).

وللاستزادة انظر: (تعليقات شعب الايمان : ۶/۵۰۹ـ۵۱۱،والمغنی عن حمل الاسفار للعراقی: ۳/۱۵۹).

(۲) اگر حدیث کو حسن تسلیم کیا جائے تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فاسق فاجر کی کوئی اچھی صفت بیان کرنا گناہ ہے۔ **قال العلامة المناويؒ: وظاهر الحديث يشتمل ما لو مدحه بما فيه كسخاء وشجاعة ولعله غير مراد** . (فيض القدير: ۱/۴۴۱).

لہٰذا جو قاری کی تعریف کرتا ہے وہ اس کی تلاوت اور حسنِ صوت پر تعریف کرتا ہے اس کے ڈاڑھی منڈوانے کی وجہ سے تعریف نہیں کی جاتی۔ خود حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں، **إذا مدح الفاسق**، قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حکم مشتق پر ہوتا ہے تو علتِ حکم مبدأ اشتقاق ہوتی ہے، یعنی جب کسی کام کے کرنے کی وجہ سے کوئی حکم مرتب ہوا تو اس حکم کی علت وہ کام ہوگا۔ جیسے قرآنِ پاک میں ہے:

الزانية والزاني فاجلدوا... اور **السارق والسارقة فاقطعوا** ...کا مطلب یہی ہے کہ زنا کی وجہ سے کوڑے مارو اور چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹو۔

فتاویٰ رشیدیہ میں مرقوم ہے:

سوال: کافر یا فاسق کی مدح اگر اس کی صفاتِ حمیدہ مثل حسن خلق وصدق، حیا وغیرہ کے کہ حدیث شریف میں وارد ہے: **الحياء شعبة من الإيمان**، درست ہے یا ممنوع وحرام بوجہ حدیث شریف "**إذا مدح الفاسق غضب الرب تعالىٰ واهتزله العرش**"؟

جواب: بہ تخصیص یہ کہنا کہ فلاں شخص میں یہ صفت اچھی ہے اگر چہ وہ کافر ہے، تو بظاہر جائز معلوم ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، البتہ مدحِ مطلق کرنا گناہ ہے اس میں تعظیم فاسق کافر کی ہوتی ہے، اور ہم کو ان کی توہین کا حکم ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۴۷)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قاری صاحب کے لیے اسٹیج بنانے کا حکم:

سوال: قاری صاحب کے لیے مسجد یا مسجد کے صحن میں اسٹیج بنانا اور اس پر بٹھانا درست ہے یا نہیں؟ نیز

اس قسم کے جلسہ میں دیواروں پر جھنڈے وغیرہ لگاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: قاری صاحب کے اکرام اور اعزاز میں اسٹیج بنانا اور اوپر بٹھانا درست ہے کیونکہ یہ قرآنِ کریم کے اعزاز کے مترادف ہے اور احادیث میں اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے، البتہ دیواروں پر جھنڈے وغیرہ لگانا تکلّفات میں سے ہے اور مزاجِ شریعت اس قسم کے تکلفات سے منزہ ہے، اس لیے ترک اولیٰ ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اونچی جگہ بنائی گئی تھی تاکہ باہر سے آنے والا پہچان سکے۔

عن أبي ذر رضي الله عنه وأبي هريرة رضي الله عنه قالا: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجلس بين ظهرى أصحابه فيجئ الغريب فلا يدري أيهم هو حتى يسأل فطلبنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نجعل له مجلساً يعرفه الغريب إذا أتاه قال: بنينا له دكاناً من طين فجلس عليه وكنا نجلس بجنبتيه. (رواه ابوداود:۲/۲۹۰/۴۷۰۰، باب فی القدر).

(وأيضاً رواه النسائی، رقم: ۴۹۹۱).

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا کرسی پر بیٹھ کر مسئلہ بیان کرنا احادیث سے ثابت ہے۔

عن حميد بن هلال قال: قال رفاعة: انتهيت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب فقلت: يا رسول الله رجل غريب جاء يسأل عن دينه لايدرى ما دينه فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم وترك خطبته حتى انتهى إلى فأتى بكرسي خلت قوائمه حديداً فقعد عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعل يعلمني مما علمه الله ثم أتى خطبته فأتمها. (رواه النسائی: ۲/۳۰۲،الجلوس علی الکراسی، قدیمی).

اہلِ قرآن کا اکرام کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن جابر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد، يعني في القبر، ثم يقول: أيهما أكثر أخذاً للقرآن؟ فإذا أشير له إلى أحدهما قدمه في اللحد.

(رواه البخاری، رقم: ۱۳۵۳).

وعن أبي موسى رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من إجلال الله تعالىٰ إكرام ذى الشيبة المسلم وحامل القرآن غير الغالى فيه والجافى عنه، وإكرام ذى السلطان المقسط. (رواه ابوداود، رقم: ۴۸۴۳،قال النووی اسناده حسن).

اہل القرآن اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں میں سے ہیں اور مخصوص حضرات کا اکرام کیا جاتا ہے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن للّٰہ أھلین من الناس قالوا: یارسول اللّٰہ من ھم؟ قال: ھم أھل القرآن أھل اللّٰہ وخاصتہ . (رواہ ابن ماجہ ،رقم: ۲۱۵). **وقال فی الزوائد : إسنادہ صحیح . واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

فصل سوم
درود شریف اور ذکر واذکار
سے متعلق احکام کا بیان

افضل درود کے بارے میں تحقیق:

سوال: جو بھی درود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جاتا ہے وہ بیشک کارِ خیر اور باعثِ اجر وثواب ہے، لیکن یہ معلوم کرنا ہے کہ ان درود میں سے افضل درود کونسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ درود شریف کے بہت سارے صیغے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مگر مندرجہ ذیل چند وجوہ کی وجہ سے درودِ ابراہیمی افضل اور بہتر ہے؛

(۱) درودِ ابراہیمی کو نماز میں اختیار کیا گیا ہے، بنابریں اس کی افضلیت واضح ہے۔

(۲) یہ درود صحیحین میں وارد ہوا ہے۔

(۳) صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی درود شریف سکھایا۔

(۴) اس درود میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے اہل وعیال وآل پر بھی درود ہے۔

(۵) اس درود میں صلوٰۃ وبرکت دونوں شامل ہیں۔

دلائل درجِ ذیل ملاحظہ ہوں:

أخرج الإمام البخاريؒ في صحيحه(٦٣٥٧) بسنده عن عبدالرحمن بن أبي ليلى قال: لقيني كعب بن عجرة فقال: ألا أهدى لك هدية أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم خرج علينا فقلنا يارسول اللّٰه قد علمنا كيف نسلم عليك فكيف نصلي عليك قال: فقولوا: اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد اللّٰهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل إبراهيم إنك حميد مجيد .

وكذا أخرجه الإمام مسلم في صحيحه (٤٠٦).

قال العلامة الشاميؒ: والمختار في صفتها: ما فى الكفاية والقنية والمجتبى: قال سئل محمد عن الصلاة على النبي فقال: يقول: اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد ، وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد وهى الموافقة لما فى الصحيحين وغيرهما. (فتاوى الشامي: ١/٥١٢،سعيد).

روح المعاني میں ہے:

وأفضل الكيفيات فى الصلاة عليه صلى اللّٰه عليه وسلم ما علمه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لأصحابه بعد سوالهم إياه لأنه لا يختار صلى اللّٰه عليه وسلم لنفسه إلا الأشرف والأفضل ومن هنا قال النووى فى الروضة : لو حلف ليصلين على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أفضل الصلاة لم يبرأ إلا بتلك الكيفية . (روح المعانى : ٨٣/٢٢،مكتبة دارالتراث).

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

بہت سے اکابرؒ سے اس کا افضل ہونا نقل کیا گیا ہے، ایک جگہ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے اس سوال پر کہ ہم لوگوں کو اللہ جل شانہ نے صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا ہے تو کونسا درود پڑھیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب سے افضل ہے، حصن حصین کے حاشیہ پر حرز ثمین سے نقل کیا ہے کہ یہ درود شریف سب سے زیادہ صحیح ہے اور سب سے زیادہ افضل ہے، نماز میں اور بغیر نماز کے اسی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (فضائل درود شریف، ص۵۹)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

نماز میں عام طور پر انھیں الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ کو اختیار کیا گیا ہے مگر یہ کوئی ایسی تعیین نہیں جس میں تبدیلی ممنوع ہو، کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ یعنی درود شریف کے بہت سے مختلف صیغ منقول و ماثور ہیں صلوٰۃ وسلام کے حکم کی تعمیل ہر اس صیغہ سے ہو سکتی ہے جس میں صلوٰۃ وسلام کے الفاظ ہوں، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعینہٖ منقول بھی ہوں، بلکہ جس عبارت سے بھی صلوٰۃ وسلام کے الفاظ ادا کیے جائیں اس حکم کی تعمیل اور درود شریف کا ثواب حاصل ہوجاتا ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ جو الفاظ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ زیادہ بابرکت اور زیادہ ثواب کے موجب ہیں، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے الفاظ صلوٰۃ آپ سے متعین کرانے کا سوال فرمایا تھا۔ (معارف القرآن: ۷/۲۲۳)۔

اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی سلام پر مشتمل نہیں جبکہ سلام بھی مطلوب ہے، ہاں نماز میں اس درود کے ساتھ التحیات میں سلام موجود ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: خارجِ صلوٰۃ میں صرف درود پر اکتفا کرنا بلا کراہت جائز ہے جبکہ دوسرے اوقات میں سلام پڑھتا ہو۔ ملاحظہ ہو علامہ سخاویؒ القول البدیع میں فرماتے ہیں:

إن إفراد الصلاة عن التسليم لايكره وكذا العكس لأن تعليم السلام تقدم قبل تعليم الصلاة فأفرد التسليم مدة فى التشهد قبل الصلاة عليه وقد صرح النووي فى الأذكاروغيره بالكراهة واستدل بورود الأمر بهما معاً فى الآية ،قال شيخنا: وفيه نظر، نعم يكره أن يفرد الصلاة و لا يسلم أصلاً أما لو صلى في وقت وسلم في وقت آخر فإنه يكون ممتثلاً . (القول البديع: ٢٦).

کراہت والے قول کی تردید علامہ شامیؒ نے بھی نقل کی ہے:

وإن كان عندنا لا يكره كما صرح به في منية المفتي، وهذا الخلاف في حق نبينا صلى اللّٰه عليه وسلم...أقول: وجزم العلامة ابن أمير حاج في شرحه على التحرير بعدم صحة القول بكراهة الإفراد ، واستدل عليه في شرحه المسمى [حلبة المجلى فى شرح منية المصلى] **بما في سنن النسائى بسند صحيح في حديث القنوت" وصلى اللّٰه على النبي" ثم**

قال: مع أن قوله تعالیٰ: وسلام علی المرسلين، وسلام علی عباده الذين اصطفی، إلی غير ذلک أسوة حسنة ، و ممن رد القول بالكراهة العلامة منلا علی القاری في شرح الجزرية فراجعه . (فتاوی الشامی: ۱/ ۱۳،سعید).

اور وسلموا تسليماً کا ایک مطلب مفسرین نے تابعداری بھی لکھا ہے۔ **قال العلامة الشامي: إن المراد بقوله تعالیٰ وسلموا أی لقضائه كما فی النهاية عن مبسوط شيخ الإسلام أی فالمراد بالسلام الانقياد وعزاه القهستاني إلی الأكثرين.** (فتاوی الشامی:۱/ ۵۱۶،سعید).

خلاصہ یہ ہے کہ افضل درود کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(۱) اکثر حضرات کے نزدیک درودِ ابراہیمی افضل ہے۔

(۲) یہ درود شریف افضل ہے:" **اللّٰهم صل علی محمد وعلی آل محمد** " اس کو علامہ شامیؒ نے مرزوقی سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وأفضل العبارات علی ما قال المرزوقی:" اللّٰهم صلی علی محمد وعلی آل محمد" (فتاوی الشامی:۱/ ۱۳،سعید).

(۳) حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ نے ابن ماجہ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول درجِ ذیل درود شریف کو افضل فرمایا ہے:

اللّٰهم اجعل صلاتک ورحمتک وبركاتک علی سيد المرسلين وإمام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدک ورسولک إمام الخير وقائد الخير و رسول الرحمة ، اللّٰهم ابعثه مقاماً محموداً يغبطه به الأولون والآخرون ، اللّٰهم صل علی محمد وعلی آل محمد كما صليت علی إبراهيم وعلی آل إبراهيم إنک حميد مجيد ، اللّٰهم بارک علی محمد وعلی آل محمد كما باركت علی إبراهيم وعلی آل إبراهيم إنک حميد مجيد .

أخرج الإمام ابن ماجه في سننه (ص:٦٥،رقم:٩٠٦) **بسنده عن عن الأسود بن يزيد عن عبد الله بن مسعود** رضی اللہ عنہ **قال: إذا صليتم علی رسول الله صلی الله عليه وسلم فأحسنوا الصلاة عليه ، فإنكم لا تدرون لعل ذلک يعرض عليه ، قال : فقولوا له فعلمنا قال: قولوا : ...الخ .**

وفي الزوائد: رجاله ثقات، إلا المسعودي اختلط بآخر عمره ولم يتميز حديثه الأول من الآخر فاستحق الترك كما قاله ابن حبان.

قال الشيخ عبد الغني المجددي: أحسن الصلاة: اختيار أفضلها وأكملها في المعاني ... وقول ابن مسعود رضي الله عنه يدل على أفضلية المذكورة في هذه الرواية ولاشك أن هذه الصلاة أفضلها في المعاني والمباني، لأن في آخرها الصلاة المأثورة في الصلاة، وفي أولها ما لايخفى من حسنها. (حاشية ابن ماجه، ص:٦٥، رقم الحاشية:١).

یعنی شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے نزدیک یہ درود شریف بہتر ہے کیونکہ یہ درود ابراہیمی اور اس پر مزید اضافہ پر مشتمل ہے ان تینوں درود میں سے جس کو بھی پڑھ لے تو افضل پر عمل ہو جائیگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

درود "صلی اللہ علیہ وسلم" کا ثبوت:

سوال: ایک شخص "صلی اللہ علیہ وسلم" صرف یہ درود پڑھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ صحابہ کرام اسی طرح درود شریف پڑھتے تھے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بہت ساری احادیث سے یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس صیغہ "صلی اللہ علیہ وسلم" سے درود پڑھتے تھے، اور اس کے علاوہ صیغے جو احادیث سے ثابت ہیں وہ بھی پڑھتے تھے۔

أخرج الإمام البخاريؒ في صحيحه (١/٢/١) **بسنده عن علقمة بن وقاص الليثي يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:...الخ.**

اس قسم کی کتبِ احادیث میں بے شمار احادیث موجود ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث بیان کرتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک یا ذکر مبارک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے اسی طرح کتبِ احادیث میں مرقوم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

"یارسول اللہ" کے ساتھ درود کا حکم:

سوال: آج کل یہ طریقہ بہت عام ہو چکا ہے کہ جب کوئی حدیث بیان کی جاتی ہے اور اس میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کا تذکرہ ہوتا ہے، مثلاً قالوا: یارسول اللہ! تو اس کے بعد لوگ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں یا کسی صحابی کو مخاطب کرنے کا تذکرہ ہوتا ہے، مثلاً: قال: یاعمر! تو اس کے بعد لوگ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چونکہ یہ طریقہ صحابہ کرام اور محدثین وفقہاء سے منقول نہیں ہے اس لیے بعض علماء اس کو بدعت کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حدیث کی کتابوں میں جہاں بھی یارسول اللہ کا لفظ آیا ہے ان میں سے اکثر مواقع میں درود ثابت نہیں ہے بنابریں نہیں کہنا چاہئے ہاں بدعت بھی نہیں کہیں گے کیونکہ بعض مواضع میں درود ثابت ہے نیز صحابی کو مخاطب کرتے وقت بھی ترضی ثابت نہیں ہے ہاں مطلق صحابی کا نام آئے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآنِ کریم سے مستفاد ہے اور امت کا اس پر تعامل ہے اس لیے یہ صحیح ہے۔ دلائل حسبِ ذیل ملاحظہ ہوں:

صحاحِ ستہ (حدیث کی مشہور چھ کتابوں) میں لفظ ''یارسول اللہ'' تقریباً ۱۷۷۳ مرتبہ آیا ہے، اور سوائے تین جگہوں کے اور کسی کے ساتھ درود مذکور نہیں۔

(۱) نسائی شریف، باب ذکر الدعاء فی الاستسقاء، ج۱/۲/۱۷۱، سعید کمپنی، اس میں یارسول اللہ کے بعد ''صلی اللہ علیک'' مرقوم ہے۔

(۲) ابوداود شریف، باب حق السائل، ج:۱/ ۲۳۵، ط: فیصل، میں یارسول اللہ کے بعد صلی اللہ علیک، مذکور ہے۔

(۳) ابوداود شریف، باب الامراض المکفرۃ للذنوب، ج۲/ ۴۴۰، ط: فیصل، اس میں یارسول اللہ کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔

صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر بعض کتبِ حدیث ملاحظہ کیجئے:

مصنف عبدالرزاق میں لفظ یارسول اللہ تقریباً ۳۶۵ دفعہ آیا ہے ان میں سے صرف چار کے ساتھ درود مرقوم ہے۔

(۱) ج۳/ ۵۶۴، ادارۃ القرآن، لیکن اس کی تعلیق میں محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے تحریر فرمایا ہے: **والصواب عندي قال: قلت يا رسول الله!** ۔ یعنی درود کے بغیر صحیح ہے۔

(۲) ج۵/ ۴۱۵، رقم: ۹۷۴۸، ط: ادارۃ القرآن۔

(۳) ج۵/ ۴۹۱، رقم: ۹۷۸۴، ط: ادارۃ القرآن۔

(۴) ج۶/ ۸، رقم: ۹۸۲۹، ادارۃ القرآن۔

المستدرک للحاکم میں تقریباً ۸۳۸ مرتبہ آیا ہے ان میں سے صرف ۱۲ مرتبہ درود کے ساتھ موجود ہے۔

ج ۱/ رقم: ۱۰۱۰، ۱۳۹۱، ۱۸۴۶، ۱۸۸۱۔

ج ۲/ رقم: ۲۵۸۸۔

ج ۳/ رقم: ۵۸۰۳، ۶۶۱۸۔

ج ۴/ رقم: ۶۷۱۶، دوجگہ، ۶۸۱۶، ۷۱۸۵، ۷۸۸۷۔

مسند احمد بن حنبل میں تقریباً ۱۷۰۳ مرتبہ آیا ہے، ان میں سے صرف چھ مرتبہ درود کے ساتھ ہے۔

ج ۱۲/ رقم: ۷۲۴۲۔ (مؤسسۃ الرسالہ).

ج ۱۷/ رقم: ۱۱۱۲۳۔

ج ۱۸/ رقم: ۱۱۴۷۷، ۱۱۸۵۳۔

ج ۱۹/ رقم: ۱۲۰۱۸۔

ج ۲۰/ ۱۲۵۶۹۔

القول البدیع میں ہے:

...وقد أطلق القدوري رحمه الله وغيره من الحنفية أن القول بوجوب الصلاة عليه كلما ذكر مخالف للإجماع المنعقد قبل قائله، لأنه لا يحفظ عن أحد من الصحابة أنه خاطب النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله صلى الله عليک.

قلت: سيأتي في حديث أبي مسعود في أوائل الباب الأول، قوله: فكيف نصلى عليک إذا نحن صلينا في صلاتنا، صلى الله عليک، وقول واثلة في أواخر الباب المذكور أيضاً: وأنا يا رسول الله من أهلک، صلى الله عليک. وكذا في حديث أم سنبلة لما أهدت اللبن للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال لها: ما هذا معک؟ قالت: لبن أهديته لک يا رسول الله صلى الله عليک، الحديث، أخرجه أبو إسحاق الحربي فى "الهدايا" وغيره.

وفي حديث المسيء صلاته أنه قال فى الثالثة: فعلمني يا رسول الله صلى الله عليک وسلم. أخرجه ابن ماجه من حديث عبيد الله بن عمر، عن سعيد بن أبي سعيد، عن

أبي هريرة رضي الله عنه.

وفي حديث أيوب بن هانئ ، عن مسروق ، عن ابن مسعود رضي الله عنه: أنه صلى الله عليه وسلم لما أتى قبر أمه و بكى ، تلقاه عمر رضي الله عنه فقال : يا رسول الله صلى الله عليك ما الذي أبكاك ؟ الحديث ، أخرجه البيهقي فى الدلائل .

وكذا عنده فيها من طريق ابن اسحاق في قصة تخييره صلى الله عليه وسلم أصحابه لما بلغه مجيء المشركين إلى أحد أنهم قالوا له صلى الله عليه وسلم: فإن شئت فاقعد صلى الله عليك .

وفيها ايضاً فى اول قصة تبوك : ان الجد بن قيس لمااستأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى التخلف عنها قال: فأذَن لي يارسول الله صلى الله عليك؟

بل فيها أيضاً في وفد بني تميم من أول وفود العرب ،قول قيس بن عاصم : يا رسول الله عليك السلام .

وكفى بدون هذا رداً . ووقع للقاضى أبي بكر ابن العربي في" شرح الترمذى" نحو ما وقع للقدوري، وذلك أنه قال: كان أصحابه إذا كلموه وناده لا يقول له أحد منهم: صلى الله عليك ، وصار الناس اليوم يذكرونه إلا قالوا: صلى الله عليه ، ثم قال: والسر فيه أن أولئك كانت صلاتهم عليه ومحبتهم له واتباعهم له وعدم مخالفتهم ، ولما لم يتبعه اليوم أحد من الناس يعني غالباً وخالفه جميعهم فى الأقوال والأفعال: خدعهم الشيطان بأن صلوا عليه في كل ذكر ، وأن يكتبوه في كل رسالة ، ولو أنهم يتبعونه ويقتدون به ولايصلون عليه في ذكره ، ولا في رسالة إلا حال الصلاة كانوا على سيرة السلف . (القول البديع: ص:۷۶-۷۸،مؤسسة الرسالة).

اس کی تعلیقات میں شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ نے ابن عربی کے کلام کو بعید قرار دیا ہے اور احادیث سے مزید ۹ مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ تطویل سے دامن بچاتے ہوئے ترک کر دیا جاتا ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائیں۔ (تعلیقات القول البدیع،ص۷۸-۸۱)۔

فتاوی الشامی میں ہے:

قوله ويستحب الترضي للصحابة لأنهم يبالغون في طلب الرضاء من الله تعالىٰ ويجتهدون في فعل ما يرضيه ، ويرضون بما يلحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضاء ، فهولاء أحق بالرضاء وغيرهم لا يلحق أدناهم ولو أنفق ملء الأرض ذهباً زيلعي. (فتاوی الشامی: ٦/٧٥٤،سعید).

البتہ کسی صحابی کا نام سننے پر رضی اللہ عنہ کہنے کے بارے میں کوئی حکم منقول نہیں ہے اس کے برخلاف درود شریف کے بارے میں قرآنِ کریم میں حکم وارد ہوا ہے: **يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً.** [الاحزاب:٥٦].

ترمذی شریف میں روایت ہے:

عن حسين بن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: البخيل الذي من ذكرت عنده فلم يصل علي. قال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب. (رواه الترمذی: ٢/١٩٤). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

ذکرحبیب پر ہر مرتبہ درود پڑھنے کا حکم:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ایک ہی مجلس میں بار بار آئے تو ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب اور لازم ہے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: امام طحاویؒ کے نزدیک ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب اور لازم ہے البتہ مفتی بہ قول کے مطابق ایک مرتبہ واجب اور ہر مرتبہ پڑھنا مستحب ہے۔اگرچہ بعض حضرات نے امام طحاویؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے نیز تعظیماً واحتراماً یہ قول زیادہ صحیح ہے روایاتِ کثیرہ کے موافق ہونے کی وجہ سے،لیکن حرج اور مشقت کی وجہ سے دوسرا قول ایسر للناس ہے۔

ملاحظہ ہو الدرالمختار میں ہے:

واختلف الطحاوي والكرخي في وجوبها على السامع الذاكر كلما ذكر صلى الله عليه وسلم والمختار عند الطحاوي تكراره أي الوجوب كلما ذكر ولو اتحد المجلس فى الأصح ، لا لأن الأمر يقتضى التكرار بل لأنه تعلق وجوبها بسبب متكرر وهو الذكر فيتكرر

بتكرره وتصير ديناً بالترك فتقضى...والمذهب استحبابه أى التكرار وعليه الفتوى والمعتمد من المذهب قول الطحاوي كذا ذكره الباقاني تبعاً لما صححه الحلبي وغيره ورجحه فى البحر بأحاديث الوعيد كرغم وإبعاد وشقاء وبخل وجفاء .

وقال فى الشامية : قوله عند الطحاوي، قيد به لأن المختار فى المذهب الاستحباب وتبع الطحاوي جماعة من الحنفية والحليمي وجماعة من الشافعية وحكى عن اللخمى من المالكية وابن بطة من الحنابلة ، وقال ابن العربي من المالكية: إنه الأحوط كذا فى شرح الفاسي على الدلائل ويأتي أنه المعتمد. قوله تكراره أى الوجوب ، قيد الكرماني في شرح مقدمة أبى الليث وجوب التكرار عند الطحاوي بكونه على سبيل الكفاية لا العين وقال: فإذا صلى عليه بعضهم يسقط عن الباقين لحصول المقصود وهو تعظيمه وإظهار شرفه عند ذكر اسمه .

قوله فى الأصح ، صححه الزاهدي فى المجتبى لكن صحح فى الكافى وجوب الصلاة في كل مجلس كسجود التلاوة حيث قال في باب التلاوة و هو كمن سمع اسمه عليه الصلاة والسلام مراراً لم تلزمه الصلاة إلا مرة فى الصحيح لأن تكرار اسمه لحفظ سنته التي بها قوام الشريعة فلو وجبت الصلاة بكل مرة لأفضى إلى الحرج غير أنه يندب تكرار الصلاة ...وحاصله أن الوجوب يتداخل فى المجلس فيكتفي بمرة للحرج كما فى السجود ، إلا أنه يندب تكرار الصلاة فى المجلس الواحد بخلاف السجود . (فتاوى الشامى:۱/۵۱٦،سعيد).

فتاوى ولوالجية میں ہے:

رجل سمع اسم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا تجب عليه الصلاة ؛ لأن الصلاة فى الجملة فرض، لا عندكل سماع، وهذا قول الكرخي، وقال الطحاوي كلما سمع اسم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، والمختار قول الطحاوي. (الفتاوى الولوالجية:۲/۳۳۱،الفصل الثالث من كتاب الكراهية والاستحسان).

فتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار: سمع اسم النبي مراراً في مجلس واحد، هل يجب عليه تكرار الصلاة ؟

الاستبشار: اختلف فيه ؛ قال الطحاوي: تجب الصلاة عند كل سماع، وقال آخرون: يكفي مرة واحدة ،كذا في فتاوى قاضيخان وفى القنية : وبالثانية يفتى، انتهى. قلت: بل المفتى به ، والأصح هو الأول ، لورود أحاديث كثيرة دالة على ذلک . (نفع المفتى والسائل، ص٤٠٦، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله ،ط:دارابن حزم). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

درود کی جگہ رموز واشارات لکھنے کا حکم:

سوال: بعض حضرات اپنی تحریروں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ کے وقت مکمل درود نہیں لکھتے بلکہ فقط علامت ''صلعم'' یا ؐ ،وغیرہ لکھتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور صحیح کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ فقط علامت یا اشارات پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ پورا درود شریف لکھنا چاہئے اس کے بہت فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

ينبغي له أن يحافظ على كتبة الصلاة والتسليم على رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم عند ذكره ، لايسأم من تكرير ذلک عند تكرره ، فإن ذلک من أكبر الفوائد التي يتعجلها طلبة الحديث وكتبته ، ومن أغفل ذلک حرم حظاً عظيماً ...ثم ليتجنب فى إثباتها نقصين : أحدهما: أن يكتبها منقوصة صورة رامزاً إليها بحرفين أو نحو ذلک .

والثاني: أن يكتبها منقوصة معنى بأن لا يكتب (وسلم) وإن وجد ذلک فى خط بعض المتقدمين .

سمعت أبا القاسم منصور بن عبدالمنعم وأم المويد بنت أبى القاسم بقراء تي عليهما قالا: سمعنا أباالبركات...عن محمد بن إسحاق الحافظ قال: سمعت حمزة الكناني يقول: كنت أكتب الحديث وكنت أكتب عند ذكرالنبي" صلى الله عليه " ولا أكتب" وسلم "، فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم فى المنام فقال لي: مالک لاتتم الصلاة علي؟ قال: فما كتبت بعد ذلک " صلى الله عليه وسلم " إلا كتبت " وسلم ". قلت:ويكره أيضاً الاقتصار

علی قولہ" علیہ السلام "، واللہ أعلم. (علوم الحدیث لابن الصلاح:۱۸۸۔۱۹۰،النوع الخامس و العشرون فی کتابة الحدیث).

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں:

علامہ سخاویؒ قولِ بدیع میں لکھتے ہیں کہ جیسا کہ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی لیتے ہوئے زبان سے درود پڑھتا ہے اسی طرح نامِ مبارک لکھتے ہوئے اپنی انگلیوں سے بھی درود شریف لکھا کر کہ تیرے لیے اس میں بہت بڑا ثواب ہے اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے ساتھ علمِ حدیث لکھنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔علماء نے اس بات کو مستحب بتایا ہے کہ اگر تحریر میں بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا درود لکھے اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے ''صلعم'' وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔اس کے بعد علامہ سخاویؒ نے اس سلسلہ میں چند حدیثیں بھی نقل کی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا کہ جو شخص کسی کتاب میں میرا نام لکھے فرشتے اس وقت تک لکھنے والے پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے جو شخص مجھ سے کوئی علمی چیز لکھے اور اس کے ساتھ درود شریف بھی لکھے اس کا ثواب اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک وہ کتاب پڑھی جائے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ پر درود لکھے اُس وقت تک اُس کو ثواب ملتا رہے گا جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔(فضائل درود شریف،ص۱۴۴،۱۴۵،از حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (القول البدیع ،ص ۴۶۰،مؤسسة الریان،والباعث الحثیث للشیخ احمدمحمد شاکر، ص ۱۲۴،ط:مکتبة المعارف ،الریاض). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بوقتِ تلاوت اسمِ حبیب آنے پر درود پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر تلاوت کے دوران حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آجائے تو تلاوت موقوف کر کے درود پڑھا جائے یا تلاوت جاری رکھی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی اگر بہ وقتِ تلاوت آجائے تو قرآنی

ترتیب پر اپنی تلاوت جاری رکھنا درست ہے درود کا پڑھنا ضروری نہیں ہاں تلاوت سے فارغ ہوکر درود پڑھنا افضل ہے اور نہ پڑھے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ملاحظہ کیجئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ومكروهة في صلاة غير تشهد أخير، فلذا استثنى فى النهر من قول الطحاوي. وفي رد المحتار: قوله فلذا استثنى فى النهر، أقول: يستثنى أيضاً ما لو ذكره أو سمعه فى القراءة أو وقت الخطبة لوجوب الإنصات والاستماع فيهما وفي كراهية الفتاوى الهندية: ولو سمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقرأ لا يجب أن يصلى وإن فعل ذلك بعد فراغه من القرآن فهو حسن كذا فى الينابيع، و لو قرأ القرآن فمرعلى اسم نبي فقراءة القرآن على تأليفه ونظمه أفضل من الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك الوقت فإن فرغ ففعل فهو أفضل وإلا فلا شيء عليه كذا فى الملتقط . (فتاوى الشامى:۱/۵۱۹،سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية:۵/۳۱۶،الباب الرابع من كتاب الكراهية). **واللہ ﷻ اعلم۔**

غیر نبی کے لیے سلام اور غیر صحابی کے لیے ترضی کا حکم:

سوال: کسی غیر صحابی کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے یا کسی غیر نبی کے لیے علیہ السلام کہنے کا کیا حکم ہے؟ اور غیر نبی پر صلوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ اور اصول الشاشی میں والسلام علی ابی حنیفۃ واتباعہ آیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: امتِ مسلمہ کا متوارث عمل قرونِ مشہور لہا بالخیر سے یہ چلا آرہا ہے کہ نبی کے لیے علیہ السلام اور صحابی کے لیے رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہاں تبعاً دوسرے حضرات کے لیے رضی اللہ عنہم کہتے ہیں مثلاً: **عن أبي حنيفه عن إبراهيم عن علقمه عن ابن مسعود رضى الله عنه وعنهم ۔**

لیکن معنیٰ کا اعتبار کرتے ہوئے غیر صحابی کے لیے رضی اللہ عنہ بھی جائز ہے البتہ غیر نبی کے لیے علیہ السلام استعمال کرنا درست نہیں ہے، ہاں تبعاً وضمناً ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قال: ولا يصلى على غير الأنبياء والملائكة إلا بطريق التبع، لأن فى الصلاة من التعظيم ما ليس في غيرها من الدعوات...ثم الأولى أن يدعو للصحابة بالرضاء فيقول

رضي الله عنهم لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضاء من الله تعالیٰ ويجتهدون في فعل ما يرضيه ويرضون بما لحقهم من الابتلاء من جهته أشد الرضاء فهولاء أحق بالرضاء وغيرهم لايلحق أدناهم ولو أنفق مل ء الأرض ذهباً، والتابعين بالرحمة فيقول: رحمهم الله ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز فيقول: غفر الله لهم وتجاوز عنهم ...الخ. (البحرالرائق: ۸/۵۵۵، دارالمعرفة).

وفي تبيين الحقائق: ولا يصلى على أحد غير الأنبياء عليهم الصلاة والسلام يروى ذلک عن ابن عباس رضی اللہ عنہ توقيراً للأنبياء عليهم الصلاة والسلام ومنهم من أجاز على كل مسلم . (تبيين الحقائق: ۱/۱۲۳،ط:امداديه ،ملتان،و۶/۲۲۸).

وفی الشامی: واختلف هل يكره تحريماً أو تنزيهاً أو خلاف الأولى وصحح النووى فی الأذكار الثاني، لكن خطبة شرح الأشباه للبيرى من صلى على غيرهم أثم وكره وهو الصحيح ...

ولأن ذلک مخصوص على لسان السلف بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام كما أن قولنا عز وجل مخصوص بالله تعالیٰ فلا يقال محمد عز وجل وإن كان عزيزاً جليلاً ثم قال اللقاني وقال القاضی عياض الذي ذهب إليه المحققون وأميل إليه ما قاله مالک وسفيان واختاره غير واحد من الفقهاء والمتكلمين أنه يجب تخصيص النبي وسائر الأنبياء بالصلاة والتسليم كما يختص الله سبحانه عند ذكره بالتقديس والتنزيه ويذكر من سواهم بالغفران والرضاء كما قال الله تعالیٰ ﴿رضي الله عنهم ورضوا عنه﴾ [المائدة:۱۱۹] **﴿يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان﴾** [الحشر:۱۰] **وأيضاً فهو أمر لم يكن معروفاً فی الصدر الأول وإنما حدثه الرافضة في بعض الأئمة والتشبه بأهل البدع منهی عنه فتجب مخالفتهم.** (فتاوى الشامی:۶/۷۵۴،سعيد).

وأيضاً فيه: ويستحب الترضي للصحابة لأنهم كانوا يبالغون في طلب الرضاء من الله تعالیٰ...الخ. (فتاوى الشامی: ۶/۷۵۴،سعيد). وكذا فی الفتاوى الهندية: ۵/۴۴۶، مسائل شتى).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (تفسیر ابن کثیر:۳/۵۶۷،واحسن الفتاویٰ:۹/۳۶،وکتاب الفتاویٰ:۱/۳۴۵)۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے لیے استعمال فرمایا مثلاً: **اللّٰھم صل علی آل أبي أوفی**، تو اس کا جواب یہ ہے صلاۃ والسلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا حق ہے اور آپ خود اپنا حق کسی کو دیدے تو آپ کے لیے سزاوار ہے کسی دوسرے کے لیے یہ جائز اور درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

روی البخاريؒ بسند عبد اللّٰه بن أبي أوفی قال: کان النبي صلی اللّٰه علیه وسلم إذا أتاه قوم بصدقتهم قال: اللّٰهم صل علی آل فلان فأتاه أبي بصدقتهم فقال: اللّٰهم صل علی آل أبي أوفی... ذکر ما یستفاد منه: احتج بالحدیث المذکور من جوز الصلاة علی غیر الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام بالاستقلال، وهو قول أحمد أیضاً وقال أبوحنیفةؒ وأصحابه ومالک والشافعي والأکثرون أنه لایصلی علی غیر الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام استقلالاً فلا یقال اللّٰهم صل علی آل أبي بکر ولا علی آل عمر أو غیرهما ولکن یصلی علیهم تبعاً، والجواب عن هذا إن هذا حقه علیه الصلاة والسلام له أن یعطیه لمن شاء ولیس لغیره ذلک . (عمدۃالقاری: ٦/٥٥٥،دارالحدیث، ملتان).

فتح الملهم میں ہے:

قال عیاضؒ: والصلاة علی غیر الأنبیاء استقلالاً لم تکن من الأمر المعروف، وقال ابن القیم: المختار أن یصلی علی الأنبیاء والملائکة وأزواج النبي صلی اللّٰه علیه وسلم وآله وذریته وأهل الطاعة علی سبیل الإجمال وتکره في غیر الأنبیاء لشخص مفرد بحیث یصیر شعاراً ولا سیما إذا ترک في حق مثله أو أفضل منه کما یفعله الرافضة فلو اتفق وقوع ذلک مفرداً في بعض الأحابین من غیر أن یتخذ شعاراً لم یکن به بأس ولهذا لم یرد في حق غیر من أمر النبي صلی اللّٰه علیه وسلم بقول ذلک لهم . (فتح الملهم: ٣/٤٤٦، مکتبة دارالعلوم).

وللاستزادة انظر: (شرح النووی علی صحیح مسلم: ۴/۱۲۷،باب الصلاۃ علی النبی صلی الله علیه وسلم، ط:بیروت،وشرح العینی علی سنن ابی داود: ۵/۴۴۴، ط: مکتبة الرشد،الریاض،وفیض الباری: ۲/۴۹).

اشکال اور جواب:

اشکال: اصول الشاشی میں جو **والسلام علی أبي حنیفة وأتباعه** آیا ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: مذکورہ عبارت کے چار جوابات دئے گئے ہیں: (۱) یہ جملہ ماقبل جملہ کے تابع قرار دیا جائے تو مستقل نہیں ہوگا۔ (۲) بعض حضرات نے صلوٰۃ وسلام کے مابین فرق کیا ہے کہ صلوٰۃ مستقلاً جائز نہیں ہے اور سلام جائز ہے۔ (۳) اصول الشاشی کے مصنف کوئی مشہور فقیہ نہیں ہے کہ ان کے قول سے استدلال کیا جائے، ہاں ان کے خلوصِ نیت کی برکت ہے کہ اپنے نام کو بھی مخفی رکھا اس لیے ان کی کتاب کو قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی، البتہ کتاب میں علمِ اصول کے مسائل دوسری کتابوں کے موافق اور مستند ہیں۔ (۴) مصنفؒ نے جواز والوں کے قول پر عمل کیا کہ بعض حضرات نے مطلقاً اجازت دی ہے۔

مندرجہ ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں: علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والظاهر أن العلة في منع السلام ما قاله النووي في علة منع الصلاة أن ذلک شعار أهل البدع ولأن ذلک مخصوص في لسان السلف بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام كما أن قولنا عز وجل مخصوص بالله تعالىٰ . (فتاوی الشامی: ٦/٧٥٣،سعید).

وقال الشيخ أبو محمد الجويني: والسلام في معنى الصلاة ، فإن الله تعالىٰ قرن بينهما فلا يفرد به غائب غير الأنبياء ، فلا يقال: أبوبكر، وعمر، وعلي عليه السلام ، وإنما يقال ذلک خطاباً للأحياء والأموات، فيقال: السلام عليكم و رحمة الله ، والله أعلم ... والتابع يحتمل مالايحتمل استقلالاً . (شرح سنن ابی داود للعلامة العینی:٥/٤٤٤،ط:مکتبة الرشد،الریاض). (وکذا فی شرح النووی علی صحیح مسلم : ٤/١٢٨،ط:بیروت).

وینظر: (روح المعانی: ٢٢/٨٦،ط:بیروت،واحکام القرآن : ٣/٤٩٤،ادارة القرآن،واجمل الحواشی: ١٢، صفوة الحواشی : ١٩ ،ونجوم الحواشی: ٦). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

طلبِ وسیلہ کا مطلب:

سوال: جب وسیلہ کا مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے تو پھر اس دعا کا کیا مطلب ہے کہ میرے لیے وسیلہ کی دعا کرو، وہ تو ویسے ہی کسی اور کو نہیں مل سکتا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: مقامِ محمود اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے لیکن امت کے لیے اس کی دعا کی وجہ سے ایمان میں ترقی اور قربِ درجات مطلوب ہے، اور شفاعت نصیب ہوجائے، نیز ممکن ہے کہ اس درجہ کے مختلف مراتب اور زینے ہوں تو امت کی دعاؤں کی وجہ سے درجات بڑھتے ہوں اگرچہ مرتبہ پہلے مل چکا ہے، جیسے کسی کی درخواست پر کوئی شاہی دربار میں پہنچے اور پھر پہنچنے کے بعد شاہی دربار میں مختلف درجات ہوتے ہیں۔ مرقاتِ شرح مشکوٰۃ میں مرقوم ہے:

والحكمة في سوال ذلک مع كونه واجب الوقوع بوعد الله (وعسى) فی الآية : للتحقيق ، إظهار لشرفه وعظم منزلته ، وتلذذ بحصول مرتبته ورجاء لشفاعته. (مرقاة المفاتيح: ۲/۱۶۳، امداديه، ملتان).

فتح القدیر میں مذکور ہے:

والحديث في هذا الباب كثير، والقصد الحث على الخير. (فتح القدير: ۱/۲۵۰،باب الاذان،ط: دارالفكر).

فتح الملهم میں ہے:

ومع ذلک فإن الله تعالیٰ يزيده بدعاء أمته له رفعة كما يزيدهم بصلاتهم عليه ، كذا قال الأبي . (فتح الملهم: ۳/۲۹۵، دارالعلوم كراتشى).

حادى الأرواح إلى بلاد الأفراح میں مسطور ہے:

وأمر النبي صلى الله عليه وسلم أمته أن يسألوها له لينالوا بهذا الدعاء زلفى من الله، وزيادة الإيمان، وأيضاً ، فإن الله سبحانه قدرها له بأسباب منها دعاء أمته له بها بمانالوه على يده من الإيمان والهدى صلوات الله وسلامه عليه . (حادى الارواح الى بلادالافراح ،ص۱۰۸،الباب الثامن عشرفى ذكراعلى درجاتها واسم تلك الدرجة).

القول البدیع میں ہے:

فإن قيل: ما فائدة طلب الوسيلة له مع قوله : وأرجو أن أكون أنا هو. و رجاؤه عليه السلام لايخيب ، فالجواب: إن طلبنا إياها له عائدة علينا بامتثال ما أمرنا به من جهته الكريمة ، وهو صلاتنا وسلامنا عليه مع أنه قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. (القول

البدیع: ۱۸۰، فائدة طلب الوسیلة له). (وكذا في حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص ۲۰۵، قدیمی).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دعا میں ” نَسِيْنَا “ تخفیف کے ساتھ پڑھنے کا حکم:

سوال: دعاؤں میں ” نَسِيْنَا “ تخفیف کے ساتھ پڑھنا چاہئے مثلاً: ایک دعا میں ہے: **وذكرنا منه ما نسينا** “ یا تشدید کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔بعض روایات میں تخفیف کی ممانعت آئی ہے،اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: شارحینِ حدیث نے ” نَسِيْتُ “ کہنے کی کراہت کی مندرجہ ذیل وجوہات بیان کی ہیں:

(۱) نسیت تخفیف کے ساتھ غفلت اور جرءت پر دال ہے یعنی میں بھول گیا، جیسے ضربت میں نے پٹائی کی اور تشدید کے ساتھ معنی یہ ہے کہ میری تقصیر کی وجہ سے مجھ پر نسیان ڈالا گیا۔

(۲) جو آیات منسوخ التلاوۃ ہیں ان کے بارے میں ” نُسِّيْتُ “ بالتشدید کہے کیونکہ وہ آیات من جانب اللہ منسوخ ہوئیں اور بھلادی گئیں۔” نَسِيْتُ “ بالتخفیف نہ کہے۔

(۳) حدیث میں قول کی ممانعت نہیں بلکہ نسیان کی حالت سے بچنے کی کوشش کرنے کا حکم ہے،ہاں کچھ عوارض کی وجہ سے بھول جائیں تو کوئی حرج نہیں۔تشدید میں خارجی عوارض کی طرف اشارہ ہے،لیکن قرآنِ کریم میں ” **إن نسينا أو أخطأنا** “ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تخفیف کے ساتھ کہنے کی گنجائش ہے،ہاں بہتر یہ ہے کہ یہ کہدے میں فلان فلان وجوہات کی وجہ سے بھول گیا۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم بئس ما لأحدهم أن يقول: نَسِيْتُ آية كيت وكيت بل نُسِّي واستذكروا القرآن فإنه أشد تفصياً من صدور الرجال من النعم . (رواہ البخاری:۲/۷۵۲،رقم:۵۰۳۲).

علامہ عینیؒ عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

وقال القرطبي: التثقيل معناه أنه عوقب بوقوع النسيان عليه لتفريطه في معاهدته واستذكاره قال: ومعنى التخفيف أن الرجل تركه غير ملتفت إليه والحاصل أن الذم فيه يرجع إلى المقال فنهى أن يقال: نسيت آية كذا إلا أنه يتضمن التساهل والتغافل عنه وهو كراهة تنزيه وقال القاضي: الأولى أن يقال إنه ذم الحال لا ذم المقال أى بئس حال من

حفظ القرآن فيغفل عنه حتى نسيه ، وقال الخطابي: بئس يعنى عوقب بالنسيان على ذنب كان منه أو على سوء تعهده بالقرآن حتى نسيه وقد يحتمل معنى آخر وهو أن يكون ذلک في زمنه حين النسخ وسقوط الحفظ عنهم فيقول القائل منهم نسيت كذا فنهاهم عن هذا القول لئلا يتوهموا على محكم القرآن الضياع فأعلمهم أن ذلک بإذن اللّٰه ولماراٰه من المصلحة فى نسخه ومن أضاف النسيان إلى اللّٰه تعالىٰ فإنه خالقه وخالق الأفعال كلها ومن نسبه إلى نفسه فلأن النسيان فعل منه يضاف إليه من جهة الاكتساب والتصرف ومن نسب ذلک إلى الشيطان كما قال يوشع بن نون عليه السلام: وما أنسانيه إلا الشيطان . (عمدة القارى :۵۷٦/۱۳،باب استذكارالقرآن ، ط: دارالحديث ، ملتان).

المنتقى شرح الموطا میں ہے:

وقد قال صلى اللّٰه عليه وسلم في حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ: وإنما أناْ بشر أنسى كما تنسون فإذا نسيت فذكروني فيحتمل أن يكون معنى الحديث الأول ما كان ينسخ من القرآن بالنسيان ينساه جميع الناس فلا يبقى في حفظ أحد فيكون ذلک نسخه له ويكون معنى الحديث الآخر النسيان المعتاد من السهو المعتاد فى الصلاة وما جرى مجراه .

(المنتقى فى شرح الموطا:۲۳٤/۱).

وللاستزادة انظر: (فيض البارى :۲۷۰/۴،والكوكب الدرى مع التعليقات :۴۷/۴،وشرح صحيح مسلم للامام النووى :۷٦/٦،ط:بيروت،وفتح البارى: ۸۲.۸۰/۹). **واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

الحزب الاعظم کا نسخہ کافر کو دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنی دکان پر بیٹھ کر الحزب الاعظم پڑھ رہا تھا، ایک غیر مسلم عورت آئی اور اس نے اس کتاب کے بارے میں پوچھا، اس شخص نے دعاوغیرہ کے بارے میں بتایا تو عورت نے ایک نسخہ طلب کیا، کیونکہ وہ عورت عیسائیت پر مطمئن نہیں ہے دوسرے ادیان پر تحقیق کرتی ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وہ شخص الحزب الاعظم کا نسخہ اس کو دے سکتا ہے؟ برائے مہربانی حکمِ شریعت سے مطلع فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: الحزب الاعظم ملا علی قاریؒ کی کتاب ہے اس کتاب میں انہوں نے قرآن اور احادیث کی مختلف ادعیہ اور درود وغیرہ کو پورے ہفتہ پر تقسیم کر کے روزانہ کی ایک خاص منزل کے اعتبار سے مرتب فرمایا ہے، اس کا ورد بہت مفید ہے۔

علمائے کرام نے غیر مسلم کو قرآنِ کریم دینے کی اجازت دی ہے جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا تو اس کتاب کے دینے کی درجہ اولیٰ اجازت ہوگی۔ بنابریں شخص مذکور اس عورت کو الحزب الاعظم دے سکتا ہے، ہاں ساتھ ساتھ اس کتاب کے ادب واحترام کی تاکید کر دی جائے۔

دلائل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (ردالمحتار: ۱/ ۱۷۷، سعید، و۴/ ۱۳۰، سعید، وبدائع الصنائع: ۱/ ۳۷، و۵۲، سعید، والاشباہ والنظائر: ۱/ ۱۶۸ و۲۹۳، وفتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۱۵۱)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

مستحب عمل کے لیے تداعی کا حکم:

سوال: ہم ہفتہ میں ایک مرتبہ ذکر کی مجلس منعقد کرتے ہیں۔ ہم نے احباب کی آسانی کے لیے اتوار کی رات کو مقرر کیا ہے۔ شبِ اتوار کا تقرر لوگوں کی آسانی کے لیے ہے، پہلی مرتبہ اعلان ہوا تھا کہ شبِ اتوار کو مجلس ذکر ہوگی جس میں وعظ ونصیحت کے علاوہ ذکر ہوگا اس کے بعد اعلان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بعض علمائے دیوبند کو اس پر دو اشکالات ہیں ایک یہ کہ مستحب کام کے لیے تداعی یعنی لوگوں کو دعوت دینا یا اعلان کرنا بدعت یا مکروہ ہے۔

دوسرا یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس قسم کے اجتماعات کو مسجد کے اندر بدعت فرمایا اور قابل نکیر سمجھا، آپ چونکہ ذکر اجتماعی کے بارے میں لکھتے رہتے ہیں اس لیے یہ دونوں سوالات آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً:

پہلے سوال کا جواب: مستحب وہ کام ہے جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو اس کی دو قسمیں ہیں؛ ایک وہ ہے جس کے لیے بلانا اور تداعی ثابت ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جس کے لیے تداعی ثابت نہیں ہے۔ جہاں مستحب یا مسنون کے لیے تداعی ثابت ہو اس کے لیے بلانا درست ہے، جیسے دعوتِ ولیمہ، دعوتِ عقیقہ، صلوٰۃِ استسقاء وغیرہ کے لیے بلانا درست ہے۔

صلوٰۃِ استسقاء کے بارے میں ملا علی قاریؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل فرمایا: **شكى الناس قحوط المطر فأمر بمنبر فوضع له في المصلى، و وعد الناس يوماً يخرجون فيه، قالت عائشةؓ: فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم حين بدا حاجب الشمس ...الخ.** اس میں ایک دن استسقاء کے لیے نکلنے کا وعدہ ہے۔(شرح نقایہ:۱/۳۴۹) آخر میں ملا علی قاریؒ نے فرمایا: **رواه أبوداود** (رقم:۱۱۷۵) **وقال: غريب وإسناده جيد ورواه الحاكم في المستدرك** (۱/۳۲۷/۱۲۲۵) نیز صلوٰۃِ استسقاء باجماعت ثابت ہے۔

اسی طرح صلوٰۃِ کسوف میں بھی جماعت مسنون ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے: "**فإذا رأيتم ذلك فافزعوا إلى الصلاة**" مروی ہے۔ جو تداعی ہے۔

اسی طرح ذکر کی مجالس کے لیے بھی احادیثِ قولیہ سے تداعی ثابت ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صومِ داودی نہیں رکھا لیکن آپ کے اقوال سے اس کا استحباب ثابت ہے، نیز رمضان میں عمرہ نہیں فرمایا لیکن احادیثِ قولیہ سے اس کا استحباب ثابت ہے اسی طرح اقوالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجالس ذکر کے لیے ترغیب ثابت ہے اب ہم چند احادیث نقل کرتے ہیں جن سے مجالس ذکر کی طرف ترغیب وتداعی ظاہر ہو جائے:

(۱) **عن أبي الدرداء ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليبعثن الله أقواماً يوم القيامة في وجوههم النور، على منابر اللؤلؤ يغبطهم الناس ليسوا بأنبياء ولا شهداء قال: فجثا أعرابي على ركبتيه فقال: يارسول الله! حلهم لنا نعرفهم قال: هم المتحابون في الله من قبائل شتى وبلاد شتىٰ يجتمعون على ذكر الله يذكرونه.** (مجمع الزوائد: ۱۰/۷۷،۱۰۲۲۱ـ اسناده حسن).

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منور چہروں والے لوگوں کو نور کے منبروں پر بٹھائیں گے جو مختلف قبائل اور مختلف شہروں سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے واسطے جمع ہوئے ہوں گے، ظاہر ہے کہ یہ لوگ اتفاقاً جمع نہیں ہوئے ہوں گے اور نہ کسی نے ڈنڈوں سے مار مار کر نکالا ہوگا بلکہ کسی اعلان کے نتیجہ میں جمع ہوئے ہوں گے۔

(۲) حضرت عمرو بن عبسہ ﷺ کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہے: **قيل: من هم؟ قال: هم جماع من نوازع القبائل يجتمعون على ذكر الله.** (مجمع الزوائد، رجاله موثقون) یہ لوگ پردیسیوں

کی طرح مختلف قبائل سے کھینچ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوں گے، ان الفاظ میں تداعی کی طرف اشارات بلکہ صراحت ہے۔ جماع مختلف قبائل کے ملے جلے لوگوں کو کہتے ہیں، اور نوازع نازعہ کی جمع ہے نکالی ہوئی جماعتوں کو کہتے ہیں، اس مضمون کی احادیث مصنف عبدالرزاق، مسند احمد میں بھی موجود ہیں۔ (مسند احمد ۳/ ۵۳۰/ ۲۲۸۹، ومصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۲۰۱)۔

(۳) بخاری شریف میں حدیث ہے: "**إن لـلّٰه ملائكة يطوفون فى الطرق يلتمسون أهل الذكر فإذا وجدوا قوماً يذكرون اللّٰه تنادوا هلموا إلى حاجاتكم**". (رواه البخارى: ۲/ ۹٤۸)۔

اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے ہیں اور ذاکرین کو تلاش کرتے ہیں پس جب ذاکرین کی جماعت کو دیکھتے ہیں تو اعلان اور تداعی کرتے ہیں کہ آؤ آپ جو شئی تلاش کر رہے تھے وہ چیز یہاں ہے اس حدیث میں فرشتوں کا اعلان اور تداعی اہل فہم پر مخفی نہیں۔ یاد رہے کہ شامیؒ نے نفل نماز کی جماعت احیاناً جائز لکھی ہے، اس لیے امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے: **اعـلـم أنـه كـمـا يستحب الذكر يستحب الجلوس في حلق أهله، وقد تظاهرت الأدلة على ذلك** . (كتاب الاذكار، ص: ۲٦، مع تعليق الشيخ بشير محمد عيون ـ مكتبة دار البيان)، اس کی مکمل عبارت بعد میں آ رہی ہے۔

(۴) شعب الایمان للبیہقی میں حدیث ہے: **عن أبي رزين أنه قال له رسول اللّٰه صلى اللّٰه عـلـيـه وسـلـم: ألا أدلك على ملاك هذا الأمر الذى تصيب به خير الدنيا والآخرة عليك بـمـجـالـس أهـل الـذكر وإذا خلوت فحرك لسانك مااستطعت بذكر اللّٰه** . (اخرجه الامام البيهـقـى فـى شعب الايمان: ۱۱/ ۳۲۹، رقم: ۸٦۰۸. وقال محشيه: اسناده ضعيف ؛ عثمان بن عطاء هو ابن ابى مسلم ابو مسعود المقدسى، ضعيف) .

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو رزین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں تم کو اس دین کی وہ بنیادی چیز جس کے ساتھ آپ دنیا و آخرت کی خیر حاصل کرو نہ بتاؤں؟ آپ ذکر کی مجالس سے چمٹے رہو، اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مجالس ذکر میں شرکت کی دعوت دے رہے ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ وعظ اور تذکیر میں مشغول تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسی جماعت میں ہو کہ مجھے اللہ جل شانہ نے آپ کیساتھ بیٹھنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿واصبر

نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی...﴾ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ذاکرین کی تعداد کے برابر فرشتے بھیجتے ہیں کہ تم ان کے ساتھ تسبیح، حمد اور اللہ اکبر پڑھتے رہو فرشتے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ یا اللہ آپ کے یہ بندے تسبیح وتکبیر وحمد وثنا پڑھتے تھے ہم بھی ان کے ساتھ پڑھتے تھے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے فرشتو میں نے ان کی مغفرت پر آپ کو گواہ بنایا۔ الخ. اس کی سند میں محمد بن حماد کوفی ضعیف ہے۔

طبرانی کے شیخ موسیٰ بن عیسیٰ الحمصی پر بھی سخت کلام ہے۔(المعجم الصغیر للطبرانی، رقم:۴۷۴، مجمع الزوائد:۱۰/۷۶، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:۵/۱۱۸، وجامع الحدیث للسیوطی ۲۹۷)۔

ہم نے اس روایت کو صرف بہ نیت تائید پیش کیا۔ حلیۃ الاولیاء کی سند میں موسیٰ بن عیسیٰ الحمصی نہیں، ہاں محمد بن حماد الکوفی ضعیف راوی حلیۃ الاولیاء کی سند میں بھی موجود ہے۔

(۲) إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قیل: ما ریاض الجنة ؟ قال: حلق الذکر. (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حس غریب۔ ذکر اجتماعی وجہری ص۴۰). **وفی تعلیق جمع الفوائد قال الالبانی : حسن.** (٤٣/٤).

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کی مجلس میں بیٹھنے اور اس سے متمتع ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں **فارتعوا** تداعی، اعلان اور ترغیب ہے۔

اور دوسری حدیث میں ہے: **إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قلت: یا رسول اللّٰہ وما ریاض الجنة قال المساجد . وما الرتع یا رسول اللّٰہ قال: سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إله إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر .** (رواہ الترمذی "کذا فی الترغیب والترھیب:۲/۲۸٤"وقال وھومع غرابتہ حسن الاسناد). (ذکر اجتماعی وجہری، ص۵۲)۔

اس حدیث میں مساجد کو جنت کے باغیچے اور سبحان اللہ اور دوسرے اذکار کو چرنا اور متمتع ہونا کہا گیا ہے اور دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ مساجد میں ذکر کے حلقوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرکت کی دعوت اور ترغیب دے رہے ہیں امام نوویؒ کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں:

اعلم أنه کما یستحب الذکر یستحب الجلوس في حلق أھله ، وقد تظاھرت الأدلة علی ذلک وسترد في مواضعھا إن شاء اللّٰہ تعالیٰ ویکفي في ذلک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ.

قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا. قالوا : وما ریاض الجنة یا رسول اللّٰہ قال: حلق الذکر فإن للّٰہ تعالیٰ سیارات من الملائکة یطلبون حلق الذکر فإذا أتوا علیهم حفوا بهم . (کتاب الاذکار،ص:۲٦، مع تعلیق الشیخ بشیرمحمدعیون ـ مکتبة دارالبیان).

اس کی تعلیق میں بشیر محمد عیون لکھتے ہیں: **أبو نعیم فی الحلیة : ٦/۳۵۴، وأخرجه الترمذي من حدیث أبي هریرة رضی اللہ عنہ وأبویعلی والبزار والحاکم من حدیث جابر وفي إسناده عمر بن عبد اللّٰہ مولیٰ عفرة وهو ضعیف وأیوب بن خالد لیس بذاک** ، آخر میں لکھتے ہیں: **وهو حدیث حسن بشواهده ولتمام الفائدة انظر:** (نتائج الافکار:۱/۱٦ تا۲۳).

اس روایت میں مجالس ذکر کو ڈھونڈنے کے لیے فرشتوں کے گشت کا ذکر ہے۔

(۷) عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لأن أقعد مع قوم یذکرون اللّٰہ من صلاة الغداة حتی تطلع الشمس أحب إلي من أن أعتق أربعة من ولد إسماعیل، ولأن أقعد مع قوم یذکرون اللّٰہ من صلاة العصر إلی أن تغرب الشمس أحب إلي من أن أعتق أربعة . (رواہ ابوداود:۵/۵۰۷/۳٦٦۷،الرسالة).

قال الشیخ شعیب الأرنؤوط في تعلیقاته علی سنن أبي داود : إسناده حسن من أجل موسی بن خلف العمی، فهو صدوق حسن الحدیث .

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو نمازِ فجر کے بعد طلوعِ افتاب تک ذکر میں مشغول رہتے ہیں مجھے عرب کے چار غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور ذاکرین کے ساتھ میرا بیٹھنا عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک چار عرب غلاموں کی آزادی سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے بعد ذکر کی مجلس میں بیٹھنے کی تمنا فرمارہے ہیں اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کو اپنی تمنا بنادے اور ایسی مجالس میں شرکت کے لیے کسی کو بلائے تو اس کو بدعت کیسے کہا جائیگا۔

(۲) مستحب کی دوسری قسم؛ وہ ہے جس کے لیے تداعی اعلان وجمع ہونا ثابت نہ ہو جیسے نفل نماز کے لیے جماعت بطورِ دوام ثابت نہیں ہاں احیاناً کو شامیؒ نے جائز لکھا ہے۔جن مستحبات کے لیے جمع

ہونا اوراعلان کرنا ثابت نہ ہوا گراس کے لیے جمع ہونے کوسنت وعبادت سمجھ کراعلان کرے تو یہ بدعت ہوگی۔
اوراگرایسے اجتماع کوسنت وعبادت ومقصد نہ سمجھے اورلوگوں کوجمع کرناایک مصلحت اورمفیدشئ سمجھ کراعلان کرے اورنہ کرنے والوں پرلعن طعن نہ کرے اوران کوقابل ملامت نہ سمجھے تواعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں بنابریں اگرمجالس ذکر کے لیے بالفرض تداعی ثابت نہ ہواوراس کومصلحۃً نہ بطورِسنت وعبادت اعلان کرے تواس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔

ہم اس کی ایک نظیر پیش کرتے ہیں تاکہ یہ مسئلہ آپ کے ذہن میں بیٹھ جائے اورخوب الم نشرح ہوجائے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے حلق الرأس کی چار قسمیں مجموعہ فتاویٰ (۲۱/۱۱۶-۱۱۹) میں لکھی ہے:

(۱)حلق عبادت جوحج اورعمرہ میں ہوتا ہے۔

(۲)حلق ضرورت جیسے بالوں میں جوئیں پڑجائیں اورضرورت کی وجہ سے حلق کرانا پڑے یہ بھی جائز ہے۔

(۳)حلق عادت جوعام لوگ کراتے رہتے ہیں یہ امام ابوحنیفہؒ اورامام شافعیؒ کےنزدیک مباح ہے۔

(۴)حلق بدعت: اگرحج وعمرہ کےعلاوہ حلق راس کواپنا شعار بنادے اوراس کوعبادت سمجھ کرکرالے تو یہ حلق مذموم اوربدعت ہے۔یہی حلق عام حالات میں مباح ہےلیکن اس کوعبادت سمجھ کرکرنا بدعت ہے،اسی طرح کسی مستحب کام کے لیےاجتماع اورخاص ہیئت کواگرکوئی عبادت اورسنت سمجھ لیں تو قابل مذمت ہوگا جلسہ دستار بندی تبلیغی اجتماع اورشب گزاری کااجتماع ،پرانوں کاجوڑ،دارالعلوم دیوبندکاصدسالہ جلسہ،مظاہرالعلوم کے پرانے زمانے کے جلسےجس میں حضرت تھانویؒ بھی تشریف لاتے تھے،تصوف کے سلسلوں سے منسلک حضرات کے اصلاحی جلسے،مفتاح العلوم جلال آباد کا جلسہ دستار بندی،خلفائے راشدین کانفرس،ختمِ نبوت کاسالانہ جلسہ، اہل سنت کانفرس ،انگلینڈ والوں کی توحید وسنت کانفرس ،سلفیوں کی سعودی عرب میں مختلف کانفرس اشاعت التوحیدوالوں کی کانفرس اورجلسے،امام اعظم ابوحنیفہؒ کانفرس،اہل حدیث کانفرس،قراء کی حسن قراءت کااجتماع، حق چاریاراجتماع،ختمِ بخاری کےاجتماعات،تقسیمِ انعامات کےاجتماعات،فقہی کانفرسیں۔

مذکورہ بالاسب اجتماعات پرمستحب کی تعریف ’’جس کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے‘‘ صادق آتی ہےاس کو کرنے والے اچھا کام سمجھتے ہیں اس لیےان پرقوم یاحکومتوں کےلاکھوں ڈالرخرچ کرتے ہیں یہ اجتماعات نبوت

کے عہدِ زرین سے ثابت نہیں لیکن چونکہ ہمارے علماء اور مشائخ ان کو سنت ومقصود نہیں بلکہ مصلحت اور مفید سمجھتے ہیں اس لیے یہ کانفرسیں اور جلسے منعقد کرتے ہیں اور نہ کرنے والوں پر ذرہ برابر بھی تنقید نہیں کرتے مجالس ذکر کو بھی بطورِ تنزل اسی زمرہ میں داخل سمجھ لیں ورنہ در حقیقت وہ قسمِ اول میں داخل ہیں۔

اور جو حضرات ان کانفرسوں اور جلسوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی واجبات میں محسوب کرتے ہیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ان کی پرزور تردید فرمائی ہے۔ہم حضرت کی لمبی تقریر سے ایک مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں ناظرین اس کو سرمہ بصیرت سمجھ لیں حضرت نے حقوق العلم نامی وعظ میں فرمایا اور فقہاء نے کتاب السیر میں تصریح فرمادی ہے اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ جہاں اسلام واحکام پہونچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے۔(حقوق العلم،ص۳۱،طبع سہارنپور)۔

دوسرے سوال کا جواب: سائل نے دوسرا سوال یہ فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر کی مجلسوں کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے تھے اس لیے مسجد میں تشریف لاکر اجتماعی ذکر کو منع فرمایا اس واقعہ کے مختلف جوابات اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کی مختلف توجیہات اور اس کی اسانید پر بحث ہم نے اپنی کتاب ''ذکر اجتماعی وجہری شریعت کے آئینہ میں'' میں کی ہے یہاں ہم صرف ایک جواب پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ جواب ہمارے خیال میں بہتر اور آسان ہے:۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے خاص تعداد مقرر کرنے پر تنقید فرمائی اور اس کے دو اسباب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اعداد کا پابند نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ان کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بے عدو بے حد ہو اس لیے ایک ضعیف روایت میں ان سے تسبیح کے دانوں کو رکھنے کی ممانعت مروی ہے۔اور دوسرا سبب جو زیادہ معقول ہے کہ اگر کسی حلقے کے شیخ نے ذکر کے کسی خاص عدد کو متعین کیا تو بہت ممکن ہے کہ آگے جاکر اس عدد کو سنت شرعی نہ سمجھا جائے جیسے بعض اصحابِ طریقت کبھی کسی حدیث پر عمل شروع کرتے ہیں پھر کچھ مدت کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت موضوعی یا اس کے قریب ہے لیکن پھر بھی اس سلسلہ کے حضرات اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو اتباع مشائخ فرماتے ہیں،اب ہم چند قرائن وشواہد ذکر کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہوجائے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد خاص عدد پر انکار کرنا تھا:۔

۱۔مصنف ابن ابی شیبہ میں ابراہیم نخعی سے مروی ہے: **كان عبد الله يكره العدد ويقول: أيمن على الله حسناته .** (مصنف ابن ابی شیبہ:۵/۲۲۰،باب من کرہ عقدالتسبیح ، وفی اسنادہ : الخضربن ابان وفیہ

کـــلام) . حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر کے شمار کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کیا اللہ تعالیٰ پر اپنے حسنات کا احسان جتلاتے ہیں۔

۲۔ مر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بـامـرأة معها تسبيح تسبح به فقطعه وألقاه ثم مر برجل يسبح بـحـصـى فـضربه برجله ثم قال: لقد سبقتم ركبتم بدعة ظلماء ولقد غلبتم أصحاب مـحـمـد صلى الله عليه وسلم علماً. (سلسلة الاحاديث الضعيفة للالبانی: ١١٢/١) ، **رواه الصلت عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ولم يلقه .**

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک عورت کے پاس سے گزرے جس کے پاس تسبیح تھی اور اس کے ساتھ تسبیحات پڑھ رہی تھی تو اس کو کاٹ کر پھینکا پھر ایک مرد کے پاس سے گزرے تو اس کو لات ماری اور فرمایا تم سے پہلے صحابہ گزرے ہیں تم نے تو تاریک بدعت کا ارتکاب کیا اور تم علم میں صحابہ سے بڑھ گئے یہ بطورِ تہدید فرمایا، یاد رہے کہ شیخ البانی نے اس منقطع روایت کو قبول کیا ہے۔

۳۔ دارمی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: **فوقف أى ابن مسعود رضی اللہ عنہ عـليهم فقال: ما هذا الـذي أراكـم تـصـنـعـون قـالوا: يا أباعبد الله حصاً نعد بها التكبير والتهليل والتسبيح قال: فـعـدوا سيـئـاتـكم فأناْ ضامن أن لايضيع من حسناتكم .** (سنن الدارمی : ٥٧٩/١). **وفـي إسناده عمرو بن يحيى وفيه كلام .**

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں مشغول اہل ذکر کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے تم کیا کر رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں انہوں نے کہا کنکریوں سے تکبیر و تہلیل و تسبیح کو گن رہے ہیں آپ نے فرمایا: اپنے گناہوں کو گنو میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے حسنات کو ضائع نہیں کریں گے یعنی ذکر حسنات میں سے ہے اس کی گنتی کی ضرورت نہیں اپنے گناہوں کو نوٹ کرنے اور گننے اور ان سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ وہ گنتی پر معترض تھے۔

۴۔ طبرانی کی معجمِ کبیر کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ گنتی پر اعتراض فرما رہے تھے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں: **ذكر لابن مسعود رضی اللہ عنہ قاص يجلس بالليل ويقول للناس قولوا كذا وقولوا كذا. وفـي إسـنـاده كلام**، یعنی واعظ رات کو بیٹھ کر لوگوں سے یہ کہتا ہے: یا فلان یہ کلمہ اتنی مرتبہ پڑھو، فلان یہ کلمہ اتنی دفعہ پڑھو پھر معجمِ طبرانی کی دوسری روایت کی روشنی میں یہ فرمایا کہ کونسی جماعت پہلے آئی تھی جب ان کو بتلایا گیا تو

دوسرے حلقے کو اٹھا کر پہلے حلقے کے ساتھ ملا دیا اور معجم کبیر کی ایک روایت میں **و أحصوا سيئاتكم** کے الفاظ ہیں۔ان دونوں روایتوں کو ملانے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں حلقہ ذکر کے خلاف نہیں تھے بلکہ گنتی اور شمار کے خلاف تھے ورنہ دو حلقوں کو ملا کر ایک حلقہ کیوں بنایا؟

ان روایات کی عبارتیں اور ان پر کلام ہماری کتاب ذکر اجتماعی و جہری میں ،ص ۱۷۶ سے ۱۸۲ تک ملاحظہ کیجئے۔

تنبیہ: ہم نے ذکر اجتماعی و جہری میں لکھا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر اجتماعی کے لیے جمع ہونے والوں پر انکار اور خاص عدد پر تکبیر ان کا تفرد تھا لیکن اگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نکیر کا یہ مطلب لیا جائے کہ خاص عدد کو حکمِ شرعی سمجھ کر اس کے ساتھ سنت جیسا معاملہ کیا جائے تو پھر ان کا انکار ان کا تفرد نہیں ہوگا۔اور یاد رہے کہ سلاسل تصوف کے پیرو کار مشائخ کے بتلائے ہوئے اذکار کی تعداد کو شرعی حکم کی طرح نہیں سمجھتے بلکہ مختلف مریدین کو مختلف تعداد بتلاتے ہیں اور بعض کو بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے جتنا کر سکتے ہو کرتے رہو،اور کثرت کی کوئی حد نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اشکال: بعض حضرات ذکر جہری کی ممانعت میں حدیث پیش کرتے ہیں: **عن قيس بن عباد كان أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال وعند الذكر** . (رواه البيهقي في السنن الكبرى ٤/١٢٤/٨١٨٢،دارالكتب العلمية).

ورواه الإمام الوكيع في الزهد(رقم:٢١١،دارابن حزم) شیخ شعیب الارنؤوط نے سنن ابوداود کی تخریج میں لکھا ہے:

وروى ابن أبي شيبة (٣/٢٨٤)،**وابن المنذرفي الأوسط** (٥/٣٨٩)، **والبيهقي** (٤/٨٤)، **من طريق الحسن البصري عن قيس بن عباد قال: كان أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند ثلاث عند القتال وعند الجنائز وعند الذكر . وإسناده صحيح ، وهو عند عبد الرزاق** (٦٢٨١) **ومن طريق ابن المنذر** (٥/٣٨٩) **عن الحسن قال: أدركت اصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، دون ذكر قيس** . (سنن ابى داود: ٥/٨٢،دارالرسالة العالمية).

الجواب: حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کے وقت ،قتال کے وقت اور ذکر کے وقت آواز بلند کرنے کو منع فرمایا۔حدیث کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جب جنازہ لے جارہے ہوں تو اس

وقت شورمت کرو خاموش رہو اور جب قتال ہورہا ہو تو اس وقت بھی شورمت کرو اس لیے کہ قتال کے وقت شور کرنا کبھی کمزوری اور بزدلی کی دلیل ہے مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے علامہ شوکانی سے نقل فرمایا: **ولعل وجه كراهتهم لذلك أن التصويت في ذلك الوقت ربما كان مشعراً بالفزع والفشل بخلاف الصمت فإنه دليل الثبات و رباط الجيش.** (بذل المجهود: ۹/۲٦۷، ط: دارالبشائرالاسلامية).

جیسے مناظرہ میں کمزور فریق شورمچاتا ہے اسی طرح جب ذاکرین اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں تو اس وقت بھی شورمت کرو اور ان کے ذکر میں خلل مت ڈالو، ورنہ جہر بالذکر کے دلائل آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں۔

یادرہے کہ جہاد میں بلند آواز سے ذکر احادیث میں وارد ہے خیبر کے جہاد میں: "**الله أكبر خربت خيبر وإنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين**" آیا ہے۔خندق کی کھدائی کے وقت: "**والله لولا الله ما اهتدينا**" منقول ہے۔ہاں گلے پھاڑ پھاڑ کر ذکر نہ ہو یا کسی جگہ اخفا مقصود ہو تو وہاں بھی جہر نہ کرے۔

مساجد میں ذکر اجتماعی وجہری سے متعلق حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڈکودرویؒ سے اعتراضی شکل میں جنوبی افریقہ سے مفصل استفسار کیا گیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے معترض کے اشکالات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مثبت انداز میں قرآن واحادیث کی روشنی میں ذکر جہری وسری، اجتماعی وانفرادی کے اثبات میں چشم کشا جواب عنایت فرمایا۔سوال کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے اور طوالت سے بچتے ہوئے فقط جواب سپردِ قرطاس کیا جاتا ہے۔ملاحظہ ہو:

جواب: حامداً ومصلیاً:۔ذکر الٰہی ایک ایسی اہم عبادت ہے جس کی کثرت کا قرآن وحدیث میں تاکیدی حکم دیا گیا ہے اور بہت ہی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔**کما قال تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا اذكروا الله ذكراً كثيراً﴾** [سورة الاحزاب: ٤١].

اس کے بعد یاد رکھنا چاہئے کہ ذکر کرنے کی چار صورتیں ہیں چاہے وہ ذکر کرنا مساجد میں ہو یا غیر مساجد میں وہ چار صورتیں حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ذکر جہری اجتماعاً (۲) ذکر سری اجتماعاً (۳) ذکر جہری خلوۃً (۴) ذکر سری خلوۃً۔

ہر ایک کا ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے اولاً آیاتِ قرآنیہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي﴾ [سورة الكهف :۲۸].

﴿في بيوت أذن اللّه أن ترفع ويذكر فيها اسمه يسبح له فيها بالغدو والآصال﴾ [سورة النور:۳٦].

﴿فإذا أفضتم من عرفات فاذكروا اللّٰه عند المشعر الحرام﴾ [سورة البقرة:١٩٨].

﴿الذين يذكرون اللّٰه قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم﴾ [سورة آل عمران:١٩١].

﴿ادعوا ربكم تضرعاً وخفية﴾ [سورة الاعراف :٥٥].

﴿واذكر ربک فی نفسک تضرعاً وخيفة ودون الجهر من القول﴾ [سورة الاعراف:٢٠٥].

﴿إذ نادى ربه نداءً خفياً﴾ [سورة مريم:٣].

ثانیاً احادیثِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) إن للّٰه تعالیٰ ملائكة يطوفون فی الطرق يلتمسون أهل الذكر فإذا وجدوا قوماً يذكرون اللّٰه عزوجل تنادوا هلموا إلى حاجتكم . (بخاری شریف:۲/ ۹۴۸،ومسلم شریف:۲/۳۴۴)۔

(۲) خرج معاوية رضي اللّٰه تعالیٰ عنه على حلقة فی المسجد فقال: ما أجلسكم قالوا : جلسنا نذكر اللّٰه . (مسلم شریف:۲/۳۴۲)۔

(۳) عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه وأبي سعيد رضي اللّٰه تعالیٰ عنه أنهما شهدا على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: لا يقعد قوم يذكرون اللّٰه إلا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة وذكرهم اللّٰه فيمن عنده . (مسلم شریف:۲/ ۳۴۵)۔

(۴) عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول اللّٰه عزوجل: أنا عند ظن عبدي بي وأناْ معه حين يذكرني فإن ذكرني في نفسهٖ ذكرته في نفسي وإن ذكرني في ملإ ذكرته في ملإ خير منهم. (مسلم شریف:۲/۳۴۳)۔

(۵) عن أنس رضي اللّٰه تعالیٰ عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: ما من قوم اجتمعوا يذكرون اللّٰه لا يريدون بذلک إلا وجهه إلا ناداهم مناد من السماء أن قوموا مغفوراً لكم قد بدلت سيئاتكم حسنات . طبراني. (فضائل اعمال،ص۳۲۷)۔

(٦) **عن أبي هريرة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: سبعة يظلهم اللّٰه في ظله يوم لا ظل إلا ظله وذكر منها رجل ذكر اللّٰه خالياً ففاضت عيناه .** (مسلم شریف، فضائل اعمال،ص ۳۴۱)۔

ان آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ کے ملاحظہ کرنے کے بعد یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ذکر کرنے کے لیے قرآن وسنت سے کچھ شرائط وقیود ثابت ہیں جن کو فقہاءؒ نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اس کے ذکر سے کسی سونے والے یا کسی مصلی وغیرہ کو خلل نہ ہوتا ہو۔

(۲) اس کا فرائض کی طرح التزام نہ کیا جائے۔

(۳) مجلس میں نہ بیٹھنے والے کو ملامت نہ کی جاوے۔(کفایت المفتی:۲/۵۴،معارف القرآن:۴/ ۱۶۸،فتاویٰ محمودیہ:۱/ ۱۸۵)

(۴) یہ ذکر سنت کے موافق ہو۔(فتاویٰ رحیمیہ:۶/ ۲۱۹)۔

(۵) رضائے الٰہی مقصود ہو، ریا اور نام ونمود کے خاطر نہ ہو۔(معارف القرآن:۴/ ۱۶۸)۔

صورتِ مسئولہ میں جن شرائط وقیودات کے فقدان کا ذکر ہے مثلاً دیگر حاضرین مسجد کا مطلق خیال نہ کرنا، اجتماعی ذکر میں شامل نہ ہونے والے کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، نیز پابندی کے ساتھ اس کا التزام کرنا وغیرہ، ان شروط کی رعایت کرتے ہوئے اوران شروط کے ترک کرنے کی قباحت سے بچتے ہوئے مساجد وغیر مساجد میں اجتماعی ذکر جہری کرنا جائز اور درست ہے۔

اخیراً بطورِ خلاصہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وفي حاشية الحموي عن الإمام الشعراني: أجمع العلماء سلفاً وخلفاً على استحباب ذكر الجماعة فى المساجد وغيره إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارئ . (ردالمحتار: ١/ ٤٤٤)۔والله تعالىٰ اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب. (لباب الفتاویٰ:۱/ ۴۶۶۔۴۶۹)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ختمِ خواجگان کا حکم:

سوال: ختمِ خواجگان پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: ختمِ خواجگان حصولِ برکت اور دعا کی مقبولیت کے لیے مشائخ کا مجرب عمل ہے جو کسی دینی یا جائز دنیوی ضرورت کے لیے پڑھا جاتا ہے، اس کا پڑھنا حاجات کے وقت جائز ہے، البتہ اس کا التزام نہ کیا جائے یعنی کبھی کبھی چھوڑ دیا کریں یا کم از کم تارکین کو ملامت نہ کریں، چنانچہ ختمِ خواجگان پڑھنے والے کم ہوتے ہیں اور نہ پڑھنے والے زیادہ ہوتے ہیں، لیکن پڑھنے والے نہ پڑھنے والوں کو قابلِ ملامت نہیں سمجھتے ہیں۔

قال الإستاذ الكامل السيد محمد حقى النازلي: اعلم أن الإمام جعفر الصادق وأبو يزيد البسطامي وأبوالحسن الخرقاني ومن دونهم إلى شاه النقشبندية قدس الله أسرارهم أنهم اتفقوا في قضاء الحاجات وحصول المرادات ودفع البلاء وقهر الأعداء والحساد ورفع الدرجات و وصول القربات وظهور التجليات قد استعملوا هذه الفائدة الجليلة والأسرار الغريبة وهي الاستغفار مئة مرة والفاتحة سبع مرات الخ. (حزينة الاسرارالكبرى للحقى، ص ٢٢٠، باب خواص ختم خواجكان نقلاً عن تعليقات فتاوى فريديه: ٤/ ٥٠٨، مسائل شتىٰ).

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

منکرات (مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ) سے خالی ختمِ خواجگان حصولِ برکت کے لیے مشائخ کا مجرب عمل ہے، اور کسی بھی امر مندوب اور مستحسن پر دوام مندوب اور التزام مکروہ ہوتا ہے، **والمعروف هو الدوام لا الالتزام فافهم ، وهو الموفق**۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۵۰۷، مسائل شتیٰ)۔

فتاویٰ فریدیہ کے حاشیہ میں مرقوم ہے:

التزام اور دوام کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے پس جو شخص کسی مستحب امر کو ہمیشہ کے لیے کرتا ہے اور التزام کے ساتھ کرتا ہے وہ دوام اور التزام دونوں کا مرتکب ہوا، اور جو شخص کسی مستحب کو کبھی کبھی کرتا ہے البتہ التزام کے اعتقاد کے ساتھ کرتا ہے تو اس نے التزام کیا اور دوام نہیں کیا، اور جو شخص کسی مستحب و مندوب امر کو ہمیشہ کے لیے کرتا ہے لیکن نہ اسے لازم سمجھتا ہے اور نہ تارک پر انکار کرتا ہے تو اس نے دوام کیا اور التزام نہیں کیا اور بدعت سے بچ گیا۔ (حاشیہ فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۵۰۹، مسائل شتیٰ)۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (امداد الفتاویٰ: ۴/ ۶۰۵، وفتاویٰ رحیمیہ: ۲/ ۳۳۳، مکتبۃ الاحسان، وفتاویٰ محمودیہ: ۳/ ۶۷، جامعہ فاروقیہ، وایضاح المسائل ص ۱۴۱، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، وعمدۃ السلوک، وخیر الفتاویٰ: ۱/ ۳۳۹)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحبؒ ایک جگہ براہین قاطعہ میں تحریر فرماتے ہیں:

جو بدعت ہے وہ التزام بمعنی اصرار ہے اور جو مستحب ہے وہ دوام بلا التزام ہے۔(ص ۶۷)۔

دوسری جگہ تحریر فرمایا: دوام التزام کو مستلزم نہیں۔(ص ۶۵)۔

ہم یہاں سیر اعلام النبلاء للامام الذہبیؒ سے چند متروکات نقل کرتے ہیں جو متروکاتِ نبویہ ہیں مگر ممنوعات نہیں، ان کو دکتور عبدالالہ نے اپنی کتاب مفہوم البدعۃ میں نقل کیا ہے اس میں سے ہم چند واقعات نقل کرتے ہیں۔

(یاد رہے اس کتاب کے سب مسائل سے ہم متفق نہیں ہیں)۔

(۱) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ ایک لاکھ تسبیح پڑھتے تھے(۲/ ۳۴۸)۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مہینے کے پہلے تین دن کے روزے رکھتے تھے۔(۲/ ۲۰۹)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ بارہ ہزار تسبیحات پڑھتے تھے۔(۲/۶۱۰)۔

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں ۱۲ ہزار گرھیں لگی تھیں سونے سے پہلے ان پر تسبیحات پڑھتے تھے۔(۲/۶۲۳)۔

(۵) عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ صبح کے بعد سورج نکلنے تک قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے تھے۔(۴/ ۲۶۵)۔

(۶) علی بن حسین زین العابدین ۲۴ گھنٹے میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے(۴/۳۹۲)۔

(۷) طاؤس بن کیسان اوران کے تلامذہ اور متعلقین عصر کے بعد کا وقت تا مغرب دعا کے لیے مخصوص کرتے تھے۔(۵/ ۴۸)۔

(۸) علی بن عبداللہ بن عباسؓ روزانہ ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے۔(۵/۲۵۳)۔

(۹) امام احمد بن حنبل روزانہ دن رات میں تین سو رکعتیں پڑھتے تھے جب آزمائشوں نے ان کو کمزور کر دیا تو پھر ڈیڑھ سو رکعتیں پڑھتے تھے۔(۵/۲۱۲)۔

(۱۰) بقی بن مخلد ۱۳ رکعتوں میں قرآن کریم ختم کرتے تھے اور دن کے وقت سو رکعتیں پڑھتے تھے اور ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔(۱۳/۲۹۲)۔

(۱۱) جنید بن محمدؒ روزانہ تین سو رکعتیں پڑھتے تھے اور کئی ہزار تسبیحات پڑھتے تھے۔(۱۴/ ۶۷)۔

(۱۲) علامہ ابن قیمؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ جو شخص فجر کی سنتوں اور فجر کی فرض کے درمیان یاحی یاقیوم، لا الہ الا انت، روزانہ پابندی سے ۴۰ مرتبہ پڑھے گا، تو ان کلمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو شاداب اور تروتازہ رکھے گا۔(مدارج السالکین للعلامۃ ابن القیمؒ:۳/۲۶۴)۔

یہ سب متروکات ہیں جن حضرات نے ان کو معمول بنایا وہ خود پابندی کرتے تھے لیکن چھوڑنے والے پر انکار نہیں کرتے تھے۔

حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا: **التزام بمعنی اصرار بدعت ہے اوردوام بلا التزام مستحب ہے**۔(براہین قاطعہ،ص۶۷)۔ اس مسئلہ کی تفصیل مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے رسالہ" **إقامة الحجة على أن الإكثار فى التعبد ليس ببدعة**" میں مذکور ہے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل چہارم

اشیائے مقدسہ کے احکام کا بیان

خط میں بسم اللہ کی بجائے ۷۸۶ لکھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص خط میں ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ کی جگہ ۷۸۶ لکھے تو کیا حکم ہے؟ کیا قرونِ اولیٰ میں یہ طریقہ تھا یا نہیں؟ نیز کیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا عدد ۷۸۶ بنتا ہے یا نہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ ہری کرشنا کا عدد ہے، ابجد کے حساب سے اس کا خلاصہ تحریر کریں؟ اور ہری کرشنا کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: خط کی ابتدا اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاک نام سے ہونی چاہئے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام جب والا نامہ تحریر فرمایا تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس کی ابتدا فرمائی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہانِ عالم کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط تحریر فرمائے ان میں بھی بسم اللہ سے ابتدا فرمائی۔ اگرچہ ان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے بے حرمتی کا اندیشہ تھا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ۷۸۶ بسم اللہ کا عدد ہے۔ لیکن جب ابجد کے اعتبار سے حساب لگاتے ہیں تو حروفِ مکتوبہ کے حساب سے یعنی رحمٰن اور اللہ کا کھڑا زبر محسوب نہ کریں تو یہ عدد بنتا ہے اور اگر حروفِ ملفوظہ کا لحاظ کیا جائے یعنی اللہ اور رحمٰن کا کھڑا زبر محسوب کیا جائے تو عدد بڑھ جاتا ہے۔

حسابِ درجِ ذیل نقشہ میں ملاحظہ کیجئے:

ب	س	م	الف	ل	ل	ھ	الف	ل	ر	ح	م	ن	الف	ل	ر	ح	ی	م
۲	۶۰	۴۰	۱	۳۰	۳۰	۵	۱	۳۰	۲۰۰	۸	۴۰	۵۰	۱	۳۰	۲۰۰	۸	۱۰	۴۰

مجموعہ ۷۸۶ بنتا ہے۔

ہری کرشنا کا مجموعہ بھی ۷۸۶ بنتا ہے۔حسب ذیل نقشہ میں ملاحظہ کیجئے:

ھ	ر	ی	ک	ر	ش	ن	الف
۵	۲۰۰	۱۰	۲۰	۲۰۰	۳۰۰	۵۰	۱

مجموعہ:۷۸۶ بنتا ہے۔

فرہنگِ آصفیہ میں ہری کرشنا کا معنی لکھا ہے: ہری:اسم مذکر وشنو کا ایک نام،کرشنا: خدا۔ (۱۲/۴، ۷۱، ط: دہلی)۔

فیروز اللغات میں لکھتے ہیں: کرشن:شیو کے اوتار کنیا جی،اور اوتار کے معنی آتے ہیں:ہندؤوں کے عقیدے میں خدا کا کسی جنم میں داخل ہو کر مخلوق کی اصلاح کے لیے دنیا میں آنا۔(فیروز اللغات،ص۱۳۵،۱۰۰۳)۔

مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں: (قاموس الفقہ :۳/۶۲، ۴تسمیہ،وآپ کے مسائل اوران کا حل:۲/۷۱، ۵،وجواہر الفقہ : ۲/ ۷ ۱۸،رسالہ:احکام وخواص بسم اللہ،ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی،واحسن الفتاوی:۸/ ۲۴،وعلمی مکاتیب،ص۸۹،جمع وترتیب مولانا مرغوب احمد لاجپوری بحوالہ صوت القرآن احمد آباد)۔

قاموس الفقہ میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

آج کل عموماً لوگ بسم اللہ کے بجائے ۷۸۶ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے،نمبرات واعداد جو لوگوں نے بطورِ خود متعین کر لئے ہیں اور جو نمبر کسی دوسرے جملہ کا بھی ہوسکتا ہے،اصل الفاظ کی جگہ نہیں لے سکتا ہے،اس لیے بسم اللہ کو مکمل طور پر لکھنا چاہئے۔(قاموس الفقہ :۳/۶۲، ۴تسمیہ)۔واللہ ﷻ اعلم۔

دینی کتب اور رسائل کا حکم:

سوال: عام طور پر دینی کتب ورسائل جب پرانے ہوجاتے ہیں تو لوگ ان کو غلط جگہوں پر ڈالتے ہیں جن کی بے حرمتی کا اندیشہ ہوتا ہے،اس لیے بعض حضرات نے ان کو جمع کرنے کا کام شروع کیا ہے لیکن اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ نیز ان رسائل وغیرہ کی اصلاح کر کے دوبارہ استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ برائے کرم حکمِ شرعی سے مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: دینی کتب اور رسائل کے بارے میں بعض کتب میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام مٹا دیا جائے لیکن اس میں حرج ہے، البتہ پاک صاف جگہ پر دفن کر دیا جائے یا پانی میں بہا دیا جائے، اگر یہ دوصورتیں بآسانی ممکن نہ ہو تو جلا دیا جائے اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف کو جلایا تھا جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔ ہاں بے حرمتی کی نیت سے جلانا درست نہیں۔

ان رسائل اور دینی کتب کی صفائی (Recycle) کر کے دوبارہ استعمال میں لانا بھی جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ولو كان فيه اسم الله تعالىٰ أو اسم النبي صلى الله عليه وسلم فيجوز محوه ليلف فيه شيء. (البحر الرائق: ۱/۲۱۲، دار المعرفة). (وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۷۸، سعيد، والفتاوى الهندية: ۵/۳۲۲، الباب الخامس من كتاب الكراهية).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

جن کاغذوں پر آیاتِ قرآنیہ یا مباحثِ شرعیہ یا مسائل تحریر ہوں ان میں پڑیا باندھنا جائز نہیں، البتہ اگر مباحثِ شرعیہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اور انبیائے کرام اور کتبِ الٰہیہ کے اسماء کاٹ کر باقی کاغذ میں پڑیا باندھنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۱۳)۔

وفي الدر: ويجوز لف شيء في كاغذ فقه ونحوه، وفي كتب الطب يجوز. وفي الشامية: ولو كان فيه اسم الله تعالىٰ واسم النبي صلى الله عليه وسلم يجوز محوه ليلف فيه شيء. (فتاوى الشامي: ۶/۳۸۷، سعيد).

کفایت المفتی میں ہے:

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق محفوظ مقام میں دفن کر دینا بھی جائز ہے لیکن جلا دینا آج کل زیادہ بہتر ہے کیونکہ ایسا محفوظ مقام دستیاب ہونا مشکل ہے کہ وہاں آدمی یا جانور نہ پہنچ سکیں، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصاحف کو جلانا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ (کفایت المفتی: ۱/۱۲۷، دار الاشاعت)۔ واللہ ﷻ اعلم۔

جائے نماز پر لفظ اللہ اکبر کا حکم:

سوال: ایک جائے نماز پر لفظ ''اللہ اکبر'' لکھا ہے اس میں سے لفظ ''اللہ'' کو مٹا دیا تو یہ بے ادبی سے

بچنے کے لیے کافی ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ بے ادبی سے بچنے کے لیے فقط لفظ ''اللہ'' کا مٹانا کافی نہیں ہے بلکہ اکبر کو بھی مٹا دیا جائے، جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی جائے نماز پر الملک للہ لکھا ہوا اور اس میں سے للہ کو مٹا دیا جائے اور الملک باقی ہو تو یہ کافی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

بساط أو مصلی کتب علیه '' الملک لله '' یکره بسطه والقعود علیه واستعماله و علی هذا قالوا: لا یجوز أن یتخذ قطعة بیاض مکتوب علیه اسم الله تعالیٰ علامة فیما بین الأوراق لما فیه من الابتذال باسم الله تعالیٰ ولو قطع الحرف من الحرف أو خیط علی بعض الحروف فی البساط أو المصلی حتی لم تبق الکلمة متصلة لم تسقط الکراهة و کذلک لو کان علیهما الملک لا غیر وکذلک الألف وحدها کذا فی الکبری. (الفتاوی الهندية: ۳۲۳/۵). (وکذا فی المحیط البرهانی: ۲۹۷/۵، ط: داراحیاء التراث العربی، وفتاوی الشامی: ۳۶۴/۶، سعید، والبحر الرائق: ۲۱۲/۱، دارالمعرفة، بریقة محمودیةفی شرح طریقة محمدیة وشریعة نبویة: ۲۱۵/۶، ایقادالشموع فی القبور). **واللہ ﷻ اعلم۔**

مخصوص مکان کا نام بیت اللہ رکھنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے اپنی بلڈنگ کی ایک مخصوص جگہ کا نام بیت اللہ رکھا، بعض دینی حلقوں کی طرف سے اس پر اعتراض ہوا، کیا کسی مخصوص جگہ کا نام بیت اللہ رکھا جاسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جواب سے پہلے بطورِ تمہید سمجھ لیجئے کہ بیت اللہ کا لفظ مسجدِ حرام کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے، اور قرآنِ کریم میں مسجدِ حرام کو اللہ تعالیٰ کا گھر کہا گیا ہے: '' **ربنا إني أسكنت من ذريتي بواد غير ذي زرع عند بيتك المحرم، ربنا ليقيموا الصلاة** '' (إبراهيم: ۳۷)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں: اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد تیرے گھر کے پاس ٹھہرا دی، اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ اس آیتِ کریمہ سے واضح ہوا کہ مسجدِ حرام اللہ کا گھر ہے، یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ میں رہتے ہیں یا بیٹھتے ہیں (نعوذ باللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہیں اور نہ زمان

ومکان کے پابند ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ اور مسجدِ حرام سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلی اور رحمت متعلق ہے، جو دوسری جگہوں سے نہیں، ہاں مسجدوں کے اندر نمازی خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتے ہیں تو وہ بھی اس نور اور رحمت میں سے کچھ اپنے سینوں میں جذب کرتے ہیں۔

اب سوال کا جواب سن لیجئے (۱) شریعت میں جو لفظ کسی خاص مقام کے ساتھ یا خاص چیز کے ساتھ مخصوص ہو وہ دوسری جگہ یا دوسری چیز پر نہیں بولا جاتا، جبکہ اس لفظ کے ساتھ خاص عبادت بھی منسلک ہو، جیسے میدانِ عرفات، منی، مزدلفہ کسی دوسرے مقام کو نہیں کہا جا سکتا ورنہ پھر خطرہ رہے گا کہ کوئی بے وقوف حج کے افعال وہاں شروع کر دیگا، یا کم از کم ان مقامات کی تعظیم کا قائل ہو جائیگا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اسماء کسی اور کے لیے استعمال نہیں کیے جائیں گے، جیسے: اللہ، رحمٰن، ہاں جو اسماء مشترک ہوں جیسے: کریم رحیم یہ دوسرے کے لیے رکھے جا سکتے ہیں۔

(۲) بعض جگہیں یا کام شعائر اللہ میں سے ہوتے ہیں شعائر اللہ کا معنی یہ ہے کہ وہ دین کی علامت اور یادگار ہوں ان کو دیکھ کر اسلام یاد آجائے اور اسلام کی خوشبو محسوس کی جائے، جیسے: مسجد، بیت اللہ، اذان، وغیرہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے، اور تعظیم اس میں ہے کہ ان کا استعمال دوسری جگہوں میں نہ کیا جائے، ورنہ اگر کسی کوڑے کے ڈھیر یا فحاشی کے اڈے یا کسی بازار کو مسجد کہا جائے تو مسجد کی کیا تعظیم رہے گی، یاد رہے کہ عام جگہ کی نسبت بیت اللہ شریف سے ایسی ہے جیسے غلاظت کی نسبت پاک جگہ سے۔

(۳) جس جگہ کا نام بیت اللہ رکھا گیا، کبھی کبھی اس کی طرف غلط نسبت کی جائے گی، یا گالی دی جائیگی، مثلاً: یہ کہا جائے کہ بیت اللہ کتنی خراب اور بیکار جگہ ہے یہاں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی، اس میں بیت اللہ کی طرف خرابی منسوب ہوگی، جس سے ذہن خانہ کعبہ کی طرف منتقل ہوگا، اور اس لفظ کی توہین ہوگی، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ''جاہلوں میں'' عبدالرحمٰن کا نام نہ رکھا جائے کیونکہ وہ نام کی تصغیر کرتے ہیں اور رحمٰن بولتے ہیں اور پھر رحمٰن کا لفظ ذکر کرکے صاحبِ نام کو گالی وغیرہ دیتے ہیں ان وجوہات کی بنا پر یہ نام تبدیل کر لیا جائے، اور اس کی جگہ دوسرا نام رکھا جائے۔ ہاں نام کی حفاظت کے ساتھ یہ بہتر نام ہے۔ واللہ ﷻ اعلم۔

بیت اللہ شریف پر سیاہ غلاف ہونے کی وجہ:

سوال: بیت اللہ شریف کا غلاف سیاہ کیوں ہے؟

الجواب: زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کا غلاف مختلف رنگوں کا ہوا کرتا تھا یہی سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اور خلفاءِ راشدین بنوامیہ اور بنوعباسیہ کے ابتدائی دور تک رہا پھر ۵۷۵ھ میں خلیفہ احمد ناصر لدین اللہ نے سیاہ رنگ کا غلاف چڑھایا، البتہ تاریخ مکہ میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن یمن کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف کعبہ پر چڑھایا لیکن معلوم نہیں کہ یہ کیسی روایت ہے، لہذا صحیح یہی ہے کہ عباسی خلیفہ احمد ناصرلدین اللہ نے سیاہ رنگ کا غلاف چڑہایا پھر اب تک سیاہ چلا آ رہا ہے۔

تاریخ مکہ میں ہے:

كسى البيت فى الجاهلية الانطاع، ثم كساه النبى ﷺ الثياب اليمانى ثم كساه عمر و عثمان القباطى ثم كساه الحجاج الديباج ويقال: أول من كساه الديباج يزيد بن معاوية و يقال: ابن الزبير ويقال: عبد الملك بن مروان .

عن حبيب بن أبي ثابت قال: كسى النبى ﷺ الكعبة و كساها أبوبكر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ فلما ولى عبد الملك بن مروان كان يبعث كل سنة بالديباج فلما كانت خلافة المامون... فصارت الكعبة تكسى ثلاث كُسىً الديباج الأحمر يوم التروية وتكسى القباطى يوم هلال رجب و جعلت كسوة الديباج الأبيض التي أحدثها المامون. (تاريخ مكة للازرقى ص:٢٦٦، وكذا فى تاريخ مكة لابن الضياء الحنفى ص:١٢٠).

قصة التوسعة الكبرى میں ہے:

كسوة العباسيين: وكانت الكعبة تكسى مرتين، وصارت في عهد الخليفة العباسى المامون تكسى ثلاث مرات فى السنة، وذلك بأمره، وبدأ سنة ٢٠٦هـ الكسوة الأولىٰ من الديباج الأحمر وتكساها يوم التروية، والثانية من القباطى وتكساها في غرة رجب، و الثالثة من الديباج الأبيض وتكساها فى السابع والعشرين من شهررمضان المبارك، و بدأت تكسى الكعبة بالديباج الأسود منذ كساها الناصرلدين اللّٰه أبوالعباس، أحمد الخليفة العباسي وقد بدأ حكمه سنة ٥٧٥هـ واستمرإلى يومنا هذا. (قصة التوسعة الكبرى، ص: ١٠٨، وكذا فى الكعبة والكسوة ص: ١٣٨).

تاریخ مکہ میں ہے:

اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن یمن کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا غلاف کعبہ پر چڑھایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قباطی کا غلاف چڑھایا (قباطی ایک باریک قسم کا سفید مصری کپڑا)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سال میں دومرتبہ غلاف چڑھاتے تھے ...خلیفہ ابوالنصر نے ہند کا بنا ہوا سفید غلاف چڑھایا بعد میں ناصر عباسی نے سبز دیباج کا اور ۶۴۳ھ میں سیاہ سوتی غلاف چڑھایا گیا، جس کے بعد اب تک کالے رنگ کا ہی غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ (تاریخ مکہ: ۲/ ۱۴۸).

التاریخ القویم میں ہے:

احمد ناصرلدین اللہ نے سیاہ رنگ کا دیباج چڑھایا تھا۔ (التاريخ القويم: ٤/ ١٩٩).

خلاصہ یہ ہے کہ سیاہ رنگ کے غلاف کی ابتداء خلیفہ عباسی احمد ناصرلدین اللہ نے فرمائی اس کے بعد اب تک سیاہ رنگ کا چڑھایا جاتا ہے اور سیاہ پہنانے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ خلفائے بنوعباسیہ سیاہ رنگ کو پسند کرتے تھے اور عزت وغلبہ سے تفاؤل لیتے تھے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے، جب ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ عمامہ پہنا تھا تو بعض خلفاء نے خانہ کعبہ کو جو ہمارے لیے محبوبہ کی طرح ہے سیاہ برقعہ پہنایا یا ان کے چہرے پر سیاہ زلفیں لٹکا دی گئیں۔ نیز سیاہ رنگ پر غبار و میل بھی نظر نہیں آتا۔ نیز حجر اسود سیاہ ہے تو اس کے حامل کعبہ کو بھی سیاہ لباس پہنایا گیا۔

ملاحظہ ہو جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں ہے:

و الخلفاء العباسيون باقون على لبس السواد و كثير من الخطباء على المنابر و مستندهم ما سبق من دخول المصطفى مكة بعمامة سوداء أرخى طرفيها بين كتفيه فخطب بها فتفاول الناس لذلك فإنه نصروعز وزعم بعض بنى المعتصم أن تلك العمامة التي دخل بها مكة وهبها ﷺ لعمه العباس وبقيت بين الخلفاء يتداولونها ويجعلونها على رأس من تقرر للخلافة. (جمع الوسائل: ١/ ١٦٥). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی فضیلت:

سوال: خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کی کوئی فضیلت وارد ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف میں نماز ادا فرمائی ہے، بنابریں اگر کسی کو موقع مل جائے تو نماز پڑھ لینی چاہئے، بیت اللہ میں نماز پڑھنا مستحب ہے لیکن آج کل چونکہ بیت اللہ شریف میں ہرکس وناکس کا داخلہ ممکن نہیں ہے اس لیے حطیمِ کعبہ میں نماز پڑھنے سے بھی بیت اللہ شریف میں نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

أخرج الإمام البخاري عن ابن عمر رضی اللہ عنہ **أنه كان إذا دخل الكعبة مشى قبل الوجه حين يدخل و يجعل الباب قبل الظهر يمشي حتى يكون بينه وبين الجدار الذي قبل وجهه قريباً من ثلاث أذرع فيصلي يتوخى المكان الذى أخبره بلال** رضی اللہ عنہ **أن رسول الله صلى الله عليه و سلم صلى فيه وليس على أحد بأس أن يصلي في أى نواحى البيت شاء .** (رواه البخاری: ۱/۷۲/۲۱۷).

وأخرج البخاري أيضاً عن ابن عمر رضی اللہ عنہ **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة وأسامة بن زيد وبلال وعثمان بن طلحة الحجبى** رضی اللہ عنہم **فأغلقها عليه ومكث فيها فسألت بلالاً حين خرج ما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال جعل عموداً عن يساره وعموداً عن يمينه وثلاثة اعمدة وراءه وكان البيت يومئذٍ على ستة اعمدة ثم صلى ...** (رواه البخاری: ۱/۷۲).

وأخرج ابن خزيمة في صحيحه (۳۰۱۳) **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دخل البيت دخل في حسنة وخرج من سيئة مغفوراً له. قال الأعظمي: إسناده ضعيف. قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الكبير والبزار بنحوه وفيه عبد الله بن المؤمل وثقه ابن سعد وغيره وفيه ضعف .** (مجمع الزوائد: ۳/۲۹۳).

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حطیمِ کعبہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج ابن خزيمة في باب استحباب الصلاة فى الحجر إذا لم يمكن دخول الكعبة إذ بعض الحجر من البيت...عن عائشة رضی اللہ عنہا **قالت: كنت أحب أن أدخل البيت فأصلي فيه فأخذ**

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بیدی فأدخلنی الحجر وقال: یا عائشةؓ إن قومک لما بنوا الکعبة استقصروا فأخرجوا الحجر من البیت فإذا أردت أن تصلین فی البیت فیصلي فی الحجر فإنما هو قطعة من البیت . (صحیح ابن خزیمة:۲/۱۴۱۳).

أخرج الإمام البخاري عن عائشةؓ قالت: سألت النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم عن الجدار أمن البیت هو قال: نعم ، قلت: فما لهم لم یدخلوه فی البیت قال: إن قومک قصرت بهم النفقة قلت: فما شأن بابه مرتفعاً قال: فعل ذلک قومک لیدخلوا من شاء وا ویمنعوا من شاء وا ولولا أن قومک حدیث عهدهم بالجاهلیة فأخاف أن تنکر قلوبهم أن أدخل الجدار فی البیت وأن ألصق بابه بالأرض . (رواه البخاری:۱/۲۱۵/۱۵۸۴). واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مومن کا درجہ بیت اللہ سے بڑھ کر ہے:

سوال: مسلمان کا مرتبہ کعبہ سے زیادہ ہے یا کم؟ اگر زیادہ ہوتو اس کا ثبوت کیا ہے؟ اگر زیادہ ہوتو پھر پیشاب و پاخانہ کے وقت کعبہ کی طرف استقبال واستدبار جائز ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: احادیث کی روشنی میں مومن کا مرتبہ کعبہ سے زیادہ ہے۔

چند احادیث درجِ ذیل ملاحظہ کیجئے:

أخرج الإمام ابن ماجه بسنده عن عبد اللّٰہ بن عمر وؓ قال: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یطوف بالکعبة ویقول: ما أطیبک وأطیب ریحک ، ما أعظمک وأعظم حرمتک ، والذي نفس محمد بیده لحرمة المومن أعظم عند اللّٰہ حرمة منک ؛ ماله ودمه وأن نظن به إلا خیراً . قال فی الزوائد: في إسناده: مقال، ونصر بن محمد شیخ ابن ماجه ضعفه أبوحاتم وذکره ابن حبان فی الثقات .

وأخرجه الطبرانی فی مسندالشامیین (۲/۳۹۶/۱۵۶۸).

وأخرج أبوعبد الله الفاکهی فی "اخبارمکة" (۲/۲۷۸/۱۵۲۳) بسنده عن الهیکل بن جابر قال: بینما رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یطوف بالبیت إذ جاء رجل فتعلق باستارالکعبة وهو یقول: بحرمة هذا البیت لماغفرت لی فقال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: ألا قلت:

بحرمتي إلا غفرت لي ؟ والذي أكرمني بالهدى ودين الحق لحرمة المومن أعظم من حرمة هذا البيت ...الخ .

قضائے حاجت کے وقت مسلمان کو جو استقبال واستدبار سے منع کیا گیا ہے وہ کعبہ کے اکرام کی وجہ سے منع فرمایا گیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کعبہ کا مرتبہ زیادہ ہے، کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اکرام کرنے والا ہمیشہ جس کا اکرام کیا جارہا ہے اس سے ادنی ہو بلکہ اعلیٰ عالی کا بھی اکرام کرتا ہے اور اس کی بہت ساری نظائر پائی جاتی ہیں؛ مثلاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اکرام میں شیطان کو نہیں باندھا۔

أخرج الإمام البخاري بسنده عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه صلى صلاة فقال : إن الشيطان عرض لي فشد علي ليقطع الصلاة علي فأمكنني الله منه فذعته ولقد هممت أن أوثقه إلى سارية حتى تصبحوا فتنظروا إليه فذكرت قول سليمان عليه السلام: رب هب لي ملكاً لاينبغي لأحد من بعدي، فرده الله خاسئاً . (صحيح البخاري: ۱/۱۶۱/ ۱۲۱۰، باب مايجوزمن العمل فى الصلاة).

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اکرام میں آپ صحیح بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے ٹھیک کر لیے۔

أخرج الإمام مسلم بسنده عن عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مضطجعاً في بيتي كاشفاً عن فخذيه أو ساقيه فاستأذن أبوبكر رضي الله عنه فأذن له وهو على تلك الحالة فتحدث ثم استأذن عمر رضي الله عنه فأذن له وهو كذلك فتحدث ثم استأذن عثمان رضي الله عنه فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم و سوى ثيابه...الخ. (صحيح مسلم :۲/۲۷۷/ ۲۴۰۱،باب من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ).

(۳) حضرت فاطمہؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو آپ ان کے اکرام میں کھڑے ہوجاتے، ان کو بوسہ دیتے اور انھیں اپنی جگہ بٹھاتے۔

أخرج الإمام الترمذي بسنده عن عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها قالت: ما رأيت أحداً أشبه سمتاً ودلاً وهدياً برسول الله صلى الله عليه وسلم في قيامها وقعودها من فاطمة رضي الله عنها بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت: وكانت إذا دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم قام إليها فقبلها وأجلسها في مجلسه...الخ. (سنن الترمذي:۲/۲۲۶،باب ماجاء فى فضل فاطمة رضی اللہ عنہا).

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو اپنی اولاد کے اکرام اور ان کے ساتھ احسان کا حکم دیا۔

أخرج الإمام ابن ماجه بسنده عن عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أكرموا أولادكم وأحسنوا أدبهم . (سنن ابن ماجه،ص ۲۶۱/۳۶۷۱،باب برالوالد والاحسان الى البنات).

نیز مومن کا مرتبہ اگرچہ کعبہ سے بڑھ کر ہے لیکن کعبہ بھی شعائر اسلام میں سے ہے، اس کی تعظیم بھی ضروری ہے اسی وجہ سے بوقتِ قضائے حاجت استقبال واستدبار سے منع کیا گیا تاکہ بیت اللہ کی بے حرمتی نہ ہو اور نجاست کا رخ انسان کے تابع ہے انسان کا رخ جس طرف ہوگا اس طرف نجاست کا رخ مانا جائیگا۔

عمدۃ القاری میں علامہ بدرالدین العینیؒ فرماتے ہیں:

باب لا تستقبل القبلة بغائط أو بول ....: فيه إكرام القبلة عن المواجهة بالنجاسة مطلقاً تعظيماً لها. (عمدة القارى:۲/۳۹۵، دارالحديث،ملتان). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر سونے کا حکم:

سوال: قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر سونے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا مکروہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر بجانبِ قبلہ پیر پھیلا کر سونا مکروہِ تحریمی ہے، کعبہ شعائر اسلام میں ہے اور اس کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ **ومن يعظم شعائر الله فإنها من تقوى القلوب** ﴾ [الحج:۳۲].

حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يصلى في سبع مواطن فى المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق والحمام ومعاطن الإبل وفوق الكعبة .** (رواه ابن ماجه،رقم:۷۴۶،باب المواضع التى تكره فيها الصلاة). **وفي إسناده: زيد بن جبيرة وفيه كلام .**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا: کوڑے کی جگہ، مذابح میں، مقبرہ میں، راستے کے بیچ میں، حمام میں، اونٹوں کے باڑے میں اور کعبہ کے اوپر۔

آپ خود سوچیں کعبہ کے اوپر نماز کی ممانعت کی وجہ بے ادبی کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟ اور یہ مسئلہ اور حکم

خلاف القیاس نہیں کہ اس کو اپنے محل تک محدود رکھیں بلکہ یہ عرف پر مبنی ہے تو عرف میں جیسے بیت اللہ پر نماز بے ادبی ہے اس طرح قبلہ کی طرف پیر پھیلانا بھی بے ادبی ہے، اگر کسی کے سامنے معزز آدمی بیٹھا ہوا اور اس کی طرف پاؤں پھیلا دے تو اس کو سب حاضرین بے ادبی سمجھتے ہیں۔

قال فی الفتاوی الهندیة: ویکره مد الرجلین إلی الکعبة فی النوم وغیره عمداً ...الخ.

(الفتاوی الهندیة: ۵/۳۱۹). (وکذا فی المحیط البرهانی: ۶/۵۱،الفصل الخامس من کتاب الاستحسان ، وفتاوی الشامی: ۱/۳۴۱، سعید، والبنایة فی شرح الهدایة: ۲/۵۵۹،مکتبة رشیدیة،والفتاوی التاتارخانیة، وبریقة محمودیة).

قال فی الدرالمختار: کره مد رجلیه فی نوم أوغیره إلیها أی عمداً لأنه إساء ة أدب قاله منلا ناکیر...وقال في رد المحتار: قوله مد رجلیه ، أو رجل واحدة ومثل البالغ الصبي فی الحکم المذکور، قوله عمداً أی من غیر عذر أما بالعذر أو السهو فلا ، قوله لأنه إساء ة أدب أفاد أن الکراهة تنزیهیة ، لکن قدمنا عن الرحمتی فی باب الاستنجاء أنه سیأتی أنه بمد الرجل إلیها ترد شهادته ، قال: وهذا یقتضی التحریم فلیحرر. (فتاوی الشامی: ۱/۶۵۵،مطلب فی احکام المسجد،سعید).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

بجانبِ قبلہ پیر پھلا کر سونا مکروہ تحریمی ،قریب حرام ہے، جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے وہ فاسق اور مردودالشہادۃ ہے یعنی شرعاً اس کی گواہی مردود اور نامقبول ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۵/۷۷)۔واللہ ﷻ اعلم۔

نشست میں قبلہ کی طرف پشت کرنے کا حکم:

سوال: اپنی نشست میں قبلہ کی جانب پشت کر کے بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: عام حالات میں اپنی نشست میں قبلہ رو ہو کر بیٹھنا مستحب ہے، احادیث میں اس کو اکرم، سید اور اشرف المجالس کہا گیا ہے، البتہ قبلہ کی جانب پشت کر کے بیٹھے تو یہ بھی جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔

رو بہ قبلہ نشست کی فضیلت میں احادیث ملاحظہ کیجئے:

عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ **قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم إن لکل شيء سیداً وإن**

سيد المجالس قبالة القبلة . رواه الطبراني في الأوسط، وإسناده حسن. وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أكرم المجالس ما استقبل به القبلة . رواه الطبراني في الأوسط وفيه حمزة بن أبي حمزة وهو متروك. وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: إن لكل شيء شرفاً وإن أشرف المجالس ما استقبل به القبلة . رواه الطبراني وفيه هشام بن زياد أبو المقدام وهو متروك . (مجمع الزوائد: ۵۹/۸،باب المجلوس مستقبل القبلة ،دارالفکر).

حضرت تھانویؒ امدادالفتاویٰ میں مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ان روایات سے مستقبل قبلہ بیٹھنے کا ندب ثابت ہوتا ہے، بلکہ اگر بعض طرق کے اعتبار سے ضعف بھی مان لیا جاوے تب بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی کافی ہوگی۔ (امدادالفتاویٰ:۴/ ۵۸)۔

فی زماننا عام طور پر یہ دستور ہے کہ مدرس صاحب قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھتے ہیں اور تلامذہ اردگرد رو بہ قبلہ ہوکر بیٹھتے ہیں تو یہ بھی درست ہے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام بیت المعمور کی طرف پشت کیے ہوئے تھے اور بچے ان کے اردگرد تھے، نیز فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی مجلس قضا میں محراب کی طرف پشت کر کے بیٹھے اور لوگ اس کے سامنے رو بہ قبلہ ہوں۔

أخرج الإمام مسلم في حديث طويل في باب الإسراء ،فقال: حدثنا شيبان بن فروخ حدثنا حماد بن سلمة حدثنا ثابت البناني عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: أتيت بالبراق وهو دابة أبيض طويل فوق الحمار ودون البغل يضع حافره عند منتهى طرفه قال فركبته ...ثم عرج بي إلى السماء السابعة فاستفتح جبريل فقيل من هذا قال جبريل قيل: ومن معك قال محمد صلى الله عليه وسلم قيل: وقد بعث إليه قال: قد بعث إليه ففتح لنا فإذا أناْ بإبراهيم عليه السلام مسنداً ظهره إلى البيت المعمور. (مسلم شریف: ۱/ ۹۱/ ۱۶۲).

حدیثِ مذکور کی شرح میں علامہ شبیراحمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

قوله ” مسنداً ظهره “...ويستفاد منه جواز الاستناد إلى القبلة بالظهروغيره. (فتح الملهم: ۲/ ۳۵۳).

قال فی البحر الرائق : ویسند(القاضی) ظهره إلی المحراب والناس بین یدیه یقفون مستقبلی القبلة . (البحرالرائق: ۳۰۳/۶،ط:بیروت). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مقدس کلمات شہر کے نام کے نیچے لکھنے کا حکم:

سوال: ہر علاقہ وشہر میں داخل ہونے سے پہلے اس شہر کے نام کا ایک تختہ نصب کیا ہوا ہوتا ہے اس پر جلی حروف میں اس شہر کا نام لکھا ہوا ہوتا ہے، اس کے نیچے کی جگہ استعمال کرنے کی حکومت کی طرف سے اجازت ہے تو مسلمانوں نے اس کے نیچے مقدس کلمات مثلاً: ''**سبحان اللّٰہ وبحمده ، سبحان اللّٰہ العظم، اللّٰہ أکبر**'' وغیرہ کلمات لکھنا شروع کیا، اس پر بعض لوگوں نے اشکال کیا کہ اس میں متبرک کلمات کی توہین ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح لکھنے میں توہین ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی حکم شرعی سے مطلع فرما کر اجرِ عظیم کے مستحق ہوں۔

الجواب: بصورتِ مسئولہ علاقائی نام اوپر لکھنا اور مقدس کلمات نیچے لکھنا ہمارے نزدیک جائز ہے اور یہ توہین کے زمرہ میں نہیں آتا، کیونکہ تختہ پر شہر کا نام مقصود ہے اس لیے اوپر لکھا گیا اور دیگر چیزوں کو نیچے لکھا گیا، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو خطوط آتے تھے اس میں کاتب اور مرسِل کا نام پہلے مکتوب ہوتا تھا اور مکتوب الیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بعد میں ہوتا تھا، تاکہ شروع سے پتہ چل جائے کہ خط کس نے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ للامام البیہقی میں ہے:

عن عن زاذان عن سلمان رضی اللہ عنہ **قال: لم یکن أحد أعظم حرمة من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا کتبوا إلیه یکتبون من فلان إلی محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم.** (السنن الکبری: ۲۰۹۲۸/۱۳۰/۱۰).

وأخرجه الطبرانی فی الکبیر (۶۱۰۸/۲۴۱/۶).

قال الهیثمی: وفیه: قیس بن الربیع وثقه الثوری وشعبة وضعفه غیرهما وبقیة رجاله ثقات. (مجمع الزوائد: ۱۳۱۷۱/۱۸۴/۸، باب کتابة الکتب وختمها).

نیز جو چیز شناخت کے لیے ہوتی ہے وہ اوپر جلی حروف میں لکھی جاتی ہے تاکہ دور سے آنے والا مسافر پہچان لے اور تکلیف وپریشانی کا شکار نہ ہو۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

برکت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنے کا حکم:

سوال: کیا برکت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً یہ کہے کہ فلاں کی برکت سے یہ کام ہوگیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جب عقیدہ صحیح سالم ہو تو محض نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے؛ **أخرج الإمام البخاري ومسلم عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها أنها قالت: خرجنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في بعض أسفاره ، حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش انقطع عقد لي ، فأقام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم على التماسه ، وأقام الناس معه، وليسوا على ماء ، وليس معهم ماء ...فقال أسيد بن حضير وهو أحد النقباء : ما هي بأول بركتكم يا آل أبي بكر ، فقالت عائشة رضى اللّٰه تعالیٰ عنها فبعثنا البعير الذي كنت عليه فوجدنا العقد تحته .** (صحيح مسلم : ١/ ٦٠،ومثله فى صحيح البخارى: ١/ ٤٨).

فتح الملهم میں ہے:

قوله: بأول بركتكم، أى بل هي مسبوقة بغيرها من البركات ، والمراد بآل أبي بكر نفسه وأهله اتباعه ، وفيه دليل على فضل عائشة رضـ وأبيها، وتكرار البركة منهما، وفي رواية عمرو بن الحارث : لقد بارك اللّٰه للناس فيكم ، وفي تفسير إسحاق البستي من طريق ابن أبي مليكة عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال لها:ما كان أعظم بركة قلادتكم . (فتح الملهم :٣/ ٢٣٨،باب التيمم). و كذا فى عمدة القارى: ٣/ ١٩٠،ط: دارالحديث ، ملتان،وفتح البارى : ١/ ٤٣٤).

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بقیع الغرقد کو جنت البقیع کہنے کا حکم:

سوال: مدینہ منورہ کے قبرستان کو لوگ جنت البقیع کہتے ہیں، کیا کسی حدیث میں وارد ہے یا نہیں؟ اگر وارد نہیں ہے تو جنت البقیع کہنے کا کیا حکم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کتبِ حدیث کی ورق گردانی اور تتبع کثیر کے باوجود کسی حدیث کی کتاب میں جنت البقیع کا لفظ دستیاب نہیں ہوا، بلکہ روایات میں اس کے لیے بقیع الغرقد کا لفظ آیا ہے، ممکن ہے کہ لوگ اس قبرستان کے

فضائل کو سامنے رکھتے ہوئے احتراماً کہتے ہوں۔فضائل کے اعتبار سے جنت البقیع کہنے میں چنداں حرج نہیں۔
مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع الغرقد کے چند فضائل ملاحظہ فرمائیں:

أخرج الإمام البيهقي في سننه الكبرى، عن عائشةؓ أنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: السلام عليكم دارقوم مومنين وأتاكم ما توعدون غداً موجلون وإنا إن شاء اللّٰه بكم لاحقون اللّٰهم اغفر لأهل بقيع الغرقد. (السنن الكبرى: ۲/۲۷۸، زيارة القبورالتى فى البقيع). وكذا فى سنن النسائى: ۱/۲۸۷، قديمى).

وأخرج الإمام الترمذي عن ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أنا أول من تنشق عنه الأرض ثم أبوبكر ثم عمر ثم آتي إلى أهل البقيع فيحشرون معي ثم انتظر أهل مكة حتى أحشر بين الحرمين. (رواه الترمذى: ۲/۲۱۰، ط: ديوبند).

أخرج الإمام الطبراني فى الكبير (۱۸/۳۵۵/۲۰۹۵۲) **عن أم قيس بنت محصن وهي أخت عكاشة أنها خرجت مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى البقيع فقال: يحشر من هذه المقبرة سبعون ألفاً يدخلون الجنة بغير حساب كان وجوههم القمر ليلة البدر.**

وأيضاً أخرجه الحاكم فى المستدرك (٤/٦٨/٦٩٣٤).

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ لفظ بقیع مدینہ منورہ میں قبرستان کے علاوہ دیگر مقامات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کتبِ حدیث اس پر شاہد ہیں۔مثلاً: بقیع الخیل، گھوڑ دوڑ کی جگہ، بقیع المصلی، بقیع السوق وغیرہ۔

نیز مدینہ منورہ کے قبرستان کے لیے جنت البقیع کا لفظ محض عوام کا ایجاد کردہ نہیں ہے بلکہ اکابر کے کلام میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

قوله" لا تشدوا الرحال"اختار ابن تيميةؒ أن السفر لزيارة قبر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم المبارك غير جائز بل يريد السفر إلى المسجد النبوى ثم إذا بلغ المدينة يستحب له زيارة القبر المبارك، وقال باستحباب زيارة القبور الملحقة للمكان لثبوت زيارة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم جنة البقيع وغيرها. (العرف الشذى: ۱/۸۲، باب ماجاء فى اى المساجدافضل، ديوبند).

وقال في مقام آخر: ورفع اليدين عند الدعاء على القبر جائز كما في جزء رفع اليدين للبخاري وصحيح مسلم: أنه دخل جنة البقيع ودعا رافعاً يديه . (العرف الشذی: ۱/۲۰۲، فی شرح باب زيارة القبور للنساء).

وذكر الشيخ محمد فؤاد عبد الباقي في تعليقه على الصحيح لمسلم: قوله بقيع الغرقد، هومدفن المدينة وهو المعروف الآن بجنة البقيع . (مسلم شريف: ٤/٢٠٣٩/٢٦٤٧،باب كيفية الخلق الآدمی). **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

نقشہ نعل مبارک سے توسل کا حکم:

سوال: نقشہ نعل مبارک سے توسل کا کیا حکم ہے؟ احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اشیائے مقدسہ متروکہ سے تبرک حاصل کرنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ مستحب اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت کی علامت ہے، جس کا جذبہ ہر مسلمان کے سینہ میں وافر مقدار میں ہونا ضروری ہے لیکن تصویر اور نقشہ نعل مبارک کے سلسلہ میں کوئی حدیث سند کے ساتھ نظر سے نہیں گزری، نیز تصویر کا اصل کے ساتھ سو فیصد مطابق ہونا بھی غیر متیقن ہے، مزید براں اصل سے توسل تو معقول ہے مگر تصویر سے توسل غیر معقول ہے، بنابریں نقشہ نعل مبارک سے توسل درست نہیں۔

ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

سوال: آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یعنی پائے مبارک حضرت خاتم النبوۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے پتھر کا موم ہو کر قدم پاک کا نقشہ پتھر پر آجانا کہیں صحاحِ ستہ یا دوسری حدیث کی کتابوں یا دیگر معتبر یا غیر معتبر کتابوں سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: (از نائب مفتی دارالعلوم دیوبند) آج کل جو بعض لوگ ایک نشان لیے پھرتے ہیں اور اس کو نقش اور نشانِ قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتاتے ہیں، یہ قول ان کا صحیح نہیں ہے، یہ نشان مصنوعی اور بناوٹی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

جواب: (از حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہ) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

بہت زیادہ اور نہایت عظیم ہیں۔ ان کے سامنے پتھر کا مثل موم بن جانا اور نقش قدم اس پر پڑ جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہ تو ادنی بات ہے۔ مگر اس وقت تک میری نظر سے کسی حدیث یا سیر کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ معجزہ نہیں گزرا۔ واللہ اعلم، حسین احمد غفرلہ۔

جواب (حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ) اگرچہ پتھر پر نشان قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بطورِ معجزہ کے نقش ہو جانا مستبعد نہیں، مگر اس کے باور کرنے کے لیے کوئی سند اور روایت کی ضرورت ہے اور ایسی کوئی سند اور روایت نظر میں نہیں آئی۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ (کفایت المفتی: ۱/ ۱۱۷، ط: دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: کسی چیز کو بے ثبوت اور بے پختہ سند کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا حرام ہے، نیز اصلی آثار کے ساتھ بھی اس قدر غلو کا معاملہ کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ناجائز اور بدعت ہے، بے ثبوت ہونے کی بنا پر اگر کوئی شخص ان آثار کی تعظیم واحترام سے منع کرے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا الزام لگانا ظلم اور جہالت ہے۔ (کفایت المفتی: ۱/ ۳۵۹، دارالاشاعت)۔

حضرت حکیم الامتؒ نے اس مسئلہ سے متعلق ایک رسالہ بنام "نیل الشفاء بنعل المصطفی"، تحریر فرمایا تھا جو زاد السعید میں ص ۴۷ تا ص ۵۳ موجود ہے، اس میں حضرت نے نقشہ نعل مبارک سے استبراک وتوسل کی مسلمانوں کو تلقین وترغیب اور نقشہ کی تشہیر واشاعت کی تحریض بیان کی ہے، پھر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ نے اس کے خلاف رائے کا اظہار فرمایا اور دونوں حضرات کے مابین مکاتبت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حضرت حکیم الامتؒ نے عوام کے تجاوز عن الحدود اور غلو کو مدنظر رکھ کر استبراک وتوسل کی ترغیب وتشہیر واشاعت کی تلقین سے رجوع فرمالیا، جس کا خلاصہ کفایت المفتی، جلد دوم از ص ۹۱ تا ص ۹۹ پر مرقوم ہے، جس کو شوق ہو وہ نیل الشفاء، وزاد السعید اور کفایت المفتی اور بوادر النوادر وغیرہ کا مطالعہ فرمالے۔ تطویل سے دامن بچاتے ہوئے فقط ایک فتوے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو زہے سعادت اور فرط محبت سے اس کو بوسہ دینا سر پر اٹھانا بھی موجب سعادت ہے، مگر یہ تو اصل نعل نہیں اس کی تصویر ہے اور یہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا نہیں اور تصویر کے ساتھ اصل شئ کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک، پائے مبارک، موئے مبارک اور قمیص مبارک، جبہ مبارک کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور اگر ان میں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت سے قطع نظر کر لی جائے تو پھر آج ہی

بے شمار تصویریں بن جائیں گی اور ایک فتنہ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا جن بزرگوں نے اس تصویر کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا وہ ان کے والہانہ جذبات محبت کا نتیجہ تھا مگر دستور العمل قرار دینے کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ (کفایت المفتی: ۹۱/۲، دارالاشاعت)۔

لباب الفتاویٰ میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل نعل مبارک سے برکت حاصل کرنا مطلوب اور مستحب ہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل نعل مبارک کا حصول مشکل ہے اور آج کل نعل مبارک کا نقش اور تصویر طبع کروا کر اس کے ساتھ اصل نعل مبارک سے برکت اور محبت جیسا رویہ اپنایا جاتا ہے اور اصل نعل کی فضیلت کی طرح اس کے نقش کی بھی فضیلت سمجھی جاتی ہے، یہ جائز اور درست نہیں۔ (لباب الفتاویٰ: ۱۱۴/۱)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مصادر ومراجع
فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلدِ ہفتم

القرآن الکریم　　تنزیل من رب العٰلمین

الف

إکمال المعلم بفوائد مسلم　ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض　الریاض

اتحاف الخیرۃ المھرۃ　　علامہ بوصیری　　الریاض

اسلامی فقہ　　مولانا مجیب اللہ ندوی　　لاہور

آپ کے مسائل اوران کا حل　　مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہادت ۱۴۲۱　　مکتبہ لدہیانوی

الاختیار لتعلیل المختار　　عبد اللہ بن محمود الموصلی　　بیروت

الاستذکار　　ابن عبد البر

إعانۃ الطالبین　　ابوبکر عثمان بن محمد الدمیاطیؒ　　التوفیقیۃ

ابوداود　حافظ سلیمان بن اشعث ابو داود سجستانیؒو ۲۰۲ت۲۷۵　کتب خانہ مرکز علم کراچی

احسن الفتاوی　　حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب　　ایچ ایم سعید کمپنی

اوجز المسالک　　شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المہاجر المدنیؒ　　مکتبہ امدادیہ ملتان

الاصابۃ فی تمییز الصحابہ　　حافظ ابن حجرؒ

امداد الفتاوی　　حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی　　مکتبہ دارالعلوم کراچی

احیاء علوم الدین　　امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ت۵۰۵　　دار الفکر

ابن ماجه ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه القزوينیؒ و ۲۰۹ ت ۲۷۳ قديمی كتب خانه

امدادالاحکام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی و مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ مکتبۂ دارالعلوم کراچی

اعلاء السنن مولانا ظفر احمد عثمانی التهانویؒ ادارة القرآن كراچی

الأشباه و النظائر زين الدين بن ابراهيم ابن نجيم الحنفی ت ۹۷۰ ادارة القرآن كراچی

امدادالمفتین حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ و ۱۳۱۴ ت ۱۳۹۶ دارالاشاعت

انجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجه الشيخ عبد الغنی المجددی الدهلوی ۱۲۹۵ قديمی كتب خانه

احکام القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ

ایضاح المسائل مفتی شبیر صاحب مرادآبادی

ایضاح النوادر مفتی شبیر صاحب مرادآبادی مکتبہ علمیہ سہارنپور

احكام القرآن ابوبكر جصاص الرازی سهيل

احکام القرآن علامہ ظفر احمد عثمانی ادارة القرآن

اصول الشاسی نظام الدين الشاشی بيروت

الأموال ابن زنجويه

اشرف الاحکام حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ادارہ اسلامیات

انسائیکلوپیڈیا برطانیکا

احكام القرآن الشيخ ابن العربی

الاشباه والنظائر الامام السيوطی بيروت

انکاٹا انسائیکلوپیڈیا

احکام اسلام عقل کی نظر میں حضرت تھانویؒ مکتبہ عمر فاروق

الاستيعاب ابن عبدالبر دارالجيل

اسنی المطالب شيخ زكريا الانصاری دارالكتب العلمية بيروت

الايضاح فی شرح الاصلاح ابن كمال باشا بيروت

الاوسط لابن المنذر

الآداب الشرعية ابن مفلح موقع الاسلام

أخلاق النبى صلى الله عليه وسلم ابو الشيخ الاصبهانى موقع جامع الحديث

الاحاديث المختارة الضياء المقدسى ملتقى اهل الحديث

الآداب للامام البيهقى موقع جامع الحديث

الانوار فى شمائل النبى المختار الامام البغوى بيروت

الاقناع فى حل الفاظ ابى الشجاع محمد الشربينى الخطيب

الاقناع فى فقه الامام احمد بن حنبل شرف الدين موسى بن احمد الحجاوى دارالمعرفة بيروت

اسوۂ رسول اکرم ڈاکٹرعبدالحی صاحب دارالاشاعت

اسد الغابة ابن الاثير

الاذكار الامام النووىؒ بيروت

الاعتصام الامام ابو اسحاق الشاطبى

امداد الفتاح العلامة الشرنبلالى

الانصاف فى معرفة الراجح من الخلاف علاء الدين ابوالحسن على بن سليمان الحنبلىؒ داراحياء التراث العربى

ارشاد السارى العلامه القسطلانىؒ

أصول السرخسى الامام السرخسىؒ

اشعة اللمعات الشيخ عبدالحق الدهلوى كتب خانه مجيديه ، و المكتبة الرشيدية

الآحاد والمثانى ابن ابى عاصم

اخبار مكة الامام الفاكهى

ادلة الحجاب الدكتورمحمد احمد اسماعيل المقدم دارالايمان

احكام الاحكام لتقى الدين ابن دقيق العيد دارالفكر

الاسرار المرفوعة للملا على القارى المكتب الاسلامى

آداب الزفاف الشيخ ناصرالدين الالبانى

الابواب والتراجم لشيخ الحديث مولانا محمد زكريا الكاندهلوىؒ

آکسفورڈ ڈکشنری

اتحاف السادة المتقین فی شرح احیاء علوم الدین السید محمد بن محمد الحسینی الزبیدی دارالفکر

اضواء البیان محمد الامین الشنقیطی

اکمال اکمال المعلم الامام محمد بن خلیفة الابی دارالکتب العلمیة بیروت

الامالی لابن بشران

اسلام صحت اور جدید سائنسی تحقیقات ادارہ اشاعت اسلام

آلات جدیدہ کے شرعی احکام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

آداب المعاشرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

الاخوان لابن ابی الدنیا

اوضح المسالک ابن هشام

الاختیارین الامام الاخفش

ارشاد الاخوان الی مناقب النعمان ترجمه وترتیب الشیخ محمدعبد الله القاسمی

الاشتقاق ابوبکر محمد بن الحسن القاهرة

امتاع الاسماع بماللنبی صلی الله علیه وسلم من الاحوال والاموال والحفدة والمتاع لتقی الدین المقریزی بیروت

الاستغناء فی حکم بیان الرقص والغناء الشیخ محمد بن احمد الوزیر الوقشی

اسلام اور موسیقی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

ازالة الخفاء الشاه ولی الله

الامالی الشجریة یحیی بن الحسین الشجری

الاتقان فی علوم القرآن العلامة جلال الدین السیوطی داراحیاء العلوم

اذهاب الحزن وشفاء الصدر السقیم الشیخ عبد السلام دار الایمان القاهرة

الاستقامة العلامة الشیخ ابن تیمیة جامعة الامام ، المدینة المنورة

اجمل الحواشی حضرت مولانا جمیل احمد صاحب

ایضاح البخاری مولانا فخر الدین شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

اقامة الحجة على ان الاكثار فى التعبد ليس ببدعة العلامة عبد الحي اللكهنوى
اخبار بنی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
احكام الخواتيم الحافظ ابن رجب الحنبلى بيروت

باء

البناية شرح الهداية العلامة العينىؒ فيصل آباد و مكتبه رشيريه
البخارى ابو عبد الله محمد بن اسماعيل البخاريؒ و۱۹۴ ت۲۵۶ فيصل پبليكيشنز،ديوبند
البحر المحيط ابو حيان الاندلسى دار الفكر
بذل المجهود المحدث خليل احمد سهارنپوريؒ ت۱۳۴۶ ندوة العلماء لكهنؤ
بہشتی زیور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دارالاشاعت
بيان القرآن حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
بداية المجتهد ابو الوليد محمد بن احمد القرطبى دار نشر الكتب
البحر الرائق للشيخ زين الدين ابن نجيم المصرى المكتبة الماجدية
بلوغ المرام للحافظ ابن حجر العسقلانىؒ بيروت
بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع علاء الدين أبوبكر بن مسعود الكاسانى ت۵۸۷ سعيد كمپنى
بريقة محمودية فى شرح طريقة محمدية عبد الغنى بن اسماعيل النابلسى
بوادر النوادر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ادارہ اسلامیات
بحوث فى قضايا فقهية معاصرة للمفتى محمد تقى العثمانى
باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
البحر المحيط للامام الزركشى
البيان والتحصيل ابن رشد القرطبى المالكى دار الغرب الاسلامى، بيروت
البداية والنهاية ابن كثيرؒ
البدر المنير الشيخ ابن الملقن الرياض
البهجة الوردية الشيخ زين الدين بن ابى الفوارس الوردى

البلاغة العربية الشيخ عبدالرحمن الميدانى

بزمِ صوفیہ مصباح الدین عبدالرحمٰن

البلاغ (ماہنامہ دارالعلوم کراچی)

البرهان فى علوم القرآن الشيخ بدرالدين الزركشى دارالمعرفة

البيان فى حكم التغنى بالقرآن الدكتور بشار عواد

براہین قاطعہ شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد سہارنپوری

الباحث الحثيث الشيخ احمد محمد شاكر مكتبة المعارف الرياض

تاء

تفسير القرطبى محمد بن احمد الانصارى القرطبیؒ دار الكتب العلمية

تهذيب التهذيب ابو الفضل احمد بن على بن حجر العسقلانیؒ ت۸۵۲ دار الكتب العلمية بيروت

تحفة الأحوذى ابو العلى محمد بن عبد الرحمن مباركپوریؒ و۱۲۸۳ ت۱۳۵۳ دار الفكر

الترمذى ابو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمزیؒ و۲۰۹ ت۲۷۹ فيصل پبليكيشنز،ديوبند

التعليقات على الترمذى و ابى داؤد و ابن ماجه و صحيح ابن خزيمه ناصر الدين الألبانى المكتب الاسلامى

التعليق الممجد للعلامه عبد الحى اللكهنوى بتحقيق الدكتور تقى الدين الندوى دمشق

تهذيب الكمال للحافظ جمال الدين ابى الحجاج يوسف المزّى و۶۵۴ ت۷۴۲ مؤسسة الرسالة

تقريب التهذيب للحافظ احمد بن على بن حجر العسقلانى و۷۷۳ت۸۵۲ دار نشر الكتب الاسلامية

تحرير تقريب التهذيب الدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الأرنؤوط موسسة الرسالة بيروت

التصحيح والترجيح العلامة قاسم بن قطلوبغا بيروت

تنوير الابصار للعلامة شمس الدين محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ ۹۳۹ت۱۰۰۴ سعيد كمپنى

التفسير المظهرى قاضى محمد ثناء الله پانى پتیؒ ت۱۲۲۵ بلو چستان بک ڈپو

التمهيد ابو عمر يوسف بن عبد الله بن عبد البر النمرى و۳۶۸ت۴۶۳ مكتبة المؤيد

تفسیرِ عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مدینہ منورہ

تفسير السمرقندى الفقيه ابو الليث السمرقندى

الترغیب و الترهیب للحافظ ذکی الدین عبد العلیم بن عبد القوی المنذری ت ٦٥٦ دار احیاء التراث
تکملة فتح الملهم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مکتبة دار العلوم کراتشی
تعلیق الشیخ محمد عوامة علی نصب الرایة للشیخ محمد عوامة المکتبة المکیة
تعلیق الدکتور بشار عواد علی سنن ابن ماجه الدکتور بشار عواد معروف دار الجیل بیروت
تنقیح الفتاوی الحامدیة للسید محمد امین ابن عابدین الشامی دار الاشاعة العربیة
تالیفات رشیدیہ حضرت مولانا رشید أحمد گنگوہیؒ ت ۱۳۲۳ ادارہ اسلامیات لاہور
تذکرة الموضوعات أبو الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی ت ۵۰۷ میر محمد کتب خانه کراچی
تذکرة الموضوعات الشیخ محمد بن طاهر بن علی الفتنی الهندی
تبیین الحقائق العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی مکتبه امدادیه ملتان
تعلیقات الشیخ محمد عوامه علی المُصَنَّف الشیخ محمد عوامه حفظه الله و رعاه المجلس العلمی
تقریرات الرافعی (التحریر المختار) العلامة عبد القادر الرافعی سعید کمپنی
تفسیر ابن کثیر الحافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی ت ۷۷۴ دارالسلام
التحریر فی اصول الفقه العلامة المحقق الشیخ ابن الهمام دار الکتب العلمیة بیروت
تحفة الفقهاء علاء الدین السمرقندی
التقریر و التحبیر الشیخ ابن امیر الحاج الحلبی بیروت
التعلیقات علی المستدرک صالح اللحام
التعلیقات علی مسند احمد الشیخ شعیب الارنؤوط القاهرة
التعلیقات علی سنن ابن ماجه الشیخ محمد فؤاد عبد الباقی
التلخیص الحبیر الحافظ ابن حجر عسقلانی
تلخیص المستدرک الامام الحافظ شمس الدین الذهبی
تقریر ترمذی مولانا محمد تقی عثمانی
التعریفات للسید شریف الجرجانی
تکملة رد المحتار الشیخ محمد علاء الدینؒ سعید

تعلیقاتِ فتاویٰ محمودیہ زیرنگرانی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ
التعليقات على بلوغ المرام صفی الرحمن المباركفورى بيروت
تفسير الماوردى (النكت والعيون) ابوالحسن على بن محمد الماوردى البصرى بيروت
التعريفات الفقهية السيد المفتى عميم الاحسان المجددى دارالكتب العلمية بيروت
تكملة عمدة الرعاية حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنویؒ
تكملة البحرالرائق العلامة محمد بن حسين بن على الطورىؒ
تعليقات شرح تحفة الملوك الشيخ سائد بكداش دارالبشائر الاسلامية
تحفة الملوك الامام زين الدين بن ابى بكرالرازى دارالبشائرالاسلامية
تعليقات اللباب فى شرح الكتاب الشيخ سائد بكداش دارالبشائر الاسلامية
تعليقات مراسيل ابى داود الشيخ شعيب الارنؤوط
تحفة المودود باحكام المولود العلامة ابن القيم دمشق
تنزيه الشريعة الشيخ ابن العراق بيروت
التعليقات على آداب البيهقى موقع جامع الحديث
تهذيب الآثار ابو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبرى القاهرة
التاج والاكليل محمد بن يوسف العبدرى دارالفكر
تاج العروس السيد مرتضى الزبيدى دارالهداية
تحفة المحتاج الى ادلة المنهاج للحافظ سراج الدين عمر بن الملقن الشافعى م ۸۰۴ھ دارحراء بمكة
التعليقات على الطبقات الكبرى محمد بن صامل السلمى
التقرير لاصول فخر الاسلام البزدوى الامام اكمل الدين البابرتى وزارة الاوقاف
تحفة الاخيار باخبار سنة الابرار العلامة عبد الحي اللكهنوى
تاريخ الرسل والامم الامام الطبرى
التعليقات على المقالة العذبة ابو اسامة الجزائرى
التعليقات على مسند الامام ابى حنيفة الشيخ لطيف الرحمن القاسمى

تاریخ الاسلام الحافظ الامام الذھبی
تربیت الطالبین فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جامعہ محمودیہ یوپی
التعلیقات علی صحیح ابن حبان الشیخ شعیب الارنؤوط
التذییل علی کتاب تھذیب التھذیب محمد بن طلعت اضواء السلف
التحقیق فی احادیث الخلاف ابن الجوزیؒ
التاریخ الکبیر الامام البخاریؒ
تاریخ بغداد الحافظ الخطیب البغدادیؒ
تاریخ مدینة دمشق الحافظ ابن عساکرؒ
توجیه النظر الی اصول الاثر الشیخ طاھر الجزائری الدمشقی مکتبة المطبوعات الاسلامیة حلب
تحریم حلق اللحی عبدالرحمن بن محمد بن قاسم الحنبلی
التاریخ لابن الوردی
التاریخ لابن خلدون
التعلیقات علی سنن ابی داود الشیخ شعیب الارنووط
تحفة الاخیار ابو جعفر الطحاوی
التعلیق الصبیح الشیخ مولانا ادریس الکاندھلوی المکتبة العثمانیة
تدریب الراوی العلامة جلال الدین السیوطی
تبیین الامتنان بالامر بالاختنان ابن عساکر
التعلیقات علی فتاوی اللکھنوی صالح محمد ابو الحاج دارابن حزم
تسہیل المواعظ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
تفسیر المنار محمد رشید بن علی رضا الھیئة المصریة
تفسیر آیات الاحکام الشیخ محمد علی الصابونی
تفسیر البیضاوی القاضی البیضاوی
التیسیر بشرح الجامع الصغیر العلامة عبد الرؤوف المناوی

تفسیر السراج المنیر محمد بن احمد الشربینی دارالکتب العلمیة

تفسیر ابی السعود القاضی ابوالسعود العمادی الحنفی دارالکتب العلمیة

تهذیب لسان العرب ابو الفضل جمال الدین ابن منظور المکتب الثقافی بیروت

تفسیرعزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سعید

التعلیقات علی روح المعانی الشیخ ماهر جیوش مؤسسة الرسالة

تفسیر الخازن علاء الدین علی بن محمد البغدادی الخازن دارالفکر

التفسیر الکبیر فخر الدین الرازی

تحریم النرد والشطرنج للآجری

تفسیر ابن ابی حاتم ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی المکتبة العصریة

تفسیر العز بن عبد السلام الامام عز الدین عبد العزیز بن عبد السلام الشافعی دار ابن حزم بیروت

تفسیر مقاتل بن سلیمان ابو الحسن مقاتل بن سلیمان البلخی دار الکتب العلمیة بیروت

التفسیر المنیر الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی دارالفکر

تفسیر الشیخ المراغی الشیخ احمد مصطفی المراغی مطبعة مصطفی البابی الحلبی

تفسیر الطبری ابوجعفر محمد بن جریر الطبری موسسة الرسالة

التصویر بالکامیرا والفیدیو (مقالة) الشیخ المفتی رفیع العثمانی موسسة الاسلامیة (تورنتو)

تصویر کے شرعی احکام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

التحریر والتنویر ابن عاشور تونس

تحریم کتابة القرآن الکریم بحروف غیر عربیة الشیخ صالح علی العود

التبیان فی آداب حملة القرآن الامام النووی دارابن حزم

تحفة العلماء حکیم الامت مولانا تھانوی

التغنی بالقرآن الشیخ لبیب سعید

التغنی بالقرآن الشیخ محمد ابو زهرة

التفسیر الواضح الشیخ محمد محمود حجازی

تفسیر ماجدی مولانا عبد الماجد

تنقیح تحقیق احادیث التعلیق الشیخ ابن عبد الهادی

التعلیقات علی القول البدیع الشیخ محمد عوامة

تاریخ مکة الازرقی

تاریخ مکة ابن الضیاء الحنفی

تاریخ مکہ (اردو) حمد عبدالمعبود

التاریخ القویم لمکة وبیت الله الکریم محمد طاهر الکردی المکی دارخضر بیروت

ثاء

الثمر الدانی ابن ابی زید القیروانی دارالفکر

الثقات لابن حبان

جیم

جواہرالفقہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب و۱۳۱۴، ت۱۳۹۶، مکتبہ دارالعلوم کراچی

الجامع الصغیر جلال الدین بن أبی بکر السیوطی و ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الکتب العلمیة بیروت

الجوهر النقی علی هامش السنن الکبری علاء الدین بن علی بن عثمان ابن الترکمانی ت۷۴۵ دار المعرفة

جامع الأحادیث جلال الدین عبد الرحمن السیوطی ت ۹۱۱ دار الفکر

جامع المسانید محمدبن محمودالخوارزمی مکة المکرمة

الجوهرة النیرة أبو بکر بن علی بن محمد الحدادی ت ۸۰۰ مکتبة امدادیة

جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

جدید فقہی مباحث قاضی مجاھد الاسلام قاسمیؒ

جواہرالفتاوی مفتی عبدالسلام چاٹگامی، اسلامی کتب خانہ کراچی،

جامع الرموز شمس الدین محمد الخراسانی القهستانی المطبعة الکریمة

جامع احکام الصغار علی هامش الفصولین العلامه الاستروشنی اسلامی کتب خانه

جامع الاصول فی احادیث الرسول مجد الدین ابوالسعادات ابن الاثیر ۶۰۶م دارالبیان

جامع الفصولين الشيخ بدرالدين محمود بن اسرائيل ابن قاضى سماونه ۸۲۳ م
جامع العلوم والحكم ابن رجب حنبلى ۷۹۵ م
جمهرة القواعد الفقهية على احمد الندوى
جدید معاملات کے شرعی احکام (فقہ المعاملات) مفتی احسان اللہ شائق دارالاشاعت
جمع الوسائل فى شرح الشمائل ملا على القارىؒ اداره تاليفات
الجامع الصغير الامام محمد بن الحسن الشيبانىؒ
جدید فقہی تحقیقات اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
جزء سفيان بن عيينةؒ
الجليس الصالح الكافى والانيس الناصح الشافى القاضى ابوالفرج المعافى بن زكرياالصوفى دارالكتب العلمية
جمل الاحكام الامام الناطفى الرياض
الجامع لاخلاق الراوى وآداب السامع الشيخ الخطيب البغدادى
الجرء اللطيف فى الاستدلال بالحديث الضعيف الشيخ المفتى رضاء الحق زمزم پبلشرز
جامع الامهات ابن حاجب المالكى
الجامع فى الجرح والتعديل جمع وترتيب السيد ابوالمعاطى القدرى واخوانه عالم الكتب
جمهرة اللغة ابن دريد موقع الوراق
الجامع لما فى المصنفات الجوامع من اسماء الصحابة الاعلام اولى الفضل والاحكام الحافظ ابو موسى
جامع الفتاویٰ مفتی مصلح الدین برودوی
الجلالين جلال الدين محمد احمد المحلى و جلال الدين السيوطى
الجواب الشافى فى اباحة التصوير الفوتوغرافى العلامة محمد بخيت المطيعى مفتى مصر المطبعة الخيرية
جزء حنبل بن اسحاق
جمع القرآن فى مراحله التاريخية محمد شرعى ابوزيد
جامع الوقف القارى ابن ضياء محب الدين احمد لاهور
جواهر القرآن الطنطاوى

حاء

حاشیۂ مؤطاامام مالک مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی آرام باغ کراچی

حجة الله البالغة الشيخ الشاه ولى الله الدهلویؒ

حاشية الدسوقى شمس الدين محمد عرفه الدسوقى دار الفكر

حاشية تبيين الحقائق شيخ شهاب الدين شلبى امداديه

حلية الأولياء الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهانى ت ۴۳۰ دار الفكر

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح العلامه السيد أحمد الطحطاوى مير محمد كتب خانه كراچى

حاشية مشكوٰة المصابيح المولانا احمد على السهارنفوریؒ قديمى كتب خانه

حاشية الشرنبلالى على درر الحكام العلامه الشرنبلالى الحنفى و۹۹۴،ت۱۰۶۹،

حاشية الهداية العلامه عبدالحى اللكهنوى و۱۲۶۴،ت۱۳۰۴،

حاشية صحيح البخارى الشيخ المحدث احمد على السهارنفورى

حاشية السندى على سنن ابن ماجه محمد بن عبد الهادى السندى

حاشية الترمذى الشيخ المحدث احمد على السهارنفورى

حلال وحرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حاشية الطحطاوى على الدر المختار العلامة السيد أحمد الطحطاوى و ۱۲۳۱ مكتبة العربية كوئٹه

حاشية سنن الدارمى فواز احمد وخالد السبع العلمى قديمى كتب خانه

حاشية فتح القدير الشيخ سعد الله چلپى دارالفكر

حاشية سنن ابن ماجه الشيخ عبد الغنى المجددیؒ

حلال حرام کے احکام (عطر ہدایہ) حضرت مولانا فتح محمد صاحب

حاشية العدوى على شرح الكفاية دارالفكر

حاشية الدرر على الغرر ابوسعيد محمد بن مصطفىٰ الخادمى مطبعة عثمانية

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح السيد احمد الطحطاوى قديمى

حاشية التصحيح والترجيح الضياء يونس دارالكتب العلمية بيروت

الحاوی للفتاوی الامام السیوطی فاروقی کتب خانه

حاشیة کنز الدقائق مولانا حبیب الرحمٰن امدادیہ ملتان

حاشیہ نورالانوار محمد عبدالحلیم لکھنوی ایچ ایم سعید

حسن العزیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حاشیة السراجی الادیب محمد نظام الدین الکیرانوی قدیمی کتب خانه

حاشیة الجمل للشیخ زکریا الانصاری دارالفکر

الحاوی القدسی فی فروع الفقه الحنفی القاضی الغزنوی دارالنوادر

حواشی الشروانی عبد الحمید المکی الشروانی

حاشیة فیض الباری مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

حاشیة جمع الوسائل الشیخ عبدالرؤوف المناوی ادارة تالیفات اشرفیه

حاشیة الرملی ابوالحسن علی بن الحسین بن علی الرملی

حاشیة سنن النسائی المجتبی للشیخ محمد التهانویؒ قدیمی

حاشیة البحرالرائق العلامة ابن عابدین الشامیؒ کوئٹه ،

حاشیتان القلیوبی والعمیرة

حیاة الصحابة مولانا محمد یوسف الکاندهلوی

الحاوی الکبیر الامام الماوردی الشافعی دارالکتب العلمیة

حدیث اورفہم حدیث مولانا عبداللہ معروفی مکتبہ عثمانیہ

حاشیة تهذیب الکمال الدکتور بشار عواد

حاشیة الصاوی علی الشرح الصغیر

حاشیة اعانة الطالبین الشیخ الدمیاطی

حیاتِ مسلم مولانا سید محمد میاں صاحب

حاشیة بذل المجهود الدکتور تقی الدین الندوی دار البشائر الاسلامیة

حاشیة سبل السلام الشیخ بزاز احمد ، ابراهیم محمد الجمل دارالکتاب العربی

الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية الشيخ عبد الغنى النابلسى در سعادت

حكم الاسلام فى التصوير الشيخ محمد على الصابونى

حادى الارواح الى بلاد الافراح العلامة ابن القيم الجوزية دارالفكر

حقوق العلم حضرت تھانویؒ

خاء

خلاصة الفتاوى للشيخ طاهربن عبد الرشيد البخارى مكتبه رشيديه كوئٹه

خزانة المفتين للشيخ حسين بن محمد كراچى

خزانة الفقه للفقيه ابو الليث السمرقندىؒ

خلاصة البدرالمنير سراج الدين ابن الملقن الشافعىؒ ۸۰۴م

الخلاصة الفقهية محمد عربى القروى المالكى دارالكتب العلمية بيروت

خصائل نبوی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

خواتین کے فقہی مسائل جمع وترتیب مفتی محمد عثمان اراکانی

خواتین کی صحت ڈاکٹر ثمرین فرید دارالشعور، لاہور

الخيرات الحسان الشيخ شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمى المكى الشافعىؒ

الخصائص الكبرى العلامة جلال الدين السيوطى

الخلاصة فى احكام اهل الذمة على بن نايف الشحود

خیرالفتاویٰ مولانا مفتی خیر محمد جالندھریؒ

خوش آوازی کی آڑ میں گلے بازی قاری ارشاد احمد قاسمی

دال

الدرّ المنثور عبد الرحمن جلال الدّين السيوطىؒ و ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الفكر

الدر المختار علامه علاء الدين محمد بن على حصكفىؒ و ۱۰۲۵ ت ۱۰۸۸ ايچ ايم سعيد كمپنى

درر الحكام فى شرح غرر الأحكام قاضى ملا خسرو معارف نظارت جليلة

الدراية فى تخريج احاديث الهداية الحافظ ابن حجر العسقلانىؒ

الدرالمنتقی علی هامش مجمع الانهر علاء الدین الحصکفی الدمشقی

درس ترمذی مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دارالعلوم کراچی

دین کی باتیں (خلاصہ بہشتی زیور) مولانا اشرف علی تھانوی

دررالحکام شرح مجلة الاحکام شیخ علی حیدر بیروت

الدراری المضیة علامه شوکانی بیروت

دلائل النبوة ابو نعیم الاصبهانی

دستورالعلماء القاضی عبد رب النبی الاحمد نگری دارالکتب العلمیة بیروت

دراسات فی اصول الحدیث علی منهج الحنفیة عبدالمجید الترکمانی مدرسة النعمان

الدیباج علی صحیح مسلم الامام السیوطی

دلیل الفالحین ابن علان الشافعی

دلائل النبوة الامام البیهقی

ڈال

ڈاڑھی اورانبیاء کی سنتیں مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری

ڈاڑھی کی شرعی حیثیت مولانا حفظ الرحمٰن اعظمی

ذال

الذخیرة شهاب الدین احمد بن ادریس القرافی بیروت

ذخیرة الحفاظ الامام محمد بن طاهر المقدسی

ذم الملاهی ابن ابی الدنیا

ذم الملاهی ابن عساکر

ذکر جہری واجتماعی حضرت مفتی رضاء الحق صاحب

راء

روح المعانی شهاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادیؒ ت ۱۲۷۰ التراث القاهرة

رد المحتار المعروف بفتاوی الشامی خاتمة المحققین محمد امین (ابن عابدین) ۱۲۵۲ ایچ ایم سعید کمپنی

رسائل ابن عابدين العلامة الشامیؒ سهيل اكيڈمی

رسم المفتی العلامة الشامیؒ

رمزالحقائق شرح كنزالدقائق العلامة بدرالدين العينیؒ بيروت

روضة الطالبين الامام النوویؒ المكتب الاسلامی

الروضة الندية الشيخ محمد صديق حسن خان دارالمعرفة

الروض الانف العلامة السهيلی

رابطہ عالم اسلامی کا مجلّہ مکۃ المکرّمہ

رسالة الحجاب فی الكتاب والسنة الشيخ عبد القادر بن حبيب الله السندی

راہِ سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

الرخصة فی تقبيل اليد الشيخ محمد ابراهيم المقری

زاء

زاد المعاد فی هدی خير العباد شمس الدين أبو عبد الله الزرعی و ۶۹۱ ت ۷۵۱ مؤسسه الرسالة

الزيادات للامام محمد بن الحسن الشيبانیؒ المجلس العلمی

الزهد هناد بن السری الكوفی دارالخلفاء للكتاب الاسلامی ، الكويت

زاد المسير للعلامة ابن الجوزیؒ

زهر الفردوس الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

زاد السعيد افادات حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اشرف العلوم

سين

سلسلة الاحاديث الضعيفة الشيخ محمد ناصر الدين الالبانیؒ المكتب الاسلامی

السنن الكبرى ابو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائی

سير اعلام النبلاء شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی و۶۷۴۸ت ۷۴۸ ۱۳۷۴

سنن الدارمی عبدالله بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی و ۱۸۱ ت ۲۵۵ قديمی كتب خانه

سنن الدارقطنی الحافظ علی بن أبی بكر الدارقطنی و ۳۰۶ت ۳۸۵ مكتبة المتبنی القاهرة

السنن الصغرى للبيهقى الامام البيهقى
سنن سعيد بن منصور سعيد بن منصور الخراسانى ت۲۲۷ الدار السلفية الهند
السنن الكبرى الحافظ ابو بكر احمد بن الحسين بن على البيهقى دار المعرفة
السعاية العلامه اللكهنوى سهيل اكيڈمى
سبل السلام محمد بن اسماعيل الصنعانى
السراج الوهاج العلامه محمد زهرى الغمراوى المكتبة التجارية
السراجى الشيخ سراج الدين السجاوندى قديمى كتب خانه
سنت نبوی اور جدید سائنس حکیم محمد طارق چغتائی ادارہ اسلامیات
سبل الهدى والرشاد محمد بن يوسف الشامى بيروت
سلسلة الآداب الاسلامية محمد بن صالح
السلوک لمعرفة دول الملوک الامام المقريزى
سنن النسائى المجتبى الامام احمد بن شعيب النسائىؒ
سوالات ابى عبد الرحمن السلمى للامام الدارقطنى
السيرة النبوية ابن هشام دارالجيل
السيرة الحلبية على بن برهان الدين الحلبى
سيرة النعمان مولانا شبلى نعمانى دارالاشاعت
سيرة النبى مولانا شبلى نعمانى
سيرت مصطفى مولانا ادريس كاندهلوى
السماع والرقص العلامة ابن تيمية
السماع والرقص محمد بن محمد الحنبلى
السير الكبير الامام محمد بن الحسن الشيبانىؒ
سراج القارى حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
سیرتِ انبیاء مولانا محمد عبدالرحمٰن صاحب

شین

شآبیب الغمامة فی تحقیق مسئلة العمامة الشیخ ابو عبد الله عبد البصیر الخراسانی
شرح صحیح البخاری الشیخ ابن بطال
شرح السنة الامام البغوی
شرح النقایة الحافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت۱۰۱۴ سعید کمپنی
شرح المجلة الشیخ محمد خالد الاتالسی رشیدیه
شرح المجلة الشیخ سلیم رستم باز اللبنانی
شرح الوقایه عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعة مطبع مجیدی
شرح عقود رسم المفتی فقیه العصر ابن عابدین المعروف بالشامی مکتبه اسعدی
شعب الایمان الامام ابو بکر احمد بن الحسین البیهقی و۳۸۴ت۴۵۸ الدار السلفیة الهند
شرح معانی الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ ایچ ایم سعید کمپنی
شرح مشکل الآثار ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاویؒ بتعلیق شعیب الارناؤط
شر ح المسلم للنووی ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۲ دار احیاء التراث
الشرح الکبیر الشیخ ابن قدامه المقدسی بیروت
شرح ریاض الصالحین الشیخ محمدبن صالح العثیمین
شرح الهدایة الشیخ سعد الله سعدی چلپی دارالفکر
الشرح الکبیر علی هامش الدسوقی ابو البرکات سید احمد الدردیرالمالکی
شرح منظومة ابن وهبان العلامه ابن الشحنةؒ
شرح المنار لابن ملکؒ
شرح المهذب الامام النووی دار الفکر
شرح القواعد الفقهیة الشیخ احمد بن محمد الزرقا بیروت
شرح تحفة الملوک محمد بن عبداللطیف ابن ملک دارالبشائر
شمائل کبریٰ مفتی محمد ارشاد صاحب قاسمی زمزم

شرح الصدور الامام السيوطی

شرح منتهی الارادات الشيخ سليمان بن علی

شرح سنن ابی داود العلامة بدرالدين العينیؒ

الشمائل الامام الترمذی

الشمائل الشريفة الامام جلال الدين السيوطیؒ

شرح مذهب اهل السنة ابن شاهين

شرح شرح النخبة ملا علی القاریؒ

شرح سنن ابی داود عبد المحسن العباد

شرح سفر السعادة الشيخ عبد الحق محدث دهلوی

شرح سنن النسائی الامام جلال الدين السيوطی مكتب المطبوعات الاسلامية

شرح شرعة الاسلام يعقوب بن سيدی علی

الشرح الممتع علی زاد المستقنع الشيخ محمد بن صالح العثيمين دارابن الجوزی

شرح اختصار علوم الحديث الشيخ ابراهيم بن عبدالله

شرح الزرقانی محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالكی داراحياء التراث بيروت

شرح شافية ابن حاجب الشيخ رضی الدين محمد بن الحسن الاسترابازی النحوی بيروت

شرح الملا علی القاری علی الفقه الاكبر

شرح اسماء الله الحسنی فی ضوء الكتاب والسنة سعيد بن علی القحطانی

شرح الرضی علی الكافية

الشفاء بتعريف حقوق المصطفی القاضی عياض

الشذرة فی الاحاديث المشتهرة العلامة محمد بن طولون الصالحی دارالكتب العلمية

شرح حديث جبرئيل فی تعليم الدين عبد المحسن

شرح النقاية لمولانا الياس ايچ ايم سعيد

صاد

صحیح ابن حبان محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی موسسة الرسالة بیروت

صحیح ابن خزیمه ابوبکر محمدبن اسحاق ابن خزیمه

الصحاح الشیخ ابونصر اسماعیل بن حماد الجوهری

ضاد

الضعفاء للعقیلی دارالکتب العلمیة بیروت

ضوء المعالی ملا علی القاری

طاء

الطب النبوی العلامه ابن القیم الجوزیة دارالفکر

طبقات المحدثین ابو الشیخ الاصبهانی

الطبقات الکبری ابن سعد دار صادر

ظاء

ظفر الامانی العلامه عبد الحي اللکهنوی

عین

العرف الشذی علیٰ هامش سنن الترمذی العلامة المحدث الکبیر انور شاه الکشمیری فیصل دیوبند دهلی

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مولانا مجاہدالاسلام قاسمی

عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدرالحسن القاسمی حیدرآباد

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اوران کا حل مرتب مولانا موسیٰ کرماڈی

عون المعبود محمد شمس الحق العظیم آبادی دار الکتب العلمیة

العنایة شرح الهدایة أکمل الدّین محمد بن محمود البابرتیؒ ت ۷۸٦

عمدة القاری فی شرح صحیح البخاری بدر الدین محمد محمود بن احمد العینیؒ دار الحدیث ملتان

عزیز الفتاویٰ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ

عمدۃ الفقہ مولانا سید زوار حسین صاحب

عمل الیوم واللیلة العلامه ابن السنی

عمل اليوم والليلة الامام احمد بن شعيب النسائى

عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية العلامة عبدالحي اللكهنوىؒ

علل الحديث ابن ابى حاتم

عيون الاثر فى فنون المغازى والشمائل والسير ابو الفتح ابن سيد الناس الاندلسى

علمى مكاتيب جمع وترتيب مولانا مرغوب احمد لاجپورى

عمدة السلوك حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب

العلل المتناهية فى الاحاديث الواهية العلامه عبد الرحمن بن على بن الجوزى دارالكتب العلمية

علوم الحديث ابوعمرو بن الصلاح

غين

غمز عيون البصائر الشيخ احمد بن محمد الحموى ادارة القرآن

غنية ذوى الاحكام العلامه الشرنبلالى

الغررالبهية الشيخ زكريا الانصارى الشافعى دارالكتب العلمية

غذاء الالباب شرح منظومة الآداب محمد بن احمد السفارينى الحنبلى

غنية المتملى فى شرح منية المصلى الشيخ ابراهيم الحلبى سهيل اكيڈمى

غريب الحديث ابوعبيد القاسم بن سلام الهروى دارالكتاب العربى بيروت

غريب الحديث ابراهيم ابن اسحاق الحربى ام القرى

الغيلانيات ابوبكر الشافعى

غريب الحديث الامام الخطابى

غياث اللغات (فارسى) غياث الدين الرامپورى الهندى

غريب الحديث العلامة ابن الجوزى

غيث النفع فى القراء ات السبع ابوالحسن النورى

فاء

فتح القدير فى التفسير العلامه الشوكانى

فتاوی حقانیہ مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ

فتح الباری شرح صحیح البخاری ابن رجب الحنبلی دار ابن جوزی

الفتاوی السراجیة ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان آرام باغ کراچی وزمزم

فتاوی خلیلیہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

فتاوی عثمانی مفتی تقی عثمانی صاحب کراچی

فتاوی محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ جامعہ فاروقیہ کراچی

فتاوی دارالعلوم دیوبند (کبیر) حضرت مولٰنا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کتب خانہ امدادیہ دیوبند

فتح الملہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مکتبہ دارالعلوم کراچی

فیض القدیر الحافظ محمد المدعو بعبد الرؤف المناویؒ دار الفکر

الفتاوی الهندية الشيخ نظام الدين وجماعة من علماء الهند الاعلام بلوچستان بک ڈپو

فتاوی ابن تیمیه الشیخ احمد بن تیمیه دار العربية بيروت

فتاوی رحیمیہ مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ مکتبہ رحیمیہ

فتح القدير كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسی ت ۶۸۱ دار الفكر

فيض الباری حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ت۱۳۵۲ مطبعہ حجازی القاہرۃ

فتاوی رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ت۱۳۲۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور

فتاوی قاضی خان فخر الدين حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی ت۵۹۲ بلوچستان بک ڈپو

الفقه الاسلامی و أدلته الدكتور وهبة الزحيلی دار الفكر

فتاوی دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، ومفتی محمد شفیع صاحب دارالاشاعت

الفتاوى التاتارخانية عالم بن علاء الانصاری الاندرپنی الدهلوی ت۷۸۶ ادارة القرآن

فتاوى اللكهنوی أبو الحسنات عبد الحی اللكهنوی و۱۲۶۴ ت۱۳۰۴ دار ابن حزم كراچی

الفتاوى البزازية الحافظ الدين محمد بن محمد بن شهاب البزاز الكردی ۸۲۷ بوچستان بک ڈپو

الفقه على المذاهب الأربعة للشيخ عبد الرحمن الجزائرى دار الفكر

فتاوی فریدیہ مع التعلیقات حضرت مفتی فرید صاحبؒ اکوڑہ خٹک

الفتاوی الولوالجیة ظهیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفة الولوالجی دار الکتب العلمیة

الفقه الحنفی و ادلته الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی دار الکلم الطیب دمشق

الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید عبد الحمید محمود طهماز دار القلم دمشق

فتح المعین محمد ابوالسعود المصری ایچ ایم سعید

فتاویٰ دارالعلوم زکریا حضرت مفتی رضاءالحق صاحب زمزم

فتاوی علماء البلد الحرام مرتب خالد بن عبدالرحمن

فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء مرتب شیخ احمد بن عبد الرزاق الدویش

فتاویٰ بینات مجلس دعوت وتحقیق اسلامی مکتبہ بینات کراچی

فتح المنان (المسند الجامع) ابوعاصم نبیل بن هاشم الغمری

فقہ حنفی کے اصول وضوابط افادات حکیم الامت مرتب مولانا محمد زید ندوی

فقہی مقالات حضرت مفتی محمد تقی عثمانی

فقه المعاملات الشیخ محمد علی الصابونی

فیروز اللغات شیخ فیروز الدین

فتاوی الشیخ عبد العزیز بن باز

الفقه المنهجی الدکتور مصطفی الخن و الدکتور مصطفی البغا دارالقلم دمشق

الفقه المیسر احمد عیسی عاشور مکتبة القرآن القاهرة

الفتح الربانی الامام الساعاتی

فتح الغفار العلامة ابن نجیم المصری

الفوائد المجموعة للعلامة الشوکانی

فتح الباب فی الکنی والالقاب ابن مندة

الفجر الساطع علی الصحیح الجامع محمد الفضل بن محمد الفاطمی

فقه اللغة الامام الثعالبی

الفتوحات الربانیة علی الاذکار النوویة الشیخ محمد بن علی بن محمد بن علان المکی احیاء التراث العربی

فقه المشكلات القاضى مجاهد الاسلام ادارة القرآن

فضائل القرآن القاسم بن سلام

الفواكه الدوانى احمد بن غنيم بن سالم النفراوى دارالفكر

الفتاوى للامام العلامة محمد بن بخيت المطيعى مفتى الديار المصرية دارالصديق للعلوم

فص الخواتم فى ما قيل فى الولائم ابن طولون موقع الوراق

فقه السنة للسيد سابق

فتاویٰ شیخ الاسلام شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرتب مفتی سلمان منصور پوری

فصل الخطاب فى مسئلة الحجاب لمولانا المفتى محمد عاشق الهى البلندشهرى ادارة المعارف

الفتاوى الحديثية الشيخ ابن حجر الهيتمى

الفوائد تمام الرازى ابو القاسم مكتبة الرشد

الفائق العلامة الزمخشرىؒ

فتاویٰ اسلامية الشيخ عبدالعزيز والشيخ صالح بن عثيمين

فقه النوازل فى العبادات الشيخ خالد بن على (المكتبة الشاملة)

الفردوس بماثور الخطاب ابوشجاع شيرويه بن شهردار الديلمى دارالباز مكة المكرمة

فتح المنان فى اثبات مذهب النعمان الشيخ عبدالحق الدهلوىؒ

فضائل التسمية باحمد و محمد الشيخ المحدث ابن بكير

الفتوحات المكية الشيخ محيى الدين ابن العربى الطائى المالكىؒ

الفقيه والمتفقه الخطيب البغدادى

فتاویٰ عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

فتاوى الازهر دار الافتاء المصرية

فتاوى السبكى الامام ابو الحسن تقى الدين السبكى بيروت

فتح الكريم المنان ضباع المصرى

فى ظلال القرآن السيد قطب

فتاوی دارالافتاء المصرية مفتی عطية صقر وزارة الاوقاف المصرية

فوائد مكيه مع الحواشی القاری المقری عبد الرحمن المكیؒ

فلکیاتِ جدیدہ حضرت مولانا موسیٰ روحانی بازی

الفتاوی المهمة الشيخ عبدالعزيز بن عبدالله بن بازؒ دارالغد الجديد

فضائل درود شریف حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

فضائل اعمال حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

قاف

القاموس الوحيد مولانا وحيد الزمان الكيرانوی حسينيه ديوبند

قواعد الفقه مولانا عميم الاحسان دار الكتاب ديوبند

القاموس الفقهی سعدی ابو جيب دارالفكر دمشق

قاموس الفقه مولانا خالد سیف اللہ

القول الراجح افاداتِ مفتی غلام قادر نعمانی

القاموس الجديد اردو عربی مولانا وحید الزمان صاحب دیوبند

قواعد فی علوم الحديث مولانا ظفر احمد عثمانی

القول المبين فی اخطاء المصلين ابوعبيدة مشهور بن حسين بن محمود بن سليمان

قواعد واسس فی السنة والبدعة الدكتور حسام الدين عفانه

قفو الاثر رضی الدين محمد بن ابراهيم الحلبی الحنفی حلب

القبلة والمعانقة والمصافحة ابن الاعرابی

قرة العينين على تفسير الجلالين محمد احمد كنعان دارالبشائر الاسلامية

قيام الليل محمد بن النصر المروزی

قصة التوسعة الكبری حامد عباس

القول البديع العلامة شمس الدين السخاویؒ

كاف

کنز العمّال علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الهندی ت۹۷۵ مؤسسة الرسالة
کفایت المفتی مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دھلویؒ دارالاشاعت کراچی
کشف الخفاء للشیخ اسماعیل بن محمد العجلونی ت۱۱۶۲ دار احیاء التراث بیروت
کشاف القناع عن متن الاقناع منصور بن یونس بن ادریس البهوتی دار الفکر
کتاب الفتاوی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زمزم
کنز الدقائق ابو البرکات النسفی امدادیة ملتان
کشف الاسرار عبد العزیز البخاری
الکفایة فی شرح الهدایة العلامة خوارزمیؒ
کتاب الام حضرت امام شافعیؒ
الکافی فی الفقه الحنفی وهبی سلیمان غاؤجی
کتاب الآثار للامام ابی یوسف دارالکتب العلمیة بیروت
کتاب الآثار للامام ابی حنیفهؒ کتب خانه مجیدیه ملتان
کتاب التجنیس والمزید برهان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی م ۵۹۳ هـ
الکامل ابن عدی بیروت
کفایت الطالب الربانی علی ابوالحسن المالکی
کشف المشکل من حدیث الصحیحین الامام ابن الجوزیؒ
الکنی والاسماء ابو بشر الدولابی دارابن حزم
کتاب الفروع شمس الدین ابوعبدالله محمد بن مفلح موسسة الرسالة
الکاشف الامام الذهبیؒ
کتاب الضعفاء ابن الجوزی
کتاب الضعفاء الامام النسائی
کتاب الضعفاء الامام البخاری
الکفایة فی علم الروایة الخطیب البغدادی

کتاب الاذکار الامام النووی مکتبة دارالبیان

کتاب الاصنام هشام ابن الکلبی القاهرة

کشف الظنون حاجی خلیفه

کتاب المصاحف ابوبکر بن ابی داود

الکوکب الدری حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ادارۃ القرآن

لام

لسان العرب العلامة ابن منظورؒ و ۶۳۰ت ۷۱۱ مکتبة دار الباز مکة المکرمة

لامع الدراری افاداتِ حضرت مولانا رشید احمد گنگوھی سعید کمپنی

لسان المیزان ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ت ۸۵۲، اداره تالیفات اشرفیه ملتان

لغات الحدیث حضرت علامہ وحید الزمان

لغات کشوری سید تصدق حسین صاحب رضوی منشی نول کشور

اللؤلؤ والمرجان محمد فواد عبدالباقی دارالفکر

اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة امام سیوطی بیروت

لسان الحکام فی معرفة الاحکام الشیخ ابوالولید ابراهیم ابن الشحنة الحنفی دارالفکر

اللطائف فی اللغة احمد بن مصطفی الدمشقی دارالفضیلة

لغات سعیدی مولانا عبدالعزیز صاحب ومولانا محمد سعید صاحب ومولانا محمد منیر صاحب

لسان اللسان لابن منظور المکتب الثقافی

لباب الفتاویٰ حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڈکودری گجرات

میم

مشکوٰۃ المصابیح ابو عبد الله محمد بن عبد الله خطیب طبریزیؒ قدیمی کتب خانه کراچی

مرقاة شرح مشکوٰۃ للشیخ الملا علی القاریؒ مکته امدادیه ملتان

مسلم ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیریؒ و ۲۰۶ت ۲۶۱، مکتبة الاشرفیة دیوبند

مختصر القدوری ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی سعید

المحیط البرهانی محمود صدر الشریعة ابن مازة البخاری الریاض

منحة الخالق حاشیة البحر الرائق علامه شامی کوئٹه

منظومه ابن وهبان عبدالوهاب بن احمد ابن وهبان الدمشقی الوقف المدنی دیوبند

منتخبات نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی

مغنی المحتاج محمد بن محمد الخطیب الشربینی التوفیقیة

معرفة السنن والآثار الإمام البیهقی جامع الحدیث

مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی مصطفی السیوطی الرحیبانی موقع الإسلام

المستدرک علی الصحیحین محمد بن عبد اللّٰه الحاکم ت۴۰۵ دار الباز للنشر والتوزیع۔ مکة المکرمة

مجمع الزوائد الحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمیؒ ت۸۰۷ دار الفکر

مجمع الضمانات العلامة ابی محمد بن غانم بن محمد البغدادی ت۱۰۳۰ دار السلام بیروت لبنان

مسند الامام احمد بن حنبل الاما م احمد بن حنبل الشیبانیؒ و۱۶۴ ت ۲۴۱ دار الفکر

معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ت۱۳۹۶ ادارۃ المعارف کراچی

مصنف ابن ابی شیبة حافظ ابو بکر عبد الله بن محمد بن أبی شیبة العبسی ت۲۳۵ ادارة القرآن کراچی

المجموع شرح المهذب ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت۶۷۲ دار الفکر

میزان الاعتدال حافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی ت۷۴۸ دار الفکر العربی

المعجم الکبیر حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و ۲۶۰ت۳۶۰ مکتبه ابن تیمیه

مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی میر محمد کتب خانہ

المحلیٰ ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی دار الباز مکة المکرمه

مسند ابی عوانه ابو عوانه یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی دار المعرفة

المغنی عن حمل الأسفار علیٰ هامش احیاء العلوم علامه زین الدین عبد الرحیم العراقی ت۸۰۶ دار الفکر

مسند أبی داؤد الطیالسی أبو داود سلیمان بن داود الفارسی الطیالسی ت۲۰۴ دار المعرفة

المعجم الأوسط أبو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ت۳۶۰ مکتبة المعارف

مسند أبی یعلی شیخ الاسلام أبو یعلی أحمد بن علی الموصلی و ۲۱۰ ت۳۰۷ مؤسسة علوم القرآن

المعجم الصغير　ابو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ت ۳۶۰　المكتب الاسلامی

المبسوط　شمس الائمة ابو بكر محمد احمد السرخسی　دار المعرفة بيروت

مصنف عبد الرزاق　أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعانی و ۱۲۶ ت ۲۱۱　ادارة القرآن كراچی

مؤطا الامام مالک　الامام مالک بن انس ؒ

المغنی　ابن قدامة الحنبلی　دار الكتب العلمية

معارف السنن　العلامه السيد محمد يوسف البنوریؒ　سعيد

مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر　عبد الله بن شيخ محمد داماد افندی　دار إحياء التراث

مسند الحميدی　ابوبكر عبد الله بن الزبير الحميدی　سملک ڈابهيل الهند

المقالات الفقهية　مفتی رفیع عثمانی صاحب　مکتبہ دارالعلوم کراچی

مجلة المجمع الفقهی الاسلامی　رابطة العلم الاسلامی مكة المكرمة

معلم الفقه ترجمه مجموعة الفتاوی　حضرت مولانا عبد الحی لكهنوی

المعجم الوسيط　ابراهيم مصطفی مع اخوانه

الموضوعات　العلامه ابن الجوزی

مسند عبد ابن حميد　عبد بن حميد بن نصر

مجموعہ قوانین اسلامی　قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم　الامام القرطبی　بيروت

مجلة البحوث الاسلامية　مكة المكرمة

الموسوعة الفقهيه الكويتية　وزارة الاوقاف بالكويت

الموافقات　الامام الشاطبی

مدارک التنزيل　ابوالبركات عبد الله بن احمد بن محمود النسفی

المدونة الكبری　الامام مالکؒ

المغرب　ناصر الدين المطرزی

معين الحكام فيما يترددبين الخصمين من الاحكام　العلامه الطرابلسیؒ　دارالفكر

مشکل الآثار الامام الطحاویؒ

مجلّہ فقہ اسلامی قاضی مجاہدالاسلام اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

مطالب اولی النهی مصطفی سیوطی حنبلی دمشق

مجلة الاحكام العدلية جماعة من علماء الدولة العثمانية

المقاصد الحسنة العلامه السخاویؒ

متن المنار فی اصول الفقه ابوالبركات النسفیؒ ۷۱۰م

معجم المصطلحات والالفاظ الفقهية محمد عبدالرحمن عبدالمنعم بیروت

معجم لغة الفقهاء الشيخ محمد رواس وشيخ حامد صادق ادارة القرآن كراچی

الملخص الفقهی صالح بن فوزان دارالعاصمة الرياض

مشارق الانوار قاضی عياض المكتبة العتيقة

المورد قاموس انگریزی عربی منير البعلبكی دارالعلم للملايين

المورد قاموس عربی انگریزی منير البعلبكی دارالعلم للملايين

المنجد فی اللغة دارالمشرق بیروت

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مالابدمنہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی

مجموع فتاوی ورسائل العثيمين

معارف الحدیث مولانا منظورنعمانی صاحب دارالاشاعت

مسند اسحاق بن راهويه

المطالب العالية الحافظ ابن حجر العسقلانی

معجم الصحابه ابن الاعرابی

مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی دیوبند

مختصر تاريخ مدينة دمشق ابن عساكر

المبسوط امام محمد ادارة القرآن والعلوم الاسلامية كراتشی

مصباح الزجاجة العلامه البوصيرى

مسند الشاميين الامام الطبرانى

معرفة الصحابة ابو نعيم الاصبهانى

مقدمة فتح البارى الشيخ الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

موسوعة كشاف اصطلاحات الفنون

المقالة العذبة فى العمامة العذبة للشيخ الملا على القارى

موسوعة الدفاع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم على بن نايف الشحود

مسند الحارث الحارث بن ابى اسامة

معجم الصحابة ابن قانع

مقالات الامام الكوثرى

مسئولية المرأة المسلمة عبد الله بن جارة ابراهيم جارالله

المغير مع التعليقات الحافظ احمد الغمارى

المغنى فى الضعفاء الامام شمس الدين محمد بن احمد بن عثمان الذهبیؒ

مواهب الجليل لشرح مختصر الخليل شمس الدين ابوعبد الله الطرابلسى المغربى دارعالم الكتب

الموضوعات الكبرى ملا على القارى

منهج النقد فى علوم الحديث نور الدين عتر دارالفكر

مبادى علوم الحديث واصوله شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیراحمد عثمانی صاحب

المختصر فى اخبار البشر ابوالفداء

مختار الصحاح محمد بن ابى بكر بن عبدالقادر الرازى بيروت

مسند الامام ابى حنيفة

مسند ابن الجعد

مسئلة فى قص الشارب الحافظ زين الدين العراقى دارالبشائر الاسلامية

مسند الربيع الشيخ ربيع بن حبيب الازدى البصرى بيروت

مریض اورمعالج کے اسلامی احکام ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم، بی، بی، ایس)

مجموع الفتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیة دارالوفاء

مجموعہ فتاویٰ برائے خواتین مرتب؛ مولانا مفتی ثناء اللہ محمود صاحب دارالاشاعت

المورد القریب (cassells french dictionary)

مردوں کے لباس اور بالوں کے شرعی احکام مفتی کمال الدین راشدی

الملتقط الشیخ ابو القاسم السمرقندی بیروت

المدخل الی مذهب الامام احمد بن حنبل الشیخ ابن بدران الحنبلی دارالکتب العلمیة بیروت

المدخل ابوعبدالله ابن الحاج العبدری الفاسی المالکی دارالفکر

مظاہر حق جدید شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

مسائل اربعین حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب

المبدع شرح المقنع ابن مفلح الحنبلی دار عالم الکتب الریاض

المجموعة فی الاحادیث الضعیفة والموضوعة ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف

محاضرات فی علوم الحدیث ماهر یاسین الفحل کلیة العلوم الاسلامیة

الموسوعة القرآنیة الشیخ ابراهیم الابیاری موسسة سجل العرب

المعجم المفصل فی النحو العربی الدکتورة عزیزه فوال

المنار المنیف الحافظ ابن القیم الجوزیة

المقتفی من سیرة المصطفی الامام المؤرخ الحسن بن عمر حبیب دارالحدیث القاهرة

مصباح اللغات العلامة الشیخ عبدالحفیظ ابوالفضل البلیاوی

موسوعة الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر

مجمع بحار الانوار الشیخ محمد طاهر الفتنی الهندی

مکانة الامام ابی حنیفة بین المحدثین الدکتور محمد قاسم

معجم مقاییس اللغة ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا دارالفکر

المنتقی شرح الموطا ابوالولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی المتوفی ۴۷۴

المختصر الكبير فى سيرة الرسول

مقامات الحريرى ابومحمد قاسم بن على بن محمد بن عثمان الحريرى البصرى

مسند الرويانى ابوبكر محمد بن هارون الرويانى

مسائل فقهية معاصرة الشيخ عبد الملك بن عبد الرحمن السعدى دارالنور عمان

مسلمانانِ کناڈا کے بعض مسائل مولانا خالد سیف اللہ صاحب موسسۃ الاسلامیۃ تورنتو

مجموع فتاوى ابن باز

مس الاجهزة الالكترونية التى يخزن فيها القرآن وحملها محمد جنيد نورى المدينة المنورة

المقنع فى رسم مصاحف الامصار ابوعمرو الدانى

معجم ابن المقرى

الميزان فى احكام تجويد القرآن دار الايمان

مناهل العرفان فى علوم القرآن الشيخ محمد عبدالعظيم الزرقانى

مقدمة ابن خلدون

مسند الشهاب القضاعى

مغازى الواقدى بيروت

المواهب اللدنية العلامة احمد بن محمد القسطلانى المكتب الاسلامى

مفهوم البدعة الشيخ الدكتور عبد الاله

مدارج السالكين العلامة ابن القيم الجوزية

معانى اسماء الانبياء لابن الشريف

موسوعة الكتاب المقدس سحادة بشير

موسوعة اليهود واليهودية عبدالوهاب المسيرى

نون

نصب الرايه جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الزيلعى الحنفى المكتبه المكية ١٥٦

نیل الاوطار للشیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ ادارة القرآن کراچی
نهاية المحتاج الى شرح المنهاج شمس الدين محمد بن أبى العباس دار الفكر
نسائی شریف ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائیؒ و ۲۱۵ ت ۳۰۳ قدیمی کتب خانه
نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی
النهر الفائق سراج الدين المصرى قديمى
نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
نتائج الافكار شمس الدين قاضى زاده آفندى دار الفكر
النتف فی الفتاویٰ شيخ الاسلام قاضى القضاة ابوالحسن السغدى ۴۶۱ م دارالكتب العلمية بيروت
النافع الكبير العلامه اللكهنویؒ
نصاب الاحتساب عمر السنامى
نورالانوار للشيخ ملا جيون ايچ ايم سعيد كمپنى
النهاية فی غريب الاثر ابن الاثير
نوادر الفقه حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب
نوادر الاصول الحكيم الترمذى
نظرات فی كتاب حجاب المرأة المسلمة الشيخ عبد العزيز بن خلف
النكت على مقدمة ابن الصلاح العلامة بدرالدين ابوعبدالله الزركشى الشافعى اضواء السلف
النحو الوافى عباس حسن
نهاية الارب فی فنون الادب بيروت
النشرفی القراء ات العشر العلامة ابن الجزرى دارالفكر
نيل الشفاء بنعل المصطفى حضرت مولانا اشرف على تهانوى
نزهة الاسماع فی مسئلة السماع ابن رجب الحنبلى
نهاية القول المفيد فی علم التجويد الشيخ محمد المكى المكتبة العلمية

واو

وجوب اعفاء اللحية شيخ الحديث مولانا محمد زكريا كاندهلویؒ

الوسيط فی المذهب الامام الغزالی

ولڈ بک انسائیکلوپیڈیا

الوافی فی كيفية ترتيل القرآن الكريم الشيخ احمد محمود الشافعی دارالكتب العلمية

هاء

الهداية ابو الحسن علی بن ابی بكر المرغينانیؒ و ۵۱۱ت ۵۹۳ مكتبة شركة علمية

هداية الحمكة شرح ميبذی

ياء

اليواقيت الشيخ عبد الوهاب الشعرابی

اليواقيت الغالية فی تحقيق الاحاديث العالية الشيخ محمد يونس السهارنفوری